# فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد اوّل یعنی مضامین نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے
تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت
نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم ان کو
دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رے میں جو ایک حکیم و فاضل او
کامل **ابو علی مسکویہ** نامی رازی گزرا ہے یہ اسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے متانت
عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی سلاست کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر الدین
جو اپنے زمانہ کا ایک مشہور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کے
کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی
کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا
فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت
تصور کرتے تھے۔ اور تو اور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اس حکیم کے ہمعصروں میں دو
ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں
خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی
معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغایرت نہ تھی۔ اسواسطے حکیم مذکور نے
کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اسکے فضائل اور
بیان سے اسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم
اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن و معاشرت کا
علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ کے
نہیں جاتا تو [illegible] بلکہ [illegible] جو ہمارے روزمرہ کے استعمال [illegible]

محتاج تھی کیا ان حالات میں ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذہبی کے ایسے مضامین درج کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت
کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے۔

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال
ایک ایسے اولوالعزم کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل و صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے
ترقی کے موانعات اور اسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا
چاہیے۔ وہ کون؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔
ایل۔ ڈی ہیں جنہوں نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر
معلوم کیا کہ یہی قوم جو کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلیٰ
درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اس سے ایسی مغایرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور کو
ظلمت سے یا آبادی کو ویرانے سے۔ تو ان حالات سے اُن کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اسکی حل مشکلات میں مصروف
ہو گیا اور جو کچھ ہو سکتا تھا۔ برسوں سوچا کیا۔ دل و دماغ سے۔ قلم و زبان سے مال اور جان سے جو
مدد مل سکتی تھی وہ اسی پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ اخبار جاری کیا علمی کتابوں کے ترجمے
کر کے شایع کئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش
ہیں ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج و ترقی کے اسباب بچشم خود دیکھنے کیواسطے لندن تک سفر اختیار کیا اور جو کچھ
وہاں بنظر عبرت غور سے دیکھا اسکی ترقی کے سب باتوں کو جانچا۔ پھر ان سب باتوں کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا اور اس
بات سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے عزت
اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے
اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اسکے مدنظر ہو۔ اسکو لازم ہے کہ فاتح
قوم کی زبان اور ان علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں
اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اغراض مذکورہ کے انصرام کا کفیل ہو۔**

اب اس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں قوم کو
ان سے آگاہ کرے مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اسپر
ادبار چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اونگھ رہی ہے۔ نہ سر پر کچھ پڑے اسکی آنکھ کھلتی ہے اور نہ کوئی جھنجھوڑ کر اٹھا
سکتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام بلند آواز نے ان کی طبیعت کو اشتعال دیا۔ اسکی سریلی آواز میں غضب کی طاقت تھی
کہ جس دل میں پہنچی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ سستوں کو

ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں رُوح پھونک دی۔ زندوں کو رُوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ تیسیر کلام

## مقدّس تہذیب الاخلاق جسکی اشاعت کا انتظام در پیش ہے۔

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مسلمانوں کی حُسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بار گراں اپنے ذمہ لیا۔

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دُور کر دیا۔

جس نے دُنیا کو بتلا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دُنیاوی ترقیات کرنے کو [illegible] آمادہ ہے۔

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وُہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلح بنی آدم صرف حیات بعثت نبوی [illegible] محمد [illegible]

ہاں کتاب تو یہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور [illegible]

ناپید کر دیا اگر کہیں تھا تو یکتی ہوئی مل بھی جائے تو پھر عام تو اسکی خریداری و نفیس [illegible]

آدمی [illegible] کہاں سے لائے اور [illegible] سکی [illegible] گوانی [illegible]

اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شایع کیا جائے۔ اور [illegible] قیمت [illegible]

کے لحاظ سے تفصیل حسب ذیل ہوگی:۔

**پہلے حصہ** میں آنریبل سر سید احمد خاں صاحب [illegible]

**دُوسرے حصہ** میں نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب [illegible]

**تیسرے حصہ** میں نواب عظیم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی صاحب [illegible]

**چوتھے حصہ** میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین [illegible]

مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمد محمود وغیرہ صاحبان [illegible]

ترتیب تو اسکی مقتضی تھی کہ پہلے آنریبل سر سید احمد خاں بہادر [illegible]

مشرقی تحقیقات کے نکتہ طراز دل نے نواب محسن الملک کی تقدیم مضامین [illegible]

پہلے حصہ کے دوسرا حصہ شایع ہوتا ہے۔ باقی سلسلہ وار شایع ہونگے +

**قوم کا خــــــــــادم**

خاکسار منشی **فضل الدین** تاجر کتب قومی و مالک [illegible]

لاہور۔ بازار کشمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حصہ اول

# اسلام

تمام متکلمین اور حکماء کا قول ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ یعنی ہر چیز کی فی ذاتہٖ ایک حقیقت اور
ت ہے اور انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ تقلیب الماہیت محال یعنی ماہیت کا بدل جانا عقلاً
ہے اور جو شئے عقلاً محال ہو اسکا واقع بھی ہونا غیر ممکن -

پس اگر ہم کسی شئے کی حقیقت کو جانتے ہوں لیکن اسکو اسکی ماہیت سے بدلا ہوا پاویں
اور اسکی ذاتی حقیقت اور اصلی حالت تھی اسمیں فرق دیکھیں تو ہمکو لازم ہے کہ ہم
سبب دریافت کریں اور ان عوارض خارجی اور اسباب عارضی کی تحقیقات پر متوجہ ہوں
کے سبب سے اس شئے کی ماہیت ہماری نظروں میں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے -

ہر شئے کی ماہیت ثابت اور قائم رہنے کے لیئے ضرور ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی
ہے اور کوئی دوسری شئے اس میں نہ ملے ورنہ جہاں ترکیب اور اختلاط نے راہ پائی اور اشیاء
مختلفہ ایک دوسری سے ملیں تو پھر ان اشیاء مختلفہ کی ماہیت کا دریافت کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور
پتا لگتا ہے جس نے ان چیزوں کی حالت اصلی کو بدل دیا شبہ تقلیب ماہیت کا ہوتا ہے -

ہر شئے فی نفسہ اپنی ماہیت اور حقیقت میں جدا جدا ہے اور کسی دو چیز کی ایک ماہیت
نہیں ہے اس لیئے کہ جب تک ماہیت دوسری نہ ہوگی تب تک وہ شئے دوسری نہ کہلاویگی
پس جب دو چیزیں کہ لامحالہ فی ذاتہ جداگانہ ماہیت رکھتی ہونگی باہم ملینگی تو ان کے اختلاط
سے دونوں کی ماہیت ایک ہوجاویگی گو ان کی ترکیب باہمی سے ان اشیاء مختلفہ مخلوطہ کا

ایک رکھدیا جائے اصل میں دونوں چیزیں اپنی جداگانہ ماہیت پر باقی رہینگی، اور اس ترکیب سے اُن کی حقیقت میں کچھ فرق نہ آئیگا +

لیکن ترکیب اور اختلاط کے سبب سے اُن اشیاء مختلفہ کی حیثیت ظاہری ایسی مل جاتی ہے کہ اُن کے ہر اجزار منفردہ یعنی ہر شئے جداگانہ کی حقیقت کا دریافت کرنا نہایت دشوار بلکہ قریب بہ محال ہوگا اور پھر جب تک کہ وہ ترکیب کسی عمدہ تدبیر سے دور نہ کیجاوے اور ہر شئے اپنی اصلی حالت پر نہ لائی جاوے تب تک ماہیت کا دریافت کرنا حیطۂ امکان سے خارج ہوگا +

پس اگر ہم کسی شئے کی حقیقت دریافت کرنے پر مستعد ہوں تو پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ اُسکی حالت موجودہ پر نظر کریں کہ آیا وہ اپنی اصلی حالت تجرد پر باقی ہے یا کہ اور چیزیں بھی اُسمیں ملی ہوئی ہیں۔ اگر ہم اور چیزوں کا میل اُن میں پاویں تو دوسرا کام ہمارا یہ ہوگا کہ اُن چیزوں کو جدا کرکے اُس شئے کو اُن سے علیحدہ کر کے اُسکی اصلی حالت پر لے آئیں۔ قصد تحقیق کے اور چیزوں سے جدا کرنیکا قصد ہے تو تیسرا کام ہمارا یہ ہوگا کہ ہم اُس آلہ کو دریافت کریں جس سے وہ اختلاط کا حقہ دور ہو۔ اگر ہم اپنے ان تینوں کاموں میں غلطی نہ کرینگے تو ضرور اُس شئے کی حقیقت دریافت کر سکینگے۔

جب ہم کسی چیز کے حسن و قبح کی تحقیقات پر آمادہ ہوں تو ہمکو لازم ہے کہ پہلے ہم اُس شئے کی حقیقت جس طرح اوپر ہم نے بیان کی ثابت کریں بعد اُسکے اپنی رائے اُس شئے کی بُرائی بھلائی کی نسبت قائم کریں ورنہ اگر ہم بغیر دریافت کرنے اُسکی حقیقت کے کسی مرکب شئے کو جوہر مجرد سمجھکر اُسپر اپنی رائے قائم کریں تو ہم غلطی اور دھوکا میں رہینگے اور وہ رائے ہماری نسبت اُس شئے کے نہ ہوگی بلکہ نسبت اُن اشیاء مختلفہ کے ہوگی جن کو اختلاط نے ظاہر میں ایک کردیا ہے۔

جب ہم موجودات خارجی میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سرسری نظر میں ہمکو ہر شئے بسیط معلوم ہوتی ہے اور ہماری پہلی نگاہ اُسکی ترکیب اور اختلاط پر نہیں جاتی لیکن جس قدر غور کرتے جاتے ہیں اُسیقدر ہمکو اُس کے اجزار مرکبہ کی کیفیت معلوم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر ہمکو یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی شئے اُن میں سے جوہر بسیط اور مجرد محض نہیں ہے اور سب میں اشیاء متضاد ملی ہوئی ہیں۔ آخر ہمکو اُس آلہ اور ذریعہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اُس ترکیب کو باطل کرکے ہر شئے کو جدا جدا کریں۔

جو کیفیت ہم نے اعیان موجودات کی بیان کی وہی حال ہماری مدرکات اور معلومات اور معتقدات کا ہے کہ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اور جو کچھ ہم مانتے ہیں اُس کی نسبت صحت اور سچائی کا یقین نہیں کر سکتے اور اُسکو غلطی اور خطا اور وہم اور شک کی آمیزش سے خالی نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اُسکو کسی سچے ذریعہ اور کارآمد آلہ سے جانچ نہ کریں اور اُسکے اجزا و مرکبہ کو علیحدہ علیحدہ کر کے نہ دیکھ لیں پس جس طرح موجودات خارجی میں سے کسی شے کی حقیقت کے جاننے کا دعویٰ کرنا بغیر اس کے کہ اسکو اپنی اصلی حالت پر لاکر امتحان کریں نادانی ہے اسی طرح ہمکو اپنے معتقدات میں سے کسی اعتقاد کی صحت پر یقین کرنا قبل اس کے کہ ہم اُسکو توہمات اور خیالات سے جدا کر دیں بڑی غلطی ہے۔

جیسا کہ ہمکو کسی موجودات کی حقیقت معلوم کرنے پر یقین نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمنے خود اُسکو مذکورہ تدبیروں سے نہ جانچا ہو اسی طرح ہمکو اپنے معتقدات کی صحت پر اعتقاد کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمنے بذاتہ اُسکو اسی طرح دریافت نہ کیا ہو اور اگر ہم نے ایسا کر لیا ہو تو بیشک ہمارا اعتقاد بھی صحیح ہوگا اور اُس پر ہمکو یقین بھی ایسا ہوگا کہ اگر ساری دنیا ہماری مخالف ہو اور تمام جہان ہمکو مجنون اور دیوانہ بناوے مگر ہمارے اُس یقین اور اعتقاد میں کچھ خلل نہ ہوگا۔

بغیر اپنی ذاتی تحقیقات اور جانچ کے جو کچھ ہم سمجھیں اور جو کچھ اعتقاد کریں وہ صرف سُنا ہوا ہوگا اور کبھی غلطی کے احتمال سے محفوظ نہ رہیگا اور طمینان قلبی جس شے کا نام ہے وہ کبھی حاصل نہ ہوگی ہماری مثال ٹھیک ٹھیک ایک اندھے کی ہوگی جس کو کوئی ہاتھ پکڑے لیے جاتا ہو کہ اگر قسمت سے راہ بتانے والا اچھا ملگیا خیریت گذری۔ ورنہ کسی گڑھے غار میں گر کر مٹی خراب ہوتی ہے۔

تحقیق کرنیوالے کو ہر چیز کی تحقیقات کے لیئے ضرور ہے کہ جو کچھ لوگوں سے اُس کی حقیقت کی نسبت سُنا ہو یا جو کچھ اُس نے خود سمجھ رکھا ہو اُس سے اوّل اپنے دماغ کو خالی کرے اور کسی کی حقیقت اور صحت پر پہلے سے یقین نہ کرے اس لیئے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو یا تحقیقات کرنے پر اُسکو توجہ نہ ہوگی اس لیئے کہ وہ اپنے خیالات کو یقینیات سمجھ کر اپنے آپکو مستغنی سمجھیگا یا تحقیقات کرتے وقت اُسکو توہمات اور خطرات ایسے پیدا ہونگے کہ وہ اُسکی تحقیق میں خلل ڈالیں گے۔

ایسی تحقیقات کرنے والیکو چاہیئے کہ وہ اُن سب باتوں کو جو لوگوں سے سُنی ہوں یا جو کچھ اُس کے دل میں گذری ہوں پیش نظر رکھے اور بغیر پیدا کرنے یقین کے کسی پر اُنکی تحقیق بذریعہ اُس آلہ اور ذریعہ کے جو اُس کے امتحان کے لیئے ہو کرے تاکہ اُسکو خود معلوم ہووے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔

تمثیلاً ہم بیان کرتے ہیں کہ حکمائے یونان کا قول تھا کہ عناصر چار ہیں جن کا نام اُن کی اصطلاح میں اسطقسات اربعہ تھا اور اِن کے جوہر بسیط ہونے پر ہزارہا آدمی معتقد تھے اور ہزاروں برس سے اَب تک معتقد ہیں اور اب حکمائے یورپ کا قول ہے کہ وہ مرکب ہیں پس ہم جسکی بات کو بغیر امتحان اور جانچ کے مانینگے گو وہ فی نفسہ صحیح ہو مگر ہمارا بے جانچے مان لینا ہی ہماری غلطی ہے اس لیئے ہمکو لازم ہے کہ ہم دونوں کے دلائل سُنیں اور جو ذریعے اور آلات اُن کے حقایق دریافت کرنے کے دونوں کے پاس ہوں لیکر خود امتحان کریں تب ہم خود یقین کر لینگے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور اگر ہم ایک کے قول کو پہلے ہی صحیح مان لیں اور دوسرے کی بات تک نہ سُنیں تو ہم درحقیقت جاہل بلکہ جہل مرکب میں گرفتار سمجھے جاوینگے اور گو وہ قول جس کو ہم نے بے سوچے سمجھے مانا ہے درست ہی ہو لیکن ہم غلطی اور دھوکا میں پڑے ہونے سے عقلا کے نزدیک بری نہ ہونگے۔

ان مقدمات کی ترتیب و تمہید سے مطلب ہمارا اپنی قوم کی موجودہ حالت پر غور کرنا اور اُسکی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا ہے پس ہم اُس حالت موجودہ کو ایک شئے قرار دیتے ہیں جو نام سے اسلام کے متعارف ہے اور سرسری نظر میں شئے واحد سمجھی جاتی ہے اور ہمارے تمام عقاید اور اعمال اور حرکات و سکنات و چال چلن پر مسلمانی کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے لیکن غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں اجزائے مرکب اور بے شمار چیزوں سے مختلط ہے اور وہ جوہر نورانی جس کا نام اسلام ہے اور جو فی ذاتہ ہر بُرائی سے پاک اور ہر تیرگی سے صاف ہے اجزاے کثیفہ کے مل جانے سے مکدر اور تاریک ہو رہا ہے اور اُس کا اصلی نور اُس کدر کے سبب سے چھپ گیا ہے۔

ہر ملک میں عرب سے لیکر ہند تک اور ہر قوم میں سادات و شیوخ سے لیکر محترفہ و بازاری تک اور ہر مذہب میں اہل سُنت سے لیکر معتزلہ تک اور ہر فریق میں علما سے لیکر جہلا تک اُس نورانی جوہر کا جُداگانہ جلوہ دکھلائی دیتا ہے اور اُس کلی طبعی کا مضمون ہر فرد میں ایک علیحدہ حصّہ

ظر آتا ہے پس جو شخص سرسری نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اُن سب کو ایک ہی شئے جان کر اسکو اسلام سے تعبیر کرتا ہے اور ہمارے عقاید اور رسمیات کو اصل اسلام سمجھکر اُنکے حسن و قبح سے بحث کرتا ہے۔

پس اگر ہم اُس مجموعہ کو مع جمیع افراد کے اسلام کہیں تو یہ کہنا ہمارا محض غلط ہے اور اگر اُس سے قطعیۃً انکار کریں تو بھی انکار ہمارا نادرست ہے اس لیئے ہمکو سوائے اسکے کچھ چارہ نہیں ہے کہ ہم انہیں اصول مجموعہ کو جو اوپر بیان کیئے پیش نظر رکھکر اُسکی ترکیب اور اختلاط کے دور کرنیکی فکر کریں اور کسی نہایت سچے ذریعہ اور نفیس تدبیر سے ہر ہر جزو کو علیحدہ علیحدہ کر کے اسلام جس شئے کا نام ہے اُسکو الگ کریں تب اُسکی حقیقت معلوم ہونے پر یقین کر کے اُن آرائے مختلفہ کو جو اُس مجموعہ مرکب کے حسن و قبح کی نسبت ہے دیکھیں تاکہ ہمکو معلوم ہو جاوے کہ اُن اجزا مختلفہ کا تعلق کس قدر اصل اسلام سے ہے اور کس قدر اُن اشیا خارجی سے جو اسلام میں مختلط ہوگئی ہیں۔

غرضکہ اِس کام کے لیئے ہمکو کوئی سچا اور کارآمد آلہ درکار ہے جو کہ اِس ترکیب کو دور کرے اور وہ سچا اور کارآمد آلہ کیا ہے۔ رسول صلعم کی ذات ہے جن کا لقب احمد مجتبیٰ اور جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

کوئی یہ نہ خیال کرے کہ وہ آلہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح و سالم ہمارے پاس اب تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہیگا ہاں اُس کے اجزا کا سمجھنا اور اُس سے کام لینے کا طریقہ جاننا ضرور ہے۔

اُس آلہ سے مراد وہ صورت شخصی نہیں ہے جسمیں اور لوگ بھی مشابہت صوری رکھتے تھے بلکہ خاص منصب مراد ہے جس میں کوئی کچھ مناسبت نہیں رکھتا یعنی نبوت اور ہدایت کہ اسکے دو جزو ہیں ایک ایسا سچا کہ کسی طرح کا اُسمیں شک اور شبہ نہیں دوسرا ایسا کہ جس کی سچائی پر کسی قدر صحت اور سند اور تحقیقات کی حاجت ہے۔ پہلے جزو سے مراد کتاب اللہ ہے۔ دوسرے جزو سے مراد حدیث ہے۔ پس جس کے پاس یہ دونوں جزو موجود ہوں اُسکے پاس ہر وقت اور ہر ساعت وہ آلہ گویا بذاتہ اور بنفسہ موجود ہے۔ مشرق میں ہو خواہ مغرب میں۔ شمال میں ہو خواہ جنوب میں۔

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است + خم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است

گر ز مغرب بر زند خورشید سر ٭ عین خورشید است نے چیزے دگر

پس ہمکو اپنے تمام حالات کا دینی ہوں یا دنیاوی - اصلی ہوں یا فروعی - حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے - امتحان کرنا لازم ہے - اور امتحان کا طریق یہ ہے کہ اسکی تطبیق کتاب اللہ اور سنت سے کریں جس کو اس کے مطابق پاویں اسکو اسلامی سمجھیں اور جسکو مخالف پاویں اسکو اسلام سے خارج جانیں -

اسلام کو ہماری ذات سے دو قسم کا تعلق ہے - ایک متعلق عقاید کے جسکو علما حکمت نافعہ یا کمال علمی کہتے ہیں - دوسرا متعلق اعمال کے جسکو عقلا قدرت فاضلہ اور کمال عملی سے تعبیر کرتے ہیں - پہلے امر کو جو درحقیقت اصول ہے کتاب و سنت نے ایسا صاف کر دیا ہے کہ اب کسی دوسرے سے پوچھنے بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی - مراتب توحید اور نبوت اور معاد کی کامل تشریح کر دی ہے - دوسرے امر کو جو درحقیقت فروع ہے اسکے اصول بھی تصریح کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں اس لیئے ہمکو اپنی دونوں باتوں کو کتاب و سنت سے ملانا چاہیئے تب معلوم ہوگا کہ کتنی باتیں ہم میں اسلام کی ہیں اور کتنی اس سے خارج اور کون کون سا عمل ہمارا موافق اسکے ہے اور کون سا مخالف -

ہمارے حالات دنیوی بھی مذہب کے تعلقات سے آزاد نہیں بلکہ ہر معاملہ میں خواہ وہ سیاست مدن سے متعلق ہو خواہ اسکو حکمت منزلی سے علاقہ ہو ہمکو شریعت کی پابندی ہی ہمارا تمدن اور معاشرت اور برتاؤ آزادانہ یعنی بلا قید شریعت کے نہیں ہو سکتا جو برتاؤ دنیاوی ہمارا ہوگا وہ بھی مذہبی ہوگا اور ہماری ہر بات اور ہر چال اور ہر فعل اور ہر عمل میں جلوہ اسلام کا چمکیگا اگر وہ برتاؤ مطابق شریعت کے ہے تو وہ نور اسلام ہے اور اگر مخالف ہے تو وہ داغ اسلام -

شریعت نے ہمکو رہبانیت کی تعلیم نہیں کی - جوگی ہونیکی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اس لیئے اگر دل بایار اور دست بکار رہو تو عین صواب - شریعت نے دائرہ معیشت کو تنگ نہیں کیا - زینت دنیا سے ممنوع نہیں کر دیا - ہم مسلمان محرمات سے بچکر اپنی زندگی کو نہایت آرام سے بسر کر سکتے ہیں - اور اپنی اوقات کو اور اپنے مال کو اگر اپنے بھائیوں کی بھلائی میں صرف کریں تو کسی عبادت میں اس سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہو سکتے لیکن ہم نے اپنی بدبختی سے دین کو شرک و بدعت کے عقیدوں سے

خراب اور دنیا کو غفلت اور جہالت کے سبب سے برباد کر رکھا ہے۔ نہ دین کے ہوئے نہ دنیا کے۔

**بیت**

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

جب ہم خلفاء راشدین کے اصول سیاست اور طریق معاشرت اور اخلاق اور عادات اور چال چلن اور برتاؤ کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب و غریب چیزیں پھر جاتی ہیں اور بہت سے عقدے ہمارے حل ہو جاتے ہیں اس لیے ہم کچھ مختصر سا حال خلفاء راشدین کی خلافت کا لکھتے ہیں لیکن صرف اُن باتوں کو جو کہ متعلق سیاست اور معاشرت کے ہیں تاکہ اس سے فواید ذیل حاصل ہوں۔

**اوّل** معلوم ہونا اُن کے اصول سیاست کا کہ وہ کیسے تھے اور کن قواعد پر مبنی تھے۔

**دوسرے** ظاہر کرنا اُن کے اخلاق و عادات کا کہ وہ کیسی صفائی و سچائی اور راستی ہر معاملہ میں رکھتے تھے اور غیر مذہب والوں سے کس طرح سے پیش آتے تھے۔

**تیسرے** ظاہر کرنا اُن کے مختلف قواعد انتظامیہ کا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موافق ضرورت وقت اور حال زمانہ کے اصول سیاست اور تمدن اور معاشرت کے مقرر کرنا اور وقتاً فوقتاً اُن میں اصلاح کرنا اور نئے نئے ضابطے جو پہلے جاری نہ تھے منضبط کرنا اور امور مفید عام کے اجراء میں کوشش کرنا بشرطیکہ کوئی نص کتاب و سنت سے اُسکے منع اور حرمت پر نہو) اُن کے نزدیک بدعت نہ تھا۔

**چوتھے** مخالفت اُن سلاطین اسلامیہ کی شریعت سے جنہوں نے اپنی حرکات ظالمانہ اور افعال جابرانہ سے اپنے بے جا تعصب اور غلبہ غضب کو سلطنت کے کاموں میں دخل دیا اور ناجائز طور سے اپنے اختیارات شاہی کو برتا اور اسلام کو بٹہ لگایا۔

**پانچویں** واقف کرنا اپنے بھائی مسلمانوں کو اُن کے پیشواؤں کے اخلاق اور عادات سے اور اُن کے قواعد انتظامیہ اور قوانین حکمیہ سے تاکہ اُن کو معلوم ہووے کہ وہ امورات انتظام سلطنت میں کیسی استعداد رکھتے تھے اور وہ تہذیب و شائستگی کی ترویج میں کیسی سعی بلیغ کرتے تھے۔

# خُلفاءِ راشدین کے اصولِ سیاست اور احکام اور اخلاق اور عادت کا بیان

میں خلفاءِ راشدین میں سے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات لکھتا ہوں اسلئے کہ اُن کا زمانہ کمال کا زمانہ تھا اور اُن کی ذات سے اصولِ سیاست کا اختراع ہوا اور اُن کے وقت میں کچھ فتنہ و فساد بھی پیدا نہیں ہوا۔

پہلا اصول جس پر بنائے خلافت تھی اجماع تھا۔ یعنی امام اور خلیفہ کا مقرر ہونا تمام اُمت اور رعیت کی مرضی پر موقوف تھا۔ قرابت اور رشتہ اور ارث کو اسمیں کچھ دخل نہ تھا چنانچہ جب وقت وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنا جانشین کر دیجئے حضرت نے فرمایا کہ اُسکا کچھ حق نہیں ہے۔

درحقیقت اُس وقت کی خلافت کو سلطنت جمہوری سمجھنا چاہیئے جس کی خوبی اور عمدگی پر آج تمام شایستہ قوم یورپ کو اتفاق ہے۔

دوسرا اصول خلیفہ کو آزادی اور خودمختاری کا حاصل نہونا۔ امام اور خلیفہ اجراء احکام اور انتظام امورات سلطنت میں آزاد اور خودمختار نہ تھا۔ اپنی خواہشات اور ارادوں کو بلاقید شریعت کے پورا کرنا کیسا ظاہر بھی نہ کرسکتا تھا۔ کتاب اور سنت کا پابند ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جبکہ وہ خلیفہ مقرر ہوئے جو پہلا خطبہ پڑھا وہ یہ تھا "اے مسلمانو میں آدمی ویسا ہی ہوں جیسے کہ تم ہو۔ نہ خطاؤں سے معصوم ہوں نہ غلطیوں سے محفوظ نہ تم سب سے بہتر اور اچھا ہوں اس لئے تم میری خبرداری کرنا۔ جو باتیں میری خدا اور اُس کے رسول کے احکام کے موافق ہوں اُن میں میری تبعیت کرنا۔ اور جن میں مجھے لغزش کرتے ہوئے دیکھنا سنبھالنا"۔

یہ دوسرا اصول درحقیقت پہلے اصول کا نتیجہ ہے بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں خلافت راشدہ کے

---

ان حالات کو ہم نے ان کتابوں سے منتخب کیا ہے۔

(۱) تاریخ یافعی۔ (۲) تاریخ الخلفاء سیوطی۔ (۳) ازالۃ الخفا (۴) طبری ❖

اصول قائم نہ رہا اور سلطنت حق موروثی ہوگیا اسی واسطے دوسرا اصول بھی ٹوٹ گیا
بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگے اور بغیر پابندی قوانین شریعت وغیرہ
سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے لگے۔

تیسرا اصول رعایا کو آزادی حاصل ہونا۔ سوائے شریعت کے احکام کے رعایا کو
کسی امر کے امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھ اختیار سوائے
ان کے جو قانون شریعت سے جائز تھا حاصل نہ تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود مدعی
اور خود مدعا علیہ ہوتا تھا اور کوئی عامل و صوبہ دار بھی اصول کی پابندی سے اپنے اختیارات کو
باہر سے استعمال میں نہیں لا سکتا تھا۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں حاکم نے مجھے بے قصور شرعی
سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے بعد ثبوت کے اس حاکم کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا عمرو بن
العاص معترض ہوئے تب جواب دیا کہ جب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا اپنی ذات کے قصاص اور
احکام شرعی سے مستثنیٰ نہیں سمجھتے تھے تو پھر تم یا یہ کون ہیں۔

کوئی شخص اپنی عزت اور جان اور مال میں کسی کا خائف نہ تھا اور سوائے ان ذریعوں کے
جو شرعاً جائز ہیں کسی سے خلیفہ وقت کچھ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا مگر جو امور سلطنت کے متعلق
خلیفہ جاری کرنا چاہتا اور کوئی اسکی ناجائزیت ثابت کر کے اس سے انکار کرتا تو خلیفہ کو سوائے
سکوت کے کچھ چارہ نہ ہوتا ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا
تو ایک بڑھیا عورت نے آیت قنطارا مقنطرة پڑھکر کہا کہ جس چیز کو خدا جائز اور مباح کرے
تم کیونکر منع کرتے ہو حضرت عمرؓ نے انصاف کیا اور فرمایا کہ کل الناس افقہ من عمر
حتی المخدرات۔

آزادی کا درجہ یہاں تک پہونچا تھا کہ اگر خلیفہ کسی شخص کو شرعی جرم میں ماخوذ کرتے
لیکن بغیر ضابطہ معین کے تو مجرم عذر کرتا اور اپنے آپ کو بچا لیتا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو مدینہ کا گشت کرتے کرتے ایک ایسے گھر کے پاس پہنچے کہ وہاں سے
آواز گانے کی آتی تھی۔ وہ اس گھر کے اندر دیوار کی طرف سے گھس گئے وہاں ایک عورت کو
دیکھا کہ شراب رکھی ہوئی ہے اور وہ گاتی ہے حضرت عمرؓ نے اسکو پکڑا اس عورت نے کہا
اگر ایک جرم کیا ہے تو تم نے تین جرم کئے ہیں۔

اوّل۔ خدا نے فرمایا ہے کہ لا تجسسوا کہ تم تجسس کرتے پھرو۔ سو تم تجسس کیا۔

دوسرے۔ خدا نے فرمایا ہے لیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها۔ کہ دیوار پھاند کے پیچھے سے کسی مکان میں گھسنا اچھا نہیں ہے اور تم دروازہ بند پاکر پشت مکان سے داخل ہوئے۔

تیسرے۔ خدا فرماتا ہے لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم کہ اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر میں جاؤ۔ اور تم بغیر میری اجازت کے چلے آئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اسکو چھوڑ دیا۔

حضرت عمر باوجود اپنے زہد اور ورع کے کہ جس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا عام لوگوں کو مباحات سے منع نہ کرتے تھے اور کھانے پینے آرام کرنے میں دنیا دار مطلق تھے چنانچہ جب حضرت ابو عبیدہ جراح نے انطاکیہ شہر کو فتح کیا اور بسبب پاک صاف ہونے اس شہر کے اور اچھے عمدہ چیزوں کے مسلمانوں نے وہاں چند روز ٹھہرنے کا قصد کیا تو انھوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ میں اس شہر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا ایسا نہو کہ مسلمانوں کو اسکی آب و ہوا پسند آوے اور محبت دنیا کی ان پر غالب ہو جاوے۔ بجواب اس کے حضرت عمر نے لکھا کہ خدا نے پاک چیزوں کو حرام نہیں کیا ہے تم کیوں حرام کرتے ہو۔

چوتھا اصول شوریٰ۔ اسکی اصل قرآن مجید سے ہے کہ خدائے عالم نے فرمایا ہے کہ شاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله کہ جو کام پیش آوے اسمیں صلاح و مشورہ کرنا اور پھر جب تم مصمم ہو جاوے تو خدا پر بھروسہ کر کے اسکو شروع کر دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول کا ہمیشہ لحاظ رکھا اور نہایت خوبی سے اسکی پابندی کی جب وہ کوئی کام کرتے تو سب سے مشورہ اور صلاح کرتے اور پھر سب کو میزان عقل میں تولتے اور بعدہ ایک رائے پر نہایت استقلال سے قایم ہو جاتے اسی واسطے مدبر ملکت میں انھوں نے وہ کمال پایا اور ان کی سب تدبیریں مفید پڑیں۔

حضرت عمر رضی کو اس اصول کا یہاں تک لحاظ تھا کہ اگر کسی فروعی مسئلہ میں وہ نص صریح کتاب و سنت کی پاتے تو وہ مشورہ کرتے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنی آنکھ سے ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا تو باہم مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنیکا اختیار ہے یا نہیں۔ حضرت علی رضہ نے کہا کہ جب نص صریح موجود ہے کہ چار گواہ ہونے چاہئیں تو کیونکر صرف اپنی رویت پر اختیار تعزیر کا ہوگا۔

یہ چوتھا اصول بھی دوسرے اصول کا ثمرہ ہے اس لیئے کہ جب بادشاہ کو آزادی خود مختاری

ہوتی تو لامحالہ وہ صرف اپنی مرضی سے کام نہ کر سکے گا اور اسکو ضرورت اُن لوگوں سے پوچھنے کی ہوگی جو کہ صاحب الرائے ہوں۔

یہ اصول وہی ہے جو کہ تہذیب یافتہ قوموں میں یورپ کی جاری ہے جسکو خلاف سنت اور بیان کے کونسل کہتے ہیں۔

(۵) پانچواں اصول خلیفہ کو ملک کی آمدنی کا سوائے حق معین کے اپنے صرف میں لانا۔ ملک کی آمدنی جو وہ جزیہ کی ہوتی ہو یا خراج کی یا عشر کی وہ سب بیت المال میں جمع ہوتی۔ خلیفہ کو کسی قسم کا اختیار اُس پر نہ تھا صرف روزینہ یا تنخواہ مقرری کے سوا وہ کچھ نہ لے سکتے تھے۔ چنانچہ عہد خلافت میں حضرت صدیق اکبر رض کو صرف کھانا کپڑا ملتا تھا اور جب آمدنی زیادہ ہوئی تب دو ہزار پانچ سو درم ملنے لگے اور حضرت عمر رض بھی اپنی ذات کیواسطے صرف بقدر لیتے جس قدر اور مہاجرین و انصار کو دیتے تھے۔

جو آمدنی ملک کی ہوتی وہ خزانہ میں جمع ہوتی اور فوج کے سرداروں[۱] اور سپاہیوں اور مہاجرین و انصار کو اس سے مشاہرہ مقرری اور فقرا اور مساکین کو آذوقہ کافی دیا جاتا اور بوقت ضرورت عام فائدہ کے کاموں میں صرف کی جاتی جس طرح پر کوفہ اور بصرہ وغیرہ شہروں کی آبادی اور عمارتیں اور وقت ایام قحط مدینہ کے جس کا نام قحط رمادہ ہے غلہ کے باہر سے منگانے میں صرف کی گئی۔

ملک کی آمدنی سے جس طرح مسلمان فقرا و مساکین کو حصہ دیا جاتا اُسی طرح پر اہل کتاب وغیرہ کو کچھ تخصیص مسلمانوں کی نہ تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رض نے ایک بڈھے اندھے یہودی کو ایک جگہ سوال کرتے دیکھا اور وقت استفسار کے معلوم ہوا کہ جزیہ کے مطالبہ کے واسطے وہ سوال کرتا ہے اُسی وقت اُس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اپنے گھر لائے اور کچھ اسکو دیا اور جزیہ کے تحصیل کرنیوالوں کو حکم دیا کہ اس کا اور اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھنا۔ یہ کون انصاف ہے کہ اسکی جوانی کی کمائی تو ہم کھاویں اور بڑھاپے میں اُس کو ذلیل کریں اور اسکی کچھ بھی خبر نہ لیں اس لئے آئندہ سے ایسے لوگوں سے مطالبہ نہ کرو اور اُن کو جزیہ سے معاف جانو اور بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین

---

[۱] عاملوں کی تنخواہ بارہ ہزار درہم دینار سالیانہ تک ہوتی تھی اور اہل شوریٰ کو پانچ ہزار درم ماہواری مقرر تھے۔

اور یہی سا کین اہل کتاب سے ہیں اس لیئے ان کو بھی دینا چاہیئے۔
چھٹا اصول وقت لشکرکشی کے کسی ملک پر مرعات اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا اور کسی
بیجا زیادتی نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو نرمی سے پیش آنا۔
جب کسی ملک کو فتح کرنے کے لیئے لشکر بھیجا جاتا تو اس لشکر کے سرداروں کو جو حکم
دیئے جاتے تھے اُن میں امور مفصلہ ذیل پر نہایت تاکید کیجاتی تھی۔
اوّل۔ کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جاوے۔
دوسرے۔ کسی کا ناک کان نہ کاٹا جاوے۔
تیسرے۔ عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کیئے جاویں اور ان ۔ ۔ ۔ نہ چھوڑے
جاویں۔
چوتھے۔ کوئی درخت پھلدار نہ کاٹا جاوے۔ کوئی میت نہ جلایا جاوے۔
پانچویں۔ کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کیجاوے۔
چھٹے۔ کسی جانور بکری۔ اونٹ وغیرہ کی کونچیں کاٹی نہ جاویں۔
ساتویں۔ کوئی کام بغیر صلاح و مشورہ کے نہ ہووے۔
آٹھویں۔ ہر ایک کے ساتھ طریقہ انصاف و عدل کا برتا جاوے کسی پر ظلم اور جبر نہ کیا جاوے۔
نویں۔ جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جاوے اسمیں بیوفائی نہ کیجاوے اور وہ
ٹھیک ٹھیک وفا کیا جاوے۔
دسویں۔ جو لوگ طاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال
کے برابر سمجھی جاویں اور اُن کے دشمنوں سے اُن کی حفاظت کی جاوے اور تمام
معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کیئے جاویں۔
گیارھویں۔ جب تک کہ اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتاً لڑنا نہ چاہیئے۔
اِن احکام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ اور لشکرکشی کے وقت کیسی نیکی اور رحم اور
نرمی کی رعایت کی جاتی تھی۔ اور غدر اور فریب اور بدعہدی پر کس قدر تہدید ہوتی تھی کوئی
بادشاہ نیک سا نیک اور رحیم سا رحیم کیوں نہ ہو لشکرکشی کے وقت اس سے زیادہ نرمی
نہیں کر سکتا۔
ساتواں اصول۔ امورات ریاست اور انتظام سلطنت کے عمدہ نظام کے لیئے لائق عہدہ دار

اور اہلکاروں کا انتخاب کرنا اور اُن کو وقت تقرر کے ہدایات خاص کرنا اور ہمیشہ اُن کی نگرانی رکھنا۔

جس عامل کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر کرتے اُسکو احکام ذیل سُناتے اور اُسکی تعمیل کی تاکید کرتے۔

اوّل۔ چوبدار اور حاجب نہ رکھنا کسی مغیث کو انکی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا گویا یہ حکم تھا کہ دربعدالت کو ہر وقت کھلا رکھنا۔

دوسرے۔ جب کوئی استغاثہ کرے اُسکو سُننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اُسکو فیصلہ کرنا۔

جس شخص پر حد شرعی جاری نہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہو یا اُس پر محبت اور وراثت کی تہمت نہو وہ عادل سمجھا جاویگا۔

اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جاوے تو مہلت دینا۔

تیسرے۔ مقدمات جلد فیصلہ کرنا تا کہ ایسا نہو کہ مدعی دیر کے سبب سے اپنا دعویٰ چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے۔ باہم مصالحہ اور رضامندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہو۔

پانچویں۔ متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نکرنا۔

چھٹے۔ رعب قایم رکھنا مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کرنا مگر نہ اسقدر کہ حکومت میں سستی اور بدرعبی ہو۔

ساتویں۔ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا اور حق بحقدار پہنچانا۔

عدل و انصاف پر یہانتک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمل رہتا تھا کہ وہ مسلمان اور کافر میں کچھ تفرقہ نہ کرتے تھے چنانچہ سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک یہودی اور ایک مسلمان مخاصمہ کرتے ہوئے آئے اور اُن کے نزدیک حق یہودی کا ثابت ہوا۔ اُسی کے حق میں فیصلہ کیا۔ وہ یہودی اس عدل کو دیکھکر مدح و ثنا کرنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے اُن کے عاملوں کے واسطے بطور نظیر کے ہوتے تھے اور کیونکہ اُن میں نرمی اور رحم شامل ہوتا تھا چنانچہ اکثر بجائے جسمانی تعزیر کے مالی تعزیر کا

مقرر کیے تھے جیسا کہ عبدالرحمن بن حاطب سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک کا ناقہ چرا لیا اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز ہاتھ کاٹنے کی کی آخر مدعی سے پوچھا کہ کیا قیمت ہے اُس نے چار سو درم بتلائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ سو درم کا جرمانہ مجرم پر کرکے مدعی کو دلایا اور مجرم کو رہا کر دیا +

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح پر اپنے عاملوں کو تاکید کرتے تھے اُسی طرح پر رعایا کو بھی آگاہ کر دیا کرتے تھے کہ سوائے شریعت کے احکام کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کو ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت پر کچھ اختیار نہیں ہے کہ اگر کوئی عامل مجھ کسی پر جبر و زیادتی کرے میں اُس کو اُسی طرح پر مجرم سمجھوں گا جیسا کہ ادنیٰ رعیت کو سمجھتا ہوں اور اُسکو سزا دوں گا سب اپنی عزت اور جان و مال میں سوائے احکام شرعی کے آزاد اور خود مختار ہیں اور حاکم اور رعیت سب برابر ہو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہ ہونے دیتے تھے۔ اُنکی نگرانی رکھتے ہمیشہ اُن کی تبدیلی کیا کرتے اُن سے اگر خطا ہو جاتی تو معزول کر دیا کرتے۔ جواب دہی کے لیے دار الخلافت میں طلب کرتے بعض قصوروں میں اُن پر جرمانہ کرتے + حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاملوں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار دینار سالیانہ تک تھی جو یزید ابن ابو سفیان امیر شام پاتے تھے + حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے سے لائق اور نیک اللہ کا بندہ عہدہ امیر دو بگا خلافت میں نہیں ہے

آٹھواں اصول۔ امور مملکت کے انتظام کی نظر سے قوانین اور ضوابط جدید کا جاری کرنا اور وقتاً فوقتاً موقع اور مصلحت وقت دیکھکر اُسکی اصلاح و ترمیم کرنا بشرطیکہ کوئی نص صریح اُسکی حرمت پر کتاب و سنت کی موجود نہ ہو ہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کو غور کرتے ہیں تو اُسکو ہزاروں عمدہ قواعد و مفید ضوابط سے بھرا ہوا پاتے ہیں حقیقت اُن کی رائے نہایت عمدہ اور اُن کے کام نہایت عجیب و غریب ہوتے تھے جو کچھ انھوں نے سلطنت کے قاعدے اور ضابطے مقرر کیے اُن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔

آج کل کے زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی نئی بات کی گو اُس کو ثواب اور عذاب سے علاقہ نہو لوگ بدعت کہنے لگتے ہیں اور اُسکو حرام اور منع بتلاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بات کو شرع نے حرام کر دیا ہے اُس کو چھوڑ کر سب چیزیں مباح ہیں اس لیے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحة اور یہ نہیں سمجھے کہ اُن امور میں جو کہ متعلق سیاست مدن و معاشرت کے ہیں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہے گا اختلاف

ہوتا رہتا ہے اور اُن کا ترمیم کرنا اور اُن میں اصلاح دینا ضروری ہو جاتا ہے اُن میں اسی قاعدہ کا لحاظ کرنا چاہیئے جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں کیا یعنی محرمات منصوصہ کو چھوڑ کر اُن باتوں کو اختیار کرنے میں جو کہ اُن کے زمانہ کے مناسب حال تھیں کچھ ذرا سا بھی تامل نہ کیا اور کسی نے اس کو بدعت نہ کہا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء میں کیا عمدہ معنی بدعت کے لکھے ہیں جن کا نقل کرنا ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔

قیل اربع احدثت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الموائد والمناخل والاشنان والشبع واعلم انا وان قلنا الاکل علی السفرۃ اولی فلسنا نقول الاکل علی المائدۃ منھی عنہ نھی کراھۃ او تحریم اذ امر یثبت فیہ نھی وما یقال انہ ابدع بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس کل ما ابدع منھیا بل المنھی بدعۃ تضاد سنۃ ثابتۃ وترفع امرا من الشرع مع بقاء علتہ بل الابداع قد یجب فی بعض الاحوال اذا تغیرت الاسباب و لیس فی المائدۃ الا رفع الطعام عن الارض لتیسیر الاکل وامثال ذلک مما لا کراھۃ فیہ۔

(لوگ کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ چار چیزیں جاری ہوئیں۔
(۱) خوان پر رکھکر کھانا کھانا (۲) میدہ اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی (۳) اشنان (۴) پیٹ بھر کے کھانا۔

لیکن اگرچہ ہم بھی کہتے ہیں کہ کھانا سفرہ پر بہتر ہے لیکن یہ ہمارا قول نہیں ہے کہ کھانا خوان پر حرام ہے یا مکروہ ہے اس لئیے کہ کوئی نہی صریح اس باب میں نہیں ہے اور جو لوگ کہ اس کو بدعت کہتے ہیں سو یہ غلط ہے اس لیے کہ جو بعد حضرت کے ہوئی ہو وہ بدعت نہیں ہے نہ وہ ممنوع ہے بلکہ بدعت وہ ہے جو کہ ضد اور مخالف کسی سنت ثابتہ کے ہو اور جس سے کوئی حکم شرعی باوجود موجود ہونے اُس کی علت کے مرتفع ہوتے بلکہ بعض حالتوں میں اور بعض ضرورت کے سبب ایسی نئی بات کا کرنا جو کہ حضرت کے وقت میں نہ تھی واجب ہو جاتا ہے اور خوان میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ کھانا بنظر آسانی کے زمین سے بلند کر کے اُس پر کھایا جاتا ہے اور یہ بات اور مثل اس کے وہ چیزیں ہیں جن میں کچھ کراہت شرعی نہیں ہے) ۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امور جو دینیات سے نہیں ہیں اور جن پر شارع نے عذاب
اور ثواب مقرر نہیں کیا ہے وہ سب جائز ہیں اُن پر اطلاق بدعت کا کرنا نادانی ہے اور
اسکا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے امور انتظام مملکت میں کیسی کیسی
اختراعات کیں کہ اسکو ہم بیان کرتے ہیں۔

پہلا نیا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ دفتر اور کچہری کا مقرر کرنا اور لشکریوں
اور ملازموں اور روزینہ والوں کا نام لکھا جانا اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنا ہے قبل حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو مال غنیمت کا آتا تھا ویسا ہی تقسیم کر دیا جاتا تھا نہ نام پانے والے کا
نہ تعداد اُس مال کی لکھی جاتی تھی مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قاعدہ میں ترمیم کی
حاجت معلوم ہوئی تب مشورہ کیا۔ ولید ابن ہشام نے کہا کہ میں نے بادشاہان شام کے ہاں
دیکھا ہے کہ وہ دفتر رکھتے ہیں اور اُس میں سب حساب کتاب تحریری رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے اسکو پسند کیا اور عقیل بن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بطور منشی کے
مقرر کیا اور سب کے نام لکھنے کا اُن کو حکم دیا اور یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنہ ہجری کے
محرم مہینے میں کیا۔

دوسرا کام جو اُنہوں نے کیا وہ تاریخ ہجری کا جاری کرنا ہے کہ اُسکا پہلے اُنکے رواج نہ تھا۔

تیسرا کام اُن کا خزانہ کا مقرر کرنا ہے جسکو ہماری اصطلاح میں بیت المال کہتے ہیں۔

چوتھا کام اُن کا تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہے اس سے پہلے جو کام ہوتا تھا وہ ایک ہی
شخص کرتا تھا مگر بخیال اس کے کہ اُس میں چند قباحتیں نظر آئیں اسکو بدل دیا اور تین قسم کے عہدہ دار
مقرر کیے۔ ایک امیر جس کے متعلق انتظام کل امور ریاست کا ہوتا تھا اور جس کے اختیار میں
فوج رہتی تھی۔ دوسرا قاضی جس کا کام انفصال خصومات اور تصفیہ حقوق تھا تیسرا تحویلدار جسکی
سپردگی میں خزانہ رہتا تھا اور ایک کو دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

پانچواں کام اُن کا جو سُننے والوں کو متعجب کرتا ہے مقرر کرنا قواعد خراج اور محصول کا تھا۔
محصول لینے کے چند طریقے رکھے گئے تھے۔ ایک جزیہ اگر وہ برضامندی دینے والے کے ٹھہرتا
تو اُسمیں کمی بیشی نہ ہوتی ورنہ شرح مختلف لیا جاتا مگر چار درم ماہواری سے زیادہ نہیں۔

دوسرا محصول مال تجارتی پر جسکی شرح یہ تھی۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ سیکڑا اور حربیوں سے
دس روپیہ سیکڑا۔ لیکن یہ محصول سالانہ ہوتا تھا اگر وہ مال سال بھر میں چند دفعہ آوے تو پھر کبھی اُس سے

نہ لیا جاتا تھا اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے لیتا تو وہ واپس کر دیا جاتا جیسا کہ ایک عیسائی تاجر کو پھیر دیا گیا۔

تشخیص محصول زمین کا۔ اس محصول کے اُس وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہو گا کہ وہ فی جریب شرح مقرر پر بعد پیمایش اراضی کے اکثر جگہ لیا جاتا تھا چنانچہ جب ملک عراق کا فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اُس زمین کی پیمایش کی جائے چنانچہ عثمان ابن حنیف اور حذیفہ ابن یمان اس کام پر مقرر ہوئے۔ بعد پیمایش کے معلوم ہوا کہ کل اراضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے اسپر موافق حیثیت پیداوار اراضی کے شرح مقرر کی گئی۔ عامر شعبی لکھتے ہیں کہ وہ شرح یہ تھی۔

| | |
|---|---|
| اراضی قابل زراعت پر فی جریب . . . . . . . . . | ایک درم سالیانہ |
| ترکاری کی زمین پر فی جریب . . . . . . . . | پانچ درم سالیانہ |
| انگور اور چھوہارے کی زمین پر فی جریب . . . . . | دس درم سالیانہ |

اور یہ صرف عراق میں جاری نہیں ہوا بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بھی اسی طور پر کیا گیا لیکن سب ممالک مقبوضہ میں اس کا رواج نہیں ہونے پایا۔ محصول کے تحصیل کرنے میں نہایت آسانی کا حکم تھا اور تکلیف جسمانی دینے کی سخت ممانعت تھی چنانچہ ایک مرتبہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت مراجعت سفر شام کے دیکھا کہ ایک قوم کی قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے ستاتے ہیں پس تسے اُن کو چھوڑا دیا اور فرمایا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں وہ قیامت میں عذاب کیے جاویں گے۔

جو ملک فتح کیا جاتا اور مصالحہ کیا جاتا تو یہ شرطیں عہد نامہ میں داخل ہوتیں۔

اوّل۔ خراج کی تفصیل

دوسرے۔ جو مسلمان اُن کے ملک میں گذرے اُسکی تین روز تک مہمانی کرنا۔

تیسرے۔ راہ بتلانا۔

چوتھی۔ دشمنوں سے سازش کرنا۔

پانچویں۔ مجرم کو پناہ نہ دینا۔

---

ٖ معلوم نہیں کہ مسلمان اُن لوگوں کے ہاں کا پانی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے یا خشک سید ھا لے لیا کرتے تھے۔

چھٹا کام اُن کا زمین کی آبادی میں سعی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ جو زمین
بنجر کو مزروعہ کرے وہ زمین اُسی کی ہو جاویگی۔ غرض اِس حکم سے یہ تھی کہ لوگ زراعت کرنے
لگیں۔

ساتواں کام اُن کا شہروں کی آبادی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس جگہ پر جہاں
اب بصرہ شہر آباد ہے بنیاد آباد کرنے کی ڈالی اور بصرہ کو آباد کیا اِس لیے کہ وہ مقام ایسا تھا کہ
جہاں جہاز اور کشتیاں عجم اور ہند کی لنگر کرتی تھیں بنظر حفاظت ملک کے دشمنوں سے اور بنظر
فائدہ تجارت کے اِس شہر کو آباد کیا اور وہاں ایک فوج کی چھاؤنی مقرر کی۔
دوسرا کوفہ بھی آباد کیا ہوا اُن کا ہے۔ اُسکے آباد کرنے کا یہ سبب ہے کہ جب مسلمان شہر مدائن
میں بہت سے ہوگئے تو وہاں کی آب و ہوا بگڑ گئی اور لوگ بیمار ہوگئے تب سعد ابن وقاص کو عمدہ
جگہ تلاش کرنے پر مقرر کیا اور شہر کوفہ آباد کرایا۔ اِس شہر میں اوّل کچی اینٹ کی عمارت اور پھوس
کے چھپر کا حکم دیا لیکن بعد اسمیں پختہ عمارت بنانے کی بھی اجازت دی۔
علاوہ ان شہروں کے شام و مصر اور چند جگہ میں شہر آباد کیے۔
آٹھواں کام اُن کا تجارت کی آزادی ہے تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب اور دین کے تجارت
کرنے کی اجازت تھی بلکہ حربیوں کو حکم عام تھا کہ وہ مجاز ہیں کہ دار الاسلام میں آویں اور مسلمانوں
سے خرید و فروخت کریں۔ منبج شہر کے حربیوں نے درخواست کی کہ ہم عشر لیکر آنے کی اجازت ہو
چنانچہ اُن کو اجازت دی گئی۔

یہ امور جن کو ہم نے بیان کیا وہ بطور نمونہ کے ہیں اگر حالات تفصیلی لکھے جاویں تو ایک بڑی
کتاب ہو جاوے لیکن ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اسکو نظر غور سے دیکھیں و نیز اُن اصول و رشد ایسا
کے علل و وجوہ پر نظر کریں کہ بلحاظ ضرورت و مناسبت حال زمانہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے
متورع اور زاہد اور تابع سنت نے کیسے کیسے کام کیے بلکہ استیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ امیر شام کو جو کہ ہزار دینار ماہواری پاتے تھے اور ملک شام کی حکومت
اُن کے متعلق تھی دیکھا کہ نہایت شان و شوکت اُن کے لشکر میں پائی جاتی ہے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے اسکا سبب پوچھا۔ امیر شام نے جواب دیا کہ میں ایسے ملک میں ہوں جہاں دشمن کے
جاسوس آتے ہیں اگر اِس طرح نہ رہوں تو اُن کی آنکھوں میں عزت نہ ہووے۔ آپ نے جواب دیا
کہ خیر نہیں منع کرتا ہوں نہ اِس کی اجازت دیتا ہوں امیر شام نے کہا کہ صاف حکم دینا چاہیے تب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا کیوں ایسا جواب تم نے دیا کہ میں بند ہو گیا گویا ایک بڑے شیر
کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا۔

ہم اگر ان اصول و احکام پر غور کریں تو ہزاروں نتیجے اس سے حاصل ہوتے ہیں تعجب ہے کہ مسلمان
کہ اپنے پیشواؤں کے حالات پر غور نہیں کرتے اور ان سے واقفیت پیدا نہیں کرتے اور دینی
اور دنیاوی ذلت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

اگر ہم ایسی باتوں سے واقفیت حاصل کریں تو ہم کو اپنے دین و مذہب کی حقیقت معلوم ہو جاوے
اور تمام عزتیں دینی اور دنیاوی ہم کو نصیب ہو سکیں لیکن افسوس ہے کہ ادبار نے ہم کو غافل کر دیا
اور غفلت نے ہم کو ذلت کی حالت پر پہنچا دیا حقیقت میں ہمارے اس ادبار کا کوئی سبب نہیں ہے مگر
غفلت۔ مگر غفلت۔ مگر غفلت ؎

بے خبری و بیہوشی نہ حد بادہ بود ؎ با حریفاں ہر چہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

لیکن ہم کو صرف اس نتیجہ پر قناعت نہ کرنی چاہئے اس غفلت کا علاج اور اس ادبار سے نکلنے
کی تدبیر کرنی لازم ہے تاکہ ہم خود اس ادبار کی حالت سے نکلیں اور اپنے بھائیوں کو زبردستی اس سے نکالیں۔

گر نباید بخوشی موئے کشانش آرید

اس ادبار سے نکلنے کی کوئی تدبیر اس سے بہتر نہیں ہے کہ اول ہم اس امر کی تنقیح کریں کہ
کون سے کام کرنے کی ممانعت شرعی ہے اور کس کی اجازت اور کس کی پابندی ہمارے پیشواؤں نے
جائز رکھی ہے اور کس میں آزادی ہے بعدہ ہم کوئی عمدہ تدبیر کریں کہ اس علم سے فائدہ اٹھاویں۔

افسوس ہے کہ بعض ہمارے دوست ہماری ان باتوں اور ان تدبیروں کو لغو محض جانتے ہیں
بلکہ اس کو مغالطہ اور جنون سمجھتے ہیں اور ایسے مضمون کے لکھنے والوں اور تدبیروں کے بتانے والوں کو
آرنگلیہ کہتے ہیں اگر ہم ان کی ان باتوں کو سنیں اور خاموش ہو جاویں تو سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہ نکلے کہ
جو تحریک ایسی تحریروں و تقریروں سے ہوتی ہے وہ بھی نہ ہووے۔ پس سب کے سب ہاتھ منہ
پر رکھے ہوئے بیٹھے رہیں اور اپنی قوم کے ادبار و ذلت کا تماشا دیکھتے رہیں۔ اگر ہمارے دوست ہم کو
غلطی پر بھولا ہوا جانتے ہیں تو ہی کوئی تدبیر مفید ہم کو بتا دیں لیکن افسوس ہے کہ نہ وہ کچھ کرتے ہیں
نہ کچھ کہتے ہیں نہ بتاتے ہیں بجز اس کے کہ ہم کو مجنون اور دیوانہ اور آرنگلیہ کہہ کر اپنا دل خوش کرتے
ہیں اور ہمارا دل جلاتے ہیں۔

اس بات کا تو کوئی انکار نہیں کرتا کہ ہماری قوم روز بروز ہر بات میں تنزل کرتی جاتی ہے اور

ہر لحظہ اور ہر ساعت ادبار اور جہالت میں ترقی کرتی جاتی ہے پھر بھی ان لوگوں کی خاموشی کو جو کچھ کر سکتے ہیں ہم کس بات پر محمول کریں۔ اگر ہم دیوانے اور مجنون ہیں خیر مگر لیکن ان کی خاموشی اور سکوت کا کیا سبب ہے۔

گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من ٭ وابستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

خدا ہمکو اور ہمارے بھائیوں کو اس خواب غفلت سے جگا دے اور کچھ کرنے پر ستوجہ کرے وھو ولی التوفیق وما توفیقی الا باللہ۔

---

# امام حجۃ الاسلام غزالیؒ

منجملہ اُن مشہور شخصوں کے جو کہ مسلمانوں میں ہوئے ہیں امام غزالی ہیں۔ ہماری قوم میں کیسے عالم کیا جاہل چند ہی ایسے لوگ ہوں گے جو اُن کے نام سے واقف اور اُن کے کمالات سے آگاہ نہ ہوں مگر اکثر لوگ اُن کے ذاتی حالات سے اطلاع نہیں رکھتے اس لیے ہم اُن کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

ان کا نام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہے اور غزالہ کے رہنے والے ہیں جو کہ ایک قصبہ طوس کے قصبات سے ہے اسی واسطے اُن کو غزالی کہتے ہیں شہر طوس میں ۴۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵۵ برس کے ہو کر ۵۰۵ ہجری میں رحلت کی۔ انہوں نے اوّل شیخ احمد رازکانی سے تعلیم پائی بعدہٗ نیشاپور میں آئے اور امام الحرمین ابو المعالی جوینی سے علم حاصل کیا۔ چونکہ ذہن اور عقل ان کو خدا نے اعلیٰ درجہ کی دی تھی اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں علوم معقول و منقول کے جامع اور اپنے استاد کے جیتے جی مشہور اور نامور ہو گئے اور کتابوں کا لکھنا بلکہ تصنیف کرنا شروع کیا جب ان کے استاد ابو المعالی نے انتقال کیا تب وہ نیشاپور سے چلے اور وزیر نظام الملک سے ملے۔ اُس نے اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اسکی مجلسوں میں اکثر علما و محدثین سے نوبت مناظرہ کی پہنچی۔ جب اُن کے علم و کمالات کی شہرت ہو گئی تب وزیر نے اُن کی قابلیت اور استعداد دیکھکر مدرسہ عالیہ نظامیہ کو جو بغداد میں تھا اُن کے متعلق کیا غرض ۴۸۴ ہجری میں اُنھوں نے انتظام اور تدریس اُس مدرسہ کی اپنے ذمہ لی اور تمام اہل عراق اُن کی طرف رجوع کرنے اور اُن سے علوم معقول و منقول تحصیل کرنے لگے۔ چار برس تک وہ خدمت

انہوں نے اپنے تعلق رکھی ۔ ۴۸۸ ہجری میں اپنے بھائی احمد غزالی کو اپنا قائم مقام کر کے اس سے
دست کش ہوئے اور زہد اختیار کر کے بیت المقدس کو چلے گئے بعد ازاں کے شام اور دمشق
در مصر اور اسکندریہ کی سیاحت کی اور بسواری جہاز کے دیار مغرب کی طرف گئے اور حج کر کے اپنے
وطن طوس کو لوٹ آئے ۔

ان کی تالیفات و تصنیفات چار سو سے زیادہ ہیں منجملہ اُن کے مشہور کتابیں یہ ہیں ۔ **فقہ**
میں وسیط بسیط وجیز ۔ **اصول فقہ** میں مستصفی منخول منتحل ۔ **علم کلام** میں تہافۃ الفلاسفہ
محک النظر ۔ معیار العلم ۔ مقاصد مضنون بہ علی غیر اہلہ مشکوۃ الانوار ۔ منقذ من الضلال ۔ **تفسیر**
میں یاقوت التاویل جس کی چالیس جلدیں ہیں ۔ **علم اخلاق و تصوف** میں احیاء العلوم
اسرار علم الدین منہاج العابدین ۔ درة فاخرہ فی کشف علوم الآخرہ ۔ انیس فی الوحدت ۔ کتاب
القربۃ الی اللہ ۔ اخلاق الابرار و نجاة من الاشرار ۔ بدایۃ الہدایۃ ۔ جواہر القرآن ۔ اربعین فی اصول
الدین ۔ المقصد الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی ۔ میزان العمل ۔ القسطاس المستقیم ۔ التفرقہ
بین الاسلام والزندقہ ۔ کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ ۔ کتاب المبادی والغایات ۔ کیمیائے سعادت
تلبیس ابلیس ۔ نصیحۃ الملوک ۔ کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ۔ شفاء العلیل فی القیاس والتعلیل
اساس القیاس ۔ کتاب المقاصد ۔ کتاب الجام العوام عن علم الکلام ۔ کتاب الانتصار ۔ کتاب
المآخذ ۔ القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل ۔ کتاب المستظہری ۔ کتاب الامالی ۔ کتاب
فی علم اعداد الوفق و حدوده ۔ کتاب مقصد الخلاف ۔ اور ایک چھوٹا رسالہ فی الرد علی المنکرین فی
بعض الفاظ احیاء علوم الدین ۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ منجملہ مؤلفات امام غزالیؒ کے احیاء العلوم کیا باعتبار فصاحت و
بلاغت کے اور کیا بلحاظ مضامین اور معانی کے عمدہ ترین کتابوں سے ہے جس میں انہوں نے
اسلام علوم نقلی کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور دلائل عقلی سے مسائل شرعی کو مدلل کیا ہے
اور منقول کو معقول سے ملایا ہے ۔ یہ طرز جدید انہیں سے جاری ہوا اور اسرار و نکات
مسائل شرعیہ کے بیان کرنا انہیں کی ذات سے شروع ہوا ۔ اس کتاب کو انہوں نے نیشاپور
میں ایک ہزار پانسو پچیس سن میں تالیف کیا ۔ چونکہ انہوں نے احیاء العلوم میں نیا طریقہ
اختیار کیا یعنی تقلید کو چھوڑا اور تحقیق پر مستعد ہوئے اور الفاظ کے معنی اور مطالب اصلی
بیان کیے اور بخلاف اُس وقت کے فقہاء کے دقائق و حقائق ظاہر کرنے پر آمادہ ہوئے

نظر میں بہت سے متعصبین مقلدین نے اُن کی کتاب کو ناپسند کیا اور اُس کے الفاظ و عبارات کو خلاف اپنے طریقہ کے جان کر اُن پر الحاد کا الزام لگایا بلکہ فقہا جہال نے اُن کے کفر کا فتویٰ دیا اور اُن کی کتاب احیاء العلوم کے دیکھنے کو حرام بتلایا اور اُس کے جلا دینے کا حکم دیا اور اس امر کے استفتاء تحریری علماء و فضلاء کے پاس لے گئے چنانچہ شیخ کبیر عارف باللہ ابو العباس نے یہ فرمایا کہ انا نشهد له بالصديقية العظمى کہ ہم امام غزالی کی صدیقیت پر شہادت دیتے ہیں۔ اور شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے وقت کے قطب تھے یہ کہا کہ من كانت له الى الله تعالى حاجة فليتوسل به اليه بالامام احمد غزالی اور ابو الفدا اسماعیل بن محمد حضرمی کے پاس فقہا جہال نے ایک استفتاء مشعر طعن و قدح امام غزالی کے بھیجا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا هل يجوز قراءة كتب الغزالی کہ آیا پڑھنا غزالی کی کتابوں کا جائز ہے۔ انہوں نے یہ جواب لکھا کہ انا لله وانا اليه راجعون الغزالی سيد المصنفين علاوہ ان مختصر جوابوں کے اُس وقت کے علماء نے منکرین امام غزالی کے اعتراضات کے تفصیلی جواب لکھے اور اُن کے تعصبات کو رد کیا بلکہ خود امام غزالی نے ان اعتراضات کو جو الفاظ و عبارات پر احیاء العلوم کے فقہا نے کیے تھے ایک علیحدہ رسالہ لکھ کر رد کیا مگر یا ایں ہمہ یہ لوگ اُن پر اعتراض کرنے سے باز نہ آئے چنانچہ علی بن یوسف مؤلف کتاب مغرب نے جو نہایت دیندار اور متشرع مشہور تھا اور جو پلے سرے کا عابد تھا اور جس کے پیش نظر سوائے علماء و فضلاء کے اور کوئی نہ ہوتا تھا سنہ ۵۰۳ ہجری میں یہ فتویٰ دیا کہ کتاب احیاء العلوم کا نام و نشان نہ رہے اور بالکل جلا دیجاوے تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں اُس سے کچھ خلل نہ آئے۔

یہ حال چند ہی روز رہا اور نیا طریقہ دیکھ کر لوگوں کو جو اوّل اوّل متنفر ہوا آخر وہ امام غزالی کی مؤلفات دیکھ دیکھ کر جاتا رہا اور لوگوں نے احیاء العلوم کے خلاصہ کرنا شروع کیے چنانچہ ابو زکریا یحییٰ نے جو سنہ ۵۵۰ھ میں مرے اور امام احمد برادر امام حجۃ الاسلام نے جنہوں نے سنہ ۵۲۰ھ میں وفات پائی احیاء العلوم کو مختصر کیا بعدہٗ اور لوگوں نے بھی اُس سے فائدے حاصل کیے اور ہزاروں عالموں نے اس کتاب کی تعریف میں اشعار اور قصیدے کہے اور منکرین امام غزالی پر اعتراضات کیے چنانچہ شیخ الاسلام قطب الدین محمد ابن الشیخ الامام ابی العباس قسطلانی نے ایک بڑی کتاب معترضین امام غزالی کے رد میں تصنیف کی اور اُس میں معترضین کے اعتراضات کو بیان کر کے بخوبی باطل کیا اور ابی الربیع شیخ فقیہ نے امام غزالی

کی نہایت تعریف لکھی اور اُن کی کتابوں کو بسبب تطبیق معقول و منقول کے بہترین کتب سے منصور کیا۔

امام غزالی ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نیا طریقہ تطبیق بین المعقول و المنقول کا نکالا اور عقاید اور اعمال کے اسرار و حقایق کو بیان کیا اس طریقہ کے اختیار کرنے اور اسرار و حقایق کے بیان کرنے میں جو کچھ اُن پر اعتراضات ہوئے اُسکو اُنہوں نے جابجا اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے اور ان متعصبین و متقشفین فقہا پر جو منقول میں عقل کو دخل دینا حرام جانتے ہیں بہت ملامت کی ہے اور جنہوں نے شریعت کو صرف ظاہر پر محمول کیا ہے اور اُسکے اسرار و حقایق سے انکار کیا ہے اُن پر نہایت افسوس فرمایا ہے چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں[1] کہ علوم شرعی کے ظاہر و باطن پر منقسم ہونے سے کوئی صاحب بصیرت انکار نہیں کر سکتا سوائے اُن کوتاہ فہموں کے جنہوں نے لڑکائی میں کوئی چیز سُن لی اور اُس پر جم گئے اور مقامات عالیہ پر نہ پہنچے حالانکہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن ظاہر و باطن کا جامع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس آیت کی تفسیر میں جس میں ذکر سات آسمانوں و زمین کا ہے یہ فرمایا ہے کہ اگر میں اُسکی تفسیر کروں تو لوگ مجھے سنگسار کر دیں یا کافر کہنے لگیں۔

امام غزالی نے اپنی تالیفات میں قبل بیان کرنے اسرار و حقایق شریعت کے ایک نہایت عمدہ بیان نسبت خلاف شریعت کے [illegible] اور باطن کے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ نا سمجھ ہیں وہ جب شریعت کے حقایق سُنتے ہیں تو حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ اگر حقیقت خلاف شریعت ہے تو کفر ہے اور اگر موافق اُس کے ہے تو پھر اُسمیں کیا فرق ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ظاہر اور باطن شریعت کے اختلاف کے چند سبب ہیں اور اسکی اُنہوں نے پانچ قسمیں کی ہیں۔

**پہلی قسم**۔ کہ شے فی نفسہ ایسی دقیق ہو کہ اکثر لوگ اُس کے سمجھنے سے عاجز ہوں اور اُس

---

[1] واعلم ان انقسام هذه العلوم الی خفیة وجلیة لا ینکرها ذو بصیرة وانما ینکرها القاصرون الذین تلقفوا فی اوایل الصبی شیئا وجمدوا علیه فلم یکن لهم ترقی الی شأو العلاء ومقامات العلماء والاولیاء وذلک ظاهر من ادلة الشرع قال صلی الله علیه وسلم ان للقرآن ظاهرا وباطنا وحدا ومطلعا وقال ابن عباس فی قوله عز وجل الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن لو ذکرت تفسیره لرجمتمونی وفی لفظ آخر لقلتم انه کافر

حقیقت کے بیان کرنے سے اُن کو توہمات لغو پیدا ہوں تو ایسی شئے کی حقیقت بیان کرنے سے
شارع نے احتراز کیا ہے اور اسکو ظاہر نہیں کیا مثل حقیقت روح کے۔

**دوسری قسم** کہ اگرچہ وہ شئے فی نفسہ ایسی دقیق نہ ہو کہ اکثر لوگ اسکو سمجھ نہ سکیں لیکن عام سننے
والوں کے حق میں اُس کے سننے سے اندیشہ ضرر پیدا ہونے کا ہو اِس واسطے اُس شئے کی حقیقت
کو شارع نے ظاہر نہیں کیا مثل مسئلہ جبر وقدر کے۔

**تیسری قسم**۔ اگرچہ اُس شئے کی حقیقت ظاہر کرنے سے احتمال ضرر پیدا ہونیکا بھی نہ ہو لیکن استعارہ
اور رمز میں بیان کرنے سے اُسکی وقعت عام لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہو جیسا کہ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ
راسہ راس حمار۔ کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اُٹھاتا ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ
خدا اُس کا سر گدھے کا سا کر دے پس باعتبار صورت کے آدمی کا سر گدھے کا سا ہو جانا نہ
ہوا ہے نہ ہوگا لیکن مقصود اس سے صورت گدھے کی نہیں ہے بلکہ خاصیت اُسکی ہے یعنی
حماقت۔ یا حضرت نے فرمایا ہے۔ قلب المومنین بین اصبعین من اصابع الرحمٰن
کہ مومن کا دل خدا دو انگلیوں پر لیئے ہوئے ہے۔ یہ کلام بھی باعتبار ظاہر کے نہیں ہے اس لئے
کہ اگر کسی کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کوئی دیکھے تو ایک انگلی کا نشان بھی نہ ملے گا تو
یہاں بھی انگلیوں سے مراد قدرت ہے۔

**چوتھی قسم**۔ کہ کسی شئے کی ماہیت اجمالاً بیان کر دی جاوے اور اُسکی حقیقت کی تفصیل اہل
ذوق کی طبیعتوں پر چھوڑ دی جاوے کہ وہ اجمال بمنزلہ ظاہر کے اور وہ تفصیل بمنزلہ باطن کے
ہوگی۔

**پانچویں قسم**۔ کہ کسی شئے کا بیان بزبان حال کیا جاوے اور اُس سے ظاہری نطق و بیان مراد نہ ہو بلکہ
اُسکی کیفیت و حقیقت مقصود ہو جیسا کہ خدا فرماتا ہے ثم استوی الی السماء وھی دخان
فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین کہ خدا نے آسمان و زمین سے کہا
کہ تم دونوں خوشی سے چلے آؤ اُنہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مراد
باہم خدا اور زمین و آسمان کے گفتگو ہونا نہیں ہے بلکہ اُن کی تسخیر اور اطاعت مراد ہے اور
اسی قبیل سے ہے خدا کا یہ فرمانا کہ ان من شئ الا یسبح بحمدہ۔ کہ کوئی چیز نہیں ہے جو
خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ تو اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جمادات بھی حیات اور عقل و نطق

رکھتے ہیں اور سبحان تم ہی سبحان اللہ ہوتے ہیں بلکہ مراد اس سے اُن کا وجود ہی ہے کہ وہ اپنے صانع اور پیدا کرنیوالے کی پاکی پر شاہد ہیں اور اُن کی ہستی ہی زبان حال سے اپنے صانع کی قدرت بیان کر رہی ہے ۔

امام غزالی نہایت تعجب بنا نسبت اُن لوگوں کے ظاہر کرتے ہیں جو فقط تقلید پر چلتے ہیں اور خود تحقیق کو دخل نہیں دیتے اور اپنی عقل کو بیکار کر دیتے ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہوا اور جس نے اسکو حیوان سے جُدا کر دیا ھو الذی استعد لقبول العلوم النظریة وتدبیر الصناعات الخفیة الفکریة وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہے اور ایسی استعداد کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جسکو یہ استعداد نہ دی گئی ہو۔ تمام علوم اور جمیع فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُسمیں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی حاجت ہے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس سے خارج ہو اور اُس میں پوشیدہ نہو عقل کی اور علوم کی اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال بعینہ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہو مگر اُس کا نکلنا محتاج کھودنے اور نکالنے اور پکی مٹی کا ہے یا اسکی تمثیل مثل تدھن کے ہے کہ وہ بر دودہ میں موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیر خاص پر موقوف ہے پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لاوے اور عقل کو بیکار کرے وہ درحقیقت اُس استعداد کو ضایع کرتا ہے جو خدا نے اسکو دی ہے اور وہ انسان ہو کر اپنے آپ کو حیوان بناتا ہے ۔

وہ کہتے ہیں کہ کسی کے علم اور صناعت اور فن کے اوپر یہ یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ معلوم ہوگیا یا جو ظاہر ہو چکا وہی اس کا کمال ہے اور اب اُس سے زیادہ لحاظ ہونا غیر ممکن ہے اور نہ ابھی کسی خاص قوم یا فرقہ یا شخص کی نکالی ہوئی بات پر یہ بھروسہ کرنا چاہیے کہ وہ اخیر درجہ تک استعداد کے ظہور کا ہے بلکہ ہمیشہ اسکو ابتدائی حالت سمجھے اور اُسمیں ترقی کرے اور اُس استعداد کے ظہور کے ختم ہونے کا معتقد نہ ہووے اور جو امر عقل کے خلاف ہووے اُسکو کبھی نہ ملنے اور ایسی شرعی مسئلہ کو مخالف عقل کے نہ سمجھے اور اگر اُس کی سمجھ قاصر ہووے تو اُس کے اسرار اور اسباب دریافت کرے اور اُس مغز کو جو الفاظ کے پوست میں چھپا ہوا ہو باہر نکالے اور اُس پانی کو جو مٹی کے اندر موجود ہو کھود کھود کر پیدا کرے ۔

اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ و تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے قدرت نے بلا فطرت میں وہ قوت سب کو دی ہے جو اُسکو کام میں لاتے ہیں۔ وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتایج کا لطف اُٹھاتے ہیں جو اُسکو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور اُسکو استعمال میں لانے اور اُس فائدہ اُٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

امام غزالی آیت الست بربکم قالوا بلیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ فرمانا خدا کا کہ بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا روز ازل میں اقرار لیا اور ان سے کہا کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں تو انہوں نے اقرار کیا اُسی استعداد کے عطا کرنے کا بیان ہے کہ انسان کو روز ازل میں جو دی وہ استعداد وہی ہے جس سے اُن کی فطرت نے میری ربوبیت پر ازل کے دن اقرار کیا اس اقرار سے مراد زبانی اقرار نہیں ہے اس لیے کہ ازل کے دن نہ جسم تھا نہ زبان بلکہ وہی استعداد مراد ہے اور اُس اقرار اور میثاق کا بھلا دینا ہے اور اُس میں اشارہ اسی استعداد کے کام میں لانے اور نہ لانے پر ہے یعنی جو اُس استعداد سے کام لیتے ہیں وہ میری ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور جو اُسکو استعمال میں نہیں لاتے خواہ تقلید آبا و اجداد کے سبب سے یا اپنی غفلت اور کاہلی کے سبب سے وہ میری ربوبیت سے انکار کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ لئن سالتهم من خلقهم ليقولن الله کہ اگر تو پوچھے لوگوں سے تو سب یہی کہینگے کہ ہمکو خدا نے پیدا کیا حالانکہ باعتبار ظاہر کے یہ کلیہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بعض فرقے بالکل خدا کے منکر ہیں۔

معناه ان اعتبرت احوالهم شهدت بهذا نفوسهم و بواطنهم فطرة الله التي فطر الناس عليها اے كل انسان فطر على الايمان بالله عز وجل بل على معرفة الاشياء على ما هي عليه پس مطلب اس کا یہی ہے کہ اُن کی ذاتیں خود اسکی مقر ہیں کہ ہمکو خدا نے پیدا کیا ہے اور خدا نے ہر آدمی میں استعداد ایمان کی بلکہ تمام چیزوں کی حقیقت کما ہی ہی دریافت کرنے کی دی ہے اگر اُن کو یہی استعداد نہ دی ہوتی تو تکلیف ایمان کی اور اُسکے قبول پر جزا اور اُس کے انکار پر سزا دینا جائز نہ ہوتا۔

امام غزالی ان آیات کو اور اُسکی مانند اور آیات کی تفسیر بیان کرکے لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تقلید سے نہیں نکلتے اور اپنی اُس استعداد کو کام میں نہیں لاتے ایسی آیتوں کو دیکھکر حیران ہوتے ہیں اور اُس کا مطلب جب اُسکی سمجھ میں نہیں آتا تو اُس یقین سے جو ہونا چاہیے حقیقة

پھر جاتے ہیں اور اپنے نزدیک اُن کو صحیح کہتے ہیں گو زبان سے اُسکی تصدیق کرتے ہیں حقیقت میں اُن کی مثال ایک ایسے آدمی کی ہے جو کہ اندھا ہو اور کسی مکان میں داخل ہو اور وہاں اسباب خانہ بیت رکھا ہو اور وہ اُس سے ٹھوکر کھاوے اور کہنے لگے کہ کیسے وہ لوگ ہیں جنہوں نے راہ میں برتنوں کو رکھدیا ہے حالانکہ وہ چیزیں سب اپنی اپنی جگہ پر ہیں لیکن مگر یہ اُسی کا قصور ہے کہ آنکھ موجود ہے اور چونکہ اُس سے کام نہیں لیتا اور اندھا بنا چلتا ہے تو وہ کیونکر ٹھوکر نہ کھاوے۔

وہ کہتے ہیں کہ اُسی استعداد کا نام عقل ہے اور اُسی کا خطاب بصیرت ہے اور اُسی کا لقب نور ہے اور اُسی کو ایمان کہتے ہیں وہ سب ایک ہی چیز ہے صرف نام جدا جدا ہیں جس شخص نے اُسکو دنیا میں استعمال کیا وہ آخرت میں بھی بینا ہے جس نے اُس سے یہاں کام نہ لیا وہ وہاں بھی اندھا ہے اور یہی معنی ہیں آیت کے من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا۔

وہ ایک سوال لکھتے ہیں کہ جب عقل بہترین مخلوقات ہے تو کیوں بعض علماء نے اُسکو شریعت کے مسائل میں دخل دینے سے منع کیا ہے اور پھر خود ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ یا تو وہ منع کرنیوالے خود بے عقل تھے اور انھوں نے اپنی عقل کو بیکار رکھا تھا یا وہ لوگوں کی عقل پر توہمات کا اطلاق کرتے پاتے تھے جیسا کہ بعض اہل کلام نے عقاید دینی میں اپنے توہمات اور خیالات کو دخل دیا اور اُس کا نام عقل رکھا تو صرف اُن کا منع اصلی عقل کے استعمال سے نہ تھا بلکہ اُن توہمات و خیالات کے دخل دینے سے۔

اُنہوں نے اِس شک کو کہ عقل و وہم میں کیا فرق ہے اور اُسمیں کیونکر تمیز ہو سکتی ہے نہایت خوبی سے رفع کیا ہے اور اِس مشکل مسئلہ کو نہایت عمدہ تمہیدات و تمثیلات سے حل فرمایا ہے چنانچہ کتاب منقذ من الضلال اور اسرار علم الدین اور مشکوۃ الانوار کے دیکھنے سے اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے

مگر وہ اپنے اِس قول پر نہایت مضبوطی سے قایم رہے ہیں کہ کل قلب فھو بالفطرۃ صالح لمعرفۃ الحقایق لانہ امر ربانی شریف فارق سائر جواہر العالم بھذہ الخاصیۃ والشرف والیہ الاشارۃ بقولہ عز وجل انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا یعنی جو دل ہے وہ باعتبار اپنی فطرت کے صلاحیت اور

استعداد حقایق اشیاء کے دریافت کرنے کی رکھتا ہے اور ایسی صلاحیت اور استعداد سے مراد وہ امانت ہے جو آیۃ انا عرضنا الامانۃ میں مذکور ہے کہ یہ استعداد نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ نہ پہاڑ میں نہ کسی میں سوائے انسان کے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ہر انسان کے دل کی لوح پر اپنے قدرت کے قلم سے حقیقت اشیاء کو لکھدیا ہے اور اسی کی طرف اشارہ اپنی اس آیت میں کیا ہے کہ الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم پس جو کچھ کہ کتاب میں لکھا ہو وہ وُہی پڑھ سکتا ہے جس نے محنت اور تجربہ سے اُس استعداد کو ظاہر کرلیا ہو۔ اسی طرح پر حقایق اشیاء کو جو دلوں پر انسان کے بقلم قدرت منقوش ہے یعنی اُن کو صلاحیت اُس کے سمجھنے کی ہے وُہی سمجھ سکتا ہے جس نے اُس صلاحیت کو مشق اور تجربہ اور طریق معین سے لائق کام میں لانے کے بنا لیا ہو۔ مثال اسکی بعینہ ایک پڑھے اور بے پڑھے آدمی کی ہے کہ دونوں کی آنکھیں بینائی میں برابر ہیں مگر کیا سبب ہے کہ پڑھا ہوا اُن لکیروں کو جو سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر کھینچی ہوتی ہیں سمجھ لیتا ہے اور بن پڑھا ہوا اسکو اور لکیروں میں کچھ تمیز نہیں کرسکتا اور وہ اُن کی حقیقت پر نہیں پہونچ سکتا یہی سبب ہے کہ پڑھے ہوئے آدمی نے اپنی آنکھ کی استعداد کو جو واسطے سمجھنے اُن نقوش مرئیہ کے قدرت نے دی تھی ظاہر کردیا اور بن پڑھے ہوئے نے ظاہر نہیں کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ بڑے نادان وہ لوگ ہیں جو علوم اور حقایق کے دریافت کرنے میں سعی نہیں کرتے اور وہ علوم دینی ہوں یا دنیاوی اُن میں اوروں کی تبلائی ہوئی باتوں پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ دین میں کسی کو سوائے نبی کی تبلائی ہوئی بات کے اور کسی پر کلیۃً اعتماد کرنا اور لوگوں کی بنائی ہوئی کتابوں پر اپنے یقین کو قایم کرنا نہ چاہیئے اور رسولؐ کی تبلائی ہوئی باتوں کے اسرار اور حقایق کے دریافت کی فکر کرنا لازم ہے اس لیئے کہ ان المکتفی بالحفظ مایقال عان وما عالعلم ولا عالما۔ کہ اگر اُس نے اُسکی حقیقت نہ جانی تو وہ اُس علم کا برتن ہوا نہ عالم۔ پس کیا سبب ہے کہ انسان باوجود ہونے استعداد حقیقت اشیاء کے دریافت سے غافل رہے اور اپنے آپکو جاہل رکھے۔

وہ اُن فقہاء اور علماء پر نہایت افسوس کرتے ہیں جو تقلید پر قانع ہیں اور جنھوں نے صفات نفس اور حالات قلب کا علم چھوڑ کر وعظ اور قصہ گوئی پر قناعت کرلی ہے اور علم یقین کو چھوڑکر مجادلہ اور مناظرہ میں پڑ گئے ہیں اور جنہوں نے تعصب اور تقشف کو دینداری سمجھ رکھا

ہے وہ کہتے ہیں کہ ان علماء کے حالات بالکل مخالف صحابہ کے ہیں اور جاہل اور متعصبین
آج کل علماء کہلائے جاتے ہیں۔
وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ تعصب کو دینداری سمجھتے ہیں وہ احمق ہیں اس لیے کہ احمق اُسی کو کہتے
ہیں جس کی غرض تو صحیح ہو مگر اُس کے حصول کا طریق غلط ہو اور جس راہ سے اُس مقصود تک
پہنچنا ممکن ہو اس سے وہ منحرف ہو۔
یہی حال متعصب کا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میں اپنے دین میں کامل اور اپنے مذہب میں
مضبوط اور شریعت پر قائم ہوں اور اس سے وہ درجہ عزت کا جو خدا نے کاملوں کے
لیے مقرر کیا ہے مجھے ملیگا حالانکہ جس طور سے وہ دین اور مذہب پر چلتا ہے اور جس طرح سے
شریعت کو لیتا ہے اُس میں وہ غلطی پر ہے۔ متعصب ہمیشہ اَوروں کو ذلت اور حقارت کی نظر
سے دیکھتا ہے اور لوگوں سے بغض اور عداوت رکھتا ہے جو کچھ اُس کے توہمات اور خیالات
ہیں انہیں کو یقینیات سمجھتا ہے جو جھوٹے تخیلات دینی خواہش کے دل میں پیدا ہوتے ہیں
وہ تعصب کے سبب سے اُسکی آنکھوں کو سچے عقائد کی صورت پر دکھلائی دیتے ہیں اور
جو بیہودہ وسوسے اور واہیے ذہبی اُس کی سمجھ کی غلطی سے اُسکی خاطر میں گذرتے ہیں
وہ اُسکو خدا کے بتلائے ہوئے اور نبیؐ کے فرمائے ہوئے مسئلہ معلوم ہوتے ہیں تعصب اُسکے
دل کو غرور اور تکبر سے ایسا گھیر لیتا ہے کہ انصاف و رستی اور سمجھ کی رسائی بھی اُس تک نہیں
ہوتی نصیحت یا ملامت کسی کی اُس کے دل کے کنارہ تک پہونچنے نہیں پاتی اُسکی آنکھوں
کے سامنے تعصب مثل ایک سیاہ کثیف غبار کے ہر وقت چھایا رہتا ہے جس سے وہ کسی
چیز کی بُرائی بھلائی کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ کبھی شے کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا وہ
ہمیشہ لوگوں کو بُرا اور احمق اور فاسق سمجھتا رہتا ہے اور جس کو اپنا سا سخت اور متعصب نہیں جانتا
اُسکو دین میں ضعیف اور سست جانتا ہے اور چونکہ غرور اور تکبر انسان کی جبلی عادت ہے

---

نه كما قال رحمه الله عليه فما رأيت المجادل المتكلم عالما والقاص
المزخرف الكلام بالعبارات المسجعة عالما هكذا اضعف الدين في قرون سالفة
فكيف الظن بزمانك هذا وقد انتهى الامر الى ان مظهر الانكار يستهدف للنسبة
الى الجنون فالاولى ان يشتغل الانسان بنفسه ويسكت۔

اس لیے وہ اپنے غرور کے سبب سے اَور بھی احمق ہو جاتا ہے اور یہ سمجھکر کہ اصل دینداری
یہی ہے جو مجھ میں ہے وہ شیطان کا کھیل ہو جاتا ہے۔ شیطان اُس کے دل میں یہ وہم
پیدا کر دیتا ہے کہ جو مَیں جانتا ہوں اور جو مَیں سمجھتا ہوں وُہی اصل دین اور عین مذہب ہے
اور اس سے اُس کے دل میں ایک حلاوت اور چاشنی پہونچتی ہے اور جسکو وہ کبھی
کسی کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتا اور اپنی اس حماقت پر نہایت خوش رہتا ہے کما قال
رحمہ فاذا خیل الیہ الشیطان ان ذالک ھو الحق وکان موافقا لطبعہ غلبت
حلاوتہ علی قلبہ فاشتغل بہ بکل ھمتہ وھو بذالک فرحان مسرور ویظن
انہ یسعی فی الدین وھو ساع فی اتباع الشیاطین۔ برخلاف اسکے جو شخص سچا دیندار
ہوگا وہ کبھی کسی کو ذلت سے نہ دیکھیگا۔ کسی کی حقارت نہ کرے گا۔ ہمیشہ اپنے دل کو لوگوں
کی باتوں کے سُننے کے لیے کھولا رکھیگا۔ ہر ایک کی بات پر غور کرے گا۔ ہر چیز کی حقیقت
اور ماہیت دریافت کرنے کی فکر میں رہے گا۔ ہر شے کی وجوہات اور اسباب کی تحقیق
کرے گا۔ انصاف اور سچائی اور راستی اور محبت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیگا
وہ اصول شریعت میں خاص خدا اور اُس کے رسُول کے قولوں پر متمسک ہوگا اور اُس کے
حقایق اور اسرار کو دریافت کریگا۔ وہ کبھی اپنے آپ کو برائیوں سے پاک اور عیبوں سے
صاف نہ سمجھیگا۔ وہ مذہب و شریعت کو اپنے مطالب کی تحصیل کا ذریعہ نہ گردانے گا۔ وہ
جاہ و عزت کا مذہب کے حیلہ سے خواہاں نہ ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو کامل نہ جانے گا۔ وہ
سب کو شفقت کی نظر سے دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے دل کے پاک کرنے اور اپنے نفس کے مہذب
کرنے پر متوجہ رہے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ تعصب سے لوگوں نے اپنے سچے دین اور اصلی مذہب کی خوبیوں کو چھپا دیا ہے
اور برائیوں کو بھلائی اور بھلائیوں کو برائی سمجھ رکھا ہے۔ اگر کسی متعصب کے سامنے کوئی شخص
شریعت کے اسرار اور مصالح بیان کرے تو وہ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُسکو ملحد اور زندیق
سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک شریعت میں کوئی خوبی ہے نہ اُس میں کوئی مصلحت ہے جتنے
احکام شریعت کے ہیں وہ سب جبری ہیں۔ اور خدا نے بلا کسی حکمت اور سبب کے اپنے
بندوں کو اپنے احکام کا مقید کر دیا ہے۔ اُس کے نزدیک خدا مثل ایسے جابر بادشاہ کے ہے
جو بلا سبب اپنے نوکروں کو کسی بیہودہ کام کے کرنے کا حکم دے اور اُس سے صرف اُس کی

اطاعت کا امتحان اُن سے منظور ہوئے حالانکہ یہ بڑی تہمت خدا پر ہے کوئی حکم اور کوئی مسئلہ شریعت کا علت اور سبب اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ ان دو مسئلے اور وہ باتیں جو لوگوں کی بیجا اور تعصب سے بیج میں وجن کا کچھ نشان شریعت میں نہیں ہے وہ بے شک بے فائدہ ہیں اور جبکہ تعصب سے وہ اپنی نکالی ہوئی باتوں یا اپنے بزرگوں کے سُنے ہوئے مسئلوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُس کو بے فائدہ اور لغو جانتے ہیں تو اسی سے اُن کو یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ سب احکام خدا کے ایسے نہیں ہیں ورنہ اگر وہ آنکھ کھول کر دیکھیں اور تعصب کے پردہ کو اپنی بصیرت قلبی سے اُٹھا دیں اور اپنے مسئلوں اور خدا کے حکموں کو جدا جدا کر کے اسکی حقیقت کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوں تب اُن کو اُسکی ماہیت معلوم ہو جاوے۔

اکثر متعصب اپنے تعصب پر قایم رہنے کے لیئے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دین و مذہب کا مدار تعصب پر ہے اگر تعصب کو ہم برا جانیں تو ہم ملحد اور لامذہب ہو جاویں اور اپنے عقاید دینی میں شک کرنے لگیں۔ اگر تعصب منع ہوتا تو اصحاب رسول کیوں اپنے دین میں سخت ہوتے۔ اُن کا یہ کہنا تعصب و دینداری میں اور یقین و شک میں مابہ الامتیاز نہ سمجھنے سے ہے اس لیئے ہم اُن کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

جو تصور اور خیال دل میں آوے خواہ وہ خود اُس کے دل میں پیدا ہوا ہو خواہ وہ کسی سے سنا ہو اُسکی تین حالتیں ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ اُس کی صحت و غلطی دل میں برابر سی ہو۔ نہ اس کی تصدیق کو غلبہ تکذیب کو رجحان ہووے تو اس حالت کا نام شک ہے۔

دوسرے۔ یہ کہ اُس کی صحت و غلطی میں سے کسی کا دل پر غلبہ ہووے اور ایک کو دوسرے پر رجحان ہو و لیکن اُسکی ضد و نقیض کے امکان سے انکار نہ ہو اس حالت کو ظن کہتے ہیں۔

تیسرے۔ یہ کہ اس کی صحت و غلطی میں سے کسی جانب کو دل پر ایسا غلبہ ہووے کہ اُسکی ضد و نقیض کے امکان سے بھی انکار رہے۔ اس حالت کو یقین کہتے ہیں۔

پھر یقین کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگرچہ اُسکے خلاف کو دل قبول نہ کرے لیکن اُسکا یقین کسی اصل صحیح پر مبنی نہ ہو بلکہ وہ اسباب جس نے اُس کے دل میں اُس تصور اور خیال کو منضبط کر دیا ہے اور اُسکو صحیح ٹھہرایا ہے غلط ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ یقین کسی اصل صحیح پر مبنی ہو اور وہ امر جس نے اسکی صحت پر دل کو قوی کر دیا ہے وہ بالکل صحیح اور سچے ہوں۔

پس جو خیالات دینی کسی شخص کے دل میں پیدا ہوں اگر وہ اول قسم کے ہیں یعنی وہ شخص نہ اُن کی تصدیق کرے نہ تکذیب تو بیر اطلاق اعتقاد کا نہ ہوگا نہ وہ خیال کرنے والا خود اپنے آپ کو اُس کا معتقد جانے گا۔ اور اگر وہ دوسری قسم کے ہیں یعنی گو اسکو اُن کی صحت پر گمان غالب ہووے مگر اُس کے خلاف کے ہونے سے منکر نہووے تو اُس کا اعتقاد ظنی کہلایا جاوے اور اگر وہ تیسری قسم کے ہیں یعنی اُن خیالات کے صحیح ہونے پر وہ دل سے یقین رکھے مگر اسکی بنا اصول صحیحہ پر نہ ہو تو اُس کا اعتقاد تو پکا اور مضبوط کہلایا جاوے گا مگر غلط اور غیر صحیح۔ چوتھی قسم وہ ہے کہ اُن خیالات کی بنا اصول صحیحہ پر ہو تو اُس کے اعتقاد کو مضبوط اور کامل بھی کہینگے اور صحیح اور درست بھی۔

پس تعصب اُس حالت کا نام ہے جو تیسری قسم میں مذکور ہے یعنی اُن خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا غلط اصول پر ہے۔ اور دینداری اُس حالت کو کہتے ہیں جس کا ذکر چوتھی قسم میں ہوا یعنی اُن خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا صحیح اصول پر ہے۔

متعصب اپنے خیالات کی صحت پر گو یقین رکھتا ہے مگر اُس کا یقین مثل ایک دیندار کے یقین کے نہیں ہوتا اس لیے کہ متعصب کے خیالات کی بنا صحیح نہیں ہوتی اس لیے ممکن ہے کہ کبھی وہ اپنے خیالات کی بنا کے غلط ہونے پر آگاہ ہو جاوے اور تب وہ اپنے خیالات کے غلط ہونے پر متنبہ ہووے اور دیندار کے خیالات کی بنا ہمیشہ اُن مضبوط اور صحیح اصولوں پر ہوتی ہے جن میں احتمال بھی غلطی کا نہیں ہوتا اور شک اور ظن کا اُس میں دخل نہیں ہوتا اس لیے کبھی وہ اپنے یقین سے پھر نہیں سکتا۔

متعصب جس طرح پر اول اپنی سمجھ کی غلطی سے اپنے خیالات کو غلط اصول پر قایم کر لیتا ہے اسی طرح اخیر تک اسی غلطی میں گرفتار رہتا ہے یعنی وہ کبھی اپنے خیالات پر غور و تامل نہیں کرتا۔ جو لوگ اُسکی غلطی بیان کرتے ہیں اُن کے سُننے کا تحمل نہیں ہوتا۔ اپنے مخالفوں کی آواز مخالفت اپنے کان میں پڑنے نہیں دیتا اور اسی سبب سے اُسکو کبھی موقع اُس غلطی سے نکلنے اور اُس بلا سے چھوٹنے کا نہیں ملتا۔ بخلاف ایک دیندار کے کہ وہ اول ہی اپنے خیالات کی بنا صحیح اصول پر قایم کرتا ہے اور ہمیشہ اُسپر عمل کرتا ہے جو کوئی اُس کے مخالف بات کہتا ہے

اُسکو سنتا ہے اور سوچتا ہے جو کوئی اُس کے یقین میں شکوک پیدا کریں اور اُسکی غلطی بتا
کریں وہ اُن سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اُن کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور تامل بہت
اور جبکہ اُن شکوک و شبہات کو بالکل غلط پاتا ہے تو وہ اپنے یقین کی صحت پر اور بھی
زیادہ خوش ہوتا ہے اور اُن غلط خیال کرنے والوں کو ذریعہ اپنے یقین کے اصول پر مطلع
ہونے کا پیدا کرتا ہے۔

پس جو لوگ تعصب اور دینداری میں فرق نہیں کرتے اور اپنے تعصب کو دین سمجھتے ہیں
اور اپنی حالت کو ظاہری حالت سے صحابہ کی ملاتے ہیں یہ غلطی اُن کی ناواقفیت و جہالت
کی ہے۔ وہ بے شک اپنی جھوٹی دینداری پر مضبوط ہونے میں صحابہ کی سچی صلابت فی الدین
سے مشابہت پیدا کرتے ہوں مگر وہ مشابہت جھوٹے موتی کی سچے موتی سے ہے کہ جو صرف
صورت ظاہری میں ہے نہ حقیقت باطنی میں۔

تعصب ایک ایسی بری خصلت ہے کہ جس سے صرف متعصب ہی کی ذات کو نقصان نہیں
پہنچتا بلکہ اُس کا بد اثر دوسروں کی طبیعت پر پہنچتا ہے اور سادی اچھی طبیعتوں کو بھی لگ جاتا
ہے۔ تعصب ایک زہر آمیز خمیر ہے کہ وہ اچھے صاف سیدھے کو بھی تھوڑی ہی دیر میں اپنا
سا کر لیتا ہے اور اُس شئے کو جو باعث زندگی انسان ہے اُسکی موت کا سبب کر دیتا ہے
دین و مذہب انسان کی اُس روحانی زندگی اور چین کا ذریعہ ہے جو بعد اس جسمانی حیات کے
ملنے والی ہے اور تعصب اُسی زندگی کا کاٹنے والا ہے اور اُسی چین کا کھو دینے والا ہے
اس لیے کہ اُس نے باطل کو حق اور غلط کو صحیح سمجھ رکھا ہے اُسکی سختی اور درشتی کسی مخالف
کو موقع اُن باتوں کے ظاہر کرنے کا نہیں دیتی جو اُن کے دل میں ہے اور جس کے ظاہر ہونے
سے اگر وہ غلط ہیں اُن کی اصلاح ممکن ہے۔ متعصب کی حالت دیکھ کر اُس کا مخالف بھی متعصب
ہو جاتا ہے اور وہ بھی اپنے خیالات کو صحیح سمجھ کر اُن کی حقیقت کا اعتقاد کرنے لگتا ہے چنانچہ
تعصب ہی تمام مذاہب باطلہ کی بنا اور تمام عقاید فاسدہ کی جڑ ہے اور ایک جہان اسی
مرض میں مبتلا اور اسی بیماری میں گرفتار ہے اسی لیے خدا نے اور شارع نے اور تمام دیندار
عالموں اور دانشمند حکیموں نے اُسکی برائی بیان کی ہے۔

# دین کی تحریف

ابتدائے پیدایش آدم علیہ السلام سے شیوع اسلام تک جتنے دین جاری ہوئے اور جتنی
شریعتیں قایم ہوئیں اور جن کا علم ہمکو ہے اُن کی نسبت یہ سمجھنا کہ ہر ایک دین اور ہر ایک شریعت
ایک زمانہ معین تک جاری اور قایم رہی اور جب اسمیں تحریف نے راہ پائی اور اُس دین کے
قبول کرنیوالوں نے اسکو اپنی اصلی حالت پر نرکھا تب خدا نے بذریعہ دوسرے پیغمبر کے
دوسری شریعت قایم کی بہت آسان ہے لیکن اُن اسباب کا سوچنا جن سے دین میں تحریف
ہوئی اور اُن وجوہ کو سمجھنا جن سے شریعت اپنی اصلی حالت پر نہ رہی نہایت ہی مشکل ہے
اور اُن سب باتوں سے واقف ہوجانا انسان کی قدرت سے باہر ہے اسی واسطے بہت کم
تھوڑے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی ہو یا اُن وجہوں اور علتوں کو لکھا ہو
بلکہ بعضوں نے تو ایسے اسرار اور حکمتوں میں غور کرنے ہی کو بُرا جانا ہے اور بعضوں نے اُس کو
قدرت بشری سے خارج سمجھا کر لغو محض تصور کیا ہے اور بعضوں نے پچھلے بزرگوں کو ایسی
باتوں پر متوجہ نہ دیکھکر اُسکو بدعت خیال کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں اُن باتوں پر غور کرنا نہ بُرا
ہے اور نہ لغو اور عبث ہے اور نہ بدعت ہے بلکہ وہ چیز جس سے حکیم مطلق کی کامل حکمت
کا دل پر یقین ہووے اور خدا کے احکام کے معلل بالمصالح ہونے پر اعتقاد مضبوط ہووے وہ یہی ہے
کہ اُس کے احکام اور افعال پر جہاں تک انسان کی طاقت ہو غور کرے اور اُس کے اسرار و
وجوہ کو سوچے اس لیئے ہم اپنے مذہب کے ایک بڑے نامی محقق کے کلام سے اس مضمون
کو کہ ادیان سابقہ اور شرایع گذشتہ میں کیوں کر تحریف ہوئی اور کس ضرورت سے بجائے اُسکے
دوسری شریعت قائم ہوئی اخذ کرکے لکھتے ہیں۔

جب ہم کسی دین اور کسی مذہب پر خیال کریں اور اُسکی ترقی اور تنزل اور زوال کے ...
حال پر غور کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ جب کسی پیغمبر کے ذریعے سے خدا نے کوئی دین یا مذہب
جاری کیا اور لوگوں کو اُس کا تابع بنایا تو وہ طبقہ جو خاص اُس پیغمبر سے تعلیم پاتا ہے اور جو ...
کانوں سے اُسکی باتیں سُنتا ہے اور اپنے دل میں بے واسطہ اور بغیر علاقہ دوسرے کے اُن
احکام اور مسائل کو جگہ دیتا ہے تو وہ ہر طرح پر اشاعت دین میں ساعی ہوتا ہے اور امر بالمعروف

اور یہی من الکل ہیں ٹھیک ٹھیک اپنے نبی کے قدم پر چلتا ہے اور یہ پہلا طبقہ ہر بُرائی سے
پاک اور ہر عیب سے صاف ہوتا ہے۔ اِس طبقہ کے تھوڑے سے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکو
عادت اور سیرت میں اپنے نبی سے مشابہت اور اخلاق اور اعمال میں اپنے پیغمبر سے مناسبت
ہو بعد اُس کے دوسرے طبقہ کا زمانہ آتا ہے جنہوں نے نہ اپنی آنکھوں سے پیغمبر کو
دیکھا نہ اپنے کانوں سے اُسکی وعظ و نصیحت کو سُنا نہ بلا واسطہ خود اُن کو تعلیم اُس پیغمبر کی
نصیب ہوئی بلکہ طبقہ اولیٰ کو انہوں نے دیکھا اور اُن کی باتوں کو سُنا اور اُن سے دین
میں تعلیم پائی تو اگرچہ یہ کل طبقہ دین میں کامل اور مذہب میں مضبوط ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ
پہلا طبقہ تھا لیکن تب بھی بسبب اِس کے کہ صرف ایک ہی واسطہ بیچ میں ہوتا ہے اور
طبقہ اولیٰ کی تعلیم اور ہدایت میں بھی ایک کامل تاثیر ہوتی ہے اِس لیئے یہ دوسرا طبقہ بھی
اچھی حالت پر رہتا ہے لیکن جس قدر کہ لوگ بڑھتے گئے اور اُمت کثرت سے ہوتی
گئی اور اغراض اور خواہشیں دنیاوی پیدا ہونے لگیں اور امتداد مدت اور اختلاف طبائع سے
اتفاق میں خلل ہونے لگا اُتنا ہی وہ مذہبی جوش اور دینی ولولہ جو سب کو ایک ہی بات پر
یعنی اشاعت دین پر متوجہ رکھتا ہے کم ہونے لگتا ہے اور دلوں کی وہ پاکی اور نیتوں
کی وہ صفائی جو طبقہ اولیٰ کے اکثر افراد میں ہوتی ہے وہ اِس طبقہ ثانیہ کے تھوڑے ہی
شخصوں میں پائی جاتی ہے۔

بعد اِس کے جو زمانہ آتا جاتا ہے اور جس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے خود نہ
بانیٔ مذہب کو نہ اُس کے دیکھنے والوں کو دیکھا اور نہ اپنی سعی اور اپنے شوق سے اُس دین و
مذہب کو اختیار کیا بلکہ اپنے باپ دادا کی میراث میں جہاں اور چیزیں پائیں منجملہ اُنکے
دین و مذہب کو بھی پایا اور اُن کے اور صاحب شریعت اور بانیٔ مذہب کے بیچ میں
واسطے اور علاقے بھی بہت ہو گئے تو سوائے تھوڑے آدمیوں کے اکثر تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ
اُس دین الٰہی مذہب کی خود قدر نہیں جانتے اور سوائے حمیت نسبی کے اصلی دینی حمیت سے
بے بہرہ ہوتے ہیں اُن کے دل اصلی روشنی سے اور اُن کے سینے حقیقی نور سے مذہب کے
خالی ہوتے ہیں اور اُن پر مضمون خلف اضاعوا الصلوٰة و اتبعوا الشهوات کا ٹھیک ٹھیک
بلا کم و کاست صادق ہوتا ہے۔ اِس طبقہ میں بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں کہ اُس دین اور مذہب
کو جس کے وہ پابند ہیں تحقیق کر کے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کرتے ہوں بلکہ اپنے باپ دادا کا طریقہ

سمجھکر اسکی حقیت کے معتقد ہوتے ہیں اور بجائے تحقیق اور تلاش کے بل نتبع ما الفینا
علیہ آباءنا پر قانع ہوتے ہیں اور جس طرح طبقہ اولیٰ کے ایمان والے اصلی اور سچی باتوں دین
کی مضبوطی سے اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے پر دیندار کہلاتے اور قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں
اُسی طرح اَور طبقہ کے لوگ میراثی اور جھوٹی باتوں پر تقلید کے سبب سے یقین رکھنے اور
اسکی پابندی کرنے پر متعصب اور جاہل اور لایق مذمت تصور کیئے جاتے ہیں اور جس قدر
نبوت کا زمانہ دُور ہوتا جاتا ہے اُسی قدر دین و مذہب میں پیغمبر سے علاوہ چھوٹا اور
اَوروں کا واسطہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جتنا زمانہ گذرتا گیا اور غرضیں بڑھتی
گئیں اور خواہشیں زیادہ ہوتی گئیں اور طبیعتوں میں خود پسندی اور نفسانیت کا غلبہ
ہوتا گیا اُسیقدر ہر شخص موافق اپنی حالت اور ضرورت اور حاجت اور خواہش کے دین میں
تحریف اور تبدیل کرنے لگتا ہے اور خدا کے کلام اور نبی کے اقوال کو اپنی خواہشوں کا
عرضہ بنا لیتا ہے۔ اُس کے لفظوں اور عبارت کو بدلنا یا اپنی طرف سے بنا کر اُسکی طرف
منسوب کر دینا اگر ممکن ہو تو اُسمیں بھی دریغ نہیں ہوتا ورنہ اُس کے معنی و مطلب کو اپنی
سمجھ اور اپنی غرض کے مطابق پھیر دینے میں تو کچھ تامل ہی نہیں ہوتا اور جب تک
یعنی جتنے عرصہ تک خدا کو اپنے نزدیک اُس دین کا قایم رکھنا منظور ہوتا ہے تب تک
ایسے تغیر اور تحریف سے کم و بیش خدا اپنے علم اور ارادہ کے موافق بچاتا ہے اور اخیر پر تمام
تحریف و تغیر سے اُس دین کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اپنی اصلی حالت پر کچھ بھی باقی نہیں
رہتا اور اگر کوئی اُس کے اول حال سے آخر حال کو ملاوے تو زمین و آسمان کا فرق دکھلائی
دیتا ہے پیغمبر کی کتاب جس پر مذہب کا دار و مدار ہے وہ تو برائے نام قسم کھانے کے لیئے
اور عزت سے طاق میں رکھنے کے لیئے ہوتی ہے کوئی اُس سے اپنے دینی عقاید اور مذہبی
مسائل کو نہیں ملاتا۔ اپنے بزرگوں یا اپنے پیروں کے اقوال اور افعال کو مستند سمجھکر
اپنے مذہبی سلسلہ کو اُسی پر ختم کر دیتے ہیں اور انہیں کو معصوم اور مثل نبی کے سمجھکر
اپنا پیشوا اور ہادی اور شفیع اور نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں جب طبقہ اولیٰ کا زمانہ ہوتا ہے
اُس وقت رسم و رواج پر عمل کرنے کا کچھ ذکر نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ اُس کے جانی دشمن ہوتے
ہیں اس لیئے کہ وہ اپنی پرانی رسموں اور خاندانی چال چلن کو صرف پیغمبر کی ہدایت سے چھوڑ کر
اُس نئے دین میں آتے ہیں اور اُن کے بھائی بند یا دوست رسموں ہی کے چھوڑنے پر

اُن کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور اُن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہے
کہ وہی طبقہ جس نے ایک خدا کے خوف سے رسموں کو چھوڑا اور اپنے بھائیوں سے
علاقہ نہ رکھا اور صرف اپنی نجات کی اُمید پر پیغمبر کا تابع ہوا ہو وہ خود رسموں پر عمل کرے گا
اُس طبقہ میں سوائے خدا اور رسول کے حکم کے کسی دوسری بات کو دخل ہوگا لیکن
جتنا زمانہ گذرتا جاوے گا اتنی ہی آمیزش اور چیزوں کی ہوتی جاوے گی۔ کچھ باتیں
دنیا کی دین میں داخل ہو جاوینگی کچھ پیشینہ غیر قوموں کی اُسمیں خلط ملط ہو جاوینگی اور اُن
سب مجموعہ پر دین کا اطلاق ہوگا اور چونکہ ظاہر ہے کہ جب دین میراثی اور آبائی ہوگا تو
دل میں وہ دینی ولولہ جو کہ پہلے طبقہ کو ہوتا ہے نہ رہیگا اور وہ مذہبی جوش جو خاص چشمہ
سے تعلیم پانے والوں کو ہوتا ہے ٹھنڈا پڑجاویگا تو پھر ایسی حالت میں ہر شخص جس کو خدا
نے عقل سلیم دی ہے سمجھ سکتا ہے کہ ہمارا رسم و رواج ہی پر مدار مذہب کا آ رہیگا اور
قومی چال چلن اور خاندانی طریقہ ہی دین سمجھا جاوے گا چنانچہ جتنے پہلے دین گذر گئے اُن
سب کا یہی حال ہوا کہ لوگوں نے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ دیا اور رسم و رواج پر مدار مذہب
کا ٹھہرا لیا اور انا وجدنا علیہ آباءنا اور بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا کہکر
تحقیق سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ عقیدہ اُسی کو سمجھنے لگے جو آباؤ اجداد سے سُنا عمل اُسی پر کرنے
لگے جو بھائی بہنوں کو کرتا ہوا دیکھا۔ خاندانی طریق پر چلنے کو سنت اور اُسکو چھوڑ کر
اصلی دین کی باتوں کی تحقیق کرنے کو بدعت کہنے لگے۔

چنانچہ جب کل یا اکثر آدمی کسی دین و مذہب کے ایسے ہو گئے اور اُنھوں نے دین میں
ایسی تحریف اور تغیر کر دی تو جو خوبی اُس مذہب کی تھی وہ جاتی رہی اور غفلت اور پابندی
رسم و رواج اور تقلید آبا و اجداد کی بدولت اُس دین کی اصلی حالت باقی نہ رہی تب خدا نے
اُسکی اصلاح کرنے کے لیئے دوسرا پیغمبر مبعوث کیا جس نے اُن خرابیوں کو دور کیا اور
جو تحریف و تغیر اُس دین کے لوگوں نے اپنی غفلت اور تقلید کے سبب سے کی تھی اُس کو ظاہر
کیا اور رسم و رواج پر چلنے والوں کو متنبہ اور باپ دادا کے چال چلن پر سند پکڑنے والوں کو
ہوشیار کیا اور لوگوں کو غفلت سے نکالا اور اُن سے تقلید کو چھوڑایا لیکن غفلت اور
تقلید ایسی بُری اور اپنی بُرائی میں ایسی کامل ہے کہ تمام انبیا کو اپنی نبوت کے زمانہ میں لوگوں کے
کیئے لوں سے رسم و رواج کی پابندی کے مستحکم زنجیر اور غفلت اور تقلید کی مضبوط قید کے

توڑنے سے زیادہ کوئی مصیبت اور دقت نہیں ہوئی۔
کیسی ہی محبت سے اپنی قوم کو سمجھایا اور کیسے ہی نرم اور ملائم لفظوں سے اُن کو نصیحت کی اور اُن کے دلوں کی صفائی کرنی چاہی لیکن اُس قوم کے کانوں کو کوئی اور سخت اور ہولناک اور عجیب آواز ایسی معلوم نہوتی تھی جیسی کہ نبی کے پاک مونہہ سے رسم و رواج کی بُرائی کی آواز اور اُن کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں پر کسی اور چیز کا اتنا صدمہ نہ ہوتا تھا جتنا کہ اپنے باپ دادا کے چال چلن چھوڑنے کا۔ اسی منحوس رسم و رواج کی پابندی نے اُن کو ایمان سے محروم رکھا اور جان بوجھکر اُنھوں نے اپنے آپ کو دوزخ کا کندہ بنایا اخترت النار علی العار کہتے لیکن اپنے پُرانے طریقوں کے چھوڑنے پر جرأت نہ کرسکتے اور اپنی گردنوں کو تقلید کی رسّی سے باہر نہ نکالتے۔ حقیقت میں اگر رسم و رواج کی پابندی کو ایسا کامل اثر نہ ہوتا اور اُس کا چھوڑنا دوزخ میں جانے سے زیادہ سخت نہ ہوتا تو کبھی کسی پیغمبر کو ہدایت کرنے میں کچھ تکلیف نہ ہوتی بلکہ اتنے پیغمبروں کی بعثت کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ ایک لاکھ اسّی ہزار یا جس قدر پیغمبر آئے اور جو کچھ انہوں نے مصیبتیں اور تکلیفیں پائیں وہ اسی رسم و رواج کی بدولت۔

تمام اولوالعزم پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے اس لیئے کہ جب ہم کسی پیغمبر کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو نبی آیا اُس نے اوّل پچھلے دین کی اصلاح کی اور جو تحریف اور تغیر لوگوں نے اُس دین میں کی تھی اُسے بیان کیا اور جس قدر باتیں رسم و رواج کی لوگوں نے دین میں شامل کردی تھیں اُن کو علیحدہ کیا۔ بعدہٗ اُن جدید احکام کو جو خدا نے اُس وقت کے مناسب دیکھے جاری کیا پس بڑا سبب دین اور مذہب کے زوال کا حقیقت میں غفلت اور تقلید ہی ہوتی ہے

یہ کیفیت جو دین میں خلل آنے اور مذہب کے خراب ہونے کی ہم نے بیان کی ایسی کھلی ہوئی اور صاف ہے کہ کوئی اُس کا انکار نہیں کرسکتا اور جو کوئی دین کی کتاب اٹھا کر دیکھے وہ اُسکی تصدیق کرسکتا ہے لیکن وہ بہت سے سبب جن سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جن کو دین کے خلل اور مذہب کے زوال کا مادہ کہنا چاہیئے وہ ایسے دقیق ہیں کہ ہر شخص اُنکو سمجھ نہیں سکتا اس لیئے اب ہم اُن کو بیان کرتے ہیں [1]

---

[1] یہ اسباب شاہ ولی اللہ صاحب محدث نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھے ہیں۔ ۱۲

**پہلا سبب** - بانی ملت اور صاحب شریعت کے اعمال و اقوال سے چشم پوشی کرنا اور
اپنے عقاید اور اعمال میں اُس کے عقاید اور اعمال سے مخالفت کرنا۔

**دوسرا سبب** - اغراض فاسدہ کا پیش آنا اور اُن کے حاصل کرنے کے لیے اصل بانی
ملت کے کلام میں تاویل باطل کرنا۔

**تیسرا سبب** - تعمق یعنی تکلف سمجھنا کہ کوئی شخص شارع کی کسی امر و نہی کی علت پر
غور کرے اور بعض وجوہ کو اُس کے کسی دوسری شے پر اپنے نزدیک مطابق کر کے اپنی طرف سے
مثل شارع کے اُس شے کی امر و نہی کا حکم قایم کرے یا نبی کے تمام اعمال و افعال کو عبادت
سمجھکر جو کچھ انھوں نے عادتاً بھی کیا ہو اُس کو بھی فرایض و واجبات میں داخل کرے۔

**چوتھا سبب** - تشدد یعنی اُن عبادات شاقہ کا اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم
نہ کیا ہو یا سنن اور آداب کا مثل فرایض و واجبات کے التزام کرنا اور یہی وہ بیماری ہے
جسمیں یہود اور نصرانی گرفتار ہو گئے تھے اور جن کو رہبان کہتے تھے۔

**پانچواں سبب** - اجماع کا اتباع کرنا یعنی اگر کسی بات پر بہت سے عالم اور لوگ
متفق ہو جاویں اُن کے اتفاق ہی کو اُس امر کے ثبوت کی دلیل قاطع سمجھنا۔

یہ بات یاد رہے کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت ہو
یہ اجماع واجب الاتباع ہے۔ دوسرا وہ اجماع کہ جس کا مستند کتاب و سنت نہ ہو بلکہ رسم و رواج
نے بہت لوگوں کو ایک بات پر جمع کر دیا ہو۔ اس اجماع سے مخالفت کرنا بعض حالات میں
واجب اور بعض صورتوں میں جائز ہے اور وہ اجماع جس کی برائی جا بجا خدا نے اپنی کتاب
میں بیان فرمائی ہے اور جس کے اتباع سے لوگوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا اور
جس کے التزام کو بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا کہکر اپنے اوپر واجب جانا یہی
دوسری قسم کا اجماع تھا۔ ہندوستان میں ہمارے ہم مذہب اجماع کی ان دونوں قسموں میں
کچھ فرق نہیں کرتے اور بلا تمیز ایک کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کی
رسموں اور اپنی خاندانی عادتوں کو جن کے وے پابند ہو رہے ہیں اجماع کی دلیل سے
واجب العمل جانتے ہیں اور اُن باتوں کو جو صریح مخالف کتاب و سنت کے ہیں مخالفت اجماع
کے ڈر سے ترک نہیں کرتے۔

**چھٹواں سبب** - غیر معصوم کی تقلید کرنا - یعنی کسی مجتہد کی یہ سمجھکر کہ تمام مسائل میں

اُس کا اجتہاد صحیح اور درست ہے اور جو کچھ اُس نے کتاب و سُنت سے استنباط کیا ہے وہ خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ ایسی تقلید کرنا کہ اگر کسی مسئلہ میں جس کا اُس نے استخراج کیا ہو اُسکی غلطی ثابت ہو اور کوئی حدیث صحیح صریح مخالف اُسکے موجود ہو اُس حدیث کو چھوڑ کر اُس کے اجتہاد پر عمل کرنا۔

یہ تقلید وہ نہیں ہے جس پر اُمت کا اجماع ہے یعنی اکثر علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کرنا درست ہے بلکہ بعض حالات میں نہایت مفید اور بعض صورتوں میں نہایت ضرور ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ اوّل یہ سمجھنا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ دوسرے منصوصات نبوی پر اُسکو مقدم نہ کرنا یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مخالف اُس مجتہد کے اجتہاد کے مل جاوے تو حدیث کا اتباع کرنا اور تقلید کا ترک کر دینا۔

بغیر ان شرائط کے غیر معصوم کی تقلید کرنا نہایت ہی نقصان دین کا سبب ہے اور اگلے اہل کتاب ایسی ہی تقلید کرتے تھے جس کی بُرائی خدا نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے حیث قال تبارک و تعالیٰ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللّٰہ کہ اہل کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب ٹھہرا لیا ہے اور خدا کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی اہل کتاب اپنے عالموں اور پیروں کی عبادت نہ کرتا تھا مگر اُن کو ایسا معصوم سمجھ لیا تھا کہ جس کو وہ حلال کہدیتے تھے اُسی کو حلال جانتے تھے جس کو وہ حرام کر دیتے تھے اُسی کی حرمت کے معتقد ہو جاتے تھے اور اپنے نبی کے اقوال اور احکام پر بمقابلہ اُن کے قولوں اور حکموں کے عمل نہ کرتے تھے۔

**ساتواں سبب** - ایک ملت کا دوسری میں خلط کرنا یعنی کسی دوسرے دین کی باتوں کو پسند کر کے کسی ضعیف وجہ یا موضوع سند سے اُس کا جواز ثابت کر کے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کر لینا کہ پھر کچھ تمیز نہ رہے کہ یہ باتیں کس مذہب کی ہیں بلکہ وہ باتیں اسلام ہی کی معلوم ہوں جس طرح بنی اسرائیل کے علوم اور یونان کی حکمت وغیرہ کو مسلمانوں نے اپنے دین و مذہب میں داخل کر لیا ہے اور اپنی تفسیروں اور کلام کی کتابوں کو انہیں روایات اور مسائل سے بھر دیا ہے۔

یہ اسباب دین میں نقصان اور خلل پیدا کرنے کے جو ہم نے بیان کیے ہیں یہ ہیں جنہوں نے

پہلے دینوں کو خراب کر دیا تھا اور جن کے سبب سے بہت سے اولوالعزم پیغمبر کیے بعد دیگرے بھیجے گئے۔ قطع نظر ملت حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت کے جس کا اب کوئی فرقہ بالتخصیص پابند نہیں ہے دین موسوی کو انہیں باتوں نے بگاڑا اور انہیں باتوں سے اس کے پیرووں نے اپنی کتاب میں تحریف کی اور اپنے دین کو تغیر اور تبدیل کر دیا اور دین عیسوی کو بھی انہیں موجود سے نقصان آیا اور رہبانوں نے انہیں باتوں سے اپنے کو اصلی حالت پر نہ رہنے دیا۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ کیا ایسی تحریف اسلام میں بھی ہوئی ہے تو اُسے خود اسلام کی حالت پر غور کرنا چاہیے کہ جو نور ایمان کا طبقہ اول کے ہر شخص کی پیشانی پر چمکتا تھا وہ نور دوسرے طبقہ میں نہ رہا لیکن اُس کا عکس دوسرے طبقہ کے اکثر آدمیوں کے دل پر پڑا اور اُس طبقہ کے اکثر آدمیوں نے اپنے عقاید اور اعمال کو صحابہ کے مطابق رکھا۔ اُس کے بعد تیسرے طبقہ میں بھی کچھ کچھ رونق اسلام کی رہی بلکہ بعض شخصوں نے اسلام کے قایم رہنے کے لیے احادیث کے جمع کرنے اور اقوال رسول کے اکٹھا کر دینے سے سب پر پیغمبر صاحب کے اس قول کی کہ یہ دین ہمیشہ قایم رہے گا تصدیق کرا دی مگر بعد اُس کے جس قدر زمانے آتے گئے اُن میں فساد ہی بڑھتا گیا اور جدال اور جہل کا زور ہی ہوتا گیا مگر جس طرح خدائے جل شانہ نے حضرت موسیٰ کے دین کو رسولوں اور پیغمبروں کو اُن کے بعد بھیجکر ایک عرصہ تک قایم رکھا اسی طرح پر دین محمدی کو علمار ربانی کے پیدا کرنے سے تحریف سے بچایا یعنی جب کبھی لوگوں نے کچھ تحریفیں کیں اور کچھ فتنہ پیدا کیا خدا نے کسی نہ کسی عالم کو جس کے حق میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل صادق ہے کھڑا کر دیا اور اُس نے محرفین کی تحریفات اور جہلار کی جہالتوں کو ظاہر کیا اور اصل شریعت اور دین محمدی کا کھول دیا۔

اس بات کا بیان کرنا کہ وہ تحریفات کیا ہیں جو اسلام میں لوگوں نے کیں ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور اس مضمون کو بطور مقدمہ کے لکھتے ہیں آیندہ اُسکی تصریحات کرینگے شاید خدا ہمکو اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کو توفیق دے اور سنت کی سیدھی راہ پر چلاوے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

---

# تقلید اور عمل بالحدیث

تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے اپنے مذہب کے ایک بڑے محقق کے کلام سے انتخاب کر کے ایک مضمون جن میں تحریف ہونیکا لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں تہذیب الاخلاق کے چھپا ہے اُسمیں جہاں ذکر تقلید کا تھا وہاں میں نے وعدہ کیا تھا کہ اُسکو آیندہ بتفصیل لکھونگا چنانچہ اب اُسکو لکھتا ہوں۔

## اِس مضمون میں سات تذکرے ہیں

**اوّل** ۔ مذاہب اربعہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال ہے۔

**دوسرے** ۔ مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اس کا سبب۔

**تیسرے** ۔ ان چاروں مذہب کی پابندی کامل طرح سے کب ہوئی۔

**چوتھے** ۔ اِن چاروں مذہبوں میں اختلاف ہونے کا باعث۔

**پانچویں** ۔ اجتہاد اور عمل بالحدیث میں کیا فرق ہے۔

**چھٹے** ۔ تقلید اور عمل بالحدیث پر مقلد اور غیر مقلد کا مباحثہ۔

**ساتویں** ۔ قول فیصل بہ نسبت تقلید اور عمل بالحدیث کے۔

## مذاہب اربعہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال

پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے عہد کرامت عہد میں سوائے قرآن مجید کے مسائل شریعت اور احادیث اور احکام کے جمع کرنے کا کسی کتاب یا نسخہ میں رواج نہ تھا۔ پس اُس وقت میں نہ کسی نے کوئی حدیث کی کتاب لکھی نہ فقہی مسائل یا شرعی احکام کو کسی صحابی نے جمع کیا نہ کسی علم کے اصول و قواعد اُس وقت مقرر ہوئے۔ اُس زمانہ میں عمل کی یہ صورت تھی کہ اصحاب نبوی جیسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھتے ویسا ہی خود کرتے ارکان اور آداب اور تدقیقات فقہی پر کچھ توجہ نہ کرتے اور اُن کی تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ جو کچھ سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات فرماتے یا کسی معاملہ میں فتویٰ یا کسی سوال کا جواب دیتے

تو اُسے حضرتؐ کے اصحاب سُنتے اور یاد رکھتے اور چونکہ آنحضرتؐ عادات و مباحات اور
سنن عبادات میں اکثر ایک ہی امر کے پابند نہ رہتے اور مثل فرایض کے اُن کا التزام نہ
رکھتے اور نیز ہر وقت اور ہر حال میں سب اصحاب بھی خدمت میں برابر حاضر نہ رہتے اس لیے
جس نے جو حضرتؐ کو کرتے ہوئے دیکھا اُسے یاد کیا یا جو کچھ ارشاد فرماتے سُنا۔ اُس کی
کوئی وجہ اور علت اپنے نزدیک سمجھ لی اور صرف طمینان قلبی پر نہ استدلال کے طریقوں پر
بھروسہ کرکے اُسے ذہن نشین کیا۔ پس جو شخص صحابہ میں سے اُن باتوں کے یاد رکھنے اور
اُسپر غور کرنے کا زیادہ شایق تھا وہی اُن میں زیادہ فقیہہ ہوا یا جس نے پیغمبر خداؐ کی صحبت
میں رہکر ان باتوں کی زیادہ تعلیم پائی وہ بہ نسبت اَوروں کے زیادہ واقف ہوا۔
جب آنحضرتؐ کا زمانہ گذرا اور اصحاب کا زمانہ آیا تب اُنھوں نے اپنی دیکھی سُنی ہوئی
باتوں پر خود عمل کیا اور اگر کوئی بات جدید پیش آئی تو اَوروں سے پوچھ لیا۔ اگر کسی بات
میں کوئی حکم صریح کتاب و سنت سے نہ ملا تو منصوصات کتاب و سُنت پر غور کیا اور اُس کی
علت کو دریافت کرکے اُسی پر پیش آئے ہوئے معاملہ کو قیاس کیا اور اگر کوئی مسئلہ مشکل
ہوا تو اپنے آپس میں صلاح و مشورہ کرکے اُسکو طے کر لیا۔
صحابہؓ کے زمانہ میں جو لوگ نئے پیدا ہوئے یا نئے ایمان لائے اُنہوں نے صحابہ سے
اُسی طور پر علم دین حاصل کیا جس طرح پر صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے سیکھا تھا یعنی جس نے جس
صحابی کو پایا اور اُسے فقیہہ جانا اُس سے مسائل شریعت کو اخذ کیا اور احادیث نبوی کو
سیکھا اور چونکہ بعد آنحضرتؐ کے صحابہ دُور دُور ملکوں میں پھیل گئے تھے اور بجائے ایک
مکہ یا مدینہ کے صدہا کوس کے فاصلہ پر چلے گئے تھے اور ایک دوسرے سے جُدا ہوکر
منتشر اور متفرق شہروں میں جا بسے تھے اس لیے اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنے ہی شہر
اور اپنے ہی مُلک بلکہ اپنے ہی محلہ کے رہنے والے صحابی سے امور دینی کی تحقیق کی اور
اُنہیں سے احادیث نبوی اور مسائل شرعی کو سیکھا۔ اور چونکہ اکثر اصحاب نبوی فقیہہ تھے
اور نامی گرامی اصحاب بھی بڑے بڑے شہروں میں موجود تھے اور ضروری مسائل بھی انکو
یاد تھے اور جھگڑے قصے کی باتیں بھی اُس وقت تک شروع نہ تھیں اور نئی نئی تدقیقات
اور جدید جدید مصطلحات کا بھی رواج نہ ہوا تھا اور علم بھی الفاظ غریبہ کی دقت اور اصطلاحات
عجیبہ کی وحشت سے پاک تھا اور فقیہہ ہونا بھی دلایل منطقی کے جاننے اور اصول فلسفی سے

واقف ہونے پر منحصر نہ تھا اس لیئے اُس زمانہ کے سیدھے سادے پاک اور نیک لوگوں کی
روزمرہ کی کارروائی اور حاجت براری کے لیئے ہر شہر میں ایک عالم موجود تھا اور بسبب
نہ رایج ہونے مناظرہ اور مجادلہ اور کلام کے کوئی کسی پر کسی طرح کا الزام بھی دیتا تھا۔ اور
بسبب صفائی طینت اور پاکی نفس کے فضیلت اور تفقہ کا بھی اظہار کسی کو منظور نہ تھا
اس لیئے تابعین میں سے جو لوگ عوام تھے وہ وقت پیش آنے ضرورت کے اپنے شہر کے
نامی مشہور صحابی سے مسئلہ پوچھ لیا کرتے اور جو کچھ وہ کہدیتے اُسپر عمل کرتے اور جو لوگ
علم دین کے شایق تھے وہ انہیں سے علم دین کو تحصیل اور مسائل شریعت کی تحقیق کرتے
پس جبکہ صحابہ کا زمانہ نہ رہا تو وہی لوگ اپنے اپنے شہر کے عالم اور محدث ہو گئے اور
وہی مفتی اور فقیہہ مشہور ہوئے +

بعد تابعین کے جو زمانہ تبع تابعین کا آیا انھوں نے بھی اسی طور سے اپنے اپنے شہر کے
مشہور اور نامی فقیہہ سے جو تابعین میں سے تھے تعلیم پائی اور فقہ و حدیث کو سیکھا پس اُس وقت
میں ہر شہر کا ایک علیحدہ امام اور ہر مقام کا ایک خاص عالم اور فقیہہ تھا۔ جو لوگ اُس کی
باتوں کو مانتے یا اُس کے فتووں پر عمل کرتے یا اُسکی سند سے احادیث کو روایت کرتے وہ
اُسکی طرف منسوب ہوتے اور اُس عالم کے مذہب پر چلنے والے کہلاتے۔

تابعین کے وقت تک مذہب سے صرف لغوی معنی مراد لیئے جاتے تھے نہ اصطلاحی معنی
جو آج کل لوگوں کے ذہنوں میں ہیں اُسکی تخصیص بھی کسی خاص نہ تھی اور گروہ پر بلکہ
ہر شخص پر موافق اُس کی رائے اور طریقہ کے اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا چنانچہ مذہب فلاں
کذا بجائے قولہ یا عملہ کذا کے بولا جاتا اور جو عالم نامی گرامی ہوتا وہ فقیہہ اور امام کہلایا جاتا
باین اعتبار اُس وقت میں مذہب بھی بہت سے تھے اور امام صاحب مذہب بھی بہت سے
اُس وقت کے مذہبوں اور اماموں کا حال بعینہ اپنے زمانہ کے مولویوں اور اُن کے معتقدوں اور
اعمال کے حال پر قیاس کرنا چاہیئے کہ جو جس شہر میں مشہور مولوی ہے اُسی سے لوگ استفتا
کرتے ہیں اُسی سے علم سیکھتے ہیں اُس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اسی کے فتووں پر چلتے
ہیں اور جس طرح آجکل ایک ملک کے لوگ ایک ہی شہر کے مولوی یا ایک ہی عالم کے پابند
نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے شہر کے مولویوں کی راہ پر چلتے ہیں اسی طرح پر اُس زمانہ میں تمام عرب و
عجم کے لوگ کسی ایک یا چند معین فقیہوں کے پابند نہ تھے بلکہ ہر شہر کے آدمی اپنے اپنے

فقیہہ و مفتی اور محدث کے قول پر عمل کرتے اور اُس سے فتوے لیتے اور علم سیکھتے غرضکہ جس طرح پر آج کل لکھنؤ کے مولوی الگ ہیں اور دہلی کے علیحدہ اور جونپور کے جدی اسی طرح اُس وقت بھی مکہ اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ کے فقیہوں کی صورت تھی چنانچہ اوائل میں انہیں مدینہ منورہ کے فقیہہ اور صاحب مذہب سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمر تھے اور بعد اُن کے زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمان ہوئے اور مکہ میں عطاء ابن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی اور بصرہ میں حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول امام اور مجتہد تھے۔ یہ صورت دوسری صدی کے اوسط تک یعنی سنہ ۱۴۳ ہجری تک قایم رہی اور لوگوں نے مسائل شریعت میں کسی شخص معین کی کامل پابندی نہ کی مگر بعد اُس کے وہ زمانہ شروع ہوا جس میں ان مذہب اربعہ کی بنیاد پڑی اور جس سے مذہب کے وہ اصطلاحی معنی قرار پائے جیسے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے کہ "مذہب نام راہیست کہ بعض اُمتیان را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہد کہ موافق آں قواعد استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آں نماید"۔

## مذاہب اربعہ کی بُنیاد پڑنے کا زمانہ اور اُس کے رایج ہونے کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اُس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہو جانے خلفاء وقت کے اور شایع ہونے جھوٹ اور افترا کے اور واقع ہونے اختلاف کے خدا نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور آداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اُس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث اور

---

لہ تحفۂ اثنا عشریہ"

فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی کے واسطے جس شہر میں جو نامی فقیہ اور عالم
تھا اُسمیں بعض بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پہ کمر باندھی اور مسائل کا
جمع کرنا شروع کیا - چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک اور
محمد بن عبدالرحمن ابن ابی ذہب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے
اول اول حدیث میں تالیف اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ نے فقہ کی تدوین شروع کی
سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو
خدا نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد
دی تھی اور وہ زہد اور ورع میں بھی کامل تھے پس اُنھوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہ
ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنا قایم کی اور اُنہیں کے
اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ یہ امر بخوبی اُس شخص پر ظاہر
ہے جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف
ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے
ملایا ہے -

غرضکہ جب امام ابوحنیفہؒ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے اُن کی
طرف رغبت کی اور اُن کے سوال و فروع کو پسند کرکے اُسے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے
اُن کے اجتہاد کو قبول اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابو یوسف
اور امام محمد رحمہ اللہ علیہما سے دو شاگرد اُن کے ہو گئے تب پہلے شاگرد کی عدالت و قضا
کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم و تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے
عراق اور خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گیا -

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک علم حدیث و فقہ اور زہد اور
پرہیزگاری میں بڑے مشہور تھے اور اُن کو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ
اُس کے ضعف اور قوت سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ اُنھوں نے نہایت عمدہ
صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے - اُسکی قبولیت اعلےٰ درجہ پر پہنچی
اور ہزاروں آدمیوں نے اُس وقت کے اُس کی سند امام مالک سے حاصل کی پس امام مالک کی اس کتاب
کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا - پس جہاں جہاں اُن کے

صحاب اور شاگرد بہم پہنچے اور اُن کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو اُن کے بعد اُن کے شاگردوں نے اُن کے مذہب کے اصول اور دلایل کو ترتیب دیا اور اُن کی کتاب کے خلاصے کیئے اور اُن کے کلام اور فتووں کی شرح کی یہاں تک کہ آخر اُن کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں اُن کے تلامذہ زیادہ تھے مالکی مذہب پھیل گیا۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اُنہوں نے دونوں مذہب کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور اُن کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے اُن باتوں کو جو اُن مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا۔

امام شافعی نے سب سے اوّل ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اُسمیں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے اُسکی شرائط کے التزام ترک کیا چنانچہ جو کچھ اُنہوں نے حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا اکثر اِن باتوں میں تھا۔

**اوّل** ۔ احادیث مرسل و منقطع پر استناد نہ کرنا ۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہب والوں کو بعض احادیث مرسل و منقطع پر استناد کرتے ہوئے دیکھکر یہ اصول قایم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک اُسکی شرایط پائی نہ جاویں سند نہ کی جاوے اس لیئے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے بخوبی ظاہر ہوا کہ بعض احادیث مرسل محض بے اصل ہیں اور بعض مسند کے مخالف ہیں۔

**دوسرے** ۔ احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے اصول قایم کرنا ۔ امام شافعی سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی اس لیئے کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے عالموں اور اماموں سے احادیث کو اخذ کرتے اور اسی کو روایت کرتے مگر جب اس علم کی تدوین شروع ہوئی اور لوگوں نے ایک شہر کے دوسرے شہر میں جا کر احادیث کو سیکھا اور متفرق متفرق لوگوں کو جو کچھ حدیثیں یاد تھیں اُن سے سُنا تو احادیث کی کثرت ہو گئی اور پھر اُن میں اختلاف بھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ اُس اختلاف کے رفع کرنے اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کیئے جاویں چنانچہ اسیواسطے

امام شافعیؒ نے ایک اصول کی کتاب تالیف کی۔

تیسرے۔ احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا۔ پچھلے لوگوں نے جن جن لوگوں سے فقہ کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنا قایم کی اُن کو اُس وقت تک بعض احادیث صحیحہ نہیں پہونچیں اور اُن کو بسبب نہ معلوم ہونے اُن احادیث کے جن سے مسائل بتصریح نکلتے تھے قیاس سے کام لینا پڑا۔ پس جبکہ امام شافعیؒ نے دیکھا کہ بعض احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پچھلے مذہبوں میں بمجبوری رہ گیا ہے تو امام شافعیؒ نے اس امر کو صاف بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس کو چھوڑ دینا اور حدیث صحیح پر عمل کرنا ضرور ہے۔ اور اُنھوں نے ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہ اور تابعین کا تھا کہ وے ہمیشہ احادیث کی جستجو کرتے جب کوئی حدیث نہ ملتی تب استدلال اور قیاس سے کام لیتے اور اگر پیچھے اُن کو حدیث پہونچ جاتی تو اُسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور عمل بالحدیث کرنے لگتے۔

اس بات سے کہ امام ابو حنیفہ یا امام مالکؒ وغیرہ کو سب احادیث پر اطلاع نہیں ہوئی درحقیقت اُن کی پاکی اور بزرگی اور علم میں کچھ الزام نہیں آتا اس لیے کہ اُس وقت تک وہ مادہ احادیث کا نہ تھا جو پیچھے کرکے امام شافعی کو ملا اور اس کا عذر علماء محققین حنفیہ نے خود کیا ہے چنانچہ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ ان عذر ابی حنیفة فی کثرة المقیاس عدم بلوغ الاحادیث الصحیحة الیہ فی زمنہ۔ یعنی امام ابو حنیفہ کا عذر کثرت قیاس میں یہ ہے کہ سب احادیث صحیحہ اُن کو اُن کے وقت میں نہ پہنچیں تھیں۔ اور علامہ احمد بن عبد السلام اپنی کتاب رفع الملام عن الائمة الاعلام میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو کہ خود خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہیں پہونچیں اور علاوہ اُن کے اور اصحاب اُن سے واقف ہوئے پس اگر بعد اُن کے کسی امام کو احادیث صحیحہ پر اطلاع نہیں ہوئی تو کچھ جائے تعجب نہیں اور اس مضمون کو لکھکر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فمن اعتقد ان کل حدیث صحیح قد بلغ کل واحد من الائمة او اماما معینا فھو مخطی خطاء فاحشا قبیحا۔ یعنی جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ساری صحیح حدیثیں ہر ایک امام کو پہنچ گئیں یا کوئی خاص امام اُن سب سے مطلع ہوا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کھلی ہوئی نہایت قبیح خطا پر ہے اور یہ بھی وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ کیونکر سب

احادیث نبوی پر اطلاع نہیں ہوسکتی تھی جبکہ احادیث کی تدوین ہوچکی تھی تو یہ بھی بڑی غلطی ہے کان ھذہ الدواوین المشہورۃ فی السنن انما جمعت بعد انقراض الائمۃ المتبوعین۔ اس لیئے کہ یہ کتابیں مشہور بعد گذرنے اُن اماموں کے مدون ہوئی ہیں جنکی لوگ تقلید کرتے ہیں اور یہ کہہ دینا مقلدین کا کہ ہر مسئلہ میں ہمارے امام کے پاس ایک حدیث تھی اور ایک خاص دلیل وان لم نعرفہ ونعتقدہ یعنی گو ہم اُسکو نہیں جانتے حقیقت میں ایسا جواب ہے جس کو مغسطہ محض اور جہالت قبیح کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور مقدمہ منہج کے باب تبری الائمۃ من اقوالھم اذا خالف الشریعۃ میں امام شعراوی نے صاف لکھدیا ہے کہ لوعاش ابوحنیفۃ الی تصحیح الاحادیث لترک القیاس یعنی اگر امام ابوحنیفہ اتنی زندگی پاتے کہ تصحیح حدیث کر سکتے تو وہ قیاس کو چھوڑ دیتے۔

غرضکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن مسائل میں قیاس کو چھوڑا جن میں بسبب نہ پانے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتہاد کیا تھا اور صرف حدیث پر عمل کیا۔

**چوتھے**۔ اقوال صحابہ پر بوجہ مخالفت حدیث کے استدلال نہ کرنا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں صحابہ کے اقوال بھی لوگوں نے جمع کر لیئے تھے اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیح کے مخالف تھے اس لیے امام شافعی نے اُن کے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے کو ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ ھم رجال ونحن رجال کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ اُن سے غلطی ہوسکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے اُن کے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اُس کا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہے۔ کما قال شارح سفر السعادۃ ابوحنیفہ تقلید صحابی را در آنچہ صحابی باختیار خود گوید واجب داند و شافعی گوید ھم رجال ونحن رجال ما و ایشاں در اجتہاد برابریم و ہمہ مجتہد انیم مجتہد را تقلید مجتہد دیگر نرسد۔

**پانچویں**۔ رائے اور قیاس میں تمیز کرنا۔ امام شافعی کے وقت میں اکثر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور اُسی کو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جائز ہے حالانکہ قیاس جو شرعاً جائز ہے اور جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہ ہے کہ کسی

حکم منصوص سے اُسکی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جاوے اُسپر اُسی حکم کو قایم کرنا مثلاً خدا کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہے نہ کسی اَور مسکرات کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکر اُس کی حرمت کی علت[1] ہے پس جس چیز میں[2] علت پائی جاوے یعنی سکر اُسپر حرمت کا حکم قایم کرنا حقیقت میں قیاس ہے اور رائے یہ ہے کہ کسی تراشی ہوئی بات کو اصول میں قایم کرنا اور اُسکو علت حرمت و حلت کی بنانا مثلاً مظنہ حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا۔ پس ایسے قیاس کو جو کہ فی الحقیقت رائے ہے امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہدیا کہ من استحسن فانه اراد ان یکون شارعا۔ کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں دخل دیتا ہے وہ در اصل اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا چاہتا ہے ❊

غرضکہ یہ چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں ہیں جس سے امام شافعی نے اپنے پچھلے آئمہ سے خلاف کیا اور بیچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑ کر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور کتاب و سنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی معین قوم کے فقیہ کے اقوال و اصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قایم کی اور حقیقت میں یہ طریقہ اُن کا نہایت ہی اچھا تھا لوگوں کو حد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہا اور محدثین نے اُن کے مذہب کی خوبی پر اقرار کیا اور اُسکو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چندے مذہب شافعی رایج ہوا ❊

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب وہی کیفیت امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہے ❊

اس سلسل مختصر بیان سے سمجھنے والے کو نہ صرف یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ بنیاد اِن چاروں مذہب کی کب اور کیونکر پڑی بلکہ یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی نے منجملہ ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لیے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لیے اجتہاد اور استنباط نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے صرف اپنی اوقات کے لیے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا کسی نے

---

[1] مگر ضرور ہے کہ اُس حرمت کا علت ہونا بھی نص سے ثابت ہوا ہو نہ کسی انسان کی عقل سے۔ ۲

اُن میں سے یہ نیت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب کھڑا کریں اور لوگوں کو اُسپر راغب کر کے کچھ شہرت یا عزت حاصل کریں۔ اُن بزرگوں کی نیت ایسی کدورتوں سے بالکل پاک اور اُن کے دل ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے اُنکو سوائے اپنے ذاتی فائدہ کے کوئی دوسری غرض نہ تھی اسی واسطے اپنی تقلید سے منع کرتے تھے اور جب کوئی خلیفہ اور بادشاہ اُن کی تالیفات کو لوگوں کے عمل کرنے کے لیئے مشتہر کرنا چاہتا وہ منع کر دیتے چنانچہ لوائح الانوار القدسیہ میں لکھا ہے کہ واعلم ان ما علمہ المجتہدون من الکتاب والسنۃ انما کان لانفسہم لا الخلق ای لا ان کل مجتہد یوجب تقلید نفسہ علی کل فرد من افراد العالم من الائمۃ من نہی عن تقلید نفسہ وامر بتحصیل رتبۃ النظر *

پس وہ اثر جو اُن بزرگوں کی نیک طبیعت اور پاک طینت کا ہمارے دلوں پر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ خود متبوع اور صاحب شریعت بننے کا قصد نہ رکھتے تھے اور اپنے اجتہاد اور استنباط کو سارے جہان کے لوگوں سے قبول کرانے کا شوق نہ رکھتے تھے بلکہ جہاں تک اُن سے اپنی ذات کی بھلائی اور لوگوں کے نفع کے واسطے ہو سکتا تھا وہ احادیث نبوی یا اقوال فقہاء سے مسائل کو استخراج کرتے اور لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو رفع کرتے اور صاف صاف کہہ دیا کرتے کہ اگر کوئی مسئلہ اور کوئی جزئیہ ہمارا حدیث کے خلاف پاؤ یا کسی قیاس اور رائے کو ہماری کتاب سُنت کے برخلاف دیکھو اُسے ہرگز نہ مانو اور اسپر عمل کرنے کو حرام سمجھو۔

مگر خدا نے اپنے قانون قدرت میں یہ قاعدہ رکھدیا ہے کہ ہر شئے آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی بڑھتی ہے جب اُسکی ترقی پورے درجہ پر اور اپنی معین حد پر پہنچ جاتی ہے تب اُسکی ترقی رک جاتی ہے اور گھٹنے لگتی ہے اور پھر درجہ بدرجہ اُسمیں خرابی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر سوائے لفظوں کے کچھ حقیقت اُس شئے کی باقی نہیں رہتی اور بجز نام کے کوئی خوبی اس میں پائی نہیں جاتی پس اسی قاعدہ کا اثر اِن امور پر ہوا کہ اول تو آہستہ آہستہ آئمہ دین نے فقہ اور حدیث کو جمع کیا اور اجتہاد اور استخراج کو درجہ بدرجہ کمال پر پہنچایا اور اپنی نیتوں کو پاک اور اپنے ارادوں کو نیک رکھا اور پھر آخر لوگوں نے تحقیق اور تنقیح کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعویٰ اُن اماموں نے

خود نہیں کیا اُسے اُن کی طرف منسوب کیا اور اُن کو مثل صاحب الشریعت کے صاحب مذہب
بنا دیا اور اُن کو معصوم اور محفوظ عن الخطا سمجھکر اُن کی باتوں کے سامنے اہل صاحب الوحی
کے قولوں پر تمسک کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر اپنے آپ کو پیغمبر سے نسبت کرنا بھی
زمانہ سے اُٹھ گیا اور بجائے محمدی اور احمدی کے حنفی اور شافعی کہنے پر مذہب کا مدار
آگیا اور پھر جیسا زمانہ گذرتا گیا اور دین میں تبدل ہوتا گیا اتنی ہی یہ خرابی بڑھتی اور
دین و مذہب کی حقیقت چھپتی گئی یہاں تک کہ اب جس زمانہ میں ہم کو خدا نے پیدا
کیا ہے اور جس میں شاذ و نادر زندگی کے دن کاٹتے ہیں کسی امام کے مذہب کو
ترک کرنا یا کسی اُس کے قول کو نہ ماننا اسلام سے پھرنا اور نبی کے کلام کا انکار کرنا
سمجھا جاتا ہے اور تحقیق کا نام لینے والا اور کتاب و سنت پر عمل کرنیوالا بدعتی اور فاسق
اور دشمن اسلام کا تصور کیا جاتا ہے۔

جو کہ ہم اجتہاد کی ترقی کے زمانہ کو بیان کر چکے اور مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کے زمانہ
اور سبب کو بھی لکھ چکے اس لیئے اب ہم اُس کے تنزل کے زمانہ کو اور اُس کے وجوہ
کو لکھتے ہیں۔

## چاروں مذہب کی پابندی کامل طرح سے جاری ہونے اور اجتہاد ترک کرنے کے زمانہ اور سبب کا بیان

تواریخ اور کتابوں کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ تقلید کی
بنیاد دوسری صدی کے اوسط سے شروع ہوئی لیکن تیسری صدی تک بڑی
پوری جاری نہوئی اور چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب پر کامل تقلید لوگوں
نے اختیار نہ کی چنانچہ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی سے
پہلے مذاہب اربعہ کی تقلید کا کامل طرح سے رواج نہ تھا اور حنفی شافعی کہلائے جانے کا
بہت زور شور نہ تھا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر لوگ مسائل شرعی کس طرح تحصیل کرتے تھے
اور فتووں کو کس طرح سیکھتے اور اُس پر کیونکر عمل کرتے تھے اس لیئے ہم اُس کا جواب دیتے ہیں

اس وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل۔ پس
جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسئلے سیکھتے اور انپر عمل
کرتے۔ اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے یا فتویٰ کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل
اور بہتر جانتے اُس سے پوچھ لیتے اور اُسکی بات پر عمل کرتے بالحاظ اس کے کہ وہ عالم
حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد۔ اور جو لوگ خود ذی علم تھے اُن کی دو صورتیں تھیں بعضے
اہل حدیث تھے بعضے صاحب اجتہاد۔ جو اہلحدیث تھے اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ
کتاب الٰہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت
ہوتی تو کسی فقیہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہہ مدنی ہوتا یا مکی۔ کوفی ہوتا یا
بصری۔ اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد او تخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ
پیش نظر رکھکر اُسی سے فروعات کا استنباط کرتے۔ پس اگر وہ اصول پہلے کے کسی
خاص امام یا اُس کے فرقہ کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اُس مجتہد کو بھی اُسی امام
کی طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی اُن اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھتے۔

یہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قایم رہی اُس وقت تک نہ عمل بالحدیث
پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف اُمت میں پڑگیا
اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزہ جاتا رہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہوگئے
تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا رستہ چھوڑ دیا اور دائیں بائیں چلنا شروع کیا
اور سلاطین کے سامنے مناظرہ اور مجادلہ میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا
ہوا۔ علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا۔ اپنی ناموری اور عزت اور شہرت کے لیئے اُن
مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم آئمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا
مدار بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اسوجہ سے کہ حقیقت میں وہ
اُنہیں کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے مثل کتاب و سنت کے مستند گردانا بلکہ اس
لحاظ سے کہ وہ خود اُس مذہب سے منسوب تھے اور اُس امام کے مقلد کہلائے جاتے
تھے۔ اُن اقوال کے اثبات کو اپنی غزارت علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تاکہ لوگوں کو
یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے بڑے مولوی اور فقیہہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جن لوگوں کو
یہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور اُن کے پاس بہت سی دلیلیں

اُسکے اثبات پر موجود ہیں اور اس سے اُن کے علم اور تفقہ کی شہرت ہو اور سب ایسے
لوگوں نے اپنی اپنی تقریر اور تحریر کے زور سے اور اپنی فصاحت اور بلاغت کے بھروسہ
پر ایک چیز کا التزام کر لیا اور اپنے ہمعصروں سے اُن باتوں میں مباحثہ اور مناظرہ شروع کر دیا
اور بڑے بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں اُس کی بحثیں ہونے لگیں تو تعصب نے
اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور غرور نے اُن کے دلوں سے نیک نیتی اور صفائی طینت
کو نکال لیا اپنے دل میں اپنے قول اور اپنے عقیدہ کی سخافت پر قایل ہو جاتے مگر زبان سے
اقرار نہ کرتے اور اُس سے پھرنے کو اپنی ہتک سمجھتے اور جان بوجھ کر کتاب اور سنت کو
چھوڑ کر اپنی بات پر قایم رہتے اور پوچ دلیلوں اور بیہودہ اور خرافات باتوں اور ضعیف
سندوں سے اُسی کے ثابت کرنے پر قایم رہتے اور اسی کو استقلال اور صلابت فی الدین
اور مہارت علم سمجھکر ابطال حق اور احقاق باطل کر کے بمقتضائے اخترت النار علی العار
دنیا کی شرم کو عاقبت کی شرم پر اختیار کرتے چنانچہ اسی وقت میں ایک ایک عقیدہ پر
سو سو ورق کی کتابیں تالیف ہو گئیں اور ایک ایک فقہی مسئلہ پر ہزار ہزار صفحے سیاہ
ہو گئے۔ فقہ اور حکمت اور علم کی اصلی حقیقت تو جاتی رہی۔ اُس کے ناموں پر مدار
دین کا آگیا اور مباحثات اور مناظرات کا نام استنباط دقایق شرع رکھا گیا تالیفات
اور تحریرات کی وہ کثرت ہوئی کہ ہر جاہل صاحب تالیف اور ہر عامی صاحب تصنیف
بن گیا اور ایک ایک دنیا طلب مولوی اپنے آپ کو عالم ربانی سمجھنے لگا فقہ کے مسئلوں
اور علم کلام کے فرضی عقیدوں کے اثبات کا نام اعلاء کلمۃ اللہ ہو گیا یہاں تک نوبت
پہونچی کہ جو بڑا بکنے والا ہوتا اُسی کو لوگ بڑا مولوی سمجھتے جو سب سے زیادہ خوش گپ ہوتا
اُسی کو لوگ عمدہ واعظ جانتے۔ جو لڑنے جھگڑنے میں خوب مشاق ہوتا وہی محقق
کہلایا جاتا۔ جو نہایت فضول اور لغو ہوتا وہی جامع منقول سمجھا جاتا جیسا کہ امام غزالی
رحمتہ اللہ علیہ احیاء میں فرماتے ہیں فصار یسمی المجادل المتکلم عالماً والقاص المزخرف
کلامہ بالعبارات المسجعۃ عالماً هکذا اضعف الدین فی قرون سالفۃ فکیف الظن
بزمانک هذا وقد انتهی الامر الی ان مظهر الانکار یستهدف لنسبتہ الی الجنون
فالاولی ان یشتغل الانسان بنفسه ویسکت یعنی جو شخص جھگڑنے والا۔ بڑھ
بات چیت کرنے والا ہوتا اُسی کو لوگ عالم جانتے اور جو بیہودہ قصے کہنے والا اور خرافا

کہنے والا ہوتا اُسی کو سب لوگ سچ سمجھتے۔ پس جبکہ پچھلے زمانوں میں دین ایسا ضعیف ہوگیا تو اب اس زمانہ کا حال کیا بیان کیا جاوے کہ اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو ان مولویوں اور عالموں کی باتوں کو نہ مانے وُہی تیر ملامت کا نشانہ ہوتا ہے اور جو حق بات زبان پر لاوے وُہی مجنوں اور دیوانہ ٹھہرتا ہے پس انسان سوائے اسکے کیا کرے کہ اپنا کام کرے اور چپ چاپ رہے۔

غرض کہ اسی زمانہ میں تقلید کی جڑ مضبوط ہوگئی اور وہ چیونٹی کی سی چال تقلید کی جو لوگوں کے دلوں میں دوسری صدی سے شروع ہوئی تھی چوتھی صدی میں پوری ہوگئی اور سوائے چند علماء ربانی کے سب کے دلوں میں کامل طرح سے اُس نے جگہ کرلی۔

ہمارے اس بیان سے غور کرنے والے کو تقلید پر پورے طور پر عمل کرنے کا سبب تو بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے لیکن ہم اس امر کو کہ تقلید نے کتاب و سنت پر استناد کرنے کا طرز پسندیدہ کیوں متروک کرادیا اور بجائے قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول کے قال زید و قال عمرو کیوں رائج کیا۔ چند لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب علماء اور فقہاء باہم بحث کرنے لگے اور اپنی سخن پروری اور نفسانیت کے سبب اَوروں پر حق ناحق غلبہ پانے کے شایق ہوئے اور ایک دوسرے کو حسد کی نظر سے دیکھنے لگے اور لوگ اسی سے رجوع کرنے کے عادی ہوگئے جو کہ وقت مباحثہ کے غالب بنتا اور اپنی طرف مقابل کو ہرادیتا تو اُس وقت مباحثہ اور مناظرہ کی کثرت ہوئی اور سوائے شاذ و نادر ایک پاک لوگوں کے ایک نے دوسرے کے کلام کی تردید شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک عالم دوسرے کے فتوے کو رد کرتا اور ایک فقیہہ دوسرے کی بات کو کاٹ دیتا اور چونکہ اس کے لئے ضرورت کسی دلیل و برہان کی ہوتی پس فقہ اور دین میں سوائے نقل کے صرف عقلی دلیل کافی نہ تھی اور بغیر کسی سند اور قول کے بات نہ بنتی تھی۔ پس دلائل و براہین کی جستجو کرنی پڑی اور اپنی باتوں پر سند لانے کی حاجت ہوئی۔ جب ان لوگوں نے کتاب و سنت پر توجہ کی تو کوئی دلیل ایسی کہ جو صرف اُن کی بات کو ثابت اور دوسرے کے قول کو رد کرے نہ ملی تو اپنے اپنے بزرگوں اور فقیہوں اور شیوخ کے قولوں ہی کو سند لانا شروع کیا اور صرف اپنے اپنے فرقہ کے نامی نامی عالموں کے اقوال و اعمال کو حجت گردانا۔ پس جب کسی ایک فریق نے کتاب و سنت کو چھوڑ کر غیر معصوم کے کلام یا عمل کو دلیل میں پیش کیا تو دوسرے

فریق نے بھی یہی طرز اڑایا اور مضمون الکیل بالکل اور کما تدین تدان کا
ادا کیا اُس نے بھی اپنے قول کی سند میں عالموں اور مولویوں کی باتوں ہی کو پیش کیا
پس اس طرز جدید کے شروع ہونے ہی کی دیر تھی کہ مثل تیز باروت کے جسمیں آگ
لگنے ہی کی دیر ہوتی ہے نہ اُڑنے اور اُڑانے کی اُس کا اثر ساری طبیعتوں پر ہوگیا
اور تھوڑے ہی عرصہ میں از شرق تا غرب یہ طریقہ جاری ہوگیا - اس دین و مذہب کے
خراب و بدنام کرنے والے طریقہ کا صرف یہی بداثر نہیں ہوا کہ لوگوں نے علماء و فقہاء کے
اقوال کو مستند گردانا بلکہ چند ہی روز میں اُس کا یہ بُرا نتیجہ ظاہر ہوا کہ لوگوں نے اگلے علماء
و فقہاء پر تہمت کرنا شروع کیا اور جو بات اُنھوں نے اپنی زبان سے نہیں نکالی اور جو چیز
اُن کے دل میں بھی نہیں آئی اُسکو اُن کی طرف منسوب کر دیا اور اپنی بات قائم رکھنے اور حریف
پر عیاری و فریب سے غالب ہونے پر اقاویل باطلہ اور اسناد کاذبہ کا نقل کرنا شروع کیا -
چنانچہ ایک مجلس میں امام احمد حنبل رح گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بہ قید اسماء ایک امر کو
اُن کی طرف منسوب کر رہا ہے اور عن فلاں عن فلاں کہکر خاتمہ اُس کا اُن تک کر رہا ہے
وہ یہ سُن کر غرق حیرت ہوئے اور خاموش رہ گئے - آخر کار اُن سے نہ رہا گیا اور اُس شخص سے
کہا کہ میں احمد حنبل ہوں میں نے یہ بات نہیں کہی - اُس عیار کی چالاکی قابل آفرین کے ہے
کہ اُسی وقت اپنی بات قائم رکھنے اور جھوٹھ چھپانے کے لیئے کہا کہ تم بڑے احمق ہو -
کیا تم ہی اکیلے احمد حنبل ہو دوسرا اس نام کا نہیں ہے - وہ احمد حنبل جن سے میں روایت
کرتا ہوں دوسرے ہیں -

پس جس طرح سے اُس زمانہ میں جبکہ حدیث پر لوگوں کی نہایت توجہ اور اُسی کی سند اور
دلیل لائی جاتی تھی بدباطنوں اور خبیث طبیعتوں نے جھوٹی حدیثیں بنا لیں اور ضعیف
احادیث کو صاحب الشریعت کی طرف منسوب کیا - اسی طرح سے اس زمانہ میں جب علماء اور
فقہاء کے اقوال سند میں پیش ہونے لگے اُن عالموں اور فقیہوں کی طرف جھوٹی جھوٹی باتوں
کو منسوب کیا اور تاکہ اُس قول کی وقعت اور عزت زیادہ ہو بقید اسماء اُس کا سلسلہ
عن فلاں عن فلاں کہکر صاحب قول تک پہنچا دیا مگر احادیث وضعی کو اس سبب سے
احادیث حقیقت میں قابل اسناد کے ہیں اور مدار شریعت کا اُن پر ہے پچھلے محققین نے
اصلی حدیثوں سے علیحدہ کر دیں اور موضوعات کے رسالے لکھکر اُن کی غلطی اور ضعف

بیان کر کے قوی کو ضعیف سے اور موضوع کو صحیح سے جدا کر دیا مگر علما اور فقہا کے اقوال
موضوعہ کو اُن کے اقوال صحیحہ سے جدا کرنے پر اُس طرح کسی نے توجہ نہ کی اس لیئے کہ
اُن پر محنت کرنا محض فضول تھا اس لیئے کہ بالفرض اگر وہ کلام اُنہیں کا ہوتا تو وہ
کسی پر حجت نہیں ہو سکتا تھا اور بہ سبب نہ معصوم ہونے اُن کے اُس کی غلطی پر فقط
غلط کہدینا ہی سکا اور نہ ماننا اُس کا کافی تھا لیکن سوائے چند محققین کے ایسی نقل اور
سند سے عوام کو بڑا نقصان پہونچا اور دین میں بڑا رخنہ پڑ گیا۔ لوگوں کی طبیعتیں ایسی
اسناد اور استناد کی ایسی عادی ہو گئیں کہ بغیر کسی مولوی کے قول کے اور بغیر کسی عالم کی سند
کے کتاب و سنت کی باتوں کا ماننا ہی جاتا رہا اور بجائے قال اللہ اور قال الرسول کے
قال زید و قال عمرو پر مدار دین و مذہب کا آگیا۔

اس خرابی نے اس سے زیادہ اور بھی ترقی پائی کہ جو لوگ حقیقت میں لایق اسناد نتھے
بلکہ جن کے اقوال و اعمال لایق اجتناب کے تھے وہ بھی قابل استناد کے ٹھہر گئے اور
اہل بدعت اور منافق اور جاہل صاحب سند ہو گئے۔ اور اگر کسی شہر یا کسی فرقہ یا کسی
خاندان میں کوئی نامور ہوا اور اُس کو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آگیا اور کچھ تالیف اور تصنیف
کر نیسے اُسکی عزت بھی بڑھ گئی تو اُس شہر کے رہنے والوں اور اُس فرقہ اور خاندان کے
آدمیوں نے اپنے شہر اور اپنے خاندان کی عزت اسی میں جانی کہ اُسی کی بات کو مانیں اور
اُسی کے کہنے پر چلیں۔ پس اُن کے دلوں میں یہ بات ایسی جم گئی کہ اُس کے قول سے
پھرنا گویا خدا کے قول سے پھرنا ہے اس لیئے وہ اُسی کی باتوں کے مقلد ہو گئے اور قدم بقدم
اُس کے طریقہ پر چلنے لگے اور اسی طرح سے جب اُس کے مقلد اور تابع زیادہ ہو گئے اور وہ
مقتدا اور متبوع کسی فرقہ اور گروہ کا ہو گیا تو پس وہ صاحب الکتاب ٹھہرایا گیا۔ اگر اُس سے
کوئی صریح غلطی ہو جاتی یا اُس سے کوئی فعل مخالف کتاب و سنت کے ہو جاتا تو اُس کے
مقلدین و اصحاب اُس کی توجیہات کرتے اور اُسکی تاویلات کرتے یہاں تک کہ آخر اُسکے
حالات اور سیر میں کتابیں لکھی جاتیں اور اُس کے معجزے اور کرامتیں اور زہد اور پرہیزگاری
کی حالتوں میں دفتر کے دفتر سیاہ کیئے جاتے اور جو کچھ جھوٹھ خرافات اُسمیں ہوتا اُس کو
اُس کے معتقدین اور مقلدین نصوص قرآنی کی طرح واجب الاذعان جانتے ہیں اور خدا کی کتاب
رسول کے کلام کو چھوڑ کر اُسی کو حرز جان بناتے اور ہر مسئلہ اور ہر عقیدہ کے لیئے اپنی

لاں کتاب کو دیکھتے پس بجائے اس کے کہ جو کچھ اُن کے حضرت نے فرمایا ہے اور جو کچھ
اُن کے پیرو مرشد نے ارشاد کیا ہے یا جو کچھ اُن کے شیخ و بزرگ نے عمل کیا ہے اُسکو
کتاب و سنت پر عرض کرتے اور خدا و رسول کی کتاب کو معیار صحت بناتے ۔ اُن
بدبختوں نے برعکس اس کے ساری شریعت اور تمام مذہب کو اپنے ہی پیرو مرشد کی لیاقت
اور اپنے حضرت کے ملفوظات و مکتوبات پر عرض کرنا شروع کیا پس جو کچھ اُس کے مطابق
پاتے اُسپر عمل کرتے ویسا ہی عقیدہ رکھتے جو کچھ اُس کے برخلاف دیکھتے اُسے چھوڑ دیتے
اور کتاب و سنت کے امتحان کے لیئے اُسی کو کسوٹی بناتے پس ایسی حالت میں جو کچھ دین
کی خرابی ہو سکتی ہے وہ ہوئی اور جو کچھ شریعت میں ان باتوں سے خلل پیدا ہو سکتا
ہے ہوا ۔ ان چیزوں نے یہاں تک دلوں پر اثر کیا کہ اس کے برخلاف کوئی کلمہ زبان پر
لانا کفر کے کلمہ سے کم نہ سمجھا جاتا اور اُن باتوں کا منکر خارق اجماع اور بدعتی او فاسق ٹھہرایا
پس کیا زمانہ نے انقلاب پایا کہ کتاب و سنت کو لوگوں نے پس پشت ڈال دیا اور اپنے اپنے
بزرگوں کے صحیفوں کو سامنے کر لیا اور پھر جس نے کتاب و سنت کا نام لیا اور اُسپر چلنے کا
قصد کیا وہ فعل اُسکا بدعت ٹھہرا اور جس نے اُن صحیفوں کو واجب العمل جانا اور اُسپر عمل
کیا وہ فعل اُسکا سُنّت قرار پایا ۔ فاصبح کل واحد منهم یعاجل حظه مشغوفا
فصار یری المعروف منكرا والمنكر معروفا اس خرابی کا باعث ایک بہت ہی
بڑا غلط خیال ہوا جس کو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور جس کو مقلدین نے عقل و
ایمان کی مدد سے نہ نکالا یعنی وہ لوگ جن کی باتوں پر لوگوں نے عمل کیا نیک اور پاک تھے
اور علم اور فقہ میں کامل تھے پس اُن کے مقلدین کے دل میں یہ خیال سمایا کہ جب ایسے
نیک اور پاک اور امام اور عالم ایسا کہہ گئے ہیں اور ایسا کرتے رہے ہیں تو ہم کہ نہ اُن کے سے
نیک ہیں نہ ویسا علم رکھتے ہیں کیونکر اُس کے برخلاف چل سکتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ
وہ گو نیک اور پاک تھے مگر معصوم نہ تھے ۔ اور گو وہ عالم اور فقیہ تھے مگر علم لدنی کے عالم
نہ تھے ۔ جبرئیل اُن پر نازل نہیں ہوتے تھے ۔ خدا بے واسطہ اُن پر وحی نہ کرتا تھا ۔ بلکہ
آخر اپنی سمجھ بوجھ ہی سے کام لیتے تھے اور اپنی قدرت اور طاقت ہی کے موافق راہ حق پر
چلتے تھے ۔ اُن سے غلطیوں کا ہونا نہ صرف ممکن تھا بلکہ یقینی اُن سے خطا ہونے کا نہ
احتمال ہی احتمال تھا بلکہ ضروری ۔ تو پھر باوجود ایسی حالت کے اُن کی سب باتوں کو ماننا اور

اُن کے کلام میں سے حق و باطل کو جُدا نہ کرنا اور اُن کے اقوال و اعمال کے رطب و یابس میں تمیز نہ دینا اور سب کو تلقی بالقبول کرنا حقیقت میں اُن کو صاحب شریعت اور اپنے آپکو اُسپر ایمان لانے والا بنانا ہے اگر غلط خیال لوگوں میں سمایا نہ ہوتا تو کبھی تقلید کی ایسی جڑ مضبوط نہ ہوتی اور یہ خرابی پیدا نہ ہوتی اور جس کسی کو خدا نے توفیق دی اور وہ تحقیق پر متوجہ ہوا اُسنے اول اسی غلط خیال کو دل سے نکالا اور تحقیق کے درجہ پر پہنچنے کے لیئے اول اسی زینہ پر قدم رکھا چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی احیاء کے شروع میں پہلے یہی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے کا واسطے زندہ کرنے علوم دین کے ارادہ کیا ہے اور مصمم کرلیا ہے اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسی بات کو سن کر لوگ تعجب کرینگے اور مقلدین اور جہلا شور و غل مچاویں گے اور ہم پر لعنت ملامت کریں گے اور تحقیق کو بدعت بتلاویں گے اور اسی تحقیق کو خارق اجماع کہیں گے اِس لیئے وہ اول ہی سے اُس متعجب اور ملامت کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ انتدب لقطع تعجبک رابعاً ایہا العاذل الغالی فی العذل من بین زمرۃ الجاھدین المسرف فی التقریع والانکار من بین طبقات المنکرین الغافلین فلقد حل عن لسانی عقدۃ الصمت وطوقنی عھدۃ الکلام وقلادۃ النطق ما انت مثابر علیہ من العمی عن جلیۃ الحق مع اللجاج فی نصرۃ الباطل وتحسین الجھل والتشغیب علی من آثر النزوع قلیلاً عن مراسم الخلق ومال میلاً یسیراً عن ملازمۃ الرسم الی العمل بمقتضی العلم طمعاً فی نیل ما یعبدہ اللہ تعالیٰ بہ من تزکیۃ النفس و [illegible]ح القلب کہ اے ملامت کرنے والے منکر میں تیرے تعجب کے قطع کرنے پر متوجہ [illegible] اور اپنی زبان سے خاموشی کی گرہ کھولتا ہوں اور جس بات پر تو اپنے اندھے پن سے جما ہوا ہے اور باطل کی مدد کر رہا ہے اور جہل کو اچھا سمجھ رہا ہے اُسکو رد کرتا ہوں اور تیرے اُس زور شور اور غل مچانے کو نہیں سنتا جو تو اُس پر کرتا ہے جو کہ ذرا رسم و رواج [illegible] سے نکلتا اور بھائی بندوں کی رسمیات کو ترک کر کے خاص خدا کے لیئے عمل کرتا ہے ۔

تعجب امام غزالی اپنے وقت میں پابندی رسم و رواج پر ایسی داد بیداد کرتے ہیں اور اُس سے نکلنے کو بہادر سمجھتے ہیں تو دلی برجاں ہمارے زمانہ کے کہ اب تو بات بھی زبان سے نکالنا دشوار ہے اور

بھائیوں کی رسموں میں سے کسی رسم کا چھوڑنا بھی مشکل نہیں۔ وہی باتیں جو امام غزالیؒ اور بڑے بڑے محققین کہ گئے ہیں اگر ہم انہیں کو نقل کریں تو بھی کافر ہوتے ہیں اور ساری برادری سے نکالے جاتے ہیں۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ دین کی بنا کس چیز پر تھی اور کس چیز پر آگئی اور مذہب کی حقیقت کیا تھی اور اب اسکی کیا ضرورت ہوگئی۔ جب ہم کسی دوسرے دین پر افسوس کرتے ہیں تو ہمارا سب سے زیادہ افسوس اسی بات پر ہوتا ہے کہ اُس دین کے لوگ اپنے اپنے بانیٔ مذہب کی بات پر عمل نہیں کرتے اور اپنی اصلی کتاب کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی بیچ کی بنائی ہوئی کتابوں پر چلتے ہیں تو کیسے افسوس کی بات ہے کہ جب وہی خرابی ہم میں بھی موجود ہو اور وہی نقص ہمارے دین میں بھی پڑ گیا ہو پس اگر ہم اپنے عیب کو نہ دیکھیں اور اپنے دین و مذہب کو اس نقص سے پاک صاف نہ کریں تو ہمارا دوسروں پر طعنہ کرنا اور غیر دین والوں کو برا کہنا عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔

اس زمانہ میں جب ہماری زبان سے کوئی بات خلاف کسی مشہور عالم یا نامی محدث کے نکلے تو ہم پر ملامت کے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور ہمارا نام منکر علماء اور دشمن فقہاء مشہور ہوتا ہے۔ کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ ایک دو عالم کی مخالفت کا کیا ذکر ہے اگر سارے عالم کے علماء سے مخالفت ہو لیکن ہمارا قول یا فعل کتاب و سنت کے موافق ہو تو ہم اُس ثواب کے مستحق ہیں جو کہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے کو ہو سکتا ہے۔ پس ہمکو ہمیشہ خدا اور رسول کی مخالفت کا خیال رکھنا لازم ہے نہ علماء فقہاء کی مخالفت کا اور خدا کو قیامت کے دن اُسی کی مخالفت کا جواب دینا پڑے گا نہ زید و عمرو کی مخالفت کا۔

ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سارے علماء اور کل فقہاء اُمت کا کسی ایسے امر پر اجماع کرنا جو بالکل مخالف کتاب و سنت کے ہو غیر ممکن سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا وہ صرف فرضی صورت ہے لیکن ہم ایک بات بھی اپنی زبان پر نہ لاویں گے جس کی مخالفت کل علماء اور فقہاء سے ثابت ہو بلکہ وہی بات کہیں گے جس کی سند اور محققین کے قولوں سے ہوتی ہو مگر اس اصول کا ہمارے پاس کچھ جواب نہیں ہے جسکو فقہا نے راجح اور مرجوح سے تعبیر کیا ہے یعنی جس کو بہت سے مولویوں نے مانا وہ قول تو واجب العمل ہے اور جسکو چند محققین نے مانا وہ واجب الترک ہے گو وہ کیسا ہی عمدہ اور اچھا ہو چنانچہ اس امر کو ہم ایک علیحدہ بحث میں بیان کریں گے ❊

اصل یہ ہے کہ جب کسی امر کا دینی ہو یا دنیوی رسماً کامل طور پر رواج ہوجاتا ہے
اور سب یا اکثر آدمی پابند اُس کے ہوجاتے ہیں تو درحقیقت اُس سے مخالفت کرنا
نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اور اُس کی تردید پر گو وہ امر نہایت ہی صحیح اور درست ہو
ہر شخص آمادہ ہوجاتا ہے اور اُس مخالفت کی دلایل کو گو وہ کیسی ہی سچی اور اچھی ہوں
نہایت ضعیف سندوں سے ہر شخص باطل کرنے پر مستعد ہوتا ہے۔
مثلاً ہم اگر تقلید کے التزام کو بُرا بتلاویں تو اوّل یہی اعتراض ہوگا کہ خلاف اجماع
ہے جب اِس قول کو بھی ہم رد کردیں اور بڑے بڑے صوفیوں اور محققوں اور اماموں
کی سند لاویں تو یہ جواب ہوگا کہ فلاں بزرگ تو صوفی تھے اُن کی باتوں کو کون سمجھے
اور فلاں صاحب بڑے محقق تھے اُن کی سی تحقیقات کس کو نصیب ہو اور فلاں
شخص بڑے متورع اور پرہیزگار تھے اُن کا سا زہد کسے حاصل ہو اور سوائے
نامی گرامی لوگوں کے اَور لوگ جو رہ جاویں اُن کی نسبت یہ کہدیا جاوے کہ وہ
بدعتی اور فاسق تھے ہمارے علماء نے اُن کے کلام کو رد کردیا ہے پس صوفی تو تصوف
کی برکت سے اور محققین تحقیق کے سبب سے اور زاہد اور متورع اپنے زہد کے ذریعہ سے محفوظ
رہے اور اُن سے اقوال پر عمل کرنا بسبب بہتوں کی مخالفت کے جائز نہ ٹھہرا پس
اگر ہم ایسی حالت میں کتاب و سنت کو ہاتھ پر نہ اُٹھالیں اور اپنے دل سے اِن سب
باتوں کو نکال کر خدا اور رسول کے کلام پر رجوع نہ کریں تو حقیقت میں ہم دین کو شرم کے
ہاتھ پر بیچنے والے اور خدا کو پابندی رسم و رواج کے سبب سے چھوڑنے والے اور اپنے
دل کو نور ایمان سے خالی کرنے والے ہوں گے۔ اسی حالت کو دیکھکر امام غزالی رحمہ احیاء
میں فرماتے ہیں کہ فلا یغرنک قول من یقول الفتوی عماد الشرع ولا یعرف
علله الا بعلم الخلاف وانما یشتغل به من یشتغل بطلب الصیت والجاہ فکن
من شیاطین الجن فی امان واحترز من شیاطین الانس فانهم اراحوا
شیاطین الجن ... الناس فی الاغواء والاضلال یعنی مت مغرور ہو اِس قول کے
فقہاء کے کہ فتوی شرع کا ستون ہے اور اُس کی علتوں کا بغیر علم کلام کے جاننا دشوار
ہے ایسی باتوں پر وُہی متوجہ ہوگا جس کو دنیا کی عزت اور شہرت منظور ہوگی پس ایسے
شیطانوں کے ہوتے ہوئے اصل شیطانوں سے بے خوف ہوجاؤ اور اُن کا خوف نہ رکھو

اس لئے کہ ان شیاطین الانس نے اصل شیطانوں کو سلا دیا ہے اور اُن کی خدمت اپنے ذمہ لیکر لوگوں کو گمراہ کر کے اصل شیطانوں کو چین دیدیا ہے کہ وہ تو سوتے ہیں اور یہ اُن کا کام کرتے ہیں۔ اور مثل اسکے اور محققین نے بھی فرمایا ہے جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فتنۃ ھذا الجدال والخلاف والتعمق قریبۃ من الفتنۃ الاولی حین تشاجروا فی الملک وانتصر کل رجل لصاحبہ فکما عاقبت تلک ملکا عضوضا فکذلک عاقبت ھذہ جھلا واختلاطا وشکوکا ووھما مالھا من ارجاء منشات بعدھم قرون علی التقلید الصرف لا یمیزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط فالفقیہ یومئذ ھو الثرثار المتشدق الذی حفظ اقوال الفقہاء قویھا وضعیفھا من غیر تمیز والمحدث من عد الاحادیث صحیحھا وسقیمھا وھذا ھا کھذی الاسماء بقوۃ الحییہ ولا اقول ذالک کلیا مطردا فان للہ طائفۃ من عبادہ لا یضرھم من خذلھم وھم حجۃ اللہ فی ارضہ وان قلوا ولم یات قرن بعد ذالک الا وھو اکثر فتنۃ واوفر تقلیدا واشد انتزاعا للامانۃ من صدور الرجال حتی اطمئنوا بترک الخوض فی امر الدین بان یقولوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون۔ یعنی جو فتنہ علم جدال و کلام کے سبب علماء نے پیدا کیا اور جو فساد ان کے تکلفات سے دین میں پھیلا وہ اس فتنہ سے کم نہیں ہے جو کہ ملک و ریاست میں ہوا تھا جس طرح پر اس جھگڑے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعد اس کے سلطنت ظلم و جبر کی قایم ہوئی اسی طرح پر اس کلام و جدال کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہالت اور شکوک اور توہمات کی ایسی زیادتی ہو گئی جس کی کوئی حد نہیں اور پھر تو ایسا زمانہ آ گیا جس میں لوگ محض تقلید پر قانع ہو گئے اور حق کو باطل سے جُدا نہ کر سکے فقیہہ وہ کہلانے لگا جو اقوال فقہاء کو یاد کر کے بیہودہ بکے اور تکلف کی باتیں کرے محدث وہ ٹھہرنے لگا جو کہ احادیث صحیح اور غلط کو حفظ کر کے بے سمجھے بوجھے کہانیوں کی طرح نقل کرے اور سوائے چند شاذ آدمیوں کے جو خاص خدا کے بندے تھے اور جو کسی کے ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے تھے بلکہ وہ خدا کی زمین میں اُسکی حجت تھے سب کے سب ایسے ہی ہو گئے اور پھر جو زمانہ آتا گیا اُس میں فتنہ بڑھتا ہی گیا اور

تقلید کو زور شور ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ آخرکار معاملات دینی میں تحقیق کرنیکی عادت ہی جاتی رہی اور بزرگوں کی رسموں ہی پر دینداری رہ گئی۔

جو کہ میں اس مقام پر تقلید کے کمال اور تحقیق اور اجتہاد کے ترک ہونے کا حال بیان کر رہا ہوں اس لیئے وہ تنزلات جو علم اور تحقیق نے اس تقلید کے سبب سے پائے اسکو ایک بڑے فقیہ کے قول سے ثابت کرتا ہوں۔

محقق ابن کمال پاشا نے فقہا کے طبقات کو جس طور پر ذکر کیا ہے اُس میں نقل کرتا ہوں تاکہ ثابت ہو کہ تقلید میں بھی کتنے درجے اُس فقیہہ نے قائیم کیئے ہیں محقق موصوف نے فقہار کے سات طبقے بیان کیئے ہیں۔

پہلے طبقہ کا نام مجتہدین فی الشرع ہے جس کا کام ہے استخراج کرنا مسائل کا کتاب و سُنت سے اور قائیم کرنا قواعد اور اصول کا واسطے استخراج مسائل کے۔

اس طبقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہم داخل ہیں۔

دوسرے طبقہ کو مجتہدین فی المذہب کہتے ہیں۔ اس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو مجتہدین فی الشرع کے بنائے ہوئے اصول اور قواعد کی تقلید کرتے ہیں اور بہ تسلیم اُن قواعد اور اصول کے احکام اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور گو کہ اس طبقہ کے لوگ مجتہدین فی الشرع سے بعض احکام فروعی میں مخالفت کرتے ہیں مگر وہ جس مجتہد اور امام کے اصول پر چلتے ہیں اُسی کے مذہب میں داخل سمجھے جاتے ہیں اور معارضین فی المذہب سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہما اور دیگر یاران امام ابو حنیفہ رح اس طبقہ کے لوگ ہیں اس لیئے کہ وہ اُنہیں اصول سے جو امام ابو حنیفہ کے قائیم کیئے ہوئے ہیں استخراج مسائل کرتے ہیں اور مثل امام شافعی وغیرہ کے اُن سے اصول میں مخالفت نہیں کرتے مگر بلحاظ اصول مقررہ اُن کے احکام میں اُن سے مخالف ہو جاتے ہیں ؂

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کہلایا جاتا ہے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو اپنے امام کی کسی شئے میں مخالفت نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں اُن کو استخراج مسائل کی قدرت

---

؂ شامی حاشیہ دُرِ مختار ۱۲

نہیں ہوتی۔ مگر جن مسائل کو صاحب مذہب نے صاف بیان نہیں کیا اُن کو اپنے امام کے مقرر کیئے ہوئے اصول ور قواعد کی پابندی سے استنباط کر سکتے ہیں اِس طبقہ میں داخل ہیں خصاف ور ابو جعفر طحاوی اور ابو الحسن کرخی اور شمس الائمہ حلوائی اور شمس الائمہ سرخسی اور فخرالاسلام بزدوی اور فخرالدین قاضی خاں وغیرہ۔

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کہلایا جاتا ہے۔ اِس طبقہ میں وہ مقلدین داخل ہیں جو کسی قسم کے اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ اصول ور قواعد کا بنانا اور مسائل کا استخراج کرنا اور پچھلے طبقوں سے مخالفت کرنا کیسا وہ کسی طرح پر اجتہاد کا نام ہی نہیں لے سکتے مگر بسبب ضبط رکھنے اصول ور قواعد کے اُن کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ کسی قول مجمل ذو وجہتین کی تفصیل اور کسی حکم مبہم محتمل امرین کی تشریح کر دیں۔ مگر وہی قول اور وہی حکم جو کہ صاحب مذہب سے یا اُن کے اصحاب سے منقول ہو اور یہ بھی اُن کو اپنے امام کے اصول پر نظر رکھنا اور اُسی قسم کی دوسری فرع پر قیاس کرنا اور دیگر نظائر ور امثال کا خیال رکھنا ضروریات سے ہے اِس طبقہ میں امام رازی اور مثل اُن کے اور شخص داخل ہیں اور جو ہدایہ میں لکھا ہے کہ کذا في تخریج الکرخي وتخریج الرازي وہ اسی قبیل سے ہے +

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کہلایا جاتا ہے۔ یہ وہ مقلدین ہیں جو بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں مثل ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کے جن کو اس کہنے کی قدرت ہے کہ ھذا اولی ھذا اصح ھذا اوفق للناس۔

چھٹا طبقہ اُن مقلدین کا ہے جو کہ قوی اور ضعیف کی تمیز میں قدرت رکھتے ہیں اور اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کی نقل نہیں کرتے مثل صاحب کنز اور صاحب مختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع وغیرہ اہل متون کے۔

ساتواں طبقہ اُن مقلدین کا ہے جو اِس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور موٹے دُبلے میں کچھ تمیز نہیں کر سکتے +

اب جو شخص اِن طبقات فقہیہ پر غور کرے وہ خود سوچ سکتا ہے کہ فقہ کی ابتدا کیا تھی اور انتہا کیا ہوئی زیادہ تشریح کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اِس بات پر خیال کر کے لوگوں نے تقلید کو اختیار کیا اور اجتہاد اور عمل بالحدیث سے ہاتھ اُٹھا لیا کہ جب بڑے بڑے علمار کہ جو امام اور شمس الائمہ کہلائے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے

لوگ عالم اور فقیہہ ہوجاتے ہیں چھٹے طبقہ اور پانچویں طبقہ میں ٹپے ہوئے ہیں تو پھر دوسرا کون ہے جو اجتہاد کر سکتا ہے یا کتاب وسنت سے مسائل کا استخراج کر سکتا ہے اور اس امر کو کہ یہ قول اُن کا صحیح ہے یا غلط ہم پیچھے بیان کرتے ہیں۔

جو کہ ہمارے اس بیان سے اجتہاد کے خاتمہ کا زمانہ اور تقلید محض پر عمل کرنے کا حال بھی معلوم ہوگیا اس لیئے اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ باہم آئمہ کے مسائل فقہی میں اختلاف کیوں ہوا۔ اگرچہ جو مختصر کیفیت بنار مذہب کی ہم نے اوپر بیان کی اس سے سبب اختلاف کا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس اختلاف کو دیکھکر لوگوں کو بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دین اور ایک شریعت میں ایسی کثرت سے اختلاف ہونے پر ہر شخص کو حیرت ہوتی ہے۔ کوئی پوچھتا ہے کہ جب قرآن وحدیث پر سب کا عمل ہے تو پھر کیا قرآن وحدیث میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جب تبع تابعین کے مذہب کی بنار تابعین پر اور تابعین کی صحابہ پر ہے تو کیا صحابہ باہم مختلف تھے۔ اگر تھے تو باوجودیکہ سب نے ایک ہی نبی کو دیکھا اور ایک ہی پیغمبر سے دین کو لیا تو پھر آپس میں اُن کے اختلاف کیونکر ہوا اور باوجود اس اختلاف کے جب لوگ یہ سُنتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں اور جو اختلاف اُن میں ہے وہ رحمت ہے تو اَور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے اور دل میں اَور ہی کچھ خیال کر کے ہر شخص ساکت ہوجاتا ہے اس لیئے ہم اس اختلاف کے اسباب کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں سے شبہات دور ہوں اور وہ اس اختلاف فروعی کو اصول کا اختلاف سمجھکر دل میں اپنے دین کی حقیت میں شک نکرنے لگیں ؛

یہ بات تو اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ تبع تابعین کے مذہب کی بنا تابعین پر اور اُن کی صحابہ پر ہے تو جو اختلاف باہم صحابہ کے ہوا وہی اختلاف تبع تابعین میں چلا آیا اور جب تبع تابعین نے مذہب کی بنیاد ڈالی تو اُن کے آپس میں بھی وہی اختلاف رہا اس لیئے ہم اول صحابہ میں باہم اختلاف ہونے کا سبب بیان کرتے ہیں۔

پہلے اس امر کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ اختلاف جو مسلمانوں میں بعد زمانہ نبوت کے ہوا وہ دو قسم کا ہے۔ ایک اختلاف عقائد اور اصول میں۔ دوسرا اختلاف مسائل اور فروع میں اختلاف عقائد اور اصول کا وہ ہے جو کسی اصول دین میں ہو مثل توحید اور ثبوت اور معاد اور فرضیت

روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے یا کسی عقیدہ میں عقاید دین کے جو مثل خلافت اور حقیت اجماع صحابہ اور وجوب محبت اہلبیت و اصحاب اور عدم تکفیر اہل قبلہ اور مرتکبان کبائر کی اور مثل اُس کے اَور عقاید جن پر اعتقاد کرنا بہ نصوص صریح ضروری ہے پس جو شخص عقاید اور اصول میں مخالف ہے وہ بدعتی اور اہل سنت کے گروہ سے خارج ہے مثل معتزلہ اور قدریہ اور مرجیہ اور شیعہ اور خوارج کے اور نہ صحابہ میں اور نہ تابعین میں اور تبع تابعین میں نہ کسی امام میں آئمہ اربعہ سے ایسا اختلاف ہوا بلکہ سب اصول اور عقاید میں متفق ہیں۔ اور ایک امر میں بھی ضروریات دین سے اور ایک عقیدہ میں بھی اعتقادات اہل سنت سے باہم مختلف نہیں ہیں اس لیئے چاروں مذہب اہل سنت ہی کے کہلائے جاتے ہیں۔

دوسرا اختلاف مسائل اور فروع میں۔ مسائل اور فروعات فقہ کے مسائل مراد ہیں اور ان ہی میں چاروں مذہب البتہ باہم مخالف ہیں اور صحابہ بھی باہم مخالف تھے اس لیئے اس اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ صحابہ میں بعد زمانہ نبوت کے کیوں اختلاف ہوا +

مدار صحابہ کے اقوال اور افعال اور احکام اور مسائل کا قرآن و حدیث پر تھا اور چونکہ قرآن پیغمبر صاحب ہی کے سامنے جمع ہوگیا تھا اس لیئے کسی ایسے مسئلہ میں جو قرآن میں صاف موجود ہے باہم اختلاف نہیں ہوا اور احادیث پیغمبر صاحب کے روبرو جمع نہوئی تھیں۔ اس لیئے جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف تھا اور ہے اُنہیں میں اختلاف ہوا۔ اور اُس کے کئی سبب ہیں[1] +

اوّل اختلاف سماعت یعنی ایک صحابی کا کسی حدیث یا حکم نبوی کو سُننا اور دوسرے کا نہ سُننا۔ مثلاً پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کچھ فرمایا یا کوئی فتوی دیا تو جو موجود تھا اُسنے سُنا اور دیکھا اُس نے تو اُسپر عمل کیا دوسرے صحابی نے اُسے نہ سُنا نہ دیکھہ نہ جس صحابی نے سُنا اور دیکھا تھا اُس سے اُس دوسرے صحابی کو روایت پہنچی تو اُس دوسرے صحابی نے جب ایسا ہی معاملہ پیش آیا خود اجتہاد کیا پس اگر اُس حدیث کے موافق ہوا تو

---

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ۱۲

تو دونوں صحابی متفق ہوئے اور اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو اُن میں اختلاف ہوا۔

**دوسرے ترک اجتہاد** - یعنی صحابی کا اپنے اجتہاد سے پھر جانا۔ مثلاً صحابی نے کسی امر میں اجتہاد کیا اس سبب سے کہ کوئی حدیث اُس کو نہ پہونچی تھی اور پھر اسکو کسی سے وہ حدیث پہونچگئی تو اُس نے اپنے اجتہاد کو ترک[1] کیا اور حدیث پر عمل کیا۔ لیکن جن لوگوں نے پہلے اجتہاد کو صحابی کے سنا اور اُس سے رجوع کرنے کی خبر اُنہیں نہ ملی اُس نے صحابی کے پہلے ہی قول پر عمل کیا۔

**تیسرے اشتباہ فی الحدیث** - یعنی حدیث کی صحت میں شک رہنا اور اُسپر کسی صحابی کا عمل نہ کرنا یہ تو کوئی صحابی نہیں کرسکتا تھا کہ باوجود صحت کسی حدیث کے اُس کو ترک کرتا اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتا مگر جب راوی کسی حدیث کا ضعیف اور قابل کامل اعتبار کے نہوتا تو صحابی اپنے اجتہاد پر قایم رہتے اور اُس حدیث کو صحیح نہ جان کر اُسپر عمل نہ کرتے اور بعض حدیث کا نام سنتے ہی اُسپر عامل ہوجاتے اور اُس کے ضعف اور قوت کو نہ دیکھتے۔

**چوتھے سمجھ میں اختلاف ہونا** - یعنی چند صحابیوں نے پیغمبر خدا کو ایک کام کرتا ہوا دیکھا کسی نے اُس کو عبادت پر کسی نے اُس کو عادت پر کسی نے اُس کو قربت پر کسی نے اُس کو اباحت پر محمول کیا اور اس سے باہم اختلاف ہوا۔

**پانچویں سہو و نسیان** - یعنی کسی صحابی نے گو خود پیغمبر صاحب سے کچھ سُنا یا کچھ کرتے دیکھا مگر اُسے یاد نہ رہا اور بھول گیا۔

**چھٹے اختلاف ضبط** - یعنی پیغمبر صاحب نے کسی امر میں کچھ فرمایا یا حکم دیا اور کوئی صحابی اُس کا مطلب اَور ہی کچھ سمجھا جیسا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ مردہ کو اُس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے کہ اس حدیث کو سُن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور راوی نے غلطی کی ہے بلکہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ پیغمبر صاحب ایک یہودیہ کے جنازہ پر گذرے کہ اُس کے گھر والے روتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو روتے ہیں اور وہ قبر میں عذاب دی جاتی ہے پس

---

[1] اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود اُس اجتہاد میں کچھ نقص پایا اور اُس کو چھوڑ دیا۔ ۱۲

مطلب یہ تھا کہ یہ تو اُس کے لیئے روتے ہیں اور وہ اپنے عذاب میں مبتلا ہے نہ وہ مطلب ہے جو راوی نے سمجھا اور جس سے عذاب کو رونے کا معلول سمجھکر ہر مُردہ کی نسبت اس حکم کو عام تصور کیا۔

**ساتویں علت حکم میں اختلاف ہونا** - یعنی پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا اور دیکھنے والوں نے اپنے نزدیک اُسکی علت[1] اور وجہ قایم کی اُسمیں اختلاف ہوا مثلاً پیغمبر صاحب ایک جنازہ کو دیکھکر کھڑے ہوگئے تو کسی نے قیام کی علت تعظیم ملائکہ خیال کی۔ کسی نے ہول موت اُس کی علت سمجھی اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق اُس کی تعمیم اور تخصیص پر رائے قایم کی۔

**آٹھویں دو مختلف حدیثوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہونا** - چونکہ عادات اور مباحات اور سنن میں ایک ہی امر کی پابندی حضرت کو نہ تھی اور احکام میں بھی تکمیل اور اصلاح مناسب ہوتی رہتی تھی اس لیئے جو قول یا فعل یا حکم مختلف ہوتا اُس کے توافق میں صحابہ میں اختلاف ہوتا۔ کوئی اباحت کو بسبب ضرورت کے اور نہی کو بوجہ اقتضاء ضرورت کے خیال کرتا۔ کوئی ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھتا۔ اور جو صحابی صاحب فراست اور صاحب علم تھے وہ عادات کو عبادات سے اور سنن کو واجبات سے جُدا کرتے اور ایک کو دوسرے میں نہ ملاتے اور جو اس میں تمیز نہ کرتے وہ سب کو عبادات اور واجبات ہی خیال کر کے اختلاف عادات کو اختلاف فی العبادت جانتے۔

چونکہ ہم اختلاف مذاہب کا سبب بھی بیان کر چکے اس لیئے ہم اُس فرق کو بیان کرتے ہیں جو اجتہاد اور عمل بالحدیث میں ہے۔

## عمل بالحدیث اور اجتہاد میں جو فرق ہے اُس کا بیان

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو عمل بالحدیث اور اجتہاد میں فرق نہیں معلوم ہوتا

---

[1] یہ خرابی اس لیئے پڑتی ہے کہ علت کا علت ہونا نص سے قرار نہیں دیا بلکہ اپنی سمجھ سے قرار دیا۔

بلکہ جب وہ سنتے ہیں کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اصحاب حدیث کہلائے جاتے ہیں اُن مسائل کو جن کی تصریح حدیث میں نہیں ہے اپنے قیاس سے استخراج کرتے ہیں اور جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں اور اصحاب الرائے کہلائے جاتے ہیں وہ بھی اُن مسائل میں جو بتصریح کتاب سنت میں موجود ہیں اجتہاد نہیں کرتے اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور دونوں کا ماخذ کتاب سنت ہے اور دونوں کو قیاس سے کام لینا پڑتا ہے تو یہ دونوں میں مابہ الامتیاز کیا ہے اس لیئے دونوں میں جو فرق ہے اُس کو میں بیان کرتا ہوں ۔

اگلے زمانہ میں یعنی تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں دو قسم کے عالم تھے ۔ ایک نو وہ جو رائے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتوی اور استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور سوائے اسناد حدیث کے استنباط کرنے کو پسند نہ کرتے تھے ۔ اُن کی ساری ہمت مصروف رہتی تھی کہ احادیث نبوی کی روایت کریں اور جہاں تک ہو سکے تمام احکام اور مسائل کو انھیں سے ثابت کردیں اور وہ اسی واسطے احادیث کے جمع کرنے میں بہت سی محنت کرتے تھے چنانچہ جب اُنھوں نے احادیث کو جمع کرلیا اور ضعیف اور قوی کو علیحدہ کرلیا تو انہوں نے کتاب وسنت ہی کو اصول استخراج مسائل کا ٹھہرایا اور اُسی کی تصحیح اور تنقیح کے لیئے قواعد مقرر کیئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ کون سی حدیث اصلی ہے اور کون سی بے اصل ہے ۔

پس اس طبقہ کے لوگوں کو جب ضرورت کسی مسئلہ کی ہوتی تو وہ قرآن سے رجوع کرتے اگر اُس سے بصراحت نکل آتا تو پھر کسی اور طرف توجہ نہ کرتے ۔ اگر اُس سے معلوم نہ ہوتا یا اُسمیں اور احتمالات ہوتے تو وہ سُنت پر رجوع کرتے اور جو کچھ حدیث میں پاتے اُس پر عمل کرتے اور حدیث پر عمل کرنے کے لیئے نہ وہ اس کا لحاظ کرتے کہ اور فقہاء اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اور سب لوگ اسپر چلتے ہیں یا نہیں اور مجتہدین کا اجتہاد اُسکے مطابق ہے یا نہیں بلکہ وہ اس کی بھی پرواہ نہ کرتے کہ صحابہ اور تابعین نے بھی اسپر عمل کیا ہے یا نہیں بلکہ اگر کوئی حدیث ایسی ہوتی کہ ایک ہی شہر کے لوگ اُس سے واقف ہوتے یا ایک ہی گھر کے لوگ اُسپر عامل ہوتے پس وہ اپنے عمل کی سند کے لیئے اُسے لے لیتے اور سوائے اِس کے کہ وہ حدیث کی صحت ثابت کرلیں اور کسی طرف توجہ نہ کرتے اور

کسی اصول اور کسی قاعدہ کی پابندی کرتے۔
اگر حدیث سے اُس کا پتہ نہ چلتا تو وہ صحابہ اور تابعین کے اقوال پر نظر کرتے
پس اگر اُس بات پر جمہور صحابہ اور تابعین کو متفق پاتے تو فبہا ورنہ بلا لحاظ کسی قوم اور
کسی شہر اور کسی فرقہ کے جس کو وہ اپنے نزدیک زیادہ عالم اور فقیہ اور متقی جانتے
اُس کے قول کو اختیار کرتے۔
اگر اِس سے بھی مطلب نہ نکلتا یعنی اُس مسئلہ کا اقوال صحابہ و تابعین سے حال معلوم
نہ ہوتا تو وہ قیاس کرتے مگر اُن کا قیاس منطقی قیاس کی مانند نہ ہوتا تھا اور نہ اُس کے لیے
کچھ دقیق اصول اور مشکل قواعد کی پابندی نہ تھی بلکہ اُن کا قیاس یہ تھا کہ وہ عمومات
کتاب و سنت اور اُسکے اشارات اور مقتضیات پر تامل کرتے اور صرف اپنے یقین
اور اطمینان قلبی پر لحاظ کرتے۔ اُسکی علت نکال لیتے اور جس میں وہ علت پاتے اُس پر
وُہی حکم لگاتے اور اَور مسائل کی نظیریں اور مثالیں دیکھکر اپنا کام چلا لیتے۔
یہ طریقہ اُن کا ٹھیک اصحاب رسُول کا سا تھا اور یہی قاعدہ استخراج مسائل کا
صحابہ میں جاری تھا اور اُس کے ثبوت میں ہزارہا اقوال صحابہ کے موجود ہیں جن میں سے
کُچھ کچھ ہم آیندہ بیان کریں گے۔
غرضکہ اس طور پر مسائل کے استخراج کرنیوالے اصحاب حدیث کہلائے گئے اور چونکہ
وہ کسی اصول اور کسی قاعدہ کے پابند نہ ہوئے اس لیے اُن کا قیاس بھی قیاس اور رائے
میں داخل نہ ہوا۔ چنانچہ اسی گروہ میں سے ہوئے ہیں عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید
اور یزید بن ہارون اور عبد الرزاق اور مسدد اور ہناد اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن
راہویہ اور فضل بن دکین اور علی مدنی وغیرہ کہ یہ سب اصحاب حدیث میں داخل ہیں۔
اس بات کے سُننے سے بھی لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اتنی حدیثیں کہاں سے ملی ہونگی
جن سے سب مسائل نکل آئے ہوں اور بغیر اُس قیاس اور رائے کے جسے مجتہدین نے
اختیار کیا اُن کا کام چلا ہو لیکن اُن کا تعجب اِس سے رفع ہو سکتا ہے کہ وہ اُنکی کتابوں
کو دیکھیں اور جو کچھ محنتیں اُنھوں نے احادیث کے جمع کرنے میں اپنے اوپر اُٹھائیں
اُسپر خیال کریں تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ جن لوگوں نے اس قاعدہ پر فقہ کی تدوین کی ہے اُن کو
کوئی ایسا مسئلہ جس کو اگلے لوگوں نے نکالا تھا یا اُن کے وقت میں مجتہدین نے قیاس سے

استخراج کیا تھا ایسا نہ ملا جس میں کوئی حدیث مرفوع یا متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا لایق اعتبار نہ ملی ہو یا خلفاء راشدین کے آثار اور فقہا نامی کے اقوال سے اسکا ثبوت نہ ہوتا ہو یا اُن کے عمومات اور اشارات سے اُس کا استنباط نہ ہو سکتا ہو بے شک یہیں یہ بڑی دقت تھی کہ بہت سی احادیث جمع کرنی پڑتیں اور اُن کی تصحیح اور تنقیح کی محنت اُٹھانی پڑتی اور اُن کے ناسخ اور منسوخ کا لحاظ رہتا اور جو مختلف حدیثیں ہوتیں اُن کا اختلاف دور کرنا یا اُس کے وجوہات کا دریافت کرنا پڑتا۔

جو کوئی اصحاب حدیث کی فقہ کی تدوین پر غور کرتا ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب عجیب باتیں پھر جاتی ہیں اور اُس کے دل پر فنون احادیث پر تامل کرنے سے ایک اور ہی قسم کی تاثیر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ جس مضمون کو ہم نے لکھنا شروع کیا ہے اُس کے لیئے دفتر کے دفتر چاہئیں اور اگر مختصر طور پر بھی کچھ کچھ ہم لکھیں تو بھی ایک بڑی کتاب ہو جائے اور ہم چند صفحوں میں اُسے ختم کیا چاہتے ہیں اس لیئے بہت ہی مختصر طور پر اب ہم اسکو بھی بیان کرتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے تدوین فقہ کے لیئے کیا طریقہ اختیار کیا اور پھر اُسکے کتنے درجے اور طبقے ہو گئے۔ تیس پہلا طبقہ اہل حدیث کا وہ ہوا جس نے احادیث کو جمع کیا اور فقہی مسائل کا اُسی پر مدار رکھا۔ اس طبقہ کے لوگوں کے نام اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔ پھر دوسرا طبقہ وہ ہوا جس نے حدیث کے دوسرے فن پر توجہ کی یعنی اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر بڑے بڑے اہل حدیث کا اجماع تھا علیحدہ کیا اور اُن حدیثوں کو جو متعلق فقہ کے تھیں جن پر شہروں کے فقیہہ اور قصبوں کے عالم اپنا مذہب چلاتے تھے جدا کر کے ہر حدیث کو باعتبار اُس کے اقسام کے ترتیب دیا۔ اس طبقہ میں امام محمد اسمٰعیل بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور عبد بن حمید اور دارمی اور ابن ماجہ اور ابو العلی اور ترمذی اور نسائی اور دار قطنی وغیرہ داخل ہیں۔

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو بخاری و مسلم کے پہلے تھے یا اُن کے زمانہ میں یا

---

لہ اس کی تفصیل ہم نے ایک علیحدہ مضمون میں جو بہ نسبت کتابوں کے لکھا ہے کی ہے وہ بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ چھپے گا ۱۲

اُن کے بعد ہوئے اور جنہوں نے مسانید اور جوامع اور مصنفات کو تالیف کیا اُنہوں نے جو حدیث پائی اُسے جمع کر دیا۔ نہ اُس کو چھانٹا نہ اُسمیں اقسام حدیث کو بیان کیا نہ اُسکی کچھ ترتیب ایسی کی کہ جسپر عمل آسانی سے ہو سکے اور پھر پیچھے بھی محدثین نے اُسکی صحت اور سقم پر چنداں توجہ نہ کی چنانچہ اسی طبقہ میں ابو علی اور طیالسی اور بیہقی اور عبد الرزاق اور ابی بکر ابن شیبہ اور عبد بن حمید اور طحاوی اور طبرانی ہیں۔

چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہت عرصہ کے بعد حدیث کی کتابوں کا لکھنا شروع کیا اور جو حدیثیں پہلے اور دوسرے طبقہ میں جمع نہ ہوئیں اور مسانید اور جوامع میں چھپی ہوئی پڑی تھیں یا اُن واعظوں اور خوش گپ عالموں کو یاد تھیں جو ضعفاء میں داخل تھے اور جن کی حدیث کو محدثین محققین پایہ اعتبار سے ساقط جانتے تھے اُن کو اُنھیں نے جمع کر دیا اور آثار صحابہ اور تابعین کو اور اخبار بنی اسرائیل کو اور کلام حکماء اور وعاظ کو بھی اُسمیں شامل کر دیا چنانچہ عمدہ حدیث اس طبقہ کی وہ ہے جو کہ ضعیف محتمل ہے اور موضوعات کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ یہی طبقہ مادہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات کا ہے۔

پانچویں طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے اُن باتوں کو جو فقیہوں اور صوفیوں اور مورخوں کی زبانوں پر تھیں اور جن کی کچھ اصل چاروں طبقات میں نہ تھی لیکر حدیث میں داخل کر دیا اور انہیں احادیث پر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے سند کر کے اہل سنت پر اعتراضات کرنا شروع کیا اور بہت سے عالموں نے دھوکا کھایا خصوصاً اُن حدیثوں میں جن کو کلام بلیغ اور فصیح کے پیرایہ میں ادا کیا تو ان احادیث سے سوائے بڑے محقق محدث کے ہر شخص نے دھوکا پایا جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ومنها مادسه الماجن في دينه العالم بلسانه فاتی باسناد قوی لا يمكن الجرح فيه وكلام بليغ لا يبعد صدوره عنه صلی اللہ علیہ وسلم فاثار في الاسلام مصيبة عظيمة لكن الجهابذة من اهل الاحاديث يوردون مثل ذلك على المتابعات والشواهد فتهتك الاستار ويظهر العوار غرضکہ سوائے چوتھے اور پانچویں طبقہ کے باقی طبقات اہل حدیث کے ایسے ہیں کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُسپر عمل کرنے سے آدمی اہل حدیث ہو سکتا ہے اور اپنی فقہ اور مسائل کا

مدار طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی کتابوں پر رکھتا ہے اور جو لوگ اب تک اصحاب حدیث ہوئے اور ہیں اُن کا اسی پر عمل تھا اور ہے۔

یہ کیفیت جو باختصار ہم نے اہل حدیث کی بیان کی سمجھنے والے کے لیئے اصحاب حدیث کے طریق تدوین فقہ کے لیئے کافی ہے اس لیئے اب ہم مجتہدین اور اصحاب الرائے کے طریق اور اُن کے اصول کو بیان کرتے ہیں۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگلے زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو رائے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتوی و استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور حدیثوں ہی کو جمع کر کے انہیں سے مسائل نکالتے تھے اور اس فرقہ کو اصحاب حدیث کہتے تھے چنانچہ انھوں کا حال اوپر مذکور ہو چکا۔

دوسری قسم میں وہ لوگ داخل تھے جو کہ فتوے اور استخراج ہی کو دین سمجھتے تھے اور رائے اور قیاس سے مسائل کا استنباط کرنا ہی اچھا جانتے تھے اور فقہ کو دین کی بنا کہتے تھے اور اُسکے پھیلانے ہی کو دین کا پھیلانا سمجھتے تھے اور احادیث نبوی کا بہت لحاظ کرتے تھے اور اُسمیں کمی بیشی ہو جانے سے بہت ڈرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ ہم پیغمبر صاحب تک اپنے مسائل کا سلسلہ نہیں پہنچاتے بلکہ اُن سے پیچھے ہی پر ختم کر دینے کو پسند کرتے ہیں تاکہ جو کچھ نقصان یا زیادتی ہو وہ انہیں لوگوں کی گردن پر رہے ہم مواخذہ سے محفوظ رہیں چنانچہ ابراہیم نخعی کا مقولہ تھا کہ قال عبد اللہ وقال علقمۃ احب الینا کہ یہ کہنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کہا عبد اللہ نے ایسا اور کہا علقمہ نے ویسا۔ پس ان لوگوں کو جب ضرورت فقہ کی تدوین کی ہوئی تو اُن کے پاس اتنی حدیثیں پیغمبر کی اور آثار صحابہ کے نہ تھے جس سے وہ اپنے مسائل کو اُن سے نکال سکیں نہ صرف انہیں چند آسان اصول کی پابندی سے جن سے اہل حدیث احکام نکال لیتے تھے اپنا کام چلا سکیں اُن کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول یا پسند نہ کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کے علمار اور فقہا کے قولوں کے پابند نہ رہیں اور اور شہروں اور تمام ملک کے فقہا اور علما کے اقوال کی تحقیق کر کے اُن سب کو ملاویں اور اُن سے بحث کر کے اپنا کام نکالیں بلکہ اُنھوں نے اپنے آپ کو بہ راہ کسر نفسی اس لایق نہ جانا اور اپنے اماموں اور اُستادوں کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا سمجھکر اوروں کی طرف رجوع کرنا یا اُن کے اقوال کو تحقیق

کرنا فعل عبث تصور کیا اور اپنی ہمت کو اپنے ہی شہروں کے علما اور اپنے ہی استادوں
اور اماموں کے اقوال پر قناعت کر لینے پر ختم کر دیا چنانچہ کسی نے کہا کہ عبداللہ سے
زیادہ کوئی محقق نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ علقمہ سے اچھا کوئی نہیں ہے۔ غرض کہ ایسے
لوگوں کے پاس مادہ احادیث اور آثار کا بہت سا نہ تھا اور اُن کا علم چند مخصوص
ہی کے علم پر محدود تھا۔ پس جب ایسے لوگوں کو فقہ کی تدوین کی ضرورت ہوئی اور
خدا نے اُن کو ذہن کی تیزی اور عقل کی چالاکی ایسی دی تھی کہ وہ اپنی فطانت اور فراست
اور سرعت انتقال سے تخریج مسائل کی قدرت کامل رکھتے تھے اور چند ہی اصول سے
وہ بے انتہا جزئیات نکال سکتے تھے تو اُنہوں نے اپنے ہی اصحاب اور یاروں اور استادوں
کے اقوال اور احادیث کو مدار فقہ کا بنایا اور اُسی تھوڑے سے سرمایہ سے فقہ کی دولت
کو بڑھانا چاہا تو اُنھوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدہ پر ترتیب دیا اور ہزاروں احادیث
کے یاد کرنے اور خیال رکھنے سے اپنے تئیں بچایا۔

تخریج کا قاعدہ کیا تھا۔ یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے اُستاد یا امام جس کو وہ قابل استناد
سمجھے اُس کی کتاب و اقوال کو پیش نظر رکھا اور مسائل کو اُنہیں سے استخراج کرنا شروع
کیا۔ اگر کوئی مسئلہ اُس میں بتصریح ہوتا تو خیر ورنہ اُن کے کلام کے عمومات پر لحاظ کرتے
اور اُسی صورت پر اُس مسئلہ کو نکال لیتے یا اُن کے کلام کے اشارات ضمنی پر خیال
کرتے اور اُس سے استنباط کرتے پس اُن کے کلام کے یا اشارت اور مقتضیات ایسے
ہوتے کہ اُس سے مطلب نکل آتا یا اُن میں ایسے مسائل بتصریح مذکور ہوتے کہ مثل اُس کے
اور مسائل اُسی نظیر کے اُسپر محمول کر لیئے جاتے۔ اگر ان سے بھی کام نہ چلتا تو اُن کے
لکھے ہوئے حکموں کی علت دریافت کرتے اور جن مسائل کی اُنہوں نے تصریح نہ
کی تھی اُسی علت کے اعتبار سے اُسپر حکم قایم کر لیتے یا اُن کے بعض کلام ایسے ہوتے
کہ اگر دو کو ملا دیں تو بموجب قیاس اقترانی یا شرطی کے نتیجہ نکل آتا اور اُس سے مسئلہ معلوم
ہو جاتا یا اُن کے کلام ایسے ہوتے کہ جن کا مطلب مثالوں ہی میں مذکور ہوتا اور کوئی حد
جامع مانع اُس کی نہوتی تو ایسے کلام کی تحقیق کے لیئے اہل زبان کی طرف رجوع کرنا پڑتا
اور تحصیل ذاتیات اور ترتیب مقدمات اور ضبط مہمات اور تمیز مشکلات کے لیئے
تکلفات علمی کرنا پڑتے یا اُن کا کلام دو وجہوں کا متحمل ہوتا تو ایک کی دوسرے پر ترجیح

کرتے یا ایسا ہوتا کہ جس کی دلایل پوشیدہ ہوتیں اُسکو صرف بیان کرتے یہاں تک کہ
ایسی تخریج کرنے والوں میں سے بعضے ایسے ہوئے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اماموں ہی
کے فعل اور سکوت سے مسائل میں استدلال کیا ہے اسی واسطے اُن کی کتابیں ایسے
لفظوں سے بھری ہوئی ہیں جن سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً
القول المخرج لفلان کذا ویقال علی مذہب فلان اوعلی اصل فلان
اوعلی قول فلان جواب المسئلۃ کذا وکذا۔ پس جس طرح پر اصحاب حدیث اپنے
مسئلوں کو احادیث ہی سے نکالنا پسند کرتے تھے اسی طرح پر اصحاب تخریج اپنے
مسائل کو اپنے ہی آئمہ کے اقوال سے نکالتے تھے اور چونکہ اصحاب حدیث کی نظر
بہت سی حدیثوں پر تھی اور اُن کو اکثر سب مسائل میں احادیث نبوی یا آثار صحابہ سے
کوئی حدیث یا اثر مل جاتے تھے اس لیئے اُن کو استخراج اور استنباط کے اصول اور قواعد
بنانے اور رائے اور عقل سے کام لینے کی نوبت نہ آئی اور اصحاب تخریج چونکہ اپنے ہی آئمہ کے
اقوال پر قناعت کرتے تھے اور اُسی سے سارے مسئلے نکالنا چاہتے تھے اس لیئے
اُن کو اُس استخراج اور استنباط کے دقیق دقیق اصول اور باریک باریک قاعدے بنانے پڑے
اور اُن میں رائے اور عقل سے کام لینا پڑا۔

پس شروع شروع زمانہ میں تو اصحاب تخریج بھی احادیث ہی پر سند کرتے تھے۔ گو وہ
حدیثیں وہی ہوں جو اُن کے اُستادوں اور پیشواؤں سے اُنہیں پہونچی تھیں اور اُسوقت میں
وہ باریکیاں جو پیچھے کرکے نکلیں نکلی تھیں لیکن پیچھے کرکے تو اصحاب تخریج نے قیامت
ہی برپا کردی اور فقہ کو یونانی حکمت اور فلسفہ کا مسہ بنادیا۔ لفظوں سے معنی کا نکالنا
اور عبارت سے مقصد سمجھنا بغیر اُن کے اصول مقررہ کے غیر ممکن ہوگیا بلکہ الفاظ یا حروف
[illegible]روں کی تبدیل سے مطلب میں فرق آنے لگا۔ (ف) اور (و) پر استدلال اور کلمہ کی
تقدیم اور تاخیر سے مطلب کا اور ہونے لگا اور پھر جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور نبوت کا
عہد دور اور فلسفہ اور معقولات کا مسلمانوں میں رواج ہوتا گیا اُسی قدر رائے اور قیاس
کو زیادہ دخل ہوا اور منقولات میں معقولات کا ایسا خلط ہوگیا کہ بغیر منطق کے قواعد سیکھنے
اور فلسفہ کے پڑھنے کے فقہ کی کتابوں کا سمجھنا مشکل ہوگیا چنانچہ اب تک ہمارے تئیں
مشہور ہے کہ بغیر منطق میں کامل استعداد رکھنے کے کوئی ہدایہ سمجھ ہی نہیں سکتا اور بلا

واقف ہونے محاورات جدیدہ جدلیہ کے کوئی مبسوط سرخسی اور تبئین کا مطلب یافت نہیں کرسکتا پس حقیقت میں اصحاب الرائے وہی ہیں جو احادیث اور آثار کا تتبع نہیں کرتے اور متقدمین میں سے کسی کے اصول پر مسائل کی تخریج کرتے ہیں اور نظیر کو نظیر ہی پر محمول کرتے ہیں اور یہ مطلب اہل رائے سے نہیں ہے کہ جو سمجھ اور عقل کو دخل دیتے ہیں اور قیاس اور استنباط سے کام لیتے ہیں اس لیئے کہ اگر رائے سے مراد نفس فہم اور عقل ہو تو کوئی اہل حدیث نہ ہو اور سب کے سب صاحب الرائے کہلائے جاویں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام احمد حنبل اور اسحاق بن راہویہ بلکہ امام شافعی بھی اصحاب الرائے سے خارج اور اہل حدیث میں داخل سمجھے جاتے ہیں لیکن آخروہ بھی استنباط کرتے تھے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

غرض کہ مابہ الامتیاز دونوں میں یہ ہے کہ جو کتاب و سنت کو بلا پابندی کسی شخص کے اصول کے پیش نظر رکھکر اُن سے مسائل کو لے یا استنباط کرے وہ اہل حدیث ہے اور جو کتاب و سنت کے عمل کو پہلوں ہی پر ختم سمجھے اور کسی شخص یا کسی فرقہ کے اصول اور کلام ہی پر مدار فتوے کا رکھے اور اُسی کے مقرر کیئے ہوئے اصول اور بتلائے ہوئے قاعدوں پر استخراج کرے وہ صاحب الرائے ہے ؂

## چھٹے تقلید اور عمل بالحدیث پر ایک مقلد اور غیر مقلد کا مباحثہ

**مقلد سائل** :۔ حضرت حنفی ہیں کہ شافعی ؟ :۔

**غیر مقلد مجیب** :۔ میں محمدی ہوں۔ نہ حنفی ہوں نہ شافعی۔ اس لیئے کہ میں جس پیغمبر پر ایمان لایا اور جس کی نبوت کا معتقد ہوا اُسی سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں :۔

**مقلد** :۔ معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلد ہیں اور تقلید کو آپ واجب نہیں جانتے ہیں :۔ ؟

**غیر مقلد** :۔ بلاشک میں تقلید کو واجب نہیں جانتا۔ اس لیئے کہ نہ خدا کی کتاب سے اُس کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ رسول خدا کی کسی حدیث سے :۔

**مقلد** :۔ تقلید کا وجوب اجماع سے ثابت ہے اور اجماع کا اتباع واجب ہے اور اُسکا

منکر کافر ہے۔

**غیر مقلد:** اجماع کی تعریف کیا ہے؟

**مقلد:** الاجماع هو فی اللغۃ الاتفاق وفی الشریعۃ اتفاق مجتهدین صالحین من امۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فی عصر واحد علی امر قولی اوفعلی۔
یعنی لغت میں تو اس کے معنی ہیں اتفاق کے اور شریعت کی اصطلاح میں اتفاق کرنا نیک اور صلاحیت رکھنے والے مجتہدین کا امت محمدیؐ سے کسی ایک زمانہ میں اوپر کسی امر قولی یا فعلی کے۔

**غیر مقلد:** مجتہدین اور صالحین کے قیود کی وجہ بیان کیجئے؟

**مقلد:** المراد بالمجتهدین جمیع المجتهدین الکائنین فی عصر من الاعصار و احترز بہ عن اتفاق المقلدین واحترز بقولہ صالحین عن اتفاق مجتهدین ذوی هوی او فاسقین (حاشیہ نور الانوار) وقید بالمجتهدین اذ لا عبرۃ باتفاق العوام وعرف بلام الاستغراق احترازا عن اتفاق بعض مجتهدی عصر (تلویح) واهل الاجماع من کان مجتهدا صالحا الا لما یستغنی عن الرای (نور الانوار)
اسی سے معلوم ہوا کہ تمام ان مجتہدین کا اتفاق ضرور ہے جو کہ نیک ہوں اور صلاحیت رائے دینے کی رکھتے ہوں اور فاسق اور بدعتی نہ ہوں۔

**غیر مقلد:** اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ بعد ائمہ اربعہ کے کتنے مجتہدین صالحین کا اجماع تقلید کے وجوب پر ہوا ہے۔ اول تو تقلید کی بدولت کسی پر مجتہد کا اطلاق آپ کر ہی نہیں سکتے۔ دوسرے جو مجتہد ہوئے ہیں وہ تقلید کے عدم وجوب کے معتقد رہے ہیں۔ خیر اب یہ فرمائیے کہ اجتہاد کی تعریف کیا ہے اور مجتہد ہونے کے لیے کیا شرط ہے؟

**مقلد:** والاجتهاد هو فی اللغۃ تحمل الجهد الی المشقۃ وفی الاصطلاح استفراغ الفقیہ الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی ومعنی استفراغ الوسع بذل تمام الطاقۃ بحیث یحس من نفسہ العجز عن المزید علیہ وشرط الاجتهاد ان یجمع العلم بامور ثلثۃ الاول الکتاب والمراد بالکتاب قدر ما یتعلق بمعرفۃ الاحکام الثانی السنۃ قدر ما یتعلق بالاحکام ووجوہ القیاس بشرائطها و

اقسامها واحکامها (تلویح) پس جو شخص کتاب اور سنت کو جس قدر کہ متعلق احکام کے ہو اور وجوہ قیاس کو جانے وہ مجتہد ہے۔"

**غیر مقلد**: "اگر کسی بات پر ایک زمانہ کے مجتہدین نے اجماع کیا ہو اور دوسرے زمانہ کے مجتہدین کا اجماع برخلاف اُس کے ہو تو دوسرا اجماع بھی واجب الاتباع ہے یا نہیں"؟

**مقلد**: "قیل یشترط للاجماع اللاحق عدم الاختلاف السابق عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ولیس کذالک فی الصحیح بل الصحیح انہ ینعقد عندہ اجماع متاخر ویرتفع الخلاف السابق من الاجماع اللاحق (نور الانوار) قولہ انہ ینعقد عندہ ای عند الامام الاعظم اجماع متاخرا اذا المعتبر انما ھو اتفاق مجتہدی العصر سواء تقدم الخلاف اولا والدلایل الدالۃ علی حجۃ الاجماع لیست بعقیدۃ العدم الاختلاف السابق قولہ ویرتفع الخلاف السابق لان دلیل السابقین المخالفین لم یبق دلیلاً یعتدبہ بعدما انعقد الاجماع علی خلافہ کما اذا نزل نص بعد العمل بالقیاس۔ (حاشیہ نور الانوار) یعنی دوسرا اجماع خلاف اجماع سابق کے جائز ہے اور پہلا اجماع مرتفع ہو کر دوسرے اجماع کا اتباع واجب ہے اس لیئے کہ دوسرے اجماع نے پہلے اجماع کو ایسا باطل کر دیا جس طرح کہ نص کے ملجانے سے قیاس کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔"

**غیر مقلد**: "حضرت نسخ میں اور اسمیں کچھ فرق ہے ولا نسخ بعد انقطاع الوحی۔"

**مقلد**: "اجیب بجوازہ فیما یثبت بالاجتہاد علی معنی انہ لما انتہی ذالک الحکم لانتہاء المصلحۃ وفق اللہ المجتہدین للاتفاق علی القول الآخر ورفع الخلاف وان لم یعرفوا مدۃ الحکم وتبدل المصلحۃ (تلویح) کہ ایسا نسخ ان معنی کر کے جائز ہے کہ وہ حکم بسبب نہ رہنے مصلحت کے تمام ہو گیا تب خدا نے دوسرے زمانہ کے مجتہدین کو دوسرے قول پر متفق کر دیا گو وہ مدت حکم کی اور مصلحت کی تبدیل کے سوائے اسکے واقف نہوں لیکن الامۃ اذا اختلفوا فی مسئلۃ فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعا منہم علی ان ما عداہا باطل ولا یجوز لاحد بعدہم احداث قول آخر وقیل ہذا فی الصحابۃ خاصۃ وھذا یسمی اجماعا مرکبا (نور الانوار) پس جب کسی مسئلہ میں کسی زمانہ کے لوگوں میں اختلاف ہو چکا تو اُن قولوں کے سوا تیسرا قول باطل

ہے اور پھر بعد اُن کے آنے والے لوگوں کو نئی بات کا نکالنا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے
یہ کہا ہے کہ یہ مخصوص ساتھ صحابہ کے ہے "

**غیر مقلد** :۔ اس اصول کے قایم کرنے سے غرض حضرات فقہاء کی یہی ہے کہ انحصار
مذاہب کا انہیں چار میں ہو جاوے لیکن اگر اختلاف سے مراد ایک ہی زمانہ کا اختلاف
ہے تو وہ ان مذاہب میں بھی موجود ہے کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونوں معصر تھے
اور باہم مخالف اور اگر ایک زمانہ کے اختلاف کی خصوصیت نہیں ہے پس کیونکر ہمارا
اختلاف معتبر نہ ہوگا جس طرح کہ امام شافعی اور احمد حنبل رح کا اختلاف معتبر ہو گئے اور
موافق اصول ماعدا حا باطل کے باطل نہ ٹھہرا "

**مقلد** :۔ الجواب عند صعب (نور الانوار) بیشک یہ ذرا مشکل بات ہے الا ان یقال
الاختلاف المعتبر ھو الذي في زمان واحد والشافعي وغیرہ اذا قالوا قولا انما
یقولان اذا جری بہ رائے ابي یوسف ومحمد مع ابي حنیفۃ اوکان اختلاف
بین الصحابۃ فاخذ ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ بقول صحابی ومالك والشافعي
بقول صحابي آخر (تفسیر احمدی) پس اختلاف معتبر وہی ہے جو ایک زمانہ میں ہو اور اس سے
مذہب شافعی وغیرہ کا باطل نہیں ہوتا اس لیئے کہ جو کچھ انہوں نے اختلاف کیا ہے یا تو وہی
ہے جس میں پہلے سے امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد اُن سے مخالف تھے یا وہ اختلاف صحابہ
میں پہلے ہی ہو چکا تھا "

**غیر مقلد** :۔ خدا کے لیئے انصاف کرو کہ کیسی بارد دلیل ہے اور اُس کا بیان کرنا عقلاء کی
شان سے کیسا بعید ہے کہ ایک زمانہ کا اجماع دوسرے زمانہ کے اجماع کو فسخ کر دے اور وہ
سلف الٰہی سمجھا جاوے اور ایک زمانہ کے دو مختلف قولوں کے بعد دوسرے زمانہ میں تیسرے
قول کا نکالنا جائز ہی نہ ہو بلکہ باطل ٹھہرے "

**مقلد** :۔ کیا آپ اجماع کے منکر ہیں ؟

**غیر مقلد** :۔ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مستند اُس کا کتاب و سنت ہو۔ دوسری یہ
کہ فقط علماء اور فقہا کا اتفاق ہی اتفاق ہو خواہ کسی ضرورت سے خواہ کسی مصلحت سے پہلی صورت کا

---

لـه یہ تقریر نور الانوار کی ہے۔ ۱۲

اجماع واجب الاتباع ہے اور درحقیقت وہ کتاب و سنت کا اتباع ہے اور دوسری قسم کا اتباع نہایت ہی بُرا ہے۔"

**مقلد** "ہماری غرض بھی اجماع سے پہلا ہی اجماع ہے لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم ہر اجماع کی نسبت ثابت کرسکیں کہ مستند اُس کا کتاب و سنت ہے۔ مگر چونکہ بے ایسے استناد کے علما کا اجماع کرنا محال ہے اس لیئے ہر اجماع کو پہلی ہی قسم کا اجماع سمجھنا چاہیئے۔"

**غیر مقلد** "یہی آپ کی غلطی ہے۔"

**مقلد** "دلیل اس غلطی کی بیان کیجیئے۔"

**غیر مقلد** "سُنیئے خدا فرماتا ہے کہ اذا قیل لھم امنوا بما انزل اللہ قالوا بل نتبع ماالفینا علیہ آباءنا۔ کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اُسی کی پیروی کرتے ہیں جو ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہیں وہ بھی اپنے بزرگوں کے اجماع کو ایسے ہی خیال سے واجب الاتباع جانتے تھے۔

دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کہ یہودیوں عیسائیوں نے اپنے احبار اور رہبانوں کو اپنا رب ٹھہرالیا ہے۔ حالانکہ نہ کوئی یہودی نہ کوئی عیسائی کسی رہبان کو رب کہتا تھا بلکہ اُنکی نسبت ایسا خوش عقیدہ رکھتے تھے کہ جو وہ حلال کہہ دیتے اُس کو حلال جانتے۔ جو وہ حرام کہہ دیتے اُس کو حرام سمجھتے [1]۔

اگر خدا کی کتاب پر اطمینان نہ ہو تو فقہا اور علما کے اقوال سُنیئے۔ قال الشعبی ما حدثوک ھٰؤلاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہ وما قالوہ برائھم فالقہ فی الحشیش (ازالۃ الخفا) کہ جو لوگ پیغمبر خدا کی طرف سے کہیں اُسے قبول لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اُسے پاخانہ میں ڈال دو۔

عن عبداللہ ابن عباس وعطا ومجاھد ومالک بن انس رضی اللہ عنھم انھم کانوا یقولون ما من احد الا وھو ماخذ ومن کلامہ ومردود علیہ الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبداللہ ابن عباس اور عطا اور مجاہد اور مالک

---

[1] دیکھو ترمذی شریف ۱۲

ابن انس ان سب کا یہ قول تھا کہ کوئی شخص نہیں ہے مگر اُس کا کلام لیا جا سکتا ہے اور ترک بھی ہو سکتا ہے سوائے رسول مقبول صلے اللہ علیہ سلم کے۔

قال بعض السلف ما جاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلناہ علی الراس والعین وما جاءنا عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم فناخذ منہ و نترک وما جاءنا عن التابعین فھم رجال ونحن رجال کہ جو کچھ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے وہ تو ہمارے سر پر اور ہماری آنکھوں پر اور جو کچھ صحابہؓ نے کہا اور کیا ہے اُس سے ہم لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں اور جو کچھ تابعینؒ نے کہا اور کیا ہے تو وہ بھی آدمی ہے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ومنھا ان یکون اعتمادہ فی علومہ علی بصیرتہ وادراکہ لصفاء قلبہ لا علی الصحف والکتب ولا علی تقلید ما یسمعہ من غیرہ وانما المقلد صاحب الشرع صلوات اللہ علیہ وسلامہ ومن انکشف عن قلبہ الغطاء واستنار بنور الھدایۃ صار فی نفسہ متبوعا مقلدا فلا ینبغی ان یقلد غیرہ کہ عالم کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے علوم میں اپنی بصیرت وادراک پر زیادہ بھروسہ کرے نہ صحیفوں اور کتابوں پر اور نہ دوسرے کی تقلید پر کیونکہ وہ شخص جس کی تقلید ضرور ہے صرف صاحب شریعت ہے پس جو شخص نور ہدایت سے اپنے دل کو روشن کرے گا وہ خود متبوع ہو گا نہ کہ مقلد تو کیونکر دوسروں کی تقلید کرنا زیبا ہو گا۔

ومنھا ان یکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیہ الجمھور فلا یغرنہ اطباق الخلق علی ما احدث بعد الصحابۃ رضی اللہ عنہم (احیاء العلوم) یعنی ہمیشہ محدثات امور سے بچتا رہے گو کہ سب اُس پر متفق ہوں اور ہرگز اجماع خلق پر بعد صحابہ کے فریفتہ نہ ہو اس لیے کہ یہ بڑا دھوکا ہے فان الناس ما ؤ ردیا فیما ھم فیہ میل طباعھم الیہ ولم تسمح نفوسھم بالاعتراف بان ذلک سبب الحرمان من الجنۃ فادعوا انہ لا سبیل الی الجنۃ سواہ ۔ غرضکہ یہ اقوال اور مثل اس کے ہزار اقوال اور ہیں جن سے بُرائی اُس اجماع کی ثابت ہوتی ہے جس کا مستند کتاب سُنت نہ ہو۔"

**مقلد**:۔ وجوب تقلید پر جو اجماع ہے وہ پہلی ہی قسم کا ہے کہ اُس کا مستند کتاب سُنت ہے۔

**غیر مقلد:** یہ آپ کی غلطی ہے۔ تقلید پر جو اجماع ہے وہ وہ اجماع نہیں ہے جس کا مستند کتاب و سنت ہو۔

**مقلد:** اس کو ثابت کیجئے۔

**غیر مقلد:** سنئیے اجماع کو جو اہل اصول نے مثل کتاب و سنت کے شرعی حجت قرار دیا ہے اُسپر غور کرنا ضرور ہے کہ سبب اس کا کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جاوے کہ فقط اُمت کا جمع ہو جانا اور سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق کر لینا ہی حجت شرعی مثل قرآن و حدیث کے ہے تو عقل سلیم اس کو قبول نہ کرے گی کہ اُن لوگوں کی رائے جو کہ غیر معصوم ہیں صرف اتفاق کے سبب ایک معصوم کے قول یا خدا کے کلام کی نہ صرف برابر ہووے بلکہ اُس کو منسوخ کر دے جیسا کہ صاحب دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب اپنی کتاب کی دراست ثامنہ میں لکھتے ہیں ان نفس الاجماع عبارۃ عن اراء مجتمعۃ من علماء عصر واحد واراء الرجال لیست من نسخ کلام المعصوم فی شیئ ولیس فی نفس اجماع الامۃ بمجردہ عندی ما یوجب القطع۔ یعنی اجماع عبارت ہے کسی زمانہ کے علما کی رایوں کے جمع ہونے سے اور آدمیوں کی رایوں کو ایسی قوت نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی بات کو معصوم کی منسوخ کر دے۔ پس میرے نزدیک فقط اُمت کا اجماع دلایل قاطعہ میں سے نہیں ہے پس جب اس قسم کا اجماع یعنی فقط اتفاق کر لینا ہی لوگوں کا قابل حجت نہ ٹھہرا تو ضرور ہوا کہ اُس اجماع کی کوئی سند کتاب و سنت سے ہووے یعنی کسی آیت یا کسی حدیث کے سبب سے اُس اجماع کا ہونا پایا جاوے پس ایسے حال میں درحقیقت کتاب و سنت حجت شرعی ٹھہرے نہ نفس اجماع بلکہ اجماع صرف اُس کے مطلب اور مراد کا ظاہر کرنے والا ٹھہرا اور چونکہ ثبوت اجماع کے لیئے ضرور ہے کہ تمام حافظان حدیث اور مشایخ اور مجتہدین زمانہ کے اُس میں داخل ہوں اور اُن سب کا اتفاق ہو تو ایسی حالت میں اُمت محمدی کا ضلالت پر جمع [illegible]

---

لہ اجماع کے معنی اتفاقیہ جمع ہو جانا لوگوں کا کسی بات پر نہیں ہے یعنی اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اُسکو سب لوگ بغیر غور کے کہتے یا کرتے چلے آتے ہوں تو اُسپر اطلاق اجماع کا نہیں ہو سکتا بلکہ اجماع کے لیئے ضرور ہے کہ اُسپر بحث و تکرار ہوئی ہو اور دلایل موافق و مخالف بحث میں آئے ہوں اور بعد تمام مباحث کے کسی امر پر اجماع ہو گیا ہو پس اگر بعد اُس اجماع کے کوئی ایسی دلیل مخالف پیدا ہو جو اُس اجماع میں مباحثہ میں نہیں آئی تھی تو وہ اجماع حجت نہیں رہتا ۔ ۱۲

محال ہے اس لیے کہ قطع نظر نقل کے عقل سلیم بھی قبول نہیں کرتی کہ سارے علما اور فقہا اور محدث ایسی بات پر اجماع کریں جو کہ کتاب و سنت کے مخالف ہو لیکن ایسا اجماع جس کا مستند کتاب و سنت ہو اور جس میں تمام محدثین اور فقہا داخل ہوں نسبت تقلید کے نہیں ہے کہ ہمکو ہرگز ثابت کرتے ہیں چند دلیلوں سے۔

**اولاً** ۔خدا کی کتاب سے پہلی آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء۔

دوسری آیت ۔فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوالباب۔

تیسری آیت ۔فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر۔

ابن حزم جس کے کلام کو شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں نقل کیا ہے یہی آیتیں حرمت تقلید کے ثبوت میں بیان کرتا ہے۔حیث قال التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا برھان ۔کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں ہے کہ کسی کے قول کو سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے قبول کرے اور ابن حزم ان روایتوں کو نقل کر کے نتیجہ نکالتا ہے کہ فلم یبح اللہ تعالی الرد عند التنازع الی لانہ غیر القرآن والسنۃ یعنی نہیں مباح کیا ہے اللہ تعالےٰ نے رجوع کرنا وقت تنازع کے کسی کی طرف سوائے قرآن اور حدیث کے اور حرام کر دیا ہے اس سے رجوع کرنا کسی کہنے والے کی بات پر اس لیے کہ وہ قرآن و سنت نہیں ہے۔

**ثانیاً** ۔ احادیث نبوی۔باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ احادیث صحاح کے ملاحظے سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا نے ہمیشہ تاکید اپنی اور اپنے اصحاب کی پیروی کی کی۔اور نئی باتوں سے بچنے اور اپنی احادیث پر تمسک کرنے کی کی ہے اور تقلید سے سوائے اپنے امام کے اقوال کی تبعیت کے کوئی نہ حدیث پر عمل کرنیکا مجاز ہے نہ اقوال و اعمال صحابہ پر تمسک کرسکتا ہے۔

**ثالثاً** ۔اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین۔عن ابن عباس اما تخافون ان

تعذبوا ویخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال فلان کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ کیا تم عذاب نازل ہونے سے نہیں ڈرتے ہو جو یہ کہتے ہو کہ پیغمبر خدا نے فرمایا اور فلاں شخص نے یوں کہا ہے یعنی پیغمبر صاحب کے قول کے بعد دوسرے کے قول کو دیکھتے ہو وقال ابن عمر لجابر ابن زید انک من فقہاء البصرة فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة ماضیة فانک ان فعلت غیر ذلک ہلکت واہلکت - کہ حضرت ابن عمر نے جابر ابن زید سے کہا کہ تم بصرہ کے فقیہوں میں سے ہو اس لیئے تم فتوی نہ دینا بجز قرآن ناطق اور حدیث صریح کے ورنہ خود ہلاک ہوگے اور اوروں کو ہلاک کروگے۔

اخرج الترمذی عن ابی السائب قال کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرائے اشعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقول ابو حنیفة ھو مثلة فقال الرجل فانہ قد روی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلة قال رایت وکیعا غضب غضبا شدیدا وقال اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول قال ابراھیم ما احقک بان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا۔ ترمذی نے ابی سائب سے روایت کی ہے کہ میں وکیع کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انھوں نے ایک آدمی سے جو کہ صاحب الرائے تھا کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ وہ مثلہ ہے تو اس آدمی نے کہا کہ ابراہیم نخعی سے ایسی ہی روایت پہونچی ہے یہ سن کر وکیع کو نہایت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں تو کہتا ہوں کہ فرمایا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اور تو کہتا ہے کہ کہا ہے ابراہیم نخعی نے بس تیری یہی سزا ہے کہ تو قید کیا جاوے اور جب تک اپنے اس قول سے نہ پھرے تب تک جیلخانہ میں رہے۔

حدیث عبادة بن الصامت الانصاری النقیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ غزا مع معاویة ارض الروم الی قولہ فقال عبادة احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثنی عن رایک ان اخرجنی اللہ سبحانہ لا اساکنک بارض لک علی فیہا امرة (دراسات) عبادة بن الصامت نے امیر معاویہ سے کہا کہ یہ لوگ چاندی کے ٹکڑوں کو ورم سے اور سونے کے ٹکڑوں کو

دینار سے فروخت کرتے ہیں یہ سود ہے اس لیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا تباعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل امیر معاویہ نے کہا کہ میں اسکو ربا نہیں جانتا تو وہ خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ میں تو پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کا قول بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو اگر خدا نے مجھے اس جگہ سے نکالا تو کبھی میں وہاں نہ رہوں گا جہاں تم امیر ہو۔

قال الهروي وروينا عن محمد الكوفي وكان من اسلام بمكان قال رايت الشافعي رحمه الله تعالى بمسئلة يفتي الناس الى قوله فقال الشافعي رحمه الله عليه ما احوجني يا اسحاق ان يكون غيرك في مرضعك فكنت امرة لغير اذنيه اقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وانت تقول عطاء و طاؤس وابراهيم والحسن وهل لاحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة کہ ایک جگہ امام شافعیؒ اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ جمع تھے۔ ایک مسئلہ پر امام شافعی نے حدیث نقل کی۔ اسحاق بن راہویہ نے بمقابل اس کے حسن اور ابراہیم اور عطاء اور طاؤس کی رائے اور قول کو مخالف اس کے نقل کیا امام شافعی غصہ ہوئے اور کہا کہ اے اسحاق افسوس ہے بجائے تیرے دوسرا آدمی نہ ہو ورنہ میں اس کی گوشمالی کرتا کہ میں تو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں اور تم عطاء اور طاؤس اور ابراہیم اور حسن کے قول کو نقل کرتے ہو کسی کو پیغمبر خدا کے ساتھ کچھ حجت نہیں ہے۔

قال محيي السنه وجاء رجل الى مالك فسئله عن مسئلة فقال له قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا فقال الرجل ما رايك فقال مالك فليحذر الذين يخالفون عن امره ان يصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم الا اقوله ان التعزير الوارد على مثل اسحاق رحمه الله عليه مع جلالة قدره من الشافعي رحمة الله عليه لم يكن في نهيه من التفوه بقول الفقيه في مقابلة الحديث۔ کہ ایک شخص نے امام مالکؒ سے آکر ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے کچھ جواب دیا کہ ایسا ایسا فرمایا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس شخص نے کہا پھر تم کیا کہتے ہو۔ امام مالک خفا ہوئے اور کہا کہ تو نے قدر پیغمبر خدا کی نہ جانی اب تو سوچ کر اسحاق بن راہویہ سے جلیل القدر امام کو امام شافعی نے صرف اسی سبب سے قابل تعزیر

جانا کہ اُنہوں نے مقابلہ میں حدیث کے فقیہہ کے قول کو نقل کیا تھا پس اِس قول سے امام مالکؒ نے اُس شخص کو ڈرایا جو کہ مقابلہ حدیث کے دوسری رائے دریافت کرے۔

قیل الشعبی لا تحضر المسجد فقال لقد ابغض الی هؤلاء هذا المسجد حتیٰ صار ابغض الی من کناسة داري فقيل له من هؤلاء يا ابا عمر فقال اصحاب الرائے کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ مسجد میں نہیں آیا کرتے اُنہوں نے جواب دیا کہ لوگوں نے مجھے مسجد کا ایسا دشمن کر دیا ہے کہ میں اُس کو اپنے گھر کی بُری سے بُری جگہ سے بھی زیادہ بُرا جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کون سے لوگ ہیں۔ تب اُنہوں نے کہا کہ اصحاب رائے۔

قالوا لاحمد مرة لم لا تصنع للناس فی الفقه شيئاً فقال او لاحد کلام مع الله تعالیٰ و رسوله صلی الله علیه وسلم کہ امام احمد حنبلؒ سے کسی نے کہا کہ آپ فقہ میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے۔ جواب دیا کہ خدا اور رسول کے ہوتے ہوئے کسی کو مجال کلام کی نہیں ہے۔

غرض کہ مثل اس کے اَور صدہا اقوال صحابہ و تابعین کے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید کسی کی سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ چاہئیے لیکن ہم قطع نظر ان اقوال کے خاص چاروں امام کے اقوال کو نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی تقلید کامل کو جائز ہی نہیں رکھا۔

یواقیت وجواہر میں لکھا ہے کہ روي عن ابي حنيفة انه کان يقول لا ينبغي لمن لا يعرف دليلي ان يفتي بکلاميؒ وکان رضي الله عنه اذا افتی يقول هذا رای النعمان ابن ثابت کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ جو شخص میری دلیلوں کو نہ جانے اُسے سزاوار نہیں ہے کہ میرے کلام پر فتویٰ دے اور خود اُن کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ کچھ فتویٰ دیتے تو صاف یہ کہدیتے کہ یہ رائے نعمان ابن ثابت کی یعنی میری ہے۔

---

لہ برخلاف اس کے متعلین فرماتے ہیں کہ بتحقیق علمار فرمودہ اند واجب است اتباع بقول امام اعظمؒ ہر چند نداند دلیل گفتہ چنانکہ در فتاوی غیریہ وغیرہ گفتہ۔ لوامع الالہام لمطبع الاوہام۔ ۱۲

روی الحاکم والبیهقي عن الشافعي رضي الله عنه انه كان يقول اذا صح الحديث فهو مذهبي وفي رواية اذا رايتم كلامي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط - کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رح سے روایت کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر حدیث کی صحت ہو جاوے تو وہی مذہب میرا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر کوئی کلام میرا حدیث کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار سے پٹکو -

وقال يوما للمزني يا ابراهيم لا تقلدني في كل ما اقول وانظر في ذالك لنفسك فانه دين کہ امام شافعی رح اپنے شاگرد مزنی سے کہا کرتے کہ اے ابراہیم میری تقلید نہ کرنا ہر ایک بات میں جو کہتا ہوں بلکہ تو اپنی ذات سے بھی اُسپر نظر کرنا اس لیئے کہ یہ دین ہے اسمیں اعتماد اَور کسی کے قول پر نہیں چاہیئے -

وكان رضي الله عنه يقول لا حجة في قول احد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم وان كثروا الا في قياس ولا في شئ - کہ امام شافعی رح کہا کرتے کہ کسی کا قول کسی کا قیاس اَور کوئی چیز کسی امر میں کچھ حجت نہیں ہے سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ اُس قول اور قیاس پر بہت سے شخص متفق ہوں -

وكان الامام احمد رضي الله عنه يقول ليس لاحد مع الله ورسوله كلام کہ امام احمد حنبل رح فرماتے تھے کہ خدا اور رسول کے ساتھ کسی کو کلام نہیں ہے -

وقال ايضا لرجل لا تقلدني ولا تقلدن مالكا ولا الاوزاعي ولا النخعي ولا غيرهم وخذ الاحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة کہ امام احمد حنبل رح نے ایک شخص سے کہا کہ تو نہ میری تقلید کر اور نہ امام مالک کی نہ اوزاعی کی - نہ نخعی کی ورنہ کسی اَور کی - بلکہ جہاں سے اُنہوں نے احکام نکالے ہیں یعنی کتاب و سنت سے وہیں سے تو بھی نکال -

عن ابي يوسف وزفر رحمة الله عليهما انهم قالوا لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا مالم يعلم من اين قلنا - کہ امام ابو یوسف اور زفر رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ حلال نہیں ہے کسی کو یہ کہ فتوے دے ہمارے قول پر جب تک کہ وہ یہ نہ جانے کہ کہاں سے ہم نے کہا ہے -

پس باوجود ایسی تصریحات کے جو اُن آئمہ اربعہ اور اُن کے خاص شاگردوں نے عدم تقلید پر کی ہیں اگر کوئی تقلید کو واجب اور عمل بالحدیث کو ناجائز کہے وہ حقیقت میں ان اماموں کا مقلد نہیں ہے بلکہ اپنی ہوا و ہوس اور رسم و رواج کی پابندی کا۔

غرضکہ ان چند قولوں کے نقل کرنے سے ثابت ہوا کہ نہ صحابہ[1] کے زمانہ میں نہ تابعین کے زمانہ میں نہ تبع تابعین کے زمانہ میں تقلید جاری ہوئی۔ نہ کسی نے ان قرون ثلاثہ میں اسکو واجب جانا بلکہ جس طرح پر آج کل لوگ عمل کرتے ہیں ایسا ہی عمل کسی کے قول پر بھی نہیں کیا تو باوجود اس کے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ تقلید واجب ہے اور تارک اُس کا گنہگار اور واجب التعزیر حقیقت میں دوسری شریعت قائم کرنا اور نیا دین کھڑا کرنا ہے ونعوذ باللہ منہ۔

اگر ہم ان زمانوں پر بھی خیال نہ کریں اور آئندہ آنیوالے زمانوں پر نظر کریں کہ پھر پیچھے تقلید پر اجماع ہو گیا ہو تو وہ بھی ہم نہیں پاتے اس لئے کہ بعد اُس کے جتنے لوگ ہوئے وہ یا محدث تھے یا اہل تصوف یا فقہا یا عوام۔ پس اصلی محدث تو ہزاروں میں ایک ہی دو ایسے ہوں گے جنہوں نے تقلید کی ہو ورنہ جو لوگ اصل حدیث کے جمع کرنے والے اور اُس کے جاری کرنے والے ہیں وہ تقلید کے نام سے بھاگتے تھے اور اُسکو بدعت جانتے تھے اور جو اہل تصوف تھے اُن کا بھی یہی حال ہے کہ ہمیشہ تقلید سے نفرت کیا کئے اور اُسکی برائی بیان کرتے رہے۔ رہ گئے فقہا اور علماء۔ اُن میں سے بھی جو محقق تھے وہ غیر مقلد رہے اور جو تحقیق اور اجتہاد کے اعلےٰ درجہ پر نہ تھے اُنہوں نے تقلید پر قناعت کی اور عوام تو کالانعام ہیں۔ اُن کا کچھ ذکر نہیں پس حقیقت میں اجماع جس کا نام ہے وہ کسی زمانہ میں نسبت وجوب تقلید کے نہیں ہوا۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ چوتھی صدی سے ابتک اکثر لوگ تقلید کے پابند ہو گئے اور روز بروز اُسکی پابندی بڑھ گئی مگر بمقابلہ محدثین اور محققین کے اَور لوگوں کی کثرت کچھ بھی لایق لحاظ کے نہیں ہے ورنہ صرف کثرت پر اگر لحاظ کیا جاوے تو ساری بدعتیں اہل

---

[1] صحابہ کے زمانہ میں تقلید جاری نہ ہونے سے یہ غرض ہے کہ کوئی ایک شخص اُن میں سے ایسا نہیں بتایا گیا کہ جس کے سارے اقوال اوروں نے مانے ہوں یا جس کی سب باتوں کو اوروں نے واجب التعمیل جانا ہو۔

تعزیہ پرستی اور قبر پرستی وغیرہ سب اسی اجماع کی دلیل سے عبادات میں داخل ہوجاویں۔ اور اُن کا ترک کرنا خرق اجماع کہلاوے۔ ولم یقل بہ احد اور اجماع کی نسبت اہل اصول نے بھی یہی کہا ہے کہ اجماع مجتہدین صالحین کا اجماع ہے نہ اجماع مقلدین کا اور مطابق قول مقلدین کے مجتہد بعد آئمہ اربعہ کے کم ہوئے ہیں اور جو مجتہد ہوا ہے وہ مقلد نہیں ہوا پس جس قدر اور علماء اور فقہا تقلید کے وجوب کے معتقد ہیں اُنکا اجماع حقیقت میں مطابق اصول کے اجماع نہیں ہے ؛

**مقلد** :۔ آپ کے روبرو جب ہم نے علماء فقہا کے اقوال کو تقلید کے وجوب پر پیش کیا تب آپ نے اُن کو تسلیم نہ کیا اور پھر آپ اُنہیں کے اقوال کو اپنے دعویٰ عدم وجوب تقلید پر پیش کرتے ہیں ؛

**غیر مقلد** :۔ درحقیقت ہم تو صرف کتاب و سنت ہی کو دلیل عدم وجوب تقلید کی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ اور اِس زمانہ کے اکثر لوگ عادی اِس کے ہو گئے ہیں کہ بغیر حوالہ کتاب اور سند علماء کے اقوال کے وہ کسی بات کو نہیں مانتے اس لیئے ہم نے آپ کے اور اِس زمانہ کے لوگوں کے سمجھانے کے لیئے اُن کے قولوں کو نقل کیا اور نقل کرنے پر آمادہ ہیں ورنہ ہم اپنی ذات کے لیئے اُسکی کچھ ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہمکو تو خدا اور رسول کے کلام پر تمسک ہے اور اسپر ایسا یقین ہے کہ بالفرض اگر ایک مولوی اور ایک عالم کا قول بھی ہمارے موافق نہ ہوتا تب بھی ہمارے عقیدہ میں کچھ خلل نہ آتا اور خدا کی کتاب اور رسول کے اقوال کو چھوڑ کر ہم کسی کی بات پر کان بھی نہ لگاتے۔ علاوہ اس کے ان قولوں کے نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ جو بار بار آپ کی زبان سے لفظ اجماع کا نکلتا ہے اُس کا بطلان ظاہر ہو جاتے اور ان بڑے بڑے محققین و علما اور آئمہ دین کے اقوال سے آپ کے دعوے وجوب تقلید کا غلط ہونا سب پر کھل جاوے۔ ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور محدثین اور مجتہدین اور محققین کا تقلید نہ کرنا اور اُس کو بُرا جاننا تو عدم وجوب تقلید کی دلیل نہ ٹھہری اور اُن کا ایک بات پر اتفاق کرنا اجماع نہ کہلاوے اور بعد قرون ثلثہ کے جو لوگ آدمیوں میں کے مراتب ورع و تقویٰ اور مدارج علم و تحقیق اُن متقدمین کے برابر نہوں اور پھر وہ بھی سب کے سب ایک بات پر متفق نہوں اُنکا تقلید کو جائز کہدینا وجوب تقلید پر ایسی دلیل ہوجاوے کہ اُس کا منکر بدعتی اور فاسق

اور واجب التعزیر ٹھہرے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا لشئی عجاب۔"

**مقلد**:- جو لوگ کہ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اُن کا قول مرجوح ہے اور جو لوگ اُس کو واجب اور جائز جانتے ہیں وہ بہت ہیں اور سواد اعظم وہی ہے جس جانب بہت لوگ ہوں اس لیئے آپ کا استناد چند ہی علماء کے اقوال پر ہے اور ہمارا استناد ہزاروں کے قول پر"

**غیر مقلد**:- یہ دونوں دعویٰ غلط ہیں اول یہ کہنا کہ واجب العمل وہ قول ہے جس پر بہت لوگ متفق ہوں اور اُس کو سواد اعظم جاننا۔ دوسرے یہ سمجھنا کہ وجوب تقلید کی طرف اکثر لوگ ہیں اور جس طرف بہت لوگ ہوں اُسکی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے۔ اول دعوےٰ کی غلطی پر چند قول میں نقل کرتا ہوں کہ بعض مفسرین نے آیت ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک کی تفسیر میں کہا ہے کہ فی ھذا دلالۃ علی انہ لا عبرۃ فی دین اللہ ومعرفۃ الحق بالقلۃ والکثرۃ بجواز ان یکون الحق مع الاقل کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ کچھ اعتبار نہیں ہے خدا کے دین میں اور حق کے پہچاننے میں قلت اور کثرت پر اس لیئے کہ جائز ہے کہ حق وہی ہو جس طرف تھوڑے لوگ ہیں۔

ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف بن اسباط سے کہا کہ اذا بلغک عن احد بالمشرق انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام واذا بلغک عن آخر بالمغرب انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام فقد قل اھل سنۃ کہ اگر مشرق میں ایک اور مغرب میں دوسرا پابند سنت کا ہو تو اُس کو سلام بھیجو اس لیئے کہ سنت پر چلنے والے بہت ہی کم ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ سواد اعظم وہی ہے جو تابع کتاب یعنی قرآن اور سنت کا ہو وان ماسواھا لا یلتفت الیھم وان امتلاء العالم منھم کہ جو کتاب و سنت کے سوا ہو اُس پر التفات نہ کرنا چاہیئے اگرچہ اُن سے جہان بھرا ہو اور جماعت کے معنی میں ایک بزرگ نے کہا ہے کہ الجماعۃ دالۃ بجماعۃ اھل الحق وان قلوا کہ جماعت نام ہے اہل حق کے جمع ہونے کا ایک حق بات پر اگرچہ وہ بہت ہی کم ہوں۔

سواد اعظم کے معنی میں ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ ان فیھم من
الصفات الموجبۃ المقبول ما تقوم مقام العدد الکثیر من غیرھم ولذا
سمیت مثل ھذا الامام امۃ قال اللہ تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃ لانہ
یجتمع فیہ من الصفات مالا یوجد متفرقۃ الا فی جماعۃ ولذا قال الشاعر
لیس من اللہ بمستنکر ۔ ان یجمع العالم فی احد ۔ وقد قیل فی حدیث
المشھور علیکم بالسواد الاعظم ای الاورع الاسلام ۔ پس جبکہ ایک شخص پر
اطلاق امت کا خدا کے کلام سے ثابت ہوا اس لیئے کہ وہ ایک اُن باتوں کا جامع تھا
جو کہ متفرق گروہوں میں علیحدہ پائی جاتیں اور خدا کا ایک شخص کو بمنزلہ ایک جہان
کے بتا دینا عجب نہیں اور سواد اعظم سے مراد زیادہ پرہیزگار سے لی گئی ہو تو پھر کثرت
عوام کو کسی مسئلہ کی صحت پر دلیل لانا بچوں کو پھسلانا اور عوام کو خوش کرنا ہے
ورنہ ہیچ ۔

فاضل روزبہان کتاب ابطال الباطل میں جہاں حدیث لا یزال طائفۃ من امتی
منصورین لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں فحاصل
الحدیث لا یزال طائفۃ قلیلۃ من التی منصورین بالحجۃ والبرھان ۔

پس معلوم ہوا کہ وہ گروہ جو ہمیشہ غالب رہے گا وہ وہی قلیل آدمیوں کا گروہ ہے جو کہ
اپنی حجت شرعی سے اَوروں پر غالب ہوگا اور کوئی اُس کو مغلوب نہ کر سکیگا اور یہ گروہ
وُہی ہے جو کہ تابع کتاب و سنت ہے کہ نہ اُس کے سامنے رسم و رواج کی سند پیش جاتی ہے نہ
بدعتیوں کی پوچ اور بیہودہ دلیلیں چل سکتی ہیں نہ علماء دنیا طلب کی چکنی چکنی باتوں کی
وضعیت اثر کرتی ہے نہ قوموں کی کثرت اور عوام کی جمعیت اور تبعیت اُسکو رد کر سکتی
ہے ۔ خدا کی کتاب اور رسولؐ کی حدیث کے سامنے سب کو مغلوبیت ہو جاتی ہے ۔ دیکھنا
چاہیئے کہ اس کا مصداق کون ہے ۔ وہ فرقہ جو تقلید کرتا ہے یا وہ فرقہ جو تقلید کا تارک ہے
دونوں کی دلیلوں کو دیکھو اور پھر خدا کی کتاب رسولؐ کی احادیث سے ملاؤ اور تعصب کی آنکھ
تھوڑی دیر بند کر کے انصاف کرو ۔

صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام بالسنۃ میں لکھا ہے کہ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین
علی الحق اور ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ھم اصحاب الحدیث کہ وہ لوگ

اصحاب حدیث ہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ اگر مراد اس طائفہ سے اہل حدیث نہ ہو تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون لوگ اس سے مراد ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احیاء العلوم میں ومنهاان یکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیه الجمهور فلا یغرنه اطباق الخلق علی ما احدث بعد الصحابۃ

غرض کہ کثرت اقوال پر مغرور ہونا یا کثرت اشخاص پر فریفتہ ہونا نہایت ہی نادانی اور خلاف حکم شریعت ہے۔ ہم مسلمانوں کو بجہت اسلام کے امور دین میں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ کتاب و سنت سے کیا ثابت ہوتا ہے نہ اَور کچھ اور اُسکو چھوڑکر لوگوں کے اقوال پر نظر کرنا اور خدا کے کلام و رسول کے قول کو اَور بندوں کی باتوں سے جانچنا اور اصل کو فرع پر عرض کرنا شان اسلام سے بعید ہے۔

اگر کوئی مشرک یا اہل کتاب سن پاوے کہ مسلمانوں نے اپنے دین میں سوائے کتاب و سنت کے اَور لوگوں کی باتوں پر چلنا جائز رکھا ہے تو وہ اسلام کی بربادی کی نہایت عمدہ فال سمجھے اور اگر یہ خبر پاوے کہ انہوں نے اس امر کو واجب سمجھ لیا ہے اور اُس کے خلاف سمجھنے والے کو بدعتی یا فاسق یا دشمن اسلام کہتے ہیں تب تو مارے خوشی کے مرہی جاوے اور اسلام کے خاتمہ پر شادیانے خوشی کے بجاوے اس لیئے کہ اگر خوبی اسلام کی اُسکی نظروں میں ہوتی تو اسی سے ہوتی کہ اسلام کے بانی نے کامل توحید کو جاری کیا اور ساری قسم کے شرک کو خفی ہو یا جلی باطل کردیا اور تمام رسموں و بنائی ہوئی باتوں کو توڑ دیا اور ادیان سابقہ کی تحریف کرنے والوں کی تحریفات کو واجب الترک والانکار بتلایا۔ پس جبکہ اسی مذہب کے لوگ توحید سے پھر گئے اور شرک فی صفۃ النبوۃ ہوگئے اور رسموں کی پابندی اور اپنے بھائی بندوں کی باتوں پر نہ قانع بلکہ متمسک ہوگئے اور اپنے خدا کے کلام پر عمل کرنے کے لیئے لوگوں کے فتووں پر نظر کرنے لگے اور اپنے رسول کے قول پر چلنے کے لیئے عالموں کے حکم کے پابند ہوگئے کہ جب تک اُن کے مولوی نہ کہدیں وہ نہ خدا کی کتاب پر عمل کرسکتے ہیں نہ رسول کی حدیث پر تو پھر ایسی ابتری پر اسلام کی جو کچھ وہ خوشی کریں وہ حق بجانب ہے اور جب وہ اس بات سے واقف ہوں

کہ یہ قول اور عمل صرف عوام ہی کا نہیں ہے کہ وہ بمجبوری اُس کے قایل اور اُسپر عامل
ہوئے ہوں بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں کا جن کا علامہ اور حضرت اور قبلہ اور
کعبہ کے سوا کوئی نام نہیں لیتا یہی عقیدہ ہوگیا ہے اور گروہ کا گروہ اُسپر قایل ہو
رہا ہے اور دین اسلام کا مدار ہی اُسپر آگیا ہے تو معلوم نہیں کہ اس شکرانہ میں مشرک
اپنے بتوں پر کیا کچھ چڑھاویں اور نصاریٰ اپنے حضرت مسیح کی کیا کچھ اپنے حال پر
عنایت سمجھیں ؎

**مقلد** ؎ خیر یہ زبان درازی چھوڑیے اور دوسرے دعوے کو اپنے ثابت کیجئے۔
جو آپنے کہا ہے کہ جس طرف بہت لوگ ہوں اُس سے مخالفت کرنا اجماع کی مخالفت
نہیں ہے ؎

**غیر مقلد** ؎ سُنئیے - ابو محمد علي بن احمد بن سعید بن حزم بن غالبُ اندلسی اپنی کتاب
محلیٰ کی کتاب الاشربہ میں بہ نسبت دعوی اجماع کے لکھتا ہے - ھذا ای دعوی
الاجماع قول في غاية الفساد لانه يبطل عليهم جمهور اقوالهم و
يلزمهم ان لا يلزموا زكوة الا حيث اوجبها الاجماع ولا فريضة حج او
صلوة الا حيث صح الاجماع على وجوبها ولا سوء الزنا الا حيث جمعت
الامة انه زناء ومن الزم هذا المذهب خرج عن دين الاسلام بلا شك
بوجهين احدهما انه مذهب مفترى لم يامر الله تعالى قط بان لا نتبع
الا الاجماع ولا قال تعالى به قط ولا رسوله به وانما امر الله عز وجل باتباع
القرآن وسنة النبي واولى الامر باتباع الاجماع ولم يامر الله تعالى قط
بان لا يتبع الا الاجماع ولا قال تعالى قط ولا رسوله لا تاخذوا فيما اختلف فيه
الا ما اجمع عليه ومن ادعى فقد افترى على الله الكذب فاتى بدين ممنع مبتدع
وبالضلال المبين انما قال تعالى اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم وقال تعالى
وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا وقال تعالى فان تنازعتم
في شيء فردوه الى الاجماع فمن ترد ما نوزع فيه الى الاجماع لا الى نص القرآن
والسنة فقد عصى الله تعالى ورسوله تنزع من الذين ما لم ياذن به الله تعالى
واما نحن فنتبع الاجماع فما صح انهم اجمعوا عليه ولا نخالفه اصلاً ونرد ما نوزع

فیہ الی القرآن والسنۃ فناخذ ما فیہا وان لم یجمع علی الاخذ بہ وبہذا
امر اللہ تعالی ورسولہ وعلیہ اجمع اہل اسلام وما نعلم احدا قط قال لا التزام
فی شیئ من الدین الا ما اجمع الناس علیہ فقد صار واہذا الاصل متخالفین
الاجماع بلا شک والوجہ الثانی انہ مذہب یقتضی ان لا یلتفت الی القرآن
والسنن اذا وجد الاختلاف فی شیئ من احکامہا ولیس من ہذا امر
دین الاسلام فی شیئ مع انہ فی اکثر الامر کذب علی انہ قول بلا علم و
ایضا فانہم لا یلتزمون ہذا الاصل الفاسد الا فی مسائل قلیلۃ جدا وہو
یبطل سایر مذاہبہم لعیاد علیہم وباللہ التوفیق۔ کہ اجماع کا دعوی کرنا
ایک ایسا قول ہے جس کا فساد ظاہر ہے۔ اس لیئے کہ اس سے سارے اقوال باطل
ہوتے ہیں اور ایسے دعوی کرنے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ نہ زکوۃ کو واجب جانیں
نہ حج ونماز کی فرضیت کے قایل ہوں ورنہ تاکی برائی پر اعتقاد رکھیں مگر اسی وجہ
سے کہ اُسپر اجماع ہے اور جو ایسا کرے وہ دین اسلام سے خارج ہے دو وجہ سے اوّل
یہ کہ یہ بنایا ہوا مذہب ہے خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ سوائے اجماع کے اور کسی کا اتباع
نہ کرنا اور نہ رسول نے ایسا فرمایا ہے بلکہ خدا نے تو قرآن سنت اور اولوا الامر کے اتباع
کا حکم دیا ہے یہ کہیں نہیں کہا کہ جب کسی امر میں اختلاف ہو تو وہی بات ماننا
جسپر اجماع ہو۔ جو ایسا دعوی کرے وہ خدا پر تہمت کرتا ہے اور نیا دین بنانا چاہتا ہے
اس لیئے کہ خدا نے صاف صاف کہدیا ہے کہ جو تمہارے رب نے بھیجا اُسکی اتباع
کرو۔ اور پھر فرمادیا ہے کہ جو رسول کہے اُسے لو اور جس سے منع کرے چھوڑ دو۔ اور
نیز ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کسی بات میں جھگڑا ہو تو خدا رسول سے رجوع کرو اس لیئے
ہم اُس امر میں اجماع کا اتباع کرتے ہیں جس میں ہمکو ثابت ہو کہ سب اُسپر متفق
ہیں اور اُن کا اجماع کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہے۔ اور اگر آپس میں اختلاف ہے
تو ہم قرآن وحدیث پر رجوع کرتے ہیں جس کو اُس کے مطابق پاتے ہیں اُسپر عمل کرتے
ہیں گو اُسپر اجماع نہ ہو۔ اور بس یہی وہ طریقہ ہے جس کا حکم خدا اور رسول نے دیا ہے۔ دوسرے
یہ کہ اجماع کے دعوی سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت اختلاف میں ہمکو قرآن وحدیث
پر رجوع کرنا نہ چاہیئے بلکہ اجماع پر کہ بہتوں کی رائے کیا ہے تو حقیقت میں یہ بات دین

اسلام کی نہیں ہے"

**مقلد**:- سبحان اللہ آپ بڑے محقق کا کلام اپنے دعوے کی دلیل میں لائے ابن حزم تو بدعتی تھا اور اسکو فقہاء نے نکال دیا تھا وہ جنگل میں مر گیا"

**غیر مقلد**:- یہ سچ ہے کہ فقہا نے بدعتی کہکر نکال دیا تھا مگر اسی قصور میں کہ اُسنے فقہا کے اقوال کو بالائے طاق رکھکر خدا کی کتاب اور رسول کی احادیث پر رجوع کی تھی لیکن شکر ہے کہ اُس کے کلام کی تصدیق اور علمائنے بھی کی ہے چنانچہ حجۃ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اجماع کی نسبت ایسا ہی کچھ کہا ہے اور ابن حزم کے قول حرمت تقلید کو باطل نہیں گردانا بلکہ اُسکو اور پورا کر دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ابن حزم کا کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو حلال نہیں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے اور کسی کے قول کو لے اس لیئے کہ چند آیتوں میں اللہ جلشانہ نے اپنے ہی اور اپنے رسول ہی کی تبعیت کا حکم کیا ہے اور تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اول سے آخر تک اسی امر اجماع ہے کہ ایک انسان کو بنے جیسے دوسرے انسان کے سب قوال کا لینا منع ہے پس جو شخص سب اقوال کو امام ابو حنیفہ یا شافعی وغیرہ کے لیتا ہے اور خدا کی کتاب اور رسول کی سنت پر اعتماد نہیں کرتا وہ مخالف تینوں نیک زمانہ کے اجماع کا ہے اور جو ایسا ہو وہ اُس راہ پر چلتا ہے جو مسلمانوں کی نہیں ہے پس یہ قول ابن حزم کا بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے مگر اُس شخص کے حق میں جو کہ طاقت اجتہاد کی رکھتا ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں ہو اور یا اُسکو صاف ثابت ہو جاوے کہ پیغمبر صاحب نے ایسا فرمایا ہے یا اُس سے منع کیا ہے اور یہ بھی اُسکو معلوم ہو کہ یہ منسوخ نہیں ہے ایسی حالت میں حدیث سے مخالفت کرنے کا کوئی سبب بجز نفاق خفی یا حماقت جلی کے نہیں ہے"

**مقلد**:- یہ قول بھی اُس شخص کا ہے جسکو ہم غیر مقلد جانتے ہیں اور جس کے اقوال کو ہم نہیں مانتے وہ بھی تمہاری ہی طرح سے خلاف طریقہ اور علماء کے تقلید کا تارک تھا"

**غیر مقلد**:- قطع نظر ان کے صدہا اقوال عدم وجوب تقلید پر ہمکو معلوم ہیں کہ بطور نمونہ کے چند اقوال ہم آپ کو سناتے ہیں۔

اوّل - قال الشیخ عزالدین عبدالسلام ومن العجب العجیب (اصل قول ازالۃ الخفا میں منقول ہے) یعنی سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ فقہاء مقلدین اپنے امام کے قول کے ماخذ کے ضعیف ہونے سے واقف ہوجاتے ہیں اور کچھ جواب اُس کے ضعف کا نہیں رکھتے اور باایں ہمہ اپنے امام کے قول کی تقلید نہیں چھوڑتے بلکہ بسبب تقلید کے صریح حکم کتاب و سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور ظاہر کتاب و سنت کے ترک کرنے کے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور تاویلات بعیدہ اور باطل قرآن و حدیث میں کرتے ہیں حالانکہ اگلے لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ بغیر پابندی کسی مذہب کے جس عالم سے چاہتے مسئلہ پوچھ لیتے مگر جب سے کہ یہ مذہب ظاہر ہوئے اور مقلدین میں تعصب آیا تب سے یہ حال ہوگیا ہے کہ اپنے ہی امام کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ دلیل و برہان کو نہیں دیکھتے اور اُس کو مثل نبی مرسل کے جانتے ہیں اور جو ایسا کرے وہ حق سے دور ہے۔

دوسرے - قال الامام ابوشامہ ینبغی لمن اشتغل بالفقہ ان لا یقتصر علی مذھب امام ویعتقد فی کل مسئلۃ صحۃ ما کان اقرب الی دلالۃ الکتاب والسنۃ المحکمۃ یعنی امام ابوشامہ نے کہا ہے کہ اُس شخص کو جو فقہ میں مشغول ہو چاہیے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر حصر نہ کرے بلکہ ہر مسئلہ میں اُس چیز کی صحت کا معتقد ہو جو قریب تر ہو کتاب و سنت سے۔

تیسرے - عبدالوہاب شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی کہ حرام ہے اُس شخص پر جو میری دلیل کو نہ پہچانے یہ کہ فتویٰ دیوے میرے کلام پر اور شیخ تقی الدین نے ابن حزم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ لیس لاحد مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول اذا صح الخبر عنہ کہ کسی کے قول کو کچھ اعتبار نہیں ہے بمقابل رسول کے قول جبکہ صحت حدیث کی ثابت ہوجاوے۔

چوتھے - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی جو حدیث ثابت ہوجاوے وُہی میرا مذہب ہے۔

پانچویں - دراساۃ اللبیب میں لکھا ہے وقد صح منہ ایضا انہ قال اتوکوا قولی بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ لم یدع ھو ولا احد غیرہ من المجتہدین

الاحاطة بكل قول صح من الرسول صلى الله عليه وسلم في زمانه فضلا عما بعد زمانه یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میرے قول کو چھوڑ دو جبکہ قول رسول صلعم کا پاؤ اس لیئے کہ امام موصوف یا اور کسی مجتہد نے یہ دعوی نہیں کیا کہ ساری حدیثیں اُن تک پہنچ گئیں۔ اُن کے زمانہ میں چہ جائے کہ وہ حدیثیں جو بعد اُنکے زمانہ کے معلوم ہوئیں۔

چھٹے۔ امام شعراوی نے منہج میں لکھا ہے کہ امام شافعی رح فرماتے ہیں كل شيئي خالف امر رسول الله صلى الله عليه وسلم سقط ولا يقوم معه حجة ولا قياس فان الله تعالى قد قطع العذر لقوله صلى الله عليه وسلم فليس لاحد معه حجة وقال ايضا اذا ثبت الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم لم يحل تركه لشيئي ابدا۔ یعنی بمقابل قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا کلام حجت نہیں ہے اور بعد ثبوت حدیث کے ترک کرنا حدیث کا جائز نہیں ہے۔

ساتویں۔ امام شعراوی منہج میں امام شافعیؒ کے اقوال میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں انظروا في امر دينكم فان التقليد المحض مذموم وفيه عمي للبصيرة وكان كثيرا ما يذم التقليد ويقول قبيح على من اعطى شمعة ليستضئي بها ان يطفئها ويمشي في الظلام۔ کہ اپنے دین میں ہوشیار رہو تقلید محض پر قانع نہ ہو اس لیئے کہ وہ بصیرت کو اندھا کردیتی ہے اور نہایت بری ہے اور امام شافعی رح اکثر تقلید کی برائی کرتے اور کہتے کہ نہایت قبیح ہے حال اُس شخص کا کہ جسکو خدا شمع روشن عطا کرے تاکہ اُسکی روشنی پاوے اور وہ اُسے بجھادے اور تاریکی میں چلے۔

آٹھویں کتاب لوائح الانوار القدسیہ میں لکھا ہے کہ ومن شان الفقيه المحقق ترك التعصب لامامه اذا علم ضعف دليله وعلم صحة دليل مذهب الغير ان امامه لم يقل له قلدني في كل ما قلته لعلمه بعدم العصمة من الخطأ کہ شان فقیہ محقق کی یہ ہے کہ وہ تعصب اپنے امام کا چھوڑ دے جبکہ اُسکو اُسکی دلیل کا ضعف معلوم ہوجاوے اس لیئے کہ اُس کے امام نے یہ نہیں کہا ہے کہ ہر بات میں جو میں کہتا ہوں میری تقلید کرنا اس لیئے کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم خطا سے محفوظ نہیں ہیں۔

نویں شیخ محی الدین عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۲۸ معرفت نسخ شریعت میں

لکھتے ہیں ان الشیطان قد مکنہ اللہ تعالیٰ علیٰ حضرۃ الخیال وجعل لہ سلطانا فیھا فاذا رای الفقیہ یمیل الی ھوی الخ - یعنی شیطان کو خدا نے خیال پر تسلط دیا ہے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اُسکو بہکاتا ہے اور یہہ وسوسہ دیتا ہے کہ یہ روایت خدا کی طرف سے ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پچھلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے خدا تک پہونچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے اور ایسی ایسی باتیں اُس فقیہہ کے دل میں ڈال کر اُس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے اُسے ایک حیلہ شرعی تبلا دیتا ہے پس وہ فقیہہ احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھدیتا ہے اور اُس کے عدم قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر صحیح ہے تو کوئی دوسری حدیث معارض اور ناسخ اُس کی نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی رہ اُسپر عمل کرتے یا امام ابوحنیفہ رہ اُسپر عامل ہوتے - غرضکہ جو فقیہہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر اور حیلے کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والے کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن اماموں نے کہدیا اُس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ اُن کے اقوال احادیث کے معارض ہوں لیکن وہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے پس اگر ہم اُس سے کہیں کہ امام شافعی رح صاف کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث تمکو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پھینکو اور حدیث پر عمل کرو اِس لیئے کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو اور مثل اسی کے امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ہے اور یہ قول اُنہیں کے مقلدین سے ثابت ہے پس ایسی باتوں کو سُنکر مقلد چُپ ہو جاتے ہیں اور کچھ جواب معقول نہیں دے سکتے اور ایسے مباحثہ کا مجھے اکثر اتفاق ہوا - غرض خواہشات نفسانی کے سبب شریعت محمدی کو فقہا نے منسوخ کردیا کہ باوجودیکہ احادیث صحیح کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور اُن کا جرح و تعدیل بھی منقول ہے اور اُن کی سندیں بلا تبدیل و تغیر کے بھی محفوظ ہیں لیکن باوجود اِن سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی اُن پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں کے فتووں ہی پر رجوع کرتے ہیں اور باوجود مخالفت اُن صحاح حدیث کے اپنے فقیہوں کے قول ترک نہیں کرتے تو کیا فرق ہے اُن احادیث کے ہونے اور نہونے میں اِس لیئے کہ جب اُن کا حکم ہی نہ رہا اور مقلدین کے نزدیک اُن پر رجوع کرنا جائز ہی نہ ٹھہرا تو اُن کے نزدیک

اُن احادیث کا وجود و عدم برابر ہے پس اس سے زیادہ نسخ شریعت کا اَور کیا ہوگا۔ انتہی

دسویں نقل عن المضمرات ان الخیر فی کونہ حجۃ فوق الاجتھاد فان خالفت الروایۃ الحدیث الصحیح ترکت فالعمل بالحدیث اولی من الروایۃ پس جو روایت مخالف حدیث کے ہو وہ چھوڑ دی جاوے گی۔

گیارھویں۔ امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ فان قلت ما اصنع بالاحادیث التی صحت بعد موت امامی ولم یاخذ بھا فالجواب ینبغی لک ان تعمل بھا فان امامک لو ظفر بھا وصحت عندہ ربما کان امرک بھا فان الائمۃ اسرہم کلھم فی ید الشریعۃ ومن فعل ذالک فقد حاز الخیر بکلتی یدیہ یعنی اگر تو پوچھے کہ پھر میں کیا کروں بہ نسبت اُن حدیثوں کے جن کی صحت بعد موت میرے امام کے ثابت ہوئی اور میرے امام نے اُن کو نہیں پایا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھے چاہیئے کہ تو اُس حدیث پر عمل کرے اس لیئے کہ اگر تیرے امام کو یہ حدیث مل جاتی تو ضرور وہ اُس پر عمل کرتے اس لیئے کہ سارے امام شریعت کے ہاتھ میں ہیں اور جو ایسا کرے وہ دونوں ہاتھ سے نیکی جمع کرے گا۔

بارھویں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وصایا میں لکھتے ہیں۔ در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن و دائما تعریفات فقہیہ بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہا را کہ قول عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن وباں التفات کردن وقرب خدا جستن بہ دوری ایناں۔

تیرھویں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں تفسیر میں حدیث من لم یعرف امام زمانہ کے کہ فالمراد ان من لم یعرف امام زمانہ من الکتب ولم یعرف نسخ الکتاب السابقۃ ولم یعرف ان کتب ائمۃ المذاهب لیست واجبۃ الاتباع کما یظنہ جہلۃ المقلدین من کل مذہب مات میتۃ جاهلیۃ یعنی جو شخص نہ جانے کہ امام زمانہ کا قرآن مجید ہے اور نہ جانے اس امر کو کہ کتب سابقہ منسوخ ہوگئی

ہیں اور نہ جانے اس بات کو کہ کتابیں مذہب کے اماموں کی واجب الاتباع نہیں ہیں جیسا کہ سب مقلدین اپنے اپنے مذہب کے اماموں کی کتابوں کی نسبت گمان کرتے ہیں تو اُس نہ جاننے والے کی موت جاہلیت کی موت ہے ۔

**چودھویں** ۔ صاحب لوامع الالہام نے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ایک اور قول کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ۔ بدانکہ امام ابو حنیفہؒ گفتہ است کہ حلال نبود کسے را کہ بقول ما تمسک کند تا آنکہ نہ داند ماخذ آن را از کتاب و سنت و اجماع امت و قیاس جلی و مجتہد گاہ خطا کند و گاہ بحق رسد چون خطا را و ظاہر گرد و تقلید او در خطا حرام بود ۔

**پندرھویں** ۔ ابن امیر الحاج نے تیسیر شرح تحریر میں لکھا ہے کہ اذا رأی القول المخالف لمذہب امامہ دلیلاً صحیحاً من الحدیث ولم یجد فی مذہب امامہ جواباً قویاً عنہ ولا معارضاً راجحاً علیہ اذ المکلف مامور باتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما شرعہ فلا وجہ لمنعہ من تقلید من قال بذلک من المجتہدین محافظۃ علی مذہب التزم تقلیدہ ۔

**سولھویں** ۔ صاحب دراساۃ اللبیب نے لکھا ہے کہ حتی لو ترک مذہب امامہ بقول من سہل تتبعا لرخصۃ لم یکن ملاماً ۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے امام کے مذہب کو ترک کر دے اُس کے کہنے پر جو کہ بسبب مباح ہونے کے کسی امر میں آسانی پاوے از روئے شریعت کے تو اُس پر کچھ ملامت نہیں ہو سکتی ۔

پس اس سے باطل ہوا وہ قول مقلدین کا کہ تقلید کے چھوڑنے سے آدمی آزاد ہو جاتا ہے اور بہت حرام چیزوں کو مباح سمجھتا ہے ایسے کہنے والوں نے درحقیقت شریعت محمدی کو مشکل کر رکھا ہے اور جو آسانی خدا نے ہمیں رکھی ہے اُس پر عمل کرنے کو الحاد تصور کیا ہے لا تحرموا حضرت ابن عباس سے سنن ابو داؤد میں ایک حدیث منقول ہے کہ عن ابن عباس قال کان اہل الجاہلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذراً فبعث اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فہو حلال وما حرم فہو حرام وما سکت عنہ فہو عفو ۔
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیۃ بہت سی چیزیں کھاتے اور بہتوں کو ناپاک

سمجھکر چھوڑ دیتے کہ خدا نے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتلایا پس جس کو اُس نے حلال کردیا وہ حلال ہے اور جس کو اُس نے حرام کردیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ مباح ہے اور معاف۔

سترھویں۔ ابن امیر الحاج شرح تحریر میں لکھتے ہیں کہ فلو التزم مذہبا معینا کابی حنیفۃ والشافعي قیل یلزم وقیل لا یلزم قال الشارح وھو الاصح لان التزامہ غیر ملتزم اذلا واجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ ورسولہ ولم یوجب اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی احد من الناس ان یتمذھب بمذھب رجل من الامۃ فیقلدہ دینہ في کل ما یاتي وھذا غیرہ کہ ایک مذہب معین کا التزام کرنا واجب نہیں ہے اس لیئے کہ واجب وہ ہے جس کو خدا اور رسول نے واجب کیا ہو۔ پس خدا نے نہ رسول نے بندوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ مذہب کسی آدمی کا اسکی اُمت میں سے اختیار کریں اور خدا کے دین میں کسی کی ایسی تقلید کریں کہ اُسی کی باتوں کو مانے اور دوسروں کو چھوڑ دے۔

اٹھارھویں۔ ابن عز نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ من یتعصب لواحد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ ھو الصواب الذي یجب اتباعہ دون الائمۃ الاٰخرین فھو ضال جاھل کہ جو شخص تعصب کرے کہ ایک ہی معین شخص کی تقلید لازم ہے وہ گمراہ جاہل ہے۔

اُنیسویں۔ صاحب دراساۃ نے لکھا ہے کہ العمل بدلیل مخالف للحدیث الصحیح حرام علی المقلد کالمجتھد۔ کہ عمل کرنا ایسی دلیل پر جو کہ مخالف ہو حدیث صحیح کے حرام ہے مقلد پر بھی مثل مجتہد کے۔

بیسویں۔ روی الخطیب باسنادہ ان الدراکي من الشافعیۃ کان یستفتي وربما یفتي بغیر مذھب الشافعي وابي حنیفۃ فقیل لہ ھذا مخالف قولیھما فیقول ویلکم حدث فلان عن فلان عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فالاخذ بالحدیث اولی من الاخذ بقولھما اذا خالفاہ۔ کہ دراکی فقہائے شافعی کبھی فتویٰ مخالف مذہب امام شافعیؒ اور امام ابی حنیفہؒ کے دیتے تو جب کوئی پوچھتا کہ آپ کا مخالف اُن دونوں اماموں کے ہے تو وہ فرماتے کہ جب معلوم ہوگیا کہ یہ

قول پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو بس اُس کا لینا چاہیئے نہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے قولوں کا جبکہ اُس سے مخالف ہوں۔

اکیسویں۔ ابن جوزی نے لکھا کہ اذا کان العامی یسوغ کیف لا یسوغ به الاخذ بالحدیث فلو کانت سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یجوز العمل بها وهذه من ابطل الباطل وقد اقام الله تعالی الحجة برسول الله صلی الله علیه وسلم دون احاد الامة ولا یفرض احتمال خطاء لمن عمل بالحدیث وافتی به بعید فهمه ان اضعاف مضاعفه حاصل لمن افتی بتقلیده یعنی جبکہ عامی کو مفتی کے قول پہ عمل کرنا جائز بلکہ واجب ٹھہرا باوجود احتمال مفتی کی خطا کے تو کیونکر اُسکو جائز نہ ہوگا عمل کرنا حدیث پر۔ پس اگر پیغمبر خدا ہی کی حدیث پر عمل کرنا جائز نہ ہو تو پھر کس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ حالانکہ خدا نے اپنی حجت صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے نہ اَور کسی آدمی کو اور یہ سمجھنا کہ عمل بالحدیث میں غلطی کا احتمال ہے باوجود اقرار اس امر کے کہ اُس سے دو چند چہار چند زیادہ غلطیاں مفتی کے قول میں ہوتی ہیں جن کی تقلید واجب سمجھی جاتی ہے نری نادانی ہے۔

بائیسویں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قرأت خلف امام کے استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خواندن سورہ فاتحہ با قتدائے امام مقتدی را نزد ابو حنیفہ ممنوع و نزد محمد ہرگاہ کہ امام جہری نخواند جائز بلکہ اولے و نزد شافعی بدوں خواندن فاتحہ عدم جواز صلوۃ و نزد فقیر ہم قول شافعی ارجح و اولیٰ است۔ بملاحظہ حدیث صحیح لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب بطلان نماز ثابت میشود و قول ابو حنیفہ نیز بجا وارد است کہ جائیکہ مذہب صحیح وارد شود و قول من خلافش افتد قول مرا ترک باید نمود و بر حدیث عمل باید کرد الی قولہ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بتبعیت امام نہ کردہ باشد تا داخل تابعان مفسرین و محدثین خواہد شد و دریں معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح واقع خواہد شد و چہ عجب کہ صحت ایں حدیث با مام ابو حنیفہ نرسیدہ باشد ہرگاہ کہ الحال از صدہا و ہزارہا مردم علما محققین مثل امام بخاری و صاحب مسلم و غیرہم رحمہم اللہ صحت ایں ثابت

شد از ترکش ملام و مطعون خواهد شد۔

تیئسویں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی حالت رویا میں لکھتے ہیں کہ ناگاہ جناب حضرت امیر از جانب قبلہ نمایاں شدند الیٰ قولہ با فقیر ہمکلام شدند فقیر آں وقت را غنیمت دانستہ در چند چیز کہ دراں وقت در ذہن حاضر شدہ عرض نمود۔ جواب با صواب یافتہ الیٰ قولہ باز عرض نمود کہ از مذاہب فقہا کدام یک مختار و پسند جناب است۔ فرمودند کہ ہیچ پسند نیست یا بطور رہبانیت افراط و تفریط بعمل آوردہ اند۔ یہ اقوال صرف بطور نمونہ کے ہمنے نقل کیئے اور مثل اس کے صدہا ہزارہا اقوال ہیں جن سے حدیث پر عمل کرنا واجب نکلتا ہے۔"

**مقلد**۔" آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث کا ترک کرنا جائز نہیں ہے اور بمقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کا قول لایق سند نہیں پس یہی ہم بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہے۔ ہم بھی امام کو نبی نہیں جانتے۔ اُن کو معصوم نہیں کہتے بلکہ ہمارا اول عقیدہ مجتہدین کی نسبت یہی ہے کہ المجتهد قد يخطی وقد یصیب کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مجتہدین و فقہا نے ہر ایک قول کو حدیث سے ثابت کیا ہے اور کسی ہی مخالفت حدیث کی نہیں کی اور جو قول ظاہر میں مخالف حدیث کے معلوم ہوتے ہیں وہ درحقیقت مخالف نہیں ہیں بلکہ اور احادیث صحیحہ سے اُن کا ثبوت ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے پاس صندوق کے صندوق حدیثوں کے تھے۔ پس ہم اسی واسطے انکی تقلید کرتے ہیں اور اُن کے اقوال کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور مخالف حدیث کے نہیں ہیں۔"

**غیر مقلد**۔" بے شک آپ اپنی زبان سے امام کو نبی نہیں کہتے اور انکی معصومیت کا اقرار نہیں کرتے مگر جو برتاؤ تمہارا اُن کے ساتھ ہے اُس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ تم اُن کو معصوم جانتے ہو ورنہ خیال کرو کہ یہ تمہارا کہنا کہ اُن کا کوئی قول حدیث سے معارض نہیں اور بعد اُن کے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ملتی اس سے کسی مسئلہ میں اُن کا اجتہاد قابل ترک کے ہو یہ کیا ایسا قول ہے کہ جس کی غلطی ثابت کرنے کے لئے

کسی دلیل کی حاجت ہو اگر چاروں امام کے سب اقوال موافق حدیث کے ہوتے تو کیوں آپس میں اختلاف ہوتا۔ پس یہ اختلاف ہی عمدہ دلیل تمہارے قول کی غلطی کی ہے" ؎

مقلد:۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اماموں نے اپنی اپنی رائے سے کام لیا اور خلاف حدیث کے مسئلے اپنے ذہن سے تراش کر بنا لیئے اور جو ایسا کرے وہ دشمن اسلام کا ہے تو یہ چاروں امام آپکے عقیدے کے موافق دشمن اسلام کے ٹھہرے۔ والعوذ باللہ منہ۔

غیر مقلد۔ ہمارا یہ قول اور عقیدہ اُن اکابر اماموں کی نسبت نہیں ہے بلکہ ہم تو اُن کو اس وجہ سے بھی بڑھا ہوا جانتے ہیں جس درجہ کا تم اُن کو سمجھتے ہو اور ہم اُن کی پاکی اور نیکی کے معتقد ہیں اور اُن کا ایک بڑا احسان اپنے اوپر جانتے ہیں کہ اُن کی مساعی جمیلہ سے راہ شریعت کی کشادہ ہوئی۔ خدائے تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کا نیک بدلا دے مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اُن کو احادیث پہنچیں اسپر انہوں نے عمل کیا۔ اور جن مسائل میں اُن کو حدیث نہ ملی وہاں اجتہاد کیا اور جہاں تک اُن سے بہ نیک نیتی ہو سکا اپنے آپ کو غلطی سے بچایا۔ مگر وہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے غلطی نہ ہوتی۔ علاوہ بریں پیچھے کر کے حدیث مل گئی سو اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور اُس مسئلہ میں اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور اسی لیئے وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ حدیث کے ملنے کے بعد ہمارے قول کو نہ ماننا اگر وہ امام اپنی رائے کو دخل دیتے اور تم لوگوں کی طرح حدیث پاکر اور اسکی صحت پر مطلع ہو کر چھوڑ دیتے تو بے شک اُن کی پاکی پر اعتراض ہوتا۔ حقیقت میں تم اُن کے مقلد نہیں ہو۔ ہم اُن کے مقلد ہیں کہ اُن کے قول پر چلتے ہیں کہ وہ صاف فرما گئے ہیں کہ حدیث پر عمل کرو اور کسی کے قول کو نہ دیکھو۔ لیکن بعد اُن کے جو اور لوگ ہوئے، اور جنہوں نے تقلید میں تعصب کو دخل دیا اُن کو بے شک ہم اچھا نہیں جانتے اور اُنکی باتوں پر نہیں چلتے گو تمہارے نزدیک وہ محقق ہوں یا علامہ۔ علاوہ اس کے آپ تقلید صرف آئمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی نہیں کرتے بلکہ اُن کے مقلدین کی تقلید کرتے ہو

---

؎ یہاں اس جواب کو ہم نے مختصر کر دیا اس لیے کہ اس مضمون کے تتمہ میں ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ جواب اس کا دیا ہے اور بہت سی روایات فقہیہ کی مخالفت حدیث سے ثابت کی ہے۔ ۱۲

اس لیئے کہ جتنے مسئلے اور احکام فقہ کی کتابوں اور فتاووں میں لکھے ہوئے ہیں یہ بھی تو
سب انہیں اماموں کے نکالے ہوئے ہیں بلکہ اُن کے بعد اور عالموں اور فقیہوں نے
اُن کے اصول پر نکالے ہیں اور تم سب کو مثل مسائل نکالے ہوئے اماموں کے مانتے
ہو اس وجہ سے کہ وہ اُن کے اصول کے پابند ہیں پس اگر تم صرف انہیں اماموں کے
نکالے ہوئے مسئلوں کی تقلید کرتے تب بھی خیر بلحاظ اُن کی بزرگی اور پاکی کے تم کو
نامناسب نہوتا مگر جبکہ سارے مسئلے اُن کے نکالے ہوئے نہیں ہیں تو تعجب ہے کہ انکے
اصول کی پابندی سے جو مسئلے پچھلے عالموں نے نکالے ہوں اور جس میں انھوں نے
غلطیاں بھی کی ہوں بلکہ خود اپنے اماموں کے اقوال سے بعضے حالات میں بوجہ کم فہمی وغیرہ
کے مخالفت کی ہو اور اُن کے بعضے فتوے اور مسئلے اماموں کے اصول کے مطابق
بھی نہ رہے ہوں مگر با این ہمہ اُن کو تم مانو اور جو کتاب و سنت کو اصول مجتہد اُس کی
پابندی سے مسئلے نکالے اور واسطہ در واسطہ کو چھوڑ کر اصل ماخذ شرع کے احکام لے
اُسکو تم برا جانو حقیقت میں یہ ایک نہایت تعجب کی بات ہے۔

**مقلد**:۔ کیا ہمارے پچھلے علماء نے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہے؟

**غیر مقلد**:۔ میں کیونکر اپنی زبان سے کہوں مگر میں تمہارے ہی فقہا کے اقوال کو
تمثیلاً نقل کرتا ہوں۔ ذرا کان لگا کر سنو اور تقلید کے نتیجوں پر افسوس کرو ملا علی قاری
اپنے رسالہ میں جو اشارہ کی نسبت لکھا ہے فرماتے ہیں۔ فالجاھل بالاخبار النبویۃ
والآثار المصطفویۃ الخ۔ کہ جو شخص اخبار نبوی و آثار مصطفوی کو نہیں جانتا جب
اُس نے دیکھا کہ بعض تو بسبب مسنون ہونے کے اشارہ تشہد میں کرتے ہیں اور بعض جہل یا

---

ل رسالہ کے حاشیہ پر اصل عبارت لکھی ہوئی ہے جو چاہے دیکھے۔ ہم نے بسبب طول کے چھوڑ دی ہے
اور فقط ترجمہ پر قناعت کی۔ ۱۲

ل مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اشارہ کے جائز ہونے بلکہ مسنون ہونے کی نسبت بہت کچھ فرمایا ہے
چنانچہ لوامع الالہام اُن کے قول کو اسطرح نقل کیا ہے کہ "چوں سنیت ثابت است و نہ قول آنکہ منع کردند آن بقیاس بکتاب
وسنت قیاس و اجماع مخالف نص باطل باشد پس خطا کردند تقلید او در خطا حرام بود الی قولہ فضل اشارت بسیار است
دریں مختصر نگنجد وائے بر کسے کہ ازیں فضل محروم باشد"۔ ۱۲

کسل کے سبب نہیں کرتے تو یہ کہنے لگا کہ اُس کا ترک کرنا اولیٰ ہے بعد اُس کے دوسرا شخص
ہوا اور اُس نے یہ زیادہ کیا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے مگر کراہت سے مراد اُسکی کراہت تنزیہی
ہے۔ پھر تیسرا شخص ہوا اُس نے کہا کہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ مکروہ ہے مراد مکروہ
مکروہ تحریمی ہے اس لیئے اُس نے فتویٰ دیا کہ اشارہ کرنا حرام ہے پس خیال کرو کہ بسبب
جہالت اور غفلت کے سنت مشہورہ امور منہیہ میں داخل ہو گئی اور فعل پیغمبر خدا
علیہ التحیۃ والثنا کا حرام ٹھہر گیا اور حرام کی تعریف یہی ہے کہ جس کی حرمت بدلیل قطعی
کتاب و حدیث سے ثابت ہو اور یہ قواعد مقررہ سے ثابت ہے کہ مباح کا حرام کرنا حرام
ہے نہ کہ ایسی سنت کا جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پس جو علامہ کیدانی نے اسکی
حرمت کا فتویٰ دیا ہے اُسکی بُرائی پر یہی دلیل کافی ہے کہ اُس نے سارے اہل حدیث کی
اہانت کی اور بعد اس قول کے ملا علی قاری لکھتے ہیں ولولا حسن الظن بالکیدانی
وتاویل کلامہ بمسببہ لکان کفرہ صریحا وارتدادہ صریحا فہل یحل لمومن
باللہ تعالی ان یحرم ما ثبت بفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کاد نقلہ ان یکون
متواترا۔ کہ اگر علامہ کیدانی کے ساتھہ حسن ظن نہوتا اور اُس کے کلام کی تاویل نہوسکتی
تو اُس کے کفر وارتداد میں کچھہ شک نہ تھا کیا جائز ہے خدا پر ایمان لانے والے کو کہ وہ
حرام کردے اُس چیز کو جس کا کرنا ثابت ہوا ہو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اور جسکی
نقل قریب متواتر کے ہو

پس جبکہ تقلید سے یہ نوبت پہنچ گئی ہو اور احادیث نبوی سے ایسے ایسے بڑے فقہا
کی بیخبری کا یہ حال ہو تو اُسی کو واجب جاننا اور عمل بالحدیث کو بدعت کہنا وہی مذہب
ہے جسکو کچھہ بھی تعلق اسلام سے نہیں ہے ؎

مقلد ؎ ایک دو شخصوں نے اگر ایسی غلطی کی تو اس سے الزام سب پر عائد نہیں ہوتا تقلید
کے فائدوں کو دیکھو اور جو آسانی مسائل کے معلوم کرنے کی فقہا نے پیدا کی ہے اُس ...

---

؎ بعضے علماء حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اشارہ کرنا نماز میں خلاف وقار و سکینہ کے ہے مولانا
عبدالعزیز صاحب اُس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہر گاہ یہ فعل از انجا خلاف وقار و سکینہ ہست
در نماز باتفاق جمیع محدثین کار فرمودہ۔ ۱۲

انصاف کرو۔

غیر مقلد۔ آپ کو شاید اپنے مذہب کے علماء کے قولوں پر بھی اطلاع نہیں ہے۔ حنفیت
ہی مسئلہ الشاذہ کا ایسا ہے کہ جس پر سو عالموں نے مخالفت حدیث کی کی ہے اور صرف تقلید
کے سبب اسکو مکروہ اور حرام کہا ہے اور اس بچارہ ملا علی قاری کے رسالہ کا جواب لکھا ہے
چنانچہ صاحب لوامع الالہام نے رسالہ اُس کے رد میں لکھا ہے وہ ملا علی قاری کے اس قول
کی نسبت لکھتے ہیں کہ "آنچہ علی قاری در جواز ایں فعل منہی اصرار نمود و سخنہا گفتہ کہ
کسے کم گفتہ باشد و آمادہ ابطال مسئلہ اجتہاد و تقلید کردہ و ہر آئینہ ایں
مخبر از فساد اعتقاد وے است" پس معلوم ہوا کہ جو شخص ذرا بھی تقلید کو چھوڑے اور
حدیث پر عمل کرے وہ فاسد الاعتقاد ہے۔ سبحان اللہ۔ عجیب دین و مذہب ہے کہ جس پر
آدمی ایمان لایا ہو اُسکے قول کو ماننا اور اُس پر عمل کرنا دلیل فساد اعتقاد پر ہووے۔

مقلد۔ تقلید کے فایدوں اور خوبیوں کو ہمارے علما کی کتابوں میں ملاحظہ کرو اور
جو کچھ آپ اعتراض کرتے ہیں اُن سب کا جواب دیکھو خصوصاً شرح سفر السعادت و تفسیر احمدی
وغیرہ کو مطالعہ کرو تب آپ کے سب شبہات دور ہو جاویں۔

غیر مقلد۔ ہم نے سب کو دیکھا اور خوب غور کیا پس بعضوں کی تحریر میں تو اُن کی سادگی
طبیعت کا اثر پایا اور بعضوں کی تقریر پر مقولہ الحب یستر العقل کا پایا تھا۔ اکثروں کی باتوں کو
تو صرف تعصب سے بھرا ہوا پایا مگر یہ ہم نہیں کہتے کہ سب علماء اور فقہا نے دیدہ و دانستہ
حدیث کی مخالفت کی ہے یا معاذ اللہ وہ سب کے سب پابند ہوا و ہوس کے تھے بلکہ ہم
اکثر علماء کو نیک اور پاک جانتے ہیں اور اُن کی نہایت دل سے تعظیم اور بزرگی کرتے ہیں
لیکن اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنی نیکی اور پاکی کے ساتھ تحقیق کو بھی
دخل دیا اور کتاب و سنت پر تمسک کر کے فقہا سے اختلاف کیا اور اجتہاد کو تقلید سے
بہتر جانا۔ اور دوسرے وہ علما ہیں جنہوں نے باوجود نیکی اور پاکی کے صرف تقلید ہی کو اچھا
جانا اور کتاب و سنت کو نہ سمجھ کر کہ واجب الاتباع نہیں ہیں بلکہ یہ خیال کر گئے کہ جو کچھ اگلے لوگ
لکھ گئے ہیں وہ مستخرج کر گئے ہیں وہ کافی ہے اور مطابق کتاب و سنت کے ہی اپنا مقتدا
سمجھا اور نہ تعصب بلکہ نیکی اور محبت اہل سنت سے تقلید ہی کو اچھا جانا۔ پس ان
دونوں علما کی نسبت ہم اپنے دل میں کچھ برا خیال کرتے ہیں نہ اُن کی شان میں ہم کچھ کہہ سکتے

ہیں بلکہ ہم اُن کو تم سے بھی بڑھکر نیک اور پاک جانتے ہیں - مگر ایسے علماء کو چھوڑکر بہت
علماء ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے تعصب ہی کو دخل دیا اور اپنے علم و فضل کے گھمنڈ
اور اپنی بات کی پیروی کرنے میں دیدہ و دانستہ حق کو چھوڑا - اور نہ صرف نیکی سے
اور نہ فقط محبت سے اور نہ محض مصلحت کے خیال سے بلکہ اپنی نفسانیت سے کھلی ہوئی
حدیثوں کو پس پشت ڈالا اور تاویلات بعیدہ سے اُن پر خط نسخ کھینچا اور پوچ لیلوں
اپنے اقوال کو ثابت کیا - ایسے علماء کے اگر حالات اور مثالیں اور نام لکھے جاویں تو ایک
دفتر کا دفتر ہو جاوے[1] لیکن یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو آدمی نیک اور اچھا ہو اُسکی سب باتیں
واجب التسلیم ہوں - اس لیے ہم نے مانا کہ بعضے عالم نیک و بزرگ تقلید کو اچھا جانتے تھے
یا فرض کیا کہ وہ اُسے واجب سمجھتے تھے مگر ہمارا اس قول کو اُن کے غلط جاننا اور اُنکے
اس رائے کو نادرست سمجھنا اُن کی بزرگی پر الزام لگانا نہیں ہے یہی غلطی آپکی سمجھ کی ہے
اور اسی سے سب کو مغالطہ ہوتا ہے کہ جو آدمی نیک اور بزرگ ہے اُسکی سب باتیں ماننے
کے لائق ہیں حالانکہ یہ حق کسی کا نہیں ہے سوائے اس کے جو معصوم ہو اور جسکی نسبت اللہ جلشانہ
نے فرمایا ہے کہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی - "

مقلد - نہایت تعجب کی بات ہے کہ آپ علما اور فقہا کے اقوال ماننے کو بُرا سمجھتے ہیں اور
اُن کی باتوں کو خلاف حدیث کے جانتے ہیں آخر علماء کی باتوں کو تو ہم اسی لیے مانتے ہیں کہ
وہ خدا اور رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور اُس سے واقف ہیں اس وجہ سے ہم اُن کی باتوں کو
مانتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ خدا و رسول کے مخالف باتیں کرتے ہیں اور خدا کی اور اُس کے
رسول کی باتوں کو سوائے علماء کے کون سمجھ سکتا ہے پس جس پر بہت سے علما فقہا جمع
ہوں اُسی کو ہم خدا اور رسول کے حکم کے موافق سمجھتے ہیں اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمادیا ہے کہ لایجتمع اُمتی علی الضلالۃ کہ میری اُمت ضلالت پر جمع نہ ہوگی اور
چونکہ آپ علماء فقہا کے دشمن ہیں اس لیے ہم آپ کی باتوں کو خلاف خدا و رسول کے سمجھتے
ہیں اور علماء کی دشمنی کو ہم نشانی ضلالت کی سمجھتے ہیں -

غیر مقلد - ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام اُن لوگوں کو جو کہ علما اور فقہاء

[1] دیکھو احیاء العلوم کی کتاب علم اور کتاب غرور کہ ایسے علما کی نسبت کیا لکھا ہے - ۱۲

کہلائے جاتے ہیں اور جن کے علم اور مولویت کے آپ معتقد ہیں اپنا پیر و مرشد نہیں
جانتے اور اُن کی سب باتوں کو نہیں مانتے مگر یہ غلط ہے کہ ہم علما فقہا سے عداوت رکھتے
ہیں اور اُن میں کچھ تمیز نہیں کرتے اور سب کو بُرا سمجھتے ہیں یا اُن کے سارے قولوں کو
غلط جانتے ہیں اس لیئے ہم چند باتیں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے یہ سارے
شُبہات دور ہو جاویں سب سے پہلے اس امر کو سوچنا چاہیئے کہ علماء سے محبت اور عداوت
کی کیا وجہ ہے اور اُن کے قولوں کا ماننا نہ ماننا کس اصول پر مبنی ہے پس اُن کے ساتھ
محبت اور عداوت کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم جس معصوم پر ایمان لائے اور جس صاحب
شریعت کے دین میں داخل ہوئے اُس سے ہمکو دینی محبت رکھنا فرض اور ایک امر
ضروری ہے پس جو شخص ہمکو ہمارے اُس محبوب تک پہنچا دے اور اُسکی باتیں ہمکو سکھلا دے
اُس سے لامحالہ ہمکو محبت ہوگی اور رسول کا رسول سمجھکر ہم اُس کے ساتھ خواہ مخواہ محبت
رکھینگے ۔ پس جن عالموں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ نیک اور پاک تھے یا ہیں اور سچی راہ ہمارے
رسول کی ہمکو اور ساری اُمت کو بتلاتے تھے اور بتلاتے ہیں اور جن کی ذات سے دین
کو بہت سا فائدہ ہوا ان سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اپنی ساری جان اور دل سے اُن کی
تعظیم کرتے ہیں اس لیئے کہ علت محبت کی اُن میں موجود ہے ۔ اسیطرح پر جن مولویوں کو
ہم جانتے ہیں کہ وہ متعصب اور جاہل تھے اور جن کے تعصب اور جہالت سے دین کو نقصان
پہنچا اور جنہوں نے اپنی نفسانیت اور دنیا طلبی یا حماقت اور نادانی سے وہ طریقہ
جاری کیا جس سے ہم اپنے محبوب تک نہ پہنچ سکیں اور بیچ ہی میں بھٹکتے رہجاویں تو ضرور
ہم اُن سے عداوت رکھتے ہیں اس لیئے کہ وجہ محبت کی اُن کی ذات سے مفقود اور علت
عداوت کی موجود ہے پس فقط عالم ہونا یا فقیہہ ہوجانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ
نیک اور پاک اور متقی اور مصداق لا یخافون لومۃ لائم ہونا بھی ضرور ہے پس اگر ہم
لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں جو کہ رسم و رواج کے پابند تھے یا جن کے دل کو تعصب نے
سیاہ کر دیا تھا یا جن کی آنکھوں پر پردہ جہالت کا پڑ گیا تھا اور جنہوں نے دیدہ و دانستہ
سنت کو اُس کے پیغمبر سے چھوڑانا چاہا اور اپنی پیچ و پچر باتوں سے لوگوں کو بہکایا تو حقیقت
میں یہ دوستی رکھنا اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے ۔ اگر ہم علما اور فقہا کے دشمن ہوتے
تو ضرور چاروں امام اور اُن کے خاص تلامذہ کے دشمن ہوتے حالانکہ ہم اُنکو وارث انبیا

سمجھتے ہیں اور علماء ربانی جانتے ہیں اور اپنے سارے دل و جان سے اُن کی تعظیم کرتے
ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے اُن تقلید کرنے والوں کو جنہوں نے
حدیث پر عمل کرنے کو ناجائز کر دیا اور تقلید کو واجب و فرض ٹھہرا دیا برا اور متعصب جانتے
ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جن علماء کو ہم بھی نیک اور پاک جانتے ہیں اُن کی سب باتوں کو
کیوں نہیں مانتے اُس کا یہ سبب ہے کہ اگر ہم اُن کو معصوم جانتے اور اُن کو صاحب
الہام سمجھتے اور ہمارا یہ عقیدہ ہوتا کہ جبرئیل اُن پر نازل ہوتے تھے اور وہ فتوے اور احکام
مسائل اُن کو بتلاتے تھے تو ضرور ہم اُن کے قول اور فعل ہی کو واجب العمل جانتے
مگر جبکہ ہم کسی بڑے سے بڑے مجتہد اور نیک سے نیک عالم اور فقیہہ اور امام کے اجتہاد
اور امامت پر اعتقاد رکھیں گے تو پہلا کلمہ طیب ہماری زبان سے یہ نکلے گا کہ المجتہد قد
یخطی وقد یصیب تو پھر کیونکر ہم اُس کے برخلاف اُن کو معصوم جانیں گے اور
معصومیت پر اعتقاد رکھنے یا نہ رکھنے کا ثبوت نہ صرف زبان کے اقرار و انکار سے ہوتا
ہے بلکہ اُس برتاؤ سے جو ہم اُن کی باتوں کی نسبت کرتے ہیں پس جس نے اُن کی سب
باتوں کو مانا اور باوجود غلطی کے یہ سمجھکر کہ ضرور کچھ نہ کچھ سبب اس کا ہوگا اُسی پر عمل
کیا بلاشک اُس نے اُن کو معصوم جانا گو ہزار زبان سے انکار کرے اور جس نے اُنکی باتوں
میں اُن باتوں کو نہ مانا جو کہ مخالف حدیث کے ہوئیں۔ اُس نے اپنے دعوی کو پایہ ثبوت
پر پہنچایا۔

میں نہایت حیران ہوں کہ باوجودیکہ مقلدین کا دعوی تو یہ ہے کہ المجتہد قد یخطی
وقد یصیب اور پھر عمل یہ ہے کہ امام کے اجتہاد کے برخلاف کرنا کسی کو جائز نہیں ہے
اور اُسی کی تقلید واجب ہے۔

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ آئمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سچے پیرو
ہم ہیں یا کہ اُن کے مقلدین۔ تو ہم بخوبی اپنے سچے دل سے یقین کرتے ہیں کہ سچے پیرو
ہم ہیں نہ وہ لوگ جو کہ تقلید کا دعوی کرتے ہیں اس لیے کہ پیروی اُن کی وہ جھوٹا
نہیں ہے جس سے وہ اُس درجہ پر پہونچے ہوئے سمجھے جاویں جس کے وہ مستحق نہیں ہیں
اصلی پیروی اُن کی وہ ہے کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہو اُسپر عمل کیا جاوے پس اگر کوئی
مسلمان ہوکر براہ محبت یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تھے ونعوذ باللہ

تو اُس نے آنحضرتؐ کو اُس درجہ سے بڑھا دیا جو کہ خدا نے حضرت کو عنایت فرمایا اس لیئے کہ حضرت بندہ تھے نہ خدا اسی واسطے آپ نے کلمہ شہادت میں اپنی عبودیت کو داخل کر دیا اور صاف صاف فرما دیا کیوں سمجھو اور یوں کہو کہ محمداً عبدہٗ و رسولہ جس نے اُسکے برخلاف کیا وہ دشمن آنحضرت ؐ کا ہے نہ پیرو - اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ آئمہ اربعہ معصوم تھے تو اس نے اُن کو اُن کے درجہ سے بڑھا دیا اس لیئے کہ وہ مجتہد تھے نہ معصوم اسیواسطے اُن اماموں نے صاف فرما دیا کہ ہم مجتہد ہیں نہ معصوم والمجتهد قد یخطی وقد یصیب پس باوجود اُن کے اس کہدینے کے جس نے اُس کے برخلاف اُن کے سب قولوں کو خطا اور غلطی سے محفوظ جانا وہ اُن کا دشمن ہے نہ پیرو -

کوئی خوف آنحضرت کو اس سے زیادہ نہ رہتا تھا کہ لوگ خدا نہ سمجھنے لگیں اسی واسطے بار بار فرماتے تھے کہ انا عبدہ و رسوله وانما انا بشر مثلکم اور جب کوئی ایسی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا جس سے شرکت ساتھ خدا کے نکلتی اُسی وقت رنگ چہرہ کا متغیر ہو جاتا اور خفا ہو جاتے اور فرماتے کہ جعلتني لله ندا جعلتني لله ندا کہ خدا کا مجھے شریک بناتا ہے تاکہ ایسا نہو کہ خدا خفا ہو جاوے کہ تم میری خدائی اور توحید کو پھیلانے گئے تھے یا کہ اپنے آپ کو میرا شریک بنانے کو پس بعینہ ان چاروں اماموں کو بھی کوئی خوف اس سے زیادہ اپنے اجتہاد میں نہ تھا کہ ایسا نہو کہ لوگ اُن کو معصوم جاننے لگیں اور اُن کے قولوں کو مقابل احادیث کے واجب العمل جان کر حدیث کو چھوڑ دیں اسی واسطے بار بار اُنکی پاک زبانوں سے یہی نکلتا رہا کہ المجتهد قد یخطی وقد یصیب چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ برابر یہی کہتے رہے کہ لا ینبغی لمن لا یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تا دم مرگ یہی قول رہا کہ اذا صح الحدیث فهو مذهبی - امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ چلا چلا کر یہ کہتے رہے کہ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا اور یہ خوف ان اماموں کا اسی وجہ سے تھا کہ ایسا نہو کہ پیغمبر صاحب ہم سے خفا ہو جاویں کہ تم مجتہد اور امام میری شریعت کے مسائل بتلانے کے لیئے ہوئے تھے یا کہ اُس کے باطل کرنے اور اپنے مذہب کے جاری کرنے کے لیئے - تم عالم اور فقیہہ میری احادیث کے اوپر عمل کرانے کے لیئے ہوئے تھے یا کہ اُسپر عمل کو حرام کرنے کے لیئے پس اسی واسطے یہ بزرگ ڈرا کیئے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے مگر جس طرح پر کہ بعض لوگوں نے پیغمبروں کو باوجود اُن کی فہمایش کے خدا کا

شریک کر دیا اسی طرح اِن مقلدین متعصبین نے اماموں کو باوجود اُن کی تاکید اور ممانعت کے معصوم بنا دیا پس اگر وہ فرقہ اپنے پیغمبر کی ایسی جھوٹی محبت سے قابل تعریف کے ہے تو ضرور مقلدین بھی لائق طرح وصفت کے ہیں ورنہ دشمنی کا نام دوستی اور مخالفت کا نام اطاعت رکھا ہے۔

پس جبکہ خاص چاروں امام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کے سب اقوال کو شامل اُس کی جانچ خدا اور رسول کے کلام سے کرنا دلیل ایمان اور توحید فی صفۃ النبوۃ کی ہے پھر اَور علماء کا کیا ذکر ہے اس لیئے مسلمان کا کام ہے کہ وہ خدا اور رسول کے کلام کو مقدم رکھے جس کے کلام کو اُسکے مطابق پاوے اُسے صحیح جانے ورنہ کالائے بد بریش خاوند اُس کو قبول نکرے یہ کام مسلمان کا نہیں ہے کہ اندھا بن جاوے اور اپنی آنکھوں کو قرآن وحدیث سے بند کرائے اور اپنے کانوں تک اُن کی آوازیں آنے دے بلکہ اَور لوگوں کے قولوں کو ڈھونڈتا پھرے کہ زید نے کیا کہا ہے۔ عمرو نے کیا فرمایا ہے اور بغیر لانے قرآن حدیث کے بغیر جانچے اُس کے اُن کی باتوں کو مان لے اور نہ صرف ماننا بلکہ انکی سب باتوں پر ایسا یقین کرلے کہ اُسمیں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے اور باوجودیکہ خود بھی صحیح حدیث سے مخالفت اُن کے قول کی سمجھ لی مگر حدیث میں شبہ کرے لیکن اُن کے قول میں شبہ نکرے حدیث کو تو چھوڑ دے مگر اُن کی بات کو نہ چھوڑے پس اگر یہ شرک فی صفۃ النبوت نہیں ہے تو کیا ہے بلکہ میرے نزدیک تو شرک فی صفۃ النبوت سے بھی بڑھکر ہے اس لیئے کہ اگر نبی کو شریک اپنے امام کا رکھتے تو کبھی حدیث پر بھی عمل کرنا جائز سمجھتے حالانکہ منجملہ لاکھ مسئلوں کے ایک مسئلہ میں بھی مخالفت امام کی اور عمل حدیث پر جائز نہیں ہے اور باوجود اس عقیدہ اور ایسے برتاؤ کے کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ جب مقلدین کی زبان سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہم کیا اپنے امام کو معصوم جانتے ہیں معلوم نہیں کہ معصوم کے لفظ سے کیا معنی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کا یہ کہنا کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ دشمن علماء اور فقہاء کے ہیں صرف ایک دھوکا اور مغالطہ ہے تاکہ عوام کو نفرت پیدا ہو اس لیئے کہ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور اُنہیں سے لوگ ہدایت پاتے ہیں تو جو لوگ اُن کے دشمن ہوں گے وہ ضرور دشمن اسلام کے ہونگے حالانکہ ہم تو اُن علماء کے

خاکپا ہیں جو کہ ورثۃ الانبیاء ہیں اور اُن کی زیارت کو بھی عبادت جانتے ہیں مگر ان لوگوں کو جو کہ نام کے مولوی اور عالم ہیں اور حقیقت میں دین کے خراب کرنے والے اُن کے ہم دشمن ہیں اور ہم کیا ہمارے آخری امام مہدی بھی اُن کے دشمن ہوں گے جیسا عارف باللہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ اذا خرج الامام المھدی علیہ السلام فلیس لہ عدو مبین الا الفقھاء خاصۃ فانھم لا یبقی لھم ریاسۃ ولا تمیز عن العامۃ بل لا یبقی لھم علم بحکم الا قلیلاً و یرتفع الخلاف من العالم بوجود ھذا الامام ولولا ان السیف بیدہ لافتی الفقھاء بقتلہ و یعتقدون فیہ اذا حکم بغیر مذھبھم انہ علی الضلالۃ فی ذالک الحکم لانھم یعتقدون ان اھل الاجتھاد و زمانہ قد انقطع وما بقی مجتھد فی العالم و ان اللہ سبحانہ لا یوجد بعد ائمتھم احداً لہ درجۃ الاجتھاد

جس وقت امام مہدی علیہ السلام خروج کریں گے کوئی اُن کا ایسا کھلا ہوا دشمن نہ ہو گا جیسا کہ فقیہہ اور مولوی ہوں گے اس لیے کہ اُن کی ریاست جاتی رہیگی اور اُن میں اور عوام میں کچھ فرق و تمیز نہ رہیگی اور اُن کا حکم باقی نہ رہیگا اور اگر اس امام کے پاس تلوار نہو وے تو ضرور اُس کے قتل کا فتویٰ فقہا دیدیں اور مروا ڈالیں اور جب کبھی امام مہدی موافق اِن چاروں اماموں کے مذہب کے فتویٰ نہ دیں گے تو وہ فقہا سمجھیں گے کہ یہ گمراہ ہے اس لیے کہ اُن کے نزدیک اہل اجتہاد باقی ہی نہیں رہا اور اُس کا زمانہ منقطع ہو گیا اور دنیا میں کوئی مجتہد پایا نہیں جاتا گویا اُن کے نزدیک خدا نے بعد اُن کے اماموں کے ایسے آدمی کا پیدا کرنا بند کر دیا جس کو اجتہاد کا درجہ ہو۔

حقیقت میں مقلدین جس طرح پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں اپنے اماموں کو خاتم الائمہ جانتے ہیں اور جب امام مہدی سے امام کو ترک تقلید سے کافر اور گمراہ جانیں گے اور واجب القتل سمجھیں گے تو پھر ہم ایسے فرقہ سے کیا شکایت کریں اور اپنی نسبت گمراہی اور ضلالت کے فتوے سُن کر کیوں رنجیدہ ہوں حضرات کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں دین کو خود برباد کریں اور کافر اور مستحق قتل ہمکو بتا دیں کیا انصاف ہے ــ تو

مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر ÷

اب میں ان شبہات کو جو علما کی مخالفت کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں صرف ایک محقق کے

قول کو نقل کرکے دور کرتا ہوں یعنی ابن قیم جس نے نہایت خوبی سے اس شبہ کو رفع کیا
اور سارے خطرات کو دور کردیا قال ابن قیم اذا جاءت ھذا الی الخ [۱] "یعنی جب کہ
کسی مسلمان کے نفس مطمئنہ کو اس طرف رجحان ہوتا ہے کہ وہ خاص پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا
کی خالص متابعت کرے تو نفس امارہ کی مزاحمت لوگوں کے قولوں اور رایوں سے اُس کے
ارادہ کے ظہور کے لئے ہوتی ہے پس نفس امارہ ایسے شبہات ڈالتا ہے جن سے کمال
متابعت پیغمبر خدا کی آدمی نہ کرسکے وہ خدا کی قسم دلاتا ہے کہ میری غرض سوائے نیکی اور
احسان اور توفیق خیر کے اَور کچھ نہیں ہے حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور
اصلی غرض اس کی یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرے اور متابعت کے جیل خانہ سے نہ
نکلنے دے اور نفس امارہ ایسے شخص کو دھوکہ دیتا ہے کہ خالص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت
کا قصد کرنا اور آنحضرت کے قول کو سب علما کی رایوں پر مقدم سمجھنا گویا سارے عالموں اور
تمام فقیہوں کی شان میں نقص لگاتا ہے اور اُن کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے کہ اُن میں سے کسی
نے پیغمبر صاحب کے قول پر عمل نہ کیا اور سبھوں نے خود رائی کی اور یہ کیسی بدظنی ہے کہ سارے
مولوی اور فاضل اور بڑے بڑے جو ہوئے وہ تو گنہگار رہے اور غلطی پر اور ہم ثواب ڈھونڈتے
ہیں حالانکہ یہ قوت اور طاقت ہمکو کہاں ہے کہ ہم اُن بزرگوں کے قولوں کو رد کریں اور
اُن کی غلطی اور خطا نکالیں پس ان باتوں کے خطرات دل میں ڈال کر نفس امارہ قسم کھاتا ہے کہ
خدا شاہد ہے کہ میری اَور کچھ غرض سوائے احسان اور توفیق کے نہیں ہے کہ اسی دھوکہ میں
بہت سے لوگ آجاتے ہیں پس ایسی باتوں کو نہ ماننا اور ایسے دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے اولئک
الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم
قولا بلیغا - اور خالص متابعت کرنا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ جو کچھ آنحضرت
لائے ہیں اُس کے سامنے نہ کسی قول کو دیکھے نہ کسی کی رائے پر لحاظ کرے کوئی کیوں
بلکہ اول صرف حدیث کی صحت کی تحقیق کرے پھر اگر اُسے صحت ہوجاوے تو اُسکے معنی
جیسی سمجھ لے تو ہرگز اُس سے عدول نہ کرے گو تمام مشرق سے لیکر مغرب تک اُس سے

---

[۱] ہم نے بسبب طول ہونے کے اصل عبارت کو نقل نہیں کیا صرف ترجمہ پر قناعت کی ہے
عبارت دراسات کے صفحہ ۱۲۲ میں منقول ہے - ۱۲

ہوں اگرچہ ایسا کبھی ممکن نہیں ہے کہ نعوذ باللہ کوئی حدیث ایسی ہو کہ اُمت محمدی میں کوئی
اُس کا قایل اور عامل نہو ہاں یہ ممکن ہے کہ ہر کسی کو معلوم نہ ہو کہ کون شخص اُس حدیث کا
عامل ہوا ہے یا ہے پس نہ جاننا ایسے آدمی کا جو کہ اُس حدیث کا قایل اور اُسپر عامل ہو خدا
کے نزدیک اِس شخص کے لیئے حجت نہیں ہو سکتی جو کہ حدیث کی صحت پر اطمینان کرکے اور
اُس کے معنی سمجھکر حدیث کو چھوڑے اور اُسپر عامل نہ ہو پس جب تو کسی نص کو پاوے تو
تجھے چاہیئے کہ اُسپر عمل کر اور یہ سمجھے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اور بھی اسکا قایل اور اُسپر عامل ہوگا
تجھ کو اُسکی خبر نہیں ہوئی اور اِس سے تو اور علما کی محبت اور حفظ مراتب میں شبہ نکر اسلیئے
کہ مجتہدین اور علما سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور اُسمیں بھی اگر وہ بدنیتی ہی نکریں مستحق ایک
اجر کے ہوتے ہیں لیکن اِس سے یہ لازم نہیں ہے کہ اُن کے غلط قول کی تبعیت کی جاوے
اور صاحب شریعت کے کھلے احکام چھوڑ دیئے جاویں صرف یہ خیال کرکے کہ جن علما اور فقہا
نے اِس قول پر عمل نہیں کیا وہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ تھے اور ہمکو اُن کا سا مرتبہ
حاصل نہیں اِس لیئے کہ جن لوگوں نے اُس نص پر عمل کیا ہے وہ بھی تجھ سے زیادہ عالم تھے
تو تو نص پر عمل کرنے میں کیوں اُن سے موافقت نہیں کرتا اور یہ تو ممکن بھی نہیں ہے
کہ کوئی نص موجود ہو اور کسی نے اُسپر عمل نہ کیا ہو بہر حال نص پر عمل کرنے والا کبھی تنہا نہ ہوگا
اور ضرور اُسکے ساتھ اور لوگ ہونگے پس جو آدمی علما اور فقہا کے قولوں کو قرآن و حدیث
سے ملاوے اور اُس سے مطابق کرے اور جن کو مخالف نصوص کے پاوے اُس سے مخالفت
کرے تو ایسی مخالفت کرنیوالے کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ اُن کا دشمن ہے یا کہ اُن کے حفظ مراتب
پر خیال نہیں کرتا یا اُن کو بُرا جانتا ہے بڑی غلطی ہے اِس لیئے کہ حقیقت میں اُن کے کلام کو
خدا اور رسول کے کلام پر عرض کرنا اور جو مخالف اُس کے ہو اُسے نہ ماننا اصل پیروی اور تابعداری
ان عالموں کی ہے کیونکہ اُنہوں نے خود بھی کیا ہے اور ایسا ہی کرنے کو اوروں کو نصیحت
کی ہے نہ کسی نے معصومیت کا دعویٰ کیا نہ اپنے قول کو نصوص پر مقدم سمجھا پس اس سے
ثابت ہوا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے ایک ایسی تقلید کرنا کسی کی کہ اُسکی سب باتیں
ماننا اور اُسکے قول کو نہ خدا کے کلام سے جانچنا نہ رسول کی احادیث سے ملانا بلکہ ایک معصوم کے
قول کے موافق اُسی کو قبول کر لینا دوسرے اُسکے علم اور فہم اور تفقہ سے استعانت کرنا اور
جو چراغ علم کا اُس نے روشن کیا اُس سے نور لینا پس جو معتقد ہے اور اقوال فہم میں داخل وہ اُس

عالم کے قول کو بلا تامل قبول کرتا ہے نہ اُسمیں غور کرتا ہے نہ کتاب و سنت کی سند سے اُ
صحت کی تحقیق کرتا ہے اور جو محقق ہے اور دوسری قسم میں داخل ہے وہ اُس عالم کے قو
کو بمنزلہ دلیل کے سمجھتا ہے پس اگر پہلی دلیل اُسے مل گئی تو دوسرے استدلال کی کچھ
نہیں جس طرح پر کہ ستارہ قبلہ پر دلیل ہے مگر جبکہ آدمی خود قبلہ کو دیکھ لے تو پھر ستار
حاجت نہیں رہتی اسی طرح پر جب ہم نے کسی فقیہہ یا مجتہد کے قول کو سُنا تو ہمکو اُ
عمل کرنے کی ابتدائی حجت کافی ہے مگر جب ہمکو کوئی حدیث صحیح اُس کے موافق ملجا
تو اُس عالم یا فقیہہ کے قول پر ہمکو کامل اطمینان ہوگا اور سننے سے مرتبہ دیکھنے کا ہمکو حاصل
اور اگر اُس کا قول مطابق حدیث کے نہوا یا اس سبب سے کہ وہ حدیث اُسے نہ ملی یا اس و
سے کہ اُس نے اجتہاد میں غلطی کی تو ہمکو اُس کے چھوڑ دینے میں کچھ تامل نہوگا پس یہ اعتر
جو مقلدین کیا کرتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کو واجب نہیں جانتے آخر وہ بھی فقہا اور علما
کے قولوں پر عمل کرتے ہیں باطل ہوا اس لیئے کہ واجب اور جائز میں بڑا فرق ہے پس
ہمارا یہ قول نہیں ہے کہ علما فقہار کی باتوں کا ماننا یا اُن کے نکالے ہوئے مسئلوں پر
عمل کرنا جائز نہیں۔ ہاں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ جسکو معلوم ہو جاوے
خدا کا فلاں امر میں یہ حکم ہے یا اُس کے رسول نے فلاں معاملہ کی نسبت ایسا فرمایا ہے
تو بمقابل اُس کے دوسرے کا اتباع جائز نہیں اس لیئے کہ خدا و رسول کے حکم کے سامنے
دوسرے کا کچھ حکم نہیں۔ علاوہ بریں اُن مجتہدین اور آئمہ نے جن کے قول کے اتباع
کی نسبت یہ ساری بحث ہے خود بھی تو یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حکم
خدا اور رسول کا ہے بلکہ وہ صاف کہتے رہے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ہمارے اجتہاد ا
رائے کو جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خود یہ قول ہے
کہ جو شخص میری رائے سے بہتر رائے دے میں خود اُس کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں اور نیز
اگر اُن آئمہ و مجتہدین کا قول وہی ہوتا جو کہ خدا اور رسول کا قول ہے تو اُن کے خاص شاگردوں کو
اُن سے مخالفت کرنا جائز نہ ہوتا جس طرح پر کہ اصحاب کو پیغمبر کے قول سے مخالفت جائز نہیں
ہے۔ فقط انتہیٰ ۔

یہ قول ابن قیم کا جو ہم نے نقل کیا مقلدین کے سارے عبث اعتراضات کا جواب ہے اور اس سے اُن کے
کُل شبہات رفع ہوتے ہیں پس باوجود اس کے بھی اگر کوئی تقلید کو واجب کہے اور اُس کے واجب

کہنے والے کو دشمن اسلام کا اور بدعتی جاننے اُس کے حق میں بجز اس کے کہ دعاء خیر کیجاوے
کیا کہا جاوے۔

پس بالفرض محال اگر عدم وجوب تقلید پر کوئی عالم بھی ہمارے ساتھ متفق نہ ہوتا
اور سب اُس کے وجوب ہی کے معتقد ہوتے تب بھی ہمارا اُس سے انکار کرنا خرق اجماع
نہ تھا کہ اس کے عدم وجوب پر ہزارہا علماء کا اتفاق ہے بلکہ سارے صحابہ کل تابعین تمام
تبع تابعین کا یہی عقیدہ تھا پس جو مقلدین یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر تقلید کے وجوب سے انکار
کیا جاوے تو بہت سے علماء فضلاء کے اوپر نقص عائد ہوتا ہے اور اُن کی شان میں غلطی کی
نسبت ہوتی ہے اُن کو یہ بھی سوچنا چاہئیے کہ اگر تقلید کا وجوب تسلیم کیا جاوے اور اُس کا منکر
بدعتی اور فاسق اور گنہگار قرار دیا جاوے تو کل محدثین اکثر اہل تصوف اور اولیاء اللہ اور
اکثر مجتہدین اور محققین کا بدعتی اور فاسق ہونا لازم آتا ہے اس لیئے کہ وہ تقلید کے تارک تھے
پس تعجب ہے کہ وجوب تقلید کے نہ ماننے پر تو یہ شبہ کیا جاوے کہ اکثر علما کی خطا ثابت
ہوتی ہے اور اُس ماننے پر یہ خیال نہ ہووے کہ اکثر محدثین اور اولیاء کرام اور محققین کا گنہگار ہونا
لازم آتا ہے پس بالفرض اگر ایک فرقہ کا چھوڑنا بھی لازم ہوا تو اب اختیار ہے جو چاہے تقلید
میں اخل ہو اور محدثین اور اولیا اور اہل تصوف کو چھوڑے اور جسے منظور ہو وہ حدیث پر
عمل کرے اور اُس زمانہ کے لوگوں کو چھوڑے جو کہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا اور جس میں
بدعت کا رواج بڑھتا گیا۔

**مقلد**: یہ ہم نہیں کہتے کہ اجتہاد انہیں اماموں پر ختم ہو گیا مگر آجکل کسکو ایسا علم ہے کہ وہ
امام ابو حنیفہ کے قول پر جرح کر سکے اور کس کو اُن کا سا تقویٰ اور بزرگی اور احتیاط ہے
کہ اُن کے کلام کو نہ مانے ہاں جو کوئی اُن کا سا علم اور ویسا تقویٰ رکھتا ہو وہ اجتہاد کرے
مگر تب بھی قرب زمانہ نبوت کی فضیلت کہاں سے اب کوئی پاویگا۔

**غیر مقلد**: اس دلیل سے تو آپ ہی کی تقلید باطل ہوتی ہے اس لیئے کہ دوسرا فریق
بھی کہہ سکتا ہے کہ ائمہ اربعہ بھی پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے اصحاب کرام کے ہم رتبہ نہ
تھے اور مہاجرین و انصار میں داخل نہ تھے پس چاہئیے تھا کہ وہ بھی اصحاب کرام کے اقوال میں
جرح و تعدیل نہ کرتے اور کسی ایک صحابی کے سارے قولوں کو تسلیم کر لیتے پس جبکہ مجتہدین نے
اصحاب نبوی کے قولوں میں جرح و تعدیل جائز رکھی اور حضرت ابوبکر صدیق رض سے

یار غار اور حضرت عمر فاروق رض سے فقیہہ اور حضرت علی رض سے عالم جن کی فضیلت میں آیتیں بھی نازل ہوئیں اور جن کی شان میں پیغمبر خدا صلعم حدیثیں بھی فرمائی ہیں اور جن کی ہجرت اور نصرت کی خدا نے تعریف بھی کی باوجود اس کے تیسرے طبقہ کے لوگ اس امر کے مجاز ہوں کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کے قولوں میں سے جس کو مطابق کتاب و سنت کے پاویں اُسے لیں اور جس کو مخالف پاویں اُسے چھوڑ دیں اور ترک کریں اور اس سے اُن کی نسبت یہ شبہہ ہو کہ وہ اصحاب کی بزرگی کے معتقد نہ تھے جو اُن کے قولوں سے انکار کرتے تھے اور بعد آئمہ اربعہ کے جو زمانہ آوے اُسمیں کوئی اُن آئمہ کے اقوال میں جرح و تعدیل کرنے کا مجاز نہ ہو اور سب کو کسی ایک امام کے منجملہ چار اماموں کی تقلید واجب ہووے اور جو واجب نہ جانے اُسپر یہ الزام لگایا جاوے کہ وہ اُس امام کی بزرگی کا منکر ہے یہ ایک نہایت حیرت کی بات ہے۔"

**مقلد** — اگر حدیث پر عمل کیا جاوے تو آجکل کس کو طاقت ہے کہ وہ تمام احادیث کو جمع کرکے ناسخ و منسوخ میں تمیز کرے اور قوی اور ضعیف کو جدا کرے اور اُس سے مسائل کو استخراج کرے۔

**غیر مقلد** — کیا آپ کے نزدیک احادیث کی کتابیں فقہ کی کتابوں سے بھی زیادہ مشکل ہیں اور کیا اصول حدیث کے اصول فقہ سے بھی زیادہ دقیق ہیں اور کیا احادیث کو اگلے لوگ جمع نہیں کر گئے اور کیا اُن کے اقسام ضعیف و حسن وغیرہ کو جدا جدا نہیں کر دیا اور کیا موضوعات کو صحاح سے علیحدہ نہیں کر دیا اور کیا جو اختلاف احادیث میں ہے اُسکی تطبیق محدثین نے اب تک نہیں کی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس قدر تحقیقات احادیث کی محدثین نے کی ہے اور جس قدر مادہ احادیث پر عمل کرنے کا اس وقت موجود ہے اور جیسی آسانی اُسمیں ہے اُس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص فقیہہ بننا چاہے تو جس قدر محنت اور وقت اُسکو ہوگی اتنی محنت اور وقت علم حدیث کے سیکھنے پر نہ ہوگی پس تعجب ہے کہ ہدایہ اور مبسوط وغیرہ جن کا سمجھنا بغیر اصول منطق اور قواعد فلسفہ کے دشوار ہو آپ سمجھ سکیں اور روایات مختلفہ کو جمع کرکے مسائل فقہی کو نکال لیں اور پھر باہم اختلاف مسائل فقہیہ کا رفع نہو۔ بلکہ قطع نظر اُس اختلاف کے جو چاروں مذہب میں ہے ہر مذہب میں صدہا مسائل اختلافی موجود ہوں اور صاف اور کھلی ہوئی حدیثوں کا سمجھنا آپ کے نزدیک مشکل ہو اور اُن کا اختلاف رفع

کرنا اور اُسپر عمل کرنا آپ کے نزدیک محالات اور ممتنعات سے ہو اور ساری حدیث کی
کتابیں اور اُن کی شرحیں اور محدثین کی تحقیقاتیں عبث ہوں اس لیئے کہ اُن کو نہ کوئی
پڑھ سکتا ہے نہ اُسپر عمل کرسکتا ہے پس حدیث کی کتابیں سوائے اس کے کہ واسطے تبرک
برکت کے دوھرے کپڑے میں غلاف کے اندر رہیں اور کبھی کسی فقہی مسئلہ میں اُنپر رجوع
کیا جاوے آپ کے کسی کام میں نہیں آسکتیں ورنہ استخراج مسائل کے لیئے آپ اُن سے کچھ کام
نہیں لیتے اگر لیتے ہیں تو ذرا مہربانی کر کے بتلاؤ کہ کسی فتوی میں خلاف اقوال فقہا کے کوئی
مقلد حدیث کی بھی سند لایا ہے اگر لایا ہو تو پیش کرو ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین
اگر آپ غور کریں اور اپنے علما کے اقوال پر نظر کریں تب آپ کو معلوم ہو کہ فقہا نے احادیث کی
کیسی قدر دانی کی ہے میں اپنے اس قول کی تائید میں صرف ایک فقیہہ کے کلام کو نقل کرتا
ہوں وہ فرماتا ہے[1] کہ اعلم ان اصول الفقہ فرع لعلم اصول الدین واکثر التصانیف
فی اصول الفقہ لاھل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول واھل الحدیث المخالفین
لنا فی الفروع ولا اعتماد علی تصانیفھم یعنی اکثر تصانیف اصول فقہ کی معتزلہ کی ہیں
جو اصول میں ہمارے مخالف ہیں یا اہل حدیث کی ہیں جو فروع میں ہمارے مخالف ہیں اور
ان کی تصانیف پر کچھ اعتبار نہیں ہے پس علامہ نے گویا اہلحدیث کا ایک فرقہ علیحدہ
تصور کیا اور ان کی تصانیف کو اعتبار کے لایق نہ جانا یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ
تقلید کی وجہ سے اہل حدیث دائرہ سنت سے خارج کردیئے جاویں اور اُن کی تصنیفات پر
صرف اسی قصور پر کہ وہ فقہ حدیث پر یعنی پیغمبر صاحب کے قول کو مانتے ہیں اعتبار نہ کیا جاوے
میں حیران ہوں کہ اگر اہل حدیث ہی دائرہ سنت سے خارج ہوں تو پھر دوسرا کون ہے جو سنی
ہوسکے سچ کہا ہے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں جو جواز
بارہ کے لکھا ہے کہ بالجملہ بدلیل باطل کسے مخالفت پیغمبر خدا کردن و خلاف
بنام مذہب فلاں و باوجود آں خود را سُنی پنداشتن جز جہل و
نادانی و یا تعصب نفسانی چیزے دیگر نباشد سنی آنکہ کار سُنت کند و
رافضی آنکہ ترک سُنت کند۔"

[1] دیکھو کشف الظنون مطبوعہ کے صفحہ ۸۹ کو ۱۲

**مقلد**:- پس تم بدعتی اور فاسق ہو بلکہ کافر جو تقلید کو واجب نہیں جانتے ہو تو کفر کا فتویٰ لکھا جاوے گا اور تمہارا کھانا پینا بند ہوگا تاکہ آئندہ پھر کوئی دین کو برباد نام اور مذہب میں فتنہ وفساد نہ کھڑا کرے "

**غیر مقلد**:- من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

سنو ہم تو اسی روز سے آپ کے کفر کے فتویٰ کے منتظر ہیں جب سے ہم نے قرآن و حدیث کو اپنا متمسک بنایا اور زید وعمرو کو چھوڑا اور پابندی رسم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر نہ ہونا چاہیئے۔ وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہمکو نقصان ہے ورنہ اگر دنیا کے سارے بندے ہمکو کافر کافر کہیں اور خدا کے ساتھ ہمارا معاملہ راست راست ہو اور اس کے پیچھے اور اس کے رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار اسلام صدقے ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شریک ہیں اور یہ آپ کا فرمانا کہ اگر ہم ایسا کریں تو دین برباد ہو جاوے موجب صد ہزار حیرت ہے کہ حدیث پر عمل کرنے میں دین کی بربادی کیا ہوگی اگر آپ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جس کا مدار سوائے قرآن وحدیث کے اور کسی پر ہو اس کا برباد ہی ہونا بہتر ہے۔

## قول فیصل بہ نسبت تقلید وعمل بالحدیث کے

بعضوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر تقلید چھوڑ دی جاوے تو حدیث پر کیونکر عمل کیا جاوے اور جو اختلاف احادیث میں ہے وہ کیونکر رفع کیا جاوے۔ آخر تقلید چھوڑنے پر بھی ہمکو اجتہاد کرنا پڑے گا اور سارے جزئیات مسائل کا حدیث سے نکالنا ممکن نہ ہوگا تو چار عمدہ اور اچھے اماموں کے مذہب کو چھوڑنا اور ایک نیا مذہب کھڑا کرنا نادانی ہے اس پر یہ قول فیصل جو محققین علماء لکھ گئے ہیں ہم بھی لکھتے ہیں۔

یہ امر خیال کرنا کہ منجملہ مذاہب اربعہ کے کسی مذہب کے مسائل پر عمل کرنا جائز نہیں ہے غلطی ہے بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ تقلید کو واجب جاننا اور اس کی اس طرح پر پابندی کرنا کہ ایک امام کے مقلد کو دوسرے امام کے کسی مسئلہ پر عمل کرنا یا اپنے امام کے کسی

[illegible] صحیح مخالف حدیث کے پاکر اُس کا ترک کرنا یا کسی مسئلہ میں اجتہاد کی طاقت رکھکر اجتہاد نہ کرسکنا غلطی ہے اور یہ اگلے لوگوں کے طریق کے خلاف ہے بلکہ چاروں اماموں میں سے کسی کے قول کو ماننا یا اُن کے استخراج کیے ہوئے مسائل پر عمل کرنا نہایت ہی بہتر ہے اور آجکل تو نہایت ہی مناسب اور ضرور ہے اور عامیوں کو تو سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں لیکن چند شرائط سے۔

اوّل۔ جائز ہونا اجتہاد کا اور ترک تقلید کا اگر کوئی شخص ایک مسئلہ میں بھی اجتہاد کرسکے۔

دوسرے۔ چھوڑ دینا کسی قول کا جبکہ کسی حدیث صحیح صریح سے مخالفت اُسکی ثابت ہوجاوے اور اس حدیث کا منسوخ ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچے۔

تیسرے۔ نہ اعتقاد رکھنا اس امر کا کہ ایک امام کے مقلد کو دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

چوتھے۔ مقدم رکھنا احادیث اور اصول احادیث کو قیاس اور قواعد مقررہ اصولی پر۔

پس ان چار شرطوں کے ساتھ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس امام کے مذہب پر چاہے چلے اور جس کے قول کو معتبر اور اچھا جانے اُس کو اختیار کرے اور یہی مطلب ہمارا ہے اور یہ غرض ہماری نہیں ہے کہ کسی امام اور کسی فقیہ اور کسی مولوی کے کسی قول کو نہ مانے اور ہر شخص عامی ہو یا خاص عالم ہو یا جاہل ہو وہ مسئلہ میں اپنا ہی اجتہاد کرے اور سارے جزئیات خود ہی کتاب و سنت سے نکالے۔

پس افسوس ہے اُن لوگوں پر کہ جو باوجود علم و فضل کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ چاروں مذہب میں سے کسی مذہب کی پابندی ترک کرنی اور دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا یا چاروں مذہب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا یا اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں ہے اس لیے کہ حقیقت میں یہ قول ایک نیا حکم شریعت کا ہے اور جس کا قائل اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا دریردہ دعویٰ کرتا ہے طحطاوی میں ایک بڑے فقیہ صاحب کمال کا قول لکھا ہے کہ المنتقل من مذهب الى مذهب باجتهاد وبرهان آثم يستوجب التعزير فبلا اجتهاد وبرهان اولى اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اجتہاد و برہان کے ایک مذہب کا چھوڑنا اور دوسرے مذہب کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ گنہگار ہے اور ایسا کرنے والا

واجب التعزیر مگر افسوس ہے کہ اِس قول کے کہنے والے نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کو قیامت
کے دن کیا جواب دیگا اور اپنی طرف سے فہرست میں گناہوں کی ایک گناہ بڑھا دینے کا کیا
دلیل پیش کرے گا سچ یہ ہے کہ اگر ایسی ایسی باتیں یہ لوگ نہ لکھ جاتے اور اُن دھمکیوں
جاہلوں کو نہ ڈراتے تو تقلید کا ایسا زور شور کیونکر ہوتا اور حدیث پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء پر
عمل کرنا کیونکر چھوٹتا۔ وما سعادۃ الدارین الا بالاعتصام بہ

ان لم یکن فی معادی اخذا بیدی ٭ فضلاً و الافضل یا زلۃ القدم

میں اب مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اسی بحث کے متعلق اور کچھ لکھوں گا اور اُن اقوال
کو جو مقلدین تقلید کی نسبت بیان کرتے ہیں مفصل لکھکر اُس کا جواب دوں گا اور جو کچھ
شرح سفر السعادت اور تفسیر احمدی وغیرہ میں لکھا ہے اُس کو بجنسہ نقل کر کے اُس پر آپ سب کو
آگاہ کروں گا جو محدثین اور مجتہدین نے بہ نسبت اُس کے دیا ہے اور علاوہ اُس کے سارے
شبہات اور اعتراضات کو مقلدین کے نہایت خوبی سے بیان کرتے اُس کی برائی بھلائی کو
ظاہر کروں گا افسوس ہے کہ مضمون بڑا اور پرچہ چھوٹا کیونکہ جو کچھ دل میں ہے اُسے لکھوں گا
خیر اب تو اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور جو رہ گیا ہے آئے دوسرے پرچہ میں لکھوں گا۔

مجھے اپنے بھائیوں سے امید ہے کہ وہ لکھنے کی خفا نہ ہوں اور نہ غصہ ہوں گے اور نہ
برا کہنا شروع کریں بلکہ اول اپنا دل کو ٹھنڈا کریں اور غور سے دیکھیں اور پھر انصاف کریں اپنے
کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف مجتہدین و محققین کے اقوال کی نقل ہے نہ فقط کاتب کی رائے اور
وہ اقوال بھی محدود نہیں اور جو کچھ لکھے گئے اُسی پر ختم نہیں بلکہ صرف بطور نمونہ کے ہیں ورنہ
اُس کے صدہا قول بڑے بڑے محققوں کے اُس کی تائید میں ہیں اگر صرف ہماری ہی رائے
ہوتی تو ہم مستحق عتاب اور قابل ملامت کے تھے جب کہ ہم نقل کرنے والے اور جمع کر دینے والے
اُن کے قولوں کے ہیں تو حضرت جو کچھ ارشاد فرماویں سو اول بزرگوں کی ارواح پر
اُس کا اثر ہوگا پیچھے ہمارے اوپر اور ہم تو اپنی عزت اسی میں سمجھتے ہیں کہ خدا اور اُس کے رسول
کے پیچھے لوگ ہم سے دشمنی رکھیں اور ہمکو بالحدیث کے سبب سے کافر کہیں اور ہم بھی اپنے
سچے خدا اور سچے رسول سے مضمون اس مصرعہ کا۔ عالم تمام دشمن جاں شد برائے تو۔
عرض کریں۔ اے بھائیو۔ ان سب باتوں کو غور سے دیکھو اور انصاف کرو۔ تلک آیات اللہ نتلوھا
علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یؤمنون۔

# تفسیر بالرائے

مسلمان یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اپنی عقل سے قرآن مجید کی تفسیر کرنی اور معنی بیان کرنے منع ہیں اور اپنے اس اعتقاد کے ثبوت پر اس حدیث کو کہ من فسر القرآن برایٔہ فلیتبوأ مقعدہ من النار پیش کرتے ہیں یعنی جس شخص نے قرآن کی تفسیر اپنی عقل سے کی تو وہ اپنی جگہ دوزخ کی آگ میں ٹھہرا لے۔

مگر جو معنی کہ انہوں نے تفسیر بالرائے کے سمجھے ہیں وہ غلط محض ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں جو کچھ اگلے مفسروں نے کہا ہے اور جو کچھ اگلی تفسیروں میں لکھا ہے اس کے سوا اور کچھ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے نکالنا منع ہے پس اس کے سوا جو کوئی شخص قرآن مجید کے کسی لفظ کے اور معنی کہتا ہے یا کسی آیت کی تفسیر دوسری طرح پر کرتا ہے وہ تفسیر بالرائے کرتا ہے اور دوزخ کی آگ کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ سمجھ ان کی بالکل غلط ہے اور علمائے متقدمین کے اقوال اور طریقہ اور مذہب کے بھی برخلاف ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی رح فرماتے ہیں کہ[1] "تفسیر قرآن برائے سے یہ معنی ہیں کہ اس کی غرض تو یہ ہو کہ ایک مطلب کا بیان کرنا ہو اور وہ تفسیر قرآن کی گواہی لاوے اور قرآن مجید کو اپنے مطلب پر کھینچ لاوے کہ اس مطلب پر آیت کے نازل ہونے پر نہ لفظوں کے لغوی معنی دلالت کریں اور نہ کوئی نقلی روایت موجود ہو" پس بلاشبہ اس طرح پر قرآن کی تفسیر منع ہے۔

بعد اس کے امام غزالی صاحب لکھتے ہیں کہ[2] "اس بات سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ قرآن کی

---

[1] من فسر القرآن برائیہ ہو ان یکون غرضہ روایۃ تقریر امر وتحقیقہ فیستجیر شہادۃ القرآن الیہ ویحملہ علیہ من غیر ان یشہد لتنزیلہ علیہ دلالۃ لغویۃ او نقلیۃ ۱۲

[2] ولا ینبغی ان یفہم منہ انہ یجب ان لا یفسر القرآن بالاستنباط والفکر فان من الآیات ما نقل فیہا عن الصحابۃ والمفسرین خمسۃ معان وستۃ وسبعۃ ویعلم ان جمیعہا غیر مسموعۃ من النبی صلعم فانہا قد تکون متنافیۃ لا تقبل الجمع فیکون ذالک

تفسیر استنباط سے اور غور و فکر سے بھی کرنی منع ہے کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں
اُن کے پانچ پانچ چھ چھ سات سات معنی صحابہ اور مفسرین سے نقل ہوئے ہیں ا
اُن میں سے کوئی بھی رسول خدا صلعم سے نہیں سُنا اور وہ معنی آپس میں ایک دوسرے
برعکس بھی ہوتے ہیں اور سب کے سب صحیح نہیں ہو سکتے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے
غور اور اپنی اپنی سمجھ سے نکالے تھے اسی لیے رسول خدا صلعم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ
کو دعا دی تھی کہ اللہ اُسکو دین میں سمجھدار کرے اور اُس کو قرآن کے معنی بیان کرنے
سکھاوے "

اسی طرح ایک جگہ فرماتے ہیں کہ بہت سے دقیق معنی اور قرآن کے بھید ایسے ہیں کہ
غور و فکر کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں کہ اُن سے تفسیر کی کتابیں بالکل خالی ہیں اور
بڑے بڑے مفسرین کو بھی اُن کی خبر نہیں ہوئی "

غرضکہ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ خدا کی کتاب پر غور کرنا اور اُس کے الفاظ سے
معانی اور مطالب کی تحقیق کرنا اور صرف اگلے مفسرین کی پیروی ہی نہ کرنا بلکہ جو علوم
کہ اب حاصل ہوئے ہیں اُن کا قرآن مجید کے الفاظ سے مطابق کرنا منع نہیں ہے اور نہ ایسا
کرنا تفسیر بالرائے ہے اور یہ کیونکہ تفسیر بالرائے ہو سکتی ہے اس لیے کہ تفسیر بالرائے
ہونے میں یہ بات ضرور تھی کہ الفاظ کے معنی حقیقی یا نقلی اُس پر دلالت نہ کرتے ہوں اور
اب جو ہم تفسیر قرآن کی کرتے ہیں وہ تو اُس سے بھی زیادہ مستند یعنی حقایق محققہ پر
کرتے ہیں اور اپنی عقل یا قیاس کو مطلق دخل نہیں دیتے ہیں وہ تفسیر بالرائے کیونکر
ہو سکتی ہے بلکہ وہ تفسیر تو فی الحقیقت حقیقت قرآن ہے جس کی روشنی خدا سب کو
نصیب کرے - آمین *

---

مستنبطاً بحسن الفهم وطول الفكر ولهذا قال صلى الله عليه وسلم لابن عباس رضي الله
عنه اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل - ۱۲

[^1] فكم من معان دقيقة من اسرار القرآن تخطر على قلب المتجردين المذكر و الفكر
يخلو عنها كتب التفاسير ولا يطلع عليها افاضل المفسرين ۱۲

# وجود آسمان

مسلمان جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے ہر ایک مسلمان کو اس بات کا اعتقاد
رکھنا فرض ہے کہ آسمان ایک مجوف کروی جسم گنبد کی مانند ہے اور انڈے کے چھلکے کی طرح
دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور زمین مثل انڈے کی زردی کے اسمیں ہے اور تمام ستارے
اس میں جڑے ہوئے ہیں یہ سمجھ اور یہ اعتقاد ان کا غلط ہے۔

حکمائے یونان نے اپنی حکمت اور اپنے علم ہیئت میں آسمان کو جسم کروی محیط زمین کے
اور ستاروں کا اس میں جڑا ہوا ہونا بیان کیا تھا۔ یہودی بھی آسمانوں کو ایسا ہی سمجھتے
تھے۔ مسلمانوں نے بھی قرآن مجید کی آیات متشابہات پر جن میں آسمانوں اور ستاروں کا
ذکر ہے بخوبی غور و فکر نہیں کیا اور جیسا کہ اس زمانہ میں رواج تھا اور جہاں تک اس زمانہ
میں ترقی علوم کی ہوئی تھی اسی کے مطابق ان کے معنی کہہ دیئے ورنہ قرآن مجید سے
اس اعتقاد کا ثبوت مطلق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں آیات متشابہات کا ہونا خصوصاً ان امور میں جو زمین و آسمان اور
ستاروں اور فرشتوں اور بہشت و دوزخ سے علاقہ رکھتے ہیں نہایت حکمت اور ایک
عجیب قدرت کی بات ہے اگر حقائق واقعی موجودات کی بذریعہ آیات محکم قرآن مجید میں
بیان کی جاتیں تو تمام دنیا اس میں حیران و پریشان ہو جاتی اور تعلیم روحانی جو اصلی مقصود
قرآن مجید کی تھی غیر مقصود جھگڑوں میں برباد ہو جاتی اس لیے ان حقائق کا بیان بذریعہ
آیات متشابہات کے ہوا جن کے الفاظ مستبعد خلاف علم و ادراک اس زمانہ کے لوگوں
کے نہ تھے اور ان کے معانی متعلقہ حقیقت اشیاء کما ہی علیہ پر دلالت کرتے تھے اور یہ
طرز بیان ایسا عمدہ ہے کہ اعجاز قرآن میں شمار ہو سکتا ہے۔

پس اب ہم مسلمانوں کو یہ اعتقاد کرنا چاہیئے کہ درحقیقت آسمان کوئی وجود مجسم مثل
گول گنبد یا چورس چھت کے نہیں ہے بلکہ تمام ستارے چاند اور سورج جن میں زمین بھی
ایک ستارہ ہے فضائے بسیط میں معلق ہیں اور قدرتی ستون کے ذریعہ سے جسکو ہم نہیں
دیکھ سکتے اور جس کا نام لسان شرع میں عمد غیر مرئی اور زبان اہل علم میں جذب ہے

اپنی اپنی جگہ پر قایم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اُس کا نام آسمان ہے جس طرح ہم اپنے سر پر کی چیزوں کو جو حقیقت میں امریکہ کے رہنے والوں کے تحت القدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح امریکہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزوں کو جو درحقیقت ہمارے تحت قدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ کچھ ہمارا ہی قول نہیں ہے بلکہ اگلے مسلمان عالم بھی اس بات کے قایل ہوئے ہیں امام فخرالدین رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع" یعنی آسمان کا لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی سما کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جہاں خداتعالی نے فرمایا ہے کہ "وانزل من السماء ماءً" یعنی برسایا خدا نے اوپر سے پانی۔ پس اس جگہ سما یعنی آسمان کے لفظ سے اگلے لوگوں کے نزدیک بھی یونانی حکیموں والا آسمان مراد نہیں بلکہ صرف اوپر کی سمت مراد ہے۔

قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آسمانوں کا ایک ایسا وجود جیسا کہ یونانی حکیموں نے بیان کیا ہے نہیں ہے کیونکہ خداتعالی نے ستاروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ تیرتے پھرتے ہیں پھر اگر وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہوتے تو وہ تیرنے کیونکر پھرتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کوئی وجود مجسم نہیں ہے اور نہ ستارے کسی میں جڑے ہوئے ہیں بلکہ معلق ہیں اور خود اپنی اپنی جگہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

فلک کے معنی بھی جو مسلمانوں نے مثل آسمان کے جسم مجوف کروی محیط ارض قرار دیئے ہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ فلک کے معنی اُس دایرہ کے ہیں جو کسی ستارہ کی گردش سے ذہن میں یا خیال میں پیدا ہو جاتا ہے جیسیکہ بنٹی پھراتے ہیں تم نے دیکھا ہوگا کہ گول چکر بن جاتا ہے حقیقت میں وہ چکر نہیں ہے بلکہ صرف بنٹی کے سروں کی گردش کرنے کا رستہ ہے جو خیال میں مثل فلک یعنی دایرہ کے دیکھائی دیتا ہے جب کبھی لڑکے ڈور کے سرے میں پتھر یا گیند باندھ کر زور زور سے پھراتے ہیں تو ایک وہمی حلقہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ حقیقت میں وہ حلقہ مجسم نہیں ہے بلکہ اُس پتھر یا گیند کی گردش کی راہ ہے جو وہم میں مثل فلک یعنی دایرہ کے دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت سے کہ "کل فی فلک یسبحون" یعنی ہر ستارہ ایک

گھیرے میں تیرتا پھرتا ہے بالکل ٹھیک ٹھیک فلک کے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں جو ابھی ہم نے بیان کیے۔

شارح چغمینی نے بھی لکھا ہے کہ "ان الفلک یطلق علی غیر المجسم ایضا کالدوائر والمحیطات" یعنی فلک کا لفظ غیر مجسم چیز پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ دائرہ پر یا حلقہ پر۔

امام فخرالدین رازی رح لکھتے ہیں کہ "او دائرۃ یفعلہا الکواکب بحرکتہ"۔ یعنی فلک ایک دائرہ بھی ہو سکتا ہے جو ستارہ اپنی چال سے بناتا ہے۔

اور اس بات کے ثبوت کے لیے کہ آسمان سے صرف ستاروں کا رستہ مراد ہے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن مجید میں آسمانوں کے لفظ کے بدلے ستاروں کی راہ فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے "وخلقنا فوقکم سبع طرائق" جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اسی طرح اس آیت میں یہ فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں پیدا کی ہیں۔ آسمانوں کی جگہ راہیں فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور ستاروں کے چلنے کی راہ ایک چیز ہے اور راہ ستاروں کی ضرور نہیں کہ جسم مجسم ہو بلکہ کرۂ متخلخل کی فضائے بسیط میں جس طرف حرکت ہے وہی اس کی راہ ہے۔

اب ان لفظوں سے بحث باقی رہی جن میں صفات آسمانوں کی بیان ہوئی ہے اور جس سے آسمانوں کے مجسم ہونے کا شبہ پڑتا ہے مگر حقیقت میں ان سے بھی مجسم ہونا آسمانوں کا ثابت نہیں ہوتا۔

اوّل یہ کہ ایک جگہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خلق سبع سموات طباقا یعنی سات آسمان تہ بتہ اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آسمان دوسرے آسمان سے ایسا ملا ہوا ہے جیسے پیاز کے پرت اور یہی مذہب حکمائے یونان کا بھی تھا کہ ایک آسمان کا مقعر نیچے کے آسمان کے محدب سے ملا ہوا مانتے تھے۔

مگر امام فخرالدین رازی رح نے ان معنوں کو تو باطل کر دیا وہ کہتے ہیں کہ "لعل المراد کونہا طباقا کونہا متوازیۃ لا انہا متماسۃ" یعنی تہ بتہ ہونے سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں شاید ان کا ایکدوسرے کے متوازی ہونا مراد ہو۔

مگر حقیقت میں یہ معنی بھی جو امام فخر الدین رازیؒ نے لیئے ہیں صحیح نہیں ہیں۔ ؟
ہے کہ سمار یعنی آسمان کا لفظ عربی زبان کے محاورہ میں ہر اوپر کی چیز پر جو بلا تعلق
کے معلق دکھائی دیتی ہو بولا جاتا ہے۔ مثلاً چاند۔ سورج۔ ستاروں پر بھی سمار کے
کا اطلاق ہوتا ہے اور اُن کی حرکت سے جو دائیرہ یا گھیر متخیل ہوتا ہے اُس پر بھی
کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ بادلوں پر بھی سمار کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ نیلی نیلی
جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اُس پر بھی سمار کا لفظ بولا جاتا ہے اوپر کی سمت پر بھی جو
بسیط ہے سمار کے لفظ اطلاق ہوتا ہے پس خلق سبع سموات طباقا
یعنی ہیں کہ خلق اللہ تعالیٰ ھذہ السمت المرئیۃ علی سبع ارتفاعاد
طباقا یعلمھا اھل ذلک الزمان بعدد سبع اجرام عظام یقال لہ
الکواکب السبع۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی سات اوپر تلے طبقوں
پیدا کیا ہے جس کو اُس زمانہ [illegible] سات [illegible] جیسے [illegible]
سات ستارے گشتی [illegible] سمجھتے تھے [illegible] سطح پر نقاط
مقرر کر کے اُس سطح واحد [illegible] یونانی حکیموں کے [illegible]
کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے و بنینا فوقکم سبعا شدادا و
جعلنا سراجا وھاجا۔ یعنی بنائیں ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چیزیں اور
ہم نے ایک کو چراغ روشن [illegible] چیزوں کا ذکر ہے اُن
یونانی حکیموں کے سات آسمان مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اُن سات مضبوط
چیزوں سے وہی سات سیارے مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ بھی جانتے تھے ا
جبکہ اُس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ایک چراغ روشن جس سے علانیہ سورج مراد
جس کو لوگ اُن سات میں سے ایک سمجھتے تھے تو اب کچھ شبہ نہیں رہا کہ اُن سات
چیزوں سے یونانی حکیموں والے سات آسمان مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سات چیزیں
مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ سبع سیارہ کہتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ الذی رفع السموات بغیر
عمد ترونھا۔ اس آیت سے بھی یونانی حکیموں والا آسمان ثابت نہیں ہوتا بلکہ

یہ آیت بالکل اُس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا ہے واضح کر دیتی ہے اس لیئے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے اُٹھا دیا اوپر والی چیزوں کو بغیر ستون کے جس کو تم دیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہیں اُن کے لیئے ستون تو ہے مگر وہ ایسا ستون ہے کہ ہمکو دکھائی نہیں دیتا۔ اب سمجھو کہ وہ ستون کیا ہے وہی قوت جاذبہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کرہ معلق میں پیدا کی ہے جس کے سبب تمام اوپر کی چیزیں معلق بغیر ظاہری ستون یا سہارے کے کھڑے ہیں۔

امام فخرالدین رازی رح نے جو کچھ اس مقام پر لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ بعض مفسرین کی یہی رائے تھی کہ خلاء غیر محدود میں کرات معلق ہیں چنانچہ وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وعندي فيه وجه آخر احسن من الكل وهو ان العماد ما يعتمد عليه وقد دللنا على ان هذه الاجسام انما بقيت واقفة في الجو العالي بقدرة الله تعالى وحينئذ يكون عمدها هو قدرة الله تعالى فنتج ان يقال انه رفع السماء بغير عمد ترونها اى لها عمد في الحقيقة الا ان تلك العمد هي قدرة الله تعالى وحفظه وتدبيره وابقاؤه اياها في الجو العالي وانهم لا يرون ذلك التدبير ولا يعرفون كيفية ذلك الامثال۔ یعنی امام فخرالدین رازی رح کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اچھی ایک اَور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ستون اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے سہارے سے کوئی چیز ٹھہری رہے اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام جسم صرف خدا کی قدرت سے اس قدر وسیع جو میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو اب وُہی خدا کی قدرت اُن کے لیئے ستون ہوگی پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تعالیٰ نے آسمان یعنی اوپر کی چیزوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم دیکھو اُٹھا رکھا ہے وہ خدا کی قدرت اور اُس کی نگہبانی اور تدبیر اور اُس کا ٹھہرائے رکھنا ایسی چیزوں کا اتنے بڑے جو میں ہے اور بے شک بندے اُن تدبیروں کو نہیں دیکھتے اور ان باتوں کو نہیں جانتے۔

اگر اِس زمانہ میں امام فخرالدین رازی رح ہوتے تو اُن کو اتنی بڑی تقریر اور ٹیڑھی سیدھی باتیں نہ بنانی پڑتیں بلکہ وہ نہایت آسانی سے سمجھ لیتے کہ وہ ستون جس کو ہم نہیں

دیکھئے جس سے تمام کرات معلق تھمے ہوئے ہیں وہ قوت جذب ہے جو خدا نے ہر ایک
میں پیدا کی ہے۔

چوتھے یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت تین لفظ اور آئے ہیں جن کی تفسیر
میں کم غور کرنے والوں کو دقت پڑتی ہے اور وہ لفظ یہ ہیں۔ سقفا محفوظا۔
ما لہا من فروج۔ والسقف المرفوع۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں لفظوں سے
ثابت ہوتا ہے کہ آسمان چھت کی مانند ہے اور جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسیم ہوگا۔
اس خیال پر بعض مفسرین کی اور شامت آئی کہ وہ یہ سمجھے کہ جب چھت کی مانند ہوا تو
ضرور چورس ہی ہوگا اور دیواروں پر ہی رکھا ہوا ہوگا۔ اس خیال باطل سے انہوں
نے کہدیا کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ آسمان چورس ہے اور بڑے اونچے اونچے پہاڑوں
پر ٹکا ہوا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ایک نو طور پر جیسا کہ اُس زمانہ کے فیلسوفوں کا
دستور تھا اس بیان کو رد کیا ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ الفاظ کچھ بھی منافی یا مخالف حقیقت
کے نہیں ہیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ آسمان ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے پس یہ
نیلی نیلی چیز جو ہم کو دکھائی دیتی ہے اور جو حقیقت میں مثل دخان یا ہوائے محیط کے ایک
جسم بھی رکھتی ہے اور ہماری دنیا کے چاروں طرف محیط ہے اور دنیا کے رہنے والوں
کو مثل سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے اسپر بھی آسمان کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہ نیلی چیز
حکیموں والا آسمان نہیں ہے پس اگر اس نیلی چیز پر سقف مرفوع او سقف محفوظ کا اطلاق
ہوا تو مشکل اور دقت کیا پیش آئی۔

ایک اور مصیبت مفسرین پر پڑی ہے کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت لفظ دخان بھی
آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دھواں ہے اب تو مفسرین کے ہوش گئے اور
سمجھے کہ اب تو یونانی حکیموں والا آسمان بھی نرا شیخ چلی کی طرح سوچنے کا گھر خاک ہوگیا ہے
تو اسپر جناب شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی
آنکھ میں دھویں کی مانند دکھائی دے مگر اصل میں ایسا نہو اسپر ابن مسعود کا ایک قول بے سند
نقل کیا ہے کہ بھوک کے مارے آنکھوں میں آسمان مثل دھویں کے دکھائی دیگا
پھر فرماتے ہیں کہ میاں قرآن کی باتوں سے انکار کرنا منع ہے اگر سمجھ میں نہ آوے تو
ظاہری اُس کے معنوں ہی پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اول درجات ایمان اُن کا مان لینا اور

تصدیق کر لینا ہے۔ مگر ہم دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ادنیٰ درجات ایمان نہیں چاہتے ہم تو اعلیٰ درجات ایمان پر پہونچے ہوئے ہیں۔

یہ باتیں ہم نے کچھ گستاخی کی راہ سے نہیں لکھیں بلکہ جتنا کہ ہم امام رازی اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا ادب کرتے ہیں اور اُن کو علماء محققین ربانی سے سمجھتے ہیں اتنا کوئی نہ کرتا ہوگا نہ سمجھتا ہوگا۔ مگر اس تحریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ بات سمجھیں کہ حقیقت اشیاء روز بروز زیادہ تر منکشف ہوتی جاتی ہے اور جس قدر کہ ہمارا علم ترقی پاتا ہے اُسی قدر کلام ربانی کی حقیقت زیادہ تر واضح ہوتی ہے۔ پس اقوال مفسرین سابق ہی پر ہمکو منحصر رہنا نہیں چاہئیے۔

ہماری دنیا کو ایک مادہ رقیق سیال محیط ہے جس کا نام دخان کہو خواہ ہوائے محیط کرہ ارض خواہ اَور کچھ اور وہی مادہ اس بات کا سبب ہے کہ گویہ نیلی چھت جس کو آسمان بھی کہتے ہیں دکھائی دیتی ہے۔ پس یہ بات کہنا کہ آسمان دخان ہے بالکل حقیقت کے مطابق ہے اور کچھ بھی تاویل اور تردد کی حاجت نہیں ہے۔ یہ ساری خرابی اسلئے پڑتی ہے کہ ہم نے اپنی غلطی سے ہر جگہ لفظ آسمان کا مصداق یونانی حکیموں کے آسمان کو سمجھ رکھا ہے۔

پانچویں۔ یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت فتح ابواب بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک جسم مجسم ہے اور اُسمیں چوکھٹ اور کواڑ اور قبضے کڑے کھٹکے لگے ہوئے ہیں جس کے سبب دروازے کھلتے بند ہوتے ہیں اور ضرور سنتری بھی دروازے کھولنے بند کرنے کو کھڑے ہوں گے۔ پھر آسمان کے وجود مجسم و مستحکم سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے مگر اسپر ہمکو بحث کرنی ضرور نہیں کیونکہ خود اگلے مفسرین اسکو رد کر چکے ہیں۔ قال الامام الغزالی رح وھو علی طریق الاستعارۃ فان الظاھر ان الماء کان من السحاب وعلی ھذا فھو کما یقول القایل فی المطر الوابل جرت مزاریب السماء وفتح ابواب القرب۔ یعنی امام غزالی صاحب رح فرماتے ہیں کہ شدت سے مینہ برسنے میں جو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے تو ایسا کہنا بطور استعارہ کے ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مینہہ یونانی حکیموں والے آسمان ہی سے تو برستا نہیں بلکہ بادلوں ہی سے برستا ہے۔ پس

آسمان کے دروازوں کا کھلنا ایسا ہے جیسے کوئی شدت کے مینہہ برستے میں یوں کہے کہ آسمان کے پرنالے بہ نکلے اور پچھالوں کے مونھ کھل گئے۔

چھٹے یہ کہ بعضی جگہ قرآن مجید میں آسمانوں کے پیدا کرنے اور بنانے کا ذکر کیا اور چند جگہ اُن کا شق ہونا اور پھٹ جانا فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ مثل یونانی حکیموں کے آسمان کے مجسم نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ باتیں آسمانوں کی نسبت کیونکر منسوب کرتا۔

مگر سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں غیر مجسم چیزوں پر خلق کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے بلکہ حالات مفروضہ و اشیاء معدومہ کی نسبت بھی ایسے لفظوں کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ "جعل فی السماء بروجا" یعنی بنائے آسمان میں برج حالانکہ کسی کے نزدیک وہ کوئی جسمانی چیز نہیں ہے۔ موت اور حیات سب کے نزدیک صرف فرضی حالتیں ہیں اُن کی نسبت بھی خلق کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ "خلق الموت والحیات" عقل کی نسبت بھی پیدا کرنے کا لفظ آیا ہے معہذا جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اوپر کی تمام چیزوں پر آسمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُن میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وجود اصلی بھی رکھتی ہیں پس یہ بات کہنی کہ اوپر کی چیزوں کو خدا نے بنایا ہے۔ خدا نے پیدا کیا ہے۔ اوپر کی چیزیں پھٹ جاوینگی شق ہو جاوینگی کچھ بھی حقیقت کے برخلاف نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل کی حاجت ہے۔ غلطی تو جب ہی پڑتی ہے جبکہ قرآن کو چھوڑ کر یونانی حکیموں کی پیروی کر کر سماء کے لفظ سے یونانی حکیموں کا بنایا ہوا آسمان مراد لیا جائے۔

اب سبع سموات کی بحث باقی رہی یعنی اگر طبقات آسمان کے وہ معنی لیے جاویں جو سبع سموات طباقا میں بیان ہوئے تو وہ سات نہیں قرار پا سکتے بلکہ سات سے زیادہ ہیں اور روز بروز نکلتے چلے آتے ہیں۔ چند روز ہوئے کہ ایک ہرشل سیارہ کا طبقہ نکلا تھا اور ابھی نیپچون سیارہ کا ایک طبقہ نکلا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اور کتنے نکلتے آویں پھر اُن کو سات میں منحصر کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

مگر یہ سمجھ کہ خدا نے اُن طبقوں کو سات میں منحصر کر دیا ہے غلط ہے کوئی تعداد بیان کرنے سے عدد زاید کی نفی لازم نہیں آتی۔ امام رازی صاحب تحریر فرماتے ہیں فان قال قائل ھل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان

تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزاید۔ یعنی اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کی صریح تعداد بیان کرنی اسبات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس سے زیادہ آسمان نہیں ہیں تو ہم کہیں گے کہ حق یہ ہے کہ کسی عدد کو بیان کرنے میں خاص کرلینا اُس سے زیادہ نہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ اگلے عالموں کے نزدیک بھی سات ہی میں آسمانوں کا انحصار نہیں پایا جاتا تھا۔

غرضکہ بیان مذکورہ سے ثابت ہے کہ الفاظ اور آیات قرآن مجید سے وہ آسمان جسکو یونانی حکیموں نے بنایا تھا اور جسکی حقیقت ہیئت قدیمہ میں بیان کی گئی ہے ثابت نہیں ہوتی اور اُس کا منکر منکر نص قرآنی نہیں سمجھا جا سکتا اور مسئلہ ہیئت جدید جو اس امر کی نسبت ہے وہ مخالف قرآن مجید نہیں پایا جاتا۔ فتدبر۔
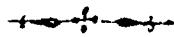
# تطبیق منقول با معقول

کوئی خیال اس سے زیادہ غلط نہیں ہے کہ دین کے اصول جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بتلائے وہ مطابق اُن اصول کے نہیں ہیں جو عقل سے ثابت ہوتے ہوں اور کوئی امر اس سے زیادہ تر مذہب پر الزام نہیں دیتا جیسا کہ یہ مسئلہ کہ نقل میں عقل کو دخل دینا شرعاً ناجائز ہے اس غلط خیال کے پیدا ہونے کا کوئی سبب کیوں نہوا اس مسئلہ کے جاری کرنے والوں نے کیسا ہی کچھ فائدہ کیوں نہ سوچا ہو مگر حقیقت میں ین کے غلط اور بنائے ہوئے پر اس سے زیادہ اور کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اُس کے اصول کو عقل سے جانچنا ناجائز ہے یا وہ عقل کے خلاف ہیں کیونکہ جو مذہب فی ذاتہ سچا اور صحیح ہے اور خاص خدا کا دیا ہوا ہے نہ انسان کا بنایا ہوا تو اُسمیں کوئی ایک بات بھی ایسی نہ ہوگی جو عقل کے خلاف ہو اس لیئے کہ جو شے عقلاً محال ہو اُس کا واقع ہونا بھی غیر ممکن ہے پس اگر کسی دین و مذہب میں کوئی بات ایسی ہے جو مخالف عقل کے ہو تو حقیقت میں وہ دین و مذہب ہی سچا اور صحیح اور خدا کا دیا ہوا نہوگا بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہوگا پس جتنے دین دنیا میں جاری

ہیں اُن کی صحت اور غلطی کے جانچنے کے لیئے اگر خدا نے ہمکو کوئی آلہ دیا ہے تو وہ صرف عقل ہے پس اگر اُسی کے استعمال کو کسی دین کے بانی نے ناجایز اور ممنوع اور حرام کردیا ہو تو گویا اُس نے پہلے ہی سے اہل عقل پر ظاہر کردیا کہ یہ دین خدا کا دیا ہوا نہیں ہے جس سے غلطی کا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ ایک ایسے انسان کا بنایا ہوا ہے جسکی غلطیاں بہ نسبت صحت کے زیادہ ہوتی ہیں اور اُسی غلطی کے چھپانے کے لیئے اُسکے بانی نے عقل سے جانچ اور امتحان کرنے کو منع کردیا۔ پس جو دین و مذہب ایسا ہو کہ جس کے بانی نے عقل کو بیکار کردیا ہو اور اُس سے کام لینے سے ممانعت کردی ہو تو اُس دین کو کوئی قبول نہ کریگا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اُسکی جہالت پر ہے۔

لیکن ہم اپنے دین اسلام کی نسبت کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ خدا کا دیا ہوا نہیں ہے اور اُس کے اصول عقل کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ہم تقین کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا دین ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے ہمکو بتلایا ہے وہ نفس الامر کے مطابق اور اصول عقلی کے موافق ہے اور ہمارے اس تقین کی تکمیل خدا کے کلام اور ہمارے رسولؐ کے اقوال سے ہوتی ہے اس لیئے کہ ہمارے خدا اور ہمارے رسول نے کبھی نہیں کہا کہ تم عقل سے کام نہ لو اور جاہلوں کی طرح کسی بات کو مانو بلکہ دین کا معیار بالکل عقل پر رکھا اور سب کو عقل سے کام لینے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اُس کی تاکید فرمائی ہمارے خدا کا پاک کلام اسی دعوی سے بھرا ہوا ہے کہ جس کسی کو اس دین کی حقیقت میں شک ہو وہ سمجھے اور عقل سے جانچ کرے تاکہ ہر بات کو مطابق نفس الامر کے اور موافق عقل کے پاکر اُسکی حقیقت پر تقین کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئاً وّھو حسیر"

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہے وہ حقیقت میں عقل اور دین کی حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیئے ہم دونوں کی ماہیت بیان کرتے ہیں جس کے جاننے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہے۔

جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں پیدا کی ہیں اُن کی فی ذاتہ ایک حقیقت ہے اور

انسان کو خدا نے اُن چیزوں کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کی ایک قوت اور استعداد دی ہے اُسی قوت کا نام عقل اور اس حقیقت کے دل میں یا دماغ میں آجانے کو علم کہتے ہیں پس علوم عقلی وہ ہیں جو بذریعہ عقل کے دریافت کیئے جاویں خواہ وہ ضروری اور بدیہی ہوں کہ بغیر دلیل و برہان کے سمجھ میں آسکیں خواہ وہ نظری اور کسبی ہوں جو فکر و استدلال سے حاصل ہوسکتے ہوں - اور علوم دینی وہ ہیں جو کہ خدا نے معرفت کسی سچے پیغمبر کے ظاہر کیئے ہوں خواہ وہ متعلق عقاید کے ہوں جو اصلی اصول دین کے ہیں یا متعلق اعمال کے ہوں جو عقاید کی تائید اور ظاہری تکمیل کے لیئے بتلائے گئے ہوں جو فروع اُن اصول کے ہیں پس جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا وہ حقیقت میں اُس کا فعل ہے اور جب اسکی حقیقت کو معرفت کسی پیغمبر کے بتلادیا وہ اُس کا قول ہے پس کون احمق اور جاہل ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کا قول مخالف اُسکے فعل کے ہوسکتا ہے یا قانون قدرت اُس کا تبدل شرایع اور اختلاف ادیان سے تبدیل اور مختلف ہوسکتا ہے یا حقیقت کسی چیز کی کسی دین کے بدلنے سے بدل سکتی ہے جو کوئی ایسا خیال کرے وہ دین سے بے بہرہ ہے اور عقل سے بھی بدنصیب اور جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ حقیقت اشیاء کی کبھی بدل نہیں سکتی اور قانون قدرت میں کچھ ترمیم ہو نہیں سکتی پس جو علوم ایسے ہیں کہ جن سے اشیاء کی حقیقت معلوم ہو انھیں کو ہم علوم عقلی اور علوم حکمی کہتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں کے ایک محقق نے لکھا ہے کہ "ان العلم ینقسم الی حکمی و غیر حکمی و وجہ الضبط انہ اما ان لا یتغیر بتغیر الامکنۃ والازمان ولا یتبدل بتبدیل الدول والادیان فالاول العلوم الحکمیۃ و یقال لہ العلوم الحقیقیۃ ایضا ای الثابتۃ علی مر الدھور والاعوام" اور جو علوم ایسے ہیں کہ جن کو خاص خدا نے معرفت کسی رسول کے بتلایا ہو اُن کو ہم علوم دینی کہتے ہیں جیسا کہ امام غزالی عہ فرماتے ہیں :- "اما العلوم الدینیۃ فھی ماخوذۃ بطریق التقلید من الانبیاء صلوات اللہ علیھم و سلامہ و ذلک یحصل بالتعلیم بکتاب اللہ تعالی و سنتہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و فھم معانیھما بعد السماع"

اب ہمکو یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ہم علوم دینی کی حقیقت بغیر استعانت عقل کے دریافت کرسکتے ہیں یا نہیں چنانچہ اسکی نسبت ہمارے محققین کا اقرار ہے "لا یمکن فھمہ

بعد سماعه الا بالعقل ولا غنا بالعقل من السماع ولا غنا بالسماع عن العقل فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیۃ جاهل والمکتفی بمجرد العقل عن انوار القرآن والسنۃ مغرور فایاک ان تکون من احد الفریقین وکن جامعا بین الاصلین (احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۱)" اور جب بغیر استعانت عقل کے علوم دینی کی حقیقت کا سمجھنا ہی مشکل ہے تو کیونکر وہ علوم عقلی مخالف دینی علوم کے ہونگے مگر جو لوگ ظاہر میں دونوں کو مخالف بتاتے ہیں اُس کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ جو علوم حقیقت میں عقلی نہیں ہیں بلکہ وہمی اور خیالی ہیں اُن کو غلطی سے عقلی علوم سمجھنا دوسرے جو علوم حقیقت میں دینی نہیں ہیں یعنی جن کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا اُن کو دینی علوم تصور کرنا۔ مثلاً یہ مسئلہ حکمائے یونان کا کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے بے شک مخالف ہمارے اس دینی عقیدہ کے ہے کہ خدا سب چیز کو جانتا ہے۔ یا یہ قول جاہل مسلمانوں کا کہ زمین گائے کے سینگ پر ہے بلاشبہ مخالف علوم عقلی کے ہے۔ پس مخالفت اول کی کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے ہمارے دینی عقیدہ سے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ قول عقل سے ثابت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت میں اُن کا ثبوت دلایل عقلی سے نہیں ہے بلکہ صرف وہمی اور خیالی الدلیل ہے اور یہ قول جہلا کا کہ زمین گائے کے سینگ پر ہے مخالف علوم عقلی کے نہ اس وجہ سے ہے کہ یہ قول بتلایا ہوا خدا اور رسول کا ہے بلکہ اس سبب سے ہے کہ اُس کی کچھ اصلیت دین میں نہیں ہے۔ مگر جب دونوں باتیں اپنے اپنے اصول کے مطابق ہونگی یعنی علوم عقلی حقیقت میں علوم عقلی ہوں اور بلا آمیزش وہم اور خیال کے عقل سے ثابت ہوں وہ مخالف اُن علوم دینی کے ہو ہی نہیں سکتے جو کہ خاص خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ہوں اور جنمیں کسی نے بجنس کچھ ملا نہ دیا ہو اور کسی نے اپنی غلطی سے اُن میں تحریف معنوی کی ہو اس لیئے جو شخص علوم عقلی اور علوم دینی کی مخالفت کا قایل ہے اُسکو بھی یہی دھوکا اور یہی مغالطہ ہوا ہے ورنہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو یہ خیال بھی کرے کہ خدا کا قول اُس کے فعل کے مخالف ہوگا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے زمین کو گول بنایا ہو اور معرفت پیغمبر کے اُس کا سطح ہونا بتایا ہو۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو قول خدا کا ہے وہ ہرگز اُس شئے کی اصلی حقیقت

کے مخالف نہ ہو گا اس لیے جو شخص اپنے دین کی سچائی پر خود کامل یقین رکھنا اور اُسکی سچائی اَوروں پر ثابت کرنا چاہے اُسے ضرور ہے کہ وہ اپنے دین کے اصول کی عقلی اصول سے مطابقت دکھلا دے نہ کہ بجائے اس کے اپنے دین کی حفاظت کے لیئے یہ حکم جاری کر دے کہ اصول دین کو عقل سے جانچنا اور منقول کو معقول سے ملانا ناجائز ہے اور دونوں میں فی ذاتہ تناقض ہے ہمارے مذہب کا ایک محقق لکھتا ہے [۱] کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ علوم عقلی علوم شرعی کے مخالف ہیں اور دونوں میں موافقت غیر ممکن ہے یہ خیال چشم بصیرت کے اندھے پن سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایسے خیال سے بچاوے ایسا خیال کرنے والا جبکہ بعض علوم شرعی کو بعض علوم عقلی سے مخالف پاتا ہے اور دونوں میں توافق نہیں کر سکتا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خلاف اصل دین میں ہے۔ پس وہ دین سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ بال آٹے سے اور اس کا سبب یہی ہے کہ اُس کے عجز و قصور نے اُسکے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ درحقیقت دین ہی میں اختلاف ہے۔ افسوس ایسے آدمی کے حال پر۔

تطبیق معقول و منقول میں اکثر چند شبہات لوگوں کے دلوں میں گذرتے ہیں اور علوم و فنون کی تحصیل واسطے تطبیق منقول کے اُن کے نزدیک بے سود و ناجائز یا

---

[۱] وظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ العلوم الشرعیۃ وان الجمع بینھما غیر ممکن ھو ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ نعوذ باللہ منہ بل ھذا القائل ربما تناقض عندہ بعض العلوم الشرعیۃ لبعض فیعجز عن الجمع بینھما فیظن انہ تناقض فی الدین فیتحیر بہ فینسل من الدین انسلال الشعرۃ من العجین وانما ذلک لان عجزہ فی نفسہ خیل الیہ نقصا فی الدین وھیھات وانما مثالہ مثال الاعمی الذی دخل دار قوم فتعثر فیھا باوانی الدار فقال لھم ما بال ھذہ الاوانی ترکت علی الطریق لم ترد الی مواضعھا فقالوا لہ تلک الاوانی فی مواضعھا وانما انت لست تھتدی الطریق لعماک فالعیب منک انک لا تحیل عثرتک علی عماک وانما تحیلھا علی تقصیر غیرک فھذہ نسبۃ العلوم الدینیۃ الی العلوم العقلیۃ (احیاء)

ممنوع سمجھی جاتی ہے۔

## پہلا شبہ تطبیق معقول و منقول میں یہ ہے

کہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی اور وہم اور شک کی آمیزش سے کوئی عقلی مسئلہ پاک نہیں ہوتا خلاف منقول کے کہ جو کچھ خدا اور اُس کے رسول نے فرمایا اُس میں کبھی غلطی ہو ہی نہیں سکتی پس ایسی چیز کو جس میں حق و باطل کی تمیز نہ ہو ایسی چیز سے ملانا جس میں غلطی کا احتمال ہی نہ ہو سوائے پریشانی طبیعت اور تحریک مادہ الحاد اور پیدا کرنے شکوک و شبہات کے عقاید دینی پر کچھ ساعت نہیں۔ ایسے شبہ کرنیوالے یہ نہایت عمدہ اور مضبوط دلیل بیان کرتے ہیں کہ اب تک اس دنیا میں ہزاروں حکیم اور فلسفی اور عاقل گذرے اور صدہا برس تک ہزاروں محقق چند عقلی مسایل کی صحت پر متفق رہے مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ اُن کے مسلمات عقلیہ کی غلطی کھل گئی اور جو کچھ وہ سوچے سمجھے تھے اُس کا نتیجہ اصلیت پائی نرگئی پس گو انسان کی عقل ادراک حقایق کے لیے کافی ہوتی اور اُس کے دریافت پر بھروسہ ہوتا تو کیوں ایسی غلطیاں ہوتیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقل حقیقت اشیاء کے ادراک میں قاصر ہے اور جو کچھ عقلا حکما نے سوچا سمجھا وہ اطمینان کے لایق نہیں ہے تو خدا اور رسول کے کلام کو اُس سے ملانا حق کو باطل سے تطبیق دینا ہے۔

یہ شبہ بے شک غور کرنے کے لایق ہے مگر ایسا قوی و مدلل نہیں ہے کہ اُس سے تطبیق منقول و معقول کی ضرورت اور جواز سے انکار کیا جاوے کیونکہ یہ بات تو یقینی معلوم ہے کہ ہر چیز کی فی نفسہ ایک حقیقت ہے اور خدا نے جو قوت مدرکہ ہمکو دی ہے وہ اُن اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے دی ہے[1] اور اُن اشیاء کے

[1] امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہوا اور جس نے اُس کو حیوان سے جُدا کر دیا ہے هو الذي استعد به لقبول العلوم النظرية وتدبير الصناعات الخفية الفكرية۔ وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہے اور ایسی استعداد کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جس کو یہ استعداد نہ دی گئی ہو

حقایق دریافت کرنے کی ترغیب اور تحریص بھی اپنے کلام میں جابجا فرمائی ہے اور غور کرنے والوں اور سوچنے والوں کی بزرگی بھی بیان کی ہے پس اگر اُس قوت مدرکہ سے کام لینے اور عقل سے سوچنے کی ہمکو اجازت نہ ہوتی تو نہ ہمکو عقل دی جاتی نہ غور وفکر کی ترغیب ہوتی پس ہمکو عقل کا دینا اور یتفکرون فی خلق السموات والارض کہکر ہمکو اُس کے حقایق دریافت کرنے پر برانگیختہ کرنا ہی اس بات کی عمدہ دلیل ہے کہ ہم حقایق اشیاء کو دریافت کرسکتے ہیں اور چونکہ ہماری عقل وہم اور خیال کی آمیزش سے پاک نہیں ہے اس لئے جو کچھ ہم سوچیں اور سمجھیں اور تحقیق کریں اُسمیں غلطی کا احتمال بھی ہوسکتا ہے لیکن ہماری تحقیق دو قسم کی ہوسکتی ہے یا ایسی تحقیق کہ سوائے ذہنی دلیل کے کوئی ثبوت بین ایسا نہو جس کو ہم مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے ایسا صحیح سمجھیں کہ غلطی کا احتمال ہی نہ ہو یا علاوہ اُس ذہنی دلیل کے اُس کا ثبوت کامل مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے بھی ہو۔ پس پہلی قسم کی تحقیق پر بلا شک ہم احتمال غلطی کا کرسکتے ہیں اور دوسری قسم کی تحقیق پر اُس کا

تمام علوم اور جمیع فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُسمیں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی حاجت ہے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس سے خارج ہو اور اُسمیں پوشیدہ نہو عقل کے اور علوم کے اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال بعینہٖ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہ ہو مگر اُس کا نکلنا محتاج کھودنے اور نکالنے اوپر کی مٹی کا ہے یا اُس کی تمثیل مثل روغن کے ہے کہ وہ ہر دانہ میں موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیر خاص پر موقوف ہے پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لاوے اور عقل کو بیکار چھوڑے وہ درحقیقت اُس استعداد کو ضایع کرتا ہے جو خدا نے اُسکو دی ہے اور وہ انسان ہوکر اپنے آپ کو حیوان بناتا ہے۔ اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ اور تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے۔ قدرت نے بدفطرت میں وہ قوت سب کو دی ہے جو اُس کو کام میں لاتے ہیں وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتایج کا لطف اُٹھاتے ہیں جو اُس کو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہوجاتے ہیں اور اُسکو استعمال میں لانے اور اُس سے فایدہ اُٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲

خیال نہیں کر سکتے۔ اسی سے ثابت ہوا کہ جس طرح پر ہمارے سب معقولات برحق اور صحیح اور مطابق واقع نہیں ہو سکتے اسی طرح ہمارے سب منقول غلط اور پوچ اور باطل نہیں ہو سکتے۔

اب ہمکو چاہیے کہ ہم معقولات کا امتحان کریں اور اس کی صحت اور غلطی کو تحقیق کریں اگر ہمکو امتحان کے بعد اُس کی صحت پر یقین ہو جاوے تو ہمکو اگر ہم سچے مسلمان اور پکے دیندار ہیں اور عقل اور سمجھ بھی رکھتے ہیں اور تعصب اور جہالت سے بھی پاک ہیں تو لازم ہے کہ انہیں باتوں کا اگر اُن کا ذکر کچھ ہمارے دین میں ہو اُس معقولات سے متحد اور مطابق ہونا سب پر ظاہر کردیں اور اگر بظاہر کچھ اختلاف ہو اُس کی وجوہ پر غور کریں اور ایک سچے باایمان آدمی کے موافق اُس اختلاف کو حل کریں اگر ہم ایسا کریں گے تو ضرور ہم کامیاب ہوں گے اور دونوں کو ایک کر دکھادیں گے۔

خیال کرو کہ اگلے حکماء یونان جو کچھ سوچتے سمجھتے تھے اور جو مسئلے عقلی وہ بیان کرتے تھے اُن کی دلیلیں صرف ذہنی اور عقلی ہوتی تھیں اور احتمال غلطی کا بلکہ ظن غالب خطا کا ہوتا تھا اس لیے ہم اُن کو غلط کہہ سکتے تھے مگر جو مسئلے کی باتیں اب بیان کی جاتی ہیں اگر وہ ہیں جن کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ اور ایسی تحقیقات پر ہے کہ آنکھ دیکھی چیز سے کم نہیں تو اگر ہم ایسے اصول اور مسلمات کو غلط کہیں اور بلا امتحان اور بغیر جانچ کے غلط اور باطل کہدیں تو صرف مکابرہ اور ضد و نادانی کا ظاہر کرنا ہے۔

فرض کرو کہ مسلمانوں کے مذہب میں لکھا ہوا ہے کہ زمین کا قطر پانچسو برس کی راہ ہے اور اب تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس کا قطر ۷۹۲۶ میل ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس میں یہ راہ طے ہو سکتی ہے تو اب مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے زمین کا قطر پانسو برس کی راہ کا مانیں اور اس تحقیقات کو غلط اور پوچ کہدیں یا اُس کی تحقیقات کریں۔ اگر اہل اسلام اُس تحقیقات کو غلط کہدیں تو اُس سے اسلام کو کیا فایدہ ہوگا۔ یہ ہوگا کہ لوگ اسلام کو مجموعہ جہالت جانیں گے اور مسلمانوں کو احمق اور جاہل سمجھیں گے اور ذی علم اور تربیت یافتہ لوگوں کو اسلام کی حقیقت سے منکر ہونے کا ذریعہ پیدا کریں گے اور اگر اہل اسلام اس تحقیقات کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور اُس کی وجوہ اور دلایل کو سوچیں

اور اُسپر غور کریں تو اُسے کیا حاصل ہوگا۔ دو باتوں میں سے ایک فائدہ ہوگا یا یہ کہ وہ اُس تحقیقات کے اصول اور دلایل کی غلطی ثابت کردیں گے اور اپنے مذہبی قول کی صحت ظاہر کریں گے یا وہ اُس تحقیقات کی صحت کو قبول کریں گے اور ایسے بین اور ظاہری خلاف کے دور کرنے پر متوجہ ہوں گے اور اس امر کی تحقیق کریں گے کہ یہ قول جس کو ہم مذہبی قول سمجھتے ہیں۔ خدا کا فرمایا ہوا ہے رسول م کا بتلایا ہوا ہے اسکی اصل کیا ہے اس تحقیقات سے اُن کو یہ فایدہ ہوگا کہ اُس قول کا کچھ پتہ نہ چلیگا اور خدا کے کلام اور رسول م کی کتاب سے اُسکی اصلیت ہی کچھ ثابت نہ ہوگی بلکہ ایک وضعی اور غلط اور بے بنیاد بات معلوم ہوگی اور جو الزام دین اسلام پر عاید ہوتا تھا وہ رفع ہو جاویگا اور اسلام کی حقیقت پر کسی معترض کا مونھہ نہ کھلیگا۔ پس خیال کرو کہ یہ محقق دوست شریعت کا اور عاشق اسلام کا ہے یا وہ مقلد۔ نعوذ باللہ من کتمان الحق وقد کان الحق بالاتباع الحق۔

یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ جو علوم آج کل جاری ہیں اور جن کی تحقیقات روز بروز ہوتی جاتی ہے اس کا کچھ اثر مذہب اسلام پر پہونچے گا یا نہیں اور اگر پہنچے گا تو اُس کا علاج کیا ہے یہ تو کوئی زبان پر لا نہیں سکتا کہ اس کا اثر مذہب اسلام پر نہیں پہونچ سکتا کیونکہ اکثر علوم وہ ہیں جو ہماری مانی ہوئی مذہبی باتوں کے خلاف ہیں اور جب اُس کا بد اثر مذہب پر پہنچنا یقینی ہے تو اُس کے دفع کرنے کی فکر ضروریات سے ہے بلکہ خود از روئے اصول مذہب کے فرض کفایہ ہے پس اگر ہم اُس کی تدبیر صرف یہ خیال کریں کہ اُن علوم کی تعلیم کو حرام اور منع کہدیں تو وہ تدبیر کافی نہیں ہے دو وجہ سے اوّل یہ کہ اب معتضد باللہ خلیفہ عباسی کا عہد خلافت نہیں ہے کہ کتب فلسفہ اور معقولات کے پڑھانا اور علوم عقلی کا تعلیم کرنا ہمارے علماء کے فتوی سے بند ہو جاوے اور مولویوں کے کہہ دینے سے ان علوم کا پڑھنا پڑھانا موقوف ہو جاوے دوسرے اگر بعض مسلمان یا کل اہل اسلام پر اُن کا فتوی اثر کرے اور مسلمان اُن علوم و فنون سے جاہل بھی رہیں تو معترض کے اعتراضات اور منکرین اسلام کے شبہات کلی دفع کرنے کا کیا علاج ہے اور جو قوت اُن کے انکار کو بسبب حاصل نہونے جواب شافی کے ہوگی اُسکا عذاب کس کی گردن پر ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو حالت اس زمانہ کی ہے اُسپر نظر کرکے یہ کہنا کہ معقولات کی تعلیم حرام ہے سراسر نادانی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مقام کے رہنے والے کسی بلندی پر روشنی کے شعلے دیکھیں اور آگ لگنے کے خوف سے مضطر ہو کر اپنے رئیس سے صلاح پوچھیں اور وہ کہدے کہ سب اپنی آنکھیں بند کر لو اور اس آگ کو جو نمودار ہوئی ہے نہ دیکھو رئیس کے نتیجہ اُس کا اُس قوم کے حق میں کیا ہوگا۔ اگر وہ روشنی حقیقت میں جلانے والی آگ ہے تو وہ آگ اُس قوم کے گھر بار کو جلا دیگی اور نام و نشان اُن کا نہ رکھیگی اور اگر وہ روشنی تاریکی کی دُور کرنیوالی اور گھروں کی روشن کرنیوالی ہے تو اُس سے وہ قوم محروم رہیگی پس اُس قوم کے دوست کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ آنکھ بند کر لینے اور چپ بیٹھ رہنے کی صلاح دے بلکہ اُس قوم کے سچے اور عاقل دوست کا کام یہ ہے کہ سب کو برانگیختہ کرے اور اُسکی حقیقت دریافت کرنے کا شوق دلاوے تاکہ چھوٹے بڑے سب اُس کو غور سے دیکھیں اور چھت پر چڑھ چڑھ کر اُسکی تحقیق کریں اگر درحقیقت وہ جلانے والی آگ ہو تو قبل اس کے کہ اُن کے گھر تک پہونچے اُسے پانی سے بجھاویں اور اگر وہ گھروں کی روشن کرنے والی قندیل ہو تو اُس سے اپنے گھروں کو بھی روشن کریں۔

ہمارے مذہب کے وہ عالم بھی معتقد تھے جنہوں نے علوم یونانیوں کی ترویج پر کہا تھا کہ "یا معشر الخلان انی انست نارا فی بوادی ھذا الفنون اٰتیکم منھا بخبر او قبس لعلکم تصطلون" اور ہمارے ہی دین کے وہ بھی پیشوا تھے جنہوں نے ریاضی کے منکرین کی نسبت فرمایا تھا کہ "قد اتخذ ہ القوم ظہریا و ظنوہ شیئا فریا" اور اب ہماری ہی قوم کے وہ لوگ ہیں کہ ان علوم و فنون سے ناواقف ہیں اور جاہلوں کی طرح اُس کی حقیقت سے منکر ہیں اور اپنی قوم کو اُس کی تحصیل سے مانع ہیں اس سے ہماری قوم جہالت کے دریا میں غرق ہوتی جاتی ہے اور تعصبات کے تاریک جنگل میں بھٹکی پھرتی ہے اور اگر کوئی شاذ و نادر اُس سے نکلتا ہے تو اُس کا کوئی راہ بتانے والا اور منزل مقصود کو پہنچانے والا نہیں ہے۔ فھا لھوۃ کالحیاری فی الصحاری ولا یھتدون الی منازلہ سبیلا ولا یجدون علی حدا ولہ مرشدا و دلیلا ؎

## دوسرا نشۂ تطبیق معقول و منقول میں

بعض جہلا کہتے ہیں کہ عقلی علوم کا مثل ہئیات و ریاضی اور ہندسہ اور طبعیات وغیرہ کے سیکھنا اور اُس سے مذہبی باتوں کو ملانا جائز نہ ہو تو بے سود اور عبث ہے خدا کے کلام کی تصدیق بندوں کی باتوں سے کرنا اور رسول کے اقوال کو لوگوں کی تحقیقاتوں سے جانچنا اگر بد دینی اور الحاد بھی نہ ہو تو بے سود اور لا حاصل ضرور ہے مگر یہ غلطی ہے کیونکہ خدا نے صرف صول اور کھلی ہوئی باتیں بیان کی ہیں اور عجایب و غرایب قدرت کی باریک باتیں ظاہر نہیں کی ہیں مگر سوچنے والوں اور غور کرنے والوں کو اُسکی تحقیق کی اجازت دی ہے پس جس قدر کہ ہم اُس کی مخلوق کی حقایق سے واقف ہوں اور اُس کے ملکوت سموات و ارض کی ہیئت کی تحقیق کریں تو وہ اُس یقین کو جو اُسکی قدرت اور عظمت پر ہمارے دل میں ہے اور قوت بخشے گا اور ہمارے ایمان کو مضبوط کریگا جیسا کہ امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ فمن دعا الی النظر والاستدلال کان علی وفق القرآن ودین الانبیاء ومن دعا الی التقلید کان علی خلاف القرآن وعلی وفاق دین الکفار۔ اور اس کے جو دقایق حقایق قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کی تشریح اور تفصیل سے اُس کے اعجاز اور کلام کی تصدیق زیادہ ہوگی جیسا کہ قال ابراہیم الخلیل علیہ الصلوات والسلام بلی ولکن لیطمئن قلبی ؛

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتراض جہلاء کا سراسر لچر اور غلط ہے کیونکہ اگر ہم کسی عالم کی کتاب پر ایمان لاویں صرف یہ سمجھکر کہ وہ عالم درحقیقت عالم ہے تو کیا ہمارا ایمان اُس شخص کی برابر ہوگا جو کہ اُس کتاب کو پڑھے اور اُس کے دقایق اور نکات اور باریکیوں سے واقف ہوجائے بلا شک جو آدمی اُس کے حقایق و دقایق سے زیادہ واقف ہوگا اُسی قدر اُس کا ایمان کامل و مضبوط ہوگا اور اُس مصنف کے جلال و عظمت پر اُسکو زیادہ یقین ہوگا۔

## تیسرا نشۂ تطبیق معقول و منقول میں

بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ جو کچھ ہمارے خدا اور رسول نے کہدیا ہے وہ سب سچ ہے

پھر اس کی تحقیق اور تصدیق کی کیا حاجت ہے مگر یہ غلطی سمجھ کی ہے اور دو وجہ سے تطبیق کی نہایت ضرورت ہے۔ اول وہ باتیں جو اور لوگوں نے خدا اور رسول کی طرف منسوب کردی ہیں اور حقیقت میں خدا اور رسول کی نہیں ہیں دین سے حرف غلط کی طرح نکل جاویں اور مذہب کی سیدھی اور عمدہ راہ میں جو کانٹے اور کنکر پتھر لوگوں نے ڈال دیئے ہیں جس کے سبب سے چلنے والے ٹھوکریں کھاتے ہیں اور منہ کے بل گرتے ہیں وہ صاف کردیئے جاویں دوسرے جو لوگ مذہب کی حقیت پر صرف مخالفت معقول کی وجہ سے طعنہ کرتے ہیں اُن کی زبان بند ہوجاوے اور جو شبہات ناواقفیت اور غلطی کے سبب اُنکو پیدا ہوتے ہیں وہ رفع ہوجاویں۔

جو لوگ تطبیق معقول و منقول پر ایسے شبہات کرتے ہیں اور جن کے دماغ میں ایسے پیچ اور غلط خیالات سماتے ہیں وہ تطبیق معقول و منقول کی اصلی غرض سے واقف نہیں ہیں وہ یہی سوچتے ہیں کہ اب تک بڑے بڑے علمانے کیوں اس طرف نہ توجہ کی اور اب لوگ کس خیال سے اسکی آرزو کرتے ہیں۔ شاید اُن کو یہ خیال ہے کہ خدا اور رسول کے کلام کی تصدیق کے لیئے اُن کے کلام کا معقولات سے ملانا ضروری شرط سمجھا گیا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے بلکہ جب علوم معقولات کے سبب سے دینیات میں شبہات پیدا ہوگئے اور مسائل حکمیہ کے جاری ہونے سے اقوال مذہبیہ پر طعنے شروع ہوئے اور فلسفہ اور حکمت کے جاننے والوں نے مذہب پر زبان طعن دراز کی تو ضرور اور لازم ہوا کہ مذہبی مسایل کی اصلی حقیقت بیان کی جاوے اور جو خارجی بے اصل باتیں مذہب میں داخل ہوگئی ہیں نکال ڈالی جاویں اور منقول کا جسے اہل معقول غلط کہتے ہیں مطابق واقع کے ہونا ثابت کردیا جاوے پس اس زمانہ میں حقیقت میں نہ یہ بے سود ہے اور نہ ناجائز ہے بلکہ ضرور اور لازم اور فرض کفایہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں " ونشاء التمسك بالمعقول في كثير من المباحث الدينية وظهرت تشكيكات في الاصول الاعتقادية العلمية فال الامر الي ان صار الانتهاض لاقامة الدلائل العقلية حسب لنصوص النقلية وتطبيق المنقول بالمعقول والمسموع بالمفهوم نهرا موزرا للدين وسعيا جميلا في جمع شمل المسلمين ومعدودا من اعظم القربات واسنا لرؤس الطاعات "۔

# چوتھا شبہ تطبیق معقول و منقول میں

بعض فقہا یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اگر علوم عقلی کی تعلیم جائز کی جاوے اور اقوال مذہبی کی معقولات سے ملانے کی اجازت دی جاوے تو شاید آیات و احادیث کی رعایت نہ رہے گی اور تاویل اور استعارہ اور تشبیہ سے آیات و احادیث کے ظاہری معنی سے اعتقاد اُٹھ جاویگا اس واسطے علما ظاہری نے الفاظ و عبارت کی نہایت رعایت کی اور استعارات و تشبیہات سے احتیاط برتی رہے۔

یہ شبہ زیادہ اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی زمانہ میں باطنیہ فرقہ نے تمام آیات کو مأول کر دیا اور اُن کے ظاہری معنوں سے انکار کیا مگر یہ تشبیہ ٹھیک نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو بغیر مناسبت اور رعایت الفاظ کے ذہنی معنی بنائے جاویں اور نعم سے مراد لا اور لیس سے مراد آرے لیجاوے تو تطبیق سے کیا حاصل ہوگا تطبیق تو اُس حالت میں مفید ہوگی کہ بناوٹ اور تکلف نہ پایا جاوے اور عقل سلیم اُس تاویل کو تسلیم کرے لیکن جتنی پابندی ظاہری الفاظ کی بعض علما نے کی ہے وہ بھی شارع کے مقصود کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جب خدا نے بندوں سے خطاب کیا اور اُن کو ترغیب اور تہدید کی تو اُن کی سمجھ اور فہم اور علم کے مناسب اُن سے گفتگو کرنا اُس حکیم کی مقتضائے حکمت تھا اور جن باتوں کو وہ خوشی اور رنج کی سمجھتے تھے اُسی پیرایہ میں اُن کا سمجھانا مناسب تھا پس اگر خدا نے اپنی قدرت کے اظہار میں فرمایا کہ سب آسمان اور زمین میرے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں اور سب آسمانوں سے اوپر عرش پر میرا مقام ہے اور میرے تخت کو بڑے بڑے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور میں آسمانوں کو کپڑے کی طرح جب چاہوں گا تہ کر ڈالوں گا تو خود عقل شہادت دیتی ہے کہ مراد اس سے اظہار قدرت ہے نہ بیان حقیقت پس اگر کوئی ظاہری لفظوں کی ایسی رعایت کرے کہ خدا کے ہاتھوں سے مراد ہمارے سے ہاتھ ہیں اور عرش سے مراد تخت طاؤسی ساخت زرنگار ہے اور حاملان عرش سے سلطانی بانات کی وردی پہنے ہوئے کہار مراد ہیں تو یہ اُس کی نادانی ہے اور اِس سے جو کچھ اعتراض شریعت پر وارد ہووے اُس کا الزام اُس نادان پر ہے نہ شریعت پر۔

پس ظاہری الفاظ کی حد سے زیادہ رعایت کرنے سے بڑا نقصان ہوا۔ لوگ حقیقت سے دین ومذہب کی بے خبر ہو گئے۔ دلوں سے اصلی نور ایمان کا جاتا رہا۔ اسلام سے جو کہ روحانی لذتوں کا پہنچانے والا اور انسان کا اعلیٰ درجہ کی تہذیب وشائستگی بخشنے والا ہے ظاہری صفائی اور جسمانی لذتوں کی رہنمائی کا غلط الزام لوگوں نے لگایا۔ تناقض اور اختلاف دینیات میں بڑھ گیا۔ تاویلات رکیکہ کرنے کی ضرورت بار دہ دینے سے ضعف دین اسلام کا ظاہر ہوا کہ علماء کاملین مذہب اسلام کو قائم نہ رکھتے تو ان ظاہری عالموں کی بدولت مذہب اسلام میں سوائے نام کے کچھ نہ رہتا۔ اور بجز پوست اور چھلکے کے کچھ باقی نہ رہتا مگر رحمت ہو خدا کی اُن علماء پر جنہوں نے دین کو قائم رکھا اور اصول اور احکام شریعت کے حقایق کو ظاہر کیا۔ ولنعم ما قال الامام الغزالي رحمۃ اللہ علیہ ان من یاخذ العلوم من الالفاظ المنصوصۃ والادلۃ والعمومات المحققۃ کان الضلال علیہ اغلب ما لم یہتد بنور اللہ تعالیٰ الی ادراک العلوم علی ما ھی علیہ

ظاہری الفاظ کی پابندی پر ایک اور غلطی یہ ہوئی کہ علاوہ قرآن وحدیث کے لوگوں کے اقوال بھی قابل استناد ٹھہرائے گئے اور وہ الفاظ جو کسی نامی آدمی کی زبان سے نکلے اور وہ حرف جو کسی مشہور شخص کے قلم سے نکلے وہ بھی اسلام میں داخل کیے گئے اور اُن لفظوں اور حرفوں کی بھی رعایت ضروری سمجھی گئی اُس پر حکایات کاذبہ اور قصص باطلہ اور روایات ضعیفہ نے اسلام کی یہ کیفیت کر دی کہ مذہب اسلام انحوکہ اطفال ہو گیا اور دین کو لوگ کہانیوں اور قصوں کا مجموعہ سمجھنے لگے۔

اگر چشم انصاف سے دیکھا جاوے اور تعصب اور لجاج کو دخل نہ دیا جاوے تو کیا فرق ہے ہندوؤں کے اس قول میں کہ میرو پہاڑ دنیا کا مرکز ہے اور اُس کے پہاڑ جواہرات کے ہیں اور اُس کی چوٹی پر زمین کی بیکنٹھ ہے اور سات سمندر دودھ اور شراب اور گنے کے رس کے اُس کے گرد ہیں اور ہمارے اس قول میں کہ زمین چھپٹی ہے اور گائے کے سینگ پر رکھی ہے اور سات آسمان سونے۔ چاندی۔ یاقوت۔ موتی کے ہیں اور کوہ قاف زمرد کا پہاڑ ہے اُس پر ستون آسمان کے کھڑے ہوئے ہیں۔ پس اگر ہم ہندوؤں کی کتابوں پر ہنسیں اور اپنے اس خرافات پر غور نہ کریں

توافسوس ہے ہماری سمجھ اور شرم پر اذا القیت جلباب الحیاء فقل ما شئت فان
من لاحیاء لہ لا ایمان لہ +

اگر ایمان اور عقل کو دخل دیا جاوے تو آج اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے کہ جو کچھ اگلے فلاسفہ
اسلام نے کیا وہ ہم کریں اور علوم و فنون جدیدہ صرف واسطے تقویت دین حاصل کریں اور اسرار مکتوم کو کھولیں اور
حکایات اور اباطیل کو دین کی کتاب سے حک کریں اور جو جھوٹے قصوں اور بے اصل
باتوں نے خوبصورت اور روشن چہرہ کو اسلام کے داغدار کر دیا ہے اُن داغوں کو
مٹا دیں اور اُن سیاہ بادلوں کو جو اسلام کے روشن آفتاب کے گرد جمع ہو گئے ہیں ہوا
میں اڑا دیں تاکہ سب اُس کے نور سے ہدایت پاویں نہ کہ اُس عارضی سیاہی کے سبب
سے ٹھوکریں کھاویں اگر اہل ایمان کے نزدیک یہ کام اسلام کا نہیں ہے تو معلوم نہیں
کہ اسلام کا کام کیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جاہلوں بلکہ اکثر عالموں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جو بات
دین سے منسوب ہو گئی ہو گو وہ واقع میں دین کی ہو یا نہ ہو مگر اُس کی حمایت ہی کرنی چاہیے
مگر یہ غلطی ہے۔ خیال کرو کہ اگر چرک اور میل اور کثافت بدن پر جمع ہو جاوے اور بہت
مدت اور بے احتیاطی کے سبب وہ ایک تہ جسم کی ہو جاوے تو کیا اُس کا دور کرنا جسم
کے اصلی اجزاء کا جدا کرنا اور اُس کی ہیأت اور شکل کا بدلنا ہے ہر گز نہیں بلکہ اُس جسم
کی طہارت کو ظاہر کرنا اور اُسکو اصلی ہیأت پر لانا اور اُس کی کثافت اور میل کو چھڑانا
ہے پس گو کوئی جاہل غلطی سے ایسی کثافت دور کرنے والے کو دشمن جانے مگر حقیقت میں
وہ سچا دوست اور پکا خیر خواہ اُس جسم کا ہے ۔

## علم معقول و منقول

گو اگلے زمانہ میں ایسے لوگ گذرے ہوں جو منقول موجودہ اور معقول قدیم یونانیہ
کے جامع ہوئے ہوں اور جامع معقول و منقول کہلائے ہوں۔ مگر اس زمانہ میں منقول موجودہ
اور معقول جدیدہ کا جامع ہونا غیر ممکن ہے اور اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اب نئے معقولات

پر لحاظ کر کے کسی آدمی کا جامع معقول و منقول ہونا غیر ممکن ہے۔

ہماری اِس بات پر یقینی لوگ تعجب کریں گے اور اس امر کو نہ مانیں گے لیکن ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا قول نہایت صحیح اور درست ہے کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم آج کل کے علوم و فنون کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اور دونوں میں تناقض کی نسبت ہے جو ہمارے مذہبی عقاید ہیں اُنھیں آج کل کے تربیت یافتہ اوہام اور خیالات کہتے ہیں اور جو مسایل علوم و فنون جدیدہ کے ہیں اُنھیں ہمارے عالم ذریعہ الحاد جانتے ہیں پس جب دونوں میں باہم ایسی نقیض اور اختلاف ہے تو ایک دل میں دونوں قسموں کے خیالات کا آنا حقیقت میں نقیضین کا جمع ہو جانا ہے۔ فرض کرو کہ ایک طالب علم نے دونوں قسم کی تعلیم شروع کی۔ جب وہ مدرسہ میں گیا اور اُس نے جغرافیہ میں پڑھا کہ زمین چلتی ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے ملاجی کے پاس آیا انھوں نے پڑھایا کہ زمین گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے اور گائے مچھلی پر ہے اور سورج زمین کے گرد پھرتا ہے اور یہ بھی مولوی جی نے کہہ دیا ہے کہ یہی عقیدہ دین کا ہے۔ اس کا نہ ماننا کفر ہے پس سوچو کہ وہ طالب علم کیا کرے گا۔ ایسی تعلیم سے کچھ فایدہ پاوے گا۔ یقیناً وہ ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاوے گا۔ اور اس کی عقل حیران رہے گی اور ضرور دونوں تعلیموں سے ایک کو چھوڑ بیٹھے گا۔

اگر کوئی خیال کرے کہ یہی مرحلہ پرانے معقولات کی تعلیم میں بھی پیش آیا تھا پھر کیونکر ہزار برس تک منقولات کے ساتھ اُس کا سلسلہ جاری رہا۔ اُس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ حال کے معقولات کا قیاس پچھلے معقولات پر کرنا حقیقت میں قیاس مع الفارق ہے اور بڑی غلطی اور دھوکے کی بات ہے۔ دو سبب سے۔ اوّل یونانیوں کے معقولات کا مدار فرضی اور وہمی دلیلوں پر تھا اور خود پڑھنے والے کا دل اُس کی حقیقت پر کامل یقین نہ کرتا تھا اکثر دلیلیں اُن کی مخدوش اور مجروح تھیں اور اُن پر یہ مقولہ بناءِ فاسد علی الفاسد کا صادق تھا اس لیے اُن مسایل عقلی سے جن کی دلایل و براہین مخدوش و مجروح تھیں مسایل شرعی پر کوئی نقصان صریح نہیں پہونچتا تھا اور اُن معقولی مسایل کے جاننے والوں کا دل اپنے مذہبی مسایل سے پھر نہیں سکتا تھا بخلاف اُن تحقیقاتوں کے جو آج کل ہو رہی ہیں اور اُن مسایل حکمیہ کے جن کی تعلیم اِن دنوں میں ہوتی ہے کہ اُس کے جاننے کے بعد

اُن مسائل کی حقیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی کسی چیز سے انکار کرے۔ یونانیوں کی حکمت کے عمدہ مسائل مثل ابطال جزء لایتجزیٰ اور اثبات ہیولیٰ و صورت اور استحالۂ خلاء اور حرکت فلک علے الاستدارہ اور ابطال خرق والتیام کواحد لایصدر عنہ الا الواحد اور کرویۃ اجسام بسیط کیا ایسے ہیں جن کے دلایل ایک فرضی وہمی دلیل سے کچھ زیادہ رتبہ رکھتے ہوں یا عناصر بسیط اور اسطقسات اربعہ اور کائنات الجو کی تحقیقاتیں اُن کی اس قابل ہیں کہ عقلی دلیل یا تجربہ اور مشاہدہ سے اُس کا کامل ثبوت ہوتا ہو حقیقت میں ایک دلیل بھی ان کی ایسی قوی اور مضبوط نہیں بخلاف اس زمانہ کی تحقیقاتوں کے کہ کوئی دلیل فرضی اور وہمی نہیں ہے۔ سب چیزوں کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ پر ہے جس کے سمجھنے کے بعد کسی شخص کو اُس کی حقیت میں شبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس پُرانی معقولات کی تعلیم منقولات کے ساتھ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی اور پڑھنے والے کی طبیعت کو کامل پریشانی نہیں ہوتی بخلاف حال کی معقولات کے کہ اُس کے سمجھنے کے بعد جو تعلیم اُس کے مخالف ہوگی اُس کو کوئی قبول ہی نہ کرے گا۔

علاوہ اس کے پُرانی معقولات کی تعلیم کا منقولات کے ساتھ جاری رہنے کا ایک بڑا سبب تھا کہ ہمارے قدیم عالموں نے خوب تحقیقات کرکے دونوں میں تطبیق دی اور جہاں تک ہوسکا ایک کو دوسرے سے ملا دیا یا ایک کی غلطی کو ظاہر کردیا اسی واسطے علم کلام کی کتابیں یونانی مسئلوں سے بھری ہوئی ہیں اور اُن کی تطبیق یا تردید کی دلیلیں لکھی ہوئی ہیں بخلاف اس زمانہ کے کہ اب تک یہ کام کسی نے شروع ہی نہیں کیا اور حال کی معقولات کے کسی مسئلہ کو اپنے دینی کسی عقیدہ سے نہ تطبیق دیا نہ اُس کی تردید کی پس وہ پُرانا معقولات جس کے مسایل کو ہزار برس تک مختلف عالم اپنے دینی مسئلوں سے مقابل کرتے آئے اور تطبیق یا تردید کرتے رہے کیونکہ اُس معقولات سے مقابل ہوسکتا ہے جس کے ایک مسئلہ کو بھی اب تک کسی نے اپنے دینی مسئلہ سے نہیں ملایا۔ غرض کہ اب نئے علوم کی تعلیم کے ساتھ مذہب قایم رکھنے کے لیئے ضرور ہے کہ مذھبی عقاید اور مذھبی احکام میں تفریق کی جاوے اور تخیلات و توہمات مذہب کے سچے صحیح عقیدوں سے جدی کردیئے جاویں اور لوگوں کی فرضی اور وہمی باتیں جو دین میں داخل ہوگئی ہیں اور اصلی خدا کی بتلائی ہوئی باتوں سے خلط ملط ہوگئی ہیں اُن سے نکال دی جاویں تب جو اصلی اور سچی باتیں ہیں

وہ حال کے علوم سے مطابق کی جاویں اور نئی نئی تالیفات علم کلام میں کی جاویں اور یہ بات گو بظاہر نہایت ہی مشکل معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے اگر مسلمانوں کو مذہبی عقاید اور عقلی علوم دونوں کی تعلیم اپنی قوم میں جاری کرنی منظور ہے تو اُن کو ایسا کرنا ضروریات سے ہے۔ ورنہ دونوں میں سے ایک چھوڑنا پڑے گا۔ ہم اُن دقتوں اور مشکلات سے بے خبر نہیں ہیں جو اس کام میں پیش آویں گی اور نہ اُس انقلاب عظیم سے غافل ہیں جو ہمارے قدیمی سلسلہ تعلیم میں علوم جدیدہ کی تطبیق سے واقع ہوگا۔ مگر ہم سوائے اس کے دوسرا علاج نہیں پاتے اور چار و ناچار ہمکو یہی کرنا چاہیئے ⁂

## تحریف الفاظ علوم

اس زمانہ میں جو علوم شرعی علوم سمجھے جاتے ہیں اور جو باتیں بڑی دینداری اور ایمان کی خیال کی جاتی ہیں جب اُس کی حقیقت پر غور کیا جاتا ہے اور خدا اور رسول کے کلام سے اُس کی تطبیق دی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ علوم حقیقت میں شرعی علوم ہیں اور نہ وہ باتیں فی نفسہ دینداری اور ایمان کی ہیں بلکہ دنیا طلبی و نفس پروری اور غرور و حب جاہ کے سبب سے لوگوں نے تحریف کر کے شارع کے مقصود کے برخلاف اُن علموں کی حقیقت کو چھپا کر اور اپنی بنائی ہوئی باتوں پر اطلاق دینداری و ایمان کا کر کے لفظوں کے التباس سے لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈال دیا تاکہ اس ذریعہ سے وہ لوگ علمار ربانی سمجھے جاویں اور نایب رسول اور جانشین نبی ٹھہریں۔

بلاشبہ وہ علوم اور وہ باتیں فی نفسہ سلف صالح اور قرن صحابہ میں شرعی علوم اور دین کی باتیں تھیں اور اُن کے جاننے والے بڑے دیندار بلکہ نایب رسول تھے مگر اب اُسمیں ایسی تحریف اور تبدیل و تغیر ہو گئی ہے کہ سوائے لفظوں کے اُن کے معنی ہی باقی نہیں رہے اور جو مراد اُن علموں سے اُس وقت لی جاتی تھی وہ بالکل فوت ہو گئی پس اب اُن علوم کے جاننے والوں کا اپنے آپ کو محقق اور مدقق سمجھنا اور جو شخص اُنکی اصطلاحات اور محاورات کے لفظوں کو زبان پر نہ لاتا ہو اور اُن کی بنائی ہوئی بولیاں نہ جانتا ہو اُسکو

جاہل اور دین کی باتوں سے بے خبر کہنا اور جو کوئی اُن علوم کی مذمت کرے یا اُنکو شرعی علوم نہ جانے اُسے مرتد اور بددین بتلانا حقیقت میں اُسی تحریف کا نتیجہ ہے پس جب تک کہ اُن لفظوں کی اصلی حقیقت بیان نہ کیجاوے اور جو معنی اُس کے سلف صالح اور صحابہ سمجھے تھے ظاہر نہ کیئے جاویں اور جو کچھ تحریف اُسمیں کی گئی ہے وہ ثابت نہ کی جاوے تب تک یہ مغالطہ اور دھوکہ رفع ہو ہی نہیں سکتا۔

منجملہ اُن لفظوں کے چند لفظوں کا ہم بیان کرتے ہیں۔ اول لفظ علم دوسرے لفظ فقہ تیسرے لفظ حکمت چوتھے لفظ وعظ و تذکیر۔

## اوّل لفظ علم

لفظ علم کا اطلاق خدا اور اُس کے رسول کے کلام میں اُن چیزوں کے جاننے پر ہے جو متعلق ذات اور صفات اور آیات اور افعال خدائے عزوجل کے ہوں اور جس سے اُس کی قدرت و عظمت اور جلال کی تاثیر دل پر ہووے مگر اس لفظ کی تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ لوگوں نے اُسے مخصوص اپنے مصطلحات اور محاورات پر کر دیا ہے اور جن باتوں کا کچھ ذکر بھی قرن اول میں نہ تھا۔ اُن کو اصل علم قرار دیا ہے اسی واسطے جو شخص علم کلام خوب جانتا ہو اور مسائل فقہیہ میں خوب مناظرہ اور مباحثہ کرتا ہو اور لوگوں کے گھڑے ہوئے اصول سے بخوبی واقف ہو اور کتابی لفظوں کو اچھی طرح یاد رکھتا ہو وہی بڑا عالم اور علامہ سمجھا جاتا ہے اور جو فضائل علماء کے شارع نے بیان کیئے ہیں اُن کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ فضیلتیں اُن علماء کی نسبت بیان کی گئی ہیں جو کہ اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور قدرت و جلال کے جاننے والے ہیں۔

## دوسرا لفظ فقہ[1]

اس لفظ میں تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ اُسے مخصوص کر دیا ہے فروعات کے جاننے

[1] الفقہ فقد تصرفوا بالتخصیص لا بالنقل والتحویل اذ خصصوہ بمعرفۃ الفروع الغریبۃ فی الفتاوی والوقوف علی دقائق عللہا واستکثار الکلام فیہا وحفظ المقالات

اور احکام کی علتوں کے دقایق دریافت کرنے اور مشکل اور عجیب مسئلوں کے یاد رکھنے
اور مصطلحات اور محاورات مخترعہ کے الفاظ کے حفظ ہونے پر۔ اسی واسطے جو شخص اُن فروعات
سے خوب واقف ہو اور جسکو ان اصطلاحوں اور اقوال سے زیادہ آگاہی ہو اور جو دقیق اور
باریک مسئلوں کو مثل معمے اور پہیلی کے خوب حل کرتا ہو وہی بڑا فقیہہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ
زمانہ میں صحابہ کے اس لفظ کا اطلاق طریق آخرت کے جاننے والے اور آفات نفوس
کی باریکیوں کے پہچاننے اور دنیا کی بے ثباتی پر یقین کرکے نعیم جنت کی خواہش کرنے
پر کیا جاتا تھا اور اسی واسطے جو شخص خدا سے خائف اور دنیا سے متنفر اور آخرت کا طالب
ہوتا تھا اسکو فقیہہ کہتے تھے اور یہی مراد خدا کے کلام میں اس لفظ سے ہے جیسے قال
تبارک و تعالی ۔ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم تاکہ فقیہہ
ہوں دین میں اور ڈراویں اپنی قوم کو جب کہ لوٹیں ان پر اور ظاہر ہے کہ یہ ڈرانا اور لوگوں کو
خدا کا خوف دلانا اسی فقہ سے ہو سکتا ہے جو قرن صحابہ میں جانی جاتی تھی نہ اس فقہ سے جو اب
بنام فقہ کے مشہور ہے کیا کوئی شخص طلاق اور عتاق اور لعان اور سلم اور اجارہ کے مسائل
سے کسی کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی نعمتوں کا یقین یا ان فرضی مسائل سے خدا کا خوف
دلا سکتا ہے بلکہ فقط اسی میں مبتلا رہنا اور انہیں باتوں کو فقہ سمجھنا آدمی کو قسی القلب
اور نڈر کر دیتا ہے اور خدا کا خوف ایسے فقیہہ کے دل سے جاتا رہتا ہے جیسا کہ ہم اپنے زمانہ

---

المتعلقة بها فمن كان اشد تعمقا فيها واكثر اشتغالا بها يقال هو الافقه
ولقد كان اسم الفقه في العصر الاول مطلقا على علم طريق الآخرة ومعرفة
دقائق آفات النفوس ومفسدات الاعمال وقوة الاحاطة بحقارة الدنيا وشدة
التطلع الى نعيم الآخرة واستيلاء الخوف على القلب ويدلك عليه قوله عز وجل
ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم وما يحصل به الانذار
والتخويف هو هذا الفقه دون تفريعات الطلاق والعتاق واللعان والسلم والاجارة
فذلك لا يحصل به انذار ولا تخويف بل التجرد له على الدوام يقسي القلب وينزع
الخشية منه كما نشاهد الآن من المتجردين له وقال تعالى لهم قلوب لا يفقهون
بها واراد به معاني الايمان دون الفتوى (احیاء العلوم)

کے فقیہوں کا حال دیکھتے ہیں جن کے حق میں خدا کا یہ قول صادق ہے لہم قلوب لا یفقہون بہا۔ اسی واسطے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے جبکہ اُس نے کوئی مسئلہ ان سے پوچھا اور انھوں نے کچھ جواب دیا اور اُس پوچھنے والے نے کہا یہ فقہا کے مخالف ہے۔ فرمایا کہ ھل رایت فقیہا بعینک انما الفقیہ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الآخرۃ البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ الورع الکاف نفسہ عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالھم الناصح لجماعتھم کہ آیا تو نے کسی فقیہ کو آنکھ سے بھی دیکھا ہے فقیہ وہی ہے جو کہ دنیا کا تارک ہو۔ آخرت پر راغب ہو۔ اپنے دین کو جانتا ہو۔ اپنے پروردگار کی عبادت پر مداومت کرتا ہو۔ پرہیزگار ہو۔ اپنے نفس کو مسلمانوں کی آبرو اور ان کے مالوں سے بچاتا رہتا ہو۔ اور اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتا رہتا ہو۔

یہ صفات فقیہ کی حضرت حسن بصریؒ نے بیان کیں مگر ایک لفظ بھی ایسا نفرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ فقیہ وہ ہے جو مسائل فروعات کو خوب جانتا ہو۔

## تیسرا لفظ حکمت

حکمت کا لفظ اکثر قرآن مجید میں اور احادیث میں واقع ہوا ہے اور جس شخص کو خدا نے حکمت دی ہے اُسکی خود خدا نے بڑی صفت کی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ مگر جو مراد خدا کی اس حکمت سے ہے وہ صرف معرفت ذات و صفات باری تعالےٰ ہے۔ مگر اب یہ لفظ اُس علم پر اطلاق کیا جاتا ہے جس سے انسان اور گمراہ ہوتا ہے اور وہمی اور خیالی باتوں میں پھنس جاتا ہے اور حکما یونان کے خیالی مسئلوں کا بانٹنے والا ہی حکیم سمجھا جاتا ہے۔ پس جو شخص اُن کے قولوں کو جانتا ہو اور اُن کی بیان کی ہوئی باتوں سے واقفیت رکھتا ہو اور جو لوگوں نے اُن باتوں کو مشکل مشکل لفظوں اور دقیق دقیق عبارتوں میں اپنی زبان میں کر لیا ہے اُسے بخوبی یاد رکھتا ہو۔ وہ اس صفت سے موصوف تصور کیا جاتا ہے جو خدا نے حکمت کی کی ہے حالانکہ یہ بڑا دھوکہ ہے۔

# چوتھا لفظ وعظ وتذکیر[۱]

وعظ وتذکیر کی بڑی صفت اللہ جل شانہ نے کی ہے اور اُس کی فضیلت میں خدا نے فرمایا ہے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین اور حضرت سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے بھی مجالس ذکر کی بڑی بزرگی بیان فرمائی ہے۔ لیکن اب زمانہ میں جس بات پر اطلاق وعظ وتذکیر کا ہوتا ہے وہ حقیقت میں تحریف ہے یعنی اس زمانہ کے

---

[۱] فنقل ذلک الی ما تری اکثر الوعاظ فی ھذا الزمان یواظبون علیہ وھو القصص والاشعار والشطح والطامات اما القصص فہی بدعۃ وقد ورد نہی السلف عن الجلوس الی القصاص وقالوا لم یکن ذلک فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن ابی بکر ولا عمر رضی اللہ عنہما حتی ظہرت الفتنۃ وظہر القصاص وروی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما خرج من المسجد فقال ما اخرجنی الا القصاص ولولاہ لما خرجت (احیاء)

ومن الناس من یستجیز وضع الحکایات المرغبۃ فی الطاعات ویزعم ان قصدہ فیہا دعوۃ الخلق الی الحق وھذا من نزغات الشیطان فان فی الصدق مندوحۃ عن الکذب وفیما ذکر اللہ تعالی ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیۃ عن الاختراع فی الوعظ کیف وقد کرہ تکلف السجع وعد ذلک من التصنع۔ (احیاء)

واما الاشعار فتکثیرھا فی المواعظ مذموم قال اللہ تعالی والشعراء یتبعھم الغاوون الم تر انہم فی کل واد یہیمون وقال تعالی وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ واکثر ما اعتادہ الوعاظ من الاشعار ما یتعلق بالتواصف فی العشق وجمال المعشوق وروح الوصال والم الفراق والمجلس لا یحوی الا اجلاف العوام وبواطنہم مشحونۃ بالشہوات وقلوبہم غیر منفکۃ عن الالتفات الی الصور الملیحۃ فلا تحرک الاشعار من قلوبہم الا ما ھو مستکن فیہا فتشتعل فیہا نیران الشہوات فیزعقون ویتواجدون واکثر ذلک او کلہ یرجع الی نوع فساد۔

واعظ اپنے وعظ میں قصے کہتے ہیں جھوٹی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ شہوت انگیز شعر
پڑھتے ہیں۔ جھوٹا مذہبی جوش دلانیوالی عبارتیں جن کی کچھ بھی اصلیت نہیں نہایت
جوش تقریری سے ایک عمدہ قصہ خوان کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اور انبیا اور بزرگان دین
کی نسبت بے اصل باتیں منسوب کر کے اُسے بڑی دینداری بلکہ ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور
لوگوں کے دلوں میں اُن بے اصل باتوں کا ایسا یقین لاتے ہیں کہ سننے والے اُسے
خدا و رسول کے قول کی برابر جانتے ہیں حالانکہ قصص اور حکایات کا وعظ میں بیان کرنا بدعت
ہے اور اُس کا سننا سلف صالح نے بدعت بتایا ہے اور قصہ گویوں کے پاس بیٹھنے
سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد سے نکل گئے اور
کہنے لگے کہ ان قصہ گویوں نے مجھے مسجد سے چھوڑائی۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ
نے سوائے حضرت حسن بصری رحمہ کے سب قصہ گویوں کو مسجد سے نکال دیا۔
جو شخص اس زمانہ کے واعظوں کی باتیں سنے وہ خود اس امر پر یقین کر سکتا ہے کہ اُن کا
وعظ قصوں کہانیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور جھوٹی روایتوں اور بے اصل حکایتوں
اور لغو اور خرافات باتوں سے مملو ہوتا ہے اور حضرات واعظین اُسے ہدایت کا ذریعہ
سمجھتے ہیں بلکہ غیر صحیح روایتوں کا بیان کرنا وعظ و تذکیر کے لیئے جائز جانتے ہیں اور اسکو
راہ حق پر پہنچنے اور دل میں سوز و گداز پیدا کرنے کا وسیلہ کہتے ہیں حالانکہ یہ وسوسہ شیطان
کا ہے کیونکہ کبھی حق جھوٹ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور بے راہ چلنے سے کوئی دین کی منزل
پر نہیں پہونچ سکتا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف اور سجع اور تصنع سے
اپنی اُمت کو منع فرمایا ہے حالانکہ اب مدار وعظ کی خوبی کا اُسی پر ہے۔ سب سے زیادہ
خرابی اور بربادی دین کی اُن واعظوں کے وعظ سے ہے جو شعریں پڑھتے ہیں اور شہوت
انگیز اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو وجد میں لاتے ہیں اور وصال و فراق کے مضمون بیان
کر کے اس شہوت کو تیز کرتے ہیں اور اُسے عشق حقیقی کا ذریعہ کہتے ہیں۔
اور اُس سے بھی زیادہ بُرائی اُن لوگوں کے بیان سے پیدا ہوتی ہے جو کہ بڑے لمبے
چوڑے دعوے خدا کے عشق و محبت کے کرتے ہیں اور وصال اور اتحاد کی حقیقت بیان
کر کے اپنے نزدیک لوگوں کو خدا سے ملا دینے کی راہ دکھاتے ہیں اور اس کی خوبی بعض
بزرگوں کے حالات اور حکایات کی نقل کرنے سے لوگوں کے دلوں میں کالنقش فی الحجر

بٹھا دیتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر جاہل احمق نادان آدمی ان باتوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور منصور کی طرح انا الحق کہنے لگتے ہیں اور آخرکار دنیا اور دین دونوں سے بےنصیب ہو جاتے ہیں۔

علاوہ اس کے اکثر حضرات واعظین خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور جو مراد خدا کی اور اس کے رسول کی ہے اسکو چھوڑ کر اپنے علم و فضل ظاہر کرنے اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیئے غلط معنی بیان کرتے ہیں اور اس کو نکتہ اور باریکی کہتے ہیں اور الفاظ ظاہری کو اپنے ظاہر معنی سے پھیر کر اس کی بیجا تاویلیں کرتے ہیں اور غلط تفسیریں کر کے اپنے تئیں فصیح و بلیغ اور علامہ مشہور کرتے ہیں جیسا کہ بعضوں نے بیان کیا ہے بلکہ تفسیروں میں بھی لکھ دیا ہے کہ والضحیٰ سے مراد رخسارے اور واللیل سے مراد زلفیں ہیں یا آیہ اذهب الی فرعون انہ طغی میں مراد فرعون سے دل ہے۔ یا صم بکم عمي فهم لا يرجعون سے اہل تصوف اور عاشقان خدا ہیں کہ ایسے معنی بیان کرنے والے اپنی بڑی قابلیت اور علمیت ان معنوں سے ظاہر کرتے ہیں اور سننے والے بھی اسے سن کر وجد میں آجاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا وعظ بالکل حرام ہے اور کہنے والا اس کا دشمن اسلام کا ہے بلکہ تہمت کرنے والا پیغمبر کا ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم فقد عرفت کیف صرف الشیطان دواعی الخلق من العلوم المحمودة الی المذمومة فکل ذلك من تلبيس علماء السوء بتبدیل الاسامي ۰

## علم تفسیر

چند روز ہوئے کہ ہم نے ایک مختصر مضمون تفسیر بالرائے کی تعریف میں لکھا تھا اُس پر لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کیا اور ہمکو منکر تفاسیر اور مخالف علماء ٹھہرایا اس لیئے اب ہم تفسیر کی حقیقت اور مفسرین کے طبقات اور تفاسیر کی کیفیت اور نئی تحقیقات کی ضرورت بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھدار لوگ انصاف کریں کہ ہمارا قول اگلے عالموں کے موافق ہے یا اُن کے مخالف اور جس ضرورت سے ہم تحقیق کی آرزو کرتے ہیں وہ ہے یا نہیں۔

ہمارے بھائیوں کا یہ حال ہے کہ جہاں اُن کے کان تک وہ آواز پہنچی جسے اُنہوں نے پہلے نہ سُنا ہو چونک اُٹھتے ہیں اور ماسمعنا بھذا فی ابائنا الاوّلین کہکر کہنے والے کو مرتد اور کافر بتاتے ہیں۔ نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہہ کہنے والا اُسی بات کو کہہ رہا ہے جسے ہم سے پہلے ہمارے دین کے پیشوا اور امام کہتے تھے نہ اسپر غور کرتے ہیں کہ یہ باتیں لکھی گئی ہیں جس کو ہمارے مذہب کے محقق اور عالم لکھ گئے ہیں نہ اُس کی حقیقت اور اصلیت کو دیکھتے ہیں نہ اُس کے ماخذ اور مبدا پر نظر فرماتے ہیں بلکہ عامیانہ طور سے کہنے والے کی طرف الحاد وارتداد کی نسبت کرنے لگتے ہیں اور قد کفر قد کفر کا شور آسمان تک پہنچاتے ہیں حالانکہ یہ بات بڑی نادانی کی ہے۔ عاقل کا کام ہے کہ وہ کہنے والے کی بات کو غور سے سنے اور گو بوجہ اس کے کہ اس نے پہلے اُسے نہ سُنا ہو اُس پر متعجب ہووے مگر تحقیق سے تساہل نہ کرے اُس کی حقیقت کو سوچے اگر کہنے والے کا قول حق اور صحیح نہ ہو ورنہ بجالائے بدبریش نا اُونہ اُسکو کہنے والے کے سر پر مارے۔

اب میں اصل مطلب کو لکھتا ہوں اور اس مضمون کو چند بحثوں پر تقسیم کرتا ہوں پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں۔ دوسری بحث مفسرین کے طبقات کے بیان میں تیسری بحث کتب تفاسیر کی تحقیق میں۔

## پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں

ہمارے متقدمین علماء علم تفسیر کی تعریف میں مختلف ہیں بعضے کہتے ہیں[1] کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے نظم قرآن سے بقدر طاقت بشری کے موافق قواعد عربی کے واسطے استنباط کرنے احکام شرعی کے اور بعضے یہ لکھتے ہیں[2] کہ علم تفسیر وہ علم

---

[1] وھو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب الطاقۃ البشریۃ وبحسب ما تقتضیہ القواعد العربیۃ وفائدہ حصول القدرۃ علی استنباط الاحکام الشرعیۃ علی وجہ الصحۃ۔ ھذا ما ذکرہ ابو الخیر وابن صدر الدین۔

[2] ھو ما یبحث فیہ عن مراد اللہ سبحانہ وتعالی من قرآن المجید۔ مولانا قطب الدین الرازی فی شرحہ للکشاف ۱۲

ہے جس میں بحث کی جاتی ہے اللہ جل شانہ کی مراد و مقصود سے جو قرآن مجید میں ہے اور بعضے یہ فرماتے ہیں[1] کہ وہ علم ہے جسمیں بحث کی جاتی ہے الفاظ کلام اللہ سے تا کہ دلالت کرے مراد پر اللہ جل شانہ کی۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے محقق نے ان تعریفوں کو جامع مانع نہیں جانا اور یہ لکھا کہ اللہ جل شانہ کی مراد سے بحث کرنا علم تفسیر نہیں ہے کیونکہ تفسیر دو ہی طرح پر ہوتی ہے۔ یا روایتاً یا درایتاً۔ چونکہ اکثر روایتیں تفسیر کی احاد ہیں اس لیئے وہ مفید یقین نہیں ہو سکتیں۔ پس از روئے روایت کے مراد خدا کی یقیناً معلوم نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا از روئے درایت کے یعنی موافق اپنی سمجھ کے معنی سمجھنا یہ امر بھی ظنی ہے۔ اسی واسطے تفسیروں میں ایک دوسری سے اختلاف ہے۔ پس کیونکر اُسپر یقین کیا جاوے کہ یہی مراد و مقصود خدا ہے۔ پس اصل تعریف جامع مانع علم تفسیر کی یہ ہے[2] کہ تفسیر وہ علم ہے جس سے کیفیت خدا کے کلام کی من حیث القرانیۃ اس طرح دریافت کیجاوے کہ جس سے علم یا ظن اللہ جل شانہ کی مراد اور مقصود کا بقدر طاقت بشری کے حاصل ہو۔

پس علم تفسیر کی تعریف میں جو باہم علماء کے اختلاف ہے اور جو تعریف بالکل صحیح اُس علم کی بعض محققین نے بیان کی ہے یہ اختلاف اور یہ تعریف ہی اس بات پر دلیل کرتی ہے کہ تفسیر جو کچھ اگلے لوگوں نے کی ہے وہ نہ سب واجب الیقین ہے اور نہ وہ معانی جو بیان کیئے گئے ہیں سب منقول مخبر صادق علیہ السلام سے ہیں بلکہ جو کچھ مفسرین نے معانی اور مطالب بیان کیئے ہیں اُن سب کا منقول ہونا صحابہ یا تابعین سے بھی نہیں پایا جاتا۔ پس وہ معانی جو باخبار مشہورہ یا بروایات صحیحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں صرف ظنی ہیں اور اگر اُن میں سے کسی کی غلطی ظاہر ہو جاوے تو اُس کا ماننا کچھ لازم نہیں۔

---

[1] شارح تفتازانی

[2] فالاولی ان یقال علم التفسیر معرفۃ احوال کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ من حیث القرانیۃ ومن حیث دلالتہ علی ما یعلم او یظن انہ مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ بقدر الطاقۃ الانسانیۃ۔ (کشف الظنون)

البتہ تفسیر میں ایک قسم خاص ہے جس میں سوائے بطریق سمع اور نقل کے تفسیر کرنا ناجائز ہے یعنی بیان کرنا اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کا (جن کے نزدیک نسخ جائز ہے) اور توجیہ اور لغات اور قصص اور اخبار کا مگر سوائے اس کے استنباط کرنا احکام اصلی اور فرعی کا آیات سے اور مطابقت دینا الفاظ کلام الہی کا حقایق موجودہ محققہ سے اور تفصیل کرنا ان نکات و اسرار کا جو ان لفظوں سے اجمالاً ظاہر ہوتے ہوں اور رفع کرنا ان شکوک و شبہات کا جو آیات متشابہات سے پیدا ہوتے ہوں اور جن سے ملحدین و منکرین کو اس کلام کی حقیت پر طعنہ کرنے کا موقع ملتا ہو نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری اور واجب ہے۔

## دوسری بحث طبقات مفسرین کے بیان میں

**پہلا طبقہ**۔ مفسرین کا طبقہ صحابہ ہے جس میں خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر اور انس اور ابو ہریرہ اور جابر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں مگر منجملہ سب کے بڑے مفسر حضرت عبداللہ بن عباس ہیں جن کو ترجمان قرآن کہتے ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس سے جو تفسیر منقول ہے اس کے بہت سے سلسلے ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبہ اور بعض بالکل غلط اور جھوٹھ ہیں صحیح سلسلہ ان کا وہ ہے جو علی بن ابیطلحہ ہاشمی سے (جنہوں نے ۱۴۳ ہجری میں وفات پائی) منقول[2]

---

[1] یاد رکھنا چاہیئے کہ عبداللہ ابن عباس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں کیونکہ وہ بہت چھوٹے تھے سن میں مگر ان کی مرسل روایتوں کو قبول کرنے پر بھی اجماع ہے۔ (شرح اصول بزدوی)

[2] قال قوم لم یسمع ابن ابی طلحہ من ابن عباس التفسیر وانما اخذہ عن مجاہد او سعید بن جبیر۔ (اتقان)

قال یعقوب بن سفیان ضعیف الحدیث یعنی علی ابن ابی طلحہ (میزان ذہبی)

ہے اور جن پر بخاری نے اعتبار کیا ہے اور سلسلہ قیس بن مسلم کوفی کا (جس نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی) عطار بن سائب کی روایت سے بھی صحیح ہے لیکن انہی سلسلوں میں سے اُن کی تفسیر کا وہ سلسلہ ہے جو ابو نصر محمد بن سائب کلبی (جس نے سنہ ۱۴۶ ہجری میں وفات پائی) نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے اور اگر اسمیں روایت محمد بن مروان سدی صغیر کی (جس نے سنہ ۱۸۶ ہجری میں وفات پائی) ملی وہ سلسلہ بالکل ہی غلط اور جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح پر مقاتل[1] بن سلمان بن بشیر ازدی کا (جس نے سنہ ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی) موضوع اور جھوٹا ہے۔ اور سلسلہ ضحاک بن مزاحم کوفی کا (جس نے سنہ ۱۰۲ ہجری میں وفات پائی) منقطع ہے کیونکہ ضحاک حضرت عبداللہ بن عباس سے نہیں ملا اور اگر اس میں روایت بشیر بن عمارہ کی ملائی جاوے تو اور بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اور اگر روایت جریر کی ضحاک سے ہے تو بہت ہی زیادہ غیر قابل اعتبار کے ہے۔

**دوسرا طبقہ۔** مفسرین کا طبقہ تابعین ہے جس میں مجاہد بن جبر مکی[2] اور سعید بن جبیر اور عکرمہ اور طاؤس بن کیسان یمانی اور عطار بن ابی رباح مکی ہے جو اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہلائے جاتے ہیں۔ اور علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید اور ابراہیم نخعی اور شعبی ہیں جو کہ یاران ابن مسعود ہیں اور عبدالرحمان بن زید اور مالک بن انس اور حسن بصری اور عطا ابن ابی سلمہ اور محمد بن کعب اور ابو العالیہ اور ضحاک ابن مزاحم[3] اور عطیہ

---

[1] قال وکیع ان مقاتل ابن سلیمان کان کذابا و قال ابن حیان انہ کان یکذب بالحدیث۔ (میزان ذہبی)

[2] قال ابوبکر ابن العیاش قلت الاعمش ما بال تفسیر مجاهد قال اخذها من اهل الکتاب۔ (میزان الاعتدال ذہبی)

[3] قال یحیی بن سعید الضحاک ضعیف عندنا و اما روایاته عن ابن عباس و ابی هریرة و جمیع من روی عنه ففی ذلک کله نظر (میزان ذہبی) الضحاک ضعیف و لم یسمع من ابن عباس۔ لآلی مصنوعہ فی الاحادیث الموضوعة السیوطی۔

بن سعید اور قتادہ بن دعامہ اور ربیع بن انس ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے کوئی کتاب تفسیر کی تالیف نہیں کی۔

تیسرا طبقہ۔ مفسرین کا وہ ہے جنہوں نے کتابیں تفسیر کی تالیف کیں اور اقوال صحابہ اور تابعین کو جمع کیا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع بن جراح۔ شعبہ بن حجاج۔ یزید بن ہارون۔ عبد الرزاق۔ علی بن ابی طلحہ۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ۔ حاکم ابن مردویہ۔ ابن حبان۔ ابن منذر۔

**چوتھا طبقہ۔** اُن مفسرین کا ہے جنہوں نے تفسیریں تالیف کیں مگر سلسلہ سند کو اُڑا دیا مثل ابو اسحاق زجاج اور ابو علی فارسی اور ابوبکر نقاش[۲] اور ابو جعفر نحاس اور مکی بن ابی طالب اور ابو العباس مہدوی۔

**پانچواں طبقہ**[۳] اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے بے سند قولوں کو نقل کیا اور ہر قسم

---

[۱] قال جریر ابن عبد الحمید عن مغیرۃ عن الشعبی قیل لہ ھل رایت قتادہ قال نعم رایتہ کحاطب لیل وقال سفیان بن عیینہ قال الشعبی لقتادۃ حاطب لیل۔ (مختصر تہذیب الکمال ذہبی)

[۲] کان یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص وسئل ابو بکر البرقانی عن النقاش فقال کل حدیثہ منکر وقال البرقانی وذکر تفسیر النقاش فقال لیس فیہ حدیث صحیح (انساب سمعانی)

کان النقاش یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص۔ (میزان ذہبی)

النقاش صاحب التفسیر فانہ کذاب وھو احد من الدجاجیل۔ (لسان المیزان عسقلانی)

فی حدیثہ مناکیر باسانید مشہورۃ وذکر النقاش عند طلحۃ ابن محمد ابن جعفر فقال کان یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص وقال البرقانی لیس فی تفسیرہ حدیث صحیح (وفیات الاعیان یافعی)

[۳] علامہ سیوطی اس طبقہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ ثم الف فی التفسیر طائفۃ من المتاخرین فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال تبرا فدخل من ھھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل ثم صار کل من سنح لہ قول یوردہ ومن خطر ببالہ شیء یعتمدہ ثم ینقل ذلک عنہ من یجیء بعدہ ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح۔

کی روایات صحیح اور غلط اور ضعیف و موضوع کو بیان کیا اور بلا تصحیح و تمیز کے ہر قسم کی روایتوں سے اپنی تفسیروں کو بھر دیا یا جن علموں سے وہ واقف ہوئے یا جن باتوں پر اُن کا میلان طبع ہوا اُسی پر آیات قرآنی کو ماوّل کیا اور اُنہیں علموں اور اُنہیں باتوں سے ورق کے ورق تفسیروں سے سیاہ کیے مثل ثعلبی اور کلبی[1] اور واقدی اور امام رازی اور محمود بن جنی وغیرہ کے۔

## تیسری بحث کتب تفاسیر کی حقیقت میں

جتنی تفسیریں آجکل مشہور ہیں اُن میں کوئی ایک بھی تفسیر کی کتاب ایسی نہیں ہے جس پر بصحیح الوجوہ صحت کا یقین کیا جاوے اور جس کی ساری روایتیں اور سارے اقوال مانے جاویں اور جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو کیونکہ کوئی تفسیر نہیں ہے جو صرف احادیث صحیحہ اور اقوال مخبر صادق علیہ السلام ہی کی جامع ہو اور لوگوں کی باتیں اور اُن کے قول ملے ہوں۔ اور کوئی تفسیر ایسی بھی نہیں ہے جو صرف اقوال صحابہ کی جامع ہو ہاں ایک تفسیر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ مگر ہم اوپر طبقات کی بحث میں کہہ آئے ہیں

---

[1] حموی ذکر میں تفسیر طبری کے لکھتے ہیں۔ ولم یتعرض الی الطبری لتفسیر غیر موثوق به فانه لم یدخل فی کتابه شیئا عن کتاب محمد بن السائب الکلبی ولا مقاتل ابن سلیمان ولا محمد ابن عمر الواقدی لانهم عنده اظنا۔

الکلبی فهو معروف بالتفسیر ولا لاحد تفسیر اطول منه ولا اشبع وبعده مقاتل ابن سلیمان الا ان الکلبی یفضل لما فی مقاتل من المذاهب الردیئة۔ (اتقان)

قال احمد بن زہیر لاحمد بن حنبل یحل النظر فی تفسیر الکلبی قال لا وقال الجوزجانی وغیره انه کذاب وقال الدارقطنی متروک وقال ابن حبان مذهبه فی الدین ووضوح الکذب فیه اظهر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفه۔ (میزان ذہبی)

قد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اوله الی آخره کذب لا یحل النظر فیه۔

کہ وہ تفسیر جو منسوب بہ حضرت عبداللہ بن عباس ہے اس کے کئی سلسلے ہیں اور اکثر جھوٹے اور وضعی ہیں۔ سچا سلسلہ اُن کی تفسیر کا جو ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فوز الکبیر کے آخری حصہ میں لکھدیا ہے جو چاہے وہ اُٹھا کر دیکھ لے اُس میں یا الفاظ غریب قرآن مجید کے معنی ہیں یا مختصر تفسیر بعض آیات کی ہے مگر وہ لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں جو اُن کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

غرض کہ جب ان طولانی تفسیروں میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے کہ جو صرف جامع احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کبار ہو تو اب ہر تفسیر کے اوپر اعتبار کر لینا اور بغیر تحقیق کے جو کچھ کسی عالم کے قلم سے نکل گیا اُس کا مان لینا اور مثل آیات قرآن مجید کے اُس کے انکار کو کفر جاننا حقیقت میں اسلام کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تقلید کا ثمرہ۔

اگرچہ ہم اُن مفسرین کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور بہتر کو اُن میں سے اپنا پیشوا اور امام اور مقتدا جانتے ہیں اور جو کچھ اُنہوں نے اپنی نیک نیتی اور صفاء طینت سے نیک کوششیں کیں اُس کا شکر کرتے ہیں اور اپنے اوپر اُن کے علم اور تحقیقات اور تالیفات کا بڑا احسان سمجھتے ہیں اور اُن کی کتابوں اور تفاسیر سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں اور ہم کو بہت عمدہ اور اعلےٰ مباحث میں اُن سے فائدہ پہونچتا ہے مگر باایں ہمہ ہم اُن کو معصوم اور محفوظ نہیں جانتے اور اُن کی رائے اور سمجھ اور بیان اور تالیف کو غلطی سے مبرا نہیں سمجھتے اور مثل اپنے پیغمبر صلعم کے اُن کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا نہیں کہتے کیونکہ ہم یہ حق صرف اُسی ایک کا جانتے ہیں جس کی شان میں ہمارے خدا نے فرمایا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ پس اگر دوسرے کی نسبت بھی ہم ایسا ہی اعتقاد رکھیں تو حقیقت میں ہم مشرک فی صفۃ النبوۃ ہیں۔

یہ عقیدہ یا یہ قول ہمارا ہی نہیں ہے۔ تمام متقدمین اور سارے اگلے محدثین اور مجتہدین کا یہی عقیدہ اور یہی قول تھا بلکہ وہ اصحاب نبوی کی نسبت یہی کہتے تھے کہ اُن کی روایت معصوم ہے مگر اُن کی رائے معصوم نہیں ہے اور سوائے اُن کے اوروں کی نسبت تو صاف کہتے تھے کہ کانوا رجالا ونحن رجال ولا مر بیننا وبینھم کلام۔

پس جب کسی کی رائے اور کسی کا قول ہر طرح پر تسلیم کرنا اور اُسکو کیسی ہی کھلی غلطی پائی جاتی

مان لینا ضروری نہ ہو تو ہر شخص کو تحقیق کرنے اور اُس کے ماله ما علیہ کے سوچنے کی عقلاً اور نقلاً اجازت ہوئی – پس کسی مسلمان پر بحیثیت اسلام کے کسی تفسیر کی کتاب کا بجمیع الوجوه ماننا ضروری ہے نہ جائز بلکہ ہر مسلمان پر خصوصاً اُس پر جو اپنی ہر بات اور اپنے ہر عقیدہ کا جواب دینا خدا کے روبرو یقینی جانتا ہو ضرور ہے کہ وہ تحقیق کرے اور اُن کتابوں کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسکی جانچ کرے جسے صحیح پاوے اُسے سر آنکھوں پر رکھے جسے غلط پاوے اُس پر خط نسخ کھینچ دے[1]

تفسیروں میں جہاں تک غور کرنے سے پایا جاتا ہے سوائے اُن باتوں کے جو نقل و سمع پر موقوف ہیں مثل اسباب نزول وغیرہ کے چند چیزیں ہیں یا احادیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اقوال صحابہ کبار اور تابعین کے یا قصص و اخبار یا واقعات زمانہ آیندہ کے یا استنباط مسائل اصول و فروع کا یا تشریح حقائق موجودات کی مطابق علوم عقلی کے –

## ذکر احادیث نبوی کا جو تفسیروں میں ہیں

احادیث نبویؐ جو کتب تفاسیر میں منقول ہیں اکثر بلا سلسلہ رواۃ اور بغیر ذکر اسناد کے

---

[1] کتب التفسیر التی ینقل فیها الصحیح والضعیف مثل تفسیر الثعلبی والواحدی والبغوی وابن جریر وابن ابی حاتم لم یکن مجرد روایة واحد من هو لاء دلیلا علی صحته باتفاق اهل العلم فانه اذا عرف ان تلك المنقولات فیها صحیح و ضعیف فلا بد من بیان ان هذا المنقول من قسم الصحیح دون الضعیف (ابن تیمیه)

[2] ومن تلبیس ابلیس علی علماء المحدثین روایة الحدیث الموضوع من غیر ان یبینوا انه موضوع وهذا خیانة منهم علی الشرع ومقصودهم تنفیق احادیثهم وکثرت روایاتهم الی قوله ومن هذا الفن تدلیسهم فی الروایة فتارة یقول احدهم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان یوهم انه سمع منه ولم یسمع وهذا قبیح لانه یجعل المنقطع فی مرتبة المتصل – (تلبیس ابلیس علامه ابن جوزی)

وکان الاعمش والثوری وابن عیینة وابن اسحاق وغیرهم یفعلون هذا النوع لی تدلیس الاسناد – (شرح الشرح نخبة الفکر ملا علی قاری)

مذکور ہیں مگر بعض تفسیروں میں اُس کی رعایت سے پس جو حدیث بے سند ہے یعنی جس میں نہ راویوں کے نام نہ بیان کرنے والے کا ذکر مفسر نے کیا ہے اُس کی تنقیح کرنا اور جو حدیث بسلسلہ رواۃ مذکور ہے اُس کے رواۃ کی تحقیق کرنا محقق کا کام ہے کیونکہ جب ہمارے پچھلے عالموں نے ان حدیثوں کی تحقیق کی جو تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں تو انہوں نے اقرار کیا کہ تفسیر کی کتابیں نہ صرف ضعیف اور منکر حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالرؤف فتاوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ قال ابن الکمال کتب التفسیر مشحونۃ بالاحادیث الموضوعۃ۔

علاوہ موضوع حدیثوں کے ضعیف اور منکر حدیثوں کا ہونا تو تفاسیر میں بعض کے نزدیک موجب قدح نہیں ہے کیونکہ بڑے اماموں اور محدثین نے فرمایا ہے کہ سوائے اُن احادیث کے جن سے استخراج احکام ہوتا ہے اور حدیثوں کی تنقیح میں ہم نے خود تساہل کیا ہے[1] اور بعض فرقوں نے تو حدیث کا وضع کر لینا ترغیب و ترہیب کے لیے جائز تصور کیا ہے[2]

---

[1] وانما عجبت من ابي بكر ابن ابي داؤد كيف فرقه يعني هذا الحديث على كتابه الذي صنفه في فضائل القرآن وهو يعلم انه حديث محال ولكن شره بذلك جمهور المحدثين فان من عادتهم تنفيق حديثهم ولو بالبواطيل وهذا قبيح منهم۔ (علامہ ابن جوزی)"

[2] الرابع انهم قد يروون عنهم احاديث في الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص واحاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذلك مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه ورواية ما سوى الموضوع فيه والعمل به لان اصول ذلك صحيحة مقررة في الشرع معروفة عند اهله وعلى كل حال فان الائمة لا يروون عن الضعفاء شيئاً يحتجون به على انفراده في الاحكام هذا شيء لا يفعله امام من ائمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء واما فعل كثير من الفقهاء او اكثرهم ذلك واعتمادهم فليس بصواب بل قبيح جداً (خلاصۃ الخلاصہ)

خلاصۃ الخلاصہ میں لکھا ہے فذهب الكرامية والطائفة المبتدعة كبعض المتصوفة الى جواز وضع الحديث في الترغيب والترهيب۔

اور تفاسیر وغیرہ میں غیر صحیح حدیثوں کو عالموں نے کچھ جان بوجھکر ہی نہیں لکھا بلکہ انہوں نے کچھ تحقیق کرنے پر زیادہ توجہ نہیں کی اور سوائے احکام کے اور روایت کی صحت کو کچھ بہت ضروری نہیں جانا اور دوسروں کے لکھے ہوئے اور کہے ہوئے پر اعتبار کرلیا اور یہ غلطی کچھ کم علم آدمیوں سے نہیں ہوئی بلکہ بڑے بڑے نامی مشہوروں سے بھی یہ سہو ہو گیا جیسا کہ[1] فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ وہ اسد ابن اسد کرار

---

[1] عبد الرؤف مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں اجتهدت في تهذيب الاحاديث الى مخرجيها من ائمة الحديث من الجوامع والسنن والمسانيد فلا اعزو الى شيء منها الا بعد التفتيش عن حاله وحال مخرجه ولا اكتفي بعزوه الى من ليس من اهله كعظماء المفسرين قال ابن الكمال كتب التفسير مشحونة بالاحاديث الموضوعة وكتب الفقه غير ان العصابة الاولى من اشياخ المجتهدين لم يعتنوا الى ضبط التخريج وتمييز الصحيح من غيره فوقعوا في الجزم بنسبة احاديث كثيرة الى النبي صلى الله عليه وسلم وفرعوا عليها كثيرا من الاحكام مع ضعفها بل ربما دخل عليهم الموضوع وممن عدت عليه في هذا الباب هفوات وحفظت عليه غلطات الاسد بن الاسد الكرار الغير الفرار الذي رجع على جلالته الموافق والمؤالف والمعادي والمخالف وطارت صيته في المشرقين والمغربين الاستاذ الاعظم امام الحرمين وتبعه عليها معمار القواعد دهقان المعاقد المعاقل والمعاقد الذي اعترف بامامته الخاص والعام مولانا حجة الاسلام في كثير من عظماء المذاهب الاربعة وهذا لا يقدح في جلالتهم بل ولا في اجتهاد المجتهدين اذ ليس في شرط المجتهد الاحاطة بكل حديث في الدنيا قال الحافظ الزين الدين العراقي في خطبة تخريجه الكبير للاحياء عادة المتقدمين السكوت عما اوردوا من الاحاديث في تصانيفهم وعدم بيان جرحه وبيان الصحيح من الضعيف الا نادرا وان كانوا من ائمة الحديث حتى جاء النووي وقصد الاقلين ان لا يغفل الناس النظر في كل علم في مظنته انتهى بلفظه

غیر فراجس کے علم اور فضیلت پر سب متفق ہیں اور جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے یعنی امام الحرمین اور مولانا حجۃ الاسلام بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور اُن کی کتابوں میں بھی موضوع حدیثیں منقول ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ صدر اول مجتہدین نے کچھ اعتنا ضبط و تخریج اور تمیز صحیح پر نہیں فرمایا اور باوجود ضعف بعض احادیث کے احکام کی تفریع اُن پر کردی بلکہ موضوع حدیثیں بھی اُنہوں نے غلطی سے قبول کرلیں اور حافظ زین الدین عراقی نے لکھا ہے کہ اگلے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جو حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کرتے اُس سے سکوت کرجاتے یعنی اُس کے جرح کو بیان نہ کرتے اور اُس کی صحت و ضعف کو ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ حدیث نے ایسا ہی کیا ہے یہاں تک کہ آخر امام نووی پیدا ہوئے اور اُنہوں نے لوگوں کو اس غفلت سے نکالنا چاہا۔

پس سوائے موضوع حدیثوں کے ضعیف حدیثوں کا بجز احکام کے اور باتوں میں قبول کرلینا تو مسلمات سے ٹھہر چکا اب موضوع حدیثوں پر غور کرنا چاہیے کہ ان کتابوں میں اُن کو کس طرح عالموں نے لکھا یا اسکی تحقیق ہمارے اگلے محققین نے کی ہے اور اُس کے اسباب بیان کیے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ "حدیثوں کے وضع کرنے کا سبب یا بد دینی ہے مثل زندیقوں کے یا غلبہ جہل ہے مثلاً بعض اُن لوگوں کے جو اپنے آپ کو بڑا عابد زاہد جانتے ہیں کہ اُنہوں نے حدیثیں فضائل میں اور رغبت دلانے کے لیے بنالیں جس طرح نصف شعبان اور لیلۃ الرغائب کی نماز کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں

---

ل والحامل للواضع علی الوضع اما عدم الدین کالزنادقۃ او غلبۃ الجهل کبعض المتعبدین المنتسبین الی العبادۃ والزهادۃ وضعوا الاحادیث فی الفضائل والرغائب کصلوۃ لیلۃ نصف شعبان ولیلۃ الرغائب ونحوهما ویحتسبون بذلک فی زعمهم وجهلهم وهم اعظم الاصناف ضررا علی انفسهم وغیرهم لانهم یرونه قربۃ ویرجون علیه المثوبۃ فلا یمکن ترکهم لذلک والناس یعتمدون علیهم ویرکنون الیهم لما نسبوا الیه من الزهد والصلاح ویقتدون بافعالهم ویعتنون بنقل اقوالهم حتی قد یخفی علی بعض علماء الامۃ واکابرهم ثقۃ واعتمادا علی ما نقلوه فیقعون فیما وقعوه۔

اور اپنی نادانی اور جہالت سے اُسے ثواب کا کام جانا اور اپنے تئیں اور دوسروں کو
نقصان پہنچایا یا اپنی ذات کو تو اس طرح نقصان پہونچایا کہ وہ اُسے ثواب جانتے اور
اُس پر اجر کی اُمید رکھتے۔ دوسروں کو اس طرح ضرر پہنچایا کہ لوگوں نے اُس پر اعتماد کیا۔
اور بسبب اُن کے زہد اور نیکی اور پرہیزگاری کے اُن کی اقتدا کی اور اُن کے قولوں کو
نقل کیا یہ اُن کی باتوں کو صحیح جانا۔ یہاں تک کہ بعض بڑے بڑے عالموں سے یہ حقیقت
پوشیدہ رہی اور بڑے نامی گرامی علما اس دھوکا میں آگئے اور اُن بزرگوں کے اوپر بھروسا
اور اعتماد کر گئے اُن موضوع حدیثوں کو نقل کر دیا اس لیے وہ بھی اسی بلا میں مبتلا ہو گئے جیسے
اصل واضعین مبتلا تھے اور جامع الاصول میں بیان طبقات مجروحین پر لکھا ہے کہ سب سے
بدترین طبقات مجروحین یہ وہ طبقہ ہے جس میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جھوٹی حدیث کو [illegible] کہا [illegible] ہے کہ جو
شخص مجھ پر عمداً جھوٹھ لگاتا ہے چاہیئے کہ وہ اپنا [illegible]
جھوٹھ کا ارتکاب ایک بڑی جماعت نے کیا ہے [illegible] حدیث بنانے [illegible]
مختلف تھیں۔ بعضوں نے الحاد و زندقہ کے سبب [illegible]
کوفی اور محمد ابن سعید شامی کے اور [illegible]
شک پیدا کرنے کے لوگوں کے [illegible]
نے انس بن مالک سے اس حدیث کو روایت کیا [illegible] النبیین لا نبی بعدی الا
ان یشاء اللہ۔ پس اپنے الحاد کے سبب سے اس [illegible] بعضوں نے
بسبب فساد عقیدہ کے حدیثوں کو موافق اپنے عقیدے کے [illegible]
چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعضوں نے توبہ کی اور جھوٹی حدیث بنانے کا اقرار کیا چنانچہ
ایک شخص نے خوارج میں سے بعد توبہ کے کہا کہ یہ حدیثیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
دین ہیں پس دیکھو کہ کس سے تم دین لیتے ہو کیونکہ ہم نے جس بات کو چاہا اس کے لیے ایک
حدیث بنالی۔ اور ابو عیسیٰ نے کہا کہ میں نے [illegible] اور جاحظ نے حدیث فدک کی بنائی اور اس کو
بڑے بڑے شیوخ بغداد سے نقل کیا کہ سبھوں نے اُسے مانا سوائے ابن شیبہ علوی کے
کہ اُس نے کہا کہ اس حدیث کا آخر اول سے نہیں ملتا اور اُس کے قبول کرنے سے انکار کیا
سلیمان ابن حرب لکھتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کے پاس گیا اُسے روتا ہوا پایا جب میں نے

رونے کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے چار سو حدیثیں بنا کر لوگوں میں مشہور کر دی ہیں
اب میں نہیں سمجھتا کہ کیا علاج کروں اور بعضے اُن واضعین سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے
حدیثوں کو اپنے گمان میں بنظر ثواب کے وضع کیا مثل ابو عصمہ نوح ابن ابی مریم المروزی اور
محمد بن عکاشہ کرمانی اور احمد بن عبداللہ جو یباری وغیرہ کے چنانچہ ابو عصمہ سے کسی نے پوچھا
کہ روایت مالک کی عکرمہ سے اور عکرمہ کی عباس سے قرآن کی سورتوں کی فضائل میں تم نے
کہاں سے پائی۔ اُس نے کہا میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد
بن اسحاق کی تاریخ پر متوجہ ہو گئے ہیں اس لیئے بنظر ثواب کے میں نے ان حدیثوں کو بنا لیا
اور بعض اُن واضعین میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیث کو صرف بنظر تقرب بادشاہوں
کے وضع کیا مثل غیاث بن ابراہیم کے کہ وہ خلیفہ مہدی ابن منصور کے پاس گیا۔ اُس خلیفہ
کو اُڑنے والے کبوتروں سے شوق تھا اس لیئے اُس نے ایک حدیث بنا دی کہ پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا سبق الا في خف او حافر او نصل او جناح خلیفہ نے اُسے
دس ہزار درم دیئے جب وہ چلا گیا تو خلیفہ نے اپنے نوکر سے کہا کہ کبوتروں کو ذبح کرے چنانچہ
وہ ذبح کر دیئے گئے لوگوں نے پوچھا کہ یا امیر المومنین کبوتروں کا کیا گناہ ہے۔ کہا انہیں
کے سبب سے اس شخص نے پیغمبر خدا کی طرف جھوٹھ لگایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آدمی
پیغمبر پر جھوٹھ لگانے والا تھا کبھی حضرت نے نہیں فرمایا او جناح اور مامون بن احمد المروزی
سے لوگوں نے کہا کہ دیکھو شافعی و اُن کے توابعین کو کہ کس کثرت سے خراسان میں ہیں
اُس نے فوراً یہ حدیث بنا دی کہ حدثنا احمد بن عبد اللہ قال حدثنا عبد اللہ بن معدان
الازدي عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون في امتي رجل یقال له
محمد ابن ادریس اضر علی امتي من ابلیس ویکون في امتي رجل یقال له ابو حنیفہ
هو سراج امتي - اور اور بعض واضعین سے وہ لوگ ہیں جو بازاروں اور مسجدوں میں بیٹھکر
حدیثیں بنایا کرتے تھے اور باسناد صحیح جو انھیں یاد تھیں اُن موضوعات کو روایات کیا کرتے
تھے۔ چنانچہ جعفر ابن محمد طیالسی نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اور احمد بن حنبل اور یحیی بن
معین نے مسجد میں نماز پڑھی کہ ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ حدثنا احمد بن حنبل
و یحیي بن معین قال حدثنا عبد الرزاق قال حدثنا معمر عن قتادہ عن انس قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ یخلق اللہ من کل کلمۃ منها طیراً

منقارہ من ذھب وریشہ من مرجان یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا پیدا کرتا ہے خدا ہر کلمہ سے اُس کے ایک جانور جس کی چونچ سونے کی اور جس کے پر مونگے کے ہوتے ہیں اور اُسی طرح پر وہ قصہ گو بکنے لگا اور قریب بیس ورق کے بک گیا پس گے احمد بن حنبل یحیٰی بن معین کو اور یحیٰی بن معین احمد بن حنبل کو دیکھنے لگے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ حدیث روایت کی ہے دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے تو اس کو اسی وقت سنا ہے پس دونوں چُپ ہو رہے۔ جبکہ وہ شخص فارغ ہوا تو یحیٰی نے پوچھا کہ تجھ سے اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے۔ یحیٰی نے کہا کہ میں یحیٰی بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے تو کبھی یہ حدیث کو سنا بھی نہیں۔ تب وہ کہنے لگا کہ میں سنتا تھا کہ یحیٰی بن معین بڑا احمق ہے اور اب مجھے اُس کا یقین ہو گیا۔ یحیٰی نے پوچھا۔ کیوں۔ تب اُس نے جواب دیا کہ کیا دنیا میں سوائے تمہارے یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل دوسرا کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو سترہ احمد بن حنبل سے سوائے اس احمد بن حنبل کے روایت پائی ہے اور یہ کہہ کر اپنے مُنہ پر آستین رکھکر ٹھٹھا کرنے والے کی طرح مسجد سے چل دیا۔ انتھی ترجمتہ بلفظہ

اور منجملہ اُن لوگوں کے جو وضع کرنے اور جھوٹھ بولنے میں مشہور ہیں ابن ابی یحیٰی مدینہ میں اور واقدی بغداد میں اور مقاتل بن سلیمان خراسان میں اور محمد بن سعید شام میں تھا حالانکہ مقاتل بن سلیمان کو لوگوں نے تفسیر کا امام اور باقی لوگوں کو تفسیر میں اُسکا مقلد جانا ہے اور واقدی سے باوجود اُس کے ضعف کے سند لی ہے جیسا کہ مجمع البحار میں لکھا ہے محمد بن الواقدی قاضی العراق اخذ واعنہ العلم علی ضعفہ بل اجمعوا علیہ اخرج لہ ابن ماجہ اور جویباری اور ابن عکاشہ اور محمد بن تمیم فاریابی کی روایتیں بھی داخل کتابوں کے ہو گئی ہیں حالانکہ زیادہ دس ہزار حدیث سے اُنہوں نے وضع کی ہیں اور نعیم بن حماد سے بھی بعض محققین نے روایت کی ہے حالانکہ ابن عدی نے اُسکی شان میں کہا ہے

---

لہ ملا علی قاری کتاب جال میں لکھتے ہیں وما یقولہ الناس ان من روی لہ الشیخان فقد جاز القنطرۃ ھذا ایضا من التجاھل فقد روی مسلم فی کتابہ عن اللیث عن ابی مسلم وغیرہ من الضعفاء فیقولون انما روی عنھم فی کتابہ للاعتبار

کان نعیم یضع الحدیث فی تقویۃ السنۃ کہ وہ سنت کی تقویت میں حدیثیں بنایا کرتا
تھا اور منجملہ واضعین کے اسحاق بن بشر ہے جس سے بیہقی اور دارقطنی نے روایت لی
ہے حالانکہ ابن جوزی موضوعات میں لکھتے ہیں کہ اسحٰق بن بشر حدیثیں بناتا تھا اور
بہت سے ایسے ہی جھوٹی حدیث کے بنانے والے گذرے ہیں جس کی تنقیح محققین نے
نہایت تحقیق سے کی ہے میزان الاعتدال ذہبی اور تقریب ابن حجر عسقلانی اور موضوعات
ابن جوزی اور اَور کتابوں سے جو تحقیق رجال میں ہیں تنقیح اس کی ہوتی ہے غرض کہ جس
بات پر اطلاق حدیث کا کیا گیا ہے اُسے حدیث نبوی جاننا بڑی غلطی ہے بلکہ مذہب
میں رخنہ پیدا کرنے اور عقاید حقہ میں شبہ ڈالنے اور غیر مذہب والوں کی زبان طعن کھولنے
اور دین اسلام کو مطاعن کے تیروں کا نشانہ بنانے کا ذریعہ ہے چنانچہ میں اس مقام پر دو
قول اپنے مذہب کے بڑے اماموں کے نقل کرتا ہوں۔
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بعضوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو

والشواهد للتابعات وهذا لا يقوى لان الحفاظ فالو الاعتبار امور يتعرفون بها
حال الحديث وكتاب مسلم التزم فيه الصحة فكيف يتعرف حال الحديث الذي فيه
بطرق ضعيفة الى قوله وروى مسلم ايضا حديث الاسراء فيه وذلك قبل ان يوحي
اليه وقد تكلم الحفاظ في هذه القصة وبينوا ضعفها الى قوله وقد قال الحافظ ان
مسلما لما وضع كتابه الصحيح عرضه على ابي زرعة فانكر عليه وتغيظ وقال سمته الصحيح و
جعلته سلما لاهل البدع وغيرهما انتهى والحاصل انه صحيح على ظن مصنفه وغلبة
ظنه واما السهو والنسيان فمن لوازم طبع الانسان وقد ابي الله الا ان يصح كتابه
لقوله انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون۔ ١٢

ك۵ واعلم ان بعض الحشوية روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما كذب
ابراهيم الا ثلث كذبات فقلت الاولى ان لا يقبل مثل هذه الاخبار فقال على
طريق الاستنكار ان لم نقبله لزمنا تكذيب الرواة فقلت له يا مسكين ان قبلناه لزمنا
الحكم بتكذيب ابراهيم عليه السلام وان رددناه لزمنا الحكم بتكذيب الرواة ولا
شك ان صون ابراهيم عن الكذب اولى من صون طائفة من المجاهيل عن الكذب

روایت کیا کہ حضرت ابراہیم نہیں جھوٹھ بولے مگر تین مرتبہ تو میں نے جواب دیا کہ ایسی حدیثوں کو نہ ماننا چاہیئے تو کہنے والے نے براہ انکار کہا کہ اگر ہم نہ مانیں تو راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے اسپر میں نے جواب دیا کہ اگر ہم مانیں تو حضرت ابراہیم کی تکذیب نبی پڑتی ہے حالانکہ حضرت ابراہیم کو کذب کی نسبت سے بچانا بہتر ہے چند نامعتبر آدمیوں کی طرف جھوٹھ کے منسوب ہونے سے ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے[۱] ابومطیع بلخی نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اُس حدیث

---

[۱] کتاب العالم والمتعلم میں لکھا ہے کہ قال ای ابو مطیع البلخی ما قولك في اناس رووا ان المؤمن اذا زنی خلع الایمان من راسه کما یخلع القمیص ثم اذا تاب اعید الیه ایمانه أتشك في قولهم او تصدقهم فان صدقت قولهم دخلت في قول الخوارج وان شککت في قولهم شککت في قول الخوارج ورجعت عن العدل الذي وصفت وان کذبت قولهم الذي قالوا کذبت بقول النبي علیه السلام فانهم رووا عن رجال عن شتم حتی ینتهي به الی رسول الله علیه السلام قال الامام ای ابوحنیفة اکذب هؤلاء ولا یکون تکذیبي لهؤلاء وردي علیهم تکذیبا للنبي علیه السلام انما یکون التکذیب لقول النبي علیه السلام ان یقول الرجال انا مکذب للنبي علیه السلام واما اذا قال انا مومن بکل شئ تکلم به النبي علیه السلام غیر ان النبي صلی الله علیه وسلم لم یتکلم بالجور ولم یخالف القرآن فهذا من التصدیق بالنبي وبالقرآن وتنزیه له من الخلاف علی القرآن ولو خالف النبي علیه السلام والقرآن تقول علی الله لم یدعه تبارك وتعالی حتی یاخذه بالیمین ویقطع منه الوتین کما قال الله تعالی فی القرآن ونبي الله لا یخالف کتاب الله ومخالف کتاب الله لا یکون نبي الله وهذا الذي رووه خلاف القرآن الا تری الی قوله تعالی الزانیة والزاني ثم قال واللذان یاتیانها منکم ولم یعن به من الیهود ولا من النصاری ولکن عنی به المسلمین فرد علی کل رجل یحدث عن النبي علیه السلام بخلاف القرآن لیس ردا علی النبي ولا تکذیبا له ولکن ردا علی من یحدث عن النبي علیه السلام بالباطل والتهمة دخلت علیه لا علی نبي الله وکل شئ تکلم به النبي علیه السلام سمعناه او لم

کی نسبت جو لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب مومن زنا کرتا ہے تو ایمان اُس کے سر سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ قمیص بدن سے۔ آیا اس حدیث کے راویوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں یا شک یا تکذیب فرماتے ہیں۔ اگر تصدیق کرتے ہیں تو آپ کا اعتقاد خوارج کیسا ہوا جاتا ہے اور اگر آپ شک کرتے ہیں تو خوارج کے قول میں شک رہتا ہے اور اگر آپ تکذیب کرتے ہیں تو اُن بہت سے آدمیوں کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے بسند اس حدیث کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے تو امام نے جواب دیا کہ میں اُن سب راویوں کی تکذیب کرتا ہوں اور میرا جھوٹلانا اُن لوگوں کو اور رد کرنا اُن کے قولوں کا کچھ تکذیب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی نہیں ہے اس لیئے کہ تکذیب قول پیغمبر کی یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں پیغمبر خدا کے قول کو نہیں مانتا لیکن جبکہ وہ یہ کہے کہ میں ہر بات پر جو آں حضرت نے فرمائی ہے ایمان رکھتا ہوں اور اُسکی تصدیق کرتا ہوں لیکن نبی یہ جانتا ہوں کہ کوئی بات پیغمبر خدا نے خلاف قرآن شریف کے نہیں فرمائی تو یہ حقیقت میں تصدیق پیغمبر کی اور تصدیق قرآن کی ہے اور اس سے تنزیہ اور پاکی آں حضرت کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اور اگر پیغمبر خدا خلاف قرآن کے کچھ کہتے تو خدا کب چھوڑتا اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کا نبی ایسی بات کہے جو مخالف خدا کی کتاب کے ہو اور جو مخالف خدا کی کتاب کا ہو وہ کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے پس یہ حدیث خلع ایمان کی زنا سے جو لوگوں نے روایت کی ہے خلاف ہے قرآن کے پس ایسے آدمیوں کے قول کو رد کرنا جو پیغمبر خدا کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو مخالف ہو قرآن کے پیغمبر کی بات کا رد کرنا نہیں ہے اور نہ اُن کی تکذیب ہے بلکہ حقیقت میں

---

نسمعہ فعلی الراس والعین قد امنا بہ نشہد انہ کما قال النبی علیہ السلام ونشہد ایضا علی النبی علیہ السلام انہ لم یامر بشی نہی اللہ عنہ یخالف امر اللہ تعالی ولم یقطع شیا وصلہ اللہ تعالی ولا وصف امرو صف اللہ تعالی ذلک الامر بخلاف ما وصفہ النبی علیہ السلام ونشہد انہ کان موافقا اللہ عزوجل فی جمیع الامور لم یبدع ولم یتقول غیر ما قال اللہ تعالی ولا کان من المتکلفین لذلک قال اللہ تعالی من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ۔

وہ رد ہے اُس کے قول کا جو کچھ پیغمبر خدا کی طرف سے ایک باطل بات کو نقل کرتا ہے
اور آنحضرت پر تہمت لگاتا ہے اور ہم ہر بات کو پیغمبر خدا کی خواہ ہم نے سُنی ہو یا نہ سُنی ہو
بسر و چشم قبول کرتے ہیں اور اُسپر ایمان رکھتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ بات
ایسی ہی ہوگی جیسا کہ آں حضرت نے فرمایا ہو لیکن اسی طرح پر ہم یہ شہادت دیتے ہیں
کہ کوئی بات آنحضرت صلعم نے خلاف قرآن کے نہیں فرمائی نہ کسی ایسی چیز کا حکم دیا جو
خدا نے منع کر دیا ہو نہ کسی ایسی چیز کو جدا کیا جس کے ملانے کا اللہ نے حکم کیا ہو اور نہ کسی
چیز کی ایسی صفت بیان کی جو مخالف بیان خدا کے ہو اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ آنحضرت
صلعم کا ہر قول موافق تھا خدائے عز و جل کے اور اسی لیئے خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے اطاعت
کی رسول کی اُس نے اطاعت کی خدا کی۔

پس اب ہم مسلمانوں کو ان دونوں قولوں پر ذرا غور کرنا اور انصاف سے دیکھنا چاہیئے
کہ ان اماموں نے اُن حدیثوں کو جن کا سلسلہ سند آنحضرت تک پہنچتا ہے صرف اصل
صحیح عقلی پر تمسک کرنے سے غلط ٹھہرایا اور راویوں کی روایتوں کو غلط کہکر اصول
دین کو بچایا ورنہ ایک حدیث سے ایک پیغمبر کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری حدیث
سے پیغمبر کا قول مخالف قرآن کے ہونا لازم آتا ہے پس کیا حال بیان کیا جاوے اُن غلط
قولوں کا جیسے جاہلوں نے اپنی جہالت سے یا متعصبین نے اپنے تعصب سے یا ملحدوں نے اپنی الحاد سے یا نادان
دینداروں نے اپنی نادانی کی وجہ سے یا بے سمجھ واعظین نے لوگوں کے ڈرانے اور خوش کرنے کے لیئے
آنحضرت سے منسوب کیا اور رائے باطل کو احادیث نبوی ٹھہرایا اور یہی کیا باعث ہوا ان کیجائے
تقلید کی وہ مصیبت ہے جس نے ان قولوں سے کتابوں کو بھر دیا اور ایک نے دوسرے سے
اور دوسرے نے تیسرے سے نقل کر کے اُن کو تواتر کے درجہ پر پہنچا دیا ہو۔

الحاصل یہ خیال کرنا کہ جس کتاب میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے
اُسے سچی حدیث رسول خدا کی سمجھ لینا اور اُس پر دین کی عمارت کھڑی کرنا نادانی ہے کیونکہ
دین ایک بڑا نازک معاملہ ہے اور کسی قول کو بلا تحقیق یقین کر لینا کہ ہمارے پیغمبر صلعم صاحب
کا قول ہے نہایت خطرہ کی بات ہے اس واسطے کہ پیغمبر صلعم کا قول ایک عام آدمی کا قول
نہیں ہے جس کا ماننا نہ ماننا کچھ نقصان کا سبب نہ ہو۔ آنحضرت صلعم کا قول ہمارے دین و
مذہب کی بنیاد ہے اسکو بوجہ صحت کے نہ ماننا یا اُسپر یقین نہ کرنا یا اُس کے مطابق عمل نہ

ہمارے دین کی بربادی کا سبب ہے پس اُس شخص کا قول جو ہماری ہدایت کا ذریعہ ہو جس کے اوپر ہمارے اعتقاد اور اعمال کی بنا ہو ایسا ہے کہ ہمکو نہایت غور اور فکر سے اُس کی تحقیق کرنا اور نہایت محنت اور دقت سے اُس کی صحت ثابت کرنا واجبات سے ہے پس جبکہ ہمکو اُس کی صحت ثابت ہو جاوے اُس وقت ہمکو اُس پر یقین کرنا اور اُسکو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنا ضرور ہے پھر اگر ساری خدائی اُس قول کے مخالف ہو ہمکو کچھ اعتنا نہ چاہیے پس ہمارا عقیدہ تو اپنے پیغمبر [illegible] نسبت یہ ہے مگر جو لوگ کہ سعدیؒ و نظامیؒ کا قول سمجھتے ہوں یا زید و عمر کی باتوں کی طرح اُسے آسان جانتے ہوں وہ مختار ہیں کہ ہر بات کو حدیث سمجھیں یا ہر شخص کے قول کو قول رسول جانیں۔

باقی رہا یہ امر کہ اب تحقیق اور تنقیح احادیث کی کیونکر کیجاوے اُسکی نسبت کچھ بہت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے اگلے محققین یہ کام کر گئے ہیں اور احادیث کے ضعف و صحت کی تنقیح کر چکے ہیں اور کتاب الرجال میں راویوں کے حالات لکھ گئے ہیں ہمارے واسطے اب کوئی زیادہ دقت نہیں ہے بجز اس کے کہ ہم اُن کی تحقیقاتوں کو دیکھیں اور اُن محققین اور محدثین کی اُن تحقیقاتوں سے فائدہ اُٹھاویں جو اُنہوں نے تنقیح احادیث میں کی ہیں پس جو حدیث ایسی ہو کہ جس کا تواتر یا شہرت یا صحت درجہ یقین پر پہونچے اُسے مثل آیات قرآن کے واجب الیقین اور واجب العمل جانیں جیسے موضوع اور غلط اور غیر صحیح پاویں اُس کی طرف حدیث کے لفظ کی نسبت کرنے سے بھی تامل کریں۔

غرض کہ اب انصاف پسند مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ ہم مسلمانوں کا کمال اسلام یہ ہے کہ جو بات جس تفسیر میں بنام حدیث لکھی ہو اُسے بلا تامل بلا تردد حدیث سمجھیں یا کمال اسلام یہ ہے کہ اُس کی صحت کی تحقیق کریں اُس کے ماخذ و مبدا پر غور کریں جب امام الحرمین اور امام حجۃ الاسلام سے مولفین اور ہدایہ سے معتبر کتاب کے تالیف کرنیوالوں کو احادیث غیر صحیح میں دھوکا ہو گیا ہو تو پھر کس کی کتاب پہ بلا تحقیق اعتبار کیا جاوے پس اگر ہم کافر یا مرتد ہیں تو صرف اس گناہ میں کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر کا [illegible] کی پاکی سے جدا ہو جاوے اور ہمارے محبوب رسول کی طرف کوئی جھوٹی [illegible] منسوب نہ کرے اور وہ اعتراضات اور مطاعن جو دین اسلام پر وضعی اور غیر صحیح

حدیثوں کے سبب سے ہوتے ہیں مرتفع ہو جاویں اور وہ باتیں جن سے مخالفت اقوال رسول کی حقایق محققہ سے سمجھی جاتی ہے باطل ٹھہریں اور مذہب اسلام کو ایک مجموعہ ایمان اور نیکی اور سچائی اور عقل اور حقیقت کا جانیں سوائے اس کے نہ کچھ دوسری خواہش ہے نہ اَور کوئی تمنا ہے۔ یہی ہماری خطا ہے اور یہی ہمارا گناہ ہے۔ ع

نیست یاران طریقت غیر ازیں تقصیرہا

## ذکر اقوال صحابہ کبار و تابعین کا جو تفسیروں میں ہیں

اقوال صحابہ کبار کے دو قسم ہیں۔ ایک وہ جسے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم سے سُنا ہیں وہ تو حدیث میں داخل ہیں۔ دوسرے وہ جو کچھ انہوں نے اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کہا ہیں یہ عقیدہ محققین کا ہے کہ روایت اُن کی معصوم ہے رائے اُن کی معصوم نہیں۔ مگر قطع نظر اس کے اُن اقوال کا ثبوت بھی بہ سند صحیح چاہیئے حالانکہ بعد تحقیقات کے بہت ہی کم ثابت ہوگا کہ جو اقوال اُن بزرگوں سے منسوب ہیں وہ سب کے سب صحیح ہوں۔ چنانچہ صرف حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہزارہا روایت تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں اور اکثر اُن میں سے جھوٹی اور وضعی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس پر تہمت ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے اور خود حضرت عبداللہ ابن عباس نے صرف چار حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہیں گر ہمارے علمائے اُن کی روایت کو اور احادیث کی نسبت بھی قبول کیا ہے لیکن وہ اقوال جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے تفسیروں میں منقول ہیں خواہ وہ اُن کی روایت ہو یا درایت اسکی نسبت تحقیق کرنا کہ اس کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں ضرور ہے۔ باقی رہے اقوال تابعین کے اگر اُن کی صحت بھی ثابت ہو جاوے تو کانوا رجالاً ونحن رجال ولا هم بيننا وبينهم بجال۔

## ذکر قصص اور اخبار کا جو تفسیروں میں ہیں

خدا اُن قصص اور کہانیوں کو کسی مسلمان کو نہ دکھاوے نہ سُناوے جو لوگوں نے
تفسیروں میں بھردیئے ہیں اکثر جھوٹے اور بے بنیاد ہیں اور یہودیوں سے سنے سنائے
ہوئے ہیں احادیث صحیحہ سے قصص و اخبار کا ہونا بہت ہی کم پایا جاتا ہے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں اخبار امم سابقہ کو بہت ہی تھوڑا بیان کیا ہے
ہمارے پچھلے عالموں نے اکثر قصّے[1] یہودیوں سے سُنکر اپنی کتابوں میں نقل کردیے اور

---

[1] جو قصص و اخبار و غیب کی باتیں مفسرین نے لکھی ہیں اُن کا لینا اہل کتاب سے بتحقیق
ہمارے محققین کے ثابت ہے اور صرف پچھلے علما کی نسبت ابوالامداد ابراہیم حاشیہ نخبۃ الفکر
میں جس کا نام قضاء الوطر ہے لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن سلام اور عبد اللہ عمرو بن عاص نے اہل کتاب
سے نقلیں کی ہیں اور جب شام کا ملک فتح ہوا تب ایک بار شتر کتابوں کا اہل کتاب سے عبد اللہ
عمرو بن عاص نے پایا اور اُسکو روایت کیا اسی واسطے اُن کی حدیثیں کم ہیں مگر وہ باتیں جو کثرت
سے اُن سے منقول ہیں وہ صرف اخبار و قصے بنی اسرائیل کے اور روایات اہل کتاب کی ہیں
کہ اس میں اُن کی حدیثیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے بھی زیادہ ہیں وھذہ عبارتہ۔
ومثال الصحابي الذي لم ياخذ عن الاسرائيليات ابوبكر وعمر وعثمان وعلي ومثال
من اخذ عنها عبد الله بن سلام وقيل عبد الله عمرو بن عاص فانه لما فتح
الشام اخذ حمل بعير من كتب اهل الكتاب وكان يحدث منها فلذا اتقاه الناس
فقل حديثه وان كان اكثر حديثا من ابي هريرة باعترافه والمراد بها قصص بني
اسرائيل وما جاء في كتبهم۔ اور ملا علی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں۔ ای
الحديث الذي يقوله الصحابي الذي عرف بالنظر في الاسرائيليات كعبد الله بن سلام
وكعبد الله عمرو بن عاص فانه كان حصل له من وقعة اليرموك كتب كثيرة من
اهل الكتاب وكان يخبر بما فيها من الامور الغيبية حتى كان بعض اصحابه ربما
قال حدثنا عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا تحدثنا من الصحيفة۔ اور علامہ سیوطی عبد اللہ
عمرو بن عاص کی تفسیر کی نسبت لکھتے ہیں۔ وما اشبهها بان نكون مما يحمله عن اهل الكتاب
اور دوسرے طبقہ کے بڑے مفسر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں اُن کی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں
لکھا ہے کہ قال ابوبكر بن العياش قلت للاعمش ما بال تفسير مجاهد قال اخذها

جنہوں نے اپنی تالیف کو زیادہ طول دینا چاہا اُنہوں نے اور اسمیں دخل و معقولات فرمایا۔ ہمارے نزدیک اکثر قصے اور اخبار امیر حمزہ کی سی داستان ہے۔ نہ اعتبار کے لائق نہ اعتماد کے قابل من شاء فیقبل ومن شاء فلینکر۔

## ذکر واقعات آیندہ کا جو تفسیروں میں ہیں

واقعات زمانہ آیندہ کے جو کچھ بیان کیئے گئے ہیں اُن کی نسبت تحقیق کرنا چاہیئے کہ اُس کا سلسلہ روایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے یا نہیں اور اُسمیں بھی وہ روایت بدرجہ شہرت یا صحت پہونچی ہے یا نہیں اور اُسمیں محدثین نے وہ تساہل جو ایسی حدیثوں میں جائز سمجھا گیا ہے کیا ہے یا نہیں۔ اگر بعد تحقیقات کے اُسکی صحت ثابت ہو (حالانکہ یہ بہت کم ہوگا) تو اُسے ماننا چاہیئے ورنہ اُسکو ایک دل خوش کن کہانی سمجھنا چاہیئے اور اس بات پر نازاں ہونا چاہیئے کہ بڑے بڑے بزرگوں نے اُن واقعات کو بیان کیا ہے اور اچھے اچھے عالموں نے اُسے قبول کیا ہے کیونکہ بعض بلکہ اکثر باتیں ایسی ہیں کہ جن سے کذب کی نسبت آنحضرت کی طرف ہوتی ہے۔ ونعوذ باللہ من ذالک۔ میں ایک حدیث کو بیان کرتا ہوں[۱] جو کہ اگلے زمانہ میں بہت مشہور تھی اور لوگوں

---

من اہل الکتب " اور تیسرے طبقہ کے بڑے مفسر مقاتل بن سلیمان ہیں جو امام المفسرین کہلائے جاتے ہیں۔ اُن کی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں لکھا ہے کہ قال ابن حبان کان یاخذ عن الیہود والنصاری من علم القرآن مایوافق کتبہم وکان یکذب بالحدیث وقال البخاری قال سفیان بن عیینہ سمعت مقاتلا یقول ان لم یخرج الدجال فی سنۃ خمسین ومائۃ فاعلموا انی کذاب۔

[۱] شیخ جلال الدین سیوطی کتاب الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الالف میں فرماتے ہیں۔ وبعد فقد کثر السوال عن الحدیث المشہور علی السنۃ الناس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمکث فی قبرہ الف سنۃ وانا اجیب بانہ باطل لا اصل لہ ثم جاءنی رجل فی شہر ربیع من سنۃ ۸۹۸ معہ ورقۃ بخط ذکر انہ نقلہا من فتیا افتی لہا بعض اکابر العلماء ممن ادرکتہ فیہا انہ اعتمد مقتضی ھذا الحدیث وانہ یقع فی المائۃ

کی زبان پر تھی کہ پیغمبر خدا ہزار برس سے زیادہ قبر میں نہ رہیں گے گویا ہزار برس کے اندر قیامت
آجائیگی۔ اس حدیث کو اُن لوگوں نے جو آٹھ سو برس تک ہوئے مانا اور دسویں صدی میں
منتظر قیامت کے رہے مگر بعد جبکہ دسویں صدی ہوئی اور کچھ بھی آثار قیامت کے نظر
نہ آئے تو اُس سے سبھوں نے انکار کیا اور اُس کو غلط جانا پس اگر وہ لوگ زندہ رہتے جو
اُس حدیث کی صحت کے معتقد تھے تو دسویں صدی میں اُن کو اسلام چھوڑنا پڑتا کیونکہ وہ

---

العاشرة خروج المهدي والدجال ونزول عيسى وسائر الاشراط والنفخ
في الصور ومضي الاربعون سنة التي بين النفختين وتنفخ نفخة البعث قبل
تمام الالف فاستبعت حدوث هذا الكلام من هذا العالم المشار اليه و
كرهت ان اصرح برده تادبا منه فقلت هذا شئ لا اعرفه فحاولني السائل
تحرير المقال في ذلك فلم ابلغه مقصوده الى ان قال فاجبت الى ما سالوا و
شرعت لهم منهلا فان شاؤا اعاجلوا وان شاؤا امهلوا وسميته الكشف عن
مجاوزة الامة الالف فاقول اولا الذي دلت عليه الاثار ان هذه الامة تزيد
علي الف سنة ولا يبلغ الزيادة عليها خمسمائة سنة الى آخر ما قال في تلك الرسالة
رايت في آخر بعض النسخ ما صورته وحكى بعض اهل التاريخ ان تاريخ الدنيا
من لدن آدم عليه السلام حين هبط من الجنة الى طوفان نوح عليه السلام
الفي عام ومائتي عام ومن طوفان نوح الى زمن ابراهيم عليه الف عام ومائتا
عام ومن زمن ابراهيم الى زمن موسى عليه السلام الف عام ومن زمن
موسى عليه السلام الى زمن عيسى السلام الف عام ومن زمن عيسى عليه السلام
الى زمن نبينا محمد صلى الله عليه وسلم خمسمائة عام ومن الهجرة الى الان
تسعمائة عام واربعة وعشرون سنة مجموع ذلك ستة آلاف وسبعمائة سنة
واربعة وعشرون سنة وعلى هذا يقال الباقي لقيام الساعة من يومنا هذا وهو
سنة اربعة وعشرين وتسعمائة مائتا سنة وستة وسبعون سنة بدليل قوله
صلعم عمر الدنيا سبعة ايام من ايام الآخرة وبعثت في آخر يوم السادس وقال الله تعالى
وان يوما عند ربك كالف سنة مما تعدون -

تکذیب رسول کی کرتے اور اگر وہ بزرگ پہلے ہی سے اُس حدیث کی تحقیقات کرتے اور اُسے بے اصل سمجھکر اُسپر اعتقاد نہ رکھتے تو دس صدی کیا اگر لاکھ صدیاں گذر جاتیں تب بھی اُن کے اعتقاد اور یقین میں کچھ شبہ نہ ہوتا شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں یعنی ۹۱۱ھ ہجری میں اُس حدیث کو غلط بتایا کیونکہ وہ دسویں صدی میں تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اُنھوں نے بھی ایک دوسری حدیث سے کہ عمر الدنیا سبعۃ ایام من ایام الآخرۃ وبعثت فی اخر الیوم السادس اپنی کتاب میں لکھدیا کہ اب عمر دنیا ۶۰۴ باقی ہے اب ہم اپنے پاک اور نیک سچے مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ ۶۰۴ برس بھی گذر گئے اور عمر دُنیا کی ابھی تمام نہیں ہوئی۔ تو اب مسلمان کیا کریں۔ نبی کی سچائی میں شُبہ کر کے اسلام کو چھوڑ بیٹھیں یا اُس حدیث کی صحت میں شبہ کریں۔ ہمارے نزدیک ہمارے مسلمانوں کو پہلی بات تو منظور ہوگی مگر دوسری بات پسند نہ کریں گے کیونکہ اُس تحقیقات کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو بڑے نامی مشہور مفسرین نے کی ہے اور علامہ سیوطی سے محقق محدث مفسر نے لکھی ہے۔ پس کیا ہمارے بھائی مسلمان ملحد اور مرتد ہیں جو ایسے محدثین کی باتوں کو غلط جانیں اور اُن کے قول سے انکار کریں۔

غرض کہ یہ فسانہ درد کہاں تک بیان کیا جاوے اور کتابوں کی کثرت اور اقوال غیر معتمد کے بھر لینے سے جو کچھ خرابیاں ہوئی ہیں اُس کا کیا بیان کیا جاوے۔ بڑے مرد اور کامل کا کام ہے کہ وہ اب صحیح کو غلط سے تمیز کرے اور بے اصل باتوں کو دینی کتابوں سے خارج کرے ورنہ ایسی ایسی روایتوں اور کہانیوں سے دین اسلام کی صحت سے اعتقاد آج نہیں کل کل نہیں پرسوں اُٹھ جاوے گا۔

## ذکر استنباط مسائل اصولی و فروعی کا جو تفسیروں میں ہیں

جو مسائل اصولی و فروعی صاف صاف قرآن مجید میں مذکور ہیں اُس سے قطع نظر کر کے جو کچھ استنباط اُن آیات کے اشارات و کنایات سے کیا ہے اس میں اختلاف کا ہونا بھی دلیل اسپر ہے کہ وہ سب منقول صاحب الشریعت سے بلکہ سلف صالح سے نہیں ہیں اور

اس لیئے جہاں تک موافق قواعد عربیہ کے استنباط اُس کا ہے وہ واجب القبول ہے اور جو بعض فقہا نے بعض مسایل کے اثبات میں ایسی آیتوں سے استدلال کیا ہے جن کو حقیقت میں اُن آیتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے وہ واجب القبول نہیں۔

بعض متکلمین نے بھی دایرہ احتیاط سے پانوں باہر نکالا ہے اور انھوں نے فریق مخالف کے الزام اور اپنے عقاید کے اثبات کے واسطے آیتوں کی ایسی ایسی تفسیر کی ہیں کہ جس سے کچھ تعلق اُس عقیدہ کو نہیں ہے اور اُس کا ثبوت اُن کتابوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے جو معتزلی اور دیگر فرق مبتدعہ کے عقاید کی تردید میں تالیف ہوئی ہیں۔

بعض متصوفین نے بھی اپنے عقاید کے اثبات میں تفسیر میں بہت بے احتیاطی کی ہے بلکہ نوبت بہ تحریف پہنچادی ہے کہ اپنے فاسد عقیدوں کے مطابق ایسے معانی قرآن کے بیان کیئے ہیں کہ جن کو کچھ تعلق الفاظ سے نہیں ہے اور بلا رعایت اصول شرع کے اور بلا لحاظ قواعد عربیہ کے نئے معنی پیدا کیئے ہیں جیسے کہ تفسیر محمود ابن حمزہ کرمانی کی ہے جس کا نام عجایب غرایب ہے۔ اُسمیں ایسے عجیب اقوال لکھے ہیں کہ سُننے والے کو تعجب آتا ہے اور بسبب غرابت کے عوام کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ اقوال ایسے ہیں کہ اُن پر اعتقاد کرنا کیسا نقل بھی اُن کلمات کی جایز نہیں۔

باطنیہ فرقہ نے بھی اپنے عقیدوں کے اثبات میں ایسی تفسیریں کی ہیں کہ اُنھوں نے دین ہی کو بدل ڈالا اور تمام ظواہر آیات کو پھیر کر اُدھر ہی کچھ معنی بنالیئے مگر جو لوگ محققین ہیں اور اہل باطن۔ اُنہوں نے نصوص کو اُن کے ظاہر معانی پر رکھا۔ مگر اُس کے اصلی مطالب اور حقایق و دقایق کو ظاہر کیا کہ یہ امر عین ایمان اور کمال عرفان ہے کیونکہ خود حدیث میں آیا ہے لکل آیۃ ظہر و بطن۔

غرض کہ ہر فریق نے موافق اپنے اپنے عقیدہ اور خواہش کے تفسیر کی اور اُس سے استنباط مسایل اصولی و فروعی کا کیا لیکن حقیقت میں اصل تفسیر وہ ہے جو مخالف قواعد عربی اور اعجاز قرآن کے نہو اور جس سے نصوص و اقعہ کی تحریف لازم نہ آوے اور نظم قرآنی اپنی فصاحت و بلاغت پر باقی رہے۔

غرض کہ جو مسایل اصولی و فروعی آیات قرآنی سے استنباط کیئے گئے ہیں اُسکی صحت پر

صرف تفسیروں میں لکھا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُس استنباط کو دیکھنا اور آیات قرآنی سے اُس استخراج کو جانچنا محقق کا کام ہے کیونکہ جو تفسیریں لوگوں نے بعد طبقہ تبع تابعین کے کی ہیں[1] اُن کا یہ حال ہے کہ جو مفسر جس علم اور جس فن کا شایق ہوا اُس نے اُسی علم واُسی فن کو اپنی تفسیر میں بھر دیا اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اُس کے نزدیک گویا خدا کو قرآن کے نازل کرنے سے انہیں علموں کا بیان کرنا مقصود تھا اور اپنے کلام کو خدا نے اسی لیے نازل کیا تھا مثلاً جو لوگ بڑے نحوی تھے اُنہوں نے اپنی تفسیروں میں اعراب و قواعد کو بھر دیا اور سارے مسئلے نحو کے قرآن سے نکالے اور تفسیر کو انہوں نے کافیہ کی شرح بنا دیا۔ جو لوگ تاریخ میں خوب ماہر تھے اُنہوں نے اپنی تفسیروں کو قصوں سے بھر دیا اور اگلی پچھلی خبریں جھوٹی سچی تفسیروں میں بھر دیں اور اُنھوں نے تفسیر کو الف لیلہ بنا دیا جیسا کہ ثعلبی نے کیا (جسے لوگ بڑا مفسر جانتے ہیں) جو لوگ فقہ کو خوب جانتے تھے اُنھوں نے تفسیر سے سوائے فقہ اور مسایل فروعی کے دوسری غرض ہی نہیں

---

[1] ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا في شيئ من العلوم ومنهم من ملأ كتابه بما غلب على طبعه من الفن واقتصر فيه على ما تمهر هو فيه كان القران انزل لاجل هذا العلم لاغير مع ان فيه تبيان كل شيئ فالنحوي تراه ليس له الا الاعراب وتكثير الاوجه المحتملة فيه وان كانت بعيدة وينقل قواعد النحو ومسائله وفروعه وخلافياته كالزجاج والواحدي في البسيط وابي حيان في البحر والنهر والاخباري ليس له شغل الا القصص واستيفاؤها والاخبار عمن سلف سواء كانت صحيحة او باطلة ومنهم الثعلبي والفقيه يكاد يورد فيه الفقه جميعا وربما استطرد الى اقامة ادلة الفروع الفقهية التي لا تعلق لها بالاية اصلا والجواب عن الادلة للمخالفين كالقرطبي وصاحب العلوم العقلية خصوصا الامام فخر الدين الرازي قد ملأ تفسيره باقوال الحكماء والفلاسفة وخرج من شيئ الى شيئ حتى يقضي الناظر العجب قال ابو حيان في البحر جمع الامام الرازي في تفسيره اشياء كثيرة طويلة لا حاجة بها في علم التفسير ولذلك قال بعض العلماء فيه كل شيئ الا التفسير۔

جانی اور اُن مسائل کا استنباط آیات سے کیا جو کسی طرح اُن لفظوں سے نہیں نکلتی مثل
علامہ قرطبی کے اور جو لوگ علم کلام کے شایق تھے اور عقلی مسائل سے اپنے عقیدوں
کو ملاتے تھے اُنھوں نے تو تفسیر کو فلاسفہ یونان کے قولوں کا مجموعہ کر دیا اور اُن مباحثات
کو ایسا طول دیا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے جیسے کہ تفسیر امام فخر الدین رازی کی ہے
جس کی نسبت ابو حیان وغیرہ محققین نے کہا ہے کہ فیہ کل شئی الا التفسیر کہ اُس میں
سوائے تفسیر کے سب کچھ ہے۔

پس اب ہم نہایت ادب سے اپنے پاک نیک بھائیوں سے عرض کرتے ہیں کہ جب
کتب تفاسیر کی نسبت ہمارے محققین یہ فرما گئے ہوں اور اُس کی ایسی حقیقت لکھ گئے
ہوں تو اگر ہم اُن کتابوں پر اجمالی ایمان نہ رکھیں اور سب کو مثل قرآن کے واجب الیقین
نہ جانیں بلکہ اُن مختلف کتابوں اور غیر محدود روایتوں اور بے شمار قولوں اور لا انتہا قصوں
کی تحقیق پر مستعد ہوں اور اُسکی اصلیت دریافت کرنے پر توجہ کریں تو یہ ہمارے ایمان کی نشانی
ہے یا الحاد ارتداد کی۔ اگر یہی الحاد اور ارتداد ہے تو وہ ہزار اسلام سے بہتر ہے ذالک فضل اللہ
یؤتیہ من یشاء ٭

## ذکر تشریح حقایق موجودات کا مطابق علوم عقلی کے جو تفسیروں میں ہے

یہ بات ظاہر ہے کہ قرون ثلثہ میں علوم عقلی کا کچھ چرچا نہ تھا اور حکمت اور فلسفہ یونان
سے کوئی واقف نہ تھا۔ مگر بعد اُس کے وہ زمانہ آیا جس میں مسائل فلسفہ کا جاری ہونا شروع ہوا
آخر اُس کی یہاں تک ترقی ہوئی کہ وہ مسائل دین میں داخل ہو گئے اور مذہبی کتابوں میں
اُن پر بحثیں ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ اُن سے تفسیریں بھری گئیں
اور جس طرح تفسیر میں اقوال پیغمبر اور صحابہ کے نقل کیے جاتے تھے اُسی طرح افلاطون اور
ارسطو وغیرہ حکماء یونان کے قول نقل ہونے لگے اور جب یہ سلسلہ جاری ہوا تو پھر
ایک مفسر نے دوسرے مفسر سے اور دوسرے نے تیسرے سے اُس کا نقل کرنا یا انتخاب
کرنا شروع کیا اور اُن قولوں کے قائلین کا نام بھی لکھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر وہ اقوال

تفسیروں میں ایسے مل گئے کہ لوگوں کو تمیز کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ قول ارسطو کا ہے یا صاحب شریعت کا یا کسی صحابی کا یا کسی امام کا اور اسی واسطے اُن اقوال پر دین کا مدار ٹھہر گیا اور اُن سے انکار کرنا بھی انکار آیات کے برابر سمجھا گیا چنانچہ ہم نے مختصراً وجود آسمان کی بحث میں اسے بیان کیا ہے کہ اب لوگوں کے نزدیک اس امر سے انکار کرنا کہ آسمان مثل گنبد کے وجود مجسم محیط ارض ہے اور ستارے اُسمیں جڑے ہوئے ہیں کفر ہے حالانکہ سب باعث اس کا یہ ہے کہ تفسیروں میں ہیأت یونانیوں کے مسائل مفسرین نے بھر دیئے ہیں۔ اُسے لوگ دیکھتے سنتے رہے ہیں اور اسی واسطے وہ اُن اقوال کو بھی دینی مسائل جانتے ہیں گو وہ کیسے ہی غلط اور پوچ اور بے اصل ہوں۔

اُن عقلی مسائل کے تفسیروں میں داخل کر دینے سے ایک بڑا نقص یہ ہوا کہ وہ باتیں جن کی واقع میں کچھ حقیقت نہ تھی اور جن کی اب غلطی کھل گئی لیکن اب اُن سے انکار کرنا اور اُن مسائل ہی کو غلط کہنا متضمن انکار اور الحاد سمجھا جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو یہ سمجھیں کہ اُن مسائل کا تفسیروں میں داخل کرنا ہی بیجا تھا اور اب اُس سے انکار کرنا اور جو حقایق موجودات اب ثابت ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں اُس کا ماننا کچھ قادح اسلام نہیں۔

بہت سی باتیں بہ نسبت اخبار اور واقعات اور کیفیت موجودات کے تفسیر کبیر وغیرہ میں ایسی بھری ہوئی ہیں کہ جن کو دیکھنے سے ہنسی آتی ہے اور جن کے ذکر کرنے سے کسی پڑھے لکھے ہوئے تربیت یافتہ آدمی کے سامنے شرم معلوم ہوتی ہے اور گو وہ باتیں وہی ہیں جو نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں نہ کسی صحابی و تابعین نے۔ نہ اُن کی کچھ صحت ہے مگر اب اُس سے بھی انکار کرنا اور اُس کو غلط سمجھنا ارتداد کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ پس سوائے اُن پاک مسلمانوں کے جو خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے اور جو سوائے اپنے پیروں کے مکتوبات و ملفوظات کے کچھ نہیں دیکھتے اور جو کچھ کسی شخص نے عربی زبان میں عربی خط سے لکھدیا ہو اُسپر ایمان رکھتے ہیں اور جو بڑی بڑی موٹی موٹی کتابوں سے روایتوں اور حکایتوں کے نقل کرنے ہی کو اُس کی صحت کی سند جانتے ہیں اور حقایق موجودات سے سوائے اس کے کہ کوہ قاف زمرد کا ہے اُسکی چوٹی پر ستون آسمان کے رکھے ہوئے ہیں اور زمین گائے کے سینگ پر ہے اور گائے مچھلی کے پیٹ پر

گھڑی ہے کچھ نہیں سمجھتے اور اُسی کو خدا کی قدرت سمجھکر وجد و حال میں مصروف رہتے ہیں
وہ شخص جو اب معقولات سے کسی قدر واقف ہوا اور تحقیقات جدیدہ سے جس سے موجودات
کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے آگاہ ہو کیونکر اپنے عقیدہ میں اُن روایتوں اور حکایتوں کو اصل
دین سمجھے گا اور کس طرح اس کا دل اُن قولوں کی صحت پر یقین کرے گا اور وہ اپنے ایمان اور
اسلام کی تقریب میں کس لیے کفر کے فتووں سے ڈرے گا۔

## ضرورت نئی تحقیقات کی بلکہ نئی تفسیر لکھنے کی

ہمارے نزدیک اس زمانہ میں ایک بڑی ضرورت نئی تفسیر لکھنے کی ہے جو حشو و زواید
سے خالی ہو اور جو غلط روایتوں سے اور جھوٹی حکایتوں سے پاک ہو اور جسمیں کچھ یونانی
باتوں کا ذکر نہو اور جسمیں حقایق موجودات کی تشریح کماہی ہو جس میں وہ احادیث صحاح
جن کی صحت بلکہ جن کی شہرت درجہ یقین پر پہنچی ہو اپنے اپنے موقع پر مذکور ہوں اور
جس میں وہ اقوال صحابہ کبار کے جس سے مسایل اصولی و فروعی کا اُنہوں نے استنباط
کیا ہو منقول ہوں اور جسمیں اُن شبہات کا جو اہل عقل اس زمانہ کے کرتے ہیں ایسا جواب
ہو کہ مخالف قواعد عربی اور مغایر شریعت محمدی کے نہو اور جس میں ان اخبار کی صداقت
ظاہر کیجاوے جو الفاظ قرآن سے ثابت ہیں اور جس کی تصدیق میں بعض منکرین بسبب
مخالفت تاریخ اور تحقیقات زمانہ حال کے شبہ کرتے ہیں اور جس میں اُن اقوال اور
روایات کی تکذیب بسند صحیح بیان کیجاوے جو غفلت سے یا سہو سے یا تساہل سے
تفسیروں میں داخل ہو گئے ہیں اور جس سے گو اگلے زمانہ میں کچھ نقصان نہ تھا مگر اب
وہی روایتیں اور وہی اقوال مادہ الزام کا قرآن اور صاحب الوحی پر ٹھہرائے گئے ہیں
تاکہ اب جو زمانہ آیا ہے اور جو لوگ علوم عقلی کی تعلیم پاتے جاتے ہیں وہ اسلام پر ثابت قدم
رہیں اور اُن کا دل کسی طرح پر کسی ایک نقطہ سے بھی قرآن کے نہ پھرے اور وہ اپنے دین
کو نہایت سچا اور خدا کا دیا ہوا جانیں اور نہ صرف ہماری ہی اولاد اُس سے فائدہ پاوے
بلکہ ساری دنیا کے دانشمند اور حکیم اور عاقل اور محقق اُس کی تصدیق کریں اور وہ خدا

کے قوال کو مطابق اُس کے فعل کے جان کر لقد صدق اللہ و رسولہ صدق اللہ سے کہنے
لگیں اگرچہ اس خواہش کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے مگر سب مسلمانوں پر اس طرف توجہ
کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور گو کچھ اُمید نہیں لیکن خدا سے اُمید ہے کہ ضرور ایسا کریگا اور ہم
مسلمانوں کو ایسی توفیق دیگا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

# اجماع

منجملہ اُن مذہبی الفاظ اور فقہی مصطلحات کے جن کی حقیقت نہ جاننے سے لوگوں
کے خیالات غلط ہوئے اور ہوتے ہیں اور جن پر استدلال کرنے سے بے اصل باتیں صحیح
مسائل کی صورت پر ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں لفظ اجماع ہے۔ علماء نے کتاب و سنت
کی طرح اُسے ایک شرعی حجت مانا ہے۔ فقہا نے اُس کے منکر کو کافر سمجھا ہے پابندی
ہر رسم عادت کی جو مسلمانوں میں جاری ہے اُسی پر استدلال کرنے سے ایمان
کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ اُن کے حُسن و قبح سے بحث کرنے والے پر خرق اجماع کا الزام
لگا کر تکفیر کی نسبت ہوتی ہے اس لیئے اُس کی حقیقت کا بیان کرنا اور اُن نتائج سے جو
اُس پر مترتب کیئے جاتے ہیں کچھ بحث کرنا مناسب ہے۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ ایمان نام ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا
اُن سب باتوں میں جو وہ خدا کی طرف سے لائے پس حاضرین کے واسطے خود اُنکا زبان
مبارک سے سُننا حجت تھا اور اُسکی تصدیق کے لیئے دوسرے ذریعہ کی کچھ حاجت
نہ تھی لیکن ہم لوگوں کے لیئے اُن باتوں کی تصحیح اُن کی تصدیق پر مقدم ہے اس لیئے
کسی ذریعہ کی ضرورت ہے وہ ذریعہ کیا ہے نقل اور روایت۔ لیکن چونکہ اسمیں صدق و
کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لیئے کذب کے احتمال دور کرنے کے لیئے کوئی
قطعی دلیل چاہیئے۔ وہ کیا ہے تواتر و اجماع پس اگر کسی خبر کی نسبت مخبر صادق کے
وقت سے لیکر اسوقت تک سب کا اتفاق ہوا اور اُس کی صحت پر سب کا اجماع تو وہ
خبر ہمارے حق میں بھی رویت کے برابر ہے اور ایسی متواتر اور مجمع علیہ خبر حقیقت میں

فی نفسہ شرعی حجت ہے لیکن اگر کسی خبر کی نسبت یہ درجہ ثابت نہ ہو یعنی مخبر صادق کے وقت
سے اُس کا تواتر اور اُس کی صحت پر اجماع نہ ہو عام اِس سے کہ وہ خبر پھر کسی اَور زمانہ میں شہرت
اور تواتر کے درجہ پر پہونچ جاوے یا آیندہ زمانوں میں بھی وہ اُس رتبہ پر نہ پہونچے تو وہ خبر
اپنی اصلی حالت پر رہے گی یعنی مانحتمل الصدق والکذب پس پہلے زمانہ سے لیکر ہمارے
وقت تک جتنے واسطے اُس کی نقل کے ہوئے ہوں اُن کی صداقت اور اعتبار ثابت ہو
اور وہ شمار میں بھی لایق لحاظ کے ہوں تو اُس کا جانب صدق غالب ہوگا - اور اگر اُن میں
سے کسی کی صداقت بخوبی ثابت نہ ہو یا اُن کا تسلسل و اتصال معلوم نہ ہو یا اُسکے بیان
کرنے والے ایسا ہی ایک دوسرے زیادہ نہ ہوں تو اُس کی دونوں جانب صدق و کذب کی
برابر ہوں گی اور ایک کے رجحان کو دوسرے پر کسی اَور دلیل کی حاجت ہوگی اور اگر
اُس کے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری پائی جاوے تو اُس کا جانب کذب راجح ہوگا
بلکہ اگر اُن کا کذب بمرتبہ یقین ثابت ہو تو اُسمیں احتمال صدق کا باقی نہ رہیگا -

پس منجملہ اخبار مخبر صادق کے وہ خبر جس کا تواتر اُس کے وقت سے لیکر اب تک ثابت
ہے اور جس کی صحت پر اجماع ہے قرآن مجید ہے اور جو اُس مرتبہ پر نہیں ہے وہ حدیث
ہے پھر بعض اُسمیں یعنی حدیثوں میں سے وہ ہیں جن کا جانب صدق غالب ہے اور بعض
وہ ہیں جن کے دونوں پلے برابر ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا جانب کذب غالب ہے اور
بعض وہ ہیں جو بالکل غلط اور بالکل جھوٹی ہیں غرضکہ یہ دونوں چیزیں ہمپر حجت ہیں پہلی
چیز یعنی کتاب قطعی حجت ہے کیونکہ اُس کی صحت قطعاً ثابت ہے اور دوسری چیز
یعنی سنت ظنی حجت ہے کیونکہ اُسکی صحت ظنی ہے اور باعتبار اپنے رتبہ صحت کے
وہ ہمپر حجت ہے - رہا اجماع پس اگر اُس سے مراد ہے اجماع سب کا اوپر صحت اُس خبر کے
تو آمنا و صدقنا کہ ایسا اجماع حجت شرعی ہے لکن لا فی ذاتہ بل بغیرہ کیونکہ حقیقت
میں وہ اجماع ایک کامل شہادت اور قطعی دلیل اُس خبر کی صحت کی ہے اور وہ خبر فی نفسہ
ہمپر حجت ہے اور اُسی اجماع کا منکر بھی یقینی کافر ہے کیونکہ وہ منکر اُس خبر کا ہے جسکی
صحت ثابت ہو چکی اور جس کا انکار فی ذاتہ کفر ہے - پس اگر کوئی کسی آیت کا قرآن مجید
کی منکر ہو تو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ صاحب الوحی کی زبان سے سُن کر اُس کا منکر
ہوتا کیونکہ تواتر اور اجماع نے اُس کی صحت کو ایسے یقین کے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ احتمال

غلطی کا باقی نہیں رہتا لیکن اگر اُس سے مراد ہے اتفاق کر لینا لوگوں کا اوپر کسی معنی و
مقصد کے جو مخبر صادق کے لفظوں سے صراحتاً ثابت نہ ہو یا اوپر حقیقت کسی چیز کے
جس کا بیان بتصریح خود مخبر صادق نے نہ کیا ہو یا اوپر تفصیل کسی اجمال کے جسے اُس نے مجمل
ہی رہنے دیا ہو یا اوپر توضیح کسی شئے کے جس میں اُس نے اشارہ و استعارہ پر ہی کفایت
کی ہو یا اوپر اُن باتوں کے جو شارع کی باتوں کی علت دریافت کر کے قیاساً اُسپر نکالی
گئی ہوں جبکہ اُس علت کو خود شارع نے بیان نہ کیا ہو یا اوپر کسی ایسے مذہبی اعتقاد یا
قول یا فعل کے جو اُس کے اخبار متواترہ سے ثابت نہ ہوا ہو اسکے منصوصات کے مخالف
اور اُس کے اصلی اصول کے معارض ہو تو ایسا اتفاق کچھ قطعی حجت نہیں اور نہ ایسے اجماع
کا منکر کافر ہے اور نہ اُن باتوں کا جو ایسے اتفاق پر مبنی ہوں نہ ماننا یا اُن سے مخالفت کرنا
تکذیب رسول ہے کیونکہ یہ اجماع ایک قیاس یا قول یا فعل ایسی جماعت کا ہے جس میں سے
نہ کوئی مخبر صادق ہے نہ جس میں سے کسی کی رائے معصوم ہے نہ جس میں سے کوئی صاحب الوحی
و الکتاب ہے نہ اُن کی تصدیق و تکذیب پر ایمان و کفر کا مدار ہے پس جبکہ بانفرادہ کوئی
ایک اُن میں سے ایسا نہیں جسکی رائے یا قول یا فعل ایسی حجت ہو تو مجموعہ اُن کی رائے یا قول یا فعل کی حجت ہونے
کی کیا وجہ ہے ہاں اُن کی بات کو ایسی وقعت ہے کہ اُس کی صحت کا پلہ بہ نسبت اُسکی غلطی کے بھاری سمجھا
جاویگا اور جب تک کہ اُس کی غلطی ثابت نہ ہو تب تک وہ ماننے کے لایق ہوگی گو احتمال
غلطی کا موجود رہے گا اور ممکن ہے کہ کبھی اُس کی غلطی ثابت ہو جاوے اور کسی زمانہ میں
اُس کی غلطی پر دوسرا اتفاق ہو جاوے اور یہ بھی اُس حالت میں ہے جبکہ اتفاق سب لوگوں کا
ہوا اور کوئی اُس رائے یا قول یا فعل سے کسی زمانہ میں منکر نہ ہوا ہو یا کم سے کم جو لوگ صلاحیت
رائے دینے کی رکھتے ہوں اُنہوں نے مخالفت نہ کی ہو لیکن اگر کسی جماعت یا کسی گروہ
میں کوئی بات بغیر بحث و مباحثہ کے جاری ہوگئی ہو یا کسی عارضی وجہ سے مثل خوف یا شرم
یا لحاظ یا جہالت کے لوگوں نے اُسے مان لیا ہو اور امتداد زمانہ نے اُسے قوی کر دیا ہو یا اُس کی
صحت میں اہل رائے نے اختلاف کیا ہو اور بعض مجتہدین نے اُسے صحیح نہ جانا ہو گو کسی خارجی
سبب سے اُس انکار کو شہرت یا قوت نہ ہوئی ہو تو ایسے اتفاق کو وہ وقعت بھی نہیں ہے بلکہ
اُسپر اتفاق یا اجماع کا اطلاق کرنا ہی غلطی ہے [1] پس یہ مختصر حقیقت اجماع اور انکار اجماع کے

[1] میں اپنے علما کے اقوال بھی بہ نسبت اس مسئلہ کے بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اُن کی

کفر ہونے کی ہے اسپر غور کرنے کے بعد اب ہمکو کوئی بتا دے کہ جو عوام و خواص ہو جزئیہ

رائے بھی لوگوں کو معلوم ہوجاوے - امام غزالی رح نے کتاب التفرقہ میں لکھا ہے و شرطہ
رائے الاجماع) ان یجتمع اهل الحل والعقد علی صعید واحد فیتفقون علی امر واحد
اتفاقاً بلفظ صریح ثم یستمرون علیہ مدة عند قوم والی تمام انقراض العصر
عند قوم - اور مسلم میں لکھا ہے وقیل اجماع الاکثر مع ندرة المخالف اجماع والمختار انہ
لیس باجماع لانتفاء الکل فقیل لیس بحجة اصلاً وقیل هو حجة ظنیة اور مرقات الاصول میں
لکھا ہے کہ الاجماع اما بالتواتر او الشہرة او الاحاد واعلی التواتر اجماع الصحابة اذا انقرضوا
حتی اذا لم ینقرضوا لم یکن الاجماع اتفاقیاً کما مر فهو کالآیة القطعیة الدلالة والخبر
المتواتر فیکفر جاحده وان لم یکن سکوتیاً حتی اذا کان سکوتیاً لم یکن متفقاً علیہ
ایضا فلا یکفر المخالف ثم اجماع من بعدهم بالشرط السابق فیما لم یروفیہ خلافهم
فهو کالمشهور من الخبر یضلل جاحده ولا یکفر اجماعا ثم الاجماع المختلف فیہ فهو
کالصحیح من اخبار الاحاد لا یضلل جاحده ایضا کما لا یکفر - اور امام حجة الاسلام نے منخول
میں لکھا ہے انہ قد یثبت الخلاف فی کون الاجماع حجة ولا یکفر منکره ثم منکر المجمع
علیہ اذا لم یکن من ضروریات الدین لم یکفر - اور امام الحرمین ابو المعالی نے فرمایا ہے کیف نکفر
من خالف الاجماع ونحن لا نکفر من رد اصل الاجماع وانما نبدعه ونضلله والمعتمد عند
الشافعیة عدم اطلاق تکفیر المجمع علیہ اور امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ لیس تکفیر
جاحد المجمع علیہ علی الاطلاق بل من جحد مجمعاً علیہ فیہ نص وهو من الامور الظاهرة التی
یشترک فی معرفتها الخواص والعوام کالصلوة وتحریم الخمر ونحوهما کافر ومن جحد
مجمعاً علیہ لا یعرفه الا الخواص کاستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الصلب ونحوه
فلیس بکافر - اور ابن دقیق العید نے شرح عمدہ میں لکھا ہے اطلق بعضهم ان مخالف الاجماع
کافر والحق ان المسائل الاجماعیة تارة یصحبها التواتر عن صاحب الشرع کوجوب الخمس
وقد لا یصحبها فالاول یکفر جاحده لمخالفة التواتر لا لمخالفة الاجماع - اور تلویح میں لکھا ہے
اما الحکم الشرعی المجمع علیہ فان کان اجماعه ظنیا فلا یکفر جاحده اتفاقاً وان کان
قطعیاً فقیل یکفر وقیل لا یکفر والحق ان نحو العبادات الخمس مما علم بالضرورة کونه

براہین ۱۶۰

فقہیہ اور ہر مسئلہ کلامیہ کی نسبت اجماع کا لفظ زبان پر لاتے ہیں اور اُس کے انکار کو بوجہ انکار اجماع کے کفر بتاتے ہیں وہ کس قدر صحیح ہے اور کس قدر غلط سوائے قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے اور عقاید و مسائل جو تخراج و استنباط کیے گئے ہیں اور جو کتابوں میں بڑی شد و مد سے لکھے گئے ہیں اُن میں سے کتنے عقیدوں اور کتنے مسئلوں پر اجماع کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کتنے پر نہیں۔ اگر اجماع کا نام ہی چند کتابوں میں لکھا ہوتا۔ اور اُس کو ایک مخصوص طائفہ سیکھتا اور تقلیداً اُسے تلقی بالقبول کرتا تو بلاشبہ وہ اجماع اجماع ہے مگر اُسے ہم لا یعبا بہ کہتے ہیں اور خود ہمارے ہی علماء کے بیان سے اُس پر اجماع کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ کہ معاذ اللہ اُس کے انکار پر اطلاق کفر کا ہو بہ اکثر مسائل اعتقادی یا عملی ایسے ہیں جن کی بنا حقیقت میں ایک خبر احاد پر اور بعض حالات میں ایک خبر ضعیف پر یا فقط قیاس اور رائے پر ہے مگر تقلید کی برکت سے اُسے عوام و خواص میں ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ وہ خبر متواتر اور نص قطعی سمجھی جاتی ہے۔ وحد المتواتر ما لا یمکن الشک فیہ کالعلم بوجود الانبیاء و وجود البلاد المشہورۃ وغیرھا وانہ متواتر فی الاعصار کلھا عصراً بعد عصر الی زمان النبوۃ ولم ینقص عدد التواتر فی عصر من الاعصار فالقول بالتواتر فی غیر القرآن من اغمض الاشیاء۔

---

من الذین یکفر جاحدہ اتفاقا وانما الخلاف فی غیرہ اور ان سب کا مدہ وہ ہے جو رد مختار کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے کہ اذا لم تکن الآیۃ او الخبر المتواتر قطعی الدلالۃ او لم یکن الخبر متواتراً او کان قطعیاً لکن فیہ شبہۃ او لم یکن الاجماع اجماع الجمیع او کان ولم یکن اجماع الصحابۃ او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابۃ او کان اجماع جمیع الصحابۃ ولم یکن قطعیاً فان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیاً لکن کان اجماعاً سکوتیاً ففی کل ھذہ الصور لا یکون الجحود کفراً۔ کہ اگر آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالت نہ ہو یا خبر ہی متواتر نہ ہو یا متواتر تو ہو مگر قطعی نہ ہو اور اُس میں شبہ ہو یا اجماع سب کا اجماع نہ ہو یا سب کا اجماع ہو مگر صحابہ کا اجماع نہ ہو یا وہ بھی ہو مگر سب صحابہ کا اتفاق نہ ہو یا سب صحابہ کا اتفاق بھی ہو مگر قطعی نہ ہو یعنی بطریق تواتر کے ثابت نہ ہو یا قطعی بھی ہو مگر اجماع سکوتی ہو۔ پس ان سب حالتوں میں انکار اجماع کا کفر نہیں ہے۔ ۱۲

تفسیر جلد ۱ صفحہ ۱۶۹

پس ہمارا اپنے مسائل اعتقادی و عملی کی نسبت جس کا ثبوت بنص صریح قرآن مجید یا بحدیث متواتر نہو اجماع کا دعویٰ کرنا ہی غلط ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے بہت دھوکے ہوئے اور بہت مغالطہ میں پڑ گئے ہر گروہ نے اپنے اپنے خیالات کے موافق ایک مذہب کھڑا کر لیا ہر طائفہ نے اپنی رسمیات و عادات کو اجماع کی دلیل سے فرائض و واجبات سمجھ لیا اور اپنے چال چلن کو ایک مبدل شریعت بنا لیا یہاں تک کہ جب اُن بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کی جن کے کنگرے آسمان سے ملے ہوئے ہیں بنیاد دیکھی جاتی ہے تو ایک ریت کے ذرہ کے سوائے کچھ نظر ہی نہیں آتا اور کوئی بنیادی پتھر دکھلائی نہیں دیتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی ہے نہ فی نفسہ اُسکی اصل مضبوط ہے نہ درحقیقت اُسکی بنا مستحکم ہے اگر لوگ اپنے ہاتھ اُٹھا لیں اور بنیاد کے سہارے پر اُسے چھوڑ دیں تو نہ اُس کی خوبصورت دیواروں کا نشان ملے نہ اُس کی خوش نما محرابیں نظر آویں نہ اُس کی ملمع کاری کی چھت باقی رہے بلکہ دکت الارض دکا کی کیفیت ہو جاوے اور تبدل الارض غیر الارض کی صورت نظر آوے یہ حقیقت ہے اجماع کی جو میرے نزدیک از روئے اصول شریعت کے ثابت ہے۔ فمن اعتقد غیر ذالک فلیجد دعقیا نترو لیتبع عن تعصبہ ثم مرادہ بطلان ھذا البنیان فعلیہ ان یظہر فی میدان البرھان اما بتفریر اللسان واما بتحریر البنیان والحق یعلو علی البطلان ٭

---

# دوسرا حصّہ

## پہلا ریویو

# مُقدّمہ تاریخ ابن خلدون پر

ابن خلدون ایک نامور مورخ مسلمانوں میں گذرا ہے۔ اُس کی تاریخ مشہور ترین کتابوں سے ہے۔ بالفعل یہ کتاب عربی زبان اور عربی خط میں نہایت عمدہ اور خوشخط دار السلطنت فرانس میں چھاپی گئی ہے۔ اس نامور مورخ نے ایک نہایت عمدہ

مقدمہ اپنی کتاب کا لکھا ہے۔ جس میں علم تاریخ کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور تاریخی واقعات کی تنقیح کے اصول لکھے ہیں۔ اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب اور اقالیم سبعہ کے حالات۔ اور اہل عرب کی حکومت کے نتایج۔ اچھی طرح بیان کیئے ہیں۔ یہ کتاب اس لایق ہے کہ اُس کا ترجمہ اُردو میں کیا جائے۔ اور اس زمانہ کے مسلمانوں کو دکھایا جاوے۔ کہ ان کی قوم میں کیسے دل و دماغ کے آدمی گذرے ہیں اور کیا کیا وہ لکھ گئے ہیں۔ تا اُن کو عبرت ہو اور حیرت۔ عبرت تو اس خیال سے۔ کہ ہمارے بزرگ کیسے تھے اور ہم کیسے ہیں۔ اور حیرت اس نظر سے۔ کہ جن باتوں کو اس زمانہ میں وہ کفر و الحاد سمجھتے ہیں۔ سدہا برس ہم سے پہلے بڑے بڑے محقق مسلمان کہہ گئے ہیں۔

اگرچہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ متقدمین اہل اسلام نے تنقیح روایات۔ و تصحیح منقولات میں بہت توجہ کی اور اُس کے لیئے نہایت عمدہ اصول و قواعد قرار دیئے۔ اور اُس پر عمل کیا۔ لیکن اکثر لحاظ اس کا دینیات اور احکام شرعی میں کیا گیا۔ اور گو کہ سوائے چند نامی محققوں کے اور عالموں نے دینیات میں بھی اُن اصول کی پوری پوری رعایت نہ رکھی اور آخر دینی روایتیں بھی ایسی مختلط اور مشتبہ ہو گئیں کہ جن کی تنقیح نہایت مشکل ہے۔ مگر سوائے دینیات کے اور واقعات تاریخی میں تو کچھ بھی رعایت اُن اصول کی نہ کی گئی۔ اس لیئے پچھلے زمانوں۔ اور پچھلی قوموں اور غیر ملکوں کے حالات جو مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں لکھے۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو تاریخی واقعات کہا جاوے۔ یا قصہ اور کہانی سے زیادہ کچھ بھی اُن کا اعتبار کیا جاوے۔ ایک عام عادت ہمارے مورخوں کی ہے۔ کہ پچھلے زمانہ کی ابتدا جنات سے کرتے ہیں۔ اور اُن کے واقعات کے بیان کرنے میں صفحے کے صفحے رنگتے چلے جاتے ہیں۔ جن کے دیکھنے اور پڑھنے سے افسوس آتا ہے۔ کہ کیونکر مسلمان مورخوں نے ایسی لغو اور پوچ باتوں کا لکھنا جایز سمجھا۔ اور یہ بھی ایک عادت اُن کی ہے۔ کہ انبیاء اور اولیاء کی عظمت و شان ظاہر کرنے کے لیئے محال اور غیر ممکن باتوں کو اس خوبی سے لکھتے ہیں کہ گویا فی الواقع وہ واقع ہوئی ہیں۔ لیکن درحقیقت ایسی باتوں سے دین اسلام پر سخت الزام آتا ہے۔ اور مسلمانی مذہب بدنام ہوا اور

ہوتا ہے۔ غرض کہ عموماً مسلمانوں میں جو فن تاریخ کا ہے۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ
اُسے فن تاریخ کہا جاوے اور جو واقعات اُن میں مذکور ہیں اکثر اس قابل نہیں کہ اُن پر
تاریخی واقعات کا اطلاق کیا جاوے۔ اور اسی سبب سے کہ یہ فن ایسی ذلیل اور ابتر
حالت پر ہمارے یہاں پہونچ گیا ہے۔ کوئی اُس طرف توجہ نہیں کرتا اور اُسے علم
نہیں سمجھتا۔ چنانچہ منجملہ اُن سببوں کے جو مسلمانوں کے تنزلات کے باعث ہوئے
فن تاریخ سے ناواقفیت بھی ایک بڑا سبب ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے مفید مضامین منتخب کرکے تہذیب الاخلاق میں
چھپواؤں چنانچہ بالفعل تاریخ کی حقیقت۔ اور اخبار کی تنقیح کے اصول جو اس کتاب
میں تفصیل بیان کیئے گئے ہیں منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

اس نامور عالم نے اول فن تاریخ کی فضیلت اور فواید کو بیان کیا ہے۔ پھر اُن
سببوں کو لکھا ہے جو اس فن کو واہی اور غلط اور غیر مفید کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ
لکھتا ہے۔ کہ "فن تاریخ بظاہر تو نہایت آسان ہے۔ اور اُس کا سمجھنا ہر خاص و عام
اور عالم و جاہل کو یکساں۔ کیونکہ پچھلے زمانہ کی باتیں اور گذشتہ واقعات کی خبریں
اُس سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اُس کے لیئے نہایت غور اور فکر درکار ہے تاکہ
اُن واقعات کے اسباب دریافت ہوں۔ مثلاً فلاں واقعہ کیوں ہوا۔ اور اُس کے شروع
ہونے کے اسباب کیونکر ظاہر اور پیدا ہوئے۔ اور انجام اس کا کیا ہوا۔ اور کیوں۔ پس
درحقیقت فن تاریخ کو ایک عمدہ فن فنون حکمت سے سمجھنا چاہیئے۔"

" اگرچہ بڑے لایق مسلمان مورخوں نے تاریخ اور اخبار کو اچھی طرح جمع کیا۔ مگر بعد اُن کے
جو مورخ ہوئے اُنھوں نے تاریخ کو لغو اور باطل اور وہمیات سے خلط ملط کر دیا۔ اور
بہت سی باتیں بیہودہ اُسمیں ملا دیں اور اکثر ضعیف اور بنائی ہوئی روایتیں داخل کر دیں
اور بہت لوگوں نے جو بعد اُن کے ہوئے۔ اُنھیں نادانوں کی پیروی کی۔ اور اُنھیں
بےسر روایتوں اور واہی تباہی کہانیوں کو جیسا سنا تھا ہم تک پہنچا دیا۔ نہ واقعات کے
اسباب پر غور کیا۔ نہ اُن حالات کی تصدیق اور تنقیح پر توجہ کی۔ نہ بیہودہ باتوں کو سچے واقعات
سے جدا کیا۔ اور نہ لغو روایتوں سے تاریخ کو پاک۔ اس لیئے تاریخ ایسا فن رہ گیا جسمیں تحقیق کم
ہے اور تنقیح تھوڑی۔ اور غلطیاں اور اوہام بہت۔ اور گو کہ تقلید انسان کے رگ و پے میں

سمائی ہوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کی پیروی کا عادی ہو رہا ہے۔ اور جہال
آدمیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ مگر حق ہمیشہ حق ہے جس پر کوئی غالب نہیں ہو
اور باطل ہمیشہ باطل ہے کہ ذرا سی غور و فکر سے اُس کا بطلان ظاہر ہو سکتا ہے۔ ا
ناقل فی نفسہٖ ناقل ہے جو بلا تمیز صحت و غلطی کے نقل کر سکتا ہے۔ اور غور و تا
اور سمجھ بوجھ وہ چیز ہے جو صحت غلطی کو۔ اور خطا اور صواب کو جدا کر سکتی ہے۔ ا
شئے ہے جس سے ہر بات کی اصلیت اور ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے۔"

اس کے بعد ایک جداگانہ فصل میں ایک محقق نے اُن باتوں کا بیان کیا ہے
مؤرخ کے لیے صحیح تاریخ لکھنے کے واسطے ضروری ہیں۔ اور اُن غلطیوں۔ اور اوھ
بطور مثال کے تذکرہ کیا ہے۔ جن کو بڑے بڑے مورخین اور مفسرین نے اپنی کتابو
میں لکھا ہے۔ اور پھر اُن سببوں کی تشریح کی ہے۔ جو باعث ایسی غلطیوں اور
کے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ "جو شخص دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق
ہو اُسے فن تاریخ سے واقف ہونا ضرور ہے۔ لیکن اس فن میں چند باتوں کا لحا
رکھنا واجبات سے ہے۔ اوّل ماخذ کا دریافت کرنا۔ دوسرے اُس پر غور و تامل
اور اُسکی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا کہ یہی دو باتیں حق پر پہونچاتی اور لغزشو
اور غلطیوں سے انسان کو بچاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ اور فقط نقل و روایت پر اعتم
کر لیا جائے۔ اور عادت اور سیاست اور دنیا کی طبیعت (نیچر) اور انسان کی سوس
کے مستحکم اصول پیش نظر نہ رکھے جاویں۔ اور غایب کو حاضر پر۔ اور گذشتہ کو حال پر قیا
نہ کیا جاوے۔ تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کبھی نہ بچے گا۔ اور قدم اُس
راہ راست سے ضرور ڈگ جائے گا۔ اور اکثر مورخین اور مفسرین اور ائمہ نقل
واقعات روایات کے بیان کرنے میں بھی غلطی ہوئی کہ اُنھوں نے محض نقل پر بھرو
کر لیا۔ اور اُس کے عیب و صواب پر نظر نہ کی۔ نہ اُن کو اصول اور قواعد سے جانچا۔ نہ اور نظ
و شواہد پر قیاس کیا۔ نہ حکمت و عقل کی کسوٹی پر کسا۔ نہ خود موجودات کے طبایع (نیچر)
واقف ہوئے۔ نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ کو اُن باتوں کی تحقیق میں دخل دیا۔ اس
حق سے بہک گئے۔ اور وہم اور غلطی کے جنگل میں جا پڑے۔ خصوصاً اعداد کے
اور مال اور لشکر کی شمار میں تو اُنھوں نے ایسا مبالغہ کیا ہے کہ بادی النظر میں ظہور

اور غلط معلوم ہوتا ہے " لکھکر محقق موصوف نے چند مثالیں اس قسم کے مبانو کی لکھی ہیں۔ اور محض بمجرد اور عقل کی مخالفت سے اُن کو باطل ٹھہرایا ہے۔

اسی تذکرہ میں ایک مقام پر اِس محقق نے توریت کی تحریف نقلی کا ذکر کرکے مثل اور محققین کے اُس سے انکار[1] کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے " وانما ورد فی التوراۃ والیھود قد بدلوھا علی ماھو معروف فالقول بھذا التبدیل مرجوح عند المحققین ولیس علیٰ ظاھرہ لان العادۃ مانعۃ من اعتاد اھل الادیان ذالک فی صحفھم الالھیۃ کما ذکرہ البخاری فی صحیحہ "

منجملہ اُن واہی تباہی خبروں کے جن کو محقق موصوف نے بطور مثال کے لکھا ہے۔ ایک وہ خبر ہے۔ جو بہ نسبت تبابعہ بادشاہان یمن اور جزیرہ عرب کے مورخین تسلیم کرتے چلے آتے ہیں کہ وہ یمن سے براہ مغرب افریقہ اور بربر تک اور مشرق کی طرف سے ترک اور تبت کے شہروں پر حملہ کرتے تھے۔ اور افریقس بن قیس اُن کا بڑا اور پہلا بادشاہ تھا جس نے حضرت موسے علیہ السلام کے زمانہ میں یا کچھ دنوں اُن سے پہلے افریقہ پر حملہ کیا۔ اور اسی طرح چند اور بادشاہوں کا احوال اور انکی چڑھائی اور حملوں اور لڑائیوں کے حالات مسعودی وغیرہ نے لکھے ہیں۔ ان سب کی نسبت اس محقق نے بڑی ہنسی اُڑائی ہے۔ اور اُن لکھنے والوں کو بڑا احمق بنایا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ " یہ سب خبریں قصہ گویوں کی بنائی ہوئی کہانیوں کی طرح ہیں۔ اور صحت اور سچائی سے بہت دور ہیں۔ مثلاً جو ذکر بادشاہان تبابعہ کے حملوں کا اور اُن کی چڑھائیوں کی بابت کیا گیا ہے۔ وہ محض غلط ہے۔ اس لیئے کہ وہ لوگ عرب کے جزیرہ میں رہتے تھے۔ اور دار القرار ان کا صنعا یمن تھا۔ اور عرب کے جزیرہ کے تین طرف سمندر ہے۔ جنوب کی طرف بحر ہند اور مشرق سے بصرہ تک بحر فارس اور مغرب کی طرف سے بحر سوئیس کہ یہ امر جغرافیہ کے نقشہ سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ پس جو کوئی یمن سے مغرب کو جائے گا وہ سوائے سوئیس کے کوئی دوسری راہ نہیں پا سکتا۔ اور فاصلہ بحر سوئیس اور بحر شام کا دو روزہ راہ سے زیادہ نہیں ہے۔ پس

[1] یہ بھی کافر معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲

عادتاً غیر ممکن ہے کہ اس راہ سے کوئی بادشاہ اتنا بڑا لشکر لیکر نکلے اور سوئیس پر جو مصر
کے علاقہ میں ہے قابض نہ ہو - اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان صوبوں پر عمالقہ - اور
شام پر کنعانی - اور مصر میں قبطی بادشاہ تھے - پھر مصر کی حکومت عمالقہ کے ہاتھ میں -
اور شام کی بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئی - اور کبھی ان بادشاہوں کی تاریخ سے پتہ اس
بات کا نہیں چلتا کہ تبابعہ ان میں سے کسی سے لڑے یا اُن کے کسی صوبہ پر قابض
ہوئے ہوں - بہرحال بہت سی اَور معقول دلیلیں ہیں جن سے ان واقعات کا جو مورخین
نے بیان کیا ہے غلط ہونا ثابت ہوتا ہے -

ان پرانی کہانیوں کی غلطی اور بناوٹ بیان کر کے محقق موصوف مفسرین پر
متوجہ ہوتا ہے - اور ان بزرگواروں نے جن کہانیوں کو قرآن کی تفسیر میں بھر دیا ہے
اور جس کا بداثر دین اسلام پر پہونچتا ہے - اُن کہانیوں کا واہی تباہی ہونا بیان کرتا ہے - چنانچہ
وہ لکھتا ہے کہ ان سب بیہودہ روایتوں سے بڑھکر وہ ہے جسے مفسرین نے سورہ
فجر کی آیہ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد کی تفسیر میں نقل کیا ہے - کہ
ارم نام شہر کا تھا جس کے ستون بہے بڑے تھے - اور عاد ابن عوض ابن ارم
کے دو بیٹے تھے - شدید و شداد - جو اُس کے بعد بادشاہ ہوئے - شداد نے جنت
کی صفت سُن کر اُس کے مثل ایک جنت بنانی چاہی - چنانچہ عدن کے جنگلوں میں
تین سو برسوں میں اُس نے ایک شہر بنایا - اور خود اُس کی عمر نوسو برس کی تھی - اور
جو شہر کہ اُس نے بنوایا وہ بہت بڑا تھا - دیواریں اُس کی چاندی سونے کی اینٹ سے تھیں
اور ستون اُس کے زبرجد و یاقوت کے - اور جبکہ وہ بن کر طیار ہوا - شداد اپنی سب فوج
و لشکر کے ساتھ چلا - جب وہ شہر ایک منزل رہ گیا - تب خدا نے ایک ایسی ہولناک
آواز آسمان سے بھیجی کہ وہ سب مر گئے - اس روایت کو طبری اور ثعلبی اور زمخشری وغیرہ
مفسرین نے لکھا ہے - اور عبداللہ ابن قلابہ صحابی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے
اونٹ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اس شہر میں پہونچے - اور جو کچھ کہ اٹھا سکے وہاں سے
جواہرات اُٹھا لائے - اور جب یہ خبر معاویہ کو پہونچی تو انہوں نے عبداللہ ابن قلابہ کو
طلب کر کے سارا حال پوچھا پھر کعب احبار سے اُس کی تصدیق کی - کعب احبار نے کہا
کہ یہ شہر ارم ذات العماد ہے اور اُس میں ایک شخص مسلمانوں میں سے آپ کے زمانہ میں

داخل ہوگا سرخ رنگ پست قد۔ جس کی ابرو اور گردن پر تل ہوگا۔ اور وہ اونٹ کی تلاش میں وہاں پہنچے گا۔ پھر جب انہوں نے ابن قلابہ کو دیکھا۔ تو کہا کہ قسم ہے خدا کی یہ وہی آدمی ہے انتہی" اس نقل کو لکھکر محقق موصوف لکھتا ہے۔ کہ "اس شہر کی خبر آج تک کبھی سُنی نہیں گئی۔ نہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچی۔ کہ زمین کے کسی ٹکڑے پر ایسا شہر آباد ہے۔ اور عدن کا میدان جہاں ایسے شہر کا بننا گمان کیا جاتا ہے۔ وسط یمن میں واقع ہے۔ اور برابر اُس کی آبادی چلی آتی ہے۔ اور مسافر اور سیاح تمام ملکوں سے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن کسی نے ایسے شہر کی خبر نقل نہیں کی۔ نہ کسی مورخ نے اُس کا حال بیان کیا۔ پس اگر یہ کہا جاتا کہ یہ شہر ویران ہوگیا۔ اور اُس کے آثار باقی نہیں رہے۔ تو زیبا تھا۔ مگر اُن کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک موجود ہے۔ اور بعضوں کا ہذیان یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ شہر نظر سے غائب ہے۔ اور صرف ساحر اور اہل ریاضت اُسکو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سب باتیں از قبیل خرافات و مضحکات ہیں۔ اور یہ دھوکا صرف لفظ ذات عماد کے سبب سے ہوا ہے جس کی وجہ سے ان نادانوں کو ایسی حکایتوں کے بنانے کی ضرورت ہوئی جو مثل بنائے ہوئے قصوں کے ہے۔ ورنہ اگر عماد سے ستون ہی مراد لیے جائیں تو وہ صفت قوم کی ہے۔ کہ بوجہ اُن کی قوت کے اس صفت سے اُن کو موصوف کیا۔ نہ یہ کہ مراد اُس سے کوئی خاص عمارت ہو۔ پس کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ایسی واہی کہانیاں بنائی جاویں۔ اور خدا کی کتاب کی آیتوں کی توجیہ کے لیئے ایسے محامل بعیدہ تلاش کیئے جاویں جن سے وہ ہر طرح سے پاک اور منزہ ہے۔ اور اسی قسم سے دیوار قہقہہ اور صحرا سجلماسہ کے مدینۃ النحاس کی روایتیں ہیں کہ جن کو قصہ گویوں نے بنا لیا۔ اور طبایع عالم کے نہ جاننے سے عالموں نے ایسی لغو روایتوں کو نقل کر لیا۔ اور اسی قسم سے وہ روایت ہے جو حبشیوں کے سیاہ رنگ ہونے کی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ حام ابن نوحؑ کی اولاد ہیں۔ اور نوح کی بد دعا سے حام کی اولاد کا رنگ کالا ہوگیا۔ حالانکہ توریت میں تو اتنا ہی لکھا ہے۔ کہ نوح نے دعا کی کہ اُس کی اولاد اپنے بھائیوں کی غلام ہو۔ لیکن پھر لوگوں نے رنگ کی سیاہی بھی اُس میں بڑھا دی۔ لیکن یہ بھی طبایع کائنات کی ناواقفیت کا سبب ہے۔ اگر وہ ہوا کے مزاج اور حرارت

کی تاثیرات پر واقف ہوتے تو ایسا غلط خیال نہ کرتے۔ پھر یہ محقق مسعودی پر ملتفت ہے
اور کہتا ہے کہ آپ باوجود بے علمی کے عقلی تحقیقات پر بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ اور حبشیوں کی
خفت عقل۔ اور طیش و غصہ کے سبب لکھنے پر آمادہ۔ مگر وہ باتیں لکھی ہیں کہ نہ جن کی کوئی
دلیل ہے نہ برہان نہ جس سے کچھ حاصل۔ محقق موصوف نے ایک فصل میں جہاں حکومت
اور دولت کے ضعف و قوت کے اسباب بیان کیے ہیں وہاں بڑی بڑی عمارتوں
اور دنیا کی عجیب چیزوں کو جو اس وقت موجود ہیں۔ مثل شہر تاک مغرب۔ اور اہرام مصر
کے بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ بڑی بڑی ہیکلیں و عجیب عمارتیں صرف قوم کے
دولتمند اور صاحب قوت ہونے سے بنیں۔ مگر مورخوں نے طبایع عالم کی ناواقفیت
سے ان عظیم الشان عمارتوں کے بنانے والوں کے قد و قامت کو بھی ایسا ہی بڑا اور
عجیب سمجھ کر ان کے لئے ایک روایت گھڑ لی اور عاد و ثمود اور عمالقہ اور کنعانیوں کے
جسموں کو ایسا بیان کیا جن سے نہایت تعجب ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عوج
بن عناق ایک شخص تھا جو عمالقہ [illegible] تھے۔ وہ ایسا
طویل القامت تھا کہ سمندر کی تہ سے مچھلی پکڑ کر آفتاب پر رکھ کر بھون کر کھاتا تھا۔ ان بزرگوار
نے اپنے اس جہل پر جو انسان کی کیفیت کی نسبت تھا۔ اس جہل کو اور زیادہ کیا جو وہ
کواکب کے حالات سے رکھتے تھے۔ کہ آفتاب کی گرمی کو [illegible] کے قرب و بعد پر منحصر جانا اور
یہ نہ سمجھے کہ آفتاب فی نفسہ نہ حرارت [illegible] اس سے جو شعاعیں سیدھی پڑتی
ہیں تو [illegible] ہوا کو گرم کرنے میں جو سطح زمین سے ملی ہوئی ہے۔ اور جتنا بعد زمین سے
ہوتا جاتا ہے اتنی ہی گرمی کم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح عوج بن عناق کو ہم عہد بنی اسرائیل
کا لکھا ہے اور بنی اسرائیل کا حجہ اور ان کا قد و قامت ویسا ہی تھا جیسا کہ ہمارا ہے۔
اور بیت المقدس کے دروازے اگرچہ وہ بعد خراب ہو جانے کے پھر بنے ہیں مگر ان کی
شکل اور ان کا طول و عرض قریب قریب سابق کے ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں کے قد و قامت
پر شاہد ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بہت تفاوت اور بڑا فرق ہم لوگوں کے
قد و قامت سے نہ تھا۔ تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل کا ہم عہد ایسا
طویل القامت ہو۔ یہ بات طبیعت فطرت کے برخلاف ہے۔ مگر سبب اس غلطی کا
یہ ہوا کہ جب مورخوں نے ان عمارتوں کو بہت لمبا چوڑا پایا تو وہ اس کے اسباب کے

دریافت پر تو متوجہ نہ ہوئے - اور قومی دولت اور قوت پر خیال نہ کیا - بلکہ بنانے والوں کے
جسم اور اُن کے قد و قامت کو ایسا بیان کیا - جن سے ایسی عمارتوں کا بنانا ممکن ہو - اور
مسعودی نے ایک اور غلطی کی ہے - اور فلاسفہ کی طرف منسوب کیا ہے - حالانکہ سوائے
تحکم کے کوئی اُس کا مستند نہیں ہے - یعنی از روئے قانون فطرت کے اُن کے جسموں
اور عمروں کا بڑا ہونا ثابت کیا ہے - وہ لکھتا ہے کہ اُن کی قوت از روئے مقتضائے
طبیعت کے کامل ہونے کے وقت اس لیئے عمر اور جسم بڑے ہوتے تھے - جیسے جیسے زمانہ
بڑھتا گیا وہ قوت گھٹتی گئی - اور اُس کا مادہ کم ہوتا گیا - اور اسی طرح آیندہ روز بروز کمی ہوتی
جاوے گی - حالانکہ یہ محض ایک غلط اور پوچ رائے ہے - کبھی کوئی فلسفی ایسی حماقت
کی بات نہ کہیگا - نہ اُسپر کوئی دلیل ہے - نہ یہ مسئلہ قانون فطرت کا ہے - بلکہ بالکل مشاہدہ
کے برخلاف ہے - کیونکہ ہم لوگوں کے گھر اور اُن کے دروازے - اور اُن کی اُن
ملکوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں جو اب تک یادگار اور موجود ہیں - [illegible] اُس کو
قریب قریب اپنے زمانہ کے پاتے ہیں - اور باوجودیکہ زمانہ بہت گذرا جاتا ہے ہماری
عمروں میں کچھ زیادہ کمی نہیں ہوئی - جس سے ہم خیال کریں کہ زمانہ کے گذرنے سے عمر و جسم
میں کمی ہوتی ہے - [illegible] یہ سب غلط خیال اور بیہودہ اقوال علم فطرت کی ناواقفیت کے
نتیجے میں [illegible] خبار کے [illegible] قول علم فطرت کی [illegible]
کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے -

اس قسم کی بہت سی باتیں [illegible] کہاں تک میں اسے
طول دوں - کیونکہ ایسی باتوں اور ایسی [illegible] بڑے بڑے مورخین اور علماء مشہورین کے
پاؤں ڈگمگا گئے ہیں - اور وہ بے تحقیق و تنقیح اس قسم کی باتوں کو مانتے چلے آئے ہیں
اور سب لوگ غور و فکر کرنے اور عقل و قیاس کو دخل دینے سے بے بحث و تکرار اُن کو تسلیم
کرتے رہے ہیں - چنانچہ اکثر کتابیں ایسی ہی باتوں سے بھری ہوئی ہیں - یہاں تک کہ اس
خرابی نے فن تاریخ کو بالکل واہی اور پوچ کر دیا - اور غلط اور صحیح باتوں کی اس میں اس درجہ
آمیزش ہو گئی کہ اُس کا دیکھنے والا دلدل اور کیچڑ میں پھنس جاتا ہے - یعنی صحت و غلطی کی تمیز
نہیں کر سکتا - اور اسی واسطے اس علم کی کچھ وقعت نہ رہی - پس اب مورخ کو ضرورت اسکی ہے
کہ حکومت کے قاعدوں - اور موجودات کی طبیعتوں - اور قوموں اور ملکوں کی مختلف حالتوں

اور اگلوں کے اخلاق اور عادتوں - اور رسموں - اور مذہبوں - اور ایسی ہی تمام باتوں کا
اصلی علم حاصل کرے - پھر اپنے زمانہ کی موجودہ حالتوں کو اُن سے ملاوے - اور اُسپر پچھلی باتوں کا
قیاس کرے - اور جو اختلاف اُسمیں پایا جاوے اُس کی وجوہ و اسباب پر غور کرے - اور
سلطنتوں - اور حکومتوں - اور مذہبوں کے پیدا ہونے - اور اُن کی ترقی و قوت پانے کی
علتوں کو بنظر تامل دیکھے - اور اُن کے بانیوں - اور پھیلانے والوں کے حالات تحقیق کرے
تاکہ ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا اصلی سبب معلوم ہو جائے - مگر ہمیشہ لحاظ اس کا رکھنا چاہئیے کہ جو خبر سُنے
یا جس بات کا علم حاصل کرے - اُسے سُنتے ہی سچ جانے بلکہ قواعد اور اصول سے اُن کا
امتحان کرے - اگر اُن کے موافق پاوے - قبول کرے - ورنہ اُسپر خط رد کھینچے " اس کے
بعد محقق موصوف تاریخ کی حقیقت بیان کرکے جھوٹھ اور غلطی کے اسباب بتاتا ہے - چنانچہ
وہ لکھتا ہے - کہ " اُن سببوں میں سے ایک سبب رائے اور مذہب ہے - کیونکہ جب
انسان کا نفس اعتدال کی حالت پر ہوتا ہے تو خبر کی تحقیق کرکے سچ کو جھوٹھ سے جُدا
کرسکتا ہے - لیکن اگر پہلے سے کسی رائے - یا کسی مذہب کا معتقد - اور اُس طرف مایل ہو تو مقتضائے
طبیعت یہ ہے کہ وہ اُن خبروں کو سُنتے ہی قبول کرلیتا ہے - جو اُس کی رائے اور مذہب کے
موافق اور مؤید ہوں - پس وہ اعتقاد اور میلان اُس کی بصیرت کی آنکھ کا پردہ ہوجاتا ہے
اور تحقیق اور تنقید سے باز رکھتا ہے اس لیئے جھوٹی بات کے قبول کرلینے اور پھر اُس کے
نقل کرنے کی مصیبت میں پڑجاتا ہے - اور دوسرا سبب راویوں کا اعتماد ہے - یعنی نقل و
روایت کرنے والوں کو سچا سمجھکر اُن پر بھروسہ کرنا - اور اُن کی خبر کو لایق تنقیح نہ سمجھنا - اور
تیسرا سبب مقصود و مراد سے غفلت کرنا ہے - چنانچہ اکثر نقل کرنے والے اور راوی ایسے ہیں
کہ جو مقصود اور مراد پر غور نہیں کرتے - بلکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سُنا - اور جیسا وہ اپنے گمان
میں غلط سلط سمجھے اُسے نقل کردیا - اور مقصود پر خیال نہ رکھنے سے سچ کا جھوٹھ ہوگیا - یعنی بات
تو کچھ تھی اور - اور وہ کچھ سمجھے - اور اپنی ہی سمجھ کے موافق روایت کرنے لگے - اور چوتھا سبب
خوش اعتقادی اور حسن ظن ہے - اور یہی کا اصلی باعث نقل و روایت کرنے والوں پر اعتماد
اور بھروسہ کرلینا ہے - اور پانچواں سبب حقیقت اور اصلیت کی تحقیق نہ کرنی - اور فریب اور بناوٹ
اور تصنع کی باتوں کو نادانی سے مان لینا ہے - چنانچہ اکثر نقل و روایت کرنے والوں نے
جیسا دیکھا ویسا نقل کردیا - مگر اُنھوں نے اصلیت پر نظر نہ کی کہ وہ بات حقیقت میں ویسی تھی

بلکہ فی نفسہ اُس کی اصلیت اَور کچھ تھی - اور چھٹواں سبب خوشامد اور چاپلوسی ہے - اور ان
سب سببوں سے بڑھ کر تاریخی واقعات میں جھوٹھ کے رواج پانے کا بڑا سبب طبایع موجودات
(نیچر) کی واقفیت ہے - کیونکہ دنیا میں جو چیز موجود ہے - اور آیندہ ہوتی جاتی ہے - اُسکی
کوئی خاص طبیعت ضرور ہے - جو اُس کی ذات اور اُس کی حالتوں سے مخصوص ہے جس میں
کسی طرح فرق نہیں ہوسکتا - (اس لیئے کہ نیچر کا بدلنا یا قانون قدرت کے خلاف کچھ ہونا
غیر ممکن ہے) پس اگر سُننے والا موجودات کی طبیعتوں اور اُن کے خواص اور مقتضیات
سے واقف ہوگا - تو ضرور اخبار کی تنقیح میں اُس کا لحاظ رکھیگا - اور جب وہ کسی خبر کو مخالف
اُس کے پائیگا فوراً غلط سمجھ لیگا - اور جب سُننے والے کو ان باتوں کا علم ہی نہوگا وہ غیر ممکن
اور محال خبروں کو قبول کرلیگا - اور اُن خبروں کی نقل و روایت میں اُسے کچھ پس و پیش
نہوگا - جیسا کہ مسعودی نے سکندر کی خبر لکھی ہے - کہ جب دریائی جانور اسکندریہ کے بنانے
سے اُسکو مانع ہوئے - تو اُس نے ایک لکڑی کا تابوت بنایا - اُس کے اندر شیشہ کا صندوق
رکھا - اُسمیں خود بیٹھا اور سمندر کی تہ تک غوطہ لگایا - وہاں اُن شیطانی جانوروں کی تصویریں
بنائیں - اور اُن کی صورتیں تانبے پیتل سے بنا کر بنیاد کے محاذی رکھ دیں - پس اُن تصویروں
کو دیکھکر وہ دریائی جانور بھاگ گئے - غرض کہ مسعودی نے ایک لغو اور بیہودہ خرافات
کہانی کو صرف اپنی بے علمی کے سبب سے مان لیا - اگر قطع نظر اَور باتوں کے جو بادی النظر
میں اِس حکایت کے پوچ اور بیہودہ ہونے پر شاہد ہیں - اگر صرف اس بات کا علم ہوتا کہ جو
ذی حیات صندوق میں بند ہوکر غوطہ لگائیگا - اور دیر تک پانی کے نیچے رہے گا - تو
بے تنفس طبعی کے اُس کا جینا محال ہے - تو کبھی اِس حکایت کو نقل نہ کرتا - اس حکایت
کے بعد اور چند کہانیاں مسعودی وغیرہ کی اس محقق نے نقل کرکے اُسپر افسوس کیا ہے اور
کسی کو عقل کے برخلاف - اور کسی کو نیچر کے مخالف - اور کسی کو واقع کے برعکس پاکر غلط
اور باطل اور خرافات بتایا ہے - اور آخر پر اُس نے صاف یہ لکھا ہے کہ اگر موجودات اور مخلوقات
اور دنیا کی آبادی وغیرہ باتوں کا علم ان مورخوں کو ہوتا تو کبھی ایسی کہانیاں کتابوں میں
لکھی نہ جاتیں -

ایک نہایت حکیمانہ اور محققانہ اصول اِس نامور مورخ نے اخبارات کی تحقیق میں لکھا ہے
کہ "عالم کی طبیعت یعنی نیچر کا جاننا اخبارات کی تنقیح کے لیئے سب سے زیادہ ضرور ہے -

اور راویوں کی تعدیل پر مقدم ہے۔ پس ہم جس خبر کو سُنیں پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم جانچیں کہ یہ خبر فی نفسہ ممکن ہے یا ممتنع۔ اگر معلوم ہو کہ اُس کا ہونا محال ہے۔ یعنی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو کچھ فایدہ نہیں۔ کہ ہم راویوں کی تعدیل و تجریح کریں کیونکہ اہل دانش نے یہ اصول ٹھہرا لیا ہے کہ وہ خبر ماننے ہی کے لائق نہیں ہے جو فی نفسہ محال ہو۔ کہ اُس میں ایسی تاویل کی بنی مناسب ہے جسے عقل قبول نہ کرے۔ پس راویوں کی جرح و تعدیل کی کیا ضرورت ہے ہاں راویوں کی تعدیل و تجریح شرعی خبروں کی صحت کے لیے ضرور ہے۔ کیونکہ بڑی خبریں شریعت کی وہ ہیں جو احکام اور عملیات سے متعلق ہیں۔ اور جن میں اوامر اور نواہی کا اور شارع کے احکام کا بیان ہے۔ ایسی خبروں کی تصدیق کے لیئے ظن کافی ہے۔ اور صحت ظن کے لیے راویوں کی عدالت اور ضبط بس ہے۔ لیکن وہ خبریں جو واقعات سے متعلق ہیں اُن کی تصدیق کے لیئے مطابقت ہونا ضرور ہے۔ اور اس لیئے ہم پر واجب ہے کہ اول سب سے یہ دیکھیں۔ کہ اُس کا واقع ہونا فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں۔ اور یہ دیکھنا راویوں کی تعدیل سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے۔ کیونکہ احکام کے لیئے نقط خبر کافی ہے۔ اور واقعات کے لیئے مطابقت واقع سے بھی ضرور ہے۔ پس اخبار اور واقعات کے جھوٹ و سچ میں تمیز کرنے کا اصلی اصول امکان۔ و استحالہ ہے۔ پس اگر ہم انسان کے مجمع اور دنیا کی آبادی۔ اور موجودات کی طبیعت۔ اور اُس کے عوارض ذاتی پر نظر کر کے کسی خبر کو محال سمجھیں۔ اُسے جھوٹا جانیں۔ ورنہ اس کی تصدیق کے لیئے راویوں کے حالات دریافت کریں۔ اگر ہم اس اصلی اصول پر جس کی صحت میں ذرا شک نہیں ہے خبروں کی جانچ کریں۔ تو ضرور ہم غلط خبروں کے قبول کرنے سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو حکایتیں یا روایتیں مورخین لکھ گئے ہیں۔ اُن کی صحت و غلطی اس اصول پر لحاظ رکھنے سے سمجھ سکیں گے۔

جو کیفیت اخبار کی اس محقق نے بیان کی۔ اور جو اصول اُس کی تنقید کے قرار دیئے کون ہے کہ اُس سے انکار کرے گا۔ اگرچہ ہر زمانہ میں محققین اہل اسلام نے اس طرف توجہ کی۔ اور اخبار اور تاریخ کی درستی میں کوشش۔ اور اب تک اُن کی نیک کوششوں کے آثار بھی باقی ہے۔ مگر ایسا زمانہ اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ جس میں پوری کامیابی ہوئی ہو۔ اور عموماً صحیح تاریخ نے رواج پایا ہو۔ بلکہ بدنصیبی سے اور علوم حکمیہ کی ترقی نہ

پانے سے محققین کی کوششوں کا پورا اثر نہوا - اور متعصبین فقہانے جہاں تک
ہوسکا - اُن کی کتابوں اور تحریروں کو شایع نہونے دیا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ اور سیر
کی صدہا کتابیں مسلمانوں کے پاس موجود ہیں - مگر محققین اہل اسلام کی عمدہ اور مفید تحقیقاتوں
کا کچھ نشان نہیں - اور بغیر یورپ کے محققین کی اعانت کے ہم اُن کی کتابوں اور
تحریروں سے واقف نہیں ہوسکتے - لیکن یہ بات تعجب کی نہیں ہے - کیونکہ اگر گرفتاران
زنجیر تقلید ایسی محققانہ تحریروں کو آزادی شایع اور مشتہر ہونے دیتے - تو ان کا عنکبوتی
کارخانہ قایم نہ رہتا - اور تقلید کی غلامی سے مسلمان کبھی کے آزاد ہوجاتے - مگر جو زمانہ گذر
گیا - اُس میں اخبار اور تاریخ کی غلطی یا غیر معتبر ہونے نے بہت نقصان اسلام کو نہیں
پہونچایا - اور سوائے اس کے کہ اور قوموں کے نامور مورخوں کی طرح اُنہوں نے قدیم زمانہ
کی تاریخ لکھنے اور واقعات تاریخی کی تنقیح میں نام نہیں پایا - دین و مذہب پر بد اثر اس کا
نہیں پہونچا - اس لیئے کہ اُس وقت عموماً مذہب اور خیال اور علم اور مذاق سب کا ایک
تھا - اور ایک ہی طریقہ سے مذہب کی حمایت اور اسلام کی اشاعت جاری تھی - پس
ہر ایک غلط اور غیر صحیح خبر جس میں کوئی حیرت - اور بوالعجبی پائی جاتی - یا جس سے
کوئی بات عزت اور شان کی پیدا ہوتی بے عذر مان لی جاتی - اور عوام الناس تو اوسے
معجزہ یا کرامت یا خرق عادت سمجھکر فوراً ایمان لے آتے - اور گو وہ خبر از روئے اصول
عقل اور فطرت کے کیسی ہی محال اور غیر ممکن ہوتی - لیکن اُس کی تنقیح اور تنقید نہ کی جاتی - کیونکہ
جاہل فقیہوں کے پاس ہر محال اور غیر ممکن الوقوع واقعہ کے امکان کے لیئے اُن کے غلط
خیال میں خدا کا کلام موجود تھا - جو بات عقل میں نہ آتی - سادگی سے اُسپر ایمان لے آتے -
اور کہدیتے کہ ان اللہ علی کل شئ قدیر یا لیس ذالک من اللہ ببعید - مگر یہ زمانہ جو چل رہا
ہے - اُس میں اخبار اور تاریخ سے غفلت کرنا - اور بے تحقیق و تنقیح کے اُنکا مان لینا - نہ
مسلمانوں کے لیئے مضر ہے - بلکہ اثر اُس کا مذہب اسلام پر پہونچتا ہے - کیونکہ اس وقت
مختلف مذہب - اور مختلف خیال - اور مختلف مذاق والوں سے اُس کا مقابلہ ہے - اور ہر مذہب
اور خیال اور ہر مذاق کو علم اور عقل اور حکمت سے مدد اور اعانت پہونچتی ہے پس ایسے
نازک زمانہ میں اگر ہم مسلمان غلط اور غیر صحیح اخبار سے جو علم اور عقل اور حکمت کے مخالف
ہوں - اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے کا مقابلہ کریں - تو ظاہر ہے کہ اُس کا نتیجہ

کیا ہوگا۔ اگرچہ ہمکو اُن تمام اخبار اور تاریخی واقعات کی تنقید کی حاجت ہے لیکن جو اخبار اور تاریخی واقعات مذہب سے علاقہ رکھتے ہیں اُن کی تنقیح تو اُسپر فرض عین ہے جو اسلام کا حامی اور مسلمانوں کا خیرخواہ ہو۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ اور قدیم زمانہ کے واقعات کی تنقیح کے مشکل کام سے مورخین یورپ نے ہمکو مستغنی کردیا ہے۔

اخبار جن کو مذہب سے تعلق ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک متعلق احکام شریعت کے۔ دوسرے غیر متعلق اُس سے۔ پہلی قسم کے اخبار کے تسلیم کے لیئے ظنی ثبوت کافی ہے۔ اور محدثین اور فقہا محققین نے ایسے اخبار کی تنقیح بھی بدرجہ غایت کی ہے۔ مگر دوسری قسم کے اخبار کی تصدیق کے واسطے ثبوت یقینی درکار ہے۔ اور محدثین اور فقہا نے بھی اُن کی طرف زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ بڑے بڑے اماموں نے صاف کہدیا ہے۔

"اذا روینا فی الحلال والحرام وغیرھما شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھما تساھلنا"

وہ اخبار اور اقوال جن میں طبایع موجودات۔ اور حقایق اشیاء کی تعریف یا تشریح ہے اکثر تفسیروں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اُن میں سے ایسے کم ہوں گے جن کے غلط سمجھنے اور باطل کہدینے میں کچھ بھی تامل کیا جائے کیونکہ حقایق اشیاء اور طبایع کائنات سے بحث کرنا شارع کے منصب سے بعید ہے۔ جیسا کہ روح اور اہلہ کے سوال کے جواب میں کیا گیا اور نیز ایسی بات کہنی جو عقل اور فطرت کے برخلاف ہو شان سے انبیاء کے بعید ہے۔ اور آئمہ کرام اور محققین اہل اسلام اسے تسلیم کر چکے ہیں۔

"کما قال الامام الاشعری ان الرسل صلوات اللہ علیھم لم یخبروا بما تحیلہ العقول وتقطع باستحالتہ الی قولہ وکل خبر یظن ان العقل یحیلہ فلا فلا یخلوا ما ان یکون الخبر کذبا علیھم او یکون ذالک العقل فاسداً" اس قسم کے اخبار گو اُن کی سند بادی النظر میں کسی صحابی یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ مگر محققین نے تصفیہ کردیا ہے کہ وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً اکثر مفسرین نے آسمانوں کی حقیقت میں لکھا ہے کہ "پہلا آسمان ایک رکی ہوئی موج ہے اور دوسرا تختہ کا ہے اور تیسرا لوہے کا وغیرہ وغیرہ" اور اسی طرح لکھا ہے کہ موٹائی ہر ایک کی اور فاصلہ ایک کا دوسرے سے پانسو برس کی راہ کا ہے۔ یہ سب غیر معتبر اور ہنسنے کی باتیں ہیں۔ جیسا کہ

امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ "وماعداها من الوجوه المنقولة من اهل التفسير فذلك من جملة ما يأباها العقل مثل ما يقال السموات السبع اولها موج مكفوف وثانيها صخر وثالثها حديد ورابعها نحاس وخامسها فضة وسادسها ذهب وسابعها ياقوت وقول من قال بين كل واحد منها مسيرة خمسمائة سنة وغلظ كل واحدة منها كذلك غير معتبر عند اهل التحقيق" - یہ ایک قول ہے جو تمثیلاً بیان کیا گیا - ورنہ صدہا اخبار اور روایتیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج اور ستاروں اور دریاؤں اور پہاڑوں کی حقیقت کی نسبت ایسی بیان کی گئی ہیں کہ اگر وہ سب جمع کی جاویں - تو نہایت عمدہ رسالہ فلکیات اور طبعیات اور جغرافیہ کا ایسا تیار ہو کہ اہل یورپ بھی محو حیرت ہو جاویں -

اصل حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں علم حقائق اشیاء کا شایع نہ تھا - اور فلسفہ یونانیوں کا جو کسی قدر مسلمانوں نے سیکھا - وہ قیاسی اور ذہنی تھا - اور بسبب قلت اور اشکال کے عوام اس فلسفہ سے بھی ناواقف تھے - اس لیئے مفسرین کو موقع تحقیقات حقائق اشیاء کا نہ ملا اور جو نام آسمان اور زمین وغیرہ کے قرآن مجید میں مذکور تھے - اُن کی حقیقت دریافت کرنے پر متوجہ ہوئے - مگر بوجہ ناواقفیت کے علوم عقلی سے وہم اور خیال میں پڑ گئے اور ان کہانیوں اور روایتوں کو جو یہودیوں کی تفسیروں - اور نامعلوم یعنی حدیثوں میں بھری ہوئی تھیں یا اُن کے عالموں کی زبانوں پر تھیں سچ جانا - اور اپنی تفسیروں اور مذہبی کتابوں میں لکھ لیا - اور آخر کار وہ غلط خبر اور جھوٹی روایت ایک غلط خیال اور باطل مذہبی عقیدہ ہو گیا اُس پر آفت اور ہوئی کہ وہ روایت اور خبر بعض بزرگوں نے امام یا صحابی یا پیغمبر کی طرف مستند کر دی - اور آئندہ آنیوالی نسلوں کو دھوکہ میں ڈال دیا - مگر محققین اہل اسلام نے ان دھوکوں کو کھول دیا - اور ایسی ہیچ بیجڑ روایتوں پر خط نسخ کھینچ دیا - لیکن گرفتاران بلائے تقلید اب تک اُس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں - اور خوش اعتقادی اور حسن ظن اُن کی جہالت کے پاؤں کی زنجیر ہے -

ایک یوروپین عالم نے اپنے ایک لکچر میں ہندوؤں کی نسبت بیان کیا تھا کہ "ہندو جو علم حقائق اشیاء کی تحصیل پر اعتراض کرتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس علم کے باعث اُن کا مذہب لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے - اس لیئے ایک ہندو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اُس کے بیٹے علم جغرافیہ

کی تحصیل کریں۔ کیونکہ کسی تربیت یافتہ ہندو کا اُس وقت اپنے مذہب پر اعتقاد نہیں رہ سکتا
جبکہ علمی تحقیقاتوں کے ایسے ثبوت سے جو اُس کے مذہب کے برخلاف ہو اور حواس ظاہری
اُس کو تسلیم کرتے ہوں واقف ہو جائے۔" اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں پر بھی یہ مضمون
ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندوؤں پر۔ کیونکہ وہ بھی غلط اخبار اور پوچ لچر روایات سے
ایسے غلط خیال اور باطل عقیدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ علم وحکمت کی روشنی دیکھ نہیں
سکتے۔ اور علوم حکمیہ کے سچے مسائل کے شایع ہونے سے اپنے وہمی وفرضی مذہب پر
قایم نہیں رہ سکتے۔ مگر مسلمانوں کے ان باطل خیالات سے اصل اسلام کی سچائی اور حقیقت
میں کچھ داغ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ جب ایسی غلط اور بے اصل روایتوں اور حکایتوں سے
مذہب فی نفسہ پاک ہے تو اُن کی غلطی کا اثر اصل مذہب پر نہیں پہونچ سکتا۔ ہاں مسلمانوں
پر جو ان اخبار واقوال کو کالوحی المنزل من السماء سمجھتے ہیں اس کا بد اثر پہونچتا ہے۔ چنانچہ
کون ہے دنیا میں جو ایسے مسلمانوں کو ہندو نہیں کہتا۔ اور اُن کو تعصب اور اوہام کا
پُتلا نہیں سمجھتا۔

یہ خیال کہ گو غیر معتبر اور غیر مستند کتابیں ایسی لغویات سے مملو ہیں مگر معتبر اور مستند
کتابیں تفسیر وسیر کی اس الزام سے پاک ہیں۔ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو کتابیں تفسیر وسیر
کی معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہیں۔ اُن میں بھی بہت سے اخبار اور اقوال تاریخ اور جغرافیہ اور
طبایع کائنات کے مخالف موجود ہیں۔ چنانچہ بیضاوی اور معالم التنزیل و نیشاپوری وغیرہ
معتبر تفسیریں بھی اس سے مستثنا نہیں ہیں۔ میں نے معالم التنزیل اور نیشاپوری وغیرہ تفسیروں
کو غور سے دیکھا مگر اس الزام سے ان کو بھی پاک نہ پایا۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض روایتوں کی
تصدیق اور تائید کے لیے توریت سے بھی سند پیش کی گئی ہے۔ مثلاً معالم التنزیل میں
وجدها تغرب فی عین حمئة کی تفسیر میں اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کہ سچ مچ
آفتاب دلدل میں ڈوبتا ہے کعب حبار سے یہ خبر نقل کی گئی۔ کہ توریت میں بھی ایسا ہی لکھا
ہے کما قال نجد فی التوراة انها تغرب فی ماء وطین۔ اگر کوئی اہل کتاب پوچھے کہ کہاں ہے
یہ روایت توریت میں تو کیا جواب ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ حرفتموها وبدلتموها
اتنی تبدیل سے اور بہت سی لغو روایتیں ہیں۔ مثلاً وجد عندها قوما کی تفسیر میں
مفسر موصوف فرماتے ہیں کہ [illegible] تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر اس کے

باشندوں کا شور وغل مانع نہ ہوتا تو آفتاب کی آواز سنائی پڑتی !! سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ وبحمدہ۔

اس سے بڑھکر یاجوج وماجوج کی روایت ہے کہ جو حضرت حذیفہ سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے۔ کہ یاجوج وماجوج دو قومیں ہیں۔ ہر ایک قوم میں چار لاکھ گروہ ہیں۔ اور جبتک ہر ایک شخص اپنی اولاد ذکور سے ایک ہزار جوان ہتیار بند نہیں دیکھ لیتا نہیں مرتا !!! ہاں کیا عجب ہے۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

اس سے بڑھکر وہ روایت ہے۔ جو اُن کے قد وقامت کی نسبت کی گئی ہے جسکے آگے گل بکاولی کے دیوؤں کی بھی حقیقت نہیں۔ یاجوج وماجوج تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا طول ایک سو بیس گز ہے۔ دوسرے وہ جن کا طول وعرض برابر ہے۔ یعنی ایک سو بیس گز لمبے ایک سو بیس گز چوڑے۔ اور کسی پہاڑ کی اُن آگے حقیقت نہیں۔ تیسرے وہ جو ایک کان اپنا بچھاتے ہیں اور ایک اوڑھتے ہیں۔ اور ہاتھی اور سور اور کتا وغیرہ کوئی وحشی جانور اُن کے سامنے آوے اُسے چٹ کر لیتے ہیں !!! شکر خدا کا اس اخبار کے نقل کرنے والوں اور لکھنے والوں کو اس قوم نے نہ دیکھا۔ بڑائی اس قوم کی تو سن لی۔ اب اُن کی چھوٹائی بھی سن لیجئے۔ کہ حضرت علیؓ اس کے راوی ٹھہرائے گئے ہیں۔ کہ بعض اُن میں سے ایسے چھوٹے ہیں کہ اُن کا طول بالشت بھر سے زیادہ نہیں۔ اب اس عجیب وغریب قوم کی پیدایش کی تاریخ بھی سن رکھیئے کہ حضرت کعب احبار اُس کے مورخ قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک روز حضرت آدم کو احتلام ہوا۔ اور نطفہ اُن کا مٹی میں مل گیا۔ اُس سے خدا نے یاجوج وماجوج کو پیدا کیا پس یہ قوم بے ماں کے پیدا ہوئی ہے !!!۔ افسوس افسوس ہائے افسوس۔ کہ ہمارے یہاں کی مشہور اور معتبر تفسیروں میں یہ خرافات اور مضحکات بھرا ہو۔ اور ہم اب تک اُن کی تصدیق کو ایمان اور تکذیب کو کفر سمجھیں فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا لشئ عجاب۔ علاوہ اُن اخبار کے جو حقایق اشیاء اور طبایع موجودات سے علاقہ رکھتے ہیں ایک قسم کے اور اخبار اور روایات ہیں جن کی تحقیق اور تنقیح ضرور ہے۔ یعنی وہ جو سیر کی کتابوں میں منقول ہیں اور جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال اور افعال اور اخلاق اور عادات اور غزوات کا بیان ہے۔ کیونکہ ہر مذہب کی حقیقت وبطلان کے لیئے بانی مذہب

کی سیرت ایک عمدہ دلیل ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں زہری اور ابن اسحق اور ابن ہشام اور واقدی اور طبری بڑے ناقل اور مورخ ہیں۔ لیکن اُن کی روایتیں اور خبریں ہنوز تصدیق اور تنقید اور تصحیح کی محتاج ہیں۔ اور اُن کی تصحیح و تمیز کے ذریعے اب تک ہمارے پاس موجود ہیں۔ جن سے ہم ضعیف کو قوی سے اور غلط کو صحیح سے جدا کر سکتے ہیں۔

اس بحث کو نہایت عمدہ طرح سے مولوی سید احمد خاں صاحب نے خطبات احمدیہ میں۔ اور منشی چراغ علی صاحب نے اپنی بے نظیر کتاب موسوم بہ تعلیقات میں لکھا ہے اور علمائے اہل اسلام اور علمائے اہل یورپ کے ہر قسم کے قولوں کو نقل کر کے بہت عمدہ طرح سے داد تحقیق دی ہے۔ اس زمانہ میں وہ تحریریں تنقیح اخبار اور تصحیح روایات کے لیئے نہایت مفید ہیں۔

اگرچہ اس مختصر بیان سے جو اوپر کیا گیا۔ تاریخ کی حقیقت اور اخبار میں جھوٹ و غلطی کے دخل پا لینے کے اسباب کسی قدر معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر ہنوز ضرورت اس کی ہے کہ یہ باریک اور دقیق مضمون ذرا تفصیل سے بیان کیا جاوے۔ تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں نے غلط اور غیر صحیح تاریخ اور اخبار اور روایات کو کیونکر قبول کر لیا۔

حال یہ ہے کہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے اہل عرب تعلیم و تربیت۔ تہذیب و شایستگی سے محض بے بہرہ تھے۔ مدت سے اُن کے مذہبی خیالات بھی نہایت تیرہ و تاریک ہو گئے تھے۔ جس وقت اسلام کا ستارہ طلوع ہونے پر تھا۔ اُس وقت کل ملک پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی۔ کوہستانی عرب کے شمالی حصے۔ اور ملک شام قسطنطنیہ کے بادشاہ کے قبضہ میں تھے۔ بحر قلزم کے ساحل کا نیچے حصہ مکہ معظمہ کے جنوب تک حبشہ کے ایک عیسائی بادشاہ کی حکومت میں تھا۔ خلیج فارس کے کنارے اور وہ ملک جس میں دریائے دجلہ و فرات بہتے ہیں۔ اور ملک جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے۔ کیانیوں کے ملک میں شامل تھے۔ ان ملکوں کے رہنے والے یا عیسائی تھے یا آتش پرست یا یہودی۔ اور اکثر آزاد اور خود مختار عرب بتوں اور سیاروں اور جنات اور مختلف قسم کے دیوتاؤں کو بھی پوجتے تھے۔ ان تمام مذہبوں میں اگر کوئی مذہب عمدہ ہو سکتا۔ تو یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا۔ مگر اُس وقت یہ دونوں مذہب نہایت درجہ پر خراب تھے۔ یہودیوں میں سوائے بناوٹ اور نخوت اور قساوت قلب کے کچھ باقی نہ تھا۔ اُن کے

احبار اور فقہا اور مفسرین اور محدثین نے مذہب کا دار و مدار قصّہ گوئی اور رسموں کی پیروی پر سمجھ رکھا تھا۔ عیسائیوں کی کیفیت تھی کہ پادریوں نے اپنے مکر اور دغابازی اور جھوٹ اور دنیا طلبی سے مذہب کو بالکل خراب کر رکھا تھا۔ مصنوعی روایتوں اور جھوٹی نقلوں اور وضعی کہانیوں اور باطل کرامتوں اور غلط معجزوں کے بیان کرنے کے سوائے اُن کا کچھ کام نہ تھا۔ بہتیری بدعتیں اُن میں جاری تھیں۔ گنڈے۔ تعویذ۔ جھاڑ پھونک۔ جاہلوں کے گمراہ کرنے والی باتیں بہت رائج تھیں۔ پادریوں نے آپس کے مباحثے اور مناقشے اور مناظرہ سے اصلی مذہب کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ان کے سوائے عرب کے جنگلوں میں جاہل اور مجنون اسباب کثرت سے نظر آتے تھے۔ پس جب یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کی کیفیت تھی تو اہل عرب کو جن کے بڑے ہادی و راستاد عیسائی اور یہودی تھے۔ کیا ذریعہ فائدہ و اپنے علم۔ اپنے مذہب۔ اپنے خیالات کے روشن کرنے میں ان دو بجھی ہوئی شمعوں سے کچھ روشنی حاصل کرتے۔ اور سوائے اُن باتوں کے جو اُن مذہبوں کے قصّہ گویوں سے سُنا کرتے تھے۔ کسی شئے کی حقیقت سے واقف ہوتے۔ ایسے خراب و تاریک زمانہ میں خدا نے اُس پاک زمین کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اسلام کا نور اُس میں پھیلایا۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔

اسلام کی برکت سے اہل عرب کے خیالات بالکل بدل گئے۔ اُن کی طبیعتوں میں نئی کیفیتیں پیدا ہو گئیں۔ عیسائیوں۔ اور یہودیوں اور بُت پرستوں کے برے دستور اور بیہودہ قاعدے سب مٹ گئے۔ لیکن جب زمانہ گذرتا گیا اُس صفائی اور سادگی میں اسلام کے پھر پرانے خیالات۔ اور پرانے دستوروں کی آمیزش۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے اتباع اور مراسم کا دخل ہونے لگا۔ چنانچہ بہ نسبت داخل ہونے غلط اخبار اور غیر صحیح روایات کے اہل اسلام کی تفاسیر میں محقق ابن خلدون لکھتا ہے کہ متقدمین کی کتابیں اور روایتیں صحیح اور غلط اور مقبول اور مردود قولوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور سبب اس کا یہ ہے کہ عرب نہ تو اہل کتاب تھے۔ نہ صاحب علم۔ بلکہ محض وحشی اور جاہل تھے۔ جب وہ اُن چیزوں کے جاننے کے شایق ہوئے۔ جن کا شوق نفوس انسانی

کو ہوا کرتا ہے۔ مثلاً مخلوقات کے پیدا ہونے کے اسباب۔ دنیا کے پیدا ہونے کی ابتدا
پیدایش کے بھید۔ خلقت کے اسرار۔ تو وہ اہل کتاب سے جو اُن سے پہلے تھے پوچھنے
پر مجبور ہوئے۔ اور اہل کتاب یا یہود تھے۔ یا نصاری جو کہ ان باتوں میں یہودیوں کے
پیرو تھے۔ یہ دونوں فرقے اُس زمانہ میں مثل عرب کے جنگلی اور وحشی ہو رہے تھے
اور صرف سُنی سنائی باتیں جانتے تھے۔ اِن سب میں مشہور اور نامور حمیر تھے جو یہودی
ہوگئے تھے۔ جب یہ مسلمان ہوگئے۔ اُن کے دلوں میں وہ اخبار و منقولات جن کو احکام
شرعی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے۔ چنانچہ کعب احبار۔ وہب ابن منبہ
عبد اللہ ابن سلام وغیرہ انہیں میں سے ہیں۔ پس انہیں کی روایتوں و منقولات سے تفسیریں
بھر گئیں۔ اور چونکہ یہ پرانے واقعات اور دنیا کی پیدائش کی کیفیت۔ اُس کے اسرار وغیرہ باتیں
ایسی تھیں جن کو احکام شرعی سے تعلق نہ تھا۔ اور اُس کی تحقیق اور تنقیح عمل کرنے کے لیے ضرور
ہوتی اس لیے مفسرین نے ایسی باتوں میں تساہل کیا۔ اور انہیں نقلوں سے اپنی تفسیر کو
بھر دیا۔ اور جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں۔ اصل ناقلان روایتوں کے وہی یہودی صاحب توریت
ہیں جو عرب کے جنگلوں میں مارے پھرتے تھے۔ اور جن کو خود تحقیق اُن روایتوں اور نقلوں
کی اپنے طور پر بھی نہ تھی۔ مگر بعد اسلام کے جب وہ لوگ دین و مذہب میں بڑے مقام پر پہنچ گئے
اُن کے علم اور فضل کا آوازہ بلند ہوا اور مشہور اور نامور ہو گئے۔ اس لیے اُس وقت وہ روایتیں
جو اُن پر موقوف تھیں۔ قبول کر لی گئیں۔ مگر جب پھر مسلمان تحقیق اور تنقیح پر متوجہ ہوئے تو
انہوں نے ان لغویات کو چھانٹ دیا۔ اور جو صحیح تھا اُسکو لے لیا۔ جیسا کہ ابو محمد ابن عطیہ نے
(جو علما متاخرین سے مغرب میں ہوا) کیا۔ کہ اُس نے ایک صحیح تفسیر بعد چھانٹنے اُن روایات
کے تالیف کی۔

یہ عمدہ اور مفید بیان جو اس محقق نے کیا۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ ہماری تفسیروں
کی روایتوں اور نقلوں کا کیا حال ہے۔ اور اسلام اُن کی غلطیوں کا کس قدر
ذمہ دار ہے۔

جو حال تفسیروں کی روایات کا ہے۔ ٹھیک وہی حال اُن روایتوں کا ہے جو اسی قسم کی احادیث
میں منقول ہیں۔ اُن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اکثر محققین نے ایسی روایتوں کی تحقیق کر کے
غلطیاں اُن کی ثابت کر دی ہیں۔ اور اکثر کا اُن میں سے موضوع اور غیر صحیح ہونے کا اقرار کیا

اور اگر غور سے خیال کیا جاوے تو ایسی حدیثیں جن میں تاریخی واقعات یا اخبار قصص طبایع
عالم کیفیت مخلوقات سے بحث ہو۔ بہت کم نکلیں گے جو صحت کے درجہ پر پہنچے ہوں۔ یا
تنقیح اور تحقیق کے وقت ضعیف ہونا اُن کا ثابت نہ ہو۔ افسوس ہے کہ اب تک ہمارے زمانہ
میں پُرانے خیال کے مُلا یہودیوں کی کاسہ لیسی پر جان دیتے ہیں۔ اور اُن غیر صحیح۔
غلط۔ خلاف عقل روایتوں کو جن کی صحت کا اقرار اسلام کے غلط ہونے کا مستلزم ہے اب تک
صحیح کہہ رہے ہیں بلکہ ان سے استدلال و استشہاد کرتے ہیں۔ جو شخص نور الآفاق دیکھتا ہوگا
اور آسمانوں۔ زمینوں۔ دریاؤں کی حقیقت کا علم اُن روایتوں سے حاصل کرتا ہوگا وہ اس سے
ناواقف ہوگا کہ یہ مبارک پرچہ اس امر پر کہ اسلام عقل اور علم کے مخالف ہے کیسی کوشش
کر رہا ہے۔

اکثر اُن لوگوں کو جو درجہ تحقیق پر نہیں پہونچے نیک نیتی سے یہ شبہ ہوتا ہوگا کہ اخبار
اور منقولات اور روایات غیر صحیحہ احادیث میں کیونکر دخل پایا۔ اور اُن کا انکار ایک مسلمان کو
کب زیبا ہے۔ لیکن جو ذرا بھی اس پر غور کریگا۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ خیال محض دھوکا ہے۔ اسلام
میں صدہا ہزارہا لکوکھا عالم ہوئے۔ جن کے خیالات۔ جن کے عقاید۔ جن کے ارادے۔
جن کی خواہشیں۔ جن کی طبیعتیں مختلف تھیں۔ کوئی اُن میں سے تحقیق کے اعلےٰ
درجہ پر پہنچا۔ کوئی دھوکہ اور غلطی کے عمیق گڑھے میں گرا۔ کسی نے نیک نیتی سے حق کی
تحقیق میں کوشش کی۔ کسی نے نفسانی خواہشوں سے باطل اظہار پر جرأت کی۔ پس ان
تمام مختلف خیال۔ مختلف مزاج۔ مختلف طبیعت والوں کی نقل و روایت کا الزام اسلام نہیں
اُٹھا سکتا۔ اور ہر شخص کی تصدیق اور تائید کی غرض سے سچا مسلمان اسلام کو جھوٹا نہیں ٹھہرا
سکتا۔ ہاں اسلام اُسی بات کا ذمہ وار ہے جو اسلام کے بانی نے فرمائی ہو۔ اور جس کے فرمانے
کا ثبوت یقین کے درجہ پر پہنچگیا ہو۔ کو مسلمان ایسی بات کے انکار اور تکذیب کا روا ہو سکتا ہے جس کا ثبوت علم یقین
تک پہنچگیا ہو۔ جب مسائل فروعی کی تحقیق کیلئے اگلے مجتہدین و محققین نے نہایت سختی سے روایات کو قبول کیا
اور جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا تو مسائل اصولی کی تحقیق میں اس عمدہ اصول کا التزام کیوں نہ کیا جاوے اور جو روایتیں معقولات صحیح
اور طبایع عالم۔ اور تاریخی واقعات کے مخالف ہوں۔ اُن کی تصدیق سے اسلام کا ابطال
کیوں کیا جاوے۔ کیا خوب لکھا ہے محقق ابن خلدون نے۔ کہ "جو لوگ بعض مجتہدین پر اعتراض
کرتے ہیں کہ اُن کو حدیث کا علم نہ تھا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت کیا گیا ہے۔ کہ سترہ

ثم ان المعروف عند اهل الحدیث ان الجرح مقدم علی التعدیل فاذا وجدنا طعنا فی بعض رجال الاسناد لغفلۃ او سوء حفظ او قلۃ ضبط او ضعف او سوء رأی تطرق ذالک الی صحۃ الحدیث واوھن منہ "

یہ محقق لکھتا ہے کہ " جو احادیث امام مہدی کی شان میں نقل کی گئی ہیں اُن میں یہاں تک مبالغہ اور غلو کیا گیا ہے کہ اُن کے ظہور کا منکر کافر ٹھہرا دیا گیا ہے - جیساکہ ابوبکر اسکاف نے فوائد الاخبار میں بروایت جابر یہ حدیث لکھی ہے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب بالمھدی فقد کفر ومن کذب بالدجال فقد کذب - اسکو نقل کرکے یہ محقق لکھتا ہے کہ " وحسبک بھذا غلواً - تمام حدیثوں کو جو اس باب میں وارد ہیں نقل کرکے اور ہر ایک پر جرح کرنے کے بعد اخیر یہ محقق لکھتا ہے کہ " ھذہ جملۃ الاحادیث التی خرجھا الائمۃ فی شان المھدی وخروجہ اخر الزمان وھی کما رایت ولم یخلص منھا علی النقد الا القلیل او الاقل منہ "

دوسری سند یعنی اُن اقوال کی نسبت جو اہل تصوف نے اپنے کشف سے بیان کیے ہیں یہ محقق لکھتا ہے کہ " اگلے اہل تصوف اس باب میں کچھ خوض نہ کرتے تھے - اُن کا کلام مجاہدہ نفس اور تہذیب اعمال اور تزکیہ قلب پر منحصر تھا - ہاں امامیہ اور شیعہ امامت کے بارہ میں بہت غلو رکھتے تھے - چنانچہ اُن میں ایک فرقہ اسماعیلیہ پیدا ہوا جس میں سے بعض تو بطور حلول کے ائمہ کی الوہیت کے معتقد ہوئے اور بعض از قسم تناسخ رجعت کے قائل اور بعض ایک امام کے ظہور کے منتظر ہوئے - ان مختلف خیالات کے ظاہر ہونے کے بعد متاخرین اہل تصوف نے کشف میں کلام کرنا شروع کیا اور جو چیزیں حواس سے دریافت نہیں ہو سکتیں اُس کے ادراک کا دعویٰ کیا - چنانچہ بعض حلول اور وحدت کے قائل ہوئے اور یہ قول اُن کا مشابہ شیعوں کے اُس قول کے تھا جو وہ الوہیت ائمہ اور حلول کی نسبت بیان کرتے تھے - اور بعضے قطب و ابدال کے - یہ قول اُن کا درحقیقت نقل امامیہ کے اُس قول کی تھی جو وہ ائمہ اور نقبا کی نسبت کہتے تھے - خلاصہ یہ کہ ان متصوفین نے شیعوں کے قولوں کو لیا - اور اپنے طور پر اپنے مذہب میں داخل کرلیا - یہاں تک کہ اپنے طریقوں کی سند بھی پہنچا دی - جیساکہ خرقہ کی نسبت کہا ہے - کہ حضرت علیؓ نے حسن بصریؒ کو پہنایا - اور اُن سے اس طریقہ کی پابندی کا عہد لیا - اور اس طرح سلسلہ بسلسلہ حضرت جنید بغدادی

تک پہنچا - لیکن یہ امر ہرگز صحیح نہیں ہے - اور کوئی ایسا طریقہ مخصوص حضرت علیؑ نے جاری نہیں کیا - بہرحال اُدھر تو فرقہ اسماعیلیہ نے - اور اِدھر صوفیوں نے اُس منتظر فاطمی امام کی نسبت بہت سی روایتیں اپنی اپنی کتابوں میں اپنے طور پر بھر دیں - اور ایک نے دوسرے سے اخذ کیں وكله مبني على اصول واهية من الفريقين"

ان دونوں سندوں یعنی اخبار و کشف کی غلطیاں ظاہر کر کے یہ مورخ ایک اور تیسری دلیل نقل کرتا ہے - کہ بعض لوگ نجومیوں کی باتوں پر ایسے امام کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ایسے اعتقاد رکھنے والے کسی قسم وقت مقرر میں ہیں - چنانچہ ابن عربی حاتمی نے کتاب عنقاء مغرب میں - اور ابن قسی نے کتاب خلع نعلین اور عبدالحق ابن سبعین اور ابن ابی واصل نے شرح خلع نعلین میں اس قسم کی باتیں لکھی ہیں مگر اُن کو از قسم پہیلیوں اور کہاوتوں کے سمجھنا چاہیئے - اور ان میں بعض نے زمانہ بھی امام کے ظہور کا ٹھہرایا ہے - جیسا کہ ابن عربی کہتا ہے کہ ظهوره يكون بعد مضي خ ف ج من الهجرة - اس حساب سے ظہور اس امام کا ساتویں صدی کے اخیر میں ہونا چاہیئے تھا - جب یہ زمانہ گذر گیا - اور امام ظاہر نہ ہوئے تو بعض مقلدین نے تاویل شروع کی اور کہا کہ مراد اُس زمانہ سے زمانہ پیدائش ہے نہ زمانہ ظہور اور بعضوں نے یہ بھی گمان کیا ہے کہ دجال ٧٤٣ھ محمدی میں خروج کرے گا - اور محمدی سنہ کا حساب روز وفات آنحضرت صلعم سے کرتے ہیں - غرضکہ اسی طرح مشائخ امام کے ظہور کا زمانہ بڑھاتے آتے ہیں - اور بشارتیں اور خوشخبریاں سناتے رہتے ہیں"

اس قسم کی روایتوں اور قولوں اور کہانیوں اور پہیلیوں کو تفصیلاً بیان کرتے کرتے آخر کو یہ محقق عاجز ہو کر لکھتا ہے ومن امثال هذا كثير يعينون فيه الوقت والرجل والمكان فينقضي الزمان ولا اثر لشيء من ذلك فيرجعون الى تجديد راى آخر منتحل كما تراه من مفهومات لغوية واشياء تخيلية واحكام نجومية في هذا انقضت اعمار الاول منهم والآخر -

آخر کار اس مشہور قول کی نسبت ایک عمدہ مورخانہ رائے اس محقق نے دی ہے - وہ لکھتا ہے کہ "حدیثیں اور خبریں اور بشارتیں جو کچھ امام آخر الزمان کی نسبت تھیں - وہ سب بقدر اپنی طاقت کے میں نے بیان کر دیں - مگر صحیح اس کا میرے نزدیک یوں ہے کہ کوئی دعوت دین کی ہو یا سلطنت و حکومت کی پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوکت اور عصبیت نہ ہو

کیونکہ شوکت اور عصبیت ہی مزاحمت کو دفع کرتی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اب فاطمیین بلکہ قریش کی شوکت و عصبیت دنیا میں باقی نہیں ہے۔ اور تمام جہان سے اُن کا غلبہ اور رعب جاتا رہا ہے۔ اور سوائے حجاز کے وہ لوگ شہروں میں منتشر اور پریشان ہو رہے ہیں۔ ہر ایک اُن میں سے اپنی جدی رائے اور جُدا خیال رکھتا ہے۔ پس اگر کوئی اُن میں سے دعوت کرنے والا ظاہر ہو تو ضرور ہے کہ فاطمیین کی شوکت اور عصبیت پھر قائم ہو۔ اور خدا الگ متفرق قوم کے دلوں کو اُس کی اطاعت پر متفق کرے۔ اس کے سوائے اور کوئی صورت ظہور کی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی بنی فاطمہ کا زمین کے کسی ٹکڑے پر ظاہر ہونا بغیر عصبیت اور شوکت کے بیکار محض ہے۔ اور فقط نسب اس کا اُس کے کام پورا کرنے کے لیئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم مضبوط دلیلوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی دولت بے شوکت و عصبیت اور قوم کے اتفاق کے قایم نہیں ہو سکتی۔ اور جو لوگ بغیر اُن اصول پر نظر کرنے کے انتظار ظہور کا کرتے ہیں اور حقیقت پر نظر نہیں رکھتے وہ نادان ہیں۔ چنانچہ بعض کو یہاں تک خبط ہے کہ وہ اُس کی زیارت کو غاروں تک جاتے ہیں اور اپنی نادانی سے تباہ اور ہلاک ہوتے ہیں کما قال ولقد یقصد ذلک الموضع کثیر من ضعفاء العقول للتلبیس بدعوۃ تمنیۃ النفس تمامھا وسواساً وحمقاً وقتل کثیر منھم۔

---

# دُوسرا ریویو
## مُقدّمہ
## تاریخ ابن خلدون پر

اس مورخ نے تاریخ کی حقیقت اور اخبار کی تنقیح کے اصول بیان کر کے باقی کتاب کو چھ فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل جغرافیہ عالم کے بیان میں۔ دوسری فصل وحشی قوموں کے حالات۔ تیسری فصل خلافت اور سلطنت اور اُس کے مراتب اور لوازم کی تشریح میں۔ چوتھی فصل تمدن کی حقیقت میں۔ پانچویں فصل صنعتوں اور پیشوں اور حرفوں کے بیان میں

چھٹویں فصل علوم اور اُن کے تحصیل کے طریقوں کی تفصیل میں

پہلی فصل میں کئی مقدمے ہیں۔ پہلے مقدمہ میں نہایت خوبی سے انسان کا مدنی الطبع ہونا اور اُس کی زندگی اور بقا کے لیئے بہت سے بنی نوع انسان کی مختلف قوتوں کے یکجا جمع ہونے کی ضرورت ثابت کی۔ دُوسرے مقدمہ میں زمین کی آبادی اور دریاؤں اور نہروں وغیرہ کا اجمالاً اور ساتوں ولایت کے جغرافیہ کا تفصیلاً بیان ہے۔ ہم اس فصل کے اُن دونوں مقدمہ کا انتخاب لکھنا اور اُس پر رائے دینا ضرور نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس تمام فصل کے مضامین کا مدار بطلیموس کے جغرافیہ پر ہے۔ اور خاص اس مورخ نے کتاب نزہتہ المشتاق سے جو کہ علوی۔ ادریسی۔ حمودی نے روجوابن روجو بادشاہ صقلیہ کے لیئے تالیف کی تھی کل مضمون اخذ کیا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ زمانہ حال کی تحقیقات سے اُس کا ناقص و یا غلط یا غیر کامل ہونا بخوبی ثابت ہوچکا ہے اور یہ بات اس فصل کے تیسرے مقدمہ میں اس مورخ نے نہایت عمدہ بیان ہوا کی تاثیرات کا جو انسان کے رنگوں اور اُس کی حالتوں پر ہوتا ہے کیا ہے۔ اور اگرچہ بمقابلہ اس زمانہ کی تحقیقات کے وہ بیان ناقص ہے مگر بلحاظ اُس زمانہ کے نہایت تعریف کے لایق ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ "جو ولایتیں قطب شمالی وجنوبی کے بیچا بیچ ہیں۔ اُن کی ہوا معتدل ہے اس لیئے چوتھی اقلیم سب سے زیادہ معتدل ہے۔ اور تیسری اور پانچویں قریب اعتدال ہے اور دوسری اور چھٹویں غیر معتدل۔ اور پہلی اور ساتویں اعتدال سے بالکل دور ہے اسواسطے چوتھی اور تیسری اور پانچویں ولایتوں میں علوم اور صنایع اور حیوانات اور مکانات اور لباس اور جو کچھ اُن میں ہے نہایت خوب اور عُمدہ ہے۔ اُن کے رہنے والوں کے قدوقامت سڈول۔ رنگ روپ اچھے۔ اخلاق و عادات پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اور تمام چیزوں میں اُن کی شائستگی پائی جاتی ہے۔ کیا عمارت و مکانات میں۔ اور کیا لباس و پوشاک میں۔ اور کیا کھانے پینے اور غذا میں۔ اور کیا کاریگری اور صنعت میں۔ وہ سنگتراشی خوب جانتے ہیں۔ تعمیر کے فن میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ نئے نئے آلات اور کلوں کا بنانا خوب آتا ہے۔ سونا چاندی لوہا رانگہ تانبا وغیرہ قدرتی معدنیات کو کام میں لانا بخوبی جانتے ہیں۔ اپنے معاملات میں چاندی سونے کے سکے استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ اہل مغرب اور شام اور عراقین اور سندھ اور چین اور اندلس اور جو اُس کے قریب فرنگستان کا ملک ہے اُن سب میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں - برخلاف اُن ولایتوں کے پہلی اور دوسری اور چھٹویں اور ساتویں ولایت کا حال ہے کہ تمام باتیں اُن کی غیر معتدل اور ناموزوں ہیں اُن کے گھر مٹی اور سرکنڈے کے - اُن کی غذا جوار اور ساگ پات اُن کی پوشاک درخت کے پتے یا جانوروں کی کھال - اور اکثر بالکل برہنہ اور ننگے اور اُن کی داد وستد اور معاملات میں چاندی سونے کے سکہ کا نام نہیں - اخلاق اور عادتیں اُن کی بے زبان حیوانوں کی سی - یہاں تک کہ اکثر حبشی اقلیم اول کے رہنے والے پہاڑوں اور کھوؤں میں رہتے ہیں اور خود رو گھاس کے سہارے جیتے ہیں - بلکہ بعض اُن میں سے ایسے وحشی ہیں کہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں - وہ دین اور علم سے بے خبر ہیں - ہاں اِن ولایتوں میں سے بعض ملک مثل یمن اور بلاد حجاز اور یمامہ اور جو اُس کے متصل جزیرہ عرب سے ہے اس سے مستثنیٰ ہے - کیونکہ بوجہ اس کے کہ تین طرف سے سمندر اُسکو گھیرے ہوئے ہے آب و ہوا اُس کی کسی قدر معتدل ہوگئی ہے"

ابن محقق نے اس مقدمہ میں اور نیز چوتھے اور پانچویں مقدمہ میں دو نازک اور دقیق مسئلوں سے بحث کی ہے - ایک یہ کہ آدمیوں میں اختلاف رنگ کا کیا باعث ہے - دوسرے ہوا و غذا کا انسان کے بدن اور اُس کے اخلاق پر کیا اثر پہنچتا ہے چنانچہ یہ دونوں مسئلے اُس نے اپنے وقت کے موافق نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں مگر ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ حالت کے لحاظ سے کامل نہیں ہیں چنانچہ ہم دونوں مسئلوں کا کچھ کچھ ذکر کرتے ہیں -

پہلے مسئلہ کی نسبت یہ محقق کہتا ہے کہ اختلاف رنگ کا باعث صرف سورج کی شعاعیں ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جن ملکوں کے باشندوں کے سروں کو آفتاب سال میں دو دفعہ گرم کرتا رہتا ہے اُن ملکوں کے رہنے والے کالے ہوتے ہیں - اور جو ملک سرد ہیں - اور جہاں آفتاب کی شعاعیں ترچھی پڑا کرتی ہیں وہاں کے رہنے والے سفید رنگ ہوتے ہیں اس زمانہ کے حکمائے بھی اسے تسلیم کیا ہے - اور لکھا ہے کہ جس ملک میں آفتاب کی شعاعیں زیادہ سیدھی پڑتی ہیں وہیں کے آدمی کالے ہوتے ہیں - اور ان میں بھی اُن کا رنگ بہت زیادہ سیاہ ہوتا ہے جو کہ کھلے ہوئے میدان میں دھوپ میں کام

کرتے ہیں۔ لیکن فقط یہی ایک سبب اختلاف رنگ کا نہیں ہے۔ بلکہ اور اسباب بھی اس کے ہیں۔ چنانچہ اسی دلیل پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اگر آفتاب کی شعاعیں رنگ کے سیاہ کرنے کی اصلی وجہ ہیں۔ تو کیا سبب ہے کہ اسکیمو جو سال بھر میں کئی مہینوں تک سورج نہیں دیکھتے۔ رنگ اُن کے سانولے ہوتے ہیں۔ جواب اسکے یہ بیان کیا گیا کہ اُن لوگوں کے ملک کی خاصیت اور اُن کا طریق زندگی بھی اُن کے رنگ پر موثر ہے۔ اسکیمو کے ملک والے اگرچہ کئی مہینوں تک سورج نہیں دیکھتے مگر کئی مہینے تک اُن پر سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ اور سورج کے چھپنے کے بعد وہ لوگ زمین کے اندر گرم تہ خانوں میں جہاں خالص ہوا کا نام نہیں ہوتا رہتے ہیں۔ اور غذا بھی نہایت ناقص ناقص کھاتے ہیں۔ پس درحقیقت اُن کی ناقص غذا اور خراب طریقہ زندگی کا اُن کے خون کو سُرخ نہیں ہونے دیتا۔ جس کے اثر سے اُن کا بدن بھی سرخ سفید ہو۔ غذا کو بھی رنگ پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ چین اور جاپان والے ایسی غذا کھاتے ہیں۔ اور ایسے طور سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ صفرا زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ مادہ خون کی طرف رجوع اور اخراج اُس کا جگر کی راہ سے نہیں ہوتا کھال کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور اسی لیئے چینی اور جاپانی زرد رنگ ہوتے ہیں علاوہ اس کے رنگوں کا اختلاف موروثی بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ صدہا نسلوں میں اختلاف رنگ کا موروثی ہے۔ مگر اس میں یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اختلاف رنگ میں آیا خون زیادہ مؤثر ہے یا ہوا۔ مگر آب و ہوا کا مؤثر ہونا زیادہ ماننے کے لایق ہے چنانچہ جزیرہ لنکا میں کسی زمانہ میں قوم ڈچ کے اور پرتگال کے آدمی رہتے تھے۔ اور اب تک اُن کی بہت سی نسلیں وہاں موجود ہیں۔ مگر مثل اپنے آبا و اجداد کے گورے نہیں ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی ریاست متفقہ میں اینگلوسکسن کی نسل کے جو لوگ آباد ہیں اُن کے رنگوں میں بھی فرق آگیا ہے۔

ہوا کی صفائی اور لطافت اور انسان کی محنت بھی رنگ پر مؤثر ہے۔ چنانچہ پہاڑ کے اوپر رہنے والوں کا رنگ بمقابلہ گھاٹیوں اور میدانوں میں رہنے والوں کے زیادہ صاف ہوتا ہے مقام پیرو میں آدمی جس قدر سمندر کی سطح سے اونچے رہتے ہیں اُتنا ہی اُن کا رنگ صاف ہوتا ہے۔ شیراز کے پہاڑی ضلعوں کے رہنے والے بالکل انگریز کی

کی طرح گورے ہوتے ہیں۔ اور جو نیچے میدانوں میں بود و باش کرتے ہیں وہ اکثر گندمی رنگ ہوتے ہیں۔ ایشیا کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ جو لوگ ہمالیہ پہاڑ کے دامن کے ملکوں میں رہتے ہیں اُن کا رنگ بمقابلہ اُن کے جو میدان میں رہتے ہیں بہت صاف ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ زیادہ ٹھنڈی خالص ہوا میں سانس لیتے ہیں اور خوب محنت کرتے ہیں جس سے خون اُن کا جلد بھرتا اور صاف ہوتا ہے۔ دوسرے مسئلہ کی نسبت کہ انسان کے بدن اور اخلاق پر ہوا اور غذا کا کیا اثر ہے۔ یہ محقق کہتا ہے کہ جو ولایتیں وسط بین قطبین کے واقع ہیں۔ اُن کی ہوا کا اثر انسان کی تمام اندرونی و بیرونی حالتوں پر اچھا۔ اور جو اُن سے دُور ہیں اُن پر بُرا ہوتا ہے۔ اور جن ملکوں میں غذا کے ذریعے اچھے اور آسانی سے بہم نہیں پہونچتے۔ اور جہاں کے رہنے والے دودھ اور پر قناعت کرتے ہیں اور جن کو گیہوں اور میوے میسر نہیں۔ اکثر وہ بہ نسبت اُن ملکوں کے باشندوں کے جن کو غذا ہر قسم کی میسر ہے اور جو بفراغ بال ہر قسم کی غذائیں استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تر خوش رنگ اور خوش صورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اور فاسد خلطیں بڑھتی ہیں۔ اس بیان میں اس محقق نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جو زیادہ توجہ کے لائق ہو۔ یا اس زمانہ کی حکیمانہ تحقیق کے سامنے کچھ مفید معلوم ہو۔ آب و ہوا کا اثر بلاشبہ قوموں کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر بہت موثر ہے۔ اور غذا کی تاثیر سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر صرف یہی دو سبب انسان کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر موثر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے علاوہ اور بھی سبب ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے فلسفیوں نے چار چیزوں کو سب سے زیادہ موثر قرار دیا ہے۔ اول زمین۔ دوسرے آب و ہوا۔ تیسرے غذا۔ چوتھے قدرت کے عام ظہور۔¹

ایک یورپین فلسفی لکھتا ہے کہ ملک کی اراضی کا بارآور اور زرخیز ہونا انسان کی حالتوں پر بہت اثر کرتا ہے چنانچہ جن ملکوں کو بہت جلد اور اول ہی اول ترقی نصیب ہوئی وہ سب بارآور تھے۔ مصر اور ہندوستان اور ایشیائے کوچک کے رہنے والوں کی حالتیں ابتدا ہی سے ترقی پر ہیں۔ اور غیر آباد اور ویران ملک مثل تاتار اور تبت اور عرب وغیرہ

¹ قدرت کے عام ظہوروں سے وہ تمام مخلوق اور قدرتی پیداوار مراد ہے جو ہر ایک ملک میں موجود ہوتی ہے۔

کی حالتیں اچھی نہ ہیں - اور اگر ان قوموں میں سے کسی نے ترقی کی - تو اُسی حالت میں
جبکہ وہ اور بار آور زرخیز ملکوں پر قابض ہوئی -

زمین کی نسبت آب وہوا کو انسان کی حالتوں پر بہت زیادہ دخل ہے - جن
ملکوں کی آب وہوا اچھی ہے - وہاں کے لوگ قوی اور توانا اور تندرست اور محنتی اور
صاحب استقلال ہوتے ہیں - اور اگر زمین کم بار آور ہو تو اُسے اپنی عقل اور محنت سے بہت
درست کر لیتے ہیں - بلکہ زمین کی تاثیر یہ ہے کہ انسان کو ایک درجہ پر پہنچا کر آگے بڑھنے
نہیں دیتی - اور آب وہوا ہمیشہ انسان کو ترقی دیتی رہتی ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان
اور اَور بار آور گرم ملکوں کی ترقی ایک درجہ پر پہنچکر آگے نہ بڑھی - اور جن ملکوں کی آب وہوا
نہایت عمدہ ہے جیسے یورپ - ان کی ترقی کسی حد پر پہنچکر نہ رکی -

ایک دوسرا فرانسیسی عالم لکھتا ہے - کہ مصر اور ہندوستان میں اصول ترقی کے ایک
ہی طرح اور ایک ہی قسم کے پائے جاتے ہیں - اور اسی لیے وہاں کے لوگوں کی مجموعی
حالت ایک درجہ خاص پر پہنچ کر ٹھہر گئی - اور اس سے آگے نہ بڑھی - اُن کے تمام حالات اور
معاملات میں ایسا یکساں طریقہ پایا جاتا ہے جس سے طبیعت [illegible] ہوتی ہے - ملک ایران
اور برباد تو نہیں ہوا - مگر لوگوں کی مجموعی حالت کے درجہ کا یہ حال ہو گیا - کہ اُنمیں حس
وحرکت نہ رہی - اور [illegible] ہندوستان کے قدیم باشندے ہندوؤں پر
تو یہاں کی آب وہوا اپنا پورا پورا اثر کر چکی تھی مگر اس کے [illegible] مسلمانوں کی علمی اور عقلی
اور اخلاقی حالتوں پر بھی اُس کا ویسا ہی اثر ہوا - چنانچہ اب اُن کی شایستگی کے اصول
اس پرانے ملک کے باشندوں کے اصول سے ایسے مشابہ ہو گئے ہیں کہ دونوں میں
تمیز کرنی نہایت مشکل ہے - اُن کے علمی اور عقلی اور اخلاقی اصول میں جو اصلی قوت تھی وہ
باقی نہ رہی - اور نہ اُن کے دلوں کی تحریک دینے والی کوئی دوسری قوت پیدا ہوئی
قایم ہوئی - اُن کا انتظام - اُن کا تمدن - اُن کا علم ایسا بے حس وحرکت [illegible] کی شکل بنے اسکے
جان اُس میں باقی نہ رہی - ایک عالم ہندوستان کے علوم واخلاق کی نسبت لکھتا ہے ہو لیا کہ کچھ بھی
کرے اُن سب میں ایجاد کا طرز وطریقہ ایک ہی پایا جاتا ہے - اور وہ سب نے والوں
نتیجے اور خیال واحد کے مظہر معلوم ہوتے ہیں - اُن کی مذہبی کتابوں [illegible] واقعہ واحد کے
تاریخانہ روایتوں میں جو بات پائی جاتی ہے وہی اُن کی عقل [illegible] اخلاقی تصنیفوں
والے کے کاموں اور

علمی کتابوں اور رسم و رواج اور قاعدوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے"۔ یہ مضمون ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندؤں پر۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام حالتوں میں وحدت اور یک رنگی موجود ہے۔ اُن کے علوم۔ اُن کے خیالات اُن کے جلسے۔ اُن کے دستور۔ اُن کے قاعدے۔ اُسی ایک ناقص اور ترقیوں کے مزاحم اصول کے پابند ہیں جو ہندوستان کی زمین کا پھل ہے۔ یعنی رسم کی پیروی اور باطل اوہام۔

آب و ہوا کے علاوہ غذا بھی انسان کی حالتوں پر بہت مؤثر ہے۔ جن ملکوں میں غذا آسانی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ہندوستان۔ وہاں ترقی بھی اوّل اوّل ہوتی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی یہ نقصان ہوتا ہے کہ آیندہ وہ بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لیئے کہ حاجت سے زیادہ آدمی موجود ہوتے ہیں۔ اور اُن کی آمدنی اور کمائی بہت تھوڑی۔ اور دولت نہایت غیر مساوی تقسیم ہوتی ہے۔ بخلاف اُن ملکوں کے جہاں غذا کم ملتی ہے۔ ہر شخص اپنے واسطے کماتا ہے اور آدمیوں کے کم ہونے سے صنعتوں اور کاریگریوں کی طرف ہر شخص رجوع کرتا ہے۔ اور بیجان قوتوں سے جاندار کی قوت کو مدد پہنچاتا ہے۔

قدرت کے عام ظہوروں کی نسبت اس مورخ نے کچھ نہیں لکھا اور اس میں وہ معذور تھا۔ کیونکہ اُس کے زمانہ میں خیالات ایسے وسیع اور روشن نہ تھے۔ کہ ایسے سببوں کی طرف ذہن منتقل ہوتا۔ مگر اِس زمانہ میں انسان کی حالتوں پر تینوں سببوں مذکورہ بالا سے بڑھ کر یہ سبب موثر قرار دیا گیا ہے۔ اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ہر ایک یورپین عالم لکھتا ہے۔ کہ "قدرت کے عام ظہوروں کا اثر لوگوں کی ترقی پر تینوں چیزوں مذکورہ بالا سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام قوم کی عادت اور خصلت انہیں سے قایم اور مقرر ہوتی ہے۔ جس کا پھیر بدلنا سخت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسکا ثبوت یونان قدیم اور ہندوستان کے معاملات کے مقابلہ کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہندوستان میں بہت بڑے بڑے پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں اور بیابانوں کے ہونے۔ اور زلزلوں اور طوفانوں کے آنے۔ اور اَور ایسی عجائبات قدرت کے واقع ہونے سے۔ جن سے آدمی کی عقل حیران اور ششدر

رہجاد ے ہندوستان کے باشندوں یعنی ہنود وں کی عقل ابتدا ہی سے دنگ رہ گئی
وہ اُن کے اسباب اور قوانین دریافت نہ کرسکے۔ اس لیے اُن کو اپنے ناچیز اور حقیر
ہونے کا خیال بندھ گیا اور شروع ہی سے ہمت ہار گئے۔ جس کا بہت بڑا نتیجہ یہ ہوا
کہ وہ ان عجائبات سے حیران ہوکر وہم و خیال میں پڑے۔ اور اُن کی قوت خیالیہ کو
از بس تحریک اور برانگیختگی ہوئی۔ ہر شے کے سبب اور اثر کو دریافت کرنے میں عقل نہ
دوڑائی۔ بلکہ وہم و خیال سے کام لینا شروع کیا۔ غرض کہ عقل کو کمال افسردگی ہوئی۔ اور
خیال کو عقل پر بدرجہ غایت غلبہ ہوا۔ اور اُن کی طبیعتوں میں معقول اور سنجیدہ باتوں
سے اجتناب اور عجیب و غریب اور مہیب چیزوں سے رغبت اور شوق پیدا ہوا۔ یہ قوت
خیالیہ ہی کے غلبہ کا باعث ہے کہ تمام بڑی بڑی کتابیں مثل راماین اور گیتا اور مہابھارت
اور حتیٰ کہ علم جبر و مقابلہ اور حساب و صرف و نحو کے رسالہ سنسکرت کے سب کے سب نظم میں تصنیف
ہوئے۔ اور عجیب عجیب شکلیں دیوتوں کی قایم اور ایجاد ہوئیں۔ اور بہت سے خیالی
رسم و رواج جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی جاری ہوئے۔ اور یونان کا یہ حال تھا کہ وہاں
قدرت کے ظہور نہایت نرم اور ملائم طور سے ہوئے۔ جن کے دیکھنے بھالنے سے
یونانیوں کو کچھ افسردگی اور حیرت نہ ہوئی۔ اور اُن کے دلوں میں آدمی کے حقیر اور
ناچیز ہونے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ بلکہ قدرتی اشیاء کو پیچیدہ اور پریشانی انگیز نہ پاکر اُن کی عقل کو
جرأت اور مستعدی ہوئی۔ چنانچہ قدرتی ظہوروں کے سبب اور اثر معلوم کرنے میں کوششیں
کیں۔ غرض کہ اُن میں خیال کو پستی اور عقل کو فروغ اور فوقیت رہی جس کا یہ عمدہ نتیجہ ہوا
کہ اُن کے ہاں بڑے بڑے حکیم اور عالم اور فاضل اور مدبر ہوئے۔ اور وہ عمدہ عمدہ
تصنیفات اور کتابیں چھوڑ گئے۔ دولت اور تجارت کو بڑی ترقی ہوئی۔ اُن کی قوم عقل
حکمت کی پابند ہوئی جس کو روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ اسی طرح سے قدرت کے ظہوروں کا
عجیب و غریب نہ ہونا اہل یورپ کی ترقی کے حق میں بڑا مفید کارآمد ہوا۔ یعنی وہم اور خیال کو
اُن میں رونق نہ ہوئی جس سے انسان ناامید ہوکر اپنی ترقی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اور عقل
آزمائی اور سعی اور کوشش سے باز آتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں ہوا۔ یورپ میں ہندوستان
کے برخلاف ہوا۔ جس کا عمدہ اثر روز بروز ظہور پذیر ہوتا جاتا ہے۔

# قومی عزت

ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ کسی اگلے زمانہ میں مسلمان علوم کے عالم اور فنون کے ماہر تھے اور تہذیب اور شائستگی اور انسانیت کو بذریعہ تعلیم و تعلم کے انہوں نے بخوبی حاصل کیا تھا۔ لیکن اب اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ آیا فقط اس بات کا ثابت کر دینا ہماری عزت کے لیئے کافی ہے یا ہمکو اسپر فخر و ناز کرنا زیبا ہے یا دوسری قوموں کی نظروں میں یہی امر ہماری عزت کے لیئے بس ہے یا تہذیب و شائستگی پر ہمارے یہی ثبوت کافی ہے اگر ایسا ہو تو ہم اپنی عزت کے ثبوت میں موٹی موٹی کتابیں لکھدیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اچھے اچھے نامی آدمیوں کی سندتے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیں لیکن حقیقت میں یہ کافی نہیں ہے بلکہ ہماری حالت موجودہ ہی ہماری عزت اور ذلت کی باعث ہے۔ اس لیئے ہمکو اپنی حالت موجودہ پر نظر کرنی چاہیئے کہ آیا آج ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے یا نہیں چنانچہ اس امر کے لیئے ہمیں اپنی ملکی اور قومی تعلیم پر لحاظ کرنا چاہیئے کیونکہ علم ہی عزت اور ذلت کی کسوٹی ہے پس اگر ہماری تعلیم آج کل اَور قوموں سے بہتر ہو اور دنیا کے اَور ملکوں کے رہنے والے ہمارے علوم کی قدر و منزلت کرتے ہوں اور ہمارے ملک سے علوم و فنون کی تحصیل کرتے ہوں تو بے شک ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے اور اگر ایسا نہو تو ملکی فخر اور قومی عزت کا ہمکو نام لینا بھی زیبا نہیں۔

ہمکو اپنی قومی عزت ظاہر کرنے کے لیئے اتنی بات ثابت کر دینا ہی کافی نہیں ہے کہ جو علوم ہمارے بزرگوں نے نکالے یا اَور قوموں سے سیکر اپنے ہاں جاری کیئے تھے وہ ہم میں جاری ہیں اور جن علوم و فنون کی اُن کے زمانہ میں تعلیم ہوتی تھی وہی ہماری قوم میں رائج ہیں کیونکہ عزت اور ذلت اور ترقی اور تنزل امور اضافی ہیں انکا اطلاق بلحاظ حالات زمانہ کے ہوتا ہے۔ پس ہمارے بزرگوں کو علوم و فنون کے سبب سے جو عزت تھی وہ اُس زمانہ کے موافق تھی کیونکہ جو علوم و فنون اُس وقت اَور قوموں میں جاری تھے اُن سب کو اُنھوں نے سیکھا اور علم و ہنر کے خزانے جو اَور ملکوں میں

گڑے ہوئے تھے اُن پر رسائی حاصل کی اور جو پرانے جواہر تھے اُن کی جلاکاری
کی اور اُن کو تراش خراش سے جگمگا کر خوبصورت بنایا۔ اور پھر بہت سے بیش قیمت
علم کے نئے جواہر خود تلاش کیئے آخر اُن کا خزانہ علوم وفنون کا ایسے شاہوار موتیوں
اور نایاب جواہر سے بھر گیا جن سے اَور قوموں کے خزانے خالی تھے لیکن چونکہ
ہمارے زمانہ میں علم وہنر کو اَور قوموں نے نہایت ترقی پر پہنچایا اور علوم وفنون کے
نورانی چہرہ سے پردہ اور حجاب اُٹھا دیا ہے اور اِس دریائے ناپیداکنار میں سے
بہت سے نئے اور عمدہ عمدہ موتی و جواہر ڈھونڈ کر نکالے ہیں پس اگر ہمارے علوم
وفنون اُن سے بڑھکر ہوں اور ہمارے ملک اور قوم کے لوگ علوم وفنون میں اَور قوموں
پر فایق ہوں تو بے شک آج ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے لیکن چونکہ یقینی
ہے کہ بمقابل یورپ کے یہ فخر و عزت ہمارے ملک کو حاصل نہیں ہے اس لیئے
ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ آیا مثل اُن کے علوم وفنون میں ہمکو دستگاہ بھی ہے یا نہیں
جو صورت تعلیم کی اُس ملک میں ہے وہ ہمارے ملک میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہو
تب بھی برابری کا دعویٰ ہم کر سکتے ہیں لیکن جب ہم اپنی ملکی تعلیم پر لحاظ کرتے ہیں اور
اپنے ہاں کے علوم وفنون پر نظر کرتے ہیں تو ملکی فخر و عزت کا دعویٰ کرنا کیسا بلکہ
جہالت اور نادانی کے خیال سے اور اپنی بے تہذیبی کے لحاظ سے ایسی شرمندگی ہوتی
ہے کہ طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ کاش ہم اِس ملک سے منسوب نہوں اور ہمکو
کوئی اس قوم سے نسبت نہ کرے کیونکہ ہم بجائے اس کے کہ کچھ پیدا کرتے اپنے بزرگوں
کی کمائی ہوئی دولت کو کھو بیٹھے اور علم کی دولت میں ترقی کرنے کے بدلے بزرگوں
کے پیدا کیئے ہوئے سرمایہ کو بھی ہم نے ضایع کر دیا۔ ایسی غفلت کی نیند میں سوئے
کہ ہمارے بزرگوں کے سرمایہ کو اَور لوگ لوٹ لے گئے اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے اور دنیا
کی اَور اقبالمند قومیں تو علوم وفنون میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کر گئیں اور ہم ذلت اور نکبت
کی حالت میں مبتلا ہو گئے۔ پس اَب ہمکو اپنی ذلت کی حالت پر رونا چاہیئے نہ کہ اپنے
بزرگوں کے ناموں پر مغرور ہونا۔

یہ ملکی ذلت اگرچہ نہایت قابل افسوس کے ہے مگر جب سلسلہ کلام کا قومی ذلت پر
پہونچتا ہے اور خاص مسلمانوں کی تعلیم پر نظر کی جاتی ہے تو نہ زبان سے کچھ کہا جاتا ہے

نہ قلم سے کچھ لکھا جاتا ہے کیونکہ اور قومیں ہمارے ملک کی کچھ کچھ خواب غفلت سے بیدار ہوتی جاتی ہیں اور تعلیم اور تربیت پر اپنی مستعدی ظاہر کرتی ہیں گو اُن کو اب تک کچھ کامل ترقی نہیں ہوئی۔ مگر بعض بعض قوموں کے آثار نیک نظر آتے ہیں اور اُن کی عزت اور بہتری کے سامان دکھلائی دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حال پر افسوس اور ہزار افسوس ہے کہ اُن کی آنکھوں میں غفلت کی نیند ویسی ہی بھری ہوئی ہے اور اُن کے چونکنے اور جاگنے کی کوئی نشانی اب تک دیکھنے میں نہیں آتی کیسے افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ آج کیمبرج یونی ورسٹی کے موافق مسلمانوں کا کوئی عربی مدرسہ علوم کا دہلی میں ہوتا یا مثل اکسفورڈ یونی ورسٹی کے ہماری تربیت کے لیے کوئی دارالعلم لکھنؤ میں ہوتا اور جو علوم و فنون اُن یونی ورسٹیوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے سکھائے جاتے ہیں ہم مسلمانوں کے مدرسوں میں بھی بذریعہ عربی یا دیسی زبان کے تعلیم دیئے جاتے کوئی چھوٹا سا مکتب بھی تو نظر نہیں آتا جس میں کسی قسم کے علم و فن کی تعلیم ہوتی ہو اور کسی شہر میں ایک بھی مقام تو ایسا سننے میں نہیں آتا جہاں کچھ بھی تہذیب و شائستگی کی باتیں سکھائی جاتی ہوں۔

اگر ہم عربی یا دیسی زبان سے بھی قطع نظر کریں اور اپنے بھائیوں کو اس لائق بھی نہ جانیں لیکن اس غفلت کی کیا انتہا ہے کہ جو مدرسے گورنمنٹ نے ہماری تعلیم کے لیے جاری کیے اور جن میں علوم اور فنون کی تعلیم ہمارے ملک کے فائدے کے لیے شروع کی اُن میں بھی ہماری قوم کے آدمیوں کی صورتیں کم ہی دکھلائی دیتی ہیں اور مسلمان لڑکے تعلیم کے لیے بہت ہی تھوڑے جاتے ہیں۔

ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم و فنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور کیمبرج اور اکسفورڈ یونی ورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں ہے بلکہ کسی ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لیے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو اُن کو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ سب کے سب آنکھ پر پردۂ غفلت کا ڈالے ہوئے اور موںھ پر خاموشی کی مہر لگائے بیٹھے ہیں

نہ کسی کے دل میں تعلیم سے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات
کے اسباب بیان کرنے کے لیئے کھولتا ہے سب کے سب چُپ چاپ خاموش
بیٹھے ہوئے ہیں ۔

# تدبیر و اُمید

یہ عام اور غیر مبدل قاعدہ قدرت کے قانون کا ہے کہ ہر ایک چیز کے ہونے کے لیئے
اُس سے پہلے اُن چیزوں کا ہونا ضرور ہے جو کہ اُس کے ہونے کے لیئے ایک ضروری
سبب ہیں ایسا ہے کہ کوئی چیز مادی ہو یا غیر مادی ۔ خارجی ہو یا ذہنی اُس سے مستثنیٰ
نہیں جتنی چیزیں ہماری آنکھ کے سامنے آتی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسی
نہیں جو اُن چیزوں کے بغیر ہوگئی ہو جو اُس کے ہونے کے لیئے قدرتاً مقدم ہیں
جتنے خیالات ہمارے ذہن میں گذرتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کی
پہلے وہ باتیں ہمارے ذہن میں نہ آجاتی ہوں جو اُس خیال کے پیدا ہونے سے پہلے عادتاً
ضروری ہیں جتنی چیزیں ہیں اُن میں قدرت نے باہم ایسا تسلسل اور ارتباط رکھا ہے کہ
ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پیدا ہوتی ہے پس ہر چیز کے حاصل کرنے
کے لیئے اُن چیزوں کا پہلے مہیا کرنا جو اُس کے لیئے بطور آلات اور معدات اور مقدمات
کے ہیں تدبیر ہے اور اُن کے مہیا کرنے پر اُس چیز کے حاصل ہونے کی توقع کرنا اُمید ہے
اور بغیر اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے کا خیال کرنا جنون و نادانی ہے اور بلا مہیا
کرنے اُن اسباب کے اُس شئے کے حاصل ہونے کی توقع کرنا حماقت ہے اور جو چیزیں
کسی چیز کے ہونے کی اصلی سبب نہوں اُن سے اُس شئے کے ہونے کی توقع کرنا تدبیر
کی غلطی ہے ۔

یہ بات جو ہم نے بیان کی اُسے نادان سے لیکر کامل حکیم تک اور جاہل سے لیکر
عارف باللہ تک اور ملحد سے لیکر شارع تک سب نے تسلیم کیا ہے اور سب مانتے چلے
آئے ہیں اور ہم سب ہر وقت اور ہر لحظہ ہر چیز میں اس قاعدہ کا برتاؤ دیکھتے رہتے ہیں

چنانچہ ہم اسے ایک صاف اور روشن مثال میں سمجھاتے ہیں۔ دیکھو ایک دہقان غلہ پیدا کرنے کے لیئے کیا کرتا ہے اور اُسے غلہ حاصل کرنے سے پہلے کس کس چیز کا مہیا کرنا ضرور ہوتا ہے پہلے وہ اچھی زمین تلاش کرتا ہے جس میں زراعت کی قابلیت ہو پھر وہ اُن آلات کو جمع کرتا ہے جن کی زمین بنانے کے لیئے ضرورت ہے۔ پھر وہ اُن آلات کو کام میں لاتا ہے۔ اور جو خودرَو گھانس یا پرانی کھیتی کی بیکار اور نکمی چیزیں اُس میں پڑی ہوجاتی ہیں اُن کو صاف کرکے زمین کو اپنی اصلی ہیئت پر لاکر اُسے بناتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کس جنس کی اِس وقت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی حاجت رفع ہو اور مجھے قیمت ملے۔ آخر وہ مختلف جنسوں میں سے ایک یا چند چیزوں کو اختیار کرکے اُس کا عمدہ بیج ڈھونڈتا ہے۔ اور مختلف دوکانوں۔ مختلف بازاروں میں خود پھر پھر کر اُسے تلاش کرتا ہے اور اپنے نزدیک وہ ایسا بیج جو نہ سڑا ہو نہ گلا۔ نہ بوسیدہ ہو نہ ناقص سوائی قیمت دیکر لیتا ہے۔ پھر اُسے ایک اندازہ معین سے زمین میں ڈالتا ہے۔ پھر اُسے مٹی میں ملاکر چھپا دیتا ہے۔ پھر اُگنے کے بعد وقتاً فوقتاً پانی دیتا ہے اور جو خودرَو گھانس پیدا ہوتی جاتی ہے اُسے دُور کرتا رہتا ہے پھر سب سے زیادہ اُسے اُس وقت حفاظت کرنی پڑتی ہے جبکہ دانہ پڑتا ہے اور جس کے کھانے کے لیئے چڑیوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ آتے ہیں۔ پھر جب ان تدبیروں کے کرنے کے بعد اُس کی کھیتی ارضی وسماوی آفات سے محفوظ رہے اور اُن باتوں سے جو اُس کے اختیار سے خارج ہیں خدا نے اُس کی زراعت کو بچایا تب وہ ایک ایک دانہ کے سَو سَو اور ہزار ہزار حاصل کرتا ہے اور اپنی محنت اور تدبیر کا ثمرہ پاتا ہے۔ پس ان سب چیزوں کا مہیا کرنا اور اُس تسلسل اور ارتباط اور ترتیب کا لحاظ رکھنا تدبیر ہے اور بعد اسکے پھل پانے کی توقع کرنا سچی اُمید ہے اور ان میں سے کسی چیز کا چھوڑ دینا یا کسی ترتیب و ارتباط میں چوک جانا یا کسی امر کی تقدیم وتاخیر کا لحاظ نہ کرنا یا وقت پر کسی چیز کو استعمال میں نہ لانا تدبیر کی غلطی ہے اور کسی چیز کا باوجود سعی کے نہ ملنا یا کسی اتفاقی امر کا پیش آجانا یا کسی ارضی وسماوی آفت سے اُس زراعت کا خراب ہوجانا تقدیر کی مخالفت ہے۔

اب ہم اس تدبیر و اُمید کو اپنی قوم کے حال سے ملاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنی ترقی کی اُمید کرتے ہیں اور جیسے وہ اُس کی تدبیریں کر رہے ہیں وہ حقیقت میں سچی

اُمید اور پوری تدبیر ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہماری قوم میں ایسا تو کوئی نہیں جو اپنی ترقی
نہ چاہتا ہو یا اپنی دولت و عزت کی اُمید نہ رکھتا ہو مگر ایسے کم ہیں جو اُس کی تدبیر کرتے
ہوں اور جو کرتے ہیں اُن میں بھی ایسے کم ہیں جو اُس میں غلطی نہ کرتے ہوں اور جس
ترتیب و ارتباط کا لحاظ رکھنا اُس کے لیئے ضروری ہے [illegible] کرتے ہوں۔

ہاں وہ تدبیر جو کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان [illegible]
تدبیر ہے جس کے پورے ہونے پر قومی ترقی کی بیج [illegible]
اول ہی سے قدرتی سلسلہ کا لحاظ رکھا ہے۔ وہ پہلے [illegible]
متوجہ ہوا کہ قومی عزت کا اصلی سبب کیا ہے آخر اُس نے ثابت کیا [illegible] قوم
تب وہ اُس کا مستفسر ہوا کہ موانع اُس کے [illegible] قوم [illegible]
اپنی تمام قوم میں پیش کیا اور مختلف صوبوں سے [illegible] جواب
لیکر اُن موانع کو تحقیق کر کے ایک انجمن مقرر [illegible] بعد اُن کے
دور کرنے کی تدبیر سوچی۔ آخر سب کے اتفاق سے [illegible] العلوم
کے دوسری صورت قرار نہ پائی چنانچہ اُس نے [illegible] نکالی۔ اور
اُس کے قائم ہونے کے سامان جمع کرنے پر ہمت کی [illegible] اب [illegible] کیا
ٹھیک ٹھیک کیا اور وہ ایک ہوشیار دہقان کی چال پر چلا اُس نے زمین [illegible]
تلاش کرلی ہے۔ اُس جنس کو بھی تحقیق کرلیا ہے جس کی ضرورت ہے اور جو اس وقت
بازار میں اچھے نرخ پر بک سکتی ہے۔ اُس کا بیج بھی تلاش کرلیا ہے۔ پس ایک مقدار
سرمایہ کا جمع کیا جانا چاہیئے جو اُس کی قیمت کے واسطے اور دیگر آلات کے جمع کرنے کے
لیئے کافی ہو۔

یہ ہوشیار دہقان صرف اِس تدبیر کے بتانے ہی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ سب کام
اپنے سر پر اُٹھانے اور ساری محنت کو جو اس کھیتی میں ہوگی اپنے اوپر لینے پر مستعد
ہے۔ وہ اپنی قوم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ سامان خریدنے کے لایق سرمایہ جمع کر
اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔ جب فصل تیار ہوجاوے تب اُس کا پھل
لے لیں۔

اب میں اپنی قوم کے دلوں پر نظر کرتا ہوں کہ بہ نسبت اس تدبیر کے اُن کے

دلوں میں کیا خیال گذرتے ہیں - جہاں تک میں واقف ہوں میرے نزدیک بہت ہی تھوڑے آدمی ہوں گے جو اس تدبیر کو کامل اور اس تجویز کو مفید نہ سمجھتے ہوں مگر اُس کے انجام کو ایسا مشکل جانتے ہیں کہ قریب بہ محال سمجھتے ہیں - کوئی کہتا ہے کہ یہ فقط ایک خیالی عمارت ہے جو ہوا میں کھڑی کی گئی ہے - کوئی فرماتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی تجویز ہے جو دل بہلانے کے لیئے کی گئی ہے - کوئی اسے گورنمنٹ کا انتظام کہتا ہے کوئی اسے ایک محال اور غیر ممکن بات سمجھتا ہے لیکن یہ سب پست ہمتی کی نشانیاں اور ہمدردی اور محبت قومی نہ ہونے کے نتیجے ہیں کیونکہ یہ سب باتیں دس لاکھ روپیہ کے جمع ہونے پر خیال کی جاتی ہیں حالانکہ یہ روپیہ اُس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک بڑے شہر میں ایک برس کے اندر کھیل تماشے میں اُمرا خرچ کر دیتے اور لڑکوں لڑکیوں کے شادی بیاہ میں برباد کر دیتے ہیں - پس اگر ہم اپنی قوم کے اسراف تو بہ توبہ اُن کے اسراف پر نظر کر کے اس سرمایہ کو زیادہ سمجھتے تو ہم بھی ایک تکلیف مالایطاق اور تدبیر محال کہتے - مگر جب ہم اب بھی اپنے امرا کے جود و سخا کی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ ایک ایک باہمت ایسے ہیں جو لاکھ لاکھ روپیہ چندہ میں حاکموں کو خوش کرنے کے لیئے دیدیتے ہیں - تو ہمارے ذہن میں اس سرمایہ کی بمقابل اُن کے حوصلہ کے کیا حقیقت ہو - رہا دینا یا نہ دینا - یہ ہمدردی اور محبت قومی پر منحصر ہے - اُسکی نسبت البتہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قحط بلاشبہ ہماری قوم میں ہے - اگر اُس پر خیال کر کے کچھ مایوسی ہو تو عجب نہیں - مگر پھر ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا اور سعی میں کوتاہی کرنا ضرور ہے - السعی مني والاتمام من الله -

---

# سپیچ

## بمقام ہائی اسکول مرزاپور

مدرسہ مرزاپور میں تاریخ ۲۴ مئی کو بغرض تقسیم سالانہ انعام کے جلسہ ہوا اور حضرت

رئیس اور حاکم تشریف لائے۔ اوّل ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں۔ پھر دوسرے ماسٹر نے اُردو میں رپورٹ سُنائی۔ بعد اُس کے جناب رابرٹسن صاحب کلکٹر مرزاپور نے انگریزی زبان میں ایک مختصر اسپیچ کرکے یہ فرمایا کہ اب میرے دوست مولوی مہدی علی صاحب کچھ تقریر کریں گے اور اُردو زبان میں آپ لوگوں سے کچھ کہیں گے۔ بعد اسکے مولوی مہدی علی صاحب نے کھڑے ہوکر زبانی یہ تقریر کی ؂۔

ای حاضرین جلسہ۔ جو رپورٹ حالات مدرسہ کی ابھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں اور بابو صاحب نے اُردو میں سنائی اُس سے آپ کو طالبہ کی تعداد اُنکی تعلیم کے درجے اور اُس کے نتیجے معلوم ہوگئے اب اُس کا اعادہ بیفایدہ ہے مگر میں اپنے اوپر ضرور سمجھتا ہوں کہ جو فرق اُس مدرسہ کی حالت میں بہ نسبت سابق کے ہوا ہے اُسے کچھ تھوڑا سا بیان کروں۔

۱۸۶۷ء میں میں نے اس مدرسہ کو دیکھا اور چند مرتبہ عربی۔ فارسی۔ اُردو درجہ کا امتحان لیا اور انگریزی طلبہ کی استعداد و لیاقت کی کیفیت اُور ممتحنین سے سُنی اُس زمانہ میں اس مدرسہ کی تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ رؤسا شہر اپنے لڑکوں کو مشن اسکول میں بھیجنا پسند کرتے تھے اور بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے اور بے انتظامی مدرسہ کے یہاں داخل کرانا منظور نہ کرتے تھے۔ مگر جب سے گارڈن صاحب ماسٹر مقرر ہوئے اُن کی لیاقت اور محنت و توجہ خصوصاً اُن کی خوش اخلاقی اور تہذیب کی وجہ سے صورت مدرسہ کی بدل گئی۔ طلبہ بھی بڑھ گئے۔ استعداد میں بھی اُن کی ترقی ہوئی۔ اب رئیسان شہر اپنے وارثوں کو اسی مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور یہاں کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں اور گارڈن صاحب کے شکرگزار ہیں۔ عربی درجہ میں بھی اچھی ترقی ہوئی۔ مولوی معین الدین صاحب کی برکت سے چند طالب علموں کے سر پر فضیلت کی پگڑی بھی بندھ گئی۔ بلاشبہ مولوی صاحب بڑے مفسر بڑے محدث بڑے عالم اور جامع معقول و منقول ہیں۔ دُور دُور سے لوگ اُن سے پڑھنے آتے ہیں۔ جس قدر انھوں نے محنت کی ہے اُس قدر تنخواہ نہیں پاتے جس قدر انھوں نے علوم کی تعلیم کی گو اُن علوم کی نسبت میری رائے کیسی ہی ہو اُنکی محنت اور تعلیم میں ذرا شک نہیں۔

یہ چند فقرے کہکر ڈپٹی صاحب عربی کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے

مخاطب ہو کر یہ تقریر کی۔

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علموں۔ تم ذرا میری باتوں کو غور سے سنو اور انصاف اور دانشمندی سے اُسے سوچو کہ مَیں تمہاری بھلائی کے لیئے کیا کہتا ہوں۔

اگرچہ مَیں نہایت خوش ہوں کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت دل پر اثر کرنے والے شوق سے اُس کی تحصیل کرتے ہو اور تم میں سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پا لینے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت میں یہ تعلیم ناکافی ہے اور جو نتیجہ علم کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کیئے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید میں کامل کیا۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل اوہام کو معقولات صحیحہ کی صورت میں تمہارے دل پر نقش کیا نہ اُس سے جیسا کہ چاہیئے تمہارے دین کو فایدہ ہوا۔ نہ اُس میں تمہاری عقل کو ترقی ہوئی۔ مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتیں جو خدا نے اپنے سچے رسول کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اُنکی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم اُنکی حقیقت سے واقف ہوں اور اُنکی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر ایسا اثر کرے کہ تقلید بلکہ تحقیقاً ہم اُنکو تسلیم کریں مگر جو تعلیم تم نے پائی اُس سے یہ فایدہ نہیں پہنچا یا نہ تم اُنکی حقیقت سے واقف ہوئے نہ بیوا سطہ اُس نور کی شعاعیں تمہارے دل پر پہنچیں۔ تمہاری مذہبی تحقیقات اُن لوگوں کے قولوں پر ختم ہوگئی جو مثل تمہارے غیر معصوم تھے اور جنکی رائے میں تمہاری طرح خطا و صواب دونوں کا احتمال تھا افسوس کہ تم نے اصل چشمے کا پانی نہیں پیا جو نہایت شیریں اور صاف در موتی کی طرح چمکتا ہے بلکہ اُس حوض کو اصل چشمہ خیال کیا جو بیر بضاعہ کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقاید اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قایم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسائل اور شرعی احکام کو سچی باتوں سے کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اُسی کو منزل من اللہ سمجھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کورانہ تقلید میں پڑنے سے معذور ہوتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اسپر ہے کہ تعلیم نے تمکو یہ نتیجہ دکھلایا اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ میں مذہبی تعلیم کو بُرا جانتا ہوں مَیں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں بلکہ مَیں ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دینیات میں کامل واقفیت

حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو صرف اُس کی طرز و طریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم
حاصل کرتے ہو یہ حقایق دینی کے ادراک کے لیئے اور مسایل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے
کے لیئے نہ کافی ہے بلکہ مزاحم ہے - انصاف کرو کہ کیا حاصل ہوا تمکو تعلیم سے جبکہ تمہارے
خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب
کی روشنی نہ پائی - اور کیا فرق ہوا درمیان اُن عامیوں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں
اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو تم اوروں کے پیچھے چلتے ہو - پس اُس تعلیم سے جس نے
تمکو کورانہ تقلید میں مبتلا کیا تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا ہے

مگر حقیقت میں یہ قصور تمہارا نہیں ہے - وہ سلسلہ تعلیم کا ہے جب تک کہ نئی مضبوطی
اور دانشمندی اور ایمانی قوت سے اچھی چھان بین تحقیق اُس میں اصلاح نہ کریں اور اُس کے حسن و
قبح سے بحث کر کے دوسری راہ نہ بتاویں تب تک تم سوائے اس کے کہ آنکھ بند کر کے
اُسپر چلا کیا کر سکتے ہو -

خیر مذہبی تعلیم کو چھوڑو - اب اپنے معقولی سلسلہ پر نظر کرو اور سوچو کہ تقلید نے اُسے
بھی کس ابتر حالت پر پہونچا دیا ہے اور اُس سے کیا نتیجہ تمکو حاصل ہوتا ہے - تمہارا علم معقول
چند یونانی مسئلوں کے جاننے پر منحصر ہے اور گنی ہوئی باتوں کی واقفیت پر اُس کا مدار
ہے حقیقت میں معمولی کتابوں کے چند ورقوں کا اُلٹ پلٹ کر لینا اور طوطی کی طرح اُسی
زبان سے کہدینا تمہارے علم کی انتہا ہے اور چند فلسفی باتوں کا جس کی حقیقت پر بھی
ہرگز تم نہیں پہونچتے یاد کر لینا تمہارا مبلغ علم ہے - حساب میں اگر تم نے خلاصۃ الحساب کی
ضرب نسبت سیکھ لی تم محاسب ہو گئے - شرح چغمینی کے دو جزو اگر پڑھ لیئے تو تم رشک بطلیموس
بن گئے - مجسطی کے لفظ یاد ہونے سے تم اپنے آپ کو افلاطون جاننے لگے - مگر اے
میرے عزیزو - تم اپنے بھائیوں کو جو اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پاتے ہیں دیکھو اور اُن کی
باتوں سے اپنے دقایق حقایق کو مقابلہ کرو تب تمہیں معلوم ہو کہ تم کس غلطی میں پڑے
ہو اے طالب علمو - ذرا ان لڑکوں سے عناصر کی حقیقت سنو - تب اسطقسات اربعہ کی
جاننے پر خوش ہو - ذرا طبعیات کے مسایل کا تجربہ کر کے دیکھو - تب میبذی اور صدرہ کی طبعیات
پڑھ لینے پر ناز کرو - ذرا آسمان و زمین کا کرہ جو اس وقت تمہارے سامنے رکھا ہے ہاتھ میں
اُٹھا کر اُس کی کیفیت پوچھو پھر اپنے فلکیات پڑھکر آسمان زمین کے قلابے ملاؤ افسوس

ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے سامنے ہیں اور تم اُن کی حقیقت دریافت کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے اور اُس کی غلطی و صحت پر آگاہ ہونے پر متوجہ نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ تم میں جو علوم سے فارغ ہو چکے اور جنہوں نے پگڑی فضیلت کی سر پر باندھ لی اور جنکو جناب سیدنا و اُستادنا نے معقول و منقول کی سند بھی دیدی ذرا میرے ساتھ اسٹیشن پر آؤ اور ایک انجن کو دیکھکر اُس کے چلنے کا سبب بتاؤ شاید تم ویسی ہی باتیں کرو گے جیسا وہ دہقان جو اپنا ہل بیل چھوڑ کر اُسے دیکھکر حیرت زدہ ہو اور عامیانہ باتیں کرے نہ تم اُس کی دُم سے واقف ہو گے نہ سر سے۔ پھر ذرا تار گھر کے کمرہ میں تشریف لیچلو اور اُس کہربائی قوت کی حقیقت بتاؤ۔ وہاں بھی سوائے اظہار حیرت کے آپ لوگوں سے کچھ نہ ہوگا۔ پس افسوس کا مقام ہے یا نہیں کہ تمہارے معقولات اور ہندسہ اور ہیئات اور ریاضی اور طبعیات نے تمکو ایک عامی آدمی کے درجہ سے بھی نہیں بڑھایا اور ذرا بھی کوئی مادہ تحقیق کا نہیں دیا۔ پس آپ کے علم و فضل سے کیا توقع قوم کی ترقی اور علم کی روشنی پھیلنے کی کی جاوے۔

اے ہوشیار طالب علمو۔ کیا خدا نے تمکو اَور قوموں کی طرح مادہ تحقیق کا نہیں دیا ہے یا تمہارے دل و دماغ کو اِن باتوں کے سمجھنے کے لایق نہیں بنایا۔ میرے نزدیک شاید ساری دنیا میں ہماری ہی وہ قوم ہے کہ جس کے دل و دماغ کے برابر دوسرا نہیں۔ کیا یہ وہ قوم نہیں ہے جس نے یونانیوں کے چند مسائل سیکھکر اُسے ایسی ترقی دی کہ اگر افلاطون و ارسطو زندہ ہوتے تو وہ بھی قدموں پر گرتے کیا ہم لوگ وہ نہیں ہیں جن کے اجداد نے ساری دنیا کو معقولات کی روشنی سے منور کیا۔ یورپ کا ملک کیا ہماری شاگردی پر کسی زمانہ میں فخر نہ کرتا تھا۔ کیا اب یہ بڑے بڑے محقق ہمارے اسلاف کے علم و فضل سے فیض یابی نہیں کرتے۔ پس رونے کا مقام ہے کہ ایک ایسی باہمت اور عالی دماغ اور بلند پایہ قوم ایسی پست اور ذلیل و ابتر حالت پر پہنچ جاوے کہ چاروں کے لڑکے پڑھنے کے بعد ان پر ہنسیں اور اُن کے دل و دماغ کو علوم کی تحصیل کے لایق نہ جانیں سچ ہے جو خدا نے فرمایا ہے تلک الایام نداولھا بین الناس کیسی قوم کیسی ہو جاوے۔

لیکن اس ذلت و ادبار و جہالت کا سبب صرف تمہارا تعصب و تقلید ہے کوئی

کہتا ہے کہ انگریزی پڑھنا منع ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ علوم جدیدہ سیکھنا حرام ہے۔ کوئی اس خبط میں مبتلا ہے کہ انگریزی مدرسوں میں تعلیم لینے سے مذہب جاتا رہے گا۔ کوئی اس نشہ میں سرمست ہے کہ تحقیق کرنے اور پرانے خیالات کے چھوڑنے سے خرق اجماع کا الزام ہوگا۔ اگر حقیقت میں تمہارا مذہب ایسا ہی بودا اور ناپائدار ہے اور وہ تمہارے نزدیک ایک طلسم کا کارخانہ ہے تو کب تک تم بچاؤ گے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں وہ گر جاویگا اور ان نئے منتروں سے جو یہ بچے سیکھتے جاتے ہیں وہ طلسم درہم برہم ہوجاوے گا۔ مگر ہمارے نزدیک تو وہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی بنیاد ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے کہ طوفان نوح سے بھی اُسے صدمہ نہ پہنچے گا اور علوم کی تحصیل اور حقایق اشیاء کی تحقیق سے اُس کا نور اور چمکیگا۔

اے میرے عزیزو۔ ذرا ہارون رشید اور خلفاء عباسیہ کے عہد دولت پر خیال کرو بلکہ کی علمی مجالسوں کو دیکھو کہ اُنھوں نے علم کی ترقی اور معقولات کی تحقیق میں کیا کیا کوششیں کیں اور اُنہوں نے اسی تحقیق کی بدولت اسلام کی کیسی عزت ظاہر کی۔ غزالی اور رازیؒ اور بوعلی اور فارابی او حسنؒ کیسے کیسے نامور ہوئے کہ جن کا نام اب بھی غیر قوم کا کوئی محقق بغیر تعظیم کے نہیں لیتا۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ وہ لوگ مر گئے۔ اُن کی جگہ ہم پیدا ہوئے۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ٭ تہی خمخانہا کردند و رفتند

لیکن اگر تم کہو کہ اب بھی تم اُن کی باتیں جانتے ہو اور اُنہیں کی تحقیقاتوں کو پڑھتے ہو تو یہ غلطی ہے۔ بہت سی باتوں میں فرق ہوگیا۔ بہت سی چیزیں بدل گئیں۔ تحقیقات اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئی۔ اکثر چیزوں کی غلطیاں کھل گئیں اس واسطے وہ اپنے زمانہ کے خیال کے لحاظ سے محقق تھے۔ مگر اب اُن کی تحقیقاتوں کے ماننے والے جاہل اور مقلد ٹھہریں گے دیکھو بطلیموس کیسا بڑا حکیم تھا مگر ذرا اُس کا جغرافیہ دیکھو۔ اُس نے جو پُرانی دنیا کا نقشہ کھینچا تھا اُسے ملاحظہ کرو اور اب کے جغرافیہ اور حال کی زمین کے کرہ سے ملاؤ تو کتنا فرق پاؤ گے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسے جغرافیہ کو لکھے تو وہ احمق ٹھہرے مگر سب اُس نامور حکیم کی اُس تحقیقات کو اُس کی عالی دماغی کا نتیجہ سمجھتے ہیں پس تم جو اس خیال میں مبتلا ہو کہ علم اگلوں پر تمام ہوگیا۔ ساری تحقیقاتیں پُرانے لوگ کر گئے۔ اب اُن کا

جاننا ہی منتہائے علم ہے یہ نادانی ہے۔ اس لیئے ذرا تم ان عامیانہ خیالات کو چھوڑ دو اور اپنی قوم کی جس کے ڈوبنے میں کچھ باقی نہیں دستگیری کرو نہ کہ اور اُس کے غرق کرنے کی تدبیر کرو۔

بھلا انصاف سے اس کا جواب دو کہ تم عالم بھی ہوگئے فقیہہ بھی بن گئے صدرہ شمس بازغہ پڑھ کر جامع معقول بھی مشہور ہو چکے مگر اب تم خود کیا کروگے اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد اپنی قوم کی کیا بھلائی کروگے۔ میرے نزدیک تمہارا معقول تو اس کام کا بھی نہیں کہ کسی علمی جلسہ میں بیٹھ کر بات سمجھنے کی بھی لیاقت اُس سے حاصل ہو چہ جائے کسی صنعت و ہنر کے ایجاد کرنے کی توقع ہو یا کسی نئی تحقیقات کرنے کی اُمید ہو۔ ہاں اُس کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنے مشرب کے چند نوعمر آدمی بیٹھو تو اُن کتابوں کے حواشی اور شرحوں اور زوائد لفظوں سے بحث کر کے چند ساعت اپنی عمر عزیز ضایع کرو رہا تمہارا منقول اُس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کسی مسجد میں جا کر قصہ گوئی کروگے۔ جھوٹی جھوٹی باتیں دین کی کہہ کر نہایت ذلت اور مکر کے ساتھ روٹیاں کماؤگے۔ دنیا کی بُرائی دنیا داروں سے نفرت کا وعظ کہہ کر کو نجڑے قصائیوں کے سامنے اپنا دامن پھیلاؤگے۔ شاذ و نادر ایسے لوگ نکلینگے جو سچا توکل کریں اور اپنے دل سے دنیا چھوڑ کر دیندار بنیں پس یہ نتیجہ تو تمہاری ذات کے لیئے ہوا۔ رہی قوم کی بھلائی پس علم اور حکمت اور عقل کی ترقی کی تو تم سے کچھ اُمید نہیں۔ کیونکہ وہ آلہ ہی تمہارے پاس نہیں جس سے وہ کام ہو۔ ہاں دین کی ترقی کا تم خیال کر سکتے ہو۔ مگر میرے نزدیک سوائے اس کے کہ تعصب اور جہالت اور تقلید کی ترقی ہو تمہاری ذات سے اور کچھ اُمید نہیں۔ چند جُہلا میں بیٹھ کر شیخی کی باتیں کروگے۔ اُن کے دلوں میں جو تعصب اور تقلید کی آگ ہے اُسے اور مشتعل کروگے۔ نہ اخلاق میں تہذیب۔ نہ عادات میں اصلاح۔ نہ معاشرت کے طریقوں کی درستی نہ چال چلن میں شایستگی کی تم سے توقع ہے۔ نہ غلط خیالات اور نہ بیہودہ اوہام کے دُور کرنے کی تم سے اُمید ہے کیونکہ تم نے خود ہی ایسی تعلیم نہیں پائی۔ دوسروں کو تم کیا تعلیم کروگے۔

پس اے میرے بھائیو جب تک کہ تم تعصب و تقلید نہ چھوڑوگے اور علوم جدیدہ کی تحصیل پر متوجہ نہ ہوگے تب تک تمہارا علم اور تمہارا جہل یکساں ہے۔

میں نے تمہاری بہت سامع خراشی کی اور شاید تم میں سے بعض کو نہایت غصہ دلایا۔ مگر الحق مر حق کہنے نے مجھے اس کہنے پر آمادہ کیا اگر یہ حالت تمہاری نہوتی تو مجھے ادنے درجہ کے آدمیوں کو ایسی بڑی باتوں کی زبان سے نکالنے پر کب جرات ہوتی خیر خدا رحم کرے اور ہماری قوم کے لیے بھی ترقی علم و دولت کی راہ کھولے۔

# طعام اہل کتاب

## محاکمہ مولوی سید احمد خاں کی کتاب طعام اہل کتاب اور اس کے جواب امداد الاحتساب پر

چند روز ہوئے کہ سید احمد خاں صاحب نے ایک کتاب بہ نسبت حلت طعام اہل کتاب اور جواز مواکلت اُن کی تالیف کی اور مولوی امداد العلی صاحب نے اُس کا جواب لکھا۔ مگر اب تک کسی شخص نے دونوں کتابوں کی نسبت نہ کوئی رائے ظاہر کی نہ اُنکے مضامین کی صحت و غلطی سے بحث فرمائی۔ اس لیے میں نہایت غور و تامل کے بعد اُن دونوں کتابوں کے خاص اہم مسایل کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اور جو کچھ میری ناقص سمجھ میں اُن میں غلطی و صحت ہے اُسے لکھتا ہوں۔

جس شخص نے سرسری نظر سے بھی دونوں کتابوں کو دیکھا ہے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ دونوں کتابوں کی تالیف کا اصول مختلف ہے۔ سید صاحب نے اپنی کتاب کو بلا پابندی تقلید کے لکھا ہے اور اپنے اقوال پر کتاب و سنت سے استدلال کیا ہے نہ فقہی کتابوں اور فقہا کے قولوں سے۔ اور اگر کسی مقام پر کسی فقیہہ یا عالم کا قول نقل بھی کیا ہے تو صرف واسطے اطمینان خاطر مقلدین کے اور مولوی امداد العلی صاحب نے اپنے رسالہ کو اصول تقلید پر لکھا ہے اسی واسطے اپنے جواب میں اکثر فقہاء اور علماء کے فتاوے اور فقہی روایات سے استناد فرمایا ہے اور اپنے کلام کو بہت خوبی سے بسند

اقوال علما مدلل کیا ہے ۔ مگر مَیں اپنی رائے بہ نسبت خوبی اور عمدگی اُس اصول کے ظاہر کرتا ہوں جس کا سید صاحب نے التزام کیا ہے کیونکہ میرے نزدیک تقلید نہ تحقیق حق کے لیئے کافی ہے نہ بمقابل کتاب و سنت کے کسی کا قول ماننے کے لائق ہے ۔ مگر چونکہ ہمارے بھائیوں کے نزدیک دنیا میں اب کوئی ایسا آدمی ہی نہیں ہے جو کتاب و سنت سے کسی مسئلہ کا استنباط کر سکے یا اُس کے معنی تک سمجھ سکے بلکہ مبداء فیاض کا فیض ہی اُن کے نزدیک اگلے لوگوں پر تمام ہو چکا ۔ اس لیئے اُن کے سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لیئے اگلی کتابوں اور پرانے عالموں کے اقوال جو مطابق کتاب و سنت کے ہوں نقل کرنا اور اپنے کلام کی تائید و تقویت میں اُسے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتا چنانچہ میں نے اپنے اس محاکمہ میں اسی اصول کا لحاظ کیا ہے ۔

مَیں دونوں کتابوں کے کل مسائل سے بحث نہیں کرتا بلکہ صرف انہیں باتوں سے جو نہایت ضروری اور اہم ہیں اور نہ اُن غلطیوں پر کچھ توجہ کرتا ہوں جو متعلق اُن خاص مسئلوں کے نہیں ہیں جن کی تحقیق منظور ہے کیونکہ میری غرض اس محاکمہ سے نہ مناظرہ ہے نہ مجادلہ نہ تردید کسی کی بلکہ صرف حق کا ظاہر کرنا ہے اور چونکہ ایک زمانہ ایسا مجھ پر گذرا ہے کہ مَیں سید صاحب کی تحریر پر معترض اور اُن کی تالیف کی تردید کرتا تھا اسلیئے میں اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں کہ مَیں اپنی سچی رائے کو جو اب ہے ظاہر کروں اور ایک غلط بات کی پیروی کرنے پر جہل مرکب کی بیماری میں مبتلا رہنے سے بچوں ۔

مَیں اول جواز و عدم جواز طعام اہل کتاب سے بحث کرتا ہوں پھر مواکلت سے ساتھ اہل کتاب کے بحث کروں گا ۔

سید احمد خان صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴ میں ایک حدیث ترمذی سے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت طعام نصاریٰ کے سوال کیا آپ نے فرمایا کہ لا یتخلجن فی صدرک طعام ضارعت فیہ النصرانیۃ کہ نہ خلجان میں ڈالے تیرے دل کو کوئی کھانا کیا مشابہ ہو گیا تو نصرانی لوگوں کے ۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ والعمل علی ہذا عند اہل العلم من الرخصۃ فی طعام اہل الکتاب ۔ کہ عمل ہے اس حدیث پر اہل علم کے نزدیک رخصت اور جواز میں کھانے اہل کتاب کے ۔

مولوی امداد العلی صاحب بہادر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ترمذی اگرچہ رخصت طعام اہل کتاب کی سمجھتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث میں منع ہے کھانے طعام نصاریٰ سے بسبب مشابہت کے ساتھ نصرانیت کے - پس ترجمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ ہے کہ نہ تجھے تیرے دل میں ساتھ شک کے حرمت اُس طعام کی کہ مشابہ ہوتا ہو تو اُس میں نصرانیت کے اور اپنے اس قول کی تائید میں سیوطی اور ابو الطیب کے دو قول اور مجمع البحار کی ایک عبارت نقل کی ہے -

میری رائے میں سید صاحب کی رائے صواب پر اور مولوی صاحب کی رائے غلطی پر ہے چند وجوہ سے -

**پہلی وجہ** - اگر اس حدیث سے حرمت طعام اہل کتاب ثابت ہو تو وہ مخالف نص کی ہے نص قرآنی کے جو اہل کتاب کے طعام کی حلت میں نازل ہوئی ہے یعنی آیۃ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم -

**دوسری وجہ** - چونکہ مشرکین اور بت پرستوں کا کھانا بھی حرام نہیں ہے پس اہل کتاب کے کھانے کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی حلت طعام مشرکین و اہل کتاب کی وہ اگلے لوگوں میں ایسے مشہور اور صاف تھی کہ آیت مذکورہ میں طعام کے معنی ذبیحہ کے اسی لیے لیے گئے ہیں کہ تخصیص اہل کتاب کی ثابت ہو اور کلام الٰہی کا نزول عبث اور بیفائدہ نہ ٹھہرے اگر مقلدین کو الفاظ آیت اور حدیث سے حلت میں طعام اہل کتاب کے شبہ ہو تو وہ مفسرین اور محدثین کے قولوں پر رجوع کریں اور اُن اقوال کو جو سید صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ اور ۱۴ میں نقل کیے ہیں ملاحظہ فرماویں - تاکہ طعام اہل کتاب کے حلال ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے بلکہ خود مولوی امداد العلی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶ میں جہاں آیۃ طعام الذین اوتوا الکتاب سے بحث کی ہے صاف لکھدیا ہے کہ "ہاں اس قدر البتہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طعام اہل کتاب کا کھانا اور اُن کو اپنا کھلانا جائز ہے" پس جبکہ آیت سے طعام اہل کتاب کا حلال ہونا مولوی صاحب نے قبول فرمایا تو پھر اس حدیث میں اُن سیدھے اور صاف معنوں سے جو بہ نسبت حلت اور جواز طعام کے ہیں عدول کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر ہاں شاید اس حدیث سے اُس کھانے کی حرمت مراد ہو جس سے مشابہت نصاریٰ کی پائی جاوے اور جو کھانا صرف

اُنہیں سے مخصوص ہوتا کہ مسلمان من تشبہ بقوم فھو منھم کی وعید میں داخل نہوں لیکن کیا خوب ہوتا اگر مولانا صاحب اُس طعام کی کچھ تھوڑی سی تفصیل بھی فرما دیتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ کس کھانے میں تشبہ اُن کا ہے۔ اور کس میں نہیں۔

**تیسری وجہ** - اسی حدیث کو جسے ترمذی سے سید صاحب نے نقل کیا ہے ابوداؤد نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور جس باب میں اُسے لکھا ہے اُس باب کے عنوان پر یہ تحریر کیا ہے باب کراھیۃ التقذر للطعام یعنی باب مکروہ ہونے میں گھن کرنے سے کھانے میں لیکن اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوتے جو مولوی صاحب نے فرمائے تو ابوداؤد کو یہ لکھنا مناسب ہوتا کہ باب مکروہ یا حرام ہونے میں طعام نصاریٰ کے۔

**چوتھی وجہ** - اس حدیث کو جس طرح سے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں وسأله رجل فقال ان من الطعام طعاما اتحرج منه فقال لا یتخلجن فی نفسك شئ اور اس سے حلت طعام ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب پوچھنے والے نے اپنے وسواس اور کراہیت کو بیان کیا اور اُس کے جواب میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کچھ شک نہ کر تو یہ فرمانا صاف حلت طعام پر اور منع کرنے وسواس پر دلالت کرتا ہے نہ اُس کی حرمت پر اور اگر اس سوال کے جواب میں ان لفظوں سے حرمت کے معنی مراد لیے جاویں اور نبی کے کلام مبین کی ایسی تفسیر کیجاوے تو اُس میں اور تحریف میں کیا فرق ہوگا۔

**پانچویں وجہ** - واسطے اطمینان خاطر مقلدین کے میں چند عالموں کے قولوں کو بھی نقل کرتا ہوں تاکہ اُس سے بھی حلت طعام اور منع وسواس ثابت ہو جاوے۔

مجمع البحار میں لکھا ہے۔ قوله - لا یتخلجن ای لا یتحرك فیه شئ من الشك ویروی بالحاء ای المهملة واصل الاختلاج الحرکة والاضطراب قوله ضارعت ای شابهت النصرانیة والرهبانیة فی تضیقهم وتشدیدهم وکیف وانت علی الحنیفة السهلة یعنی نہ آوے تیرے دل میں کچھ شک اور اختلاج نہ ہووے تجھے یعنی حرکت اور اضطراب کیا تو مشابہ ہوگا نصرانیوں اور رہبانیوں کے اپنے اوپر تنگی کرنے اور تشدد کرنے میں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ تو ایسے دین پر ہے جو سیدھا اور آسان ہے۔

فتح الودود میں نقلاً عن الطیبی لکھا ہے کہ جملہ ضارعت جواب شرط محذوف او ان شککت شابهت فیه الرهبانیة والجملة الشرطیة مستانفة لبیان سبب النهی والمعنی لا یدخل فی قلبك ضیق وحرج لانك علی الحنفیة السهلیة فاذا شککت وشددت علی نفسك بمثل هذا شابهت فیه الرهبانیة یعنی ضارعت جواب ہے شرط محذوف کا اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اگر تو شک کرے گا تو مشابہ ہوگا رہبانیت کے اور جملہ شرطیہ واسطے بیان سبب نہی کے ہے اور معنی یہ ہیں کہ نہ آوے تیرے دل میں کچھ تنگی اور شک کیونکہ تو ایسے دین پر ہے جو سیدھا اور آسان ہے پس اگر تو شک کرے گا اور اپنے اوپر سختی اور شدت روا رکھیگا ایسی باتوں میں تو مشابہ ہوگا تو رہبانیت کے فقط اور چونکہ نصاری میں رہبانیت جاری تھی اور رہبان حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اور اُسے نیکی اور عبادت جانتے تھے اور ہر بات میں شک و شبہ کرنے کو زہد سمجھتے تھے اور چونکہ حضرت نے اپنے دین میں ایسے تشدد اور وسواس کو منع کر دیا اس لیئے شک کرنے کو حلت میں طعام اہل کتاب کے رہبانیت سے مشابہ فرمایا۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ قولہ لا یتخلجن معناه بالمهملة لا یدخل فی قلبك فیه شی فانه مباح وبالمعجمة لا یتحرکن فی قلبك الشك۔

غرض کہ ہمارے نزدیک جواز طعام اہل کتاب میں ازروئے قرآن وحدیث کے کچھ کلام نہیں رہا۔ یہ امر کہ اہل کتاب سے وہی یہود و نصاری مراد ہیں جو اپنے تئیں ملت موسوی اور مذہب عیسوی کا معتقد کہتے ہیں یا نہیں چنانچہ سید احمد خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحے میں اسی امر کے مدعی ہیں مگر مولوی امداد العلی خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۵۵ - اور صفحہ ۴۶ میں اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس آیت میں وہ اہل کتاب ہیں کہ جن کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی اور وہ موحدین یہود و نصاری میں سے تھے۔

میرے نزدیک ثابت کرنا اس امر کا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض نصاری کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی اور وہ موحدین سے تھے اور بعض کی عادت تسمیہ کی نہ تھی اور وہ مشرکین سے تھے ایسا مشکل ہے کہ سوائے دعویٰ

ہیں کے شاید کوئی عالم اسکو ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی فرقہ نصاریٰ کا ایسا نہ تھا نہ ہے کہ جس میں تسمیہ اور غیر تسمیہ کی عادت کا وقت ذبح کے اختلاف ہو۔
یہ خیال کرنا کہ نصاریٰ بسبب اعتقاد مسئلہ تثلیث کے مشرکین میں ہیں اور اس لیئے ذبیحہ اُن کا ناجائز ہے غلطی ہے کیونکہ وہ مدعی توحید ہیں اور جو کہ مدعی توحید ہو اُس پر اطلاق شرک نہیں ہو سکتا۔ علماء حنفیہ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہدایہ کی کتاب الذبائح میں لکھا ہے ومن شرطہ ان یکون الذابح صاحب ملۃ التوحید اما اعتقاداً کالمسلم او دعوی کالکتابی۔ اور کفایہ خوارزمی میں اُس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ فانہ یدعی التوحید پس ظاہر ہوا کہ جو شخص مدعی توحید ہو مثل یہود و نصاریٰ کے اُس کا ذبیحہ ویسا ہی جائز ہے جو کہ موحد ہو اعتقاداً پھر اس کی تائید صاحب ہدایہ کے دوسرے قول سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وذبیحۃ الکتابی والمسلم حلال لما تلونا ولقولہ تعالی وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم واطلاق الکتابی ینتظم الکتابی الذمی والحربی والعربی والتغلبی لان الشرط قیام الملۃ علی ما مر اس سے ظاہر ہے کہ کتابی کا اطلاق سب اہل کتاب پر ہے خواہ وہ ذمی ہوں یا حربی عربی ہوں یا تغلبی اور اُن کا ذبیحہ جائز ہے کیونکہ قیام ملت واسطے جواز ذبح کے شرط ہے اور پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ کہ لا توکل ذبیحۃ المجوسی لانہ لا یدعی التوحید فانعدمت الملۃ اعتقادا ودعوی کہ ذبیحہ مجوسی کا کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ توحید کا دعویٰ نہیں کرتا پس ملت معدوم ہے اعتقاداً اور نیز دعویٰ۔ اور اس کی تائید عینی شرح صحیح بخاری کے قول سے بھی ہوتی ہے فقال ھذہ الآیۃ فی معرض استدلال علی جواز کل ذبائح اھل الکتاب من الیھود والنصاری من اھل العرب وغیرہ لان المراد من قولہ تعالیٰ ذبائحھم بہ قال ابن عباس و ابوامامۃ ومجاھد وسعید بن جبیر وعکرمہ وعطاء والحسن والمکحول وابراہیم النخعی والسدی ومقاتل ابن حبان وھذا امر مجمع علیہ بین العلماء ان ذبائحھم حلال للمسلمین لانھم لا یعتقدون الذبائح لغیر اللہ تعالیٰ ولا یذکرون علی ذبائحھم الا اسم اللہ وان اعتقدوا فیہ ما ھو منزہ عنہ۔ اگرچہ حلت ذبیحہ اہل کتاب میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر تسمیہ اور عدم تسمیہ پر وقت ذبح کے لحاظ کیا جاوے تو ابو داؤد کی حدیث پر رجوع کرنا چاہیئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم تسمیہ وقت ذبح کے

اہل کتاب سے متعلق نہیں ہے چنانچہ وہ حدیث ابن عباس کی ابوداؤد سے سید محمد خان
صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں نقل کی ہے۔ قال فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ
ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ فنسخ واستثنی من ذلک فقال طعام الذین
اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم یعنی یہ آیت کہ نہ کھاؤ تم اُس چیز سے کہ
جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو نسخ ہوئی اور کھانا اہل کتاب کا بموجب آیت طعام الذین
اوتوا الکتاب کے مستثنیٰ ہوگیا۔ مولوی امداد العلی صاحب بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲ میں
اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس قول ابن عباس سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ اہل کتاب
کے ذبح میں موافقت ہمارے قواعد ذبح کی شرط نہیں ہے کہ ذابح کتابی ہو یا مسلم جیسا کہ
مذہب ابن عباس کا ہے کہ متروک التسمیہ مطلقاً عمداً ہو یا سہواً اُن کے نزدیک حلال ہے
اگرچہ بعد اس کے مولوی امداد العلی صاحب نے عمداً متروک التسمیہ کی حرمت ثابت کی
ہے لیکن اس قول کو حضرت ابن عباس کے تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اس بات کو ثابت کرتے
ہیں کہ ایک جماعت عام صحابہ و تابعین کی آیۃ لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کے
منسوخ ہونے کی قایل ہے جیسا کہ تفسیر ابن الکمال میں لکھا ہے وروی عن ابی الدرداء
وعبادۃ ابن الصامت وجماعۃ من التابعین انھا منسوخۃ لقولہ تعالیٰ وطعام الذین
اوتوا الکتاب حل لکم واجازوا ذبائح اھل الکتاب وان لم یذکر اسم اللہ علیھا
ولا نسمی ذلک نسخا بل ھو تخصیص اور روایت خطابی سے شرح سنن ابوداؤد میں بذیل
حدیث حضرت عائشہ رضی کے عدم شرط ہونا تسمیہ کا ثابت ہوتا ہے کما قیل فیہ دلیل علی
ان التسمیۃ غیر شرط علی الذبیحۃ لانھا لو کانت شرطا لم تبح الذبیحۃ بالامر المشکوک
فیہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترک تسمیہ سے عمداً ہو یا سہواً حرمت ذبیحہ نہیں
ہوتی۔ وہ دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ اوّل ایک حدیث پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی
جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے المسلم یذبح علی اسم اللہ تعالیٰ سمی اولم یسم
کہ مسلمان خدا ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے خواہ اُس نے وقت ذبح کے تسمیہ کیا ہو یا نہ کیا ہو
دوسرے ترک تسمیہ کا سہواً باعث حرمت ذبیحہ نہ ہونا اسپر دلالت کرتا ہے کہ تسمیہ حلت ذبیحہ
کے لیئے شرط نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے ولان التسمیۃ لو کانت شرطا

للحل لما سقطت بعذر النسیان کالطهارة فی باب الصلوٰة ولو کانت شرطا فالملة اقیمت مقامها کما فی الناسی کہ اگر تسمیہ واسطے حلت ذبیحہ کے شرط ہوتا تو وہ شرط بعذر بھول کے ساقط نہ ہوتی جیسے کہ طهارت نماز کے لیئے ہے اور اگر تسمیہ شرط بھی ہو تو ملت اور مذہب ہی قائم مقام تسمیہ کے ہے جیسے تسمیہ کے بھولنے والے کے ذبیحہ کی نسبت سمجھا گیا ہے پس موافق قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی تسمیہ شرط ذبیحہ نہیں اور غیر مقلدین کو ہر مسئلہ میں تقلید کسی امام کی لازم نہیں پس ترک تسمیہ کو شرط ذبیحہ نہ جاننے سے زیادہ وہ اُس سے کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ یا اُن کے مقلدین کی نسبت دیا جا سکتا ہے۔

سید صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں حدیث ابو داؤد کی سند پر جو اوپر مذکور ہوئی یہ لکھا ہے کہ اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا زکوٰۃ سمجھتے ہیں تو ہم مسلمانوں کو اُسی کا کھانا درست ہے۔ اس کے جواب میں مولوی امداد علی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے صرف یہ نکلتا ہے کہ تسمیہ ذبح میں شرط نہیں ہے میرے نزدیک اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب نے بڑی غلطی کی ہے کیونکہ جو دعویٰ اُنھوں نے کیا ہے وہ اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور کتابی کا ذبیحہ بلا تسمیہ کے جائز ہونے کے سوائے اس قول سے اور کچھ نہیں نکلتا اور چونکہ منخنقہ کی حرمت صراحتہ ایک دوسری آیت محکم سے ثابت ہے اور اُسکی تخصیص یا تنسیخ کسی دوسری آیت سے نہیں ہوئی تو تعجب ہے کہ کیونکر اُنھوں نے اس روایت سے یہ خیال کیا کہ اہل کتاب کا گردن مروڑ کر مار ڈالنا بھی ذبیحہ میں داخل ہے اور جو قول ابن عربی اور معیار کا اُنھوں نے نقل کیا ہے وہ ایک عالم کی رائے[1] ہے جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ سے مخالف ہے اس لیئے ہمکو اُسپر کچھ اعتبار نہیں۔

پھر سید صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ طعام اہل کتاب میں ہمکو تفتیش اس بات کی کرنی کہ کس نے ذبح کیا اور کیونکر ذبح ہوا ہے کچھ حاجت نہیں۔ جواب اُس کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب متفرد نہیں ہیں بلکہ بعض علماء متقدمین نے بھی اُس کو حلال سمجھا ہے۔ ۱۲ مہتمم

مولوی امداد العلی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ جب نصاری ہمارے ملک کے ذبح نہیں کرتے اور کسی جانور کا گوشت ہو اور کسی کا مارا ہوا ہو کھا لیتے ہیں تو اہل اسلام کو جب اُن کے یہاں کا گوشت پکا یا کچا سامنے آوے تفتیش اُس کی بہت ضرور ہے ہمارے نزدیک اس میں بھی رائے سید احمد خاں صاحب کی خطا پر ہے۔ اُن کو سوچنا چاہیئے تھا کہ ذبیحہ مشرکین کا قطعاً حرام ہے اور اکثر مشرکین مثل چمار وغیرہ کے باورچی انگریزوں کے ہوتے ہیں اور پرند جانوروں کو وہی باورچی گردن مروڑ کر مار ڈالتے ہیں تو بغیر تفتیش کے ایسے پرند جانوروں کا کھا لینا گویا چماروں کے ہاتھ کے گردن مروڑی ہوئے جانور کا کھا لینا ہے۔ اگر حسن ظن پر خیال کیا جائے تو یہ اُس وقت ہو سکتا تھا جب کہ انگریزوں کا تعامل مسلمانوں سے ذبح کرانے یا خود ذبح کرنے کا ہوتا برتاؤ اُن کا بالکل خلاف اس کے ہے تو ایسی صورت میں کوئی وجہ حسن ظن کی نہیں۔ لیکن مجھ سے جب سید صاحب سے زبانی گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں جب جانتا ہوں کہ باورچی کسی انگریز کا ہندو ہے تو ضرور ذبیحہ کی تحقیق کر لیتا ہوں ہاں جہاں یہ معلوم ہے کہ باورچی مسلمان ہے وہاں تحقیق نہیں کرتا۔

سید احمد خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں کہ اگر کچھ بہت احتیاط ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لینا چاہیئے کہ یہ ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ مگر مولوی امداد العلی خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے قول کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اوّل تو اہل کتاب کے قول کے معتبر ہونے میں شبہ کرنا اُس وقت چاہیئے تھا جبکہ جھوٹھ بولنا اُن کی شریعت میں یا اُن کے نزدیک جائز ہوتا واذ لیس فلیس اور ظاہرا کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی کہ وہ غیر ذبیحہ کی نسبت کسی مسلم سے ذبیحہ ہونا اُس کا کہدیں۔ دوسرے فقہا کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ من ارسل اجیرالہ مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یہودی او نصرانی او مسلم وسعہ اکلہ پس مجوسی مشرک کا یہ کہدینا کہ میں نے گوشت کو یہودی یا نصرانی یا مسلم سے لیا ہے واسطے کھانے اُس گوشت کے کافی ہے۔ پس خود اہل کتاب کا قول کیونکر لایق اعتبار کے نہوگا اور نوازل میں لکھا ہے کہ سئل ابو مطیع عن نصرانی دعی رجلا الی طعام وقال اشتریت اللحم من السوق اناکلہ قول ابو مطیع سالت

بن ابی عروة عن ذالك قال كل وكذالك قال مقاتل ابن حبان اما اصحابنا فانهم
قالوا لا ناكل حتى نريه انه قد ذبح - یعنی کسی نے ابو مطیع سے پوچھا کہ اگر ایک نصرانی
کسی کی دعوت کرے اور کھانے کو بلائے اور یہ کہے کہ میں نے گوشت بازار سے مول
لیا ہے تو ہم اُسے کھاویں - ابو مطیع کہتے ہیں کہ میں نے ابی عروہ سے پوچھا انہوں نے
کھانے کی اجازت دی اور ایسا ہی کہا مقاتل ابن حبان نے لیکن ہمارے اصحاب
نے کہا ہے کہ ہم نہ کھاویں گے جب تک نہ دیکھ لیں کہ اُس نے ذبح کیا ہے پس اس
روایت سے ابو مطیع اور ابن ابی عروہ اور مقاتل بن حبان کے نزدیک نصاریٰ کے
گھر کا گوشت کھانا صرف اس کہنے پر کہ اُس نے بازار سے مول لیا ہے جائز ہے بغیر
اس کے کہ اُس کا ذبیحہ خود اُس نے کیا ہو اور مسلمان نے دیکھا ہو لیکن جب اہل کتاب
ذبح کا ہونا خود بیان کرے تو اُسکی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں -

## دوسری بحث بہ نسبت مواکلت کے

سید احمد خاں صاحب نے مواکلت کو ساتھ اہل کتاب کے جائز قرار دیا ہے اور
مولوی صاحب نے اُسے نہ صرف ممنوع اور حرام ٹھہرایا ہے بلکہ نسبت کفر کی اُس کے
مرتکب[1] کی طرف ہے اور بہت سی وجوہ حرمت کی بیان کی ہیں - مگر جتنی وجوہ حرمت
کی بیان کی گئی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ جن کا نقل کرنا اور رد کرنا بھی فضول ہے کیونکہ
اُن سے صرف مواکلت اہل کتاب کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سوائے اعلیٰ
درجہ کے متقی پرہیزگاروں کے اور سب مسلمانوں کے ساتھ کھانا کھانا بھی حرام
اور ممنوع ہوتا ہے اور اہل کتاب سے ملنا - اُن کی تعظیم کرنا اُن کی نوکری کرنا بھی
نہ صرف حرام بلکہ قریب بکفر ہوا جاتا ہے لیکن جب ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں جو
غیر متقی مسلمانوں کی صحبت سے نفرت نہیں کرتے اور مشرکین اور بت پرستوں کے
اختلاط وارتباط دوستانہ سے باز نہیں رہتے اور اُنہیں اہل کتاب کے سامنے جن کی

---

[1] مسلم ہمراہ کھانے والے نصرانی کو نصرانی کہنا جہالت کی بات ہے - اس سے بلاشبہ گنہگار ہوتا
ہے کہنے والا توبہ کرے - (فتویٰ مولوی سعد اللہ مفتی رامپوری)

مواکلت کو حرام بتاتے ہیں اُس ادب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں کہ ایک ادنے درجہ کا خانہ زاد غلام اپنے اعلےٰ مرتبہ کے آقا کے سامنے بھی اُس تذلل سے پیش نہ آوے گا اور پھر نہ صرف عوام اور جاہل اس میں مبتلا ہیں بلکہ بڑے بڑے جناب مولانا و سیدنا و قبلہ و کعبہ ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کی رضا کے خدا کی رضا سے زیادہ طالب ہیں اور خلاف مَا اَنزَلَ اللّٰہُ الیہ کے احکام صادر کرکے اُن سے ترقی دنیا کی خواہش کرتے ہیں اور پھر اُن میں سے نہ کوئی کافر ٹھہرتا ہے نہ کرسٹان تو پھر وہ شخص جو انگریزوں کے ساتھ بہ دعوی مساوات کھانا کھاوے کیونکر کافر و کرسٹان ہوگا ذٰلک ظن الّذین لا یعقلون۔

جہاں تک میں غور کرتا ہوں مولوی صاحب نے بہت مبالغہ کیا ہے اور حد سے زیادہ تشدد فرمایا ہے شاید مولوی صاحب نے جواب ترکی بہ ترکی کے مضمون پر عمل کیا ہے کہ جب سید صاحب نے انگریزوں کے کھانے کو بلا تحقیق و تفتیش جائز کردیا اور اہل کتاب کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کو بھی حلال ٹھہرا دیا تو اُس کا جواب یہی ہے کہ انگریزوں کا کھانا اور اُن کے ساتھ کھا لینا نہ صرف مکروہ اور خلاف تقویٰ ٹھہرایا جاوے بلکہ ممنوع اور حرام اور قریب بکفر کردیا جاوے ورنہ جو شخص ذرا بھی انصاف کرے گا اور اصول شریعت کو غور سے دیکھیگا وہ ہرگز نہ کہے گا کہ مسلمانوں کا مذہب کھانے پینے میں ہندوؤں کا سا ہے یا اُن کی طرح چھوت و پرہیز کا قاعدہ اُن میں بھی جاری ہے کہ کسی کے ساتھ کھا لینے یا کسی کے گھر کے کھانا کھا لینے سے دین جاتا رہتا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر مولوی صاحب اسی پر قناعت فرماتے کہ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا بغیر تحقیق و تفتیش طعام کے مکروہ اور بعد تحقیق بھی خلاف تقویٰ ہے تو بعض منصف مزاج سکوت کرجاتے مگر اُنہوں نے تو اس قدر مبالغہ کیا کہ مواکلت کو بمرتبہ شرک بالعبد و انکار نبوت بنا دیا پس سوائے اُن لوگوں کے جو رسموں میں ہندوؤں کے معتقد ہوگئے ہیں اور چھوت و پرہیز میں اُن کی طرح کفر و اسلام کا اطلاق فرمانے لگے ہیں کوئی دانشمند سمجھدار آدمی تو اس بات کو نہ مانے گا۔

ان باتوں سے قطع نظر کرکے اگر ہم عمل پر مسلمانوں کے نظر کریں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نہ اگلے زمانہ میں احتراز مواکلت سے تھا اور نہ اب اور ملک کے مسلمان محترز ہیں چنانچہ

ہم نے کتاب اغاثۃ اللہفان سے ایک روایت نقل کرکے اُسے دکھا دیا ہے کہ اصحاب نبوی نے ایک رومن کیتھلک عیسائی کی دعوت قبول کی اور اُس کے عبادت خانہ میں جاکر اُس کا کھانا کھایا اور نوازل میں جو لکھا ہوا ہے کہ سئل ابو مطیع عن نصرانی دعا رجلاً الی طعام وقال اشتریت اللحم من السوق اناکلہ قال ابو مطیع سألت بن ابی عروۃ عن ذالک قال کل وکذالک قال مقاتل ابن حبان ۔ کہ کسی نے ابو مطیع سے پوچھا کہ اگر کوئی نصرانی ہماری دعوت کرے اور کھانے پر بلاوے اور کہے کہ میں نے گوشت بازار سے مول لیا ہے تو ہم کھاویں یا نہ کھاویں تو انہوں نے ابن ابی عروہ سے پوچھا اُنہوں نے اجازت دی پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعوت قبول کرنا نصرانی کی جائز ہے اور اُس کے کہہ دینے پر کہ گوشت بازار کا خریدا ہوا ہے گوشت کا کھانا بھی درست ہے پس اگر اُن کی دعوت قبول کرنا درست نہ ہوتا تو یہی جواب کافی ہوتا کہ اُن کی دعوت کی اجابت ہے حرام اور کفر ہے نہ کہ اُن کے گھر کا پکا ہوا گوشت کھانا اور اُن کے قول کو دیانات میں معتبر جاننا ۔

سب سے زیادہ تصریح جواز مواکلت کی سیرت سلطان صلاح الدین سے ہوتی ہے جو تالیف بن عباس کی ہے اور جس میں خود اُس نے اپنی آنکھ دیکھی ہوئی باتوں کو لکھا ہے کہ اُس نے اُس کتاب میں چند مقام پر لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے عیسائی بادشاہوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اُن کی تعظیم و تکریم کی حالانکہ اُس بادشاہ کی سطوت اور صلابت مشہور ہے اور بیت المقدس کا فتح کرنا اُس کے سلام کی اب تک ایک بڑی نشانی موجود ہے میں اُس کتاب سے دو نقلیں کرتا ہوں جس کسی کو زیادہ اس سے دیکھنا منظور ہو وہ اصل کتاب کو دیکھے صفحہ ۲۰ میں اُس کتاب کے یہ لکھا ہے ۔ ولقد رأیتہ وقد دخل علیہ صاحب صیدا بالناصرۃ فاحترمہ واکرمہ و اکل معہ الطعام ومع ذالک عرض علیہ السلام فذکر لہ طرفاً من محاسنہ وحثہ علیہ یعنی میں نے خود دیکھا کہ سلطان صلاح الدین کے پاس امیر صیدا آیا تو سلطان نے اُس کا احترام اور اکرام کیا اور اُس کے ساتھ کھانا کھانا اور پھر باوجود اس کے خوبیاں اسلام کی اُس کے سامنے بیان کیں اور مسلمان ہونے پر اُسے برانگیختہ کیا اور پھر صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے کہ وصاحب الشقیق یرے منیتیق معہ علم السلامۃ

فرئ ان اصلاح حالہ معہ قد تعاین طریقاً الی سلامتہ فنزل بنفسہ وماحسبہا بہ الا وھو قایم علی باب خیمۃ السلطان فاذن لہ فدخل فاحترمہ واکرم مکان من کبار الفرنجیۃ وعقلائہا وکان یعرف بالعربیۃ فحضر بین یدي السلطان واکل معہ الطعام ۔ خلاصہ یہ ہے کہ والی شفیق جو بڑے امیروں اور دانشمندوں سے انگریزوں کے تھا سلطان کے پاس آیا تو سلطان نے اُس کی تعظیم وتکریم کی اور اُس کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا ۔ یہ حال تو اگلے لوگوں کا تھا اور اب روم کے سلطان اور اُن کے علما وفضلا کا حال ظاہر ہے کچھ پوشیدہ نہیں کہ شاہ فرانس اور ملکہ انگلستان کے مہمان ہوئے اور خوب دعوتیں لیں اور خوب کھانے کھائے اور کسی نے علما مکہ یا فقہا مدینہ میں سے اُن کے کفر وارتداد کا فتویٰ نہ دیا۔

جہاں تک میں نے سوچا اور غور کیا مجھے نفس مواکلت کے جواز میں کچھ شبہ نہیں ہی اگر اہل کتاب ہمارے یہاں آکر ہمارے ساتھ کھانا کھاویں تو یہ مواکلت بلاشبہ جائز ہے اور اگر ہم اُن کے یہاں جاویں اور اُن کے گوشت کا ذبح کیا ہوا ہونا ثابت ہوجاوے اور شراب وسُوّر نہ ہووے تو بھی اس مواکلت میں کچھ کلام نہیں اور اگر گوشت کا ذبیحہ نہ ہونا ثابت ہوجاوے تو اُس گوشت کی حرمت میں کچھ شک نہیں اور اگر شراب وسُوّر بھی اُس میز پر ہووے تو وہ شرکت اور مواکلت کراہت سے خالی نہیں اس سے زیادہ جو کوئی کچھ کہے وہ افراط وتفریط اور عناد وتعصب ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۞

## عزت

عزت ایک اچھا خیال ہے جو انسان کی خود اختیاری اچھی حالتوں کے سبب سے اُس کی بڑائی کی نسبت دل میں پیدا ہوتا ہے عام اس سے کہ وہ حالتیں علمی ہوں یا عملی ۔ قولی ہوں یا فعلی ۔ باطنی ہوں یا ظاہری ۔ لازمی ہوں یا متعدی ۔ پس جو انسان جس قدر اپنی حالتوں کو درست کرے گا اور جتنا اچھے خیالوں اچھی باتوں

اچھے کاموں۔ اچھی عادتوں سے موصوف ہوگا اتنی ہی عزت کا مستحق ہوگا۔

عزت ہی وہ شے ہے جس کے حاصل کرنے کا شوق انسان سے بڑی بڑی سخت محنتیں کرتا ہے اور اُسے بڑے بڑے رنج دیتا ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنی زندگی بڑی خوشی سے کاٹتا ہے۔ سارے رنج و غم بھول جاتا ہے۔ انسان مر جاتا ہے اُس کی ہڈیاں خاک ہو جاتی ہیں۔ اُس کی خاک کا نشان بھی نہیں ملتا پر اُس کی عزت نہ مرتی ہے نہ خاک ہوتی ہے۔ ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے اور درحقیقت موت کی گمنامی سے محفوظ رکھ کر انسان کو زندہ جاوید رکھتی ہے۔

عزت درحقیقت ایک نتیجہ اچھے کمالات کا اور ایک شاہد عمدہ صفات کا ہے اس لیے جب تک کوئی کسی کمال سے مکمل اور کسی صفت سے موصوف نہ ہو وہ عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو اچھے کمال کا جامع اور اچھی صفت سے متصف ہو وہ عزت کے استحقاق سے محروم نہیں رہتا۔

انسان کے اچھے خیال۔ اچھی باتیں۔ اچھے کام عزت کو ایسا کھینچ لیتے ہیں جیسا کہ مقناطیس لوہے کو۔ اگرچہ نیک انسان تو وہ کسی سے اپنی بزرگی و عزت کا طالب نہیں ہوتا۔ مگر لوگ خود بخود اُس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ کسی سے اپنی تعریف نہیں چاہتا مگر سب اُسکی صفت خود کرتے ہیں کیونکہ انسان کی اچھی حالتوں کا یہ قدرتی خاصہ اور ذاتی تاثیر ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ جو شخص اچھے خیال رکھتا ہے اچھی صفات کا جامع ہوتا ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اپنی آپ عزت کرتا ہے۔ وہ مغرور تو نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو سچی عظمت میں جانتا ہے۔ وہ کمینہ آدمی کی طرح جھوٹی شیخی تو نہیں رکھتا مگر ممدوح خودداری کا خیال رکھتا ہے۔ اُس کا دل اُس سچی عزت اور ممدوح خودداری کے سبب سے ایک پُر رعب شاہنشاہ کی مانند ہوتا ہے جسے اپنی شاہنشاہی پر خود ناز ہو اسی واسطے وہ مخالفوں کے ذلیل کیے سے اپنے آپ کو ذلیل نہیں جانتا وہ دشمنوں کے حقیر کہہ دینے سے اپنی حقارت نہیں سمجھتا۔ اُس کا دل ایک سچے آبدار موتی کے موافق جوہری کا طالب تو ہوتا ہے مگر جھوٹے موتی کی جھوٹی چمک دکھانے سے اپنی بے آبروئی نہیں سمجھتا۔ وہ لعل بدخشانی کی طرح سلطانی تاج کی خواہش تو رکھتا ہے مگر کسی نادان مفلس کے پھینک دینے سے اپنی بے قدری نہیں جانتا۔ درحقیقت

سچی عزت ایک قدرتی چشمہ کے موافق ہوتی ہے جسے کوئی خس و خاشاک روک نہیں سکتا اور ایک روشن آفتاب کی مانند ہوتی ہے جس کی نورانی شعاعوں کو کوئی شپرہ چشم بند نہیں کرسکتا۔

جو شخص کسی قوم میں ایسی عزت کا مستحق ہو وہ درحقیقت اُس قوم کا سہیل ہے جو اپنی قوم کے دلوں کو اپنے روشن خیالات کی برکت سے ساری غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک صاف کرکے ادیم یمنی کی طرح معطر اور منور کردیتا ہے یا وہ نسیم بہاری کی خاصیت رکھتا ہے کہ اپنے نرم و لطیف روح افزا جھونکوں سے اپنے ملک کو باغ ارم بنا دیتا ہے۔ جس قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ہو وہ خاروں کا ایک گلدستہ ہے جس میں کوئی پھول نہ ہو یا ریت کا ایک چٹیل میدان ہے جس میں کوئی بارور یا سایہ دار درخت نہ ہو۔

عزت کی خوبی جو کچھ ہم بیان کریں وہ کم ہے۔ لیکن جبکہ وہ موقوف ہے انسان کی اچھی حالتوں پر تو ہمکو اچھائی برائی کی تحقیق کے اصول بھی بیان کرنا ضرور ہے تاکہ ہم اصلی عزت کا ادراک کرسکیں۔ ورنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے خیال بعضے کام کسی ایک قوم یا کسی ایک فرقہ یا کسی ایک شخص کے نزدیک اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ عزت کے سبب تصور کیے جاتے ہیں اور وہی خیال وہی کام دوسری قوم یا دوسرے فرقہ یا دوسرے شخص کے نزدیک بُرے سمجھے جاتے ہیں اور ذلت کے باعث ہوتے ہیں تو اگر اچھائی بُرائی کی تحقیق کے اصول اور اُن کے اختلافات ظاہر نہ کیے جاویں تو اصلی عزت کی تنقیح بھی مشکل ہوجاوے۔

اچھائی بُرائی کی تحقیق کے لیے بظاہر تین اصول ہیں۔ ایک عقل۔ دوسرا شرع تیسرا عرف عام۔ مگر درحقیقت اصل اصول ایک ہی ہے۔ یعنی عقل اور شرع اگر سچی ہو تو وہ اچھائی برائی کی ظاہر کردینے والی ہے اور عقل اُس کی ثابت کردینے والی۔ دونوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور عرف عام جسے رسم و رواج کہتے ہیں وہ فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے مگر ہم تینوں سے کچھ کچھ بحث کرتے ہیں۔

اکثر مذہبی لوگ دعوی کرتے ہیں کہ عقل سے اچھائی برائی کی تنقیح نہیں ہوسکتی نہ وہ مذہب کی بتائی ہوئی اچھائی برائی کی حقیقت دریافت کرسکتی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ

اُن کی سمجھ کی غلطی ہے اور یہ قول اُن کا عقل اور مذہب دونوں سے باطل ہوتا ہے کیونکہ مذاہب مختلفہ میں سے ایک سچے مذہب کا تحقیق کرنا اور پھر سچے مذہب کی سچی باتوں کو جھوٹی اور ملائی ہوئی لوگوں کی باتوں سے جُدا کرنا عقل ہی کا کام ہے ورنہ ہر مذہب کی حقیقت اور مذہب کی ہر سچی جھوٹی بات کی تصدیق لازم ہو جیسے سوائے نادان کے کوئی نہ مانے گا۔ پھر سچے مذہب کی خوبیوں کے دریافت کرنے کا عقل ہی ایک کامل ذریعہ ہے اور مذہب نے بھی عقل ہی سے کام لینے پر ہدایت کی ہے افلا تعقلون اور افلا تتذکرون کا خطاب عقل ہی کے سبب سے ہے۔ انھم لا یعقلون شیئا اور اولئک کالانعام کی جھڑکیاں عقل سے کام نہ لینے ہی کے باعث سے ہیں پس جو لوگ بھلائی برائی کی تحقیق یا اس کی تسلیم سے عقل کو عاجز جانتے ہیں وہ حقیقت وہ انسان کی اُس قوت سے منکر ہیں جو خدا نے اُسے بھلائی برائی کے سمجھنے کے واسطے دی ہے اُن کے نزدیک حیوان اور انسان میں کچھ فرق نہیں حقیقت میں ایسے لوگ نادان ہیں۔

جو لوگ عقل کو حسن و قبح اشیاء کی تحقیق سے معطل جانتے ہیں اُن کو وہ اختلاف جو مذہبی باتوں اور عقلی تحقیقاتوں میں ہے اس خیال پر داعی ہوا ہے مگر اُن سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک تو انھوں نے شخصی اور جزئی عقل کو پیش نظر رکھا اور عقل انسانی اور عقل کلی کو چھوڑ دیا۔ دوسرے ظاہری اختلافات شرع اور عقل کو اپنی عقل کے نقصان کے سبب سے دور نہ کر سکے اور تحقیق اور تسلیم میں جو فرق بین ہے اُس سے بھی واقف نہ ہوئے ورنہ وہ ایسے غلط خیال میں نہ پھنستے اس لیئے اب ہم اُن کو بتاتے ہیں کہ ہماری مراد عقل سے عقل شخصی نہیں ہے بلکہ عقل انسانی ہے جو لوگوں کے تجربہ اور تحقیقات اور علم سے کامل ہو جاتی ہے اور ساری غلطیوں کو دُور کر دیتی ہے اور آخر سچی بات کو ایسا تحقیق کر دیتی ہے کہ کوئی اُس سے انکار نہیں کر سکتا۔

پھر مذہب کی اچھی باتوں کو گو اول عقل ظاہر نہ کر سکے مگر بعد ظاہر ہو جانے کے اُسکی اچھائی کو تسلیم کر سکتی ہے۔ اگر تسلیم کی استعداد بھی اُس میں نہ ہو تو ہمارے نزدیک تکلیف شرعی عبث اور عذاب و ثواب فضول ہو جاوے اور انسان کو ایمان کی تکلیف ایسی ہو جیسی کسی جانور کو صنعت اور حکمت کی تکلیف دینا۔ معاذ اللہ کہ خدا ایسی تکلیف دے۔

خود کسی بات کو تحقیق کرنے اور اُس کے تسلیم کرنے میں بڑا فرق ہے جسے ہم ایک ظاہری مثال سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً خیال کرو کہ اقلیدس نامی ایک دانا حکیم تھا اُس نے چند شکلوں کو ایجاد کیا اور اُس ترتیب اور مناسبت سے تحریر کیا کہ جس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں اور اُن خطوط و نقوش میں اُن باتوں کا لحاظ رکھا کہ تمام انجنیری کاموں کا مدار اُسی پر ہے۔ تو اب خیال کرو کہ اُسکی تحقیق اور ہماری اُسکی صحت اور خوبی کی تسلیم میں فرق ہے یا نہیں۔ درحقیقت بڑا فرق ہے گو ہر شخص بلکہ لاکھوں میں سے دس بیس بھی اُس کی سچی ایجاد و ترتیب کی نسبت یاد نہیں رکھتے مگر اُسکی صحت اور اچھائی کی تسلیم کی عقل سب کو ہے پس نادان ہے وہ جو ایسی تسلیم کرنے والی عقل سے منکر ہو۔

الحاصل ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سچے مذہب نے ہمکو وہی باتیں بتائی ہیں جو فی نفسہ اچھی ہیں۔ اچھے خیال ہمکو سکھائے۔ اچھی باتیں ہمکو بتائیں۔ اچھے کام کی ہمکو تاکید کی۔ اور چونکہ ہماری عقل کو ان کی اچھائی کے تسلیم کرنیکی استعداد اور اُسکی سمجھ کی قوت ہے۔ پس ہم اُسکی اچھائی کو جیسے مذہب نے ظاہر کیا اپنی عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اُسی طرح جیسے کہ اقلیدس کی کھینچی ہوئی شکلوں کی اپنی عقل سے تصدیق کر سکتے ہیں پھر ہماری عقل مذہب کی ظاہری باتوں اور ظاہری لفظوں سے اپنے خیالات کی اصلی اچھائی و صفائی اُسی طرح پر ثابت کرتی ہے جس طرح کہ ہم اقلیدس کی لکیروں اور شکلوں سے بڑے بڑے کام انجنیری اور ریاضی کے اپنی سمجھ بوجھ کے کام میں لانے سے لے سکتے ہیں۔ پس ہم اگر مذہب کی سادی باتوں کو یاد کر لیں اور اپنے خیال میں رکھ لیں پر عقل سے اُس کی حقیقت کا ادراک نہ کریں تو ہماری مثال بعینہ ایسی ہوگی جیسے کہ ہم تحریر اقلیدس کے سارے خطوط و نقوش کو یاد کر لیں پر اُسکا مطلب سمجھ کر اُس سے کچھ کام نہ لیں اور اس بات کی تحقیق نہ کریں کہ اس شکل و خط کے کھینچنے والے کا اصلی مقصود ان لکیروں میں کیا تھا۔

ہم اس بحث کو اس وقت نہیں بڑھاتے اور ان دونوں اصول کی موافقت پر زیادہ دلیل نہیں لاتے کیونکہ اس وقت ہمارا مقصود دوسرا ہے اس لئے ہم اپنے اصلی مطلب پر رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کسی نے اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی اچھائی

عقل سے ثابت کرلی تو وہ ضرور عزت کا مستحق ہوگا گو کہ جب تک اَوروں پر اُس کی اچھائی ثابت نہ ہو وہ اُس کی عزت نہ کریں گے لیکن آخر ایک روز اُس کی عزت ہوگی کیونکہ کوئی سچی بات جب ایک مرتبہ ظاہر ہو جاوے رُک نہیں سکتی کسی نہ کسی دن ظاہر ہوتی ہے۔

بہت سے حکیم فلسفی دانا آدمی گذرے جنھوں نے بہت اچھی باتیں ایجاد کیں اُن کے خیالات۔ اُن کے کام اچھے ہوئے۔ مگر مدت تک بجائے عزت کے لوگوں نے اُن کی حقارت کی اور اُن کو ذلیل جانا۔ اور اُن سے بمخالفت پیش آئے مگر اُس سچی عزت نے جس کا خیال خود اُن کے دل میں تھا اُن کی خود عزت کی اور اُنھوں نے کسی دن آپ کو ذلیل نہ جانا۔ پر آخر جب اُن کے خیالات اور اعمال کی اچھائی ظاہر ہوئی تو مخالفوں نے اُن کی عزت کی اور اپنے آپ ہی کو حقیر جانا اور اپنی مخالفت پر نادم ہوئے پس جس بات کی سچائی اور اچھائی عقل سے ثابت ہو جاوے اُس کا حاصل کرنے والا سچی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

اَب ہم دوسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی شرع سے مذہبی باتوں کی اچھائی ثابت کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو جھوٹے مذہبوں میں سے ایک سچے مذہب کی اچھائی پر یقین کرنا۔ دوسرے جو سچا مذہب مان لیا جاوے اُس کی اصلی اور سچی باتوں کو تحقیق کرنا۔ بغیر اس کے کوئی انسان مذہبی عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

مَیں بہ نسبت اپنے مذہب اسلام کے جس کی سچائی اور اچھائی پر مجھے یقین ہے دوسرے امر سے کچھ مختصر بحث کرتا ہوں کہ اَب ہمارے زمانہ میں مذہبی عزت کا استحقاق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

اس پر تو غالباً سب مسلمان متفق ہوں گے کہ مذہب موجودہ آمیزش سے غلط خیالات اور بے اصل باتوں سے خالی نہیں ہے۔ اور جیسا اُس کے بانی نے ہمکو بتایا تھا ویسا ہی پاک صاف نہیں ہے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن تحقیق کے اصول شاید مختلف ہیں۔ ہمارے ہمذہب کہتے ہیں کہ جو باتیں اب تک مذہب کے لوگوں نے بتائیں اور جیسا خیال خلفاً عن سلفٍ چلا آیا۔ اور جن کاموں کو مشہور مذہبی لوگ کرتے آئے

اُن کی تقلید ہی اصلی مذہب کی اچھائی کے ثبوت کے لیئے کافی ہے اس واسطے وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو ویسے ہی خیال رکھتے ہوں۔ ویسے ہی کام کرتے ہوں۔ اور جو لوگ اُسکے مخالف ہوں وہ ازروئے مذہب کے ذلت کے مستحق ہیں چنانچہ اسی خیال سے لوگ اُن کی ذلت کرتے ہیں جوکہ اس اصول کو نہیں مانتے اور اپنے مذہبی خیال اور مذہبی چال میں اُن سے موافقت نہیں رکھتے۔ ہمارے نزدیک وہ اس خیال میں معذور ہیں اور تا وقتیکہ وہ اپنی غلطی خیال کے قائل نہ ہوں ایسی تحقیر و تذلیل میں لایق عفو ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ سمجھ اُن کی صحیح نہیں ہے کیونکہ سچے مذہب کی سچائی صرف اُسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے کہ سوائے بانی مذہب کے دوسرے کا قول یا عمل مثل بانی مذہب کے نہ مانا جاوے اور کوئی مثل اُس کے معصوم نہ تسلیم کیا جاوے کیونکہ جب ایسا ہوتا ہے تو اصل مذہب کی اصلی باتوں کو آدمی بھول جاتا ہے اور آہستہ آہستہ مذہب اُدھر کا اُدھر بلکہ اندھے کی ٹیڑھی لکیر ہو جاتا ہے یہ ہم نہیں کہتے کہ مذہب کے جاننے والے یا اُس کے سچے طور پر ماننے والے نہیں ہوئے یا اُن کی باتوں سے ہمکو فایدہ نہیں پہنچا۔ ہم بڑے ہی نامنصف اور ناشکر ہوں بلکہ نادان جو ایسا خیال کریں لیکن ہمکو اپنے مذہب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا اور اُسی پر اپنی نظر اپنا خیال جمانا چاہیئے اور لوگوں کی تحقیقاتوں سے صرف استفادہ کرنا چاہیئے نہ کہ اُس کا کامل اتباع اور پوری تقلید کیونکہ جب ہم ایسا کریں گے تو وہ صاف نورانی شعاعیں مذہب کی ہمارے دل پر نہ پڑیں گی جن کو مذہب نے ساری دنیا کے روشن کرنے کے لیئے ظاہر کیا ہے اور ہمارے خیال لوگوں کے حجاب اور پردہ کی آڑ سے تاریکی میں پڑ جاویں گے کیونکہ سب مذہبوں میں ایسا ہی ہوا ہے اور اُسکی نشانیاں ہمارے مذہب میں بھی موجود ہیں۔

پس ہمارے نزدیک مذہب بھی اُسی کی عزت کرے گا جو کہ مذہب کی عزت کرے اور مذہب کی عزت یہ ہے کہ وہ اپنی سچائی پر قایم رہے اس لیئے ہمارے نزدیک وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو کہ مذہب کی سچائی ظاہر کرنے اور اُسکی اچھائی ثابت کرنے پر مستعد ہوں اور جن کے مذہبی خیالات لوگوں کی پیروی سے جن کے مذہبی اعمال عامیوں کے چال چلن کی کثافتوں سے پاک و صاف ہوں۔

جو لوگ مذہب کی جھوٹی باتوں کو مذہب سمجھتے ہیں اور اُن مذہب کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں اور غلطی سے اپنے آپ کو مذہبی عزت کا مستحق جانتے ہیں حقیقت میں وہ جھوٹی عزت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی عزت اُسی قدر ہو سکتی ہے جتنی کہ قلب زر اندود سکہ کی کہ سوائے نام اور شکل کے سچائی سے خالی اور عیار و محک سے ہمیشہ خائف ہے۔ مگر جو لوگ مذہب کو مذہب کے طور پر اُس کے بانی کی مرضی کے موافق مانتے ہیں اُن کی عزت ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسے کہ سونے کے ایک خالص ٹکڑہ کی جسے نہ نام و شکل پر دعویٰ سچائی کا ہے بلکہ اپنی ذات اور اپنی سچائی پر وہ ہمیشہ عیار و محک کا طالب ہوتا ہے وہ اپنی صفائی کے امتحان کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض ایسے مذہبی عزت کے مستحق گذرے ہیں مگر جھوٹی عزت رکھنے والوں نے اُن کی بڑی تحقیر کی اور بجائے عزت کرنے کے اُن کو ذلیل جانا مگر آخر اُن کی سچی عزت ظاہر ہوئی اور وہ اپنے استحقاق سے محروم نہ رہے۔

اب ہم تیسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی عرف عام سے جتنا کہ یہ اصول بے بنیاد و باطل ہے اور اچھائی بُرائی کی تحقیق کا مزاحم ہے ویسا ہی وہ نہایت جاری اور مروج ہے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو وُہی عیار امتحان ہے۔

ہمارے ہمذہب رسم و رواج ہی کو شرع اور عقل سمجھتے ہیں اور اُسی کی موافقت اور مخالفت کو اچھائی بُرائی جانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک وُہی شخص عزت کا مستحق ہے جو کہ اُن اچھی باتوں پر چلتا ہو جسے سب لوگ اچھا جانتے ہوں گو وہ عقل کے مخالف ہوں۔ یا مذہب کے۔

ہمارے ہمقوم بڑی ہی ذلت اور حقارت کی نظر سے اُسے دیکھتے ہیں جو کہ رسم کا پابند نہ ہو گو وہ کیسا ہی عقیل اور مذہب کا پابند ہو اُن کے نزدیک رسم کی مخالفت ہی ایک بُرا خیال ہے جس کے سبب سے انسان بڑی تحقیر اور ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوتیں اُن کی بُرائی بھلائی تحقیق کر کے اُن پر عامل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا اُن کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پر افسوس ہے کہ وحشیانہ تمدن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اُس کا لحاظ نہ کرایا

اور اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اس کی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے اُمید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پا دیں اور اُن کی سچی عزت اُن کے مخالفوں کے دل میں ایسی سما جاوے جیسے کہ روشنی ایک تاریک گھر میں جبکہ اُس کا بند دروازہ توڑ دیا جاوے۔

# موجودہ تعلیم و تربیت کی شبیہہ

ایک روز خیال نے مجھے عالم مثال تک پہونچایا اور اُس طلسم کدہ کو جہاں سب چیزوں کی شبیہہ اور تمام حالتوں کی تصویر مصور قدرت نے کھینچ رکھی ہے دکھایا درحقیقت اُسے میں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ سنا کرتا تھا بلاشبہ وہ ہماری حالتوں کا آئینہ اور ہمارے خیالوں کی تصویر کا مرقع ہے۔

جب میں اُس طلسم خانہ کے مغرب جانب پہنچا تو ایک چار دیواری دیکھی جو میرے خیال سے بھی زیادہ بلند اور میرے حوصلہ سے بھی زیادہ وسیع اور میری ہمت سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ قدرت نے ایسا سنہرا رنگ دیا تھا کہ جب سورج کی کرن اُس پر پڑتی تو وہ دیوار زرنگار کندن کی طرح ایسی چمکتی جس سے آنکھوں کو چکا چوند ہو جاتا۔ اُس دیوار کے چاروں طرف پھیرا پھرا میں نے دروازہ نہ پایا مگر ایک جگہ ایک بڑی نہر دیکھی جو دیوار کے نیچے سے اندر جاتی ہے اور ایک بلندی پر چشمہ دیکھا جس سے نہر میں پانی گرتا ہے۔

میں نے وہاں ایک رفیق پایا جس کا نام خرد تھا اُس سے حقیقت اُس کی پوچھی تو اُس نے کہا کہ اس کے اندر ایک ایسا پُر فضا باغ ہے جسے جنت عدن بھی دیکھے تو شرمندہ ہو اور یہ نہر اُسی کے شاداب کرنے کے لیے بنائی گئی ہے تب تو مجھے اندر جانے کا شوق ہوا اپنے رہنما سے دروازہ کا نشان پوچھا اور میں نے اُسکی کامل

اطاعت اور بڑی تابعداری کی۔ تب اُس نے پانچ برس کے بعد دروازہ بتایا میں اُس دروازہ کی محراب کی بلندی اور اُس کے طاق اور کنگرہ کی خوبی کیا بیان کروں۔ میں جاتے ہی بیتابانہ دوڑنے لگا اور باغ کی سیر سے سیر ہونا چاہا۔ میری اس بوالہوسی پر میرا رہنما ہنسا اور کہا کہ اے نادان دروازہ تو پانچ برس کی محنت کے بعد پایا۔ اس باغ کی سیر ایسی کیا آسان ہے جس کا ایک کنارہ ازل اور دوسری حد لحد ہے۔

خیر میں نے ہوس کو روکا اور جس چال سے خرد نے چلایا چلا۔ کئی برس کے بعد چند کیاریاں اُس باغ کی دیکھ پائیں۔ مگر اُن کی خوبی اور لطافت میرے بیان سے باہر ہے۔ ہر چمن قدرت کا کارخانہ اور صنعت کا تماشہ تھا۔ اُس باغ کے سبزہ کا مستانہ جھومنا۔ قمری کی آواز۔ بلبلوں کا پھولوں پر گرنا۔ پھولوں کا کھلنا۔ کلیوں کا چٹکنا۔ نرگس کی نظر بازی۔ شمشاد کی سروقدی نے مجھے ایسا مست کر دیا کہ اپنے ہوش و حواس میں نہ رہا۔

میں چندے اُس باغ میں رہا۔ پر مجھکو اپنی صورت کا کوئی رفیق نہ ملا۔ جس سے دل بہلاتا اور اُس باغ کی بہار لوٹتا۔ آخر اپنی تنہائی سے گھبرایا اور باہر نکلا کہ کوئی مجھ سا ملے تو یہاں لاؤں اور اپنا دل خوش کروں۔

میں اُس باغ میں سے نکل کر برسوں اسی تلاش میں پھرا لیکن کوئی نہ ملا۔ آخر بعد چند سال کے مشرق کی طرف مجھے ایک چار دیواری نظر پڑی جس کی صورت بھی ویسی ہی تھی اور نہر بھی ویسی ہی اور چشمہ بھی ویسا ہی تھا جہاں سے میں نکلا تھا مگر دروازہ کھلا ہوا۔ دیوار شکستہ۔ اور کچھ نئی قسم کے آدمی آتے جاتے نظر آئے۔ میں نے اپنے رہنما سے پوچھا کہ یہ تو وہی باغ ہے۔ مگر کیا سبب کہ نہ دیوار کی وہ خوبی و خوش نمائی ہے نہ دروازہ کی وہ رفعت و شان ہے۔ چشمہ بھی میلا نظر آتا ہے۔ پانی کی بھی صورت بدلی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ وہ باغ نہیں ہے دوسرا ہے مگر پہلے اُسی باغ کی طرح آراستہ تھا۔ خزاں کی ہوا نے اُسکو سوکھا دیا اور زمانہ کے انقلاب نے پامال کر دیا۔

جب میں باغ کے اندر گیا تو چمن کے نشان کچھ نظر آئے۔ مگر نہ وہ صفائی نہ وہ خوبی

نہریں بھی کچھ بہتی معلوم ہوئیں۔ مگر نہ پانی کی وہ لطافت نہ وہ شیرینی۔ پھول جتنے تھے سب کملائے ہوئے۔ میوے جس قدر تھے وہ سوکھے پڑے ہوئے۔ سبزہ کے زمردین رنگ پہ سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ گلوں کی سُرخی پر زردی آگئی تھی۔ نسیم کے بدلے صرصر کی تندی پریشان کرتی تھی۔ بلبلوں کی جگہ زاغ وزغن کا شور ہو رہا تھا۔ نرگس اپنی پھوٹی آنکھ سے حیرت کی نگاہ کر رہی تھی۔ حوض کی آنکھ اپنی خشکی پر رو رہی تھی۔

مَیں باغ میں پھرتے پھرتے نہر کے کنارے پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند خوبصورت خوش شکل ماہرو نوجوان آئے اور اُس نہر میں پانی پینے اور غوطہ لگانے لگے جب وہ نہا دھو کر اُس سے نکلے تو اُن کے چہرہ بدلے ہوئے نظر آئے نہ وہ شکل و شمائل تھی نہ وہ نزاکت و نرمی۔ اور ہر ایک کے دو دو سینگ نکل آئے تھے۔ وہ نہر سے نکلتے ہی ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور سینگ سے سینگ لڑانے لگے۔ یہاں تک لڑے کہ کسی کا سینگ ٹوٹا۔ کسی کا چہرہ بگڑا۔ کسی کا غصہ سے چہرہ لال ہوا۔ کسی کا کف موںھ سے اُڑ کر مونچھ تک پہونچا۔ کسی کی گردن کی رگیں مارے غصہ کے تن گئیں۔ کسی کے موںھ سے آواز غضب کے سبب نہ نکلی۔ اسی طرح وہ وحشیانہ لڑائی لڑتے ہوئے ایک عالی شان مکان کی طرف چلے۔ مَیں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک نصف وحشی نصف انسان جس کا چہرہ آدمی کا دُم طاؤس کی۔ موںھ چڑیا کا۔ پیٹ بیل کا۔ چال لوکھڑی کی۔ ایک رنگین سمور کی کھال اوڑھے ہوئے کبوتر کی طرح غٹرغوں غٹرغوں کر رہا ہے۔ جب وہ سب نوجوان اُسکے پاس پہونچے تو اُس کے آگے گر پڑے۔ اُس نے ایک کریہہ ہولناک آواز سے اُن کو پکارا اور آپس کے جھگڑے کا حال پوچھا۔ اُن لوگوں نے کچھ ایسی بولی میں اُسے جواب دیا کہ میں نہ سمجھا۔ مگر یہ دیکھا کہ اُس وحشی آدمی نے کچھ خوش ہو کر کسی کا موںھ چوما کسی کو پیار کیا اور کسی کو مرحبا کہا۔

مَیں اس معاملہ کو دیکھکر حیران ہوا اور پناہ مانگتا باہر نکلا اور اپنے رہنما سے اس اسرار کی خبر پوچھی۔ اُس نے کہا کہ اس نہر کے پانی کی ایسی ہی تاثیر ہے کہ سب ایسی شکل کے ہو جاتے ہیں جیسا کہ وہ نصف وحشی نصف انسان تم نے دیکھا ہے۔ یہ نوجوان نازک ماہرو لڑکے بھی جب زیادہ پانی پینے لگے تب خوب اچھے نہر میں نہانے لگے۔

ایسے ہی ہو جاویں گے - اور جو کچھ لڑائی تم نے دیکھی یہ لڑائی نہ تھی بلکہ اُن کا علمی مباحثہ تھا۔ جس کے نقطہ بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے -

جب میں نے اس تاثیر کا سبب پوچھا تو رہنا مجھے چشمہ کے کنارہ پر لے گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دہانہ پر چشمہ کے دو چشمہ آکر ملے ہیں - ایک تو سیدھا چلا گیا ہے جو کہ نہایت صاف اور پاک اور خوشگوار ہے - دوسرا خم و پیچ سے گیا ہے - جس میں جا بجا نالے ندیاں ملتی گئی ہیں جو کہ سب کثیف و رمیلے اور ناپاک ہیں - مگر پہلے چشمہ کے دہانہ پر ایک پتھر کی چٹان آگئی ہے جس سے صاف پانی نہیں آسکتا - مگر دوسرا چشمہ کھلا ہوا ہے - اُسی کا میلا بدبودار زہریلا پانی گرتا ہے اور وہی باغ میں جاتا ہے جسکی تاثیر سے آدمی مسخ ہو جاتے ہیں -

جب میں نے اُن چشموں کا حال پوچھا تو خرد نے تحقیق نامی رفیق کو میرے ساتھ کر دیا - اُس کے ساتھ میں اُن دونوں چشموں کی حقیقت دریافت کرنے کو چلا مدت بعد سب حال دریافت کرکے اس فکر میں پڑا کہ اس پتھر کی چٹان کا حال کسی سے پوچھوں تب تاریخ نامی ایک روشن ضمیر ملا - اُس نے کہا کہ ہزار برس ہوتے ہیں - تب میں اس باغ میں آیا تھا - نہایت تر و تازہ اور سبز و شاداب تھا - جیسا وہ باغ جو تم نے اول دیکھا ہے اس باغ کی نہروں میں صاف چشمہ کا پانی آتا تھا اور گدلے چشمہ پر پتھر رکھا ہوا تھا - مگر سر کتے سر کتے اب وہ صاف چشمہ پر آگیا ہے -

تب تو میں نے خیال کیا کہ اس پتھر کو ہٹا دوں - چنانچہ میں ہمت کو ساتھ لیکر چلا - مگر چند خونخوار وحشی درندوں نے مجھ پر حملہ کیا اور پتھر سرکانے پر مجھے موت کا خوف دلایا - میں جان بچا کر ہٹا لیکن میرے رہنما نے کہا کہ اَور بھی تیری طرح اس پتھر پر آئے مگر ان کے خوف سے بھاگ گئے - میں تجھے ایک مشعل دیتا ہوں جس کی روشنی سے یہ اندھے ہو کر بھاگ جاویں گے چنانچہ بصیرت کی مشعل اُس نے مجھے دی - درحقیقت جب میں وہاں مشعل کو لیکر پہونچا تو کوئی میرے پاس نہ آیا آخر میں بفراغت پتھر سرکانے لگا - پر وہ ایک مجھ سے کب سرکتا تھا - میں تھک کر بیٹھ رہا - کہ ہمدردی نامی واعظ میرے سامنے آیا اور کہا کہ مجھے اجازت دو تو کچھ مدد کرنے والے لے آؤں - میں نے خوش ہو کر اُس کا شکر کیا اور بڑے زور شور سے

اُسے اپنی ہی سی صورت وشکل والوں پاس بھیجا۔ پر افسوس کہ بہت کم لوگوں نے
اُس کی بات سُنی۔ جو لوگ اُس نہر کا پانی پی چکے تھے وہ تو مارنے دوڑے اور جو لوگ
ابھی اُس سے بچے ہوئے تھے اُن کے کان بہرے تھے اُنہوں نے کچھ نہ سُنی
آخر وہ باحسرت ویاس واپس آیا۔ اس کے لوٹنے کے بعد میں نے چاہا کہ اس خیال کو
چھوڑ دوں اور یہ پتھر جیسا رکھا ہے ویسا ہی رہنے دوں۔ پر استقلال نامی ایک
رہزخوان نے میرا دل بڑھایا اور مجھے ایک تدبیر بتائی۔ اُس نے کہا کہ میں نے ایمان
نامی فقیر سے سُنا ہے کہ اس چشمہ کا ایک کھودنے والا ہے۔ وہ سب مشکل حل
کر سکتا ہے۔ مگر بڑی مشکل سے انسان کی رسائی اُس تک ہو سکتی ہے۔ اُسکی راہ
میں اوّل تو مصیبت کا ایک بڑا میدان لق ودق ملتا ہے۔ جہاں سوائے آنکھ کے
پانی کے پینے کو بھی کچھ نہیں۔ اگر اُس سے بچ گئے تو رسوائی وبدنامی کے سانپ
سمندر ملتے ہیں جہاں صبر کی ٹوٹی پھوٹی کشتی کے سوا عبور کا کوئی ذریعہ نہیں
تب دروازہ اُس کا ملتا ہے جہاں خلاص کی نذر پیش کرنی پڑتی ہے اور دعا کے
پاک صاف ہاتھوں کے ذریعہ سے پہنچائی جاتی ہے تب وہ نذر قبول ہوتی ہے اور
اجابت کا خلعت ملتا ہے گو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسوں نذر کی قبولیت
کی نوبت نہیں آتی پس اگر تمکو اس پتھر کے سرکانے کی خواہش ہے تو وہاں تک
جاؤ اگر اُس تک تمہاری رسائی ہوئی اور اُس نے تمہاری نذر لے لی تو وہ اقبال کو
تمہارے ساتھ کرے گا۔ جب تم لوگوں کے سامنے کرو گے سب کی آنکھیں کھل
جاویں گی جتنی کہ وہ اب بند ہو رہی ہیں تب وہ اپنے سوکھے ہوئے باغ کو دیکھکر
متعجب کریں گے اور تمہارے ساتھ پتھر سرکانے پر مستعد ہونگے آخر چند ہی روز
میں گندے چشمہ کا پانی بند کر کے صاف چشمہ کے پانی سے اپنی نہریں بھر لیں گے
اور اپنے باغ کو پہلے سے بھی زیادہ سرسبز اور شاداب کریں گے اور تب تم دیکھو گے
کہ یہ سوکھا ہوا باغ اُس بڑے باغ سے بھی تمہاری نظروں میں زیادہ سرسبز اور خوشنما
معلوم ہوگا کیونکہ نہ وہ باغ تمہارا باغ ہے نہ وہاں کوئی تمہارا ہے اور یہ باغ تمہارا ہی
ہے اور سب تم سے ہیں۔ میں نے اس رفیق کا شکر کیا اور اُس کے کہنے کے
مطابق چلا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے۔

جب میں عالم مثال سے لوٹا اور لوگوں سے یہ قصہ کہا تو وہ سب ایک ایک لفظ کی حقیقت مجھ سے پوچھنے لگے میں صرف یہ کہکر کہ جو باغ ہرا بھرا میں نے مغرب میں دیکھا وہ علوم وفنون جدیدہ کا باغ ہے جس کے پھل پھول اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں پر ہمارا دل بہلانے والا کوئی وہاں نہیں ہے اور جو باغ خشک میں نے مشرق میں دیکھا وہ ہمارے ہی علوم قدیمہ کا باغ ہے جس کی ویرانی اور خزاں کی کیفیت ہمارے سامنے ہے۔ وہ پتھر جو سرچشمہ پر آگیا ہے جہالت ہے۔ وہ ندی نالے گندے پانی کے رسم ورواج کی پابندی۔ نیکی نما تعصب۔ علم نما نادانی جھوٹا زہد۔ جھوٹی شیخی۔ جاہلانہ تقلید۔ عامیانہ غلامی۔ ضرر انگیز حرارت وحشیانہ تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے نتیجے مسخ انسانیت ہے جو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جس کا علاج اب ہم سوائے دعا کے کچھ نہیں پاتے۔

# لکچر

## جو

## مرزاپور انسٹیٹیوٹ میں

## ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو دیا

اس رات کو میرا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر ہے کہ وہ پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہے اور آیندہ کیسی ہوگی۔ تہذیب کا لفظ میں نے انگریزی لفظ سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ سویلیزیشن ایک انگریزی لفظ ہے جو کہ قدیم رومی زبان کے لفظ سوس سے جس کے معنی شہری اور جماعت کے ہیں نکلا ہے اور اس کی نسبت اس جماعت یا شہر یا ملک کی طرف کی جاتی ہے جس میں لوگوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کے قانون۔ اور آپس میں ملنے جلنے کے قاعدے۔ اور زندگی

بسر کرنے کے طریقے۔ اور فرائض انسانی ادا کرنے کے قواعد عقلی اور اخلاقی اصول پر منضبط کیئے گئے ہوں۔ اور جن میں موافق حالت زمانہ کے خوبی اور شائستگی پائی جاتی ہو۔ اس انگریزی لفظ کی اصل پر اگر خیال کیا جاوے تو مجھکو بجائے لفظ تہذیب کے لفظ تمدن کا استعمال کرنا مناسب ہوتا۔ کیونکہ اُس کا مادہ مدینہ ہے جسکے معنی بستی کے ہیں اور اس لیئے تمدن کے ٹھیک معنی بستی کے ہیں (یعنی آپس میں مل کر رہنا) مگر میں اس لفظ کو سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال نہیں کرتا اس لیئے کہ جس مراد میں یہ انگریزی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تمدن کے لفظ سے وہ مراد پائی نہیں جاتی۔ تمدن کا لفظ آپس میں ملکر بستی پر دلالت کرتا ہے۔ اور سویلیزیشن کا لفظ تمدن کی ترقی یافتہ حالت کو بتاتا ہے نہ صرف تمدن کو۔ بہت سے ملک اور بہت سی قومیں اب موجود ہیں جن میں تمدن ہے پر سویلیزیشن نہیں۔ ہم ہندوستانی بھی اپنی بدبختی سے سویلیزیشن کے درجہ کو نہیں پہونچے گو کہ مدت سے تمدن کے اعلےٰ درجہ پر ہیں۔ اس لیئے میں نے تہذیب کا لفظ اختیار کیا ہے جس کے معنی چھانٹنے اور اصلاح کرنے اور درست کرنے اور خالص کرنے اور پاکیزہ کرنے کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں۔ "ھذبہ ای اصلحہ" اصطلاح میں بھی تہذیب کا لفظ ہر چیز کی درستی پر بولا جاتا ہے۔ عادت کی درستی۔ رسم و رواج کی درستی۔ اخلاق کی درستی۔ علم و ہنر کی درستی معاملات کی درستی۔ زبان کی درستی۔ انتظام ملک کی درستی۔ جذبات نفسانی کی درستی۔ سب پر تہذیب کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی ٹھیک مراد سویلیزیشن کی ہے۔

جن اصطلاحی معنوں میں لفظ تہذیب یا لفظ سویلیزیشن کا ہم استعمال کرتے ہیں اس پر بہت سا مباحثہ ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ مگر جو مراد کہ اس لفظ سے میرے دوست سید احمد خاں بہادر نے بیان کی ہے وہ تمام خیالات کی جامع ہے اور میں اُسی کے بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ "سویلیزیشن سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش سلیقگی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین و وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔"

مُبارک ہو اُس شخص کو جس نے ان مختصر لفظوں میں ایسے مطالب بیان کر دیئے جس سے ہمارے خیالات کو نہایت وسعت ہوتی ہے اور وہ بیان ہی خود بخود ہمارے دل کو سویلیزیشن کی ترقی کے لیئے برانگیختہ کرتا ہے۔

جو مراد کہ ہیں نے لفظ تہذیب یا سویلیزیشن کی بیان کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ تہذیب - مذہب - اور علم و ہنر - اخلاق و معاشرت - تمدن و تجارت - زراعت و سیاحت سب سے متعلق ہے - اور جب تک یہ سب چیزیں اپنے درجہ کمال پر نہوں پوری پوری تہذیب کا وجود نہیں ہو سکتا - جن لوگوں میں یہ سب چیزیں نہایت خراب حالت میں ہیں وہ وحشی کہلاتے ہیں اور جن میں کچھ کچھ درست ہوگئی ہیں وہ نصف وحشی پکارے جاتے ہیں اور جن میں زمانہ کی ترقی کے موافق یہ سب چیزیں ترقی پاگئی ہیں وہ مہذب یا سویلیزڈ کہلاتے ہیں - زمانہ کی ترقی کے موافق کی قید میں نے اس لیئے لگائی کہ کچھ عجب نہیں کہ آیندہ زمانہ میں انسان کو زمانہ موجودہ سے بھی ایسی زیادہ ترقی ہو کہ حال کی مہذب قومیں اُس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وحشی یا نصف وحشی تصور ہونے لگیں -

مذہب کو قوموں کی تہذیب پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے - اگر کسی قوم کے مذہبی اصول تہذیب کے برخلاف ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ وہ قوم اعلےٰ درجہ کی تہذیب میں پہنچے جس قدر اصول مذہبی تہذیب کے برخلاف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کے موافق تہذیب میں بھی نقصان رہتا ہے اور یہ بات نہایت آسانی سے مختلف مذاہب کے اصول اور اُس کے پیرووں کی حالت دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے -

مسلمانوں نے مذہب اسلام کی پہلی صدیوں میں مذہبی تہذیب کو اعلےٰ درجہ پر پہنچایا تھا - اُس ریگستان کے ناخداؤں نے لات و منات و عزیٰ کی پرستش کو چھڑوایا اور ایک نہایت قوی ہستی مطلق کی پرستش کا بیج ہر ایک کے دل میں بویا ہمکو ایک ایسی ہستی کا خیال دلایا جو ہمارے ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھکر ہے - اور اُسی پر یقین کو نجات کا مدار ٹھہرایا جو تمام مذہبی تہذیب کی اصل اصول ہے -

تمام روحانی تہذیب کو ان چند لفظوں میں کہ "قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا" پورا کر دیا یعنی اپنے دل کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں سے پاک کرنا

مراد کو پہونچنا ہے اور اُس کو بدی میں آلودہ کرنا گمراہی کے گڑھے میں گرنا ہے۔
مذہبی تعلیم کو نہایت تہذیب کے اصول پر یہ کہکر ختم کر دیا کہ "فذکر انما انت مذکر" یعنی لوگوں کو نصیحت کر کہ تو بجز نصیحت کرنے والے کے اور کچھ نہیں ہے۔

تمام مذہبوں کی ناگواری ان لفظوں سے مٹا دی کہ "لکم دینکم ولی دین" یعنی تمہارا دین تمہارے لیئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لیئے ہے۔ جہاد کا سبب مذہبی ناگواری نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے غلطی سے خیال کیا ہے۔ کیونکہ اگر جہاد کا سبب مذہبی ناگواری ہوتی تو صلح یا فتح یا اطاعت قبول کرنے کے بعد کیوں تمام مختلف مذاہب گوارا کیئے جاتے اور ہر شخص کو کیوں احکام مذہبی ادا کرنیکی اجازت رہتی۔ عرب کے ہادی نے بلاشبہ خدا واحد کے نام کی منادی کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ پس جو لوگ اُس منادی کی مزاحمت کریں اور منادی کرنے والوں کو اُن کے ہاتھ سے امن نہو اُنھیں سے لڑنا صرف امن قایم رکھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے نہ غیر مذہب کی ناگواری کے سبب۔ اور یہ وہ اصول ہے جس پر آجکل کی تمام نیشنیں یہانتک کہ وہ نیشن بھی جس کا مذہبی یہ حکم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تیرے طمانچہ مارے تو تو اُس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دے چلتے ہیں۔

امامت کو یعنی کسی ایک کا کسی گروہ کے لیئے پیشوا ہونا اور اُس گروہ کا اُسی کی رائے پر چلنا جو اُس زمانہ کے تمام مذہبوں میں رایج تھا یہ کہکر بالکل نیست و نابود کر دیا کہ "ولا تتبعوا من دونه اولیاء" یعنی خدا کے کلام کے سوا کسی دوسرے کو اپنا پیشوا مت بناؤ۔

اجتہاد کو یعنی دین کی باتوں کے سمجھنے کو جیسا کہ سب اگلی قوموں میں خاص خاص لوگوں سے مخصوص تھا ان مختصر لفظوں سے عام کر دیا کہ "استفت قلبك" یعنی ہر شخص کا دل اس کا مجتہد ہے۔

جوگی پنے اور تجرد کو جس کا رواج روئے زمین کی ساری قوموں میں تھا بالکل معدوم کر دیا تھا یہ فرما کر "لا رهبانية في الاسلام" تبرکات اور رسم اور تیوہاروں کو جس سے لوگوں کے دلی خیالات بت پرستوں کے سے ہو جاتے ہیں

"لا تجعلوا قبری عیدا" فرما کر بالکل ممنوع ٹھہرا دیا۔

یہ وہ اصول ہیں جو مذہبی تہذیب میں اس سے اعلےٰ نہیں ہو سکتے۔

علوم کو اگلے مسلمانوں نے ایک اعلےٰ درجہ کی تہذیب پر پہونچا یا تھا۔ ادب و انشا میں عرب قدیم سے نامور ہیں۔ شاعری بھی ان کی مشہور ہے۔ کیٹی لونیا اور پروونیس اور اٹلی کے شاعروں نے اُنہیں کی روش پر شعر کہنا اختیار کیا۔ اور یورپ کی نظم میں بحر و وزن وغیرہ عرب ہی سے لیا گیا۔ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ درجہ پر ترقی کرنے کے ثبوت میں حریری اور ہمدانی اور متنبی کی کتابیں اب تک دنیا میں موجود ہیں ساتویں صدی کی عورتوں کا کلام اب تک ہمارے پاس ہے جس کے ایک ایک فقرہ پر ہزاروں شاہوار کی لاکھوں لڑیاں نثار ہوتی ہیں۔

عرب کے شاعر قدرتی کیفیتوں کے بیان کرنے کی طرف بھی مائل ہیں مگر شکسپیر سا قدرتی جذبوں کا بتانے والا کوئی نہیں ہوا۔ اس لیئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعروں کی قسموں میں رزمیہ اور عشقیہ تو ترقی پر تھیں مگر جو اصل جان شاعری کی ہے اور جس میں فطرتی جذبات اور قدرتی حالات کے بیان سے انسان کے دل پر اثر ڈالا جاتا ہے اُس میں بڑی ترقی نہیں ہوئی۔

ناول یعنی قصہ کے پیرایہ میں علمی یا اخلاقی باتوں کے بیان کرنے سے بھی مسلمانوں نے چشم پوشی نہیں کی۔ بدیع ہمدانی اور ابو القاسم حریری کے مقامات اسی فن میں ہیں الف لیلے اس فن کی ایک عمدہ کتاب ہے جس کا سلسلہ بیان کسی جگہ سے نہیں ٹوٹتا اور جس سے اُس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف خیالات کا پورا پورا عکس سننے والے کے دل پر پڑتا ہے۔

ڈراما میں بعض کتابیں تالیف تو ہوئیں۔ مگر عملی رواج اُس کا مسلمانوں میں نہیں ہوا۔

فارسی زبان کو بھی جو دنیا کی سب زبانوں میں شیریں سمجھی جاتی ہے مسلمانوں نے بہت رونق دی۔ فردوسی رزمیہ نظم میں خسرو قدرتی کیفیات کے اظہار میں سعدی اخلاق و تمدن کے ادا کرنے میں۔ فارس او ہندوستان میں ہوئے ہیں جیسے کہ ہومر یونان میں یا شکسپیر فرنگستان میں۔

ہمارے مذہب کے بانی نے تحصیل علم کی طرف متعدد طرح سے لوگوں کو رغبت دلائی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دوسری صدی میں مسلمانوں نے علوم کی طرف توجہ کی اور جہاں سے اُن کو ملا اُنہوں نے علوم کو اخذ کیا۔ غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی کتابوں کو نہایت عزیز رکھا اور چند روز میں اَور قوموں کے لیئے اُستاد ہونے کی عزت حاصل کی۔

اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا الزام جو بعض ناواقف یا متعصب مؤرخوں نے مسلمانوں کو دیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ٹولیمیز کے کتب خانہ کی چار لاکھ یا سات لاکھ کتابیں جولیس سیزر کی لڑائی میں جل گئی تھیں اور سنٹ کرائی نے جس نے اسکندریہ کے کتب خانہ کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس روایت کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ جن دو مورخوں نے یہ کہانی لکھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جو چھ مہینے تک جلا کیا۔ محض غلط ہے۔ خود وہ دونوں مورخ ۵۸۰ برس بعد اِس واقعہ کے پیدا ہوئے تھے اور کوئی پہلی سند اُن کے پاس نہ تھی۔

فلسفہ کی بنیاد منصور خلیفہ نے ڈالی مگر ماموں رشید اُسکے پوتے نے اُن کی تکمیل کی۔ یہ خلیفہ بڑا مربی علم کا تھا۔ اہل شام اور نسطورین فرقے کے عیسائی ترجمہ میں فلسفہ کے اُس کے حامی اور معاون تھے۔ اس کے زمانہ میں بوسیلہ اہل فارس اور اسپین اور علماء یہود کے فلسفہ کو بے انتہا رونق ہوئی۔ اُس کے گماشتہ بلاد ارمن اور شام اور مصر میں یونانی کتابوں کے ڈھونڈھنے کے لیئے مقرر تھے اور ہزارہا اونٹ قلمی کتابوں کے بھرے ہوئے اُس کے دربار میں آیا کرتے تھے۔ کتب فلسفہ کے ترجمہ کا ایک جُدا کارخانہ اُس نے مقرر کیا تھا۔ اور بغداد اور کوفہ اور بصرہ اور نیشا پور میں بڑے بڑے مدرسہ اور کتب خانہ قایم کیئے تھے۔ یہ خلیفہ بے تعصبی میں مشہور تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک عیسائی عالم کو دمشق کے کالج کا پرنسپل یعنی مدرس اعلے مقرر کیا تھا۔

جس طرح خلفائے عباسیہ کی بدولت بغداد کی سلطنت میں فلسفہ نے ترقی پائی اُس سے زیادہ اسپین میں خلفائے بنی اُمیہ کے سبب سے روشنی فلسفہ کی پھیلی۔ اس ملک میں بڑا حامی علم اور حکمت کا خلیفہ عبدالرحمن ابن حکم تھا جس نے ہجرت کی تیسری

صدی میں وفات پائی - اس مُلک میں علم کی اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور پُرانی کتابوں کے نقل کرنے کے لیئے تین سَو کاتب مقرر تھے -

اسپین اور اٹلی میں صدہا مدرسے ایسے جاری تھے جن میں صدہا عیسائی طلبہ آکر فلسفہ اور حکمت پڑھتے اور پھر اپنے یہاں اُسے جاری کرتے اُس وقت کے مسلمانوں اور فرنگستان کے عیسائیوں کے خیالات کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی عالم جب مسلمانوں کے مدرسہ میں فلسفہ اور حکمت سیکھ کر اپنے ملک کو گیا تو لوگوں نے اُسے کافر ٹھہرایا اور جب مرگیا تو یہ کہا کہ شیطان نے علم کا پھل کھلا کر اُسے مار ڈالا -

خلفائے عبیدین نے بھی جن کو یورپ کے مورخ خلفائے فاطمہ لکھتے ہیں مصر میں کچھ کم ترقی نہیں کی اُن کے شاہی کتب خانہ میں بھی ایک لاکھ قلمی کتابیں موجود تھیں جو سُنہری جلدوں سے آراستہ اور نہایت خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں -

ہندوستان کے فتح کرنے والے بادشاہوں نے بھی اِس طرف سے غفلت نہیں کی - محمود غزنوی نے جس کو بعض تربیت یافتہ نامور مشہور ہندوؤں نے اپنی تحریروں میں وحشی اور قزاق لکھا ہے باوجودیکہ وہ لڑائیوں میں مصروف رہا ایک بڑے مدرسے کی بنیاد غزنی میں ڈالی اور مختلف زبانوں کی عجیب عجیب کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنایا اور اس مدرسے کے قیام کے لیئے بہت سا روپیہ مقرر کیا - سلاطین غوریہ اور تیموریہ نے بھی منطق اور ریاضی اور طبعیات اور ادب کے رونق دینے میں بڑی کوشش کی - اکبر کا زمانہ علم کی ترقی کے حق میں مشہور ہے -

اُس زمانہ میں جو کہ یونان کی تاریخ کا چوتھا زمانہ سمجھا جاتا ہے فلسفہ کے چھ مختلف طبقے تھے مگر مسلمانوں نے اُن میں سے عموماً ارسطو کی حکمت کو اختیار کیا کیونکہ اُسکی فلسفہ کو بسبب کوشش علماء اسکندریہ کے ہزار برس سے غلبہ تھا اور اُس کا رواج بھی بہت ہوگیا تھا اور یہی سبب ہوا کہ اُس کی حکمت کی کتابوں کا زیادہ ترجمہ ہوا - مگر وہ افلاطون کی تصنیفات سے بھی محروم نہیں رہے بلکہ اُس کی کتابوں کا بھی ترجمہ عربی میں ہوا چنانچہ مسلمانوں میں ابونصر فارابی اور بوعلی سینا حکمت مشائی میں ویسے ہی

ہوئے ہیں جیسے کہ یونانیوں میں ارسطو۔ اور حکمت اشراق میں شیخ شہاب الدین مقتول ویسا ہی نامور ہوا ہے جیسا کہ افلاطون یونانیوں میں سگر اور طبعیہ کی حکمت کا زیادہ تر رواج مسلمانوں میں نہیں ہوا گو وہ اُن حکمار کے اصول سے بے خبر نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو کی منطق کو زیادہ پسند کیا اور اُسی کا ترجمہ بھی اُن کے وقت میں بہت ہوا اوّل ترجمہ ارسطو کے قیاسات کا حنین ابن اسحاق کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پھیلا۔ پھر ابو بشر نے چند کتابوں کا سریانی سے ترجمہ کیا اور یحییٰ ابن عدی اور کندی نے اُسے مرتب کیا اور آخر کو فارابی اور بو علی سینا نے اُسکی تکمیل کی۔ مسلمان عالموں نے جس خوبی سے یونانی اور سریانی اصطلاحات کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اُسپر وہ بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب بھی اپنی تاریخ فلسفہ میں اُس پر بڑی حیرت ظاہر کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس علم میں ترجمہ اور تقلید ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اُس میں بہت کچھ ترقی کی چنانچہ تصور و تصدیق کے مباحث اور جزئیات و کلیات کے اصول اور استخراج نتایج کے ضابطے اور صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب اور حد اوسط کا بیان۔ اور قیاسات کی تقسیمیں جس خوبی سے اُنہوں نے کی ہیں اُس سے اُن کے دماغ کی قوت ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون کی الٰہیات سے بھی واقفیت حاصل کی اور واجب الوجود اور عقول عشرہ اور روح اور تناسخ اور دیگر مسائل کی بخوبی تحقیق کی اور اُن مسائل کو اپنے مذہبی مسائل سے تطبیق یا تردید کرنے میں اپنی طبیعت کی چالاکیاں اچھی طرح دکھائیں اور اُس کے واسطے اُنہوں نے ایک خاص اپنے مذہبی علوم میں داخل کیا جس کا نام علم کلام ہے۔

طبعیات میں مسلمانوں نے پوری تقلید یونانیوں کی کی مگر چونکہ اُنھوں نے تجربہ اور مشاہدے اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کے ثبوت کرنے کی بجائے باریک و دقیق منطقی استدلال سے کام لیا اس لیئے وہ اُسکی غلطیوں کو درست نہ کرسکے اس واسطے ہیولےٰ اور جزء لایتجزّے اور صورت نوعیہ و جسمیہ اور حیز طبعی اور خلا کی نازک بحثوں کو اور بھی دقیق کر دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر اربعہ کی ماہیت کی تحقیق کرنے

قاصر رہے۔ باایں ہمہ اُنہوں نے اس علم میں بعض نہایت بکار آمد چیزوں کی تحقیق کی ہے جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوت جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔

علم ہئیت میں مسلمانوں نے بڑی ناموری پائی اور بہت زمانہ تک وہ اُسکی تحقیقات پر متوجہ رہے بطلیموس کی عمدہ مشہور کتاب مجسطی کا پورا ترجمہ جو حنین ابن اسحاق نے کیا تھا اور جس کی ابن یوسف اور ابن قرہ نے تصحیح اور حکیم نصیرالدین طوسی نے تہذیب و تکمیل کی مسلمانوں کی ترقی علم پر شاہد ہے۔ وہ اس علم کے ایسے قدردان تھے کہ خالص بطلیموس کا بنایا ہوا کرہ قاہرہ کے کتب خانہ میں ۴۳۵ ہجری تک موجود تھا۔

اس علم میں مسلمانوں نے تقلید ہی نہیں کی بلکہ اُس کو تحقیق بھی کیا اور اُسے کام میں بھی لائے خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں اچھے اچھے آلات ایجاد ہوئے۔ سنجر اور کوفہ کے میدانوں میں زمین کے دائرہ عظیمہ کی پیمایش ہوئی جس سے اُس کا وہ صحیح قدر جو اب تک مانا جاتا ہے ثابت ہوا۔

پھر اُنہوں نے رصدخانے بھی کثرت سے بنوائے اور زیچ کواکب بھی تیار کیے جس کا نشان سماسیہ بغداد۔ دمشق۔ اُندلس۔ سمرقند کے ٹوٹے کھنڈروں سے اب بھی ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے بطلیموسی نظام کی غلطی کا کوپرنیکس سے پہلے خیال کر لیا تھا چنانچہ محمد بن عبدالملک طفیل جسکو انگریزی میں ابو یاسر کہتے ہیں اور جو بارھویں صدی میں اُندلس میں پیدا ہوا اُس نے اس نظام سے انکار کیا جس کی تصدیق الیٹ ریجیس اپنے رسالہ علم ہئیت کے دیباچہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ نامی گرامی ابو یاسر نے کہا ہے کہ نظام شمسی اور حرکات اجرام فلکی میری تحقیقات میں اُور ہی طرح پر ہیں جو نظام قدیمہ یونانیہ کے خلاف ہیں۔

علم مرایا و مناظر میں بھی مسلمانوں نے بڑی ترقی کی چنانچہ ابو علی الحسن جو گیارھویں صدی میں ہوا اُس کا رسالہ علم مرایا و مناظر کا یورپ کی مشہور کتابوں میں سے ہے جسکو وزنبر نے ترجمہ کیا اور جو ۱۵۷۲ء میں بمقام بیل چھاپا گیا۔ اس محقق نے یونانیوں کی یہ غلطی ثابت کی کہ شعاع نظر آنکھ سے نکلکر کسی چیز پر نہیں پڑتی ہے بلکہ اُس نے

تشریح اور علم مثلث کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ تمام چیزوں کی شبیہ آنکھ میں آکر بنتی ہے جس کی تحقیقات کا نتیجہ وہ ہے جو آج فوٹوگراف کی تصویروں سے دکھائی دیتا ہے۔ ہیبت اللہ بن حسین بغدادی نے جو کہ مسترشد باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں تھا نور کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اُسکو دلایل ہندسیہ سے ثابت کیا۔

علم ہوا میں ابو علی الحسن ہی اِس مسئلہ کا موجد ہے کہ جس قدر ہوا زمین کے طبقے سے اونچی ہوتی ہے اُسی قدر وہ سُبک اور ہلکی ہوتی ہے۔

علم ہندسہ اور حساب میں مسلمانوں نے بہت توجہ کی اقلیدس کے مقالوں کا ترجمہ یونانی اور سریانی اور رومی زبان سے مختلف عالموں نے کیا جن میں سے حجاج اور حنین اور ثابت اور ابو عثمان کے ترجمے مشہور ہیں پھر اُسکی اصلاح و تہذیب صدہا عالموں نے کی۔ اُسپر سیکڑوں شرحیں لکھیں۔ آخر علامہ نصیر الدین طوسی نے اسکی تکمیل کی اور اُس کے بعد بھی بہت سے عالم ترتیب و تہذیب اور شرح پر متوجہ رہے۔

مسلمانوں نے ارشمیدس حکیم کی کتاب اصول ہندسہ کا بھی ترجمہ کیا اور اُس کی شرحیں لکھیں چنانچہ ابوالحسن علی بن احمد اور نصیر الدین طوسی اور ابو سہل قوشجی کی شرحیں اب تک مشہور ہیں ابلینوس کی کتاب جو مخروطی شکلوں اور خطوط منحنی کے بیان میں ہے اُس کے سات مقالے ترجمے کیئے گئے جس میں سے چار مقالوں کا ترجمہ احمد بن موسی حمصی نے اور باقی کا ثابت ابن قرہ نے کیا اور اُن کے سوا اَور بھی چند نامی حکماء یونان کی کتابیں اِس فن کی عربی میں ترجمہ ہوئیں۔

حساب میں بھی مسلمانوں نے کم توجہ نہیں کی۔ اُنہوں نے ہندوؤں سے مراتب اعداد کا رکھنا سیکھا اور اسی لیئے اُس کا نام اُنہوں نے اعداد ہندیہ رکھا۔ فن جبر و مقابلہ کی نسبت اختلاف ہے۔ بعض مسلمانوں کو اُس کا موجد بیان کرتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ علم ہندوستان کے پنڈتوں اور یونان کے عالموں سے اخذ کیا تھا مگر پھر اُسمیں بہت سی ترقی کی۔

علم طب میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُنہوں نے ہندوستان میں سفر کیا۔ زبان سنسکرت کو سیکھا اور نہایت مشہور دو کتابیں سنسکرت زبان کی جنکا نام چرک اور سشرت تھا عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ سب سے پہلے ۱۵۶ ہجری میں

موسیٰ بن موسیٰ الفزاری نے سنسکرت کا ترجمہ شروع کیا۔ پھر محمد بن اسمٰعیل خود ہندوستان میں آیا اور اُس کے بعد دیگر عالم ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے علوم کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا۔ بقراط اور جالینوس کی عمدہ کتابوں کو بھی اُنہوں نے نہیں چھوڑا۔ بو علی سینا کا قانون صد ہا برس تک یورپ کے مدرسوں میں پڑھایا جاتا تھا۔

اس نامی حکیم کی نسبت جارج ہنری لوئیس صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ صرف مترجم اور شارح ارسطو کی حکمت کا نہ تھا بلکہ اُس نے بوجہ اپنے علم کمال کے اپنی رائے کو بھی بہت کچھ دخل دیا اور مُردوں کو چیر کر علم تشریح انسان کی غلطیاں درست کیں"

حواس خمسہ ظاہری و باطنی کی تقسیم اسی کی تحقیق ہے جس کی پیروی اب تک سب کرتے ہیں۔ ہمبولٹ کاسمس میں لکھا ہے کہ دواسازی کا علم عرب نے پیدا کیا چند دواؤں کے مرتب کرنے اور نسخہ لکھنے کا طریقہ اُنہیں کا ایجاد ہے اور پھر وہاں سے اَور مُلکوں میں پھیلا۔

علم کیمیا یعنی حل و عقد کی ترقی کی نسبت قول گبن صاحب کا کافی ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اسکی ایجاد عرب ہی سے ہے۔

علم نباتات و معدنیات میں ابو عثمان اور عبد الرحمان سرونی اور عباس ابن بیطار کی کتابیں اُن کی توجہ پر گواہی دیتی ہیں۔ طاہر بن محمد یوسف غزنوی نے دس جلدیں اس علم میں لکھی ہیں۔

علم حیوانات میں اُن کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے صرف ارسطو اور گیلن کی کتابوں کے ترجمہ پر اکتفا کیا۔

علم جغرافیہ میں بھی اُنہوں نے بسبب اپنے دریائی سفروں اور خشکی کی سیاحت اور کثرت تجارت کے اور آخر کو بسبب اپنے فتوحات کے بہت عمدہ تہذیب حاصل کی ادریسی اور ابو الفدا اس فن میں مشہور ہیں۔

علم موسیقی میں فارابی نے وہ کمال حاصل کیا تھا جس کی اہل یورپ بھی تصدیق کرتے ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب نے لکھا ہے کہ علم موسیقی میں اسکی تصنیف بہت

کامل ہے اور اُس نے اگلے مصنفین کی غلطیوں کو بہت اچھی طرح درست کیا ہے۔
غرض کہ مسلمانوں کے تہذیب علوم میں نہایت اعلےٰ درجہ کی ترقی تھی۔ مسٹر اوٹ جرمن کے مؤرخ نے نہایت انصاف سے یہ بات لکھی ہے کہ "مسلمانوں نے اَور قوموں سے کتنا ہی کچھ کیوں نہ سیکھا مگر اُنھوں نے اپنی قابلیت و لیاقت سے اُسکو بہت کچھ ترقی دی"۔ جارج ہنری لوئیس صاحب اپنی ہسٹری آف فلاسفی میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عرب ہی نے تمام کتابوں اور تحریروں کو فلسفہ یونان کی تباہی سے محفوظ رکھا اور اُنہیں کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلاسفی پہونچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اِس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور اُنھیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہوکر فرنگستان میں علم پھیلا"۔ ڈاکٹر ڈراپر صاحب لکھتے ہیں کہ "علم کے سیکھنے میں اہل فرنگ ابو علی الحسن اور ابو موسی اور ابو الوفا اور اَور علماء عرب کے زیادہ تر احسانمند ہیں"۔ ابوالولد جسے انگریز "اوورروس" کہتے ہیں وہ شخص تھا کہ جس کی تصنیفات کی چار سو برس تک عیسائی یہود تعظیم و تکریم کرتے رہے اور بہت سی کتابیں اُسکی جن کا نام ہی اب مسلمان نہیں جانتے۔ زبان عربی اور لیٹن میں موجود ہیں۔ چنانچہ جرمن میں پچاس سے زیادہ اُسکی تصنیفات چھاپہ ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر ہیلی صاحب بھی اپنی تاریخ اسپین میں اُسکی تصدیق کرتے ہیں۔ اس نامی ڈاکٹر نے جو مقابلہ اُس زمانہ کے مسلمانوں کی حکمت اور فلسفہ کا یورپ سے کیا ہے اُس کے دیکھنے سے اندازہ اُس ترقی کا ہو سکتا ہے جو مسلمانوں نے علوم میں کی تھی۔ سدلیو نامی فرانسیسی مدرس علوم تاریخ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ کہ "جب علم طب اور طبعیات اور کیمیا اور فلاحت عرب کے ہاتھ آیا تو اُنہوں نے اُس میں بہت کچھ ترقی کی یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کی فضیلت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور جہاں تک ہمکو معلوم ہے گویا وہ ایک ثمرہ ہے اُس اصلی فضیلت کا جو آج تک ہمکو معلوم ہی نہیں ہوئی۔ بہر کیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل و کمال کا اب بھی سرچشمہ ہے اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اَور قوم کا ایجاد ہوگا وہ اب ہمکو اُن کی

کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اُن کے اصل موجد عرب ہی ہیں"۔ ایک دوسرا فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ "عرب کی قوموں کو خدا نے دنیا میں اس لئیے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم و فنون اور اسباب تمدن کو اُن مختلف قوموں تک پہنچاویں جو فرات کے کنارے سے لیکر اسپانیہ کے وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں چنانچہ اُن تمام قوموں نے جو کمالات اسی قوم عرب سے حاصل کیئے تھے"۔

فنون و دستکاری کو اہل عرب نے رومیوں کے بڑے بڑے شہروں میں جاکر بخوبی حاصل کیا تھا اور پھر خود اُس کو ترقی دی تھی۔ ہارون رشید خلیفہ عباسی نے جو ایک گھڑی بطور تحفہ کے شارلمین بادشاہ فرنگستان کو جو اُس کا بڑا دوست تھا بھیجی تھی اور جس کا ذکر ایجن ہارڈ صاحب نے کیا ہے مسلمانوں کے فنون و دستکاری میں ترقی کرنے کا بڑا ثبوت ہے۔

عرب و اسپین کے ہتیار و غرناٹا یعنی گرینڈا کا حربہ نہایت مشہور تھا۔

فن عمارت میں بھی اُنھوں نے بہت ترقی کی تھی۔ وہ حوض و فوارہ نہایت خوبی سے بناتے تھے۔ اور مختلف قسم کے پتھروں کے گل بوٹے تراش کر مکانات کی عمارت کو آراستہ کرتے تھے۔ گنبد بنانے کی ترکیب اُنھوں نے یونانیوں سے اخذ کی مگر پھر اُس کو نہایت ہی خوبصورت کردیا۔ قرطبہ یعنی کارڈووہ کی جامع مسجد اور اسپین کے وادی کبیر میں عبدالرحمٰن ثالث کا قصر عالی۔ اور کارڈووہ کا محل۔ اور ہندوستان میں قطب کا منار۔ اور تاج کا روضہ اور علیمردان کی نہر۔ اُن کی صناعی کی شاہد ہیں۔

تصویر بنانے میں مسلمانوں نے کچھ ترقی نہیں کی۔ کیونکہ بت پرستی کی جڑ مٹانے کی غرض سے وہ ممنوع کی گئی تھی۔ مگر مکانات کی آراستگی کے لیئے اُنھوں نے ایک قسم کے نقوش جدیدہ ایجاد کیئے تھے پہلے تو وہ کچھ نقش وغیرہ تھے۔ پھر وہ ایسے خطوط رہ گئے جن کا آپس میں تقاطع ہوتا تھا اور وہ خطوط حروف عربی کے مشابہ تھے کہ جن سے طرح طرح کی ظرافت آمیز عمدہ عمدہ خوش وضع شکلیں پیدا ہوجاتی تھیں۔

جہاز بنانے میں بھی اُنھوں نے ترقی کی تھی۔ چنانچہ ۳۰۹ھ میں عبدالرحمٰن خلیفہ اسپین نے ایک ایسا بڑا جہاز بنایا کہ اب تک اُن ملکوں میں کسی نے نہ دیکھا تھا اور اسپین کے مسلمانوں کے جہاز بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ غالباً اسپین والے نے جو بڑے بڑے جہاز

کا استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے جہاز اہل اسلام کے جہازوں کی نقل ہیں۔ ہندوستان
میں بھی محمود بادشاہ گجرات نے ایسا ایک بیڑا جنگی جہازوں کا طیار کیا تھا جس سے
بڑھکر ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ ضلع کمبرجا پر اس بادشاہ کے بہت سے جنگی جہاز
جن پر توپیں چڑھی رہتیں تیار رہتے۔

اخلاق کو بھی مسلمانوں کے بانی مذہب نے نہایت عمدہ اصول پر قایم کیا۔ سچائی اور
وفاداری۔ اخلاص و نیکی۔ ہمدردی و محبت دشمنوں کو معافی اور برائی کا بدلا بھلائی اصلی
اصول نجات کے ہیں۔

غیر مذہب والوں کے ساتھ جو اخلاق خود بانی اسلام نے برتے وہ اس مثال سے
ظاہر ہو سکتے ہیں کہ عیسائی ایلچی جب مدینہ میں آئے تو خود اپنی ذات سے اُن کی مہمانداری کی
اور باوجودیکہ رومن کیتھلک تھے اور تثلیث کے قایل۔ مگر اُن کو اجازت دی کہ اپنی نماز
اُسی مسجد میں پڑھیں جو ایک خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارنے کو کچی مٹی اور کھجور کے
درختوں کی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ اگرچہ بعد کو اس نہایت قابل تعظیم اخلاق کی پیروی
کم ہوئی۔ مگر کچھ نہ کچھ اُس کا اثر ہر ایک زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ جبکہ بیت المقدس فتح ہو گیا
تو وہاں کے عیسائیوں نے اُن اصحاب رسول کی دعوت کی جو کہ بیت المقدس کی فتح
کے لیے گئے تھے چنانچہ اُن سب نے قبول کی اور گرجے میں اُن کو کھانا کھلایا گیا وہ سب کھانا
کھاتے اور گرجے کی تصویروں کو تعجب سے دیکھتے جاتے تھے۔

سلطان صلاح الدین بھی عیسائی بادشاہوں سے باوجودیکہ ہمیشہ اُن کا مقابلہ کرتا رہا
نہایت حسن خلاق سے پیش آتا اور اُن کی تعظیم کرتا تھا۔ امیر صیدا جو عیسائی مذہب رکھتا
تھا۔ جب صلاح الدین کے پاس آیا تو اس نے نہایت تعظیم و تکریم کی اور اُسے اپنے ساتھ
کھانا کھلایا۔ اور شقیق کا امیر جو کہ فرنگیوں کے نامی امیروں میں سے تھا سلطان کے
خیمے پر آیا تو اُس نے بڑی عزت کی اور اُس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسپین کے حاکموں
اور امیروں نے جیسا برتاؤ غیر مذہب والوں سے کیا تھا اُسکی نسبت جارج ہنری لوئیس
صاحب یوں لکھتے ہیں کہ "اسپین میں علم اور حکمت کے کمال نے تعصب کو ایسا مٹا دیا
تھا کہ زمانہ حال کے لوگ سن کر تعجب کریں گے کہ یہودی اور عیسائی اور مسلمان ایک ہی
زبان بولتے اور ایک ہی قسم کے گیت یا شعر پڑھکر خوش ہوتے تھے۔ ایک ہی طرح کا

خیال رکھتے تھے۔ عرب۔ یہود۔ نصاریٰ کو اپنے فرائض مذہبی اور رسمیات کے ادا کرنے سے مطلقاً مارج اور مانع نہ تھے بلکہ اُن کی دوستی و محبت و ربط و ضبط یہاں تک بڑھا کہ مسلمان اور عیسائی اور یہود میں شادی بیاہ ہونے لگا"

ماں باپ کے ادب کی نہایت تاکید کی گئی۔ جن لوگوں نے کسی نہایت متعصب مسلمان ترک کو اپنی بوڑھی عیسائی ماں کو اتوار کے دن اپنی پیٹھ پر سوار کر کر گرجا نماز پڑھانے کو لیجاتے دیکھا ہوگا وہ نہایت تعجب کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کے مذہب کے بانی نے ماں باپ کی کس قدر تعظیم و ادب کی تعلیم کی ہے۔

عرب کے پیغمبر نے عورتوں کو روحانی زندگی میں بالکل مردوں کے برابر کر دیا۔ اتنا فرق بھی اُن میں نہیں رکھا جیسا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ۔ یا سولہ آنہ و روپیہ میں ہے۔ وہ اسی طرح نیکی کر سکتی ہیں جس طرح کہ مرد۔ وہ اُسی طرح روحانی ترقی پا سکتی ہیں جس طرح کہ مرد۔ کوئی مذہبی نیکی ایسی نہیں ہے جو مرد پا سکتا ہو یا کر سکتا ہو اور وہ نیکی عورت کے لئے نہ ہو۔ ان کے دُنیاوی حقوق سے بھی غفلت نہیں کی۔ وہ اُسی طرح اپنے مال کی مالک ہیں جیسا کہ مرد وہ سب قسم کے معاہدہ کی مجاز ہیں۔ اپنی جائداد کی خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ وہ خود آپ مالک ہیں۔ ہبہ کر سکتی ہیں۔ بیع کر سکتی ہیں۔ تمام تصرفات جو مرد کر سکتا ہے وہ بھی کر سکتی ہیں۔

پالیگمی یعنی تعدد ازواج میں بانئی مذہب کا یہ قول ہے کہ ایک دو تین چار تک عورتیں نکاح میں لا سکتے ہو لیکن اگر اندیشہ بھی عدل نہ کر سکنے کا ہو تو پھر صرف ایک ہی چاہیئے پس اگر اُس کے حکم نفی کا خیال ہو تو پھر ایک کے سوا جائز نہیں رہتی۔ پس اجازت اور امتناع کو ایسی عمدگی سے ایک ساتھ بیان کیا ہے کہ بجز حالت خاص کے جس کا جائز رکھنا بلاشبہ عقل کے موافق ہے تعدد کو معدوم کر دیا ہے۔

اس سے بھی زیادہ عمدگی سے طلاق کے مسئلہ کو بتایا ہے۔ طلاق کی اجازت دی جس کی اجازت دینا بلاشبہ نہایت ضروری تھی مگر اُسکو ایسا مباح فعل بتایا جس سے بے انتہا ناراضی خدا اور رسول کی پائی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ طلاق دینے والا قتل ہونے کے لائق ہے اور اس عمدہ نصیحت سے طلاق نہایت معتدل طور پر برتی جانے لگی۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایک بات جو اپنی اخیر عمر میں بانی اسلام نے

فرائی اور جو سب سے مقدم تہذیب انسانی کا مسئلہ تھا اور جس کو اُس وقت تک کسی نے نہ کہا تھا اُس پر اس وجہ سے کہ رواج عام کے بالکل برخلاف تھا کسی کا خیال نہیں گیا اگر بانی اسلام چند روز اور دنیا میں رہتے تو وہ مسئلہ بھی مثل اور مسائل کے عام ہو جاتا اور وہ مسئلہ غلامی کو بالکل معدوم کر دینے کا تھا۔ بانی اسلام نے ان چند لفظوں سے کہ "فاما منا بعد واما فداء" یعنی لڑائی کے قیدی سب چھوڑ دیئے جاویں خواہ کچھ لیکر خواہ احسان رکھکر غلامی کو بالکل معدوم کر دیا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ اس نص صریح سے مسلمانوں کے مذہب میں غلامی بالکل ممنوع ہے گو کہ کسی کو اس کا خیال نہ آیا ہو۔

دختر کشی کی رسم جس پر عرب کو اس ملک کے ہندوؤں سے بھی زیادہ فخر تھا کسی کچھ مسلمانوں میں سے مٹ گئی جس کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔

مسلمانوں کی معاشرت کے طریقے۔ ملنے جلنے کے قاعدے بھی نہایت عمدہ تھے بزرگوں کا ادب۔ بڑے بوڑھوں کی تعظیم۔ بات چیت میں نرمی و اعتدال۔ کسی کی طرف جھوٹ و عیب کی نسبت کرنے کا خیال۔ طعن و طنز کا لحاظ فحش اور اخلاق و حیا کے خلاف باتوں سے نفرت۔ بے پوچھے کسی بات میں دخل نہ دینا۔ سرگوشی نہ کرنا جاہلوں نادانوں سے نہ جھگڑنا۔ مذہبی گفتگو بے ضرورت نہ کرنا۔ بیہودہ ہنسی اور جہل سے نفرت۔ وہ آداب مجلس تھے کہ جن کے لحاظ نہ رکھنے سے انسان بدتمیز اور سوسئیٹی سے خارج کرنے کے لایق سمجھا جاتا۔

شادی بیاہ کے دستور بھی تہذیب سے خالی نہ تھے۔ قبل نکاح کے مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھکر پسند کر لینا بے خوف اور بلا لحاظ کسی حیا بلا نہ خیال کے اور زن و شوہر کا اپنی رضامندی ظاہر کرنا ایک عام دستور تھا۔ نکاح کے وقت ایک مختصر مجلس عزیزوں اور خاص دوستوں کی مرتب ہوتی۔ اور ایک مختصر حسب حیثیت سامان ماں باپ کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا۔ اور بعد نکاح کے ایک مختصر سی دعوت دوست آشناؤں کی کی جاتی۔ عورتیں بالکل اپنے گھر کی مالک اور منتظم سمجھی جاتیں۔ اور سب گھر کا کام کاج اُن کے تعلق ہوتا۔ نوکر چاکر بھی اُن کے تابعدار ہوتے یہاں تک کہ مرد بھی بے رضامندی اُن کے کوئی کام نہ کرتا اگرچہ عورتوں کو باہر نکلنے کی عام اجازت نہ تھی مگر

مسجدوں میں نماز کے لیئے آنے اور بضرورت باہر نکلنے یا اپنے خاوند اور خاص عزیزوں کے ساتھ سفر کرنے سے ممنوع نہ تھیں اور مونھ اور ہاتھ کو تو شرع نے بھی ستر میں داخل نہیں کیا۔ اولاد کی تعلیم اور تربیت پہلے تو اُستادوں اور اتالیق کے ذریعہ سے خاص خاص طور پر دی جاتی مگر تیسری صدی سے عام مدرسوں میں تعلیم دینے اور دور دراز شہروں میں لڑکوں کو بھیج دینے کا عام رواج ہوگیا۔ فارس اور دیلم کے سلاطین و امرا کا تو یہ ایک عام طریقہ تھا کہ اپنی اولاد کو باہر ہی بھیجکر تعلیم و تربیت دلاتے۔ اسی سبب سے اُس زمانہ کے اکثر شہزادے اور امیرزادے عالم اور ادیب اور منشی ہوتے جس کی تصدیق رچرڈسن صاحب نے کی ہے۔ ابوالفدا جو ایک نامی بادشاہ تھا ایسا مورخ و جغرافیہ داں اور مصنف ہوا ہے کہ اُس کی نظیر دوسری قوم میں کم ملیگی۔ کرخ کا مدرسہ جسے وزیر ابونصر نے بنایا اور ناصریہ کالج جسے مستنصر باللہ نے دجلہ کے کنارے پر تعمیر کیا اور جس کے متعلق شفاخانہ اور حمام اور رہنے کے مکانات بھی تھے اور جس کے لیئے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وقف تھا۔ اور نظامیہ مدرسہ بغداد کا عام تعلیم و تربیت کے لیئے عمدہ مدرسے تھے۔

لڑکیوں کی بھی تعلیم گھر پر بذریعہ پڑھی لکھی عورتوں کے یا بڈھے نیک چلن اُستادوں کے ایسی عمدہ ہوتی کہ صدہا مسلمان عورتیں ایسی گذری ہیں کہ اُن کا کلام اچھی کتابیں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اُس عمدہ تعلیم و تربیت کے سبب سے خیالات اُن کے ایسے روشن ہوجاتے تھے کہ ہمدردی اور قومی بھلائی کے جوش میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دیتیں۔ ناصرالدین بادشاہ حمص کی بی بی زمرد نام نے جو ساتویں صدی میں ہوئی ہے کل اپنا مال متاع ایک بڑے کالج دمشق کے بنانے اور اُس کے آیندہ اخراجات میں صرف کر دیا۔

لباس و پوشاک کا حال یہ ہے کہ عرب کا اصلی لباس کرتہ اور تہبند تھا اور ایک خاص قسم کا عمامہ یا گول ٹوپی اور موزہ یا جوتہ کو بھی وہ ایک ضروری جزو لباس کا جانتے تھے جسکو شارع نے بھی زینت نماز فرمایا ہے مگر پھر مسلمانوں نے کیانیوں اور عجمیوں کا لباس زیادہ پسند کیا اور تھوڑی سی ہی تبدیلی سے اُسے اپنے یہاں رواج دیا۔ بعض بادشاہوں نے خود بھی لباس میں کچھ ایجاد کی جیسا کہ ۱۵۳ ہجری میں منصور خلیفہ نے

ایک لمبی گول ٹوپی جو لکڑیوں کی پتلی تیلیوں سے بنائی جاتی جس پر سیاہ رنگ یا کالا کپڑا منڈھا جاتا اور غالباً وہی ٹوپی ہے جسے اب انگریز استعمال کرتے ہیں۔ پھر تاتار کے مسلمانوں نے وہ سرخ ٹوپی ایجاد کی جسے اب ترک پہنتے ہیں اور ہندوستان کے بھی بعض ٹھیٹ مسلمانوں کے مبارک سروں پر دکھائی دیتی ہے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے بھی ایک خاص قسم کی لال ٹوپی ایجاد کی۔ جس کے سبب سے ایرانی اپنے آپ کو قزلباش یعنی لال سروں والا کہتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک خاص قسم کا درباری لباس تجویز کیا گیا۔ یعنی سفید ململ کا جامہ جسے آیا کی گون کہنا چاہیے اور کمر بند اور پگڑی جس کی بڑی زینت بازوبند اور مالا سے سمجھی جاتی تھی۔ یہ لباس شاید مصریوں کا تھا اس لیئے کہ اُس کا نقشہ شہر تھیبس کے قبرستان میں بعض بادشاہوں کی تصویروں میں پایا گیا ہے۔

عورتوں کا لباس گو بہ نسبت ایک چادر اور تہ بند کے بہت درست کیا گیا مگر درحقیقت اُس میں کوئی عمدہ ترقی نہیں ہوئی۔ کھانے پینے میں بھی کیانیوں اور عجمیوں کی طرح دسترخوان کی رونق اور آراستگی حضرت معاویہ امیر شام کے وقت سے شروع ہوئی۔ پھر عباسیوں کے زمانہ میں چھوٹی میز پر کھانا رکھ کر کھانے کا رواج ہوا جسے بعض نادان مولویوں نے بدعت بتایا۔ اور چھٹویں صدی تک اُس کا جھگڑا رہا۔ جس کی نسبت امام غزالیؒ نے یہ تصفیہ کیا۔ نہ گناہ ہے نہ بدعت ہے بلکہ اُس میں صرف تعظیم کھانے کی ہے۔ غرض آٹھویں صدی سے لیکر تیرھویں صدی تک مسلمانوں کی طرز معاشرت کو ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ یورپ نے مسلمانوں ہی کی معاشرت و تمدن دیکھکر اُس میں ترقی کی گیارھویں صدی کے آخر سے تیرھویں صدی تک جو صلیبی لڑائیاں مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس میں ہوئیں اُس کی نسبت یورپ کے مورخوں کا قول ہے کہ ہرگوان لڑائیوں سے بے شمار آدمی ضائع ہوئے اور بہت سا نفیس مال بغیر کسی فائدہ کے ضائع ہوا۔ لیکن انجام کار اُس سے فائدے بھی بہت کچھ ہوئے جس میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اُسی زمانہ سے اہل یورپ نے فوج کی ترتیب اور اصلاح شروع کی اور تجارت اور زراعت کے طریقے اُن مشرقی قوموں سے سیکھے اور شہریوں کی سی عادتیں اختیار کیں اور دنیا کے حالات کی

تحقیق کے واسطے سفر کی عادت ڈالی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یورپ کی قوموں کو تمدن کے طریقے اسی وقت سے معلوم ہوئے جب سے وہ مسلمانوں کی اُن قوموں سے ملے جو تمدن اور حسن معاشرت اور علوم وفنون اور ہنر و کمالات میں اُن سے فائق تھیں۔

تجارت اور زراعت میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُن کو ہمیشہ سفر کی طرف رغبت رہی ہے۔ جب اُن کی سلطنت فرانسیس اور اسپین کے پہاڑوں کے بیچ سے گذر کر ہمالیہ تک پہونچی تو اُس وقت وہ دنیا کے بڑے نامی تاجروں میں ہو گئے اور فن زراعت میں تو مثل اُن کے کوئی نہ تھا اس واسطے کہ جس قدر پانی کے خزانے بہانے اور اسکو اپنی کھیتی کی کیاریوں میں برابر پہونچانے میں یہ لوگ مضبوط تھے دوسرا نہیں ہوا۔ اہل عرب پہلے سے تجارت میں نامور ہیں۔ چنانچہ وہ جزیرہ بحر احمر کا جسکو جزیرہ سکاترہ کہتے ہیں اور لنکا کا مغربی کنارہ اور ملیبار عربوں کی بستی سے معمور تھی۔ اور جب مشہور جہازران واسگوڈیگاما صاحب پندرھویں صدی کے اخیر میں ملیبار کے کنارہ پر پہونچے تو اُنھوں نے تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں پائی چنانچہ اب تک اُن کی نسل باقی ہے جو موپلا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ اب وہ بالکل وحشی ہو رہے ہیں مگر ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا اُس وقت دجلہ اور فرات کے موہانہ پر انہوں نے بصرہ شہر کو اس ارادے سے بسایا کہ گجرات اور سندھ بھی جو دریائے سندہ کے پورب واقع ہے تجارت کرسکیں۔ اُنہوں نے دریائے فرات کے کناروں سے بحر ظلمات کے ساحل تک اپنی تجارت پھیلائی اور کارسیکا اور سارڈینا اور جنوبی اٹلی میں بہت سے شہر آباد کیے۔ ایک عرصہ دراز تک میڈی ٹرینین میں اُن کے تجارتی جہاز اپنے بادبانوں سے سمندر کی لہروں کو رونق دیتے رہے۔

سیاست مدن کا طریقہ جو اب امریکہ میں جاری ہے وہ مدت ہوئی کہ مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ معزز و ممتاز لوگوں کی رائے سے جو کہ رائے دینے کی لیاقت رکھتے تھے اور جن کو اہل حل و عقد کہتے ہیں ایک شخص کا بطور پریسیڈنٹ کے ہونا قرار پایا تھا۔ وہ پریسیڈنٹ جب تک کہ اپنے عہدہ کا کام انصاف سے کرے اپنے عہدہ پر بحال

رہنے کے لائق تھا۔ بیت المال میں سے اُس کو مثل ایک عام مسلمان کے اور کچھ زیادہ حق نہ تھا۔

اس پریسیڈنٹ کو جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں تمام امور میں معتبر لوگوں سے مشورہ کرکر کام کرنا واجب تھا۔ غلطی سے روکنے کا ہر ایک مسلمان کا حق تھا۔ اور قصور کی حالت میں موقوف ہو سکتا تھا۔ پہلے خلیفہ نے لوگوں سے کہا کہ اچھی باتوں میں میری مدد کرو اور بُری باتوں میں روکنے کا تمکو حق ہے۔ دوسرے خلیفہ نے رعایا کے دلوں کے امتحان لینے کے لئے ایک روز خطبہ میں پوچھا کہ اگر میں ناجائز حکم دوں تو تم لوگ کیا کرو۔ ایک عام جوان آدمی تلوار لیکر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ فوراً خلافت کی گدی سے تمکو اتار دیں اور دوسرے کو خلیفہ بنا دیں۔

چوتھے خلیفہ کو ایک یہودی کے مقابلہ میں زرہ کے دعویٰ میں ایک عام مسلمان کی طرح جج کے محکمہ میں حاضر ہونا پڑا اور جج نے اُس سچے نیک عادل خلیفہ کے برخلاف حکم دیا اس وجہ سے کہ قانون کے موافق ثبوت نہ تھا۔

پانچویں خلیفہ برحق حسن ابن علی کے عہد تک بھی اصول سیاست اسی طرح قائم رہے مگر افسوس ہے کہ بہت سببوں اور بے انتہا خون ریزیوں کے بچانے کی غرض سے اس خلیفہ برحق نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور سلطنت شخصیہ قائم ہوگئی جسکو ہمارے پیغمبر نے ملکاً عضوضاً کہا تھا اور جسکو یونانی ٹیرنٹ یعنی ظالم کہا کرتے تھے۔ اُس دن سے اصول سیاست جو مسلمانوں کے بانی نے قائم کئے تھے خودمختاری کے پائوں کے تلے روندے گئے۔

شخصیہ سلطنت جاری ہونے کے بعد سلطنت موروثی اور خاندانی ہوگئی اور ولیعہدی اور جانشینی کی خراب رسم جاری ہوئی چنانچہ اکثر ظالم اور بے رحم سلطنت کے مالک ہوگئے جنہوں نے ظلم وستم سے دنیا کو تاریک کر دیا۔ بہت سے لوگ ان واقعات میں مارے گئے اور اکثر اچھے نیک پاک لوگ جلاوطن ہوگئے مدتوں تک کُشت وخون جاری رہا۔ رعایا کا مال اُن بے رحم بادشاہوں کا تکہ اور لوگوں کی جانیں اُن کی قربانی اور فدیہ ٹھہر گئیں۔

جب شخصیہ سلطنت کے جاری ہونے سے حکومت کسی قانون عقلی اور نقلی کے

تابع نہ رہی بلکہ سلطنت ایک شخص کی خواہشوں اور اُس کے غیظ و غضب کے تابع ہو گئی تب اُس زمانہ کے دانا نیک آدمیوں نے اُس خود مختاری کے رد کرنے میں بڑی سعی کی۔ اُن کے لیئے ایک مجموعہ قانون کا بنایا جو قرآن و حدیث کے صاف و صریح حکموں یا اُس کے اشاروں کنایوں اور اگلے پانچ وقتوں میں جو واقعات پیش آئے تھے اُن کی نظیروں سے مرکب تھا۔ اور اب جو ہماری فقہ کی کتابوں میں مدون ہے اور جسے قانون شریعت یا محمدن لا کہتے ہیں مگر چونکہ اُسپر عمل کرنا ہمیشہ خود اختیار بادشاہوں کے اختیار میں تھا۔ اور کوئی ایسی جماعت یا ایسی کونسل جو بادشاہ کو اُس کی تعمیل پر مجبور کرے موجود نہ تھی۔ اس لیئے اُس پر بہت کم عمل کیا گیا اور خود مختاری کے روکنے میں یہ قانون کامیاب نہ ہوا۔

جیسا کہ سلطنت شخصیہ کا عام قاعدہ ہے ویسا ہی مسلمانوں کی سلطنت شخصیہ میں بھی ہوا کبھی تخت پر ایسا ظالم قابض ہوا جس نے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا اور کبھی ایسا نیک اور عادل جانشین ہوا جس نے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اس وقت مجھ کو نہایت زیبا ہے کہ میں اُس بڑے عادل خلیفہ عبدالعزیز کے نام کو یاد کروں جس نے اپنی حکومت میں نہایت عدل برتا۔ اُس کے عہد کے ایک صوبہ دار اسامہ نے عیسائی رعایا پر کچھ زیادتی کی تھی۔ خلیفہ نے پا بزنجیر اُسکو طلب کیا۔ اور دوسرا حاکم اُسکی جگہ بھیجا جس کو ان احکام کی تعمیل کا حکم دیا تھا کہ تمام عہد و پیمان جو خراج گذاروں سے کیئے گئے ہیں وہ باحتیاط قایم رکھے جاویں اور وہ لوگ اپنے عبادت خانوں اور گرجاؤں پر قابض رہیں۔ کوئی مسلمان ان سے پرخاش نہ کرے نہ اُن پر جھوٹی تہمت لگانے پاوے۔ انصاف کے وقت مسلمان اور غیر مسلمان برابر سمجھا جاوے۔ سلطان صلاح الدین بھی انہیں نیک اور عادل بادشاہوں میں ہوا ہے جس نے کہ مسلمان اور غیر مسلمان کو انصاف میں برابر جانا اور مرنے کے وقت اپنا مال جو وقف کیا اُسکی نسبت وصیت کی کہ بلا لحاظ مذہب کے محتاجوں کو تقسیم کیا جاوے مسلم ہو یا عیسائی یا یہود۔ ابن سہم کلبی جو ایک مشہور فتحمند مسلمان سردار ہوا ہے جب وہ قرطبہ میں مسند نشین ہوا اور مسلمانوں کو زمین تقسیم کرنی چاہی تو جتنی زمین زرعہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھی وہ بدستور اُن کے پاس رہنے دی صرف بنجر اور

غیر مزروعہ زمین کے ٹکڑے جس کا کوئی مالک تھا مسلمانوں کو دیئے۔
عبدالرحمٰن جب اسپین کا امیر ہوا تو اُس نے سارے گرجے جو خلاف شرط عہد و پیمان کے ضبط کر لیئے گئے تھے واپس کر دیئے۔
طارق نے جس کا نام جبرالٹر یعنی جبل الطارق کی اونچی چوٹی پر لکھا ہوا ہے دارالسلطنت اسپین کا محاصرہ کیا اور شہر کے رہنے والوں نے صلح چاہی تو وہ ان کے ساتھ نہایت مستقل مزاجی سے پیش آیا اور اُن کے قبضہ میں رہنے دیا۔ اُن کے مذہبی دستوروں میں کچھ مداخلت نہ کی بلکہ اُن کے باہمی حقوق و معاملات کے تصفیہ کے لیئے اُن کو اپنے ججوں سے فیصلہ کرانے کی اجازت دی۔
محمد قاسم جس نے اوّل اوّل ہندوستان پر چڑھائی کی گو نیک و منصف امیروں میں تھا مگر جس وقت اُس نے مغلوب ہندوؤں کے حقوق کی ہدایت چاہی تو دربار خلافت سے جواب عرب سے اُسکو ملا کہ جب لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو حقوق رعایا کے مستحق ہو گئے اور اس لیئے مذہبی رسومات کے اجرا کی اُن کو اجازت دینی چاہیئے۔ اور جو جاگیریں کہ برہمنوں کی ضبط کی گئی ہوں وہ واگذاشت کر دی جاویں بلکہ تین روپیہ سینکڑہ املاک کے محاصل پر جو راجے اُن کو دیتے تھے وہ سرکاری خزانہ سے دینا چاہیئے۔ کیا نظیر اس کی اور کسی فتحمند قوم کی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔
اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسی بات میں ناموری نہیں پائی کہ وہ بحر عرب سے نکلکر اسپانیہ کے وادی کبیر میں جا پہنچے اور وہاں سے ہندوستان کے دریائے سندھ میں آنکلے۔ یا عرب ریگستان اور گرم و خشک پہاڑوں سے چلکر اُنھوں نے اپنی فتح کی جھنڈی اسپین اور فرانس کے پہاڑوں پر گاڑ دی۔ اور یہ تھوڑے زمانہ میں اپنی حکومت اٹھارہ سَو فرسخ میں قائم کر لی۔ بلکہ وہ اس باب میں بھی ناموری ہیں کہ اُنھوں نے اپنے مفتوحہ اور مقبوضہ ملکوں پر اپنی راست بازی اور عہد و پیمان میں ثابت قدمی ثابت کر دی اور اپنی تھوڑی اطاعت میں غیر قوموں کو ہر قسم کی آزادی بخشی جیسا کہ ڈاکٹر جے اے کانڈی اپنی تاریخ اسپین میں لکھتے ہیں کہ "وہ شرطیں جو مفتوحہ قوم پر قائم کی گئی تھیں ایسی ہیں کہ لوگوں کو بجائے تکلیف کے اُن فتح کرنیوالوں سے اطمینان ہو گیا اور جب اُنھوں نے اپنی اُس تقدیر کا جو پہلے تھی

اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ اُن کی خوش قسمتی ہو گی مذہبی رسموں کے بجا لانے میں آزادی۔ گرجا اور عبادت خانوں کی بخوبی حفاظت ۔ مال عزت ۔ جان سے پورا اطمینان۔ یہ سب چیزیں اُس اطاعت کا معاوضہ نہ تھیں جو اُنھوں نے اُس فتحمند قوم کی کی تھی۔ محصول جو لگایا گیا تھا وہ بہت ہی ہلکا تھا اور تمام لوگوں پر عرب کا یہ اعتبار بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو خوب قایم رکھتے ہیں۔ اُس عام انصاف نے جو وہ ہر درجہ کے لوگوں سے بلا تمیز کسی قوم و مذہب کے کرتے تھے اُن لوگوں کا سب پر اعتبار کرا دیا اور تمام قوموں کی آنکھوں میں اُن کی عزت ہو گئی اور نہ صرف اپنے معاملات بلکہ دل کی فیاضی اور عادات کی عمدگی اور اپنی جبلی خاطر داری سے عرب والے اپنے وقت کے عام لوگوں میں معزز و ممتاز تھے۔

ایک نامی مورخ انگلستان کا لکھتا ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے دوبارہ بیت المقدس کو فتح کیا تو وہ اُن سے اُسی طرح پیش آیا جیسا کہ دسویں صدی کی آخر لڑائی میں فتح کرنے والے مسلمانوں سے پیش آئے تھے۔ اور جنھوں نے بیت المقدس کے قلعہ میں چالیس ہزار مسلمان مع زن و فرزند کے قتل کر ڈالے تھے بلکہ اُس نے کچھ ظلم نہ کیا اور جب اہل قلعہ نے اپنے تئیں اُس کے سپرد کیا سلطان نے اُن عیسائی قیدیوں پر نہایت مہربانی کی اور جو لوگ ایسے غریب تھے کہ اپنی رہائی کی قیمت نہ ادا کر سکے اُنہیں مفت آزاد کر دیا۔ اس بادشاہ کے تہذیب خلاق کے سامنے بادشاہ فرانس تو کیا بلکہ رچرڈ شیر دل کی بھی کچھ حقیقت نہ رہی۔

مُلک سپین کو جو ترقی اور آبادی اور رونق مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی اُسکی نسبت ایک فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ اُس کی ترقی اور آبادی کا قیاس اس پر کر لینا چاہیئے کہ ایک مقام قرطبہ میں دو لاکھ گھر اور چھ سَو مسجدیں اور پچاس شفا خانے اور اَسّی عام مدرسے اور نو سو حمام تھے اور سڑکوں پر قندیلیں اسقدر روشن ہوتی تھیں کہ شہر میں چلنے والے اُسکی روشنی میں پھرا کرتے تھے۔

جن فتح مند مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو فتح کیا ان میں بھی اچھے اور بُرے عادل و ظالم سب طرح کے ہوئے مگر اُنہیں کی بدولت ہندوؤں میں تہذیب

شائستگی پھیلی۔ جس وقت مسلمانوں نے اپنی فتح کا نشان ہمالیہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اوڑایا اُس وقت دیکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کی قوموں کا۔ اُن کے لباس کا۔ اُن کی طرز و معاشرت کا کیا حال تھا۔ اور مسلمان فتحمندوں کی فتوحات نے ہندوستان کے دلوں اور اُن کی خصلتوں پر کیا اثر کیا۔ اور اُن کے اخلاق و معاشرت و تمدن میں کیسی تبدیلی پیدا کی۔ جوتا پہننا اُنہوں نے سکھایا۔ کپڑا پہننا اُنہوں نے بتایا فرش پر بیٹھنا۔ مختلف طرح کے کھانوں کا پکانا۔ مکانات کی آراستگی۔ علم مجلس۔ اور ہزاروں چیزیں تہذیب و شائستگی کی اُنہیں کی بدولت ہندوؤں میں پھیلیں بڑے بڑے شہر اُن کی بدولت آباد ہوئے۔ عمدہ عمدہ عمارتیں جو اب دنیا میں بینظیر گنی جاتی ہیں اُنہیں کی توجہ سے تعمیر ہوئیں۔ ہاں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا زمانہ ایسی تہذیب اور سویلیزیشن کا تھا جیسا کہ اب کوئین وکٹوریا کا ہے۔ جن متعصب مورخوں نے مسلمان بادشاہوں کے کچھ صحیح کچھ غلط حالات ایک تعصب کے جوش سے بیان کیئے ہیں۔ اُن کو چاہیئے کہ اُن کے وقت کا مقابلہ نارمن لوگوں کے اُس عہد سے کرتے جبکہ اُنہوں نے اینگلوسیکسن پر فتح پائی تھی نہ کوئین وکٹوریا کے عہد سے۔

چند سال ہوئے کہ ایک ہندو نے ویسرائے کی دارالحکومت یعنی کلکتہ سے پورانی مغل کی دارالخلافت یعنی دہلی تک سفر کیا اور اس مختصر سفر کا ایک سفرنامہ تیار کیا جس کی عبارت اُنھوں نے اپنی دانست میں لارڈ مکالی کو شرمانے والی لکھی تھی اُس میں اُنہوں نے لکھا تھا کہ کوئی آفت اور کوئی مصیبت مسلمانوں کی عملداری سے زیادہ ہندوستان میں نہ تھی۔ اُنھوں نے تمام خوبیوں کو برباد کر دیا تھا۔ اس کتاب پر ٹیمز لنڈن کے اخبار میں ایک ریویو نکلا تھا۔ اُس ریویو میں یہ فقرہ مندرج ہے کہ "مسلمانوں کو بُرا کہنا اُن کے عیبوں کو ڈھونڈھنا گو وہ صحیح ہوں ایک ہندو کے مونھ سے نہایت نازیبا معلوم ہوتا ہے"۔

ایک بڑا الزام مسلمانوں کی سیاست پر یہ دیا جاتا ہے کہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا اور لوگ زبردستی مسلمان کیئے گئے۔ مگر یہ الزام حقیقت میں صحیح نہیں ہے۔ سیل صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ لوگ نہایت دھوکہ کھاتے ہیں جو خیال

کرتے ہیں کہ مذہب اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے" پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ان لوگوں نے اسلام کیوں قبول کیا جن مسلمانوں نے
کبھی تو جکشی نہ کی تھی اور پھر ان لوگوں نے جنہوں نے اہل عرب کو ان کے فتوحات سے محروم کر دیا اور
ان کی سلطنت بلکہ خلیفوں کا خاتمہ کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس سے بڑھکر
بھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی
لوگ جو مسلمانوں کو یہ الزام دیتے ہیں کیا جواب دے سکتے ہیں اس بات کا کہ تمکی
جنہوں نے حجازیوں پر آٹھویں صدی کے اخیر پر حملہ کیا مسلمان نہ تھے اور پھر تھوڑے
ہی دنوں بعد اپنے مغلوب حجازیوں کے زیر اثر مسلمان ہو گئے۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ خود اسلام کی خوبیوں نے ان کو مسلمان کر دیا۔ کنین صاحب کہتے ہیں افریقہ
یا ایشیا کے لوگ کہ نو مسلم جنہوں نے کہ عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی۔ ایک خدا اور اسکے
رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے تھے" انفنسٹن صاحب نے بھی ہندوؤں
کا جبراً مسلمان کرنا تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی نے ایک ہندو کو
بھی جبراً مسلمان نہیں کیا۔ نہ سوائے لڑائی کے کسی ہندو کے خون سے تلوار کو آلودہ
کیا۔

یہ حال مسلمانوں کے پہلے زمانہ کی تہذیب کا تھا۔ مگر جب ہم اس کا بیان کرنا چاہتے
ہیں کہ وہ اب کیسی ہے تو نہایت درد وحسرت سے ہمکو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ نسبت سابق
کے ہر بات میں مسلمانوں کی تہذیب نہایت تنزل پر ہے۔

مذہب کا یہ حال ہے کہ جو مسئلہ اصل اصول اسلام کا تھا یعنی سوائے ایک خدا کے
اور کسی کو نہ ماننا وہ اپنی اصلیت پر نہ رہا۔ ہزار ہا مسلمان ہیں جو سوائے خدا کے ظاہراً
یا باطناً زندوں یا مردوں۔ چاند اور یا بے جان چیزوں کو پوجتے ہیں۔ اور جن اور بھوت
و پلید کو مانتے ہیں۔ تعویذ و گنڈہ بناتے ہیں۔ حاضرات کا عمل کرتے ہیں۔ شگونوں پر
چلتے ہیں۔ خدا کے سوا دوسروں کی نذر نیاز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کمبخت خدا کے
سوا اوروں کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

روحانی تہذیب جو جان اسلام کی تھی اس کا لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی اثر پایا
نہیں جاتا۔ صرف ظاہری بناؤ و سنوار پر اصل اسلام رہ گیا ہے۔ صدہا مسلمان ہیں
کہ پہروں ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں۔ گھنٹوں دریا میں پڑے رہتے ہیں۔ بے محراب پر

جانماز کے نماز نہیں پڑھتے - بے زیتون کے دانوں کے خدا کا نام نہیں لیتے دکھانے کے لیئے جیب میں مٹی کے ڈھیلے - اور بند میں پیلو کی مسواک - اور دوش پر مصلے اور رومال میں سُرمہ دانی لیئے اور ہاتھ میں تسبیح لیئے پھرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ دل کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں سے پاک کرنے سے مُراد ہے - پہونچنے کی کچھ فکر نہیں کرتے ٭

مذہبی تعلیم بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی - اچھے اچھے عالم بجائے وعظ و نصیحت کے جب کسی مخالف سے بات کرتے ہیں تو اُن کا چہرہ سرخ ہو کر بھیں نیلی پیلی ہو جاتی ہیں - بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں - یہاں تک کہ اگر سیاست کا خوف مانع نہ ہو تو مار ڈالنے میں بھی تامل نہ کریں -

ایسے مغلوب الغضب لوگوں کے علاوہ جو نہایت نیک نفس ہیں اُن کا بھی وعظ اپنے ہی مسجد کے سایہ اور مریدوں کے حلقہ میں ہوتا ہے - اور اُنہیں باتوں پر جن کو ہر کوئی جانتا ہے - ہم نے آج تک نہیں سنا کہ کبھی مولوی صاحب نے مسجد سے نکل کر مذہبی منادی کرنے کے لیئے کسی ریگستان کی گرم ہوا کا صدمہ اُٹھایا ہو - کسی پہاڑ پر جنگلی لوگوں سے اسلام کے پھیلانے میں مصیبت سہی ہو - یا سوائے اُن معمولی باتوں کے جس سے سب کے کان بھرے ہوئے ہیں کبھی نئے کوئی تحقیق کی بات بھی زبان سے نکالی ہو -

امامت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر ایک فرقہ - ہر ایک گروہ نے اپنا ایک جُدا امام ٹھہرا لیا ہے - اور اُن کو روم کے پوپ سے بھی بڑھکر معصوم سمجھ رکھا ہے - اور قرآن تو صرف تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لینے یا مُردوں پر فاتحہ پڑھنے کے لیئے رہ گیا ہے -

اجتہاد پر وہ اعتقاد ہے کہ ہر ایک نے اپنے مجتہد کو نبی سمجھ رکھا ہے - سرمو اُنکے قول یا فعل یا رائے سے تجاوز کرنا جائز نہیں جانتے - اُن کے نزدیک اُس پاک اور معصوم نبی کے قول جس کی باتیں ریگستان اور عرب کے پھرنے والے سمجھ لیتے تھے اُن کے مجتہدوں کے سوا دوسرا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا نہ بے واسطہ اُن کے مجتہدوں کے کسی کو اُسپر چلنا جائز ہے -

جوگی بننے اور تجرد اور رہبانیت کا وہ حال ہے کہ صدہا جوگی مسلمان خیالی دنیا

چھوڑے ہوئے جز تحصیل کرتے اور اپنی محبوبیوں کو گول گول بیش نورانی سے بھرے ہوئے دنیا داروں کو بُرا بھلا کہتے پھرتے ہیں اور مسلمان جاہل بھی اُن کو ولی اور خدا رسیدہ سمجھکر اُن کے ہاتھ نقوض اکو رشوت بھیجتے ہیں۔

تبرکات اور رسوم اور تیوہاروں کا حال ظاہر ہے کہ ہر شہر میں قدم رسولؐ اور مولا علیؑ کی درگاہ اور امام حسنؑ کی کربلا اور حضرت عباسؑ کا روضہ اور بی بی فاطمہؓ کی زیارت موجود ہے اور صدہا مست ہوئے والیوں کے نذروں پر عیدگاہوں سے زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور اُن کے تبرکات کی زیارت نجات کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اُن کے مٹی کے ڈھیروں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں۔

علم کا یہ حال ہے کہ علم ادب کسی زبان میں آتا ہی نہیں۔ شاید معدودے چند مسلمان عالم ہوں گے جو ٹوٹی پھوٹی عربی لکھ سکتے یا بول سکتے ہوں۔

علوم مذہبی کا جاننے والا اور تحقیق کرنے والا ایک بھی نہیں رہا۔ بڑی علمیت یہیں رہ گئی ہے کہ فقہ و حدیث یا تفسیر کی کتابوں میں سے کسی مطلب کے لیئے کوئی روایت ڈھونڈھکر نکال لیجاوے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔

فلسفہ تو اب ہماری قوم میں نام کو بھی سُنا جاتا۔ چند طالب علم کہیں کہیں یونانی فلسفہ کی کتابیں پڑھتے ہیں جس کی اصلیت سے پڑھانے والا پڑھنے والے سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہوتا۔

طبعیات جاننے والا مسلمانوں میں کوئی نہیں رہا۔ ہاں چند مسائل کا بیان اس زمانہ کے عالم اس طرح پر کرتے ہیں کہ عناصر چار ہیں۔ خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ یہ چاروں بسیط ہیں خاک کے اوپر آب اور آب کے اوپر باد اور باد کے اوپر آگ ہے اور وہ بہت بڑا ناری کرہ ہے۔ آسمان کی حرکت سے مشتعل رہتا ہے۔ مگر چونکہ قطبین کی طرف حرکت کم ہے اس لیئے وہاں مشتعل بھی کم ہے۔ اور اس سبب سے اس کی شکل اہلیلجی ہو گئی ہے جب شاگرد پوچھتا ہے کہ اہلیلجی کیا شکل ہے تو اُستاد اپنی سُرمہ دانی نکال کر دکھلا دیتے ہیں کہ ایسی جیسی بیچ سے موٹی۔ دونوں طرف سے پتلی۔ پس اس زمانہ میں عالموں کی یہ طبعیات رہ گئی ہے جس پر ہر کوئی ہنستا ہے۔

علم ہیئت بڑے بڑے درسگاہوں میں تشریح الافلاک و رقوشجی سے زیادہ نہیں پڑھایا

جاتا۔ بڑے بڑے عالم اس زمانہ کے چنینی سے زیادہ نہیں جانتے۔ اُس میں یہ پڑھایا
جاتا ہے کہ آسمان پیاز کے پتروں کی مانند تہ در تہ ہے۔ سب سے اوپر کے پتر کی حرکت
سے تمام اندرونی پتر بہ حرکت کرجاتے ہیں اور اسی طرح سے دن رات اور اختلاف
ہو جاتا ہے۔ دُم دار ستارے کو اب تک ہمارے مولوی صاحب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ
زمین کا دھواں ہے جو کہ آگ کے کرہ تک پہنچنے سے جلنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ
بُجھ جاتا ہے۔

ہندسہ و حساب کچھ باقی ہے۔ اقلیدس کا ابتدا مقالہ اور خلاصۃ الحساب کی تحصیل
اربعہ یا بعد تک فضیلت کی پگڑی بندھوا دیتی ہے۔ مگر طالب علم یہ سوچتے ہیں کہ
تحریر اقلیدس کے پڑھنے اور ان ٹیڑھی سیدھی شکلوں کے بنانے میں کیا فایدہ ہے۔

علم طب۔ ہاں یہ علم بے شک بڑی ترقی پر ہے۔ جس کے عالم یعنی طبیب ابھی تک
معدہ سے جگر تک ماسا ریقا ہی کی تنگ راہ کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ قطع نظر اسکے
یہ علم جس قدر کہ مسلمانوں میں تھا اب اُس کا جاننے والا ہی نہیں رہا۔

علم نباتات کی تحقیقات اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں نے
لکھا ہے کہ سرندیپ میں ایک درخت ہے جس پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ نہ زمین پر اُس کا پتہ گرتا
ہے نہ کوئی جانور اُسے کھا سکتا ہے ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کا اس پر
یقین ہے کہ بعض بوٹیاں ایسی ہیں جن سے سونا چاندی بن سکتا ہے۔

علم حیوانات میں بلا شبہ بڑی ترقی ہے کیونکہ ہم اپنے ہاں کے بڑے بڑے عالموں کو تقریر
کرتے سنتے ہیں کہ اگر بکری کتے سے بچہ پیدا ہو تو اُس کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

علم جغرافیہ کا بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ بڑے بڑے عالم یہ یقین رکھتے ہیں کہ عدن
میں شداد کی بہشت موجود ہے جس کی دیواریں سونے چاندی کی اور ستون زمرد و
یاقوت کے ہیں اور موتی و جواہر کنکر پتھر کی طرح پڑے ہیں۔ اگر کوئی بھولے سے پہنچ
جاتا ہے تو اونٹ اپنا جواہروں سے بھر لاتا ہے۔

دستکاری و فنون بعض تو معدوم ہو گئے اور جو مفید تھے وہ اب تک ہیں اور میری
دانست میں بہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ ترقی پر ہیں۔

اخلاق کا یہ حال ہے کہ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و محبت نیکی و ہمدردی کا نام

نہیں۔ جھوٹ اور مکر۔ ریا اور نفاق۔ کینہ اور عداوت سے گنتی ہی کے مسلمان محفوظ ہوں گے۔

دو آدمی جن سے کبھی کی جان پہچان نہ ہو اس اخلاص سے ملیں گے کہ گویا ماں جائے بھائی ہیں۔ مگر دو دوست ایسے کم نکلیں گے کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی اور غیبت نہ کریں۔ موںھ پر تعریف کرنا اور پیچھے گالیاں دینا ایک عام خصلت ہے۔ اقرار کا پورا کرنا۔ وعدہ کا وفا کرنا کوئی جانتا ہی نہیں۔ مکر و ریا کی مجسم صورت کسی نے نہ دیکھی ہو۔ وہ ہمارے زمانہ کے مولویوں اور درویشوں کو دیکھ لے۔ صورت میں فرشتے اور سیرت میں شیطان۔

حسد اور عداوت تو ہم لوگوں کا خمیر ہو رہا ہے۔ کسی کی عزت ہم لوگوں سے دیکھی ہی نہیں جاتی۔ ہمدردی اور عام محبت کا تو سایہ بھی کسی کے دل پر نہیں پڑا ہمارے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان اپنے ذاتی کاموں کے سوائے عام بھلائی کے کام بھی کرتا ہے۔

غیر مذہب والوں سے سچائی اور اخلاص و محبت سے پیش آنا تو مسلمان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ہاں جھوٹی خوشامد کرنا اور نہایت عاجزی اور ذلت سے کسی امید یا خوف کے سبب سے سر قدموں پر رکھ دینا عام دستور ہے۔

آداب مجلس کے تو ایسے ہیں کہ جس نے جنگل میں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہ دیکھا ہو وہ مسلمانوں کی مجلس کر دیکھ لے۔ بلا اطلاع سبب اجازت کے بے ضرورت کسی کے ہاں جانا۔ بے وجہ پہروں بیٹھے رہنا۔ اور بیہودہ فضول و لغو باتیں کرنا۔ اور فحش اور اخلاق و حیا کے برخلاف مثلوں اور کہاوتوں اور شعروں کا زبان پر لانا۔ بات بات پر قسم کھانا۔ ایک کا دوسرے کو برملا جھوٹا کہہ دینا۔ حرکات و سکنات میں آدمیت کا لحاظ نہ رکھنا بات کرتے کرتے قہقہہ مار کر دوسرے کے ہاتھ کو زور سے جھٹک دینا۔ یا اس کے زانو پر ہاتھ مارنا۔ کسی کی بات کو پوری ہونے سے پہلے بیچ میں بول اٹھنا معمولی آداب ہمارے یہاں کی مجلسوں کے ہیں۔

شادی بیاہ کے دستور نہایت ہی نامعقول ہیں۔ اول تو سب سے بڑا مقصود نکاح کا یعنی رضامندی طرفین کی حاصل ہی نہیں ہوتا۔ نہ مرد عورت کو دیکھنے پاتا ہے

نہ عورت مرد کو۔ یو منون بالغیب پر نکاح کا مدار آرہا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد و عورت دونوں نکاح سے ناراض ہوتے ہیں مگر شرم و خوف سے کچھ بول نہیں سکتے۔ مرد تو دل سے انکار۔ اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور عورت اپنی زار حالت پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہے۔ عین نکاح کے وقت جو نامعقول رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ تو ذکر کرنے کے ہی لائق نہیں۔ اگر ہندوستان کا دولھا پھولوں کا سہرہ سر پر ڈالے سرخ جوڑا پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی ملے ہوئے ایک ٹٹو پر سوار ولایت کی کسی تھیٹر میں کھڑا کر دیا جائے تو غالبًا سارا شہر اس عجیب تماشا کے دیکھنے کو جمع ہوجاوے پھر فضول اخراجات شادی کے اور کھانا بانٹنا یا عام گروہ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح اکٹھا کر کے کھانا کھلانا کیسی نامعقول رسم ہے۔ اُس پر قصبات و دیہات کی وحشیانہ رسمیں تو وبال جان ہیں۔ شرم اس کا نام ہے کہ عورت مر جاوے پر کسی کے سامنے خاوند سے نہ بولے۔ بوڑھی ہوجاوے مگر ماں باپ کے سامنے گھر کا انتظام نہ کرے اور اگر بھولے سے نام خاوند کا لے لیتی ہے تو نکاح ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مسلمان عورتیں شریف خاندان کی اکثر پڑھی لکھی اور خوش سلیقہ با تمیز صاحب عصمت و حیا ہوتی ہیں اور اپنے گھر کا انتظام نہایت خوبی سے کرتی ہیں۔ اور خاندانی عزت کا خیال تو اُن کا خمیر ہے۔ مگر مردوں کی نالایقی اور بدچلنی اور نکاح کے نامعقول دستوروں اور معاشرت کی بد رسموں کے سبب سے اکثر وہ اُس خوشی سے محروم رہتی ہیں جس کی وہ مستحق ہیں۔

بیوہ عورتوں کے نکاح کا معیوب جاننا جو سراسر اسلام کے خلاف ہے عام دستور ہے مگر یہ ساری خرابیاں ہمارے ملک ہندوستان ہی میں ہیں اور مسلمانی ملکوں میں یہ خرابیاں کم ہیں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کا یہ حال ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک مدرسہ بھی ایسا نہیں ہے جو موافق اس ترقی یافتہ زمانہ کی حالت کے کافی ہو۔ بعض نیک مسلمانوں نے اپنے طور پر چند جگہ عربی فارسی کے مدرسے قایم کیئے مگر افسوس ہے کہ اُن کی بھی مدد مسلمانوں نے نہ کی۔ روز بروز اُن کی حالت بھی تنزل پر ہے۔ لیکن اگر وہ ترقی بھی پاویں تب بھی ہماری حاجتوں کے لیئے کافی نہیں ہیں۔ اس لیئے کہ جو علوم اُن میں پڑھائے جاتے ہیں

اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے اصول ہی غلط ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ زمانہ حال کی ترقی نے اُن کا رنگ ڈھنگ بدل دیا۔ اور بعض بالکل غیر مفید اور فضول ہیں۔ ان علموں سے ہرگز یہ اُمید نہیں ہو سکتی کہ ہمارے خیالات کو ترقی ہو۔ یا ہمارے دلوں میں آزادی اور تحقیق کا ولولہ پیدا ہو۔ یا دنیا کے عجائبات اور موجودات کے حقایق کے دریافت کرنے میں ہمکو اُن سے کچھ مدد ملے۔ یا وہ ہمارے فنون کی ترقی اور تجارت اور زراعت اور مال و دولت کے بڑھانے میں کچھ کام آویں۔ پھر جس طور پر تعلیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس قدر عمر کا حصہ اُس میں صرف ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ ملتا ہو یا سوائے لفظوں اور عبارتوں کے علوم کی حقیقت کا اثر پڑھنے والے کے دل پر ہوتا ہو۔

تعلیم سے بڑھکر ہماری اولاد کو تربیت کی حاجت ہے جس کا کچھ بھی سامان نہیں ہے ہزار ہا لڑکے اُن خاندانوں کے جو کہ علم اور شرافت اور عزت میں نامور ہیں کمینوں کی صحبت میں بیٹھکر اُن کی بدعادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بدچلن بازاری آدمیوں کے ساتھ رہکر آوارہ ہو جاتے ہیں۔ اور امیروں اور نوابوں کی اولاد کا بدچلن ہونا تو ایک ضروری امر ہے اِس لیئے کہ ہندوستان کی امیری اور بدچلنی۔ نوابی اور جہالت لازم و ملزوم ہیں۔ اِن فتنوں سے بچکر اگر تربیت بھی ہوتی ہے تو ایسی کہ جس کا فایدہ تربیت نہ پانے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مدرسوں کے طالب علم اگر صبح سے آدھی رات تک برابر کتاب دیکھتے رہیں تو بڑی تعریف کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایسا کھیل جس سے اُن کے قوائے جسمانی کو طاقت ہو اور قدرتی جذبات شگفتہ ہوں کھیلنے نہیں پاتے۔ نہ اُس کا کچھ سامان ہے اسواسطے اکثر طالب علم ایسے ضعیف، و کمزور و لاغر ہوتے ہیں کہ جب وہ مدرسہ سے نکلتے ہیں تو شُبہ ہوتا ہے کہ شاید کوئی مُردہ قبر سے نکلا ہے۔ پھر اخلاق کے درست کرنے اور چال چلن میں شایستگی پیدا کرنے اور عمدہ طور سے زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ مثال ٹھیک ٹھیک ہمارے مدرسہ کے پڑھے ہوؤں پر صادق ہوتی ہے کہ مولویوں کی عقل لڑکے۔ اور لڑکوں کی عقل کتاب لیلیتی ہے۔ یہ نقص تعلیم و تربیت کا زیادہ تر ہندوستان ہی میں ہے مگر ٹرکی اور مصر اور ٹونس میں انتظام ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ پندرہ ہزار مدرسے ٹرکی کی عملداری میں ہیں جس میں

دس لاکھ سے زیادہ لڑکے پڑھتے ہیں اور خاص قسطنطنیہ میں ایک یونی ورسٹی قایم ہے۔ اور دستور التعلیم کے مدرسے اور عورتوں کے اسکول۔ انتہائی علوم کے کالج بالکل یورپ کے ڈھنگ پر جاری ہیں۔ مصر میں بھی اسی طور کا انتظام ہے۔ خود خدیو مصر کے دونوں لڑکے لنڈن کے مدرسہ میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔

لباس و پوشاک ہم ہندوستانیوں اور سنٹرل ایشیا کے مسلمانوں کا کچھ عمدہ نہیں ہے۔ نہ خاص خاص وقتوں اور جلسوں کے لیئے کوئی مخصوص لباس ہے۔ مگر جو لباس ترکوں نے سلطان محمود کے وقت سے پسند کیا ہے اور جسے بعض دانا مسلمانوں نے ہندوستان کے بھی اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ عورتوں کا لباس تو ایسا ہے کہ خود مہذب مسلمان اُس سے شرماتے ہیں۔

ہم ہندوستان اور ایشیا کے مسلمانوں کے کھانے کا طریق بھی کچھ عمدہ نہیں۔ مگر ترکوں اور اکثر مصریوں نے بالکل یورپ کے طور پر یا قریب قریب اُس کے طرز کھانے پینے کا اختیار کیا ہے اور ہندوستان کے بھی بعض تہذیب یافتہ مسلمانوں نے اُسے رواج دیا ہے۔

سیاست مدن میں ایشیا کے مسلمان نہایت ابتری کی حالت پر ہیں۔ بخارا اور خیوا اور مسقط اور زنجبار میں جیسے شرع اور عقل اور انصاف و اخلاق کے برخلاف سیاست کے قاعدے جاری ہیں اور جس میں سے بعض ظلموں کے دور کرنے کے لیئے یورپ کی تربیت یافتہ گورنمنٹوں نے اپنا فرض بھی ادا کیا اُن سے مسلمانوں کی بہت کچھ بدنامی ہوتی ہے ہاں یورپ کی دیکھا دیکھی ٹرکی اور مصر اور ٹونس میں کچھ کچھ ترقی شروع ہوئی ہے اور سیاست مدن کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اُن کے پورانے تاریک خیالات بدلتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نامہ سے جو سلطان نے جنوری ۱۸۶۷ء میں شاہ بخارا کو لکھا تھا جب کہ اُس نے سلطان سے بمقابلہ روس کے مدد مانگی تھی۔ شاہ بخارا اور سلطان کے خیالات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ سلطان لکھتا ہے کہ "اب سلطنت یہی کہ اپنے دوست اور آشنا کو پہچانتا رہے اور سلاطین دور و نزدیک سے راہ و رسم جاری رکھے اور رشتہ محبت و الفت کو محکم و مضبوط رکھے مگر تم نے کسی سلطنت سے راہ و رسم ظاہری پیدا نکی اور وضع و برتاؤ اپنا یہ رکھا کہ کوئی سیاح یا کوئی وکیل کسی سلطنت کا تمہارے

ملک میں وارد ہوا اگر وہ قوم انگریز یا روس ہوا تو اُس کو تم نے سر بازار قتل کیا اور اگر اہل ایران تھا تو اُس کو شیعہ ہونے کے سبب پکڑ کے فروخت کیا اگر باشندہ روم تھا تو اُسپر تہمت جاسوسی اور خفیہ نویسی لگا کر چاہ سیاہ میں قید کر کے ہلاک کیا۔ اب انصاف کرنا چاہئیے کہ یہ راہ و رسم کیسی ہے۔ تم نے وہ طریقہ رکھا ہے کہ کسی سلطنت کی تمہارے ساتھ دوستی نہیں تو اب کس واسطے اور کس رابطہ سے امداد چاہتے ہو اور میں باظہار کونسی راہ و رسم کے شاہ روس سے بگاڑوں۔ یہ فرق جو شاہ بخارا و سلطان کے خیالات میں ہوا صرف نتیجہ یورپ سے نفرت اور اختلاط کا ہے۔ یہ کیفیت حال کے تنزلات کی جو مینے بیان کی ضرور ہے کہ اُس کے سببوں پر بھی کچھہ غور کرنا چاہئیے۔ اس لیئے کہ ہر نتیجہ ایک مناسب سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک سبب کا اُس کے مناسب نتیجہ ہوتا ہے پس یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اُن سببوں کی چھان بین کی جاوے جن سے یہ تنزلات پیدا ہوئے۔ چنانچہ میرے نزدیک اُس کے چند سبب ہیں۔ اوّل شخصیہ سلطنت کا ہونا۔ تمام ایشیا میں ملکی اور قومی اور علمی ترقیاں یا تنزلات ایک بادشاہ کے خیال پر منحصر ہیں۔ جس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کل رعایا کی توجہ اُسی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں سوائے ابتدائی زمانہ کے ہمیشہ شخصیہ سلطنت رہی اور مختلف مزاج اور مختلف خیال کے بادشاہ تخت نشین ہوئے اس لیئے پوری پوری ترقی کسی بات میں حاصل نہیں ہوئی اور اخیر میں جب بادشاہ برابر نالایق اور جاہل اور کاہل ہوتے گئے اور علوم و فنون کی طرف اُنہوں نے کچھہ توجہ نہ کی۔ مُسلمانوں کو بھی ہر بات میں تنزل ہوتا گیا۔ اگر مسلمانوں میں بے خیال بادشاہ کے ہر چیز کی طرف وہ توجہ ہوتی جو اب یورپ کی رعایا کو ہے تو ہرگز یہ قومی تنزلات نہ ہوتے۔

دُوسرا سبب مذہبی اوہام۔ میرے نزدیک جیسا کہ ایک سچا مذہب جو اوہام اور غلط خیالات سے پاک ہو تہذیب کی ترقی کا بڑا سبب ہوتا ہے اُسی طرح جھوٹا مذہب یا وہ مذہب جس میں لغو اوہام اور بیہودہ خیالات مل جل گئے ہوں ساری ترقیات کے روکنے کا بڑا قوی سبب ہے۔

مذہب اسلام فی نفسہ نہایت سچا اور صحیح مذہب ہے مگر خود ہم لے اپنے لغو خیالات سے اُسکو ایسا کر رکھا ہے کہ علوم میں۔ فنون میں۔ اختلاط میں۔ ہمدردی میں۔ غرضکہ ہر چیز میں

بجائے ترقی کے ہمکو مذہبی مزاحمت ہوتی ہے۔ اور آزادی رائے جو ایک قدرتی حق اور
ایک سچے مذہب کا پہلا اصول ہے وہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ آزادی رائے کی
مزاحمت ہی ساری خرابیوں اور تمام تنزلات کی جڑ ہے۔ کیا خوب کہا ہے مل صاحب نے
کہ "جب انسان کا دل قانون کے خوف یا کسی اور ڈر سے بڑی بڑی ضروری باتوں میں
آزادانہ گفتگو نہیں کرسکتا تو اکثر سستا و ضعیف ہوجاتا ہے اور جبکہ یہ سستی کسی قدر
اور زیادہ ہوتی ہے تو روزمرہ کی باتوں اور معمولی معاملوں میں بھی کچھ ترقی نہیں کرسکتا اور
جبکہ اور بھی زیادہ سستی بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنی پہلی حاصل کی ہوئی باتیں بھی بھول
جاتا ہے۔"

مسلمانوں میں مزاحمت آزادی رائے کی ہر زمانہ میں مذہبی اوہام کے سبب سے چلی آئی
رہی کسی زمانہ میں کم کسی میں زیادہ۔ اور یہی وجہ ہے عام ترقی مسلمانوں نے کی جب
یہ مزاحمت بڑھ گئی تو پورا پورا تنزل ان کو نصیب ہوا۔ چنانچہ ہم اپنے زمانہ میں سارے
تنزلات اس مزاحمت کی ترقی ہی کے سبب سے دیکھتے ہیں۔

تعصبات یعنی عام دوستی نہ رکھنا سچائی اور صفائی سے غیر قوموں سے نہ ملنا غیر مذہب
والوں کی عمدہ باتوں کو اختیار نہ کرنا۔ غیر ملکوں کا سفر نہ کرنا جو تہذیب اور ساری ترقیوں
کی بڑی روکنے والی چیزیں ہیں صرف مذہبی اوہام کے نتیجے ہیں جس میں ہم مسلمان خصوصاً
ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں۔

تیسرا سبب اشاعت علوم و فنون کے عام اور آسان وسیلوں کا نہ ہونا۔ بڑا
عمدہ وسیلہ ترقی کا ملکی زبان ہے کسی ملک اور کسی قوم نے کچھ بھی ترقی نہیں پائی جب تک
اسی ملک یا اسی قوم کی عام زبان میں علوم کا رواج نہیں ہوا۔ مگر اس سے مسلمانوں
نے عموماً غفلت کی۔ عام علوم انھوں نے عربی زبان میں رکھے اور دنیا کے سارے
حصوں میں جہاں جہاں وہ گئے عربی ہی کو علوم کی کنجی سمجھتے رہے اسواسطے مذہبی اور
عقلی اور تمام قسم کے علوم اس فرقہ سے مخصوص رہے جو کہ اول زبان کی مشکل کو طے
کرتے اور عالم کہلاتے اور عام لوگ ہمیشہ کاٹھ کے الو رہے۔

ہمارے زمانہ میں جو چند مذہبی کتابوں کا ترجمہ ملکی زبان میں ہوا ہے اس کا یہ
اثر ہے کہ ہزاروں مسلمان اردو خوان ہیں کہ وہ حدیث تفسیر فقہ عقاید تاریخ سے ایسے واقف

ہو گئے ہیں کہ تیس برس پہلے شاید سوائے دہلی کے مشہور مولویوں کے کوئی اُن سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ نتیجہ ملکی زبان میں علوم کے ترجمہ ہونے کا ہے۔

چھاپہ کا نہ ہونا بھی اگلے زمانہ میں ترقی نہ کرنے کا ایک بڑا سبب تھا چنانچہ اس زمانہ میں جو ترقی دکھائی دیتی ہے ہرگز نہ ہوتی اگر یہ عمدہ ہنر ظاہر نہ ہوتا۔ اسی ہنر کا نتیجہ ہے کہ ریویو اور جرنل اور میگزین اور اخبار اور مختلف قسم کے کاغذات کے ذریعہ سے علوم و فنون کی وہ باتیں عوام میں پھیلی جاتی ہیں جن کو صرف عالم لوگ جانتے تھے اور جسکے سبب سے اب علوم و فنون کا تنزل پانا خیال میں نہیں آتا اور معدوم ہونا تو ایک امر محال ہے۔

سفر کے ذریعوں کی آسانی بھی ملکی تہذیب کا بڑا سبب ہے۔ انسان کا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ عمدہ باتوں کے دیکھنے تربیت یافتہ قوم سے ملنے کا اثر ضرور اُس پر پڑتا ہے اور کسی کو اچھا کام کرتے دیکھکر لامحالہ اُسے پسند کرتا ہے۔ یہاں تک کہ متعصب جاہل سا جاہل بھی اُس سے محروم نہیں رہتا اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک دوسرے ملکوں میں جانے اور غیر قوموں سے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ چونکہ یہ آسانی اگلے زمانہ میں نہ تھی اس لیئے ترقی جیسی کہ چاہیئے نہ ہوئی۔ اور اس زمانہ میں علوم و فنون کی جو کچھ ترقی ہے وہ صرف سفر کی آسانی سے ہے۔ اس مبارک زمانہ میں ریل اور تاربرقی وہ چیزیں ہیں جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کو ایک کردیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے خیالات بھی ایک ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُمید ہے کہ ایک ایسا وحدت کا زمانہ آجاوے جس میں کسی چیز میں بھی اختلاف نہ رہے یہانتک کہ مذہب بھی سب کا ایک ہوجاوے اور غالباً وہ مذہب وہی ہوگا جو کہ بالکل نیچر کے مطابق ہو جسے میرے دوست سید احمد خاں بہادر ٹھیٹ اسلام کہتے ہیں۔

چوتھا سبب جو خاص ہندوستان کے بدنصیب مسلمانوں کے تنزلات کا سبب ہوا ہندوستان کا وطن کرلینا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جبکہ ہندوستان میں آئے اُس وقت نہایت تنومند اور سُرخ و سفید اور قوی و تندرست تھے طبیعتیں بھی اُن کی آزاد تھیں۔ دلوں میں بھی اُن کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی

پابندی سے اُن کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا اور اُن قوموں سے مل گئے جو کہ اُن سے قوت میں۔ دلیری میں۔ آزادی میں۔ علم میں معاشرت میں کم تھیں اور چھوت اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات اُن کے رگ و ریشہ میں سمارہے تھے تو رفتہ رفتہ وہ بھی ویسے ہی ہوگئے۔ اُن کی اصلی لتیں بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم میں تھا بدل گیا۔ وہ ہڈی جو اسمٰعیل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرض کہ چہرا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا۔ تمام وہ جوش جو اُٹھے تھے اُس ریتیلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کردیا تھا ہندوستان میں آکربے آف بنگال میں ڈوب گئے۔

اگر اب ہم آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنی چاہیں کہ آیندہ کو مسلمانوں کی تہذیب کیسی ہوگی تو ہمکو کسی ترقی یافتہ ملک کے حال پر نظر ڈالنی چاہیئے کہ اُس نے کیونکر ترقی کی۔ اگر وُہی آثار ہماری قوم میں بھی پائے جاویں تو ہمکو ضرور آیندہ کی ترقی کی اُمید کرنی چاہیئے۔ ہم یورپ کا حال دیکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ارسطو کا فلسفہ یورپ میں جاری تھا اور وہ دین مذہب سے ویسا ہی مل گیا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے مذہب سے مختلط ہو رہا ہے۔ اور جبتک وہ قائم رہا کسی طرح کی مذہبی یا عقلی ترقی یورپ میں نہیں ہوئی۔ آخر تیرھویں صدی میں تقلید کے چھوڑنے کی راہ نکلی چنانچہ روجر بیکن نے جو ۱۲۱۴ع میں پیدا ہوا اور جو حقیقت میں شاگرد مسلمان فلسفیوں کا تھا اپنا پانُوں تقلید سے نکالا اور فلسفہ بحثیہ قیاسیہ کو چھوڑ کر فلسفہ شہودیہ یہ تجربیہ پر متوجہ ہوا۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر جبکہ ارسطو کی فلسفہ کو لوگوں نے غلط جانا تب وہ افلاطوں کی فلسفہ پر متوجہ ہوئے۔ اور اس لیئے ترقی فلسفہ کی رُک گئی۔ مگر پندرھویں صدی کے شروع میں طلیس اور کپلا اور ریس محققوں نے اس فلسفہ کے اصول کے باطل کرنے پر کوشش کی اور تحقیق کی راہ نکالی۔ مگر جس طرح کہ اس زمانہ کے مسلمان ایسے امور میں تحقیق کو کفر بتاتے ہیں وُہی مصیبت اُن بیچاروں پر بھی پڑی۔ بیکن کی تکفیر کا فتوے دیا گیا۔ اور ریس نیل کیا گیا۔ پھر بڑا انقلاب

یورپ میں ہیئت قدیمہ کی غلطی بیان کرنے اور ہیئت جدیدہ کے ثابت کرنے پر ہوا
اگلے زمانہ میں یورپ کے لوگ آسمان و زمین کو ویسا ہی جانتے تھے جیسا کہ اب مسلمان
بطلیموسی ہیئت کے موافق مانتے ہیں اور یہ مسائل مذہب میں ایسے ہی داخل سمجھے جاتے
تھے جیسا کہ اب مسلمان سمجھتے ہیں۔ مگر کوپرنیکس نے جو کہ پروشیہ کی طرف کا رہنے والا تھا
سنہ ۱۵۳۰ء میں چاہا کہ اس ہیئت کی غلطی ظاہر کرے مگر پادریوں اور مذہبی لوگوں کے
سبب سے اُسے جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر سنہ ۱۵۴۳ء میں اُس نے ایک کتاب لکھی مگر اُس کے
مشہور کرنے میں بڑا تامل کیا۔ آخر سنہ ۱۵۴۳ء میں چھپ کر شائع ہوئی اُس کا مشہور ہوا مگر وہ اُسی زمانہ
میں مر گیا اور برونو نامی حکیم نے اُسے مشہور کیا مگر وہ بھی تھوڑے دنوں میں نکالا گیا اور دینی محکمہ
میں اُس کی تحقیقات کی گئی اور اُسکو کفر و الحاد کے مسائل کا پھیلانے والا ٹھہرایا آخر ش
وہ بیچارہ روم میں زندہ جلا دیا گیا۔ اور سنہ ۱۶۰۰ء میں کہ اُس نے ایک صحیح مسئلہ ہیئت کا زبان سے
نکالا تھا۔ سنہ ۱۶۰۹ء میں گلیلو نامی حکیم نے دوربین ایجاد کی اور اس حکمت کی رونق دی مگر
متعصب پادریوں کو اس سے بڑی برہمی ہوئی۔ انہوں نے اُسکو ملحد ٹھہرایا اور آخر
ایک حجرہ تنگ و تاریک میں بند کیا۔ مگر باوجود اس کے پھر اُن نامور حکیموں کی تحقیقات
کو نہ مذہبی تعصب روک سکا۔ نہ جاہلانہ خیالات اُس کے مزاحم ہوئے۔ اور اب اُس کو
وہ رونق ہے کہ اگر اُس کے برخلاف ہیئت قدیمہ کا مسئلہ کسی کی زبان پر آوے تو کیا حکیم
کیا پادری سب اُس آدمی کو پاگل اور دیوانہ بنا دیں۔ پھر ارسطو کا فلسفہ جو مذہب میں
داخل ہو گیا تھا اور پوپوں کو معصومیت کا درجہ دیا گیا تھا اور نجات کے فرمان بیچنے کا اُن کو
اختیار تھا اور آسمانی کتابوں کے پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی ان
غلط خیال کو نامور لوتھر نے کھویا مگر جو مصیبت اُس پر اور اُسکی پیروی کرنے والوں پر
ہوئی اُس کے سننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے۔ مگر آخر کار اُسے کامیابی ہوئی۔

یہی حال بجنسہ اب ہم مسلمانوں میں پاتے ہیں۔ ترکی میں۔ مصر میں اور ہندوستان
میں بھی بعض خدا ترس آدمی اپنی قوم کی بھلائی کے لیئے آمادہ ہوئے ہیں اور جس طرح کہ اُن
یورپ کے عالموں نے مسائل حکمت کے بیان کرنے میں کوشش کی ہے اسی طرح یہ
لوگ بھی کر رہے ہیں۔ جو کہ اس زمانہ میں انتظام سلطنت کا دوسرے قاعدہ پر ہے اس
سبب سے اُن حق بات کہنے والوں کو کچھ مضرت نہیں پہونچی۔ صرف کفر و الحاد کے

فتنوں ہی پر خیر گذری ورنہ ان پر اُس سے بھی زیادہ سخت مصیبت گذرتی جو اگلوں پر گذری ہے مگر ان تمام حالات سے آیندہ کی بہتری کی اُمید ہوتی ہے۔

ٹرکی یعنی روم کی سلطنت جو کسی زمانہ میں نہایت قوی تھی اسی صدی کے شروع میں نہایت تنزل کی حالت پر پہنچ گئی تھی۔ مولویوں کی خیانت اور قاضیوں کی بددیانتی اور لوگوں کی جھوٹی ایمانداری اور عوام کے مذہبی اوہام اور تعصبات کے یہ نوبت پہنچی تھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا نشان اسپین کی طرح اُس مُبارک زمین سے مٹ جاوے مگر خدا نے سلطان محمود کے دل سے ان بیہودہ توہمات کو نکال کر اُسے انتظام مملکت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک تبدیلی معاشرت اور سیاست کے قاعدوں میں کرنی چاہی۔ مگر جیسا کہ نادان اور خودغرض مذہبی آدمی جن کا عوام پر بہت کچھ رعب داب ہوتا ہے ہمیشہ اپنی عزت اور دولت کے خیال سے ایسے کاموں میں مانع ہوتے ہیں اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا۔ مگر آخر نوبت خونریزی کی پہونچی اور جب تک کہ بہت سے مولویوں اور قاضیوں اور اسلام کے بدنام کرنے والے مسلمانوں کے سر اسلام پر قربان نہ کیے گئے وہ انتظام پورا نہ ہوا۔ مگر آخر کار سلطان نے فوج کی وردی بالکل بدل دی۔ اور یورپ کی سلطنتوں کا سا انتظام جاری کیا۔ پوشاک و طریق خوراک اور طرز معاشرت بھی بدل دیا۔ غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ اور غلامی بھی قطعاً موقوف کر دی۔ اور بلا لحاظ قوم و مذہب کے اپنی عام رعایا کے حقوق ایک کر دیئے۔ ٹیکا لگانے کا کارخانہ جاری کیا۔ علم تشریح کا مدرسہ بنوایا۔ وبائی بیماریوں کے لیئے شفاخانے تیار کرائے۔ فرانس اور جرمن اور انگلستان کی علمی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کرایا۔

بعد مرنے اس سلطان کے اُس کے جانشینوں نے بھی اُس میں ترقی کی۔ چنانچہ سلطان عبد العزیز خاں جو اب تخت پر ہے ۱۸۶۷ء میں فرانس اور لندن گیا اور وہاں کی شان و شوکت اور عجیب غریب کارخانوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ پھر شاہ آسٹریا اور ولی عہد انگلستان اُس کے یہاں آئے اور مہمان ہوئے اور رشتہ دوستی و محبت کا جو کہ ملک و عزت کی ترقی کا بڑا قوی سبب ہے باہم ان بادشاہوں کے مضبوط ہوا۔

غرض کہ ان تبدیلوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب ٹرکی کی سلطنت کسی طرح ضعیف نہیں سمجھی جاتی اور یورپ کی اور سلطنتیں بھی عزت کی نگاہ سے اُسکو دیکھتی ہیں تعلیم و تربیت

اور ترقی ملک کے وہی اصول و قواعد جاری ہیں اور ہوتے جاتے ہیں جو یورپ کی اَور شایستہ سلطنتوں میں جاری ہیں۔ یورپ کی صنایع بدایع پر بھی بڑی توجہ ہے آہنی سڑکیں بھی تیار ہوتی جاتی ہیں۔ انتظام دربار اور عدالت اور کچہریوں کا بھی یورپ کی اَور سلطنتوں کے طور پر کیا گیا ہے۔

یہ ترقی جو کچھ سلطان حال نے کی وہ نتیجہ یورپ کی سیر اور فرانس اور لنڈن میں جا کر وہاں کے کارخانوں کے دیکھنے کا ہے جس سے اس کے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی چنانچہ جب سلطان یورپ کے سفر سے لوٹا تو اُس نے عام دربار میں ایک اسپیچ کی جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ "جن قوانین کی قباحتوں سے ہم از روئے تجربہ واقف ہوگئے تھیں اُن کی ترمیم و تکمیل اور جن قواعد کی خوبی ہمکو معلوم ہوگئی ہے اُن کے استحکام سے ہمارا ملک اور ہماری قوم بہت جلد دولت و اقبال کے اعلےٰ درجہ پر پہونچیگی"۔

مصر بھی ترقی پر ہے۔ اس میں بھی تعلیم و تربیت اور انتظام مملکت یورپ کے ڈھنگ پر ہوتا جاتا ہے۔ خود خدیو مصر کئی مرتبہ فرانس اور لنڈن گیا اور اس وقت اُس کے دو لڑکے لنڈن کے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔

ٹونس جو ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی ہے نہایت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس ریاست کا وزیر سید خیر الدین احمد جو دوسرا رشید پاشا اور ایک روشن ضمیر اور لایق آدمی ہے اُس نے یورپ کے حالات سے بخوبی واقفیت پیدا کی۔ بہت سے لوگوں کو اپنے ملک کے۔ فرانس اور لنڈن کے حالات دریافت کرنے کے لیئے بھیجا۔ اور بہت سی علمی کتابوں کو عربی زبان میں کیا۔ خود اُس نے ایک ایسی عمدہ کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے تمدن و معاشرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جہالت اور ذلیل حالت پر کس قدر متاسف ہے۔ اس وزیر نے اپنا پرانا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور تعلیم و تربیت کے لیئے مدرسے بالکل یورپ کی طرز پر جاری کیئے ہیں۔ اس وقت اُس کے چھاپہ خانہ میں بہت سی علمی کتابیں چھپ رہی ہیں اور ایک مسلمان عالم ابو العباس نامی جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ تک فرانس اور لنڈن اور اَور شہروں میں یورپ کے رہا ہے اور فرانسیسی اور انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہے اُس کا مہتمم اعلےٰ ہے۔ اس مسلمان عالم نے بھی کئی کتابیں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ مسلمانوں کو جوش اور ولولہ پیدا ہو

اور وہ علوم و فنون کو جو یورپ میں جاری ہیں اپنے علموں سے مقابلہ کریں۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ "ہمارے اور یورپ کے علموں میں یہ فرق ہے کہ ہم مدرسہ میں بیٹھکر بیس وجہوں سے صفت مشبہہ کی لفظی بحث کرتے ہیں۔ اور یورپ کے تعلیم یافتہ رومنٹ میں لیورپول سے آسٹریا کو خبر بھیجتے ہیں" ان دونوں تعلیم کا جداگانہ اثر جو ملک اور قوم کی ترقی پر ہوتا ہے وہ اس سے ظاہر ہے۔ ایران میں بھی شاہ کے یورپ جانے سے اُمید ہے کہ آیندہ زمانہ میں کچھ ترقی ہو۔

امیر کابل بھی جب سے انگلستان سے واپس گیا ہے اپنے تاریک خیالات کی پابندی چھوڑتا جاتا ہے۔ یہ ترقیاں جو کچھ ان ملکوں میں ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں ان پر نظر کرکے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ان ملکوں کے جو کہ ہمسایہ یورپ کے ہیں ایسی ترقی کرتے جاویں اور ہندوستان کے مسلمان جو ایک تربیت یافتہ گورنمنٹ کے زیر سایہ ہیں وہ جیسے تھے ویسے ہی رہیں۔

جن لوگوں نے جناب نواب گورنر جنرل بہادر کی وہ درد و حسرت بھری ہوئی تقریر مسلمانوں کی تعلیم کی نسبت سنی ہوگی۔ [illegible] نے لیفٹیننٹ گورنر بہادر بنگال کو عام جلسوں میں [illegible] پیش کرتے ہوئے دیا تھا ہوگا۔ اور جو لوگ گورنمنٹ بنگال و مدراس کی توجہ سے جو مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ہے واقف ہوں گے اُن کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا اس خیال سے کہ اُس کا اثر جیسا کہ چاہیے اب تک نہیں ہوا۔

لیکن جب میں چند سال پہلے کا حال اس زمانہ سے ملاتا ہوں تو کچھ اُمید اُن کی ترقی کی پائی جاتی ہے۔ اور اُن کے خیالات میں بھی ایک قسم کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ چند سال کا ذکر ہے کہ کلکتہ کے عربی مدرسہ کے لڑکے مدرسہ کے پرنسپل پر ڈھیلے پھینکتے تھے۔ اور اب خود انگریزی پڑھتے ہیں۔ دو تین برس ہوئے کہ انگریزوں کے چھوئے ہوئے گلاس میں پانی پینے سے لوگ ڈرتے تھے اور اب اُن کے ساتھ عام جلسوں میں کھاتے پیتے ہیں۔ بلوہ سے پہلے سوسیٹی اور علمی جلسوں کا نام بھی نہ تھا۔ اور اب ہر جگہ اُس کا چرچا ہوتا جاتا ہے۔ اخبارات میں سوائے دوسرکی بکری اور چھ آنکھ کے بیل کے کوئی عمدہ مضمون نہ ہوتا تھا۔ اور اب کے اخبار ہیں جن میں عمدہ آرٹیکل ہوتے ہیں جن میں سے

اودھ اخبار جس کا اڈیٹر نہایت ہی لایق اور ذی استعداد اور عالی دماغ ہے ہندوستان کا
ٹیمز اخبار سمجھا جاتا ہے - اور علیگڈھ کا اخبار جس کا اڈیٹر ایک روشنضمیر تعلیم یافتہ مسلمان ہے
اور کلکتہ کا اُردو گائیڈ جس کا مالک ایک مشہور عالم ہے اور پنجاب کا پنجابی اخبار اور پیسہ
کا اخبار عالم اور بعض اَور اخبار عمدہ خیالات پیدا کرنے کے اچھے ذریعے ہیں - اور ان
سب سے بڑھکر وہ روشن ستارہ ہے جسے ہند کے آفتاب نے صرف مسلمانوں میں
روشنی پھیلانے کے لیئے نکالا ہے یعنی تہذیب الاخلاق جس کا اثر لوگوں کے
دلوں پر بہت کچھ ہوا اور ہوتا ہے -

ان سب سے بڑھکر ہمارے دل کو قومی ترقی کی پوری اُمید دلانے والی وہ تجویز
ہے جو ایک نامور گروہ نے مسلمانوں کے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کی نسبت کی ہے
یعنی قایم کرنا ایک مدرستہ العلوم کا اس لیئے کہ ہمارے موجودہ مدرسے گو اُن کی
کتنی ہی ترقی کی جاوے قومی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتے - جیسا کہ میں اوپر بیان
کر آیا ہوں اور ہماری گورنمنٹ کے موجودہ مدرسے بھی ہماری حاجتوں کے موافق
نہیں ہیں اس لیئے کہ قطع نظر اس کے کہ جو حصہ عمر کا ان مدارس کی تعلیم میں ضایع
ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ نہیں ملتا اور نہ اُن علوم تک ہماری رسائی ہوتی ہے
جس سے ہم ایک روشنضمیر عالم سمجھے جاویں - یہ بہت بڑا نقص ہے کہ ہم اپنی مذہبی
تعلیم اور تربیت سے محروم رہتے ہیں اور یہی بڑا جزو قومی ترقی کا ہے - اگر ہم مدرسہ
میں پڑھکر ریل گودام کے بوروں پر انگریزی حرفوں میں نام لکھنے لگے اور اپنے مذہبی
عقاید سے ناواقف ہوکر لامذہب ہو گئے - تو ہم ایک تربیت یافتہ مسلمان نہیں
ہو سکتے - اس لیئے جو تجویز مدرستہ العلوم کی کی گئی ہے درحقیقت وہ ایک عمدہ بنیاد ہے
جو مسلمانوں کی اصلی ترقی کے لیئے ڈالی گئی ہے - مگر افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں ہی میں
بعض ایسے ہیں کہ گورنمنٹ کی خوشامد سے تاکہ اُس کے انتظام تعلیم کے ممد و معاون
ٹھہر کے کسی خطاب کا استحقاق پیدا کریں یا اپنے مذہبی اوہام کے سبب سے یا ذاتی
طبیعت کی تاثیر سے اس عمدہ تجویز سے مخالف ہیں اور اپنی اوقات کا بڑا حصہ اُس کی
مخالفت میں ضایع کر رہے ہیں - یہ مسلمان وہ ہیں جو نہیں چاہتے کہ مسلمان دوسروں
کی زبان سیکھیں یا غیر مذہب والوں سے بہ صفائی و سچائی ملیں - بڑی خواہش اُن کی یہ

ہے کہ وہ نفرت اور عداوت جو نسل اور مذہب اور مُلک کی مغایرت سے پیدا ہوگئی ہے قدرت اور عقل کی روشنی سے نیست و نابود نہ ہونے پاوے۔ اور وہ قدرتی رشتہ محبت کا جو سارے بنی آدم خصوصاً مسلمانوں اور اہل کتاب میں ہے کسی طرح مضبوط اور مستحکم نہ ہو۔ مسلمان اُن علوم و فنون کو سیکھنے نہ پاویں جن سے اُن کے دل روشن اور خیال وسیع ہوں یا موجودات کی اصلی حقیقت حاصل کریں۔ اُنکی منتہائے کوشش یہ ہے کہ وہ قوتیں جو اس وقت تک مسلمانوں میں کسی قدر باقی ہیں ایک جگہ جمع نہ ہوں بلکہ متفرق متفرق بیجا طور پر ضایع ہوتی ہیں۔ اگر جمع بھی ہوں تو وہ ان کاموں میں صرف کی جاویں جن سے بجائے بھلائی کے ضرر پیدا ہو۔ اگر یہ لوگ علم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ اس اُنیسویں صدی میں وہ علوم پڑھائے جاویں جو آٹھویں صدی میں جاری تھے۔ اور اگر مذہب پر جھکتے ہیں تو اُن کی یہ رائے ہوتی ہے کہ سولھویں صدی کے روم کے عیسائیوں کا زمانہ پھر اسلام میں آ جاوے۔ یہ لوگ جب انگریزی طور پر تعلیم و تربیت کا نام سنتے ہیں تو ایک بے اختیاری جوش اُن کے دل سے اٹھتا ہے اور جب کچھ اور اُن سے نہیں ہو سکتا تو کفر کا فتویٰ ہی دے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ وہ یا تو اپنی نادانی سے یا درحقیقت عوام مسلمانوں میں جن کا دل تعصبات کا خزانہ ہو رہا ہے ایک جھوٹی عزت پیدا کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ انگریز وحشی علم کی حقیقت کیا جانیں۔ وہ تو صرف لوہار اور بڑھئی اور [illegible] کے کاموں کو اچھا جانتے ہیں۔ علوم کا خزانہ تو ہمارا صدرا اور میبذی ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں سے سوائے اس کے کیا اُمید ہو سکتی ہے جو وہ کر رہے ہیں لیکن یہ مخالفتیں اُن کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ جوش جو اُٹھا ہے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا اب اُن کفر کے فتووں سے رُک نہیں سکتا۔ صدہا مسلمان ہیں جن کے دلوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ جو زمانہ گذر گیا وہ گذر گیا۔ اب ہماری بھلائی اس میں نہیں ہے کہ جو کچھ ہمارے بزرگوں نے پڑھا وہی ہم بھی پڑھیں۔ اور جو کام ہمارے باپ دادا کرتے تھے ہم بھی کریں بلکہ ہماری بھلائی اس میں ہے کہ ہم چاروں طرف آنکھ کھول کر دیکھیں اور اُن علوم و فنون کو جن کے عجیب و غریب نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں حاصل کریں۔

اس موقع پر کہ میرے کلام کا سلسلہ مسلمانوں کی ترقی کی تدبیروں تک پہونچا بڑی ناانصافی ہو اگر میں اُس نامور خیر خواہ اسلام کا نام نہ لوں جو ان سارے جوشوں کا سرچشمہ ہے یعنی مولوی سید احمد خاں بہادر۔ اسی نامور شخص نے اول پاؤں اپنا تعصبات اور تقلید اور رسم و رواج کی پابندی سے نکالا۔ اور رائے کی آزادی اور تحقیق کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا اور اپنی تقریر سے اپنی تحریر سے، اپنے برتاؤ سے۔ اپنے عادات سے ایک نمونہ مسلمانوں کے لیئے قائم کر دیا۔ اور وہ مزاحمتیں جو مسلمانوں کے دلوں کو پکڑے ہوئے تھیں اپنے پُر زور ہاتھ سے توڑ دیں۔ ابتدائی کوشش اس نامور مسلمان کی غازی پور کا مدرسہ اور علیگڈھ کی سین ٹیفک سوسئیٹی ہے اور اخیر کام اس کا مدرسۃ العلوم ہے۔

وہ تعلق جو مسلمانوں کو انگلستان سے ہے اور وہ ضرورت جو اہل اسلام کو انگریزی طور پر تعلیم و تربیت پانے کی ہے اُسے بھی اسی شخص نے ظاہر اور ثابت کر دیا۔ خود لنڈن کا سفر اختیار کیا۔ اپنے صاحبزادہ کو کیمبرج کالج میں عمدہ تعلیم دلائی حالانکہ جس زمانہ میں اُنہوں نے ولایت جانے کا قصد کیا۔ مسلمان ولایت جانے اور وہاں کے مدرسوں میں پڑھنے کو کفر جانتے تھے یہاں تک کہ جو اسکالرشپ لارڈ لارنس صاحب نے تجویز کی تھی اُس کا کوئی لینے والا مسلمان ممالک مغربی و شمالی میں نظر نہ آتا تھا اور آج جو وہ مسلمان ہندوستان کے لنڈن میں موجود ہیں (علاوہ نواب مرشد آباد کے) جن میں سے چند نوجوان لڑکے صرف تعلیم و تربیت کے لیئے گئے ہیں چنانچہ ایک بمبئی کے امیرزادے نے امسال میں منرالجی کے امتحان میں دوسرا سارٹیفکٹ پایا ہے اور درحقیقت یہ سب بڑے عمدہ نشان مسلمانوں کی ترقیوں کے ہیں۔

اب میں اپنے اس لکچر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کے دلوں سے اُن خیالات کو دُور کرے جو اُن کی ترقیوں کے روکنے والے ہیں اور جو اسباب اُن کی ترقی کے تجویز کیئے گئے ہیں اُن کو پورا کرے اور جو شخص مسلمانوں کی ترقیوں کی تدبیر کرنے والا ہے اُسکی عمر و دولت میں ترقی ہو۔ امین ۔

# حصہ سوم

## طعام اہل کتاب

جب سے ہم لوگوں میں طعام اہل کتاب کی اباحت اور حرمت کی نسبت گفتگو شروع ہوئی ہے تب سے اکثر لوگوں کو اس امر کی تحقیق کی خواہش ہے کہ اصحاب نبوی اور اُن لوگوں کا جو قرون ثلثہ میں تھے کیا طریقہ تھا۔ آیا وہ اہل کتاب کے کھانے کو حلال جانتے تھے یا حرام یا مکروہ سمجھتے تھے اور اُن کی دعوت کو قبول کرتے تھے یا نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اہل کتاب کے کھانے اور اُن کے ساتھ کھانے کو مباح اور جائز تصور کیا اُنھوں نے اسلاف کرام کے اقوال سے اُس کے جواز کو ثابت کیا۔ مگر اب تک کسی نے صحابہ کی عام رسم و رواج کو اس معاملہ کی نسبت ہمارے پچھلے محققین اور علمار کے کلام سے ثابت نہ کیا۔

مَیں مدت سے اسکی تحقیق میں ہوں۔ چنانچہ اتنا تو مجھے ثابت ہوگیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی اہل کتاب سے مصالحہ کرتے اور اُن سے عہد لیتے تو عہدنامہ میں منجملہ اور شرایط کے ایک یہ بھی شرط کرتے تھے کہ جب کبھی مسلمان کا اُن کے یہاں گذر ہووے تو تین دن تک مہمانی کریں۔ مگر یہ بات صاف معلوم نہ ہوئی تھی کہ اُسوقت مہمانی کا کیا قاعدہ تھا۔ آیا اہل کتاب خشک دانے دیدیا کرتے تھے یا قیمت کھانے کی نذر کیا کرتے تھے یا اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاتے تھے یا خود بھی اُن مسلمان مہمان کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھاتے تھے چنانچہ مدت سے مجھکو اس امر کی تلاش تھی کہ آج میں کتاب تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان کو جو خلاصہ کتاب اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان تصنیف علامہ ابن قیم کا ہے دیکھ رہا تھا کہ اُس میں مَیں نے ایک مضمون

دیکھا جس سے صاف ثابت ہوگیا کہ اصحاب نبوی نہ صرف اہل کتاب کے کھانے کو جائز جانتے تھے بلکہ اُن کی ضیافت کو قبول کرتے اُن کے یہاں کے پکے ہوئے کھانے کو اُنکے گھر اور اُن کے عبادت خانوں میں جاکر کھاتے ۔ چنانچہ اُس کتاب کی اصل عبارت اور ترجمہ کو ذیل میں لکھتا ہوں ۔ پس جو دیندار مسلمان آج کل کے لوگوں پر اطلاق کفر اور تنصر کا اس بات کے کرنے سے جو صحابہ نبوی کیا کرتے تھے کیا کرتے ہیں نہ کریں ۔ اور صرف پابندی رسم و رواج سے در پردہ الزام صحابۂ رسول پر نہ لگا دیں ۔

## عبارت اصل کتاب

ومن ذالک انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یجیب من دعاہ فیاکل من طعامہ واضافہ یہودی بخبز شعیر واہالۃ سنخہ واحل اللہ اطعمۃ اہل الکتاب وکان المسلمون یاکلون من اطعمتہم وشرط علیہم عمر ضیافۃ من یمر بہم من المسلمین وقال اطعموھم مما تاکلون ولما قدم عمر الشام صنع لہ اہل الکتاب طعاما فدعوہ فقال این ھو قالوا فی الکنیسۃ فکرہ دخولہا وقال لعلی اذھب بالناس فذھب بالمسلمین واکلوہ وجعل علی ینظر الی الصور بالکنیسۃ ویقول ما علی امیر المومنین لو دخل واکل ؂

## ترجمہ

اور اسمیں سے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو شخص دعوت کرتا آپ قبول فرماتے اور اُس کا کھانا کھاتے اور ایک یہودی نے آپکی ضیافت جو کی روٹی اور بگڑے سالن سے کی تھی اور خدا تعالے نے اہل کتاب کا کھانا حلال فرمایا ہے اور مسلمان اُن کا کھانا کھایا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے شرط کر لی تھی کہ جو مسلمان تمہارے پاس آوے اُس کی ضیافت کرو اور جو تم کھاتے ہو اُسکو کھلاؤ ۔ اور جب آپ شام میں تشریف لائے تو آپ کے لیئے اہل کتاب نے کھانا تیار کیا اور بلایا ۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے ۔ اُنھوں نے

کہا کہ گرجا میں ہے۔ آپ نے اُس کے اندر جانا مکروہ سمجھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو لیجاؤ۔ چنانچہ وہ لے گئے اور کھانا کھایا۔ حضرت علی رضی اللہ گرجا کی تصویروں کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بھی آتے اور کھاتے تو کچھ اُن کا حرج نہ تھا۔

واضح ہو کہ شام کے لوگ اُس زمانہ میں عیسائی رومن کیتھلک تھے ؟

# خط مع جواب

برادر من سیّد مہدی علی صاحب زاد لطفہٗ۔

بعد سلام مسنون کے مدعا یہ ہے کہ آپ میرے پرانے یار ہیں اور میرے عزیز اور بھائی ہیں۔ اس لیئے مجھے اُمید ہے کہ آپ میری تحریر سے جو صرف براہ محبت کرتا ہوں ناراض نہ ہوں گے۔ بھائی میرے مجھے نہایت افسوس ہے کہ تم سید احمد خاں کی صحبت میں لا مذہب ہو گئے اور اُس کا تنصر تم پر بھی آگیا اور اُس کے خلیفہ مشہور ہو گئے۔ وہ وعظ کا کہنا اور مجلس میلاد میں ذکر خیر کرنا اور علما کی تقلید کرنا اور اسلام کی وضع کا لحاظ رکھنا سب تم نے چھوڑ دیا۔ اور انہی کرسٹان کی طرح تم مضامین لکھنے لگے۔ تقلید کے تارک ہو گئے۔ علماء سے مخالفت کرنے لگے۔ وضع اپنی لباس خوراک میں بدل ڈالی۔ سو بھائی اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم اُسکی صحبت چھوڑ دو اور اپنے آپ کو بدنام نہ کرو۔ آیندہ اختیار ہے۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ۔

## جواب خط

جناب بھائی صاحب آپ کا نصیحت نامہ جس کے لفظ لفظ سے محبت کی بو آتی تھی اور جس کی ہر سطر سے درد اور دلسوزی ظاہر ہوتی تھی میں نے پایا۔ دل وجان سے اُس کا شکر کرتا ہوں اور نہایت ادب سے اُس کا جواب لکھتا ہوں۔

بھائی صاحب جب تک میں نے سید احمد خاں کو نہ دیکھا تھا اور اُن کے اصلی حالات

اور مذہبی خیالات سے مجھے ناواقفیت تھی میں سب سے بڑھکر اُن کا دشمن تھا۔ بلکہ اُن کے الحاد اور ارتداد اور تکفیر کا قایل تھا۔ مگر جب سے مَیں اُن سے ملا ہوں اور اُن کے حالات اور خیالات مجھکو معلوم ہوئے ہیں تب سے مجھے اُن کی سچائی اور ایمان اور اُن کے عقاید کی خوبی اور اُن کے مذہبی خیالات کی صفائی کا ایسا یقین ہوگیا ہے کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً

مَیں اُن کے مذہبی خیالات کی خوبی اور صفائی کا صرف اقرار ہی نہیں کرتا بلکہ اسپر حیرت بھی کرتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں جبکہ اکثر لوگوں کے دلوں سے سچائی اور حق کی تحقیق کا نور جاتا رہا تھا اور رسم و رواج کی پابندی اور ہندوؤں کی تقلید اور عوام کی نگاہوں میں جھوٹی وقعت پیدا کرنے کی آرزو اور ریائی اتقا اور تورع کی شہرت کے شوق نے جاہلانہ تعصبات میں لوگوں کو مبتلا کر رکھا تھا اور تقلید نے حقیقت اشیا کے ادراک کی قوت کو جو ہر انسان کی فطرت میں خدا نے رکھی ہے معطل اور بیکار کر دیا تھا اور خدا اور رسول کی اصلی ہدایتوں اور پاک حکموں سے چشم پوشی کرکے لوگوں نے زید و عمرو کی روایات اور جھوٹے قصص و حکایات پر دین و مذہب کا مدار ٹھہرا رکھا تھا۔ اور مذہبی احکام کے علل اور اغراض اور اسرار کی تحقیق کا شوق دلوں سے جاتا رہا تھا اور برادری کی شرم اور جمہور کی مخالفت کے خوف اور کفر کے فتوے کے ڈر نے حق و باطل میں تمیز کرنے کی راہ بند کردی تھی۔ کیونکہ ہماری ہی قوم میں سے ایک شخص کو حق کی تحقیق کا خیال آیا اور کس طرح حقایق اشیاء کے ادراک پر متوجہ ہوا۔ اور کیونکر اسلام کی محبت نے اُس کے دل کو ایسا قوی کردیا کہ حق کے ظاہر کرنے اور سچی راہ پر چلنے اور تقلید کے چھوڑنے میں نہ برادری کا خیال کیا نہ جمہور کی مخالفت سے ڈرا نہ کفر کے فتوے سے خایف ہوا۔ فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

پس بھائی صاحب جب میرے دل میں اُس شخص کی نسبت اسلام کی محبت کا یہ خیال ہو تو مَیں کیونکر اُسکی محبت چھوڑوں اور کس طرح اُسکو برا سمجھوں۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح آپ اور اَور ناواقف لوگ صرف اسلام کی وجہ سے اُن سے عداوت رکھتے ہیں ویسا ہی میں فقط اُن کے سچے ایمان کے سبب سے اُن سے محبت رکھتا ہوں۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔

حضرت مولوی ہونا۔ فقیہہ بن جانا۔ عربی عمامہ سر پر باندھ لینا۔ ہزار دانہ کی تسبیح زیتون کی زیب گلو فرما لینا۔ قبا نورانی سے بدن کو زیب کر لینا۔ مقدس ابرار اور شیخ وقت ہو جانا مجلس وعظ میں نکات و اسرار بیان کر کے سامعین کو ہلا دینا۔ خانقاہ میں بیٹھکر تصوف کے دقایق اور توحید کے نکتے ارشاد فرما کر سننے والوں کو وجد میں لے آنا۔ یا کسی مزار و درگاہ میں جا کر مریدان با صدق و صفا کو حلقہ توجہ میں بٹھا کر عرش کی زیارت کرا دینا آسان ہے اور نہایت آسان ہے۔ مگر مشکل ور سب سے زیادہ مشکل ہے مسلمان ہونا اور خدا سے یکرنگی اور یکدلی کے ساتھ معاملہ رکھنا اور ریا اور مکر و نفاق سے بچنا۔

شراب پی کر۔ مردار کھا کر علانیہ سب کے سامنے اقرار کر دینا اور ممبر پر چڑھکر اپنے اصلی حالات اور اپنے دلی خیالات کا خطبہ پڑھ دینا اسلام کی سچائی ہے۔ نہ کہ نورانی کرتہ پہن کر اپنے داغوں کو چھپانا۔ اور عربی عمامہ باندھکر اپنے تئیں مقدس جانا اور میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنے آپ کو حضرت اور شیخ بنانا اور قرآن کے دام میں ٹی موٹی چڑیوں کا شکار کھیلنا۔ اور روکھی سوکھی صورت بنا کر لقمہ تر نوش فرمانا اسلام سے اور ان مکاریوں سے کیا نسبت۔ ع

مرد باید کہ رد ماند تشنہ و دیگر است

بھائی صاحب افسوس ہے۔ کہ آپ لوگوں نے سید احمد خاں کی حقیقت اب تک نہیں جانی۔ اور تعصب اور تقلید یا بغض اور حسد نے اُن کی خوبیوں کو آپ کی نظروں سے چھپا دیا۔ ورنہ آپ لوگوں کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے لیے جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے اور کر رہے ہیں اُس کا شکر آپ لوگوں سے ادا ہوتا اور جو کچھ اُن کے مساعی جمیلہ سے فائدہ ہوا اُس سے آپ محروم نہ رہتے۔ مگر امید ہے کہ آیندہ آنے والی نسل اُن کے بوئے ہوئے بیج کا پھل پاوے اور آپ لوگوں کی اولاد اُن کے دست و بازو کا شکر ادا کرے اِنَّ اللہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِین۔

علماء کی مخالفت کا الزام اُن کی نسبت کرنے سے مجھے کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس مہلک بیماری میں آپ لوگ مبتلا نہ ہوتے اور تقلید نے اسلام کو مجموعہ قصص و حکایات نہ بنا دیا ہوتا اور زید و عمرو کے اقوال اور بہمان فلاں کی باتیں مثل وحی کے واجب الاتباع نہ سمجھی جاتیں تو اُن کو مخالفت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور تحقیق کے

جھنڈے کا پرچم کھولنے پر اُن کا ہاتھ ہی نہ اُٹھتا۔ آپ کی تقلید اور اتباع اقوال قدما کی عالمگیر مصیبت ہی نے اُن کو اس طرف متوجہ کیا اور اسی توجہ نے یہ شور و شغب ہندوستان میں مچا دیا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اگر چندے ہندوستان کے مسلمان اسی نیند میں سوتے رہتے اور حضرات علماء قصے کہانیاں کہہ کہہ کر آیندہ آنے والی نسل کو بھی خواب خرگوش میں سلایا کرتے اور کوئی اُن کا جڑ نکالنے والا اور تازیانہ لیکر جگانے والا نہ ہوتا۔ اور لوگ اسی طرح تقلید کے پابند رہتے اور مخالفت جمہور کے خیال سے تحقیق کا شوق نہ کرتے بلکہ ہر بات کی صحت و غلطی کے اور اُک کے پیئے اپنے پُرانے نسخوں اور علی کتابوں ہی کے کھولنے کی بدعادت میں مبتلا رہتے اور خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر پُرانے لوگوں کے قولوں ہی پر تحقیق کو منحصر سمجھتے اور حضرات علماء رحمتہ اللہ علیہم تعصب کے سبب سے یا اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے یا اپنے تعقة اور توسیع کی اشاعت کی نظر سے فتووں سے ڈرایا کرتے اور وہ لوگ بھی جنت و دوزخ کی کنجیاں اُنھیں کے اختیار میں اور رضواں خازن جنت اور مالک داروغہ جہنم کو اُنھیں کا نوکر سمجھکر اُن کی تحریر ہی پر اپنے آپ کو قطعی جنتی اور یقینی دوزخی سمجھا کرتے اور اُن کے کفر کے فتووں کے ڈر سے نہ تحقیق حق کا قصد کرتے اور نہ جس کیچڑ اور دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اُس سے نکلنے پر کمر ہمت باندھتے تو بلاشبہ دین مذہب پر مرثیہ پڑھتے اور اسلام اور ایمان پر نوحہ کرنے اور سچائی اور صفائی پر ماتم کرنے کا وقت آگیا تھا۔ لان العلماء هم ادلة الطريق وقد شغلهم الزمان ولم يبق الا المترسمون وقد استحوذ على اكثرهم الشيطان واستغواهم الطغيان واصبح كل واحد منهم بعاجل حظه مشغوفا فصار يري المعروف منكرا والمنكر معروفا۔

بھائیصاحب میرے اوپر بھی ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ میں علماء کی مخالفت کو ارتداد اور الحاد کہتا تھا۔ بلکہ عربی عبارت میں جو کتاب لکھی ہوئی تھی اُس کے ایک فقرہ سے انکار کرنے کو بھی بداعتقادی جانتا تھا۔ اور آپ کی طرح ہر عالم اور ہر مولوی کی کتاب کو کالوحی المنزل من السماء سمجھکر اُس پر یقین کرنے کو ایمان کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ مگر ایک روز امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب کی چند سطروں کو دیکھکر میں بداعتقاد ہوگیا اور حضرات علماء کے اقوال اور رایوں کے اتباع کرنے اور اُن کی ہر بات کو سچ جاننے

اور اُن کے ہر امر میں تقلید کرنے کو ضعف اسلام کا ثمرہ سمجھنے لگا۔ اور مخالفت جمہور کا جو خوف میرے دل میں تھا وہ بالکل جاتا رہا۔ امام صاحب اوّل تو حضرات علمار کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ "اُنھوں نے علم کی حقیقت کو لفظوں پر منحصر کر دیا ہے اور تبدیل الفاظ سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ فقہ اور حکمت اور تصوف اور کلام کو حرام مال پیدا کرنے کا دام بنا رکھا ہے۔ اور جو مراد خدا اور رسُول کی اِن لفظوں سے تھی اُسے بدل دیا ہے اور اپنی وعظ گوئی اور قصہ خوانی اور فصاحت و بلاغت اور اصطلاحات جدیدہ اور عبارات مزخرفہ پر علم دین کا مدار ٹھہرا رکھا ہے" اور پھر امام صاحب مخالفت جمہور کی نسبت لکھتے ہیں کہ "بڑا مانع تحقیق حق کا مخالفت جمہور کا خیال ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سب لوگ ہمکو مجنون و دیوانہ بتاویں گے اور ہم سے مسخرگی اور ٹھٹھہ کریں گے۔ اس لیئے اگر ہم باطل پر ہیں تو خیر کیا مضائقہ ہے۔ جو سب کا حال ہوگا وُہی ہمارا ہوگا مرگ انبوہ جشنے وارد۔ مگر ایسے خیال کرنیوالے کو سوچنا چاہیئے کہ اگر اُس کے ساتھی ڈوبنے لگیں مگر وہ ایک کشتی پالے اور اُس پر سوار ہوکر بچنے پر یقین کرے اور اُن کے چھوٹنے پر اپنی نجات سمجھے تو کیا اُسوقت لوگوں کا ساتھ دے گا اور اپنی نجات کے ذریعہ کو چھوڑ دے گا۔ کوئی نادان بھی ایسی رفاقت کو پسند نہ کرے گا۔ ولم یھلک الکفار الا لموافقتہ اھل زمانھم حیث قالوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون۔

حضرت من۔ بلا شبہ تحقیق حق کا بڑا مزاحم یہی خیال مخالفت جمہور کا ہے اور جاہلانہ خوش اعتقادی ہی راہ راست کے ڈھونڈنے کی بڑی مانع ہے۔ اچھے پڑھے لکھے یہی خیال کرکے کہ اگلوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی اور سارے امور کی تحقیق کرلی ہے قصد ہی نہیں کرتے کہ اصلیت اور حقیقت کو کماہی ہی دریافت کریں۔ مگر وہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ سب اگلے اور سارے بزرگ یہی کرتے آئے ہیں اور تحقیق ہی کے سبب سے وہ بزرگ "محقق" کہلائے ہیں۔ اگر ائمہ دین اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ خیال کرتے کہ اگلے سب کچھ کر گئے ہیں تو اصول فقہ اور فقہ کی تدوین کا کب قصد کرتے اور پھر آیندہ علمار اسلام علم کلام کے اصول و فروع کی تمہید کا کیوں ارادہ کرتے۔ اور بعد اُس کے علوم معقولات کی اشاعت پر حضرات علمار کب توجہ فرماتے

اور جو جو ترقیاں علمی اسلام میں ہوئیں وہ کیونکر ہوتیں۔ اگر ہم سنی مسلمانوں کی طرح وے حضرات بھی خوش اعتقاد ہوتے اور مخالفت سلف کے خیال سے تحقیق کسی چیز کی نہ کرتے اور جن علموں کی ضرورت اور حاجت ہوتی گئی اُس کی تدوین نہ فرماتے اور تقلید کی دلدل میں پھنسے رہتے تو اسلام میں آج تک نہ کوئی عالم ہوتا نہ امام نہ کوئی مجتہد کہلاتا۔ نہ کوئی محقق۔ پس ہم لوگوں کی غفلت اور جہالت اور بدنصیبی ہے جو ہم تحقیق کو مخالفت علماء کی سمجھتے ہیں۔ اور اجتہاد و تحقیقت اشیاء کے ادراک کو بد عتقادی جانتے ہیں اور ساری تحقیقاتوں اور تمام اشیاء کی حقیقتوں کے دریافت کو اینیا گلوں پر منحصر اور ختم سمجھتے ہیں فنعم القول قول القائل الماهر کم ترک الاول للآخر و هذا هو قول الذي عليه التعويل ومن ذهب الى غيره لم يهتد الى سواء السبيل فان فضائل الله ليست محصورة في قوم ولا مختصة بيوم دون يوم۔

بھائی صاحب۔ اس تقلید اور پابندئی مراسم نے جیسے بدنتیجے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں پیدا کیے ہیں۔ اُس پر اُس شخص کو رونا آتا ہے جو ان باتوں پر غور کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علوم و فنون اور عقاید و اعمال کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ مگر حضرات علماء اور ابرار ہماری قوم کے وہ آنکھ ہی نہیں رکھتے جس سے ان خرابیوں کو دیکھیں اور وہ دل ہی نہیں رکھتے جس سے اپنی قوم کے تنزلات روز افزوں کو دیکھیں بلکہ وہ تو ایمان اور اسلام اور ورع اور تقوی اور تہذیب اور وضعداری کو اسی پر منحصر سمجھتے ہیں کہ تیلی کے بیل کی طرح آنکھ پر پٹی باندھکر رات دن ایک محدود و تنگ دایرہ کے اندر گھوما کریں اور اُن وسیع میدانوں کو جو تختہ جنت کی طرح ہر قسم کے گل بوٹوں سے آراستہ ہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

اسی تقلید کا سبب ہے کہ مسلمانوں کے علوم گھٹ گئے۔ اُن کے عقاید مذہبی بگڑ گئے۔ اُن کے اعمال ہندوانہ ہو گئے۔ اُن کی دُنیاوی ترقیاں رُک گئیں۔ اُن کی عزت اور منزلت جاتی رہی۔ غیر قوموں کی نظروں میں ذلیل ہو گئے۔ تربیت یافتہ لوگ جاہل سمجھنے لگے۔ اگر کسی کو شک ہو وہ امتحان کرے اور اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ کسی ایسے بڑے سے بڑے نامی مدرسہ میں جا کر تعلیم کی کیفیت دیکھو جس کے مدرس کیسے ہی بڑے مشہور منطقی اور نامی فلسفی اور جامع معقول و منقول جاوی فروع و اصول ہوں

کہ وہاں بھی جلوۂ تقلید کا چمکتا اور پابندی رسم کا نور جھلکتا ہوگا۔ حضرت استاد علامۂ زمان نہایت خوبی اور کمال قابلیت سے اسطقسات اربعہ کی کیفیت بیان فرماتے ہونگے اور نہایت فصاحت و بلاغت سے طبعیات کے مسائل کی تشریح کرتے ہوں گے اور کمال خوبی سے برہان ترسی اور برہان سلمی کو ثابت کرتے ہوں گے اور صدرا کی متناۃ بالتکریر کے عقدے حل کرنے پر ملک العلماء اور بحر العلوم کے حاشیے لکھے ہوں گے اور میر زاہد شرح مواقف کے منہئی نہایت خوش تقریری سے طالب علم کو سمجھاتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر وہی حضرت علامی فہامی اُن مسائل حکمیہ کو مسائل جدیدہ سے مقابلہ کریں اور اُس طرز تعلیم کو جواب جاری ہے دیکھیں تو وہ خود اقرار کریں گے کہ ہم جہل مرکب میں گرفتار ہیں اور اپنی اور اپنی قوم کے لڑکوں کی عمر فضول بحثوں اور عبث باتوں میں ضایع کرتے ہیں۔ اور پوچ پچر بیہودہ باتوں کو علم اور حکمت سمجھتے ہیں۔

مگر غزارت علم اور شہرت فضیلت اور غیرت زہد و تقویٰ حضرت مولانا کی ایسی بلا رجان ہے کہ وہ کب اُس تقلید سے نکلنے اور علوم و فنون جدیدہ کے دریافت کرنے اور موافق حال اور ضرورت وقت کے علوم مفیدہ کی تعلیم کرنے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔

اگر علوم و فنون سے بھی قطع نظر کی جاوے اور دین و مذہب پر خیال کیا جاوے تو اُسی تقلید کے سبب سے اُس کا بھی حال ابتر ہے۔ اول تو تقلید آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی ایمان کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اب ہر خاندان میں اُس خاندان کے بزرگوں کی چال چلن کی تقلید نشانی اسلام کی خیال کی جاتی ہے۔ اور ہر رسم کی ٹھیک ٹھیک پابندی پرہیزگاری اور دینداری سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ حضرات صوفیہ کرام کی خانقاہوں اور مشائخ عظام کی درگاہوں اور حضرات علماء کے وعظ کی مجلسوں اور عاشقان اہلبیت کے امام باڑوں میں ذرا قدم رنجہ فرماوے اور خدا کی کتاب کو ہاتھ میں لیکر اُن کے عقاید و اعمال کو اُس سے ملاوے اور انصاف کرے کہ اُسمیں اسلام کتنا ہے۔ اور کفر اور شرک و بدعت کس قدر۔

امور دنیاوی پر اگر خیال کیا جاوے تو وہی بلا رتقلید ذلت و ادبار کے نتیجے دکھا رہی ہے

معاشرت کے طریقے۔ زندگی بسر کرنے کے قاعدے۔ معاش حاصل کرنے کی تدبیریں۔ مخالطت اور مجالست کے طور۔ شادی اور غمی کی رسمیں جو کچھ ہیں وہ سب تقلیدی ہیں۔ اور گو خود ہمارے بھائی بعض یا اکثر باتوں کی بُرائی کے مقر ہوں اور اُس کی پابندی کو ذریعہ ذلت اور رسوائی اور افلاس اور نالائقی کا سمجھتے ہوں مگر وہی ترک تقلید اور مخالفت جمہور کا خوف کچھ کرنے نہیں دیتا اور کسی کو اُس پابندی سے نکلنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

پس بھائی صاحب ایسی حالت میں جبکہ تقلید اور پابندی رسم کی سیاہی نے دلوں کو تاریک کر دیا ہو اور وہ نور جسے عقل کہتے ہیں چھپ گیا ہو اور ہمارے عقیدے اور اعمال تقلیدی ہو گئے ہوں اور غیر قومیں ہمارے تعصب و جہالت پر خندہ زن اشارے کرتی ہوں اور شب و روز کتابیں اور اخبار ہماری ذلت کی باتوں سے سیاہ کیے جاتے ہوں اگر خدا کسی کی آنکھ کھولے تو وہ کیا کرے۔ یا کہ جمہور کی موافقت کر کے جاہلانہ تقلید کی دلدل میں پھنسا رہے یا اسلام کی محبت اور اپنی قوم کی ہمدردی کے جوش میں آکر خود اپنا پاؤں اُس کیچڑ سے نکالے اور اپنے بھائیوں کے نکلنے کی خواہش کرے۔

بھائی میرے بُرا ماننے کی بات نہیں ہے لیکن آپ لوگ ہمدردی اور محبت قومی اور ملکی ترقی اور اسلام کی روشنی پھیلانے کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں اور اُس کے اصول ہی سے بے خبر ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ کے نزدیک مہمل اور بے معنی ہیں۔ ورنہ کیا اب تک مسلمانوں کی یہی حالت رہتی۔ اور آیندہ کو سوائے تنزلات روز افزوں کے کوئی بھی صورت ترقی کی نہ دکھائی دیتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے بھائی سخاوت نہیں کرتے۔ فیاضی ظاہر نہیں فرماتے۔ اب تک خدا کے فضل سے ایسے بلند حوصلہ عالی ہمت۔ صاحب جود و سخا موجود ہیں کہ لاکھوں روپیہ ایک دم میں صرف کر دیتے ہیں لیکن چاہیے کہ اپنے بھائیوں کی بھلائی میں کچھ خرچ کریں اس کا کیا ذکر ہے۔

اُن بدمعاشوں نالائقوں کا کچھ ذکر نہیں جو فواحش اور معصیت کے کاموں میں اسراف کرتے ہیں بلکہ ہم اُن بلند ہمتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی شہرت اور عزت اور دین کے لیے بہت کچھ صرف کرتے ہیں۔ جب اُن کے اسراف پر نظر کیجاوے تو معلوم ہوگا کہ وہی تقلید اور پابندی رسم کی اُن کے روپیہ کو برباد کرتی ہے اور جھوٹی شہرت اور

بے اصل عزت کے حاصل ہونے کی تمنا اُن کا روپیہ لٹواتی ہے -
کیا کسی نے سنا ہے کہ سوائے شادی بیاہ میں ہزار ہا روپیہ لگانے یا بھائیوں کو تورہ بندی
کھانا تقسیم کرنے یا بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے یا حاکموں کی خوشامد سے غیر مفید
کاموں میں روپیہ لگانے یا جھوٹی دینداری اور جاہلانہ تعصب سے خانقاہوں اور فرائض
اور امام باڑوں میں شرک اور بدعت کے کاموں میں دولت برباد کرنے کے کسی نے اب تک
کوئی زر خطیر یا رقم کثیر بلکہ کچھ حصہ بھی اپنی کمائی کا اپنی قوم کی بھلائی کے کاموں میں
لگایا ہو یا لگانے پر رغبت کرتے ہوں پس کیا سبب اس کا صرف پست ہمتی اور بخل ہے
ہرگز نہیں - بلکہ سبب اسکا یہ ہے کہ تقلید اور پابندی رسم کے سبب سے ہمکو اس بات
کے کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی جو اب تک ہمنے نہ کی ہو - اور اگر جرأت بھی ہوتی بوجہ
نہ ہونے عادت کے اس طرف رغبت ہی نہیں ہوتی اور اُس کام کو کچھ مفید یا باعث
ثواب یا موجب عزت ہی نہیں سمجھتے ورنہ اگر وہ روپیہ جو محرم اور عرس میں بتیوں کے جلانے
اور چراغاں کرنے اور ڈھول بجانے میں صرف کیا جاتا ہے مسلمانوں کی تربیت اور تعلیم
میں ایک جگہ جمع کر کے بطور مناسب صرف کیا جاوے تو خود مسلمان دیکھیں ہم
کیسی ترقی ہوتی ہے اور اُن کی اولاد کیا عزت حاصل کرتی ہے -
غرض کہ اس زمانہ میں پہلا کام مسلمان کا یہ ہے کہ وہ شرک کی طرح تقلید اور رسم کی
پابندی چھوڑے اور اپنی گردن کو اس پھانسی کے پھندے سے نکالے اور کفر کے فتویٰ
اور برادری کے طعنے سے نہ ڈرے اور جب تک مسلمان یہ نہ کرینگے تب تک ہمارے نزدیک
کوئی اُمید اُن کی ترقی کی نہیں ہے الا ان یشاء اللہ - پس بھائی صاحب وہ شخص جس نے
پہلا یہ کام ہندوستان میں کیا ہے اور جس نے فقط اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے اپنا وقت
اور مال بلکہ اپنی جان کو قربان کیا ہے - وہی ہے جسے لوگ سید احمد کہتے ہیں اور جس پر
ہزاروں طعنے کفر اور ارتداد کے ہوتے ہیں - اگر محبت قومی کی کچھ حقیقت آپ کو دریافت
کرنی ہو تو فوراً اُس کے پاس آیئے اور اس درد کو اُس کے دل سے پوچھیے اور اس جانسوز
مصیبت کا افسانہ اُسی ملحد کی زبان سے سُنیئے -

بخرام سوئے کلبۂ احزان وحشی ✦ تا بنگری کہ عشقِ تو با او چہ میکند

# سوال و جواب

میرے ایک دوست نے بمقام الہ آباد میرے پاس ایک سوال تحریری بھیجا تھا
اب مَیں اُس کا جواب لکھتا ہوں۔

## سُوال

کیا فرماتے ہیں حضرات علما ء دین متین اور شرع مبین کہ اگر زید قرآن شریف کے کسی
جزو سے انکار کرے اور کل احادیث کو یہ کہے کہ سب بالمعنے ہیں کوئی باللفظ نہیں اور
باوجود اس کے عمرو زید کو پکا مسلمان اور سچا ایماندار جانے اور کہے۔ تو شرعاً عمرو کی
نسبت کیا حکم ہے۔

## جواب

اگر زید قرآن شریف کے کسی جزو سے انکار کرے یعنی کسی سورہ یا کسی آیت کو منزل من اللہ
اور وحی متلو نہ جانے یا جن چیزوں کا ذکر اس میں ہے اُس کے ہونے سے بوجود ذاتی
یا بوجود حسی یا بوجود خیالی۔ یا بوجود عقلی۔ یا بوجود تشبیہی منکر ہووے۔ یا اُسکے مطالب سے
جو الفاظ کی دلالت اور مقام کے قرینہ اور عبارت کے سیاق اور عرب کے محاورہ سے
اجماعاً سمجھا گیا ہو اور اصول عقاید کے متعلق ہو بغیر کسی دلیل شرعی اور برہان قومی کے انکار
کرے تو زید کافر ہے اور اگر اس انکار پر عمرو زید کو پکا مسلمان اور سچا دیندار جانے اور اُس
تکذیب و انکار میں اپنا اتفاق ظاہر کرے تو وہ بھی کافر ہے لیکن اگر زید قرآن کو لفظاً لفظاً
خدا کا کلام جانتا ہو اور بسم اللہ سے لیکر تا والناس ہر آیت کو وحی متلو سمجھتا ہو اور جو کچھ
اُس میں مذکور ہے کیا از قبیل اخلاق و عقاید اور کیا از جنس عبادات و معاملات اور کیا از
قبیل اخبار و قصص اور کیا از قسم حالات آخرت۔ اُن سب کو حق اور واجب الیقین والقبول
جانتا ہو۔ مگر اُن الفاظ اور کلمات کے جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت کسی اصل سے
منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسایل صحیحہ عقلیہ کے یا کسی امر سے منجملہ امور موجودہ

واقعیہ کے ہوتی ہو ظاہری معنی نہ کہتا ہو۔ بلکہ ایسے صحیح اور اصلی معنی مراد لیتا ہو جو قرینہ
اور محاورہ عرب کے مخالف اور شارع کے مقصود اصلی کے برعکس نہ ہوں یا اسمار موجو
سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لیتا ہو۔
لوگوں نے سمجھ رکھی ہو۔ اور جس کا ثبوت کتاب و سنت سے کچھ نہ ہوتا ہو۔ اور جس
اثبات پر سوائے اوہام اور ظنون کے کوئی عقلی دلیل بھی نہ ہو یا اُن آیات احکامی سے
جن کی تعمیم بظاہر معلوم ہوتی ہو بلحاظ اصول صحیح کل عام یحتمل التخصیص کے بعض حالات
کو باستدلال کتاب و سنت مستثنیٰ کرتا ہو یا اُن مسائل اصولی و فروعی کو جن کا ثبوت
صراحتاً نہ ہوتا ہو مگر بقیاس بعیدہ لفظوں سے اُن کا استنباط کیا گیا ہو نہ مانے یا قرآن مجید
کی اُن تفسیروں کو جن کی کوئی سند صحیح صاحب الکتاب سے نہ ہو اور لوگوں نے اُسے
اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق بیان کیا ہو واجب القبول نہ جانتا ہو گو لوگوں کے نزدیک وہ
باتیں جزو قرآن سمجھی جاتی ہوں اور اُس کا انکار انکار قرآن تصور کیا جاتا ہو اور ان سب
حالتوں میں زید کی نیت سوائے اعلاء کلمۃ اللہ اور احقاق حق اور رفع الزام اور دفع مطاعن
اور تطبیق اصول دین کی اصول صحیحہ عقلیہ سے اور ثابت کرنے حقیقت مذہب اسلام کی سب
لوگوں پر کیا جاہل اور کیا عالم اور کیا حکیم اور کچھ نہ ہو تو زید بلاشبہ پکا مسلمان اور سچا
ایمان دار ہے اور عمرو بھی جو زید کو ایسا سمجھتا ہو ویسا ہی پکا مسلمان اور سچا
ایمان دار ہے۔

اگر زید کل احادیث کو بالمعنی کہے اور اُن کی روایت کو بالالفاظ نہ مانے یعنی
یہ کہے کہ ان حدیثوں میں سے کسی میں کوئی لفظ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں
ہے تو وہ احمق اور جاہل ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ احادیث کے الفاظ پر یہ یقین نہیں ہے
کہ یہ سب الفاظ وہی ہیں جو شارع نے فرمائے ہیں شاید ہوں یا نہوں اور نہ اس تفاوت
کی نسبت جو الفاظ اور کلمات میں احادیث کے ہے یہ یقین ہے کہ یہ وہی نطق کو دریافت
ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی شاید ہو شاید نہو تو نیچے اور اس جانسوز
بلکہ ایک محقق مسلمان ہے اور عمرو جو اُسے سچا مسلمان جانے وہ بھی ہے۔

میں اس جواب کی کچھ ضروری شرح بھی کرنا مناسب سمجھتا ہوں تو با او چہ میکند
حدیث کی تصدیق و تکذیب کی حقیقت سے واقف ہو جاوے چونکہ

قرآن اور حدیث اس لیئے دونوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہوں۔

# بحث اوّل بہ نسبت تاویل قرآن

قرآن کی تصدیق حقیقت میں یہ ہے کہ اُسے وحی متلو سمجھنا اور منزل من اللہ
جاننا اُس کی تمام باتوں کو حق اور صحیح ماننا۔ اور اُسکی تکذیب یہ ہے کہ اُسے ایسا نہ جاننا
پس جب تک کوئی مسلمان قرآن کو خدا کا کلام جاننے اور اُسکی سب باتوں کو ماننے
تب تک تصدیق قرآن کی نسبت اُسکی طرف ہوگی اور وہ مُنکر قرآن نہ سمجھا جاوے گا
لیکن جب اُس نے اُسے ایسا نہ جانا یا اُس کی کسی بات کو غلط مانا تو وہ تکذیب کرنیوالا
قرآن کا ٹھہرے گا اور تب کُفر کی نسبت اُسکی طرف کیجاوے گی۔ یہ مذہب تو اصل
محققین کا ہے۔ مگر جو لوگ ہمارے مذہب کی تحقیق کے مدرجہ پر نہیں پہونچتے اور جنہوں نے
کُفر کو غلو سے بھی زیادہ ارزاں کردیا اور بات بات پر مسلمانوں کی طرف کفر کی نسبت
کی اُنھوں نے قرآن مجید کا انکار ذرا ذرا سے اختلاف پر لوگوں کی طرف منسوب
کیا اور نہایت بے احتیاطی سے کلام الٰہی کی تکذیب کے فتوے جاری کیئے چنانچہ
بعضوں نے فرمایا کہ جو شخص اصول مذہب ماتریدی کا معتقد نہ ہو وہ منکر قرآن ہے
بعضوں نے کہا کہ جو کوئی عقاید اشعری کا قائل نہ ہو وہ مکذب قرآن ہے۔ پھر حنبلیوں
نے اشاعرہ کو کافر بنایا کہ وہ آیہ علی العرش استوی کی حقیقت ظاہری سے منکر ہیں
اشاعرہ نے حنبلیوں کو مُنکر قرآن خیال کیا کہ وہ آیۃ لیس کمثلہ شئی کے مضمون
کو نہیں مانتے۔ سُنّیوں نے معتزلیوں کی طرف انکار قرآن کی نسبت کی کہ وہ خدا
کی رویت کا جو قرآن سے ثابت ہے اعتقاد نہیں رکھتے۔ معتزلیوں نے اُن کی
[illegible] اثبات صفات سے توحید کا اقرار نہیں کرتے۔ اس تکذیب و تکفیر نے
خدا کا کلام جا[illegible]
اُس میں مذکور ہ[illegible] کی کر قطع نظر اختلاف اصول کے اختلاف فروع سے بھی ایک نے دوسرے
قبیل اخبار و قصہ [illegible] قرآن کی کی اور اپنے فنون اور شبہات کی تائید میں خدا کے
جانتا ہو۔ مگر اُن لغاط [illegible] آخر کار بعض حنفیوں نے شافعیوں کو اور بعض شافعیوں نے حنفیوں
منجملہ اصول دین کے یا [illegible] وہابیوں کو وہابیوں نے بدعتیوں کو کافر اور مشرک ٹھہرا لیا اور علامی فقہا نے تو اپنی کتابوں
[illegible] بھر دیئے کہ گویا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کُفر میں مل ہوگیا پس اب اُن کو کسی

جو تقلید میں مبتلا ہیں کوئی چارہ اِس بلا سے نکلنے کا نہیں کیونکہ اُن کا دین و ایمان عالموں کے اقوال اور فقیہوں کی کتابیں ہیں۔ اور وہ فقیروں کے کشکول کی طرح ہر رنگ کے کھانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر ہاں جو شخص تحقیق کا آرزومند ہو اور بے سوچے سمجھے کسی بات کو نہ مانے اُسے اس گرداب بلا سے نکلنے کا موقع حاصل ہے اور وہ موقع کیا ہے۔ قرآن کی اصلی تصدیق و تکذیب پر نظر رکھنا حقیقت تصدیق و تکذیب کی تو مَیں اوپر بتا چکا۔ اب اُن قیود و شرائط کی تشریح کرتا ہوں جو اُن میں کی گئی ہیں۔ مَیں نے اوپر لکھا ہے کہ ان حالات میں انکار قرآن کی نسبت کسی طرف کرنا جائز نہیں۔

**اوّلاً** - اُن الفاظ اور کلمات کی جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے یا کسی امر منجملہ امور موجودہ واقعیہ کے ہوتی ہو ظاہری معنی مراد نہ لینا بلکہ وہ اصلی اور حقیقی معنی مراد لینا جو قرینہ مقام اور محاورہ عرب کے مخالف اور شارع کے مقصود اصلی کے برعکس نہ ہوں۔

**ثانیاً** - اسماء موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سُنت سے ہوتا ہو نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو اور اُن اسماء سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے۔

**ثالثاً** - اُن آیات احکامی سے جن کی تعمیم بظاہر معلوم ہوتی ہو بلحاظ اصول صحیح کل عام محتمل التخصیص کے بعض حالات کو باستدلال کتاب و سنت مستثنیٰ کرنا۔

**رابعاً** - اُن مسائل اصلی و فروعی کا جو صاف صاف لفظوں سے تو ثابت نہ ہوتے ہوں مگر بقیاس بعیدہ لوگوں نے استخراج کیے ہوں نہ ماننا۔

**خامساً** - قرآن مجید کی اُن تفسیروں کو جسے بلا سند صحیح صاحب الکتاب کے لوگوں نے اپنی سمجھ اور اپنی فہم کے مطابق بیان کی ہو واجب القبول نہ جاننا۔

# پہلی صورت کی تصریح یعنی قرآن کے بعض الفاظ سے ظاہری معنی مُراد نہ لینا

جو الفاظ قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ہر موقع اور ہر مقام پر اُن کے وُہی ظاہری معنی مراد لینا ضرور ہے جس کے واسطے وہ لفظ موضوع کیئے گئے ہیں ٹری نادانی ہے۔ اور اسی واسطے نہ اب تک کسی نے اہل تحقیق سے ایسا خیال کیا نہ کوئی کرسکتا ہے کیونکہ خدا نے قرآن مجید کو عرب کی زبان میں نازل کیا۔ اُن کے محاورہ اور اُنکی بول چال کے مطابق الفاظ کا استعمال کیا۔ پس ہم کو اُن کا محاورہ دیکھنا چاہیئے کہ اہل عرب ہمیشہ لفظوں کو اُن کے ظاہری ہی معنی پر محمول کرتے تھے یا نہیں۔ جیسا ہم عرب کے کلام میں پاویں ویسا ہی قرآن مجید کی نسبت خیال کریں۔ پس جب ہم عرب کے کلام پر نظر کریں اور اُن کے محاورہ اور استعمال کو دیکھیں بلکہ عرب کے سوا اور دُنیا کے اور اہل زبانوں کی بول چال پر غور کریں تو کبھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ الفاظ ہمیشہ اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول نہیں کیئے جاتے۔ بلکہ مختلف معنی اور مختلف مقصود پر اُن کا استعمال ہوتا ہے۔ اور اُن معانی مختلفہ میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ اور محاورہ کے مطابق خود ذہن سلیم پر منحصر ہے۔

اب ہمکو ذرا غور سے اُن معانی مختلفہ پر غور کرنا چاہیئے جن پر الفاظ دلالت کیا کرتے ہیں چنانچہ مراتب دلالت الفاظ پانچ ہیں۔ اوّل دلالت کرنا الفاظ کا وجود ذاتی پر۔ دوسرے دلالت کرنا وجود حسی پر۔ تیسرے دلالت کرنا وجود خیالی پر۔ چوتھے دلالت کرنا وجود عقلی پر۔ پانچویں دلالت کرنا وجود تشبیہی پر۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود ذاتی پر یہ ہے کہ جس معنی کے واسطے وہ وضع کیا گیا ہو اُسی پر دلالت کرے اور وہ شئے جسکی تعبیر اُس لفظ سے کی گئی ہو وہ درحقیقت خارج میں موجود بھی ہو مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ ابولہب کافر تھا اس مرتبہ میں داخل ہے کیونکہ بتواتر ثابت ہے کہ ابولہب ایک مرد مکہ کا رہنے والا تھا اور وہ کافر مرا۔

دوسرے دلالت کرنا لفظ کا وجود حسی پر یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کیا گیا ہو

وہ فی نفسہ موجود نہ ہو اور خارج عن الحس اُس کا وجود پایا نہ جاوے بلکہ صورت مثالی اُسکی خیال میں آنا ہی اُس کا وجود سمجھا جاوے اور اُس صورت مثالی کی تعبیر لفظوں میں کی جاوے جس طرح ہمارا کہنا کہ ہم نے جبرئیل امین کو خواب میں دیکھا پس حقیقت میں نہ وہ ہمارے پاس آئے نہ اُن کی صورت ظاہری ہمارے سامنے ہوئی۔ بلکہ اُن کی صورت مثالی جو ہمارے ذہن میں گذری وہی اُن کا وجود سمجھا گیا۔ پس اس مقام پر وجود جبرئیل سے مراد وجود حقیقی جسمانی نہیں ہے بلکہ صورت مثالی اور وجود روحانی مراد ہے اور چونکہ قرینہ مقام اِس کلام کو مرتبہ اوّل پر یعنی وجود خارجی مراد لینے پر مانع ہے اس لیئے وجود حسی مراد لینا ضرور ہوا۔

تیسرے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود خیالی پر۔ وہ یہ ہے کہ محسوسات کی صور و اشکال کا جبکہ آنکھ سے غایب ہوں دیکھنا اور اُس دیکھنے کو الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا۔ مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ ہم کعبہ کو دیکھ رہے ہیں اور حاجیوں کا طواف کرنا ہماری آنکھ کے سامنے ہے حالانکہ ہم نہ کعبہ میں ہیں نہ حاجی ہمارے سامنے ہیں مگر کعبہ کی صورت اور حاجیوں کے طواف کی تصویر ہمارے خیال میں آئی تھی اُن لفظوں سے تعبیر کیا۔ پس اس مقام پر بھی یہ الفاظ اپنے اصلی معنی پر محمول نہیں ہو سکتے اور سوائے وجود خیالی کے دوسرا وجود رویت کعبہ اور طواف کا کسی کے ذہن میں نہیں گذر سکتا بخلاف اسکے اگر یہی بات ہم کہیں کہتے جبکہ حاجی ہمارے سامنے طواف کرتے ہوتے تو اُس وقت اِس کلام سے اصلی معنی سمجھے جاتے اور یہ الفاظ وجود خارجی پر دلالت کرتے۔

چوتھے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود عقلی پر۔ وہ یہ ہے کہ مطلب کا اُن لفظوں میں بیان کرنا جو اصلی حقیقت اُن الفاظ کے معانی کی عقلاً ثابت ہو۔ مثلاً ہمارا کسی بے شرم آدمی کو کہنا کہ اُسے کچھ دکھلائی نہیں پڑتا پس نہ دیکھنے کا اطلاق ظاہر میں اُسی پر ہوتا ہے جو کہ ظاہری آنکھ نہ رکھتا ہو۔ مگر جو مقصود دیکھنے سے عقل کے نزدیک ہے وہ اس مقام پر مراد ہے یعنی نیک و بد میں تمیز کرنا۔ پس اس مقام پر اِن لفظوں کا محمل سوائے وجود عقلی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

پانچویں۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود تشبیہی پر۔ وہ یہ ہے کہ اُس چیز کا بیان کرنا جو کہ نہ خارج میں موجود ہو نہ حواس اور خیال سے متعلق ہو۔ نہ اسکی کوئی حقیقت خاص ہو بلکہ

کسی دوسری چیز کی کسی صفات یا خواص میں سے کسی ایک صفت یا ایک خاصہ سے مشابہ ہو اس مشابہت کا بیان کرنا جس طرح ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شخص آفتاب ہے یعنی مثل آفتاب کے مشہور ہے۔

پس یہ پانچ مرتبے موجودات کے ایسے ہیں کہ جب وہ الفاظ میں بیان کیئے جاوینگے تو منجملہ ان مراتب پنجگانہ کے کسی ایک مرتبہ پر اُن کا محمول کرنا ضرور ہوگا اور یہ مرتبے کلام کے ایسے ہیں کہ ہر عامی اور ہر جاہل اپنی بول چال میں روزمرہ اس کا استعمال کرتا ہے اور ہمیشہ بات چیت میں ان حقایق و دقایق کو ادا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرب کے ریگستان کے پھرنے والے اور حجاز کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بکریاں چرانے والے بغیر سمجھائے بے بتائے قرینہ اور قیاس سے موافق قرینہ مقام کے اُن الفاظ سے اُن کے کوئی ایک معانی اُن معنیوں میں سے خود بخود سمجھ جاتے تھے اور اب بھی ساری دنیا کے جاہل اور بے پڑھے لکھے آدمی اُن مراتب کی رعایت اپنے بولنے اور سمجھنے میں رکھتے ہیں گو وہ اُن کی ترتیب اور درجات نہ سمجھیں اور اس حقیقت کو اپنی زبان سے ادا نہ کرسکیں۔ پس الفاظ کے دلالت کرنے سے ان معانی پنجگانہ پر کوئی شخص نہیں ہے جو انکار کرے۔ اور جب یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے تو اب ہمکو خدا اور رسول کے کلام پر نظر کرنی چاہیئے کہ اُن کے کلام میں بھی ان مراتب کی رعایت ہے یا نہیں۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں ہے تو یہ سفسطہ اور جنون ہے کیونکہ خدا کا کلام جو ہماری ہدایت کے لیئے نازل ہوا ہمارے ہی محاورہ اور ہماری ہی طرز پر ہے۔ وہی بول چال ہے جو ہمارے روزمرہ میں ہے۔ وہی طرز و انداز ہے جو رات دن ہمارے استعمال میں ہے۔ اُس نے اپنے مقصود کو ہماری ہی بولی میں ہمارے ہی طور پر ادا کیا ہے۔ اُس نے اپنے کلام قدسی بے صوت و حرف کو ہمارے ہی لفظوں اور ہمارے ہی کلام کے پیرایہ میں ظاہر کیا۔ پس سوائے پلے سرے کے جاہل کے کون ہے کہ یہ کہے کہ اُس نے اپنے الفاظ کے مدلول کو محدود کردیا اور سوائے وجود خارجی کے موجودات کے اور مراتب کا اپنے کلام میں لحاظ نہیں رکھا اور جس طرز پر ہم میں سے ہر جاہل و عامی گفتگو کرتا ہے اُس طرز کو بدل دیا حقیقت میں نہ خدا نے ایسا کیا نہ ایسا ہو سکتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ خدا کو ہماری روحانی تعلیم منظور تھی اور ہمکو وہ باتیں بتانا چاہتا تھا جنسے ہماری آنکھ نے

رگ اور خون سب چیزوں کا ماننا پڑے ۔ اور جب ہم نے ایسا مانا تو ہمارے کفر میں کیا شبہ رہا ۔ پس بوجہ اس کے کہ لفظ کے ظاہری معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی ایک اصل سے منجملہ اصول دین کے ہوتی تھی تجاوز کرنا اور اُس کا وجود اصلی مراد لینا ضرور ہوا ۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے ایسے ظاہری معنی مراد نہیں لیئے بلکہ ہمارے اس زمانہ کے بھائیوں سے بھی زیادہ تر دانشمند اور اُن سے بڑھکر قرآن کی تصدیق کرنے والے گذر گئے ہیں جنہوں نے ایسے مقام پر بھی ظاہری معنی مراد لینے کو انکار و تکذیب قرآن خیال کیا ہے اور اپنی صفائی ایمان اور تصدیق قرآن کی بدولت خدا کی صورت و شکل کے قایل ہوئے ہیں ۔ چنانچہ میں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں

مشبہ حشویہ مثل مضرا و احمد ہجیمی کے اس بات کے قایل ہیں کہ خدا بھی جسم ہے گو اس کا جسم ہمسا نہیں ہے اور اُس کے عضو اور جوارح بھی ہیں اور اُس سے ملنا اور مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا بھی ممکن ہے اور مشبہ کرامیہ یا ان ابی عبد اللہ محمد بن کرام کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر اوپر کی طرف سے ملا ہوا بیٹھا ہوا ہے اور اُترتا چڑہتا رہتا ہے اور بعض حشویوں نے تو صاف کہا ہے کہ خدا جسم ہے پھر اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ گوشت پوست سے مرکب ہے یا نہیں اور پھر قد اس کا سات بالشت کا ہے یا نہیں اور پھر صورت اُس کی کیسی ہے آدمیوں کی سی ہے یا نہیں ۔ پھر بعضوں نے کہا ہے کہ لونڈے کی سی شکل ہے اور گھونگر والے بال سر پر ہیں ۔ بعضوں نے فرمایا ہے کہ بڈھا ہے اور اس بات کے بھی قایل ہوئے ہیں کہ جگہ بدلتا رہتا ہے ۔ اور یہ سب خوش اعتقاد قرآن و حدیث کے لفظوں پر کامل ایمان رکھنے سے ایسے تنزہ اور تقدس کے معتقد اور خدا کے لونڈے یا بڈھے ہونے کے قایل ہوئے ۔ اور پھر اگر اُن کی دلیلوں کو کوئی دیکھے تو سوائے اُس اصول کے جو ہم نے بیان کیا اور جیسے ہمارے مذہب کے سارے محققین لکھتے آئے ہیں کوئی جواب اُن کا دے ہی نہیں سکتا اور موافق اُس عقیدہ کے جو پابندی الفاظ پر اس زمانہ کے لوگوں کا ہے سوائے ایسے اعتقاد رکھنے کے جس کا ثبوت الفاظ ظاہری سے ہوتا ہے ہر شخص منکر جزو قرآن سمجھا جاتا ہے ۔

پھر یہ خیال نہ کیا جاوے کہ یہ غلطی صرف بعض لوگوں کو ہوئی۔ بلکہ افسوس در ہزار
افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے محدثین اس بلا میں پڑ گئے جیسا کہ محقق دوانی نے
شرح عقاید عضدی میں لکھا ہے کہ واکثر المجسمۃ هم الظاهريون المتبعون لظواهر
الکتاب والسنۃ واکثرهم المحدثون یعنی اکثر تجسیم کے معتقد وہ لوگ ہیں جو ظواہر
الفاظ قرآن وحدیث کی تبعیت کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے محدثین ہیں۔ پھر
بعض کا یہ قول ہے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ رایت ربي
في احسن صورة تو وہ اس حدیث سے انکار کرنا قول رسول سے انکار کرنا ہے کسی کا یہ ارشاد
ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ خلق اللہ آدم
علی صورتہ یا علی صورۃ الرحمن۔ تو خدا کو آدمی کی صورت نہ سمجھنا انکار رسول اور
تکذیب حدیث ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ صحیح مسلم میں خدا کے پاؤں ہونے پر صحیح حدیث
منقول ہے کہ جب وہ دوزخ میں اپنا قدم رکھدیگا تب دوزخ کا هل من مزید کہنا بند
ہوگا۔ تو اس کے پاؤں سے انکار کرنا صحیح حدیث کو غلط کہنا ہے۔ کوئی اس تشریح میں مست
ہے کہ خدا نے خود اپنی ساق ہونے کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے کہ یوم یکشف عن ساق اور پھر
ثبوت اس کا حدیث سے ہوتا ہے کہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ فیاتیهم الجبار
في صورة غير صورته التي رأوه فيها اول مرة الخ تو اس کا نہ ماننا جزو قرآن کا منکر ہونا
ہے۔ پس میں ہر ایک مستفتی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ایسی صریح
آیات و ایسی صاف احادیث کو جن میں خدا کی صورت اور شکل اور پاؤں اور ہاتھ اور
قد وقامت کا بیان ہے نہ ماننا اور ان کے لفظوں کے ظاہری معنی پر محمول نہ کرنا کس وجہ
سے انکار جزو قرآن نہیں ہے اور کیوں خدا کی صورت و شکل کے معتقدین باوجود ایسے
استدلال کے گمراہ تصور کیے گئے ہیں۔ پس جو وجہ اسکی ہو وہی ان لوگوں کی نسبت
سمجھی جاوے جو ایسی ہی ضرورت کے سبب سے ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی مراد
لیتے ہوں۔ پس ان لوگوں کو جو ایسے ظاہری لفظوں سے ان کے لفظی معنی مراد نہ لیں
محقق اور امام اور دانشمند جاننا اور ان لوگوں کو جو ایسی ہی ضرورت سے اور کسی الفاظ کے
لفظی معنی مراد نہ لیں کافر اور منکر جزو قرآن سمجھنا ایک عجیب بات ہے۔

# دوسری مخالفت قرآن و حدیث کی کسی مسئلے سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے

جس طرح پر الفاظ کے ظاہری معنی اُس حالت میں مراد نہیں لیئے جاتے جبکہ وہ مخالف کسی اصل کے اصول دین سے ہوں۔ اسی طرح اس حالت میں بھی مراد نہ لیئے جاویں گے جبکہ وہ مخالف کسی اصل کے اصول صحیحہ عقلیہ سے ہوں۔ لیکن پہلی اصل کا پہچاننا آسان ہے اور اس کا پہچاننا دشوار ہے اس لیئے صرف الفاظ کا ظواہر سے اس اصول کی وجہ سے بہت دانا و محتاط اور اُس آدمی کا کام ہے جو کہ معقول و منقول دونوں سے بخوبی واقف ہو اور جس نے کسی معقول مسئلہ کو اُن صاف اور واضح اور قوی دلیلوں سے ثابت کر لیا جس میں کچھ شبہ نہ ہو سکے اور جس میں قیاس اور فرضیہ یا قیافہ کا نام تک نہو لیکن اس مولف کے تئیں نفسہ صحیح ہونے میں کچھ کلام نہیں ہے کہ جو الفاظ اصول صحیحہ عقلیہ کے مخالف ہوں اُن کا صرف عن الظاہر ضرور ہوگا۔ پس اگر کسی سے کچھ غلطی اصول صحیحہ عقلیہ کے اثبات میں ہو تو وہ اسکی خطا ہے مگر اس سے اصول کی صحت میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا چنانچہ میں ایک دو مثال سے اسے سمجھاتا ہوں۔

منجملہ اصول صحیحہ عقلیہ کے ایک یہ اصول ہے کہ اعراض و کیفیات متشکل بشکل و صورت اور منقلب بجسم و ہیئات نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً عقل و زندگی اور موت کہ یہ سب اعراض ہیں پس ان کا کوئی وجود خارجی نہ ہوگا۔ پس اگر اُن کے وجود کا ذکر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ہو تو لامحالہ اُس کا مرتبہ اول پر رکھنا یعنی اُس سے وجود خارجی اُس کا مراد لینا ممکن نہوگا بلکہ دوسرے مرتبہ پر پہنچانا اور اُس کے وجود سے وجود حسی یا وجود عقلی مراد لینے کی ضرورت ہوگی پس جہاں قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ خلق الموت والحیوۃ تو اس سے اگر کوئی اُن کا وجود خارجی مراد لے تو ایک اصل صحیح کے اصول صحیحہ عقلیہ سے مخالف ہوتا ہے اس لیئے ضرور اُس سے وجود عقلی اُس کا مراد ہوگا اور اگرچہ ان لفظوں سے کسی کا زیادہ تر وجود خارجی پر ذہن منتقل نہیں ہوتا مگر جہاں اُسکی زیادہ تشریح ہے وہاں اُس کے معنی کی زیادہ ضرورت ہوگی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے

عقل کو پیدا کیا اور اُس سے کہا کہ آگے ہو۔ وہ آگے ہوئی۔ پھر کہا کہ پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ یا حدیث میں آیا ہے کہ موت کو بصورت مینڈھے کے قیامت کے دن لاویں گے اور اُسے درمیان دوزخ و جنت کے ذبح کریں گے تو اب اس مقام پر ان الفاظ سے اگر کوئی اُس کا وجود خارجی ظاہری مراد لے تو ضرور اُسی اعراض اور کیفیات کا متشکل بشکل اور منقلب بجسمانیتہ ہونا ماننا پڑے اور اُسے نہ مانے گا۔ مگر جس کا عقل کے کوچہ میں گذر بھی نہ ہوا ہو۔

یا قرآن مجید میں آیا ہے کہ ان من شئی الا یسبح بحمدہ کہ کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ یہاں تسبیح سے مراد ہے کہ تسبیح بحالت نطق کہنا نہیں ہے کیونکہ نباتات او جمادات وغیرہ کچھ زبان نہیں رکھتے۔ پس یہاں تسبیح کے وجود سے مراد اُس کا وجود عقلی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مذہب کے بعض ایسے بھی تصدیق کرنیوالے گذرے ہیں کہ انہوں نے تسبیح سے مراد تسبیح بالسان لی ہے۔

یا قرآن مجید میں آیت ہے کہ فقال لہا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین۔ تو یہ سمجھنا کہ خدا نے حقیقت میں ان سے کلام کیا اور آسمان اور زمین نے حقیقت کچھ جواب دیا اور اپنی زبان سے یہ کہا کہ اتینا طائعین غرض نادانی ہے بلکہ یہاں بھی یہ الفاظ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہو سکتے اور اس سے سوائے وجود عقلی کے دوسری مراد نہیں لی جا سکتی۔

## تیسری مخالفت اُس کی کسی امر سے منجملہ امور واقعیہ کے

جو الفاظ قرآن و حدیث کے ایسے ہوں جن کے ظاہری لفظی معنی کہنے سے مخالفت کسی امر کی امور واقعیہ سے ہووے عام اس سے کہ اُن امور کی واقعی حقیقت عقل و علم سے ثابت کی گئی ہو یا تحقیقات اور تجربہ سے یا رویت اور مشاہدہ سے یا اخبار صحیحہ متواترہ سے۔ تو وہاں بھی اُس لفظ کے ظاہری معنی سے تجاوز کرنا اور کسی ایک مرتبہ پر منجملہ مراتب پنجگانہ دلالت الفاظ کی لیجانا ضرور ہوگا

لیکن اس مقام پر بھی آیت یاد اور عقل اور دیانت شرط ہے کیونکہ اُن امور کا امورِ واقعیہ
ثابت کرنا ذرا مشکل ہے لیکن گو اس کی تفصیل و تصریح اور اثبات مشکل ہو مگر یہ اصول
بالکل ٹھیک ہے۔

مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کی قبر ستر ہاتھ وسیع ہو جاتی ہے۔ اور
چودھویں رات کے چاند کی طرح اس کا چہرہ روشن ہوتا ہے اور کافر کی قبر پر ۹۹
اژدہے مسلط ہوتے ہیں اور ہر ایک اژدھا ننانوے سانپ ہوتا ہے اور
ہر سانپ کے سات سات سر ہوتے ہیں جو کہ قیامت تک کاٹتے رہتے ہیں
پس یہ ایک امر ایسا ہے جس کا وجود خارجی کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر ہے مسلمان
کی قبر چوڑی ہوتی ہے نہ اس کا چہرہ بدر کے موافق روشن ہوتا ہے نہ کسی
کافر کی قبر میں سانپ جمع پائے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس حدیث کے الفاظ کو
اس کے ظاہری معنی پر محمول کرے تو ضرور اس کا دل اس قول کی تکذیب کریگا
کیونکہ واقع میں اُسکو نہ پاویگا۔ پس واسطے اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ ان الفاظ
کو اس کے ظاہری معنی سے متجاوز کرکے اس کو دوسرے مرتبہ پر پہنچاویں اور ان سب
چیزوں سے اس کا وجود حسی مراد لیں۔

بعض لوگ اس اصول کے انکار کرنے پر یہ شبہ کرتے ہیں کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں
مذکور ہے وہی مطابق معقول کے ہے اور وہی مطابق واقع کے ہے۔ پس معقولات
اور مشاہدات اور تجربات کو اصل قرار دینا اور قرآن و حدیث کے لفظوں کو تاویل
کرکے اُسے اُن معقولات وغیرہ کے مطابق کرنا شایان نہیں ہے حالانکہ یہ بڑی
غلطی ہے اس لیئے کہ جب الفاظ اور کلمات کا استعمال اس طور پر جاری ہے کہ
اُن سے سوائے ظاہری معنی کے اور معنی بھی مراد لیئے جاتے ہیں تو اُسکا ظاہری
معنی سے متجاوز کرنا اور دوسرے اصلی معنی مراد نہ لینا نہ خلاف محاورہ کے ہے
نہ برعکس ہماری زبان کے ہے نہ کوئی عاقل اور اہل زبان اُس پر طعنہ کرسکتا ہے اور نہ کوئی
اُس تاویل کو بناوٹ سمجھ سکتا ہے۔ خیال کرو کہ جب ہم کسی شخص کو غصہ میں دیکھ کر یہ
کہتے ہیں کہ اُس کے بدن میں آگ لگ گئی اُس کے بدن سے چنگاریاں نکل رہی ہیں تو
کیا اُس سے حقیقی آگ اور اصلی چنگاریاں مراد لیتے ہیں۔ اور جب ہم کسی شخص کو خوش تقریری

بات کرتے ہوئے دیکھکر یہ کہتے ہیں کہ اُس کے مونھ سے کیا پھول جھڑ رہے ہیں تو
کیا اُس سے مراد گلاب اور چنبیلی کے حقیقی پھول ہوتے ہیں۔ یا جب ہم کسی کو نہایت
تکلیف میں دیکھکر کہتے ہیں کہ اُس کے بدن سے سانپ بچھو چپٹے ہوئے ہیں اُس سے
مراد ظاہری سانپ بچھو ہوتے ہیں پس جبکہ یہ باتیں ہمارے محاورہ اور ہمارے استعمال
میں موجود ہیں تو کیا اُسی محاورہ اور استعمال پر الفاظ قرآن و حدیث کو محمول کرنا بناوٹ
ہوگی یا تاویل ناجائز یا تکذیب نادان ہے جو کوئی ایسا خیال کرے پھر یہ کہنا کہ مخالفت
معقولات کی اور مخالفت امور واقعیہ کی قادح صحت کلام نہیں ہے صرف جاہلوں کا
قول ہے کوئی عاقل ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کسی نے ایسا کہا چنانچہ میں اس بحث کو امام غزالی کے
اُس قول کے نقل کرنے پر تمام کرتا ہوں جو مضمون سے نے تہافت الفلاسفہ میں لکھا ہے
ولنعم ما قال رحمۃ اللہ علیہ الثاني ماله يفيد من مذهبهم فيه اصلاً من
اصول الدين الخ یعنی جو باتیں دلایل ہندسیہ اور براہین عقلیہ سے ایسی ثابت ہیں کہ جیں
کچھ شک نہیں ہے اُس کے صحیح جاننے کو خلاف شرع جاننا بڑی غلطی ہے اور حقیقت
میں دین کا ضعف ظاہر کرنا ہے کیونکہ جو شخص اُن دلیلوں سے آگاہ ہے وہ تو اُسپر کامل
یقین رکھتا ہے پس جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ مخالف شرع کے ہے تو وہ اُن باتوں کو غلط
سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس لیئے وہ نہایت قوی اور روشن دلیلوں سے ثابت ہے ہاں شرع
میں شک کرنے لگے گا۔ اور یہ سمجھکر کہ شرع بھی خوب ہے جو مخالف معقولات صحیح کے ہے
منکر دین ہو جاوے گا۔ پس جو شخص شریعت کی مدد اور حمایت غلط طور سے کرتا ہے اور
شریعت کو نقصان پہونچاتا ہے تو اُس ضرر کا وبال اُس شریعت کے دوست پر ہے کیونکہ
شریعت میں تو در حقیقت کوئی بات خلاف معقولات صحیحہ کے نہیں ہے اُس کہنے والے
کے نزدیک البتہ ہے۔ پس اُس شریعت کے مددگار سے تو شریعت کا دشمن ہی اچھا
ہے۔ اور سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ دوست جاہل سے دانا دشمن اچھا ہے اور
اگر فرض کیا جاوے کہ شریعت میں کوئی بات بظاہر مخالف اُن معقولات مسلمہ کے ہو تو
تاویل اُسکی آسان ہے بہ نسبت نہ ماننے اُن امور قطعی یقینی کے اور یہ بات کچھ خلاف شرع
نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے الفاظ کی تاویل کی گئی ہے۔ ایسی وجوہ کے
سبب سے جو کہ اُن دلائل عقلیہ کے برابر قوت میں نہیں ہے تو کیونکر ان معقولات صحیحہ کی

مطابقت کے لیئے وہ الفاظ تاویل نہ کیئے جاویں اور جو اس کا انکار کرے اور ایسی تاویل کو ناجایز بتاوے وہ حقیقت میں شرع کے باطل کرنے اور دین کے جھوٹے ہونے اور بدینوں کو خوش ہونے کی راہ کھولتا ہے۔ فمن یاخذ العلوم من الفاظ المنقولة الماولة والعمومات المخصصة کان الضلال علیہ اغلب مالم یہتد بنور اللہ تعالیٰ الی ادراک العلوم علی ما ھی علیہ۔

غرض کہ یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے ہمیشہ اُن کے ظاہری معنی مراد لینا ضرور نہیں بلکہ بعض حالات میں اُن کے ظاہری معنی کہنا ناجائز اور منع ہے پس جو شخص کسی وجہ اور ضرورت اور سبب سے منجملہ ان وجوہ کے جو ہم نے بیان کیئے ظاہری معنی کسی لفظ کے نہ لے تو بے سمجھے اُسے منکر جز و قرآن کہنا بڑی غلطی ہے کیونکہ اُس کا اثر بہت دور تک پہونچے گا۔ اور بڑے بڑے اماموں عالموں کی شان میں بھی کچھ کچھ نقص آویگا بلکہ حقیقت میں اصول شریعت کا قایم رکھنا مشکل ہو گا۔

جو کہ اس پہلے امر کا بیان ہو چکا کہ الفاظ ظاہری کو اُس کے لفظی معنی پر بعض مقام پر محمول نہ کرنا تکذیب قرآن نہیں ہے اس لیئے اب میں دوسرے امر کا بیان کرتا ہوں کہ اسما موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت کتاب وسنت سے نہ ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام وظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تکذیب قرآن نہیں ہے۔

## دوسرا امر کہ اسما موجودات کی اُس حقیقت سے انکار کرنا جس کا ثبوت کتاب وسُنت سے نہ ہوتا ہو

بہت سی چیزوں کے نام قرآن وحدیث میں مذکور ہیں جن کی کچھ حقیقت بیان نہیں کی گئی مگر جیسا کہ لوگ اُن کی حقیقت سُنتے رہے یا اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اُس کی ماہیت ٹھہرا کے اُسے سنتے سُنتے اور دیکھتے دیکھتے وہ حقیقت اُس نام کے لفظی معنی کے

طور پر تصور کی گئی یہاں تک کہ جب وہ نام لیا جاوے تو اُس سے وُہی حقیقت جو ذہن
میں سمائی ہوئی ہے سمجھی جاوے۔ پس اگر کوئی اُن ناموں کو مانے مگر اُس کی اُس مفروضہ
حکمت کا منکر ہو تو وہ منکر جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا کیونکہ حقیقت میں وہ حقیقت
جزو قرآن نہیں ہے۔ مثلاً آسمان کا جا بجا ذکر قرآن میں ہے لیکن اُسکی حقیقت اور ماہیت
نہیں بتائی کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اور کیا ہے اور کتنی دور ہے۔ اور فی نفسہ وہ کچھ وجود
جسمانی خارجی رکھتا ہے یا نہیں۔ اور اگر رکھتا ہے تو وہ کیا ہے اور کیسا ہے جاہل تو
اس نیلگون چھت کو جو اوپر سے نظر آتی ہے آسمان سمجھتے ہیں اور عالم اسے کرہ دخانی
محیط للارض کہتے ہیں اور جو یونانی حکمت میں اسکی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ کان
کے لفظ سے مراد لیتے ہیں۔ اور یہ حقیقت آسمان کی اُس کے لفظ کے ساتھ ایسی
مل گئی ہے کہ آسمان کے لفظ سے وہی سمجھی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی اس حقیقت کا انکار
کرے اور اُسے نہ مانے اور یہ کہے کہ میں آسمان کے اوپر یقین رکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں
کہ وہ خدا کا بنایا ہوا ہے نہ کسی دوسرے کا مگر اُسکی وہ حقیقت نہیں مانتا۔ جو لوگ بیان
کرتے ہیں۔ پس اُس کا انکار حقیقت میں انکار لوگوں کے بیان کرنے اور سمجھنے کا ہے نہ خدا
کے کلام کا۔ باقی رہا اُسکی حقیقت دریافت کرنا۔ اس کے لیے میدان تحقیقات عقلی فراخ
ہے۔ شارع کو اُس سے کچھ تعرض نہیں۔ من شاء فلیقل انہ جسم کروی محیط للارض
ومن شاء فلیقل دخان محیط للارض۔

یا قرآن مجید میں جا بجا شیطان کا نام آیا ہے۔ پس اگر کوئی اُس کے وجود سے
مطلقاً منکر ہووے تو وہ تکذیب کرنے والا قرآن کا ہے لیکن اگر وہ اُس کے وجود کو
مانے اور یہ کہے کہ میں اُسکی اُس حقیقت کو نہیں مانتا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ خرقیس
اُس کے باپ کا اور تلبیس اُسکی ماں کا نام تھا اور اُسکی صورت ایسی ہے اور شکل ویسی ہے
کیونکہ خدا نے اُسکی کچھ حقیقت نہیں بتائی تو وہ بھی مکذب قرآن نہیں ہے اور چونکہ وجود
سے ہمیشہ وجود جسمانی خارجی ہی مراد نہیں ہوتا۔ پس وجود جسمانی سے شیطان کے انکار
کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نادانی ہو۔ میرے نزدیک اُن لوگوں کی دلیلیں جو کہ
شیطان کے وجود خارجی سے منکر ہیں[1] اور میں اُن سے مخالف ہوں اور اُن کی سمجھ اور

---

[1] اگرچہ حق یہ ہے کہ مدعیان وجود خارجی کو اُس کے اثبات کی دلیل لانی چاہیئے۔ ۱۲ منہ

فہم کی غلطی پر افسوس کرتا ہوں مگر اُن کی تاویل حشویہ اور باطنیہ کی تاویل سے زیادہ ضعیف نہیں ہے اور نہ اصول دین میں کچھ اُس سے خلل واقع ہے۔ پس جس طرح حشویہ اور باطنیہ پر بسبب تاویل کے اطلاق تکذیب قرآن نہیں ہوتا تو منکر وجود جسمانی شیطان پر کیونکر ہوگا۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ ہمارے مذہب کے بعض محققین سابقین کا بھی یہی قول ہو۔ مگر جو کوئی یہ کہے کہ جو ذکر شیطان کا قرآن میں ہے وہ جھوٹھ ہے۔ نہ اُس کے معنی ہیں نہ اُس کی کچھ حقیقت ہے نہ اُس کا کچھ وجود ہے تو بلاشبہ ایسا کہنے والا منکر قرآن اور کافر ہے لیکن تاویل کرنے والا اور وجود کی حقیقت میں اختلاف کرنے والا کافر نہیں ہے گو غلطی اور خطا پر ہو۔

(۱) قرآن مجید میں جنت اور آدمؑ اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے مگر اُن کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گیہوں کا درخت تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ اُسے کھا کر آدمؑ کو حاجت بیت الخلا کی ہوئی۔ پس جس قدر کہ خارج از قرآن مجید اُن چیزوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے اُسکو نہ ماننا انکار قرآن نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جو کچھ بہ نسبت اس کے قرآن مجید میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور یہ قصہ صرف فرضی اور بناوٹ ہے نہ آدمؑ کا وجود تھا نہ شیطان کا نہ فرشتوں کا۔ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے تو انکار نص صریح سے ہے۔ اور محمول کرنا اُسکو امور باطنی پر اور صرف کرنا ان لفظوں کا اُس کے ظواہر سے اور بیان کرنا اُس کی حقیقت روحانی کا بھی صراحتاً غلط تاویل ہے بلکہ ایسی تاویل بدعت ہے اور یہ شعار فرقہ باطنیہ کا ہے۔ اگر ایسی ہی تاویل نصوص صریحہ کی کیجاوے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جاوے اور عقاید اسلامیہ یونانی حکیموں کے سے مسئلے اور شریعت محمدیہ عیسائیوں کی سی شریعت ہو جاوے کہ ظاہر پر کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ہر چیز سے مراد روحانیت اور حقیقت باطنی اُس کی لی جاوے۔ حالانکہ یہ بالکل مخالف شریعت محمدیہ کے ہے۔

(۱) بشرطیکہ تاویل کرنے والا ضرورت بیگانہ تاویل سے کسی ضرورت کا ہونا ثابت نہ کر سکے۔

# تیسرا امر کہ آیات احکامی کے عموم حکم سے بعض صورتوں کو مخصوص اور مستثنیٰ سمجھنا باستدلال کتاب و سُنت کے انکار جزو قرآن نہیں ہے

اگر اُن آیات احکامی سے جن کا حکم عام ہو کوئی شخص اُن صورتوں کو مستثنیٰ کہے جس کا ثبوت کتاب و سُنت سے ہوتا ہو تو وہ تخصیص انکار جزو قرآن نہیں ہے اور اسی واسطے فقہا نے یہ اصول قایم کیا ہے کل عام یحتمل التخصیص بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اخبار احاد اور قیاس سے بھی تخصیص جایز رکھی ہے مثلاً آیہ حرمت علیکم المیتۃ سے مرے ہوئے جانور حرام ہیں لیکن ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں پس اگر کوئی اس اصول کو نہ مانے تو وہ ٹڈی اور مچھلی کی حلت کو بھی انکار جزو قرآن سمجھیگا۔ حالانکہ یہ دو چیزیں اس حکم عام سے بقول شارع مستثنیٰ کردی گئی ہیں یا فاغسلوا وجوھکم وایدیکم سے دھونا پاؤں کا فرض ہے مگر جب آدمی موزہ پہنے ہو تو اس حکم سے مستثنےٰ ہے اور اُسپر فقط مسح کرنا کافی ہے کیونکہ مسح خفین کی حدیث نے اس صورت خاص کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کردیا یا کوئی شخص آیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے ذبایح اہل کتاب کو مستثنیٰ کرے۔ کیونکہ بقول حضرت ابن عباس کے جو ابوداؤد میں ہے آیہ طعام الذین اوتوا الکتاب اُسکی تخصیص ہے تو ایسی تخصیص کو انکار جزو قرآن سمجھنا نادانی ہے۔ اگر کسی سے اس تخصیص میں غلطی بائے کی ہوجاوے تو وہ غلطی مجتہدانہ ہے نہ انکار کافرانہ جیسا کہ ترک تسمیہ کی نسبت باہم مجتہدین کے اختلاف ہے یعنی آیہ لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے صراحت اسکی ہے کہ جس پر خُدا کا نام نہ لیا جاوے وہ ذبیحہ حلال نہیں۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان نام خدا کا وقت ذبح کے نہ لے عمداً یا سہواً

تب بھی ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اسلام اُس کا تسمیہ کے بجائے ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ کے نزدیک اگر ذبح کے وقت تسمیہ کرنا بھول جاوے تو ذبیحہ حلال ہے ورنہ نہیں پس
یہ اجتہاد عامی کی نظر میں بالکل مخالف نص قرآن کے ہوگا۔ اور اگر شاید سوائے ان
اماموں کے اَور کوئی ایسا کہتا تو وہ اُسے منکر نص قرآن سمجھتا مگر حقیقت میں یہ اجتہاد
ہے نہ انکار۔

اسی طرح جو شخص یہ سمجھے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ میں یہ شرط ضرور نہیں کہ وہ ہماری
طرح ذبح کریں بلکہ جس طرح پر وہ جانور کو مار ڈالنا ذبح سمجھتے ہوں وُہی ذبح ہمارے واسطے
حلال ہونے کے لیئے کافی ہے اور اس سے وہ اُس جانور کو حلال جانے جسے اہل کتاب
نے گردن توڑ کر مار ڈالا ہو مگر وہ آیہ طعام الذین اوتوا الکتاب اور بعض احادیث سے
استدلال کرتا ہو تو گو یہ غلطی لایق نہایت افسوس کرنے کے ہے مگر حقیقت میں انکار نص
نہیں ہے بلکہ تخصیص عموم حکم آیت قرآنی کی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ جب تخصیص میں غلطی
ہووے تو اُس تخصیص کرنیوالے کی نسبت اطلاق انکار نص قرآنی کا کیا جاوے اس لیئے
ایسے شخص کی غلطی پر اطلاق انکار جزو قرآن نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ کہے کہ منخنقہ جائز ہے
یعنی جو خود گلا گھٹ کر مرگیا ہو یا اَور کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو اور بلا قید اہل
کتاب کے اور بے استدلال کتاب و سُنت کے تو ایسا کہنا انکار نص ہے اور ایسا
کہنے والا کافر ہے۔ واذلیس فلیس +

## چوتھا امر یعنی اُن مسائل اعتقادی اور عملی کو جو نصوص صریحہ سے بالصراحت ثابت نہ ہوتے ہوں مگر بقیاسات بعیدہ اُن لفظوں سے اُن کا استنباط کیا گیا ہو واجب الیقین اور واجب العمل نہ جاننا

مسائل اعتقادی و عملی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو صاف صاف لفظوں سے

بلادقت ظاہر ہوں جس طرح خدا کا ایک ہونا رسُول کا برحق ہونا - خدا کا عالم بالجزئیات ہونا یا نماز روزہ اور حج وزکوٰۃ کا فرض ہونا وضو میں ہاتھ مونھ کا دھونا - پس ایسے مسائل اعتقادی یا عملی سے انکار کرنا حقیقت میں انکار نص قرآن ہے - دوسرے وہ جو مظنون ہے یہ تاویل بعیدہ و یا بدلایل قیاسیہ منطقیہ اور اصول موضوعہ استنباط کیئے گئے ہیں جیسا کہ یہ مسئلہ کہ خدا خالق خیر و شر ہے بندہ یا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق فرشتے انسان سے افضل ہیں یا انسان اُن سے مسائل خلافت اور امامت اور رویت باری تعالے وغیرہ کے ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ صراحتاً ثابت نہیں کسی نے کچھ سمجھا ہے کسی نے کچھ - اور بلاشبہ بعض صواب پر اور بعض غلطی پر ہیں - لیکن حقیقت میں کوئی اُن میں سے منکر قرآن اور کافر سمجھا جاوے گا - اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اشاعرہ کے مسائل اعتقادیہ کا نہ ماننا یا ماتریدی مذہب کے عقاید کا معتقد نہ ہونا انکار قرآن ہے وہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ اسلام نہ اشعری کے معتقدات پر ہے نہ ماتریدی کے مسائل پر - بلکہ ایمان وُہی ہے جو خدا نے فرمایا اور اُس کے رسُول نے - اور یہ لوگ اُن کے قولوں کے شارح ہیں جہاں تک وہ صواب پر ہیں ہم مانیں گے جہاں اُن سے بھُول چُوک ہوگئی اُسے واجب القبول نہ سمجھینگے -

اسی طرح اُن مسائل فروعی کا حال ہے جو متعلق حلت و حرمت اشیا کے ہوں یا متعلق اَور باتوں کے کہ اگر وہ صاف صاف قرآن سے ثابت نہ ہوں تو اُس کا نہ ماننا انکار حکم قرآن نہیں ہے - مثلاً کچھوہ - مینڈک وغیرہ کو جنہوں نے یہ سمجھکر حرام قرار دیا ہے کہ وہ خبائث میں داخل ہیں اور خبائث بموجب حکم آیہ ویحرم علیہم الخبائث کے وجہ حرمت کی ہے - پس یہ کوئی حکم صریح نہیں ہے تو اگر کوئی اُس شئے کو خبیث نہ جانے اور اُسکی حلت کا قائل ہو - تو حقیقت میں یہ انکار اُس شئے کی خباثت سے ہے نہ انکار حرمت خباثت سے جس کا ثبوت نص سے ہوتا ہے - یا اگر کوئی کتب قدیمہ مقدسہ میں تحریف لفظی کا قائل نہ ہو تو وہ منکر قرآن نہیں ہے کیونکہ وہ تحریف لفظی جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے ایسے صریح لفظوں سے ثابت نہیں ہے جس کا انکار انکار نص ہو - پس جو شخص تحریف کا تو قائل ہو مگر تحریف لفظی کا نہ ہو منکر قرآن نہیں ہے - جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام محمد ابن اسمعیل بخاری اور چند

محققین مثل شاہ ولی اللہ وغیرہ کے منکر تحریف لفظی کے ہوئے ہیں۔
بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ اُن باتوں کو جو کہ متعلق اُن اصول عقاید کے نہیں ہے جن کا ثبوت اجماعاً نہیں اگر تاویلاً کوئی نہ مانے اور کچھ اَور معنی کہے تو وہ بھی منکر قرآن نہیں ہے جیسے کہ بعضوں نے چاند و سورج سے آیہ ھٰذا ربی میں جو حضرت ابراہیم نے کہا تھا جواہر نورانیہ ملکیہ مراد لی ہے یا القِ ما فی یمینك اور فاخلع نعلیك سے ماسوے اللہ اور کونین مراد ہیں اور محققین نے لکھدیا ہے کہ یہ اصل نص کا انکار نہیں ہے۔

## پانچواں امر یعنی لوگوں کے کہے ہوئے معنوں کو اور اُن زاید باتوں کو جو تفسیروں میں داخل ہیں نہ ماننا

اسکی تصریح کی مجھے کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہے مستفتی کو اگر خواہش ہو تو میرا مضمون تفسیر کا جو تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے ملاحظہ کرلے۔
غرض کہ جو صورتیں میں نے اوپر بیان کیں ان ساری صورتوں میں نہ یہ منکر جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا۔
جو کہ بہ نسبت انکار جزو قرآن کے میں اپنے جواب کی شرح لکھ چکا اب بہ نسبت روایت حدیث کے بالالفاظ ہے یا بالمعنی کچھ بحث لکھتا ہوں۔

## روایت حدیث

اگرچہ مقصود اصلی میرا اس مقام پر صرف تحقیق کرنا اس امر کا ہے کہ آیا روایت احادیث کی بالالفاظ ہے یا بالمعنی ۔ مگر میں حدیث کی تدوین اور روایت اور درایت وغیرہ سے بہ تفصیل بحث کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ حقیقت تصدیق و تکذیب حدیث کی بھی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور لوگوں کے شبہات اچھی طرح سے

دور ہو جاویں اس لیئے اس مضمون کو چند بحثوں میں لکھتا ہوں۔
اوّلؔ کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے۔
دوسرے۔ تاریخ اور مختصر کیفیت کتب احادیث کی تالیف کی۔
تیسرے۔ تنقیح اس امر کی کہ روایت حدیث کی بالالفاظ ہے یا بالمعنی۔
چوتھے۔ بیان اس کا کہ سب احادیث صحیح مفید یقین ہیں یا نہیں۔
پانچویں۔ تحقیق اس بات کی کہ کل احادیث کتاب صحاح کی صحت بہ مرتبہ یقین ثابت ہے یا نہیں۔

## پہلی بحث بہ نسبت کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے

یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم کے زمانہ میں سوائے قرآن مجید کے احادیث کے لکھنے کا دستور نہ تھا اور وہ چند وجوہ سے کتابت احادیث کو پسند نہ کرتے اوّلاً اس لیئے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں تین قسم کی ہوتی تھیں ایک وحی دوسرے غیر وحی متعلق امور دین کے تیسرے غیر متعلق امور دین کے۔ پس جو وحی تھی وہی لکھی جاتی اور اُسی کا نام قرآن ہے۔ اور جو باتیں غیر وحی کی تھیں وہ ایک قسم کی نہ تھیں۔ بعض مستند با لہام۔ بعض مستند باجہاد اور پھر بعض متعلق امور جزئیات کے اور بعض متعلق معاملات اور قضایا رخاص کے اور بعض منتج ایجاب وتحریم کے اور بعض مشعر ندب وکراہت کے اور بعض علی سبیل العبادت اور بعض علی سبیل العادت۔ پس ان باتوں کو صحابہ موافق اپنے فہم کے قرینہ مقام اور ضرورت وقت پر نظر کرکے خیال رکھتے اور اُس سے تفریع احکام کرتے اور جو باتیں امور دیں سے متعلق نہ ہوتیں بلکہ امور دنیاوی سے علاقہ رکھتیں اُس کی نسبت تو خود آنحضرت صلعم نے فرما ہی رکھا تھا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم کہ تم لوگ اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو اسکو فقہاء صحابہ دینی مسائل سے جدا سمجھتے تھے پس بخیال اس کے کہ اگر یہ سب باتیں لکھی جاویں تو التباس دینی مسائل کا دنیاوی امور سے اور شرعی احکام کا امور عادی سے ہوگا۔ صحابہ نے جمع کرنا اور لکھنا

حدیثوں کا پسند نہیں کیا۔ دوسرے کل صحابہ ہر وقت اور ہمیشہ صحبت نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے۔ اور وہ باتیں جو حضرت فرماتے اور وہ کام جو آپ کرتے تو سب اپنے کانوں سے سُنتے نہ اپنی آنکھ سے دیکھتے بلکہ جو حاضر صحبت ہوتا وہ سنتا اور دیکھتا اور پھر اُسکی نقل اور روایت سے اوروں کو علم ہوتا۔ اور چونکہ نقل اور روایت کی صحت پر درجہ یقین نہیں ہوسکتا اس لیئے حدیثوں کے جمع کرنے اور لکھنے سے صحابہ نے احتراز کیا۔ بلکہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت نے فرمادیا تھا کہ سوائے قرآن کے مجھ سے اَور کچھ نہ لکھو اور اسی واسطے بعد وفات آنحضرت م کے بھی صحابہ تحریر احادیث سے مانع رہے۔ اور اگر بعض صحابہ نے کچھ لکھا تو انھیں خیالوں سے اُسے مٹادیا اور اپنے لکھے ہوئے کو قبل از وفات جلادیا۔ جیسا نچہ کوئی عالم ہمارے یہاں کا اس سے انکار نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا ثبوت کتب اور روایات سے بخوبی ہوتا ہے۔ چنانچہ مَیں چند اقوال بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ زید بن ثابت کے پاس بہت سے لوگ آئے اور کہا کہ آپ کچھ حدیثیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کی ہمکو سُنائیے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ جب آن حضرت م پر وحی نازل ہوتی تو مجھے آپ بلاتے اور میں لکھ لیتا اور باقی پیغمبر خدا کے سامنے جب دنیا کا ذکر ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اُسکی باتیں کرتے جب آخرت کا ذکر ہوتا وہ اُس کا ذکر کرتے۔ جب کھانے پینے کا ذکر آتا آں حضرت م بھی اُسکی باتیں کرتے۔ پس کیا اِن سب باتوں کا ذکر مَیں تم سے کروں اور یہ سب حدیثیں تمھیں سُناؤں اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئی من رای فانما انا بشر۔ کہ جب مَیں کوئی حکم متعلق امور دین کے دوں تم لو اور جب کوئی کام دنیا کا بتاؤں اپنی رائے سے تو مَیں بھی بشر ہوں۔ اور محب طبری نے ریاض النضرت میں اور ملا علی متقی نے کنز العمال میں۔ اور حافظ عماد الدین نے مسند صدیق میں بروایت حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری کے حضرت عایشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پانچسو حدیثیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جمع کی تھیں۔ پس ایک شب وہ نہایت بے چین ہوئے اور حد سے زیادہ مغموم۔ میں نے پوچھا کہ پریشانی کا سبب کیا ہے

تو آپ نے کہا کہ وہ حدیثیں جو مَیں نے جمع کی تھیں - لے آ - جب میں لے گئی تو آگ منگا کر اُنھیں جلا دیا - جب مَیں نے اس کا سبب پوچھا - تو کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید مَیں مرجاؤں اور یہ حدیثیں میرے پاس رہجاویں - اور شاید میں سے اعتبار اُن آدمیوں کا روایت میں کیا ہو جو درحقیقت لایق اعتبار نہ ہوں - اور وثوق اُن باتوں کا کرلیا ہو جو دراصل صحیح نہ ہوں - اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس کے پاس کتاب لکھکر اصلاح کے لیئے لایا - آپ نے اُسے لیکر پانی سے دھو ڈالا - غرض کہ صحابہ نے یا بوجہ احتیاط کے یا بوجہ اس کے کہ اُن کو چنداں ضرورت تالیف و تدوین کی نہ تھی - اور جو کچھ انہوں نے بلا واسطہ خود شارع کی زبان سے سُنا تھا یا کرتے دیکھا تھا اُسے پیش نظر رکھتے تھے - احادیثوں کے جمع کرنے پر توجہ نہ کی اور بعد اس کے تابعین کے زمانہ میں بھی اُسکی نوبت نہ آئی اور ۱۴۲ھ ہجری تک ایک نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے زبانی روایت پر قناعت کی مگر بعد اُس کے ضرورت تدوین اور تالیف کی ہوئی چنانچہ اُسکی مختصر کیفیت یہ ہے -

## دوسرا بیان بہ نسبت تاریخ اور مختصر کیفیت کتب احادیث کی تالیف کے

موافق قول خطیب بغدادی کے اول تالیف امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج بصری نے جو ۱۵۰ھ ہجری میں مرے - کی - اور بعض کہتے ہیں کہ اوّل مؤلف ابو نصر سعید بن ابی عروبہ ہیں جو ۱۵۶ھ ہجری میں مرے - اور بقول ابو محمد رامہر مزی کے ربیع ابن صبیح نے اوّل تالیف کی اور پھر بعد اس کے سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس نے مدینہ منوّرہ میں اور عبداللہ بن راہب نے مصر میں - اور معمر اور عبدالرزاق نے یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد بن فضیل بن غزوان نے کوفہ میں - اور حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں اور ہشیم نے واسطہ میں - اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں کتابیں لکھیں اور جو حدیثیں اُن کو ملیں اُنھیں جمع کیا اور جب

تالیف کا قاعدہ جاری ہوا تب بہت سے لوگ اس طرف جھکے اور مختلف طور سے مختلف
غرضوں کے واسطے کتابیں لکھنے لگے یہاں تک کہ نوبت محمد اسمٰعیل بخاری اور مسلم
رحمت اللہ علیہما کی آئی اور اُنہوں نے اعلےٰ درجہ کی کوشش جمع کرنے میں حدیث
کے کی فعلیہما رحمت اللہ الی یوم القیامہ۔

پس ۱۴۳ھ ہجری سے لیکر اس زمانہ تک ہزارہا کتابیں حدیث کی تالیف ہوئیں
اور مختلف غرضیں اُن تالیفات کا سبب ہوئیں کہ اُن سب کتابوں پر کتب احادیث
کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جو کچھ اُن میں لکھا ہے اُسپر حدیث کی نسبت کی جاتی ہے
اور جب تک کہ تحقیق محققانہ نہ کی جاوے تب تک جو قول اُن کتابوں میں ہے وہ قول
قول رسول اور جو بات اُن میں لکھی ہے وہ منسوب بشارع سمجھی جاتی ہے اور یہی امر غفلت
اور غلطی اور دھوکے کا سبب ہے اور ایک عالم کو اسی دھوکے نے گرداب بلا
میں ڈال رکھا ہے۔

غرض کہ سب سے اول اس امر کو سمجھنا ضرور ہے کہ ہر محقق اور ہر کتاب مستند
نہیں ہے اور ہر قول قول رسول اور ہر حدیث حدیث پیغمبر صلوات اللہ علیہ وآلہ نہیں
ہے۔ بلکہ محدثین اور احادیث کی کتابوں کی مختلف صورتیں ہیں چنانچہ علاوہ صحاح کے
میں اور کتب احادیث کے درجات کی کچھ مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں۔

بعض کتابیں حدیث کی وہ ہیں جن کو مسانید اور جوامع اور مصنفات کہتے ہیں
جو کہ بخاری و مسلم کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے لکھی گئیں اور وہ صحیح اور حسن اور ضعیف
اور معروف اور غریب اور شاذ و منکر اور خطا اور صواب اور ثابت اور مقلوب کا
مجموعہ ہیں اور جن کے بعد تالیفات کی کچھ شہرت بھی نہیں ہوئی اور جن کی ویسے
کسی نے کچھ خبر نہ لی یعنی نہ کسی نے شرحیں اُن کی لکھیں نہ کسی نے اُنکی تطبیق
مذاہب سے کی نہ کسی نے اُن کے رجال کی تحقیقات کی مثل مسند ابو علی اور مصنف
عبد الرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طیالسی اور کتب
بیہقی اور طحاوی اور طبرانی کے کہ انھوں نے جو کچھ پایا وہ بھر دیا۔ نہ تحقیق نے پانچسو
نہ صحیح کو غلط سے جدا کیا پس ان کتابوں کے اقوال پر عمل کرنا یا اُن کو ب وہ نہایت
ہے جو کہ محقق ہو اور جو صحت اُسکی ثابت کرے جیسا کہ حجۃ البالغہ کا سبب کیا ہے

فلا يباشرها للعمل عليه والقول به الا النحارير الجهابذة الذين يحفظون اسماء الرجال وعلل الاحاديث نعم ربما يوخذ منها المتابعات والشواهد وقد جعل الله لكل شئ قدرا۔

اور ان سے زیادہ نامعتمد وہ کتابیں ہیں جو بہت پیچھے تالیف ہوئیں اور وہ باتیں جو واعظوں کی زبانوں پر تھیں اور وہ خبریں اور قصے جو یہودیوں سے سُنکر لوگوں نے یاد کر لیئے تھے اور وہ حکیموں کی باتیں جنھیں لوگوں نے یونانیوں سے سیکھا تھا یا وہ رائیں جو قرآن وحدیث کے لفظوں سے استنباط کی گئی تھیں عمداً یا سہواً حدیثوں میں داخل کر دی گئیں۔ اور یہ سب صاحب الوحی کی طرف منسوب ہوگئیں مثل کتب خطیب اور ابی نعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی وغیرہ کے کہ انکی صحت کا اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہو جس میں احتمال صحت کا ہو اور ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ موضوع ہو اور نری تہمت ہو اور یہی کتابیں دست آویز اُن فرقوں کی ہیں جو جادہ حق سے منحرف ہوگئے اور سُنت کی راہ چھوڑ کر رافضی اور معتزلی بن گئے کہ وہ اپنے عقیدوں کے اثبات اور اہل حق کے الزام دینے کے لیئے انہیں کتابوں کی روایت پیش کرتے ہیں اور جو محقق نہیں ہیں وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ان سب باتوں پر ایک خرابی اور مستزاد ہوئی کہ بعض شخصوں نے براہ مغالطہ علم حدیث کا حاصل کرکے احادیث صحاح وحسان کی روایت کرنی شروع کی۔ مگر اُسی درمیان میں اپنے عقاید باطلہ کو اُسی اسناد سے جو اُنہوں نے یاد کر رکھی تھی روایت کر دیا اور اکثر محدثین نے دھوکہ کھایا جیسا کہ جابر جعفی اور ابو القاسم سعد بن عبد اللہ اشعری قمی ہوا ہے کہ یہ ایسے اُستاد پرکار ہوشیار تھے کہ حقیقت میں تو رافضی تھے مگر بہت سے محدثین کو دھوکہ دیا اور غلط حدیثوں کو بصورت صحیح کے بنا کر اُن کو اُسکی صحت کا یقین دلا دیا۔ یہاں تک کہ ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی نے جابر جعفی کی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا یا اجلح نامی ایک شیعہ کی جس نے بیخ وبُن دین سُنیوں کے نے من میں اُکھیڑ دی تھی یحییٰ بن معین سے محقق نے توثیق کی۔ اور اُس پر اعتماد کیا یہاں تک اور روح بن عبادہ پر یہ حال کھلا اور ان فریبیوں کا فریب ظاہر ہوا لیکن جو کہ وہ روایتیں نے خراسان میں کرکے کتابوں میں لکھ گئیں اس لیئے اکثر آدمیوں کو دھوکا ہوتا ہے اور

حدیث کا نام سُنکر اُن کے اعتقاد میں خلل پڑتا ہے اور واقع میں نہ وہ حدیث ہے نہ قول پیغمبرؐ بلکہ ایک مفتری جھوٹے مکار کا لطیفہ ہے۔

علاوہ اس کے یہ امر بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ صدر اوّل مجتہدین کے زمانہ میں راویوں کے حالات کی بہت زیادہ تحقیقات نہیں ہوئی اور جرح و تعدیل کی نوبت نہیں آئی اس واسطے بہت لوگوں کو حدیثوں میں دھوکہ ہوا۔ اور غلط اقوال کو احادیث صحیح سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اُسی پر بعض نے احکام کی تفریع بھی کی بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی غلطی سے مان لیا۔ یہاں تک کہ جب اس کا حال کھلا تب راویوں کے حالات تحقیق کرنے اور جرح و تعدیل سے بحث کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی اور فن رجال تدوین و تالیف شروع ہوئیں۔ چنانچہ اوّل ابن سعد نے ایک کتاب اسماء الرجال میں لکھی اور طبقات ابن سعد اُس کا نام رکھا۔ اور اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب جرح و تعدیل میں کچھ کچھ حالات راویوں کے لکھے مگر اُس پر رجال کا حال منتشر رہا یہاں تک کہ آخر ابن حبان اور ابن شاہین نے ثقات کو اور ابن عدی اور ابن حبان نے ضعفا کو علیحدہ علیحدہ کتابوں میں جمع کیا اور بعد ایک بعضوں نے خاص خاص کتابوں کے رجال کی تحقیق میں علیحدہ علیحدہ کتابیں تصنیف کیں جیساکہ ابونصر کلاباذی اور ابوبکر بن منجویہ اور ابوالفضل بن طاہر نے صحیح بخاری کے رجال کی نسبت اور ابو علی نے ابوداؤد کے راویوں کی نسبت اور عبدالغنی مقدسی نے صحاح ستہ کی رواۃ کی نسبت کتاب لکھی جس کا نام کتاب الکمال رکھا۔ پھر اس کے بعد اوروں نے اسے پورا کیا یہاں تک کہ آخر تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں ان سب کا خلاصہ جمع کیا گیا۔

جس طرح فن اسماء الرجال کی تالیف ایک زمانہ دراز کے بعد ہوئی اسی طرح فن درایت میں بھی اوّل اوّل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مگر جب حدیث کی نقل و روایت کی کثرت ہوئی اور صحیح اور غلط کا التباس ہوگیا تب فن درایت کی تالیف کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ سب سے اوّل قاضی ابو محمد حسن بن عبد الرحمٰن رامہرمزی نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی بعد اُس کے حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اصول حدیث میں ایک کتاب تالیف کی مگر وہ بھی پوری نہ تھی کہ اُس کے بعد ابونعیم اصبہانی نے

کچھ اور مسائل اُسپر بڑھائے۔ بعد اُس کے خطیب ابوبکر بغدادی نے اصول روایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام کفایہ ہے۔ پھر ایک دوسری کتاب تحریر کی جس کا نام جامع رکھا۔ آخر کو قاضی عیاض نے اُسے پورا کرنا چاہا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام الماع ہے اور اسی طرح ابوحفص اور حافظ ابوعمرو عثمان بن صلاح نے رسالے لکھے اور بعدہ بہت سے عالموں نے اپنی اپنی قابلیت دکھائی اور بہت سی کتابیں تالیف کیں۔

مختصر کیفیت حدیث کے جمع ہونے کی ہے پس کہاں ہے دیدہ بینا اور گوش شنوا کہ اس تحقیقات کو دیکھے اور اُس سے فائدہ اُٹھاوے۔ ابتو اسلام کا مدار اس پر آرہا ہے کہ چٹائی کی جانماز بغل میں اور مولود کا رسالہ ہاتھ میں ہے۔ اور جو اُن قصتوں کہانیوں کو نہ مانے اُسپر تکفیر کا حکم جاری ہے۔ حدیث وہ بات ہے جو کسی کتاب میں لکھی ہو۔ قول رسول وہ قول ہے جس کے شروع پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہو نہ کسی کو تحقیق کی خواہش نہ تنقیح کی آرزو بلکہ کافر ہے وہ جو تحقیق پر مستعد ہو منکر نبی ہے۔ وہ جو اُس کے اقوال کو اوروں کی باتوں سے جُدا کرنے پر متوجہ ہو۔ کیا خوب ہے یہ اسلام اور کیا اچھا ہے یہ ایمان۔ ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

# تیسری بحث نسبت تنقیح اس امر کے کہ روایت حدیث کی باالفاظ ہے یا بالمعنی

جب سے کہ حدیث کی تدوین اور کتابت کا قاعدہ جاری ہوا تب سے الفاظ کی تصحیح اور اقوال کے ضبط اور روایت کی بلفظہ نقل کا ہونا مسلم ہے اور بلاشبہ اُس وقت سے محدثین اور جامعین کتب احادیث نے نہایت احتیاط اور سچائی اور راستی اور دیانت سے لفظوں کو نقل کیا ہے اور اگر راویوں کی روایت میں اختلاف لفظوں کا ہوا ہے تو اُسکو بھی اکثر اپنی تالیفات میں لکھ دیا ہے لیکن جو زمانہ اس سے پہلے کا ہے اُسکی نسبت اگر کوئی روایت باالفاظ کا دعوے کرے تو وہ ثابت

نہیں ہو سکتا نہ عقلاً نہ نقلاً۔

عقلاً اس وجہ سے کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے اُسے سُننے والے سُنکر یاد رکھتے ــــ پس جو لفظ آنحضرت کی زبان مُبارک سے نکلتے اور جس نظم و ترتیب سے بہ تقدیم و تاخیر کلمات آنحضرت تقریر فرماتے اُس کا ایک دفعہ میں سُنکر بلفظہٖ یاد کر لینا تو کسی طرح قیاس میں نہیں آتا اور نہ شاید کوئی شخص کسی بشر کی نسبت ایسا خیال کر سکتا ہے اور پھر جیسے کہ یہ خیال کیا جاوے کہ سُننے والے صرف وُہی لوگ نہ تھے جو ذہن اور حافظہ اور علم اور سمجھ میں کامل تھے اور جو روایتاً و رفقہ میں معروف تھے بلکہ ایسے بھی تھے کہ جو روایت اور فقہ میں مشہور نہ تھے اور جنہوں نے بات کے سمجھنے میں بھی خطا کی ہے[1]۔ پس کیا کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لاکھوں آدمی جو

---

[1] ماہرین کتب حدیث پر روشن ہے کہ طبقہ اولے کے لوگوں سے بھی ایسی غلطیاں ہُوئی ہیں چنانچہ میں چند حدیثوں کا بطور تمثیل کے بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم چلے جاتے تھے کہ ایک یہودیہ مرگئی تھی اور لوگ اُس کے رورہے تھے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ تو قبر میں مبتلائے عذاب ہے اور یہ لوگ رورہے ہیں۔ مگر عبداللہ بن عمر کا یہ قول تھا کہ مردہ کو بسبب رونے زندوں کے عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ سُنا تو یہ فرمایا کہ" یغفر اللہ لابي عبدالرحمن اما انہ لم یکذب ولکنہ نسي او اخطاء انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یھودیۃ یبکي علیھا فقال انھم یبکون علیھا وانھا لیعذب في قبرھا" کہ خدا ابن عمر کو بخشے وہ جھوٹ نہیں کہتے مگر وہ بھول گئے یا اُن سے چوک ہوگئی اصل حال اس کا یہ ہے پھر اُنھوں نے اصل حال اُس کا بتادیا (بخاری ومسلم)

(۲) موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ رضي اللہ عنہا سے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ" موت الفجاءۃ سخطۃ علی المومنین فقالت یغفر اللہ لابن عمر انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت الفجاءۃ تخفیف علی المومنین و سخطۃ علی الکافرین" کہ مرگ مفاجات سختی ہے اوپر مومنوں کے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا بخشے ابن عمر کو پیغمبر خدا نے تو یہ فرمایا ہے کہ مرگ مفاجات تخفیف ہے مومنین پر اور سختی ہے کافروں پر۔

(۳) جلال الدین سیوطی نے رسالہ عین الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ جس نے

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہتے تھے سب کے سب ایسے قوی الحافظہ تھے کہ ایک دفعہ جو بات سُنتے اُسے اُسی نظم و ترتیب سے بلفظہ یاد کر لیتے اور کبھی نہ بھول چوک

مُردہ کو غسل دیا اُس پر بھی غسل لازم ہے۔ جب حضرت عائیشہؓ نے سُنا تو فرمایا" او ینجس موتی المسلمین" سر کہیا کہیں مُردے مسلمانوں کے بھی نجس ہو جاتے ہیں۔

(۴) طبرانی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ" من لم یوتر فلا صلوۃ لہ" کہ بے وتر کے نماز نہیں ہوتی۔ جب حضرت عایشہؓ نے سُنا تو فرمایا کہ کس نے آں حضرتؐ سے ایسا سنا ہے ابھی تو کچھ زمانہ نہیں گذرا کہ ہم بات پیغمبر خدا کی بھول گئے۔ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ" من جاء بصلوۃ الخمس یوم القیمۃ حافظا علی وضوئھا و مواقیتھا و رکوعھا و سجودھا و لم ینقص منہ شیئاً کان لہ عند اللہ عھدا ان لا یعذبہ الخ" اب دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر فرق سمجھ میں ابوہریرہؓ کے ہوا اور کیا کا کیا سمجھے۔

(۵) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے عین الاصابہ میں یہ روایت ہے کہ اُنھوں نے حضرت عایشہؓ سے کہا کہ" ان جابر بن عبداللہ یقول الماء بالماء فقالت اخطاء جابر ان رسول اللہ قال اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل" یعنی جابر کا یہ قول تھا کہ جب پانی نکلے تب پانی واجب ہوتا ہے یعنی غسل بعد منی نکلنے کے واجب ہوتا ہے۔ حضرت عایشہؓ نے فرمایا۔ کہ جابر نے اس میں خطا کی ہے۔ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ بعد ادخال کے غسل واجب ہوتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ اصل بات کے سمجھنے میں کس قدر فرق ہوا۔

(۶) بخاری میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی فتح ہونے کے بعد کافران مقتول کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ" ھل وجدتم ما وعدکم حقا ثم قال انھم الان یسمعون ما اقول فذکر ذلک لعائیشۃ فقالت انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھم لیعلمون الان ما کنت اقول لھم حق" کہ تم نے پایا جو کچھ خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پھر فرمایا کہ اب وہ میری باتوں کو سُنتے ہیں مگر جب حضرت عائیشہؓ نے یہ سُنا تو آپ نے کہا کہ نہیں پیغمبر خدا نے یہ فرمایا تھا کہ اب اُن کو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ میں اُن سے کہتا تھا۔ وہ سچ ہے۔ تو اب دیکھنا چاہیئے کہ دونوں باتوں میں کس قدر فرق ہے۔

(۷) مکحول سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائیشہ سے کہا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ تین چیزوں کی

اُن سے نہ ہوتی۔ ایسا دعویٰ سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو عوام اہل الحجت کہتے ہیں کوئی نہیں کرسکتا نہ ہمارے مذہب کے محققین نے کیا ہے۔ اور پھر اگر اس طبقہ کے لوگ اپنی سُنی سنائی باتوں کو لکھ لیتے اور کتابوں میں جمع کردیتے تو بھی الفاظ کی صحت کا ظن ہوسکتا تھا۔ مگر جبکہ اُس طبقہ نے ایسا نہیں کیا اور حدیثوں کو نہیں لکھا اور اگر کسی نے لکھا اور اُس نے اُسے معدوم کردیا تو کیونکر قیاس میں آسکتا کہ دوسرے طبقہ نے جس نے پہلے طبقہ سے حدیثوں کو زبانی سُنا اُن کے لفظوں کو یاد کرلیا ہو اور اسی طرح سے دوسرے سے تیسرے نے اور تیسرے سے چوتھے نے جو کچھ سُنا بلفظہ یاد رکھا۔ اور پھر جب یہ خیال کیا جاوے کہ احادیث کی نقل میں بہت سے واسطے ہوگئے اور آٹھ آٹھ دس دس بلکہ بیسیوں سے بھی زیادہ راویوں کے سلسلے بیچ میں آگئے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک وہ تحریر نہیں کی گئیں۔ تو کیونکر یہ بات مانی جاوے کہ جو لفظ آنحضرت

---

منحوسی لی جاتی ہے گھر میں۔ عورت میں۔ گھوڑے میں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابوہریرہ کو یاد نہیں رہا۔ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آں حضرت صلعم یہ فرما رہے تھے کہ "قاتل اللہ الیھود یقولون الشوم فی ثلاثۃ فی الدار والمراۃ والفرس" کہ خدا یہودیوں کو مارے۔ وہ کہتے ہیں کہ منحوسی تین چیزوں میں لی جاتی ہے۔ گھر اور عورت اور گھوڑی میں مگر ابوہریرہ نے اخیر کے لفظ سنے اوّل کے لفظ نہیں سُنے۔

(۸) شیخ جلال الدین سیوطی نے رسالہ عین الاصابہ میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ نے کہا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ ایک عورت نے ایک بلی کو نہ پانی دیا نہ کھانا نہ اُسے چھوڑا کہ وہ مر گئی اس لیئے خدا نے اُسے عذاب دوزخ کا دیا۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک مومن کی ایسی عزت نہیں ہے کہ ایک بلی کے پیچھے اُسے دوزخ میں ڈالے۔ وہ عورت کافرہ تھی۔ اور یہ کہکر کہا کہ ابوہریرہ ذرا سمجھکر پیغمبر خدا کی حدیث کی روایت کیا کرو۔

(۹) اور پھر اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے پیٹ میں پیپ اور خون بھر جاوے تو بہتر ہے شعر سے حضرت عائشہؓ نے سُنکر کہا کہ ابوہریرہ کو یاد نہیں رہا آنحضرت نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے اُس شعر سے جو ہجو میں کسی کے کہا جاوے فقط۔ خیال کرنا چاہیئے کہ کس قدر دونوں میں فرق ہے۔ ۱۲

کی زبان مبارک سے نکلے تھے وُہی لفظ باوجود ان واسطوں کے اور باوصف اس تسلسل کے بجنسہ باقی رہے ۔ ہاں یہ بات وُہی آدمی تسلیم کرسکتا ہے جو کہ تمام راویوں کو اور سب ناقلین احادیث کو مثل جبرئیل امین کے نقل اور روایت میں غلطی سے معصوم جانتے اور سب کی نسبت اعجاز و کرامات کا معتقد ہووے ۔

لیکن ہم ایسا اعتقاد بھی رکھتے اگر حدیثوں کے الفاظ خود ہمارے اس اعتقاد کو غلط اور باطل نہ کردیتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کی حدیث جو کئی راویوں سے منقول ہے اُس کے الفاظ اور عبارت میں اختلاف ہے تو کیونکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روایت حدیث کی بالالفاظ ہے ۔ پھر اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مذہب کے عالموں نے احادیث کی روایت کو بالالفاظ مانا ہے تو بھی اجماع کے خوف سے روایت بالالفاظ کا اقرار کرتے اور جو بات عقلاً محال ہے اُسے بے سمجھے بوجھے مان لیتے مگر ہمارے عالموں میں سے جتنے محققین گذرے ہیں اُنھوں نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا بلکہ نہایت دانشمندی اور عقل سے اصول دین کی تنقیح کرکے یہ قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ جائز ہے ۔ اور بعضوں نے تو صاف لکھدیا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ پر کسی طرح یقین نہیں ۔

چنانچہ میں اس مقام پر چند اقوال محدثین اور علماء محققین کے اپنے کلام کی تائید میں پیش کرتا ہوں ۔

شرح مشکوٰۃ میں بعد ایک بڑی بحث کے بہ نسبت روایت بالالفاظ اور بالمعنی کے لکھتے ہیں کہ والنقل بالمعني واقع في الكتب الستة وغيرها صحاح ستہ وغیرہ کُتب حدیث میں نقل حدیث بالمعنی واقع ہے ۔

شرح صحیح مسلم میں امام نووی اسی بحث میں لکھتے ہیں کہ قال جمهور السلف والخلف من الطوائف المذكورة يجوز في الجميع اذا جزم بانه ادي المعاني وهذا هو الصواب تقتضيه احوال الصحابة ومن بعدهم رضي الله عنهم في روايتهم القضية الواحدة بالفاظ مختلفة ثم هذا في الذي يسمعه في غير المصنفات اما المصنفات فلا يجوز تغيرها وان كان بالمعني کہ سب اگلے پچھلوں نے روایت بالالفاظ جائز رکھی ہے ۔ احادیث میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اور

اقوال میں اوروں کے بشرطیکہ یقین معانی کی صحت پر ہووے اور یہی صحیح اور درست ہے اور حالات صحابہ اور اُن کے مابعد کے لوگوں سے بھی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک بات کو مختلف لفظوں میں اُنھوں نے روایت کیا ہے۔ علامہ اثیرالدین ابی حیان محمد بن یوسف بن حیان اندلسی کتاب تذئیل وتکمیل میں جو شرح تسہیل الفوائد وتکمیل المقاصد کی ہے لکھا ہے کہ مصنف نے قواعد کلیہ کے اثبات میں استدلال حدیث کے لفظوں سے کیا ہے حالانکہ یہ اسکی غلطی ہے۔ آج تک میں نے ایک کو بھی اگلے پچھلے میں سے ایسا کرتے نہیں دیکھا اور کسی نے الفاظ حدیث سے ایسا استدلال نہیں کیا کیونکہ اُن کو وثوق اسپر نہیں ہوا کہ یہ الفاظ وُہی ہیں جو پیغمبر خدا نے فرمائے تھے اور اگر ایسا وثوق ہوجاتا تو وہ الفاظ مثل الفاظ قرآن کے قواعد کلیہ کے استخراج میں مانے جاتے اور عدم وثوق کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ راویوں نے نقل بالمعنی کرنا جائز سمجھا تھا دوسرے بہت سی حدیثوں میں موافق کلام عرب کے لفظی غلطیاں ہیں کیونکہ اکثر راوی غیر عرب تھے۔

## چوتھی بحث نسبت اس کے کہ کُل احادیث صحیحہ مفید یقین ہیں یا نہیں

ہمارے محققین نے لکھا ہے کہ احادیث متواتر مفید یقین ہیں اور احادیث احاد مفید یقین نہیں ہیں جیسا کہ تلویح میں لکھا ہے کہ والاوّل ای المتواتر یوجب علم الیقین والثانی ای المشھور یفید علم طمانیة والثالث وھو خبر الواحد یوجب العمل دون علم الیقین وقیل لا یوجب شیئا منھما اور نیز اخبار احاد کی نسبت لکھا ہے کہ ان خبر الواحد یحتمل الصدق والکذب وبالعدالة یترجح جانب الصدق بحیث لا یبقی احتمال الکذب وھو معنی العلم وجوابه انالا نسلم مرجح جانب الصدق الی حیث لا یحتمل الکذب اصلا بل العقل شاھد بان خبر الواحد العدل لا یوجب الیقین وان احتمال الکذب قایم وان کان مرجوحا والا لزم القطع بالنقیضین عند اخبار العدلین یعنی خبر متواتر تو مفید یقین ہے اور

خبر مشہور سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے نہ یقینی۔ اور خبر احاد عمل کے لیئے کافی ہے
نہ یقین کے لیئے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اخبار احاد مفید علم ہے نہ واجب العمل
اور خبر احاد کی نسبت اگر کوئی کہے کہ بلا شبہ خبر احاد میں احتمال صدق و کذب کا ہے
لیکن جب عدالت راوی سے جانب صدق غالب ہوگی بایں حیثیت کہ احتمال
کذب نہ رہا تو یہی معنی علم کے ہیں اس لیئے خبر احاد بھی مفید یقین ہوگی۔ جواب اُس کا
یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ جانب صدق احاد میں ایسا غالب ہے کہ احتمال کذب کا باقی
ہی نہیں رہا بلکہ عقل اسپر شاہد ہے کہ خبر ایک آدمی کی گو وہ عادل ہے مفید یقین نہیں
اور احتمال کذب اُس پر قایم ہے گو وہ احتمال ضعیف ہی ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو یقین کرنا
دو نقیض پر لازم ہو جاوے۔ اُن اخبار میں جو دو عادل راویوں سے منقول ہیں اور باہم
متناقض ہیں۔ اور شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جتنی حدیثیں غیر متواتر صحیح بخاری اور صحیح مسلم
کی ہیں اُن کی نسبت محققین کا یہ قول ہے کہ وہ صرف مفید ظن ہیں نہ مفید یقین کیونکہ
وہ احاد ہیں اور احاد سے صرف علم ظنی ہوتا ہے نہ علم یقینی اور جبکہ یہ قاعدہ بہ نسبت
اخبار احاد کے ٹھہر چکا تو کچھ فرق بخاری اور مسلم اور غیر بخاری اور مسلم میں نہیں ہے
اور اس بات سے کہ عمل کرنا اُن حدیثوں پر اجماعاً ثابت ہے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ
اسپر بھی اجماع ہے کہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یقینی پیغمبر خدا کا کلام ہے صلے اللہ
علیہ وسلم۔ پس فقط کسی کتاب میں لکھے ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ یقینی وہ کلام
کلام رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے جب تک کہ بتواتر منقول ہونا اُس کا ثابت نہ ہو
کیا خوب کہا ہے قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں۔ کہ اگر کوئی مسئلہ ایک کتاب
میں کیا ہزار کتاب میں بھی پایا جاوے اور کسی امام کی طرف منسوب ہو تو اس سے یہہ
ثابت نہیں ہوتا کہ یقینی وہ مسئلہ اس امام نے فرمایا ہے۔ جب تک کہ بتواتر اُس کا منقول
ہونا اُس امام سے ثابت نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی مشکل ہے فقط۔ پس ویسا ہی خیال کرنا
چاہیئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک قولوں کی نسبت کہ جب تک بتواتر اُن کا
منقول ہونا ثابت نہ ہو جاوے تب تک اُسپر کامل یقین نہیں ہوسکتا۔

فواتح شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ ابن صلاح اور چند اہل حدیث نے یہ گمان
کیا ہے کہ روایت بخاری اور مسلم کی مفید یقین ہیں حالانکہ یہ بڑا دھوکہ ہے کیونکہ جو شخص اپنے

دل میں سوچیگا وہ اس بات کو بالبداہتہ مانے گا کہ فقط اُن کا روایت کرنا یقین کے لیئے کافی نہیں اور کیونکر ہو سکتا ہے اس لیئے کہ اُن میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں - اور اگر اُن سب پر یقین کیا جاوے تو متناقض باتوں کا ماننا لازم آوے - بہرحال یہ بات اگر مانی جاوے کہ اُن کے راوی جامع شرائط تھے تو اس سے صرف زیادہ ظن ہو سکتا ہے - لیکن یہ بات کہ اُن کی روایت پیغمبر خدا صلعم سے یقینی ثابت ہے اسپر ہرگز اجماع نہیں ہے اور کیونکر اُس کا اجماع ہو حالانکہ اُسپر بھی اجماع نہیں ہے کہ جو کچھ اِن دونوں کتابوں میں ہے وہ سب صحیح ہے کیونکہ بعض راوی اُن کے قدری تھے بعض اہل بدعت تھے - اور اہل بدعت کی روایت کا قبول کرنا مختلف فیہ ہے - تو اجماع کا دعوے اُن کی مرویات کی صحت پر کہاں باقی رہا - غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ حدیثیں بخاری و مسلم کی اُن کی شرط پر صحیح ہوں اور اس سے سوائے ظن کے یقین کا فائدہ نہیں ہوتا -

## پانچویں بحث نسبت اس کے کہ کتب صحاح کی احادیث کی صحت بمرتبہ یقین ثابت ہے یا نہیں

یہ بات مسلمات سے ہے کہ منجملہ کتب احادیث کے ستہ اور موطائے امام مالک اعلے درجہ کی ہیں اور اُن کے جامعین نے نہایت احتیاط اور کمال محنت سے احادیث کی تصحیح کی ہے - پھر اُن میں سے صحیحین یعنی صحیح بخاری و مسلم اعلے درجہ پر ہیں اور اُن کی تحقیق بہت بڑھی ہوئی ہے - مگر یہ کہنا کہ کل احادیث اُن کی ایسی صحیح ہیں کہ جن کی صحت بمرتبہ یقین کا ہو صحیح نہیں ہے - چند وجوہ سے - اوّلاً جو احادیث متواتر نہیں ہیں اُن کی صحت کا بمرتبہ یقین ہونا ایسا امر ہے جس کا کسی محقق نے دعوےٰ نہیں کیا - ثانیاً اُن کتابوں میں بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی عدم صحت بالبداہتہ ظاہر ہے اور جیسے شارحین اور محققین نے صاف صاف لکھدیا ہے اور پھر بعض راوی ایسے بھی ہیں کہ جن کی جرح اور محدثین نے کی ہے تو کیونکر یہ دعوےٰ کیا جاوے

جاوے کہ مثل آیات قرآن کے ہر حدیث قطعی اور یقینی ہے۔ چنانچہ میں بطور تمثیل کے چند اقوال اور چند احادیث کو نقل کرتا ہوں۔

شرح اصول بزدوی میں لکھا ہے کہ ابوعمرو دمشقی نے لکھا ہے کہ بخاری نے ایسی جماعت سے استناد کیا ہے جس کی نسبت اور متقدمین نے جرح کی ہے مثل عکرمہ اور اسمٰعیل اور عاصم اور عمرو بن مرزوق وغیرہم کے۔ اور مسلم نے بھی سوید بن سعید وغیرہ سے استناد کیا ہے جس پر اوروں نے طعنہ کیا ہے۔

جامع الاصول میں لکھا ہے کہ حدیثیں جو ہمارے اماموں نے روایت کی ہیں بعض اُنہیں صحیح ہیں بعض سقیم۔ اور اس کا سبب اختلاف جرح و تعدیل رواۃ ہے۔

دار قطنی نے کہا ہے کہ دو سو دس حدیثیں صحیحین کی ضعیف ہیں جنمیں اسی مخصوص بخاری اور تیس مخصوص مسلم اور سو مشترک دونوں میں ہیں۔

منجملہ اُن احادیث کے جن کی عدم صحت کا اقرار محدثین اور شارحین نے کیا ہے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

**اوّل** صحیح بخاری میں لکھا ہے عن عروۃ ان النبی خطب عایشہ فقال له ابوبکر انما انا اخوك فقال انت اخي في دين الله۔ فتح الباری میں اس حدیث کو غیر صحیح لکھا ہے کما قیل فی صحتہ هذا الحدیث نظر لان الخلة لابي بكر انما كانت بالمدينة وخطبة عايشہ كانت بمكة فكيف يلتئم قوله انما انا اخوك اس حدیث کی صحت میں صرف ایک تاریخی واقعہ کے مخالف ہونے سے کلام کیا گیا۔ کیونکہ خلۃ ابوبکر صدیق رض مدینہ میں ہوئی اور خطبہ عایشہ صدیقہ رض مکہ میں قبل اُس کے تو قبل از خلت و اخوت ابوبکر صدیق رض کا کہنا انما انا اخوك صحیح نہیں ہو سکتا۔

**دوسرے** صحیح بخاری میں لکھا ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال يلقى ابراهيم اباه فيقول يا رب انك وعدتني الا تخزني يوم يبعثون فيقول الله اني حرمت الجنة على الكافرين۔ اس حدیث کی عدم صحت کا بھی اقرار محققین نے کیا ہے کما قیل وقد استشكل الاسماعيلی هذا الحديث من اصله وطعن في صحته فقال هذا حديث في صحته نظر اور اس حدیث کی صحت میں اس لیئے کلام کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کی شان سے خلاف ہے کہ جب خدائے عزوجل نے اُن کو شفاعت سے اپنے

باپ کی دنیا میں منع کر دیا تو وہ کیونکر پھر قیامت میں خلاف حکم خدا کے شفاعت کریں گے۔

تیسری روایت نماز پڑھنے پیغمبر خدا کے جنازہ پر ابن ابی سلول کے جو بخاری میں ہے محققین نے کلام کیا ہے اور باقلانی نے صاف اس حدیث کا انکار کیا ہے۔

چوتھی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے یہ حدیث منقول ہے کہ ان ابا سفیان قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اسالك ثلاثا فاعطاه ایاهن منهن عندی احسن العرب ام حبیبۃ ازوجك ایاها۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھا ہے کہ فهذا الحدیث غلط ظاهر لاخفاء به کہ اس حدیث کی غلطی ایسی ظاہر ہوئی ہے کہ ذرا بھی اسکی غلطی پوشیدہ نہیں اور اسکی غلطی بھی اسی وجہ سے مانی گئی کہ وہ تاریخی واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ام حبیبہ عبد اللہ بن جحش کی منکوحہ تھیں اور حبیبہ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کو گئی تھیں۔ جب وہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اور ام حبیبہ اپنے دین پر قائم رہیں۔ تب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے ذریعہ سے اُن سے نکاح کیا۔ اور یہ امر قبل از فتح مکہ کے ہوا۔ اور ابو سفیان فتح مکہ کے دن ایمان لایا اور پیغمبر صاحب کے سامنے آیا۔ اسی واسطے اس حدیث کی غلطی ثابت ہوئی وقال ابو محمد بن حزم وهو موضوع بلا شك كذب به عكرمة بن عمار وقال ابن الجوزی فی هذا الحدیث هو وهم من بعض الرواة لاشك فيه ولا تردد۔

پانچویں۔ ملا علی قاری کتاب جال میں لکھتے ہیں کہ روایت مسلم کی جابر سے قصہ حجۃ الوداع میں ایسی مختلف ہے کہ اُن میں ایک ضرور جھوٹی ہے کیونکہ ایک میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے طواف کر کے نماز ظہر کی مکہ میں پڑھی۔ دوسری میں لکھا ہے کہ نماز ظہر کی منی میں ادا کی وهذا قال ابن حزم فی هاتین الروایتین احدهما كذب بلا شك۔

اور اسی طرح حدیث اسراء قبل الوحی اور حدیث خلق تربت یوم السبت اور حدیث اول ما نزل من القرآن اور حدیث صلوۃ الکسوف بثلاث رکعات کی غلطی او ضعف کا محققین نے اظہار کیا ہے اور اسی طرح حدیث فدک کی موضوعیت کا جو صحیح بخاری میں ہے صاف اقرار محققین نے کیا ہے۔ پس باوجود اس کے ہر حدیث

کی صحت کو قطعی اور یقینی سمجھنا خلاف تحقیق محققین سابق کے ہے۔

اگر مستفتی کو اس تقریر پر یہ شبہ ہو کہ میرے نزدیک کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ کسی پر عمل کرنا جائز ہے اور بخاری اور مسلم پر بھی اعتبار صحت کا نہیں تو یہ اُس کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ میں نے اپنے اس جواب میں صرف اصولی مسائل کو بیان کیا اور محققین کے اقوال کو نقل کیا۔ اور چونکہ ہمارے ابنائے جنس اصل بات کو تو دیکھتے نہیں اور مطلب پر غور نہیں فرماتے۔ سرسری طور سے عامیانہ اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ اس لیئے حقیقت میں مطلب اَور کا اَور ہو جاتا ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جن محدثین نے صحاح ستہ کو جمع کیا وہ بڑے محقق اور متورع اور امام اور دین کے پیشوا تھے۔ اُن کی نیت نیک تھی۔ اُن کی صداقت اور سچائی اعلےٰ درجہ پر تھی۔ اور اُنہوں نے احادیث کو جہاں تک ممکن تھا نہایت احتیاط سے جمع کیا اور راویوں کے الفاظ اور کلمات کو بہت محنت سے یاد کیا۔ اور اپنے نزدیک اُنھوں نے کوئی دقیقہ تصحیح کا باقی نہیں رکھا۔ اور ان کتابوں میں حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور اُن کی احتیاط اور تحقیق بہت زیادہ ہے۔ مگر جو کچھ ان محدثین نے لکھا اور جمع کیا اُسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُس کے راوی اس کثرت سے ہوں کہ جن پر عقلاً احتمال غلطی کا ہو ہی نہ سکے اُسے متواتر کہتے ہیں اور اُسکی صحت پر کامل یقین ہے۔ دوسری احاد ہیں جو اُس درجہ پر نہیں پہونچیں اس لیئے ایسا یقین صحت کا اُسپر نہیں ہے کہ اُس میں غلطی کا احتمال نہ ہو مگر اُس پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ اُس کا تعارض اور مخالفت اُن اصول صحیحہ عقلیہ سے ثابت نہ ہووے جو واسطے تصحیح احادیث کے قرار دیئے گئے ہیں اور پھر ان اخبار احاد کی نقل میں محدثین نے نہایت احتیاط کی مگر پھر بھی وہ غلطی اور خطا سے نہیں بچے اور بعض بعض احادیث کی روایت میں اُن کو دھوکا ہو گیا پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہم اُن حدیثوں کو جو صحاح میں خصوصاً بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں صحیح جانیں گے اور اُس پر عمل کرینگے لیکن جب اُسکی مخالفت کسی اصل صحیح سے منجملہ اُن اصول کے ثابت ہو گی تب ہم اُسکو صرف اس وجہ سے کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں لکھی ہے واجب القبول نہ جانیں گے کیونکہ کسی محقق نے ایسا نہیں کیا نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ کبھی اپنے دعوے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور

آخرکار اُسے بھی اُسی راہ پر آنا ہوگا جس پر ہم چلتے ہیں۔ پس بڑا فرق ہے درمیان اس کے کہ احادیث احاد مفید یقین نہیں ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ غلط ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ واجب العمل نہیں ہیں باوجود تعارض و تخالف کے اور درمیان اس کے کہ جائز العمل ہیں۔ جب تک اُن کا تعارض ثابت نہ ہو۔ اور درمیان اس کے کہ محدثین معصوم اور محفوظ نہ تھے اور اُن سے غلطی ہونا ممکن تھی اور باوجود احتیاط کے اُن سے براہ بشریت غلطی ہوئی اور درمیان اس کے کہ وہ جھوٹے تھے اور جھوٹی باتیں اُنھوں نے جمع کیں پس جو کوئی دوسری بات کو ہماری طرف منسوب کرے اُس کا الزام اُس پر ہے نہ ہم پر۔ وھا انا بری مما یقولون +

---

# استفتا

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کہ اگر زید معتقد یا قائل ان امور کا ہو جو کہ نیچے بیان کیے جاتے ہیں اور پھر عمرو اُسے امام اور پیشوا اور مقتدائے دین سمجھے تو عمرو کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے۔

(۱) اوّلاً اللہ جل شانہ جسم اور جسمانی اور صورت اور جسم اور مکان سے منزّہ نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید نہ جامع ہے نہ مانع یعنی جس قدر نازل ہوا تھا وہ سب محفوظ نہیں رہا اور جو قرآن نہیں تھا وہ قرآن میں داخل ہوگیا۔

(۳) قرآن موجودہ غلطیوں اور کاتب کی بھولوں سے بھرا ہوا ہے۔

(۴) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کبھی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ کہنا کچھ چاہتے اور زبان مبارک سے اور کچھ نکل جاتا اور بسبب مسحور ہونے کے خود نہ جانتے کہ میں کیا کہتا ہوں۔

(۵) آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف قرآن پڑھنے کی حالت میں مشرکین کے سامنے کی۔

(۶) خدا کو بعض آیتوں میں بندوں پر توارد ہوا یعنی جو کچھ پہلے کسی بندے کی زبان سے نکلا اُسی کو پھر خدا نے بذریعہ جبرئیل امین کے نازل کیا۔
(۷) باوجود نہ لیئے جانے نام خدا کے وقت ذبح کے اور عمداً ترک کرنے تسمیہ کے ذبیحہ حلال ہے۔
(۸) سوائے عربی زبان کے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا جائز ہے۔
(۹) صحیح بخاری اور مسلم میں بھی موضوع حدیثیں ہیں۔
(۱۰) صحابہ کے اقوال واجب العمل نہیں ہیں۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اور ہم بھی آدمی ہیں +

# مُراسلات

مکرمی مولوی مہدی علی صاحب سلمہٗ۔

اشتیاقیکہ بدیدار تو دارد دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من

آپ کی فصیح بلیغ تحریروں کو میں نے دیکھا۔ آپ کی استعداد کی کیا تعریف ہوسکے آپ کی لیاقت کا اظہار کون کرسکے۔ مگر نہایت بہتر ہوتا کہ آپ کی تحریریں معقولات اور دنیاوی تہذیب ہی پر ختم ہوتیں اور مذہبی عقاید پر آپ توجہ نہ کرتے۔ بھائی میرے راہ باریک ہے اور رات تاریک۔ ایسی تیزی سے چلنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

بیت
مہدی مشتاب این رہ دین است نہ صحراست
ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

بارہ سنو برس (۱۲۰۰) کی عمارت کو گرانا اور نئی بنیاد ڈالنا اور اسلام کی تصویر مٹانا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اگر بے پابندی اسلام کے آپ نیا دین قائم کریں ہم کو کچھ عذر نہیں مگر اسلام اسلام اسلام کی ہمدردی کا جب آپ نام لیتے ہیں تب ہمارے بدن پر

لرزہ ہوتا ہے۔ اور تعجب کرتے ہیں کہ کیا اس ہزار برس کے عرصہ میں کوئی بھی
سے واقف نہ ہوا۔ کسی کو حقیقت اسلام کی معلوم نہ ہوئی کہ آپ اسکی اصلاح
ہیں۔ پھر اگر بقول آپکے جو اپنے دوست کو خط میں لکھا ہے عربی عمامہ سر پر ہوتا
اونچے ٹخنہ کا پائجامہ تو بھی کوئی آپ کی بات سنتا۔ وضع کرسٹانی و دعوی مسلم
ہیہات ہیہات۔ شیطان کے وجود سے انکار کرنا۔ شق القمر کا منکر ہونا۔ اجما
نہ ماننا۔ کتے کی طرح کھڑے ہو کر موتنا۔ اصحاب کو برا کہنا۔ سلف صالح کو اچھا نہ
مسلمانوں کو پاجی نالایق کہنا۔ اماموں کو صنم و بت بتانا۔ علمائے کو مکار و د
کہنا ہی اگر نشانیاں اسلام کی ہیں تو سلام ایسے اسلام کو۔

گر ولی ایں است لعنت بر ولی

حضرت نہ محتسب ہے جس کے دُرّہ کا خوف ہو۔ نہ قاضی ہے جس کے فتو
سے دار کا ڈر ہو۔ آزاد گورنمنٹ کی حکومت ہے۔ ورنہ اس آزادی سے تک اب ا
کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اب تک کب کی آزادی دنیا سے آپ کو حاصل ہو گئی ہوتی
بڑا ناز مدرستہ العلوم پر تھا مگر اخبار الاخیار لکھنؤ نے آپ لوگوں کی فریب دہی
مسلمانوں کو کر رہے تھے ثابت کر دکھایا اور مدرسہ میں نیہ جاری کر دیا۔ آگرہ ا
میں بھی آپ لوگوں کی خوب خبر لی۔ کانپور کے مشہور بیدار عالم کے نام سے
آپ کے بدن پر لرزہ پڑتا ہو گا جبکہ یہاں تک آپ لوگوں کی ذلت کی نوبت
پہنچی تو باز نہ رہنا وہی آزادی ہے جس کو سب بے حیائی کہتے ہیں۔ اگر آپ مسلما
نہ ہوں تو آپ اشتہار دیدیں یا مسلمانوں کے سے عقیدے رکھو ورنہ قیامت
دن سب حال کھل جاوے گا اور اپنے کیئے کو رو گے خوب آپ یقین کر لیں نہ ا
آپ کا مدرستہ العلوم چلے گا نہ فریب دہی مسلمانوں کی۔ اس سے بہتر ہے کہ آ
مذہبی تحریروں سے باز رہیئے۔ بدعت کے موجد نہ ہو جیئے ورنہ ناحق کوئی جلا
مسلمان کچھ کر بیٹھے تو سب خیر خواہی اسلام کی معلوم ہو۔ جلے ہوئے بڑے ہو
ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ تمکو ان باتوں میں کیا لطف ہے۔ اگر تمہارے خیال دین کی نسبت
اچھے رہتے تو تم حقیقت میں بڑے کام کے آدمی تھے لیکن ہم لوگوں کی بدنصیب
ہے کہ تم سے لوگ یوں بگڑتے جاتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ فقط

اگر آپ تہذیب الاخلاق میں اس خط کا جواب چھپوا دیں گے تو میری نظر سے گذر جاوے گا۔

راقم
مظہر الحق

# مخدومی مدظلہم

سلامی چو الفاظِ تو دُر فشاں ✤ سلامی چو اخلاق تو مشکبو

عرض کرتا ہوں قبول ہو۔ میں نے آپ کا خط پایا۔ مشکور ہوا۔ آپ کا شکر کیا۔ سبحان اللہ کیا خوب خط لکھا ہے۔ جس کے ہر فقرہ پر دل قربان ہوا جاتا ہے۔

خطت می بینم و گرد سواد نامہ مے گردم
فدائے جنبشِ آں دست و طرز نامہ مے گردم

آپ نے جو نصیحت مذہبی تحریروں سے باز رکھنے کی فرمائی سب سے اوّل میں اُس کا شکر کرتا ہوں مگر افسوس ہے کہ آپ کی اس آرزو کو پورا نہیں کر سکتا۔ جیسے قرآن مجید میں پڑھا ہے۔ فلا تطع المکذبین ودوا لو تدھن فید ھنون۔ اس لیئے عزت کی خواہش اور مسلمانوں کی دلجوئی اور طعن و ملامت سے بچانے کی آرزو مجھے سچ کہنے اور حق لکھنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ نہ مداہنت کر کے جھوٹی تعریف کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

برو بکار خود اے واعظ ایں چہ فریادست
مرا فتاد دل از رہ ترا چہ افتادست
بکام تا نرساند مرا لبش چوں نے
نصیحت ہمہ عالم بگوشِ من بادست

آپ لکھتے ہیں کہ رات تاریک اور راہ باریک۔ تیزی سے چلنا اچھا نہیں۔ میں بھی جانتا ہوں کہ رات تاریک ہے اور راہ باریک۔ لوگوں کو ٹھوکریں کھاتا اور منھ کے بل گرتا بھی دیکھتا ہوں اسی واسطے روشنی دکھانے کے لیئے جلدی کرتا ہوں تاکہ خدا کے کلام کی روشنی پھیلے اور تاریکی جاتی رہے۔ ڈر تو اس وقت ہوتا کہ بے روشنی کے

چلتا۔ پس بھائی میرے۔ اندھیاری رات اور تنگ راہ میں نئے روشنی کے چلنا
سے بعید ہے نہ روشنی دکھانے کے تیزی کرنا۔
آپ لکھتے ہیں کہ تم بارہ سو برس کی عمارت کو گرانا اور اسلام کی تصویر کو مٹانا چا
ہو۔ یہ آپ کی لطیفہ گوئی ہے جس کو سُن کر آپ کی سی طبیعت والے چند لحظہ قا
ہنسیں گے مگر نہ میں بارہ سو برس کی عمارت کو گراتا ہوں نہ اسلام کی تصویر کو مٹا
اُن بوسیدہ دیواروں اور بدنما جھونپڑوں کو جو خدا کے گھر کے ارد گرد لوگو
ڈال رکھے ہیں اور جس کے سبب سے خدا کی بنائی عمارت کی خوبی چھپ گئی ہے
کی آرزو رکھتا ہوں اور اُن تصویروں کو جو لوگوں نے بنا رکھی ہیں مٹانا چاہتا ہوا
آپ ہی فرماویں کہ یہ تصویریں جن کی پرستش کر رہے ہیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں
آپکو خدا تک پہنچا سکتی ہیں آخر بتائیے تو یہ کیا ہیں ماھذہ التماثیل التي انتم لہا
عاکفون۔ اگر یہ تصویریں خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہیں تو آپ کیوں اُن کو بغل میں لیے
ہو اور کیوں اسلام کی اصلی تصویر کو مٹاتے ہو۔ کیوں ان بدنما مورتوں سے اپنے د
کے کعبہ کو بتکدہ بنا رکھا ہے مالکم کیف تصنعون۔
پھر آپ لکھتے ہیں کہ نیک کسی کو متقدمین میں سے اسلام سے واقف نہیں جانتا
آپکی غلطی ہے۔ میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں اسلام کی خوبیوں
ظاہر کرنے والے نہ گذرے ہوں اور جنہوں نے تقلیدی اسلام کو بُرا نہ کہا ہو اور
میں اس بات پر آمادہ ہوا ہوں کہ آپ لوگوں کو دکھاؤں کہ کتنے لوگ اسلام کی حقیقت جا
والے گذرے ہیں اور تقلیدی علماء نے اُن کی باتوں کو ویسا ہی چھپا رکھا ہے جیسے
ابر آفتاب کو چھپا دیتا ہے۔
آپ کا یہ خیال کہ عربی عمامہ اور اونچے ٹخنے کا پائجامہ خلائق سے مطلب نکالنے
کا وسیلہ ہے سچ ہے مگر فریب و دغا سے دنیا کمانے کے لیئے نہ سچائی و صفائی سے
دین کی باتوں کو پھیلانے کے واسطے خیال شیطانی و دعوی مسلمانی۔ افسوس
برین مسلمانی۔
آپنے ایک ظرافت کے ساتھ اصحاب کے بُرے کہنے سلف صالح کو اچھا نہ جاننے
وغیرہ باتوں کو میری طرف منسوب کیا ہے اس لیئے مجھے بہ مجبوری کہنا پڑا کہ آنا بری

مما نقول لون حاشا وکلا۔ کہ میں اصحاب کو بُرا کہتا ہوں یا سلف صالح کو اچھا نہ جانتا ہوں
مَیں اُن کو بزرگانِ دین اور پیشوایانِ اسلام سمجھتا ہوں۔ ہاں تمہاری طرح اُن کو معصوم و
رسول نہیں سمجھتا ہوں سوائے اس بات کے کہ باقی اُن کی بزرگی اور پاکی کا ویسا ہی مجھے
اقرار ہے جیسا کہ تھا۔

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمان است کہ بُود
حقہ مہر بدان مہر و نشان است کہ بود
از صبا پُرس کہ ما را ہمہ شب تا دمِ صبح
بُوئے زلفِ تو ہمان مونسِ جان است کہ بُود

شیطان کے وجود کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ میں تو
اُس کے وجود خارج عن الانسان ہونے سے مُنکر نہیں سید صاحب گو اُس سے منکر
ہیں مگر اُس کے وجود حقیقی داخل ہونے سے اور اُس کی شیطنت اور اغوا کی تاثیرات
سے مُنکر نہیں پھر ایسی تاویل کرنیوالے کو کیا کوئی کافر کہہ سکتا ہے۔ اگر آپ سالہ
تسویہ جو عربی میں ہے اور اُسکی شرح جو ملا عبدالحلیم نے لکھی ہے ملاحظہ کریں تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ اَور لوگ بھی وجود خارجی شیطان سے منکر ہو چکے ہیں۔ جن کو نہ کسی نے
کافر ٹھہرایا نہ مرتد۔

شق القمر کے انکار پر کفر کا اطلاق کرنا اُس وقت زیبا ہے جبکہ آپ اس معجزہ کو
متفق علیہ قرار دیں حالانکہ جب بعض مفسرین اُس سے مُنکر ہیں اور بعض محققین نہ
دلائل اُس کا انکار کرتے ہیں تو شاید آپکو اس تیزی سے کُفر کا کلمہ زبان پر لانا مناسب
نہ ہوگا۔ تفہیمات الٰہیہ میں مولوی شاہ عبدالعزیز کے والد نے صاف انکار کیا ہے اور
لکھدیا ہے کہ عندنا لیست من المعجزات حدیثیں جو حضرت ابن عباس سے اِس
باب میں ہیں اُس پر بھی جرح ہو چکی ہے کہ وہ اُس وقت تک پیدا ہی نہ ہوئے تھے حضرت
انسؓ کی حدیثوں پر بھی یہی قدح ہو چکی ہے کہ وہ مدینہ میں چار برس کے تھے۔ پس جبکہ
علما میں بحث اسکے منصوص و متواتر ہونے پر ہو رہی ہے تو کفر کا اطلاق کرنا اُس کے
انکار پر تحقیق سے بے خبری پر دلیل ہے۔ اجماع کو نہ ماننے کو کُفر جاننا نادانی ہے۔ ذرا
آپ امام احمدؒ کا یہ قول تو مسلم الثبوت میں ملاحظہ فرمائیے کہ من ادعی الاجماع فھو کاذب

کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے اور کسی غیر منصوص مسئلہ میں اجماع اصطلاحی کا دعویٰ تو ثابت
کر دکھائیے والی لکھ ہذا افسوس اُن کی سمجھ پر جو چند آدمیوں کی سمجھ کو ایسا قوی جانیں کہ اُسکے نہ ماننے کو کفر سمجھیں
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت جو آپنے ایک نامناسب لفظ لکھا ہے غالباً آپکو افسوس ہوگا جبکہ آپ
ترمذی شریف کو ملاحظہ کرینگے کیونکہ اُسکے دیکھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثبوت
اسکا ہے چنانچہ باب قائماً صاف موجود ہے اور پھر محدث موصوف نے اسکی اباحت اکثر محدثین اور
عالموں سے منسوب کی ہے یقیناً آپ کو بڑی شرم ہوگی جبکہ آپکو ان باتوں کا علم ہوگا اور آپ خیال کریں گے کہ
جو کلمہ آپنے لکھا ہے اسکا اثر کہاں تک پہنچتا ہے اسی لیئے عاقل کو چاہیئے کہ بعد تحقیقات اور علم حاصل کرنے
کے زبان سے کوئی بات نکالے تاکہ افسوس و ندامت نہو آپنے مجھے یہی نصیحت کی ہے کہ یا تو مسلمانوں کے سے
عقیدے رکھو یا اسلام چھوڑ دینے کا اشتہار دو۔ سو میں اگر اسلام کو ویسا ہی سمجھتا جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں
تو میں ضرور اُسکے چھوڑنے کا اشتہار دیتا مگر بلکہ اصلی اسلام کی سچائی سے میرا دل بھرا ہوا ہے تو اُسکے
اظہار کا اشتہار دیتا ہوں اور وہمی اسلام کا چھوڑنا چاہتا ہوں۔

میں نے مانا کہ آپ مجھے فاسد الاعتقاد جانتے ہیں اور تسلیم کیا کہ اور لوگ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر
مجھے تو یقین ہے کہ میں سچا اور پکا مسلمان ہوں بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ من ربہ جس دن لوگوں کے بھید کھلینگے
جو کچھ ہمارے تمہارے دل میں ہے سب کھل جائیگا اگر آپ کا اسلام آپکو حور وقصور کا
مزہ دیگا جس کی تمنا میں تم روزے توڑتے اور بھوکے رہتے ہو تو خیر ہمکو بھی اُمید ہے کہ ہمارا الحاد
ہمکو خدا تک پہنچا دیگا جس کے لیئے ہم گالیاں کھاتے ہیں طعنے سنتے ہیں اور کافر ملحد بنتے ہیں اور
جسکے شوق میں نہ تو بہشتی مکان کی آرزو ہے نہ شہد دودھ کی نہروں کی تمنا نہ حوران بہشت کے
وصال کا خیال ہے نہ ہی قدان پری پیکر کے آغوش میں لینے کی خواہش۔

بسوز سینہ جنت را بسوزم
بآب دیدہ آتش را دہم نم

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ نہ محتسب ہے جس کے دُرہ کا خوف ہو۔ نہ قاضی ہے جس کے
فتوے سے دار کا ڈر ہو بلاشک سچ لکھا ہے۔ لیکن کیا آپکے جگر خراش طعنے محتسب کے
دُرہ سے اور آپکی دلسوز ملامتیں دار کے کھینچنے سے کم ہیں۔

آنچہ زخم زبان کند با مرد
زخم شمشیر جان ستان نکند

پس جبکہ ہمارا جوش و ولولہ اس خوف سے کم نہ ہوا اور ہمارے دل کے شعلہ زن لوگ آپ کی ملامت نہ بوجھا سکے تو محتسب کا دُرّہ کیا کرتا اور قاضی کے فتوے سے کیا ہوتا اگر دار پر بھی کھینچے جاتے تو یہی کہتے۔ کہ ؎

بجرم عشق تو ام مے کشند غو غائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

آپ نے مدرسۃ العلوم کی نسبت جو لکھا اُس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ بلا شبہ لکھنؤ کے اخبار الاخبار نے ہماری فریب دہی ثابت کر دی۔ آگرہ اخبار نے بھی ہمکو ملحد ٹھہرا دیا اور مدرسۃ العلوم کا چندہ بند ہو گیا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ یہ سُن کر مر نہ جاویں کہ قریب اسّی ہزار کے چندہ ہو چکا ہے اور ابتدائی مدرسوں کے تقرر کے لیے جا بجا سے درخواستیں چلی آتی ہیں اور اب چند روز میں شاخیں اُن مدارس ابتدائی کی جو رستی مدرسۃ العلوم کی ہیں جا بجا قائم ہوا چاہتی ہیں۔ ہاں ایک بات کا مجھے بھی افسوس ہے کہ مدرسہ یانیہ کی سی تعلیم ان الحادی مدرسوں میں نہ ہوگی وہ عاقلانہ خیالات جو اُس تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں ان مدرسوں کے تعلیم یافتہ آدمیوں کو نہ ہوں گے۔ مَیں نے ابھی تھوڑے دن ہوئے مدرسہ یانیہ کے اخبار الاخیار میں ایک بڑے مفتی و مجتہد علامی فہامی کا محققانہ قول دیکھا تھا کہ اُنہوں نے بُوم یعنی اُلّو کی نسبت لکھا تھا کہ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے کہ بوم اوّل بستی میں رہتا تھا جب سے امام علیہ السلام شہید ہوئے۔ اُس نے ویرانہ میں رہنا اختیار کیا۔ دن کو روزہ رکھتا ہے شام کو قوت مالا یموت پر افطار کرتا ہے۔ رات بھر امام کے غم میں مرثیہ پڑھتا ہے نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات۔

پس ایسے عالی دماغوں کے دلوں پر ہمارے مدرسۃ العلوم کے مقرر ہونے کا داغ کیوں نہ ہو اس لیے کہ ایسے نازک خیال والے اُس تعلیم کے بعد کہاں دکھائی دیں گے۔ اور ایسے اُلّو کی حقیقت بتانے والے کہاں باقی رہینگے آگرہ اخبار نے بھی اپنی محبت اسلامی کے ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ایسے لوگوں کے حق میں سوائے یا لیت قومی یعلمون کے اور کیا کہا جاوے افسوس اُن مسلمانوں پر کہ آنکھ رکھتے ہوں اور نہ دیکھیں کان بھی ہوں مگر کچھ نہ سُنیں

دل بھی پہلو میں ہو مگر کچھ نہ سوچیں۔ ؎

چشم باز و گوش باز و این ذکا
خیرہ ام در چشم بندئے خدا

# مسجد میں جوتا پہنے نماز پڑھنا

چند روز ہوئے کہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون تہذیب الایمان سے چھاپا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنا صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ سُنت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو ابھی تشفی نہیں ہوئی اور وہ بدستور اُن لوگوں پر طعنہ کرتے ہیں جو کبھی کبھی جُوتہ پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور جُوتہ پہنے ہوئے مسجد میں جانے کو تو ایک قیامت جانتے ہیں اس لیئے ہم اُن کی تشفی کے لیئے متعدد روایتیں اہل سنت وجماعت کی معتبر کتابوں سے لکھتے ہیں جس سے بخوبی ثابت ہے کہ جُوتہ پہنے مسجد میں جانا اور جُوتہ پہنے نماز پڑھنا سُنت ہے اور جو شخص اُن لوگوں پر طعنہ کرتا ہے جو جُوتہ پہنے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ گنہگار ہوتا ہے کیونکہ عادت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جُوتہ پہنے نماز پڑھنا اور مسجد میں جانا ثابت ہے۔

ابن عدی اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جُوتہ کو زینت نماز فرمایا ہے اور اُسے پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے کما روی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا زینۃ الصلوٰۃ قالوا وما زینۃ الصلوٰۃ قال البسوا نعالکم فصلوا فیہا عقیلی اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی قول اللہ عزوجل خذوا زینتکم عند کل مسجد اے صلوا فی نعالکم۔ یعنی پیغمبر خدا کے اس قول میں کہ زینت سے ہر مسجد میں جایا کرو یہ فرمانا ہے کہ جوتہ پہنکر نماز پڑھا کرو۔ ابن مردویہ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ مما اکرم اللہ بہ ھذہ الامتہ لبس نعالہم فی صلوٰتہم کہ منجملہ ان باتوں کے جو خدا نے اس اُمت کی بزرگی کے لیے دی ہیں جوتہ پہنکر نماز پڑھنا ہے۔ ابوداؤد اور حاکم نے شداد ابن اوس سے یہ حدیث روایت کی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی خفافہم ولا فی نعالہم۔ کہ مخالفت کرو یہود کی کہ وہ موزہ اور جوتہ پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔ اور بیہقی اور ابن حبان اور طبرانی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے بخاری نے انس سے روایت کی ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر خدا صلعم جوتہ پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ اُنھوں نے کہا ہاں۔ اور مسلم اور نسائی اور ترمذی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

بعض عُلماء نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنے کی عادت معمولی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی جیسا کہ فتح المتعال میں لکھا ہے واما صلوٰتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی نعلیہ فالظاہر انہ کان فی المسجد فان فی الصحیحین وغیرہا عن سعید بن یزید قال سالت انس ابن مالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ فقال نعم وظاہرہ ان ھذا کان شانہ وعادۃ المستمرۃ دایما۔ کہ مسجد میں جوتہ پہن کر نماز پڑھنے کی آپ کی مدامی عادت تھی۔

حنبلی اسی وجہ سے جوتہ پہن کر نماز پڑھنے کو سُنت کہتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں لکھا ہے کہ واخذ جمع من الحنابلۃ انہ سنۃ۔

بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ جو جوتہ پہن کر سڑکوں اور گلی کوچوں میں پھرتے ہیں اُس کو مسجد میں لیجانا اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ جوتہ مسجد میں لیجانا جائز ہے جس کے اوپر ایک اور جوتہ یا موزہ یا کوئی چیز ہو تاکہ جوتہ نجاست سے محفوظ رہے۔ مگر یہ غلطی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں لکھا ہے ولو کان یمشی بہا فی الشوارع لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ کانوا یمشون بہا فی طرق المدینۃ ثم یصلون فیہا۔ یعنی اُسی جوتہ کو جسے پہن کر سڑکوں و راہوں پر چلتے ہیں نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ کی گلیوں میں جوتہ پہنے پھرتے تھے اور اسی سے نماز پڑھتے تھے۔

ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم اور عبدبن حمید اور اسحاق ابن راہویہ اور ابویعلی موصلی نے ابن سعید جزری سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے نماز میں جوتہ اُتار ڈالا تو صحابہ نے بھی اپنے جوتے اُتار دیئے۔ حضرتؐ نے بعد نماز کے صحابہ سے پوچھا کہ جوتے کیوں اُتار ڈالے تم؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کی تقلید کی۔ تب فرمایا کہ مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے اس لیئے میں نے اُتار ڈالے اور یہ فرمایا کہ تم مسجد میں آنے کے وقت اپنے جوتوں کو دیکھ لو۔ اگر کچھ نجاست لگی ہو تو پونچھ ڈالو اور جوتہ پہن کر نماز پڑھو۔ الفاظ ابوداؤد کے یہ ہیں۔ ثم قال اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رأی فی نعلیہ قذراً او اذی فلیمسحہ ولیصل فیہا۔

اگلوں میں سے بھی بعض خیالی ادب کرنے والے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس فعل کو مکروہ جانا۔ مگر علمانے اُن کے قول کو رد کیا جیسا کہ علامہ مصری نے فتح المتعال میں لکھا ہے الذی یترجح ہو انہ لا وجہ لکراہتہ الصلوۃ فیہا لثبوت فعل ذلک من اصحاب الشرع واما الافضلیۃ فان اراد بہ اقتداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنعم والا فہو فعل مباح من الرخص الشرعیۃ ہذا ہو الذی علیہ المحققون من الفقہاء والمحدثین۔ کہ قول راجح یہ ہے کہ کوئی وجہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کراہت کی نہیں ہے اس لیئے کہ اصحاب شرع سے یہ فعل ثابت ہے۔ باقی رہی افضلیت۔ پس اگر جوتہ پہن کر نماز پڑھنے سے مقصود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے تو بلاشبہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے ورنہ یہ فعل مباح ہے منجملہ مباحات شرعیہ کے اور یہی قول منصوص ہے محققین فقہا اور محدثین کا۔

لوگ تعجب کرینگے کہ جوتہ میں تو نجاست لگتی رہتی ہے تو نجس چیز کو مسجد میں لیجانا یا اُس سے نماز پڑھنا کیونکر جائز ہوگا۔ مگر اُن کو چاہیئے کہ اپنے ہی محدثین کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو دیکھیں اور ہم سے نہ پوچھیں کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اگر جوتہ میں کچھ نجاست بھر جاوے تو رگڑ ڈالنا اور مٹی سے مل دینا ہی اُسکی طہارت ہے۔

جیسا کہ ابو داؤد نے روایت کی ہے اذا وطی احدکم بخفیہ فطہورہما التراب اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ اذا وطی احدکم بنعلیہ فان التراب لہ طہور۔ ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ ہم جس راہ سے مسجد کو آتے ہیں وہ راہ نجس اور غلیظ رہتی ہے۔ تو جب پانی برسے تو ہم کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا نجاست کے بعد صاف جگہ نہیں ملتی۔ اُس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ھذہ بھذہ یعنی پس جگہ صاف پر قدم رکھنا نجس جگہ کی نجاست دُور کرنے کے لیئے کافی ہے۔

حافظ ابو زرعہ عراقی شافعی نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔

بعض فقہا نے لکھا ہے کہ جو نجاست ایسی ہو کہ جس کا جرم نہ ہو مثل پیشاب و شراب کے۔ اگر وہ جوتہ میں لگ جاوے تو بے دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ مگر یہ اُن کی خیالی طہارت ہے نہ مطابق حدیث کے۔ کیونکہ مٹی سے رگڑ دینا اُسکی پاکی کے لیئے کافی ہے اور یہ مسئلہ فقہا کا خود امام ابو حنیفہ صاحب اور قاضی ابو یوسف کے فتوے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قاضی ابو علی نسفی نے امام ابو بکر محمد بن قفال سے روایت کی ہے کہ انہ قال اذا اصاب نعلیہ بول او خمر ثم مشی علی التراب او الرمل حتی لزق بہ بعض التراب وجف ثم مسحہ بالارض یطہر عند ابی حنیفۃ وھکذا ذکرہ الفقیہ ابو جعفر عنہ وعن ابی یوسف مثل ذالک الا انہ لم یشترط الجفاف اُنہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر جوتہ میں شراب یا پیشاب لگجاوے پھر مٹی پر چلے یا ریت پر اور کچھ مٹی یا ریت جوتہ میں لگجاوے اور خشک ہو جاوے اور پھر پونچھ ڈالی جاوے تو پس جوتہ پاک ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور ابو جعفرؒ نے بھی امام ابو حنیفہؒ سے اس مسئلہ کو منقول کیا ہے اور قاضی ابو یوسفؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے مگر اُنھوں نے خشک ہو جانے کی شرط نہیں کی۔

بعضے آدمی فاخلع نعلیک کے حوالہ سے جوتہ اُتارنے کو ادب تصور کرتے ہیں اور اگلے لوگوں میں سے بھی بعض نے ایسا شبہ کیا تھا۔ مگر شکر خدا کا ہے کہ اگلے ہی عالموں نے اُسکی سخافت ظاہر کر دی جیسا کہ فتح المتعال میں ہے ان امر خلع النعل لموسی کان لانہ علی کراھۃ دخول المسجد متنعلاً ولو دل علیہ بالفرض فلا یضونا

لوجود ما ليس في شريعتنا ومن ههنا ظهر سخافة ما في منية المصلي ؛

یہ سب حدیثیں اور روایتیں جن کو ماننا مقلدین پر فرض ہے کیونکہ انہیں کے مقبول عالموں نے نہ صرف روایت کی ہیں بلکہ اُسپر فتویٰ دیا ہے ایک طرف رہیں گی اور ہمارے ہندو مسلمان تو بہ تو بہ ہند کے مسلمان اپنی ہی رسم پر چلیں گے نہ خدا کی سنیں گے نہ رسول کی۔ اس لیئے اُن کا دین اور دین کا ادب خیالی ہے رسمی۔ نہ حقیقی ہے اور شرعی ؛

# التماس
# بخدمت حضرت کاشف الغطاو کشاف حقیقت

چند پرچے اخبار نور الانوار کے جن میں میرا حال یا میری بعض تحریروں کا جواب تھا میرے پاس پہونچے۔ معلوم نہیں کہ یہ عنایت اڈیٹر صاحب کی ہے یا مہربانی اُن کے کارسپانڈنٹ کی۔ بہر حال میں دونوں کا شکر کرتا ہوں خصوصاً اُن تہذیب بھرے فقروں کا جن سے اُن کی طینت کی پاکی ایسی ہی ظاہر ہوتی ہے جیسے آئینہ سے عکس۔ غالباً اُن کے بھیجنے سے ہمارا آگاہ کرنا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ہماری تحریروں پر توجہ اور ہمارے حال پر مہربانی کی نگاہ ہے۔ اور یقیناً یہ بھی مقصود ہوگا کہ اُس کا کچھ جواب دیا جاوے مگر جہاں تک اُن تحریرات کو ہمارے ذاتی خیالات سے تعلق ہے اُس کا جواب شکر ہے کیونکہ جس قدر برائیاں ہم میں ہیں اُن میں سے تو کچھ بھی بیان نہیں کیں۔ باقی جس قدر سعار العلوم اور تہذیب الاخلاق سے متعلق ہیں وہ ہماری دلی خوشی کا سبب ہیں۔ اُن تحریرات سے اندازہ اُس قوت اور مضبوطی کا ہوتا ہے جو ہماری رایوں کو بہ نسبت مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اُن کی تعلیم و تربیت کے ہے

اور جس کے سبب سے ہمکو اُن میں ایک عظیم تبدیلی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ جس شخص نے اُن تحریرات کو دیکھا ہوگا وہ ضرور اُس رائے کو تصدیق کرے گا جو انڈین ابزرور نے نسبت مسلمانوں کے دی ہے۔

ہم نے وہ فتوے بھی دیکھے جو لکھنؤ کے مولوی صاحبوں نے نسبت دارالعلوم کے لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ اُس پر اُتنے دستخط ابتک نہیں ہوئے جتنے کہ ہندی کے دفتر ہوجانے اور فارسی کے اُٹھ جانے کی نسبت ہوچکے ہیں۔ کیا اِن مولوی صاحبوں سے اس سے زیادہ اَور کسی فتوے کی اُمید تھی۔ ہمارا رونا تو اسی موجودہ حالت کے دیکھنے پر ہے اور دارالعلوم کی تجویز ایسے ہی تنگ و تاریک خیالات کے مٹانے کے واسطے ہے۔ کیا کوئی دانشمند منصف آدمی ان فتووں کو بھی دیکھکر مسلمانوں کے حال پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے نہ روویگا۔

ہم نے وہ اشتہار بھی دیکھا جو پرچہ نورالآفاق لرفع الظلمۃ اہل النفاق کے جاری کرنے کی غرض سے مشتہر کیا گیا ہے۔ اس اشتہار نے ہمکو خوش کیا اور بہت خوش کیا کیونکہ اُس کا صرف اُس لحاو کے روکنے کے لیئے جاری کیا جانا مقصود ہے جو تہذیب الاخلاق کے ذریعہ سے پھیلتا جاتا ہے۔ ہمکو اُمید ہے کہ اچھے تربیت یافتہ عالم اُسکی مدد کرینگے اور اپنے علم کے جوہر دکھاوینگے۔ اور ہمارے الحادی پرچہ کو بھی اُس سے فائدہ ہوگا کیونکہ پھول کی خوبی اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی خار اُس کے پہلو میں نہ ہو۔

اَب مَیں اپنے پُرانے دوست کاشف الغطا اور اپنے نئے مہربان کشاف حقیقت سے نہایت دلی درد سے ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں اگر وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے دل کو نرم کرلیں اور چند لمحہ کے واسطے منصف بن جاویں۔

سر کنم شکوہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

اے حضرات جامعان فضل و کمال۔ اگر آپ کو اپنی تحریروں سے صرف تھوڑی دیر کے لیئے دل خوش کرنا اور چند لحظہ کے لیئے مجلس کو گرم کرنا ہے تو خیر ہم منع نہیں کرتے آپکی خوشی کو روک نہیں سکتے۔ آپ شوق سے ذاتی عیوب لوگوں کے کھولیئے

اور رشک سودا بنیے لیکن اگر اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی مقصود ہے اور تہذیب الاخلاق یا دار العلوم سے مذہبی یا اخلاقی یا اَور کسی قسم کی خرابیوں کا خیال ہے تو نہایت خوبی کی بات ہے کہ آپ اُسپر بحث فرمائیے۔ مگر قبل مخالفت کے مخالفت کا وہ مضمون جو تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے اُسی قت کا وظیفہ چھوڑ کر غور سے پڑھ لیجیے کیونکہ میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ ہنوز آپ لوگوں کو مخالفت کرنی بھی نہیں آتی۔ آپ یقین کیجیے کہ ہم آپ کی مخالفانہ تحریروں کو بہت غور سے پڑھیں گے اور نہایت انصاف سے دیکھیں گے اور اَور لوگوں کو بھی ہماری رایوں کا آپکی تحریر کو مقابلہ کرنے کا عمدہ ذریعہ ملے گا۔

غالباً آپ اسے تسلیم کریں گے کہ عموماً لوگوں نے مجادلہ اور مکابرہ کو مباحثہ سمجھ رکھا ہے اور بجائے تحقیق حق کے مخالف پر الزام اور تہمت لگانے اور اُسکی تمام باتوں کو غلط اور باطل ٹھہرانے کو مایہ ناز ٹھہرالیا ہے۔ صدہا کتابیں شیعوں نے سُنیوں کے رد میں ہزارہا رسالے سنیوں نے شیعوں کے جواب میں لکھ ڈالے مگر یہی غلط خیال دونوں کو تحقیق حق یا تسلیم حق کا مانع رہا۔ آخر سب وشتم کی وہ نوبت پہونچی کہ مذہب بھی اُن گالی دینے والوں پر لعنت کرتا ہوگا۔ پس جب تک یہ خیال آپ لوگ اپنے دل سے نہ نکال ڈالیں گے بجائے فائدہ کے خود اپنی قوم کا آپ نقصان کریں گے۔

مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ بلاشبہ تہذیب الاخلاق نے بڑی تبدیلی خیالات میں پیدا کی ہے اور ایک ایسا انقلاب پیدا کرنے کا سامان جمع کر دیا ہے جو پہلے سے کبھی کسی کے خیال میں بھی نہ تھا اور دار العلوم کی تجویز بھی ایک نئی دنیا قائم کرنے کی تجویز ہے جس کا نقشہ عموماً مسلمانوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ مگر دیکھنا چاہیے کہ اُس کا اثر کیا اور کیسا مسلمانوں پر ہوگا۔

تہذیب الاخلاق کا اثر ظاہر ہے کہ اُس نے اپنی پُر زور فصیح تحریروں سے ایک طرف تو غیر قوموں کو دکھا دیا کہ اسلام اُس پست اور تاریکی کی حالت میں نہیں ہے جو وہ خیال کرتے تھے بلکہ وہ ایک روشن آفتاب ہے جو سیاہ بدلیوں میں چھپا ہوا تھا دوسری طرف مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا کہ وہ اُس گہرے عمیق تاریک بے تھاہ گڑھے کے کنارہ آلگے ہیں جس میں گرنے سے جان کا اندیشہ ہے۔

ہاں اُس نے ایک اُن مردہ دلوں میں ایک کھلبلی ڈال دی ہے جن کو لوگ زندہ جانتے تھے اور اُن طبیعتوں میں ایک شور پیدا کر دیا ہے جن میں کسی قسم کی تحریک کی قوت باقی نہ تھی اُس نے رسم تقلید تعصب ساری بُرائیوں کے کھودنے کی بھی جڑ قائم کر دی ہے۔ اُس نے لوگوں کے خیالات میں بھی ایک تبدیلی پیدا کرنے کی راہ نکالی ہے اور جہاں تک خیال کیا جاوے مقصود اُس کا مسلمانوں کی بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔

اگر آپ کو اس کے بعض یا کل مضمون مضر معلوم ہوں اُن سے علمی اخلاقی مذہبی برائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اُسکی غلطیاں بتائیے اور اصلاح کیجیے۔ دل ما شاد چشم ما روشن۔

اگر آپ کو اُس کے مذہبی مضامین سے رنج ہوتا ہو جسے ہم بھی جانتے ہیں کہ ضرور رنج ہوتا ہوگا مگر ذرا انصاف کیجیے اور ہمکو بتا دیجیے کہ وہ کون سا مذہبی مضمون لکھا گیا ہے جو کتاب و سنت سے مدلل نہ ہو اور جس کو نہایت مضبوط دلیلوں سے ثابت نہ کیا ہو اور جس میں بڑے بڑے عالموں محققوں کے قول کی سند پیش نہ کی گئی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ من حیث المجموع کل یا بعض مضامین میں غلطی ہی ہوئی ہو تو کیا اس سے اکیلے ہم کافر ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ قبل اس کے کہ آپ کا کفر کا فتوے ہم تک پہونچے اُن پر ہمسے پہلے پہونچے گا جو ہم سے پہلے ہمارا ساتھ دے گئے ہیں۔

آپ یقین فرماویں کہ ہمکو ہرگز منظور نہ تھا اور نہ ہے کہ ہم مذہبی مضامین اس پرچہ میں لکھیں مگر کیا کیجیے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ہر امر میں معاشرت کی۔ تمدن کی۔ تعلیم کی۔ تربیت کی مذہبی مزاحمت ہوتی ہے اور اس لیئے اُس کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اور بمجبوری اُن غلطیوں کا جن سے اصل مذہب پر الزام آتا ہے ظاہر کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی اب نہایت لاچار ہو کر میں لکھتا ہوں کہ موجودہ حالت مذہب کی قومی مانع ہر قسم کی ترقیات کی ہے اور اسے میں ثابت کرتا ہوں۔

مُسلمان خیال کرتے ہیں کہ مذہب کی رُو سے کافروں سے محبت کرنا اختلاط رکھنا منع ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں اگر یہ سچا مسئلہ شریعت کا ہے تو مسلمانوں کو چارہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ یا تو اُن سے جزیرہ انڈمان بھرا جاوے یا وہ شمالی افریقہ کے حصہ کو جاکر آباد کریں کیونکہ وہ کسی ہندو سے صاف نہیں مل سکتے۔ وہ کسی انگریز کو اچھا جان نہیں سکتے۔ وہ اُن سے صاف طینتی اور سچائی اور محبت سے اختلاط وارتباط نہیں کر سکتے تو پھر وہ اُن مُلکوں میں جہاں غیر قوموں کے اختلاط وارتباط بغیر ایک دن زندگی کی کوئی ادنےٰ ضرورت بھی پوری نہیں ہو سکتی کیونکر رہ سکتے ہیں اُس حالت میں کہ وہ اپنے مذہب پر بھی قائم رہیں۔

اب مَیں زمانہ گذشتہ اور زمانہ حال پر نظر کرتا ہوں کہ مُسلمانوں نے اسکی نسبت کیا خیال کیا اور کیا برتاو کیا۔ سو اوّل مَیں اپنے ہادی اور ساری دنیا کے ہادی حی فداہ کا یہ معاملہ دیکھتا ہوں کہ جب نجاشی کے ایلچی آئے جن کا مذہب رومن کیتھلک تھا تو آپ نے خود اُن کی خدمت کی اور صحابہ کی درخواست پر فرمایا کہ انہوں نے میرے یاروں کی خدمت کی تھی مَیں اُسکی تلافی چاہتا ہوں خاص مسجد نبوی میں رومن کیتھلک عیسائیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ کیا یہ وُہی برتاؤ ہے جو مسلمان نسبت غیر مذہب والوں کے از روئے اپنے مذہب کے خیال کرتے ہیں۔ پھر حال کے زمانہ پر نظر کرتا ہوں تو سلطان روم کو مع علماء فضلاء کے پیرس میں شاہنشاہ نیپولین کے ساتھ ایک میز پر بیٹھا ہوا کھانا کھاتے اور ملکہ معظمہ اور ولیعہد سلطنت کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے پاتا ہوں۔ کیا یہ لوگ کافر نہیں ہیں۔ ضرور ہیں۔ اگر مسلمان ہوتے تو شاہ بخارا یا خان خیوا کی طرح اپنے وحشیانہ برتاؤ سے ساری دُنیا میں روسیاہ ہوتے مسلمانوں کو آدمیت اور انسانیت سے کیا علاقہ۔ اُن کو کسی کے اختلاط ارتباط سے کیا سروکار۔

اِن حالات پر بھی ہم نظر نہیں کرتے۔ کیونکہ اگلی حالتوں کو صدہا برس گذر گئے کون جانے کیا سچ ہے کیا غلط۔ روم میں بھی جو ہمارا کوسوں دور ہے اللہ کو خبر ہے کہ یہ معاملہ صحیح ہے یا جھوٹھ۔ ہم خود ہندوستان کے حال پر نظر کرتے ہیں اور نہ اور لوگوں بلکہ خود اپنے کافر کہنے والوں کے حال پر تو کیا پاتے ہیں کوئی کسی بابو کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باغ کی سیر کرتا ہے کوئی کسی سیٹھ کا پگڑی بدل بھائی ہونے پر ناز کرتا ہے کسی کا ہاتھ

اُسکی بغل میں ہے جو ابھی کالی کی پوجا کر کے آیا ہے۔ کسی کی مسند اُس کے قدموں کے واسطے خالی ہو رہی ہے جس کے پاؤں کی گرد مندر کے طواف سے بھری ہوئی ہے ہندوؤں کے ساتھ دوستی ہے۔ اختلاط ہے۔ ارتباط ہے۔ تو کیا یہ سب مسلمان مسلمان نہیں ہیں۔ بلا شبہ کافر ہیں۔ کیونکہ اُن کے دل میں وہ بات نہیں ہے جس کا برتاؤ وہ ظاہر میں کرتے ہیں۔ ہندوؤں کو بھی جانے دو۔ انگریزوں ہی کے ساتھ جو برتاؤ ہے اُس پر نظر کرو جن کے ساتھ کسی قسم کا اختلاط رکھنا ہی کفر سمجھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے مسلمانوں کی مسلمانی اُس وقت معلوم ہو جاتی ہے جبکہ کسی سٹرلی انگریز کے ساتھ کچھ تعلق ہو جاتا ہے۔ اُن کی خوشامد۔ چاپلوسی۔ عاجزانہ بات چیت پر اسلام کا نور چمکتا ہے۔ اور اگر کسی سے دوستی ہو گئی تب تو اُس مسلمان کی قدر و وقت کی اور اپنے فخر و ناز کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جب شاہزادہ ایڈنبرا کو کانپور میں ایڈریس دیا گیا تھا تو ہمارے ایک مولنا قبلہ نے اُسے نہایت خوشی سے پیش کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ایسے مہمان کے قدم ہمارے سر پر ہماری آنکھوں پر۔ اُس وقت اس کہنے پر اسلام نے ضرور اُن کا مونھ جنت کی شکر سے بھر دیا ہوگا۔ باقی رہی عام دوستی انگریزوں سے وہ ظاہر ہے کہ اُس کا سبب نہ مسلمانوں کا اسلام ہے بلکہ اُن کی ذلیل حالت کہ انگریز اُن کو دوستی کے لایق ہی نہیں جانتے ورنہ مسلمان اپنی طرف سے ہر طرح کی خدمت کرنے کو حاضر ہیں چہ جائے دوستی و محبت۔ وہ خداوند کہنے پر مستعد ہیں۔ ہاتھ جوڑنے کو موجود ہیں۔ رکوع کرنے اور قدموں کے چومنے تک کو تیار ہیں کیوں جناب کاشف لفظا اور کشاف حقیقت۔ ان حالات پر نظر کر کے بینی و بین اللہ فرما دیجئے کہ یہی اصلی اسلام ہے اور کیا ایسے ہی لوگ مسلمان ہوتے ہیں اور ایسے ہی اسلام کو آپ قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اسی سے مسلمانوں کی عزت کی توقع ہے حاشا ثم حاشا یہ وہ باتیں ہیں کہ مسلمان نہ شنود کافر مبیناد۔

پس ہمارے پرچہ تہذیب الاخلاق کا قصور ہے تو یہ ہے کہ وہ سچائی سکھاتا ہے اور دل اور ظاہر کو یکساں رکھنے کی نصیحت کرتا ہے۔ ہاں کافر مسلمان بننے کو منع کرتا ہے۔ بڑا بھاری کفر جو آپ سے اُٹھائے بھی نہیں اُٹھتا وہ کیا ہے انگریزوں کے ساتھ کھانا۔ سو اول تو آپ اُن اصحاب رسول کو کافر بتائیے جنہوں نے بیت المقدس کے

گرجے میں عیسائیوں کی دعوت کھائی ہے۔ پھر اُن مسلمان فخر اسلام بادشاہوں کی تکفیر کیجئے جنہوں نے حیدر اور شفیق کے عیسائی امیروں کو اپنے ساتھ کھلایا تھا پھر اُن تمام مسلمان ترکوں پر لعنت کیجئے جو روز مرغیاں چٹ فرماتے ہیں اور اُن خلیفہ تہمد ظل اللہ کو جن کا خطبہ مکہ کے اونچے منبر پر صبح شام پڑھا جاتا ہے کرسٹان بتائیے جو فرانس اور لنڈن اور اسٹریا کے بادشاہوں کے ساتھ ہمنوالہ اور ہم پیالہ رہتے ہیں۔ جب ان سب کی تکفیر سے کچھ کفر بچے تو خیر بنارس و مرزاپور بھی بھیجدیجئے مگر مجھے تو اُمید نہیں ہے کہ کچھ بچے۔ کیونکہ کیا وہ لوگ محروم رہجاوینگے جو جُبت پرتو نکیے پگڑی بل بھائی بن کر اُن کی جوٹھی پُوریاں چٹ اور چار حلوائیوں کے مگد کے لڈو غٹ فرمایا کرتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی تو کچھ آخر حصّہ چاہیئے۔

اے حضرات ذرا گردن جھکائیے۔ کچھ تو انصاف کیجئے کہ کیا دل میں ہے اور کیا زبان سے کہتے کیا ہو کرتے کیا ہو۔ حالت کیا ہے اور نصیحت کیا ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔

مَیں اس وقت زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ صرف محبت اور ارتباط پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ آئندہ انشاءاللہ چند عرصے اسی کے متعلق اور لکھوں گا۔

# اہل کتاب کے ساتھ کھانا

اہل سُنت کے اصول سے اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کے جواز میں تو کچھ شبہ ہکو نہ تھا نہ ہے۔ چنانچہ ہم اُسے بتفصیل لکھ چکے ہیں۔ مگر از رُوئے اصول مذہب امامیہ کے ہم جانتے تھے کہ شاید جائز نہ ہو اس لئے کہ اُن کے نزدیک غیر مسلم نجس ہے مگر آج ہماری نظر سے ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو تہذیب الاحکام میں منقول ہے گذری۔ اُس سے معلوم ہوا کہ امام ممدوح نے بھی اُس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس لئے ہم اُس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرات شیعہ بھی اُسکے جواز و اباحت میں کچھ شک نہ کرینگے۔

شیخ طوسی تہذیب الاحکام میں حسین بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ زکریا بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا حضرت میں ایک آدمی اہل کتاب میں سے ہوں اور اب مسلمان ہوگیا ہوں مگر سب میرے گھر والے دین نصرانیت پر قائم ہیں اور میں اُن کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں پس اُن کے کھانے میں سے میں کھاؤں یا نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ وہ سُور کھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں لیکن شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے ساتھ کھا اور پی۔

اصل عبارت یہ ہے عن القاسم بن محمد عن معویۃ بن وھب عن عبدالرحمان بن حمزۃ عن زکریا بن ابراھیم قال دخلت علی ابی عبداللہ علیہ السلام فقلت انی رجل من اھل الکتاب وانی اسلمت وبقی اھلی کلھم علی النصرانیۃ وانا معھم فی بیت واحد لم افارقھم بعد فاکل من طعامھم فقال لی یاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنھم یشربون الخمر فقال لی کل معھم واشرب انتھی ؞

---

# مراسلہ مہدیؔ

عزیز من حامد علی سلمک اللہ تعالےٰ۔

خط تمہارا آیا۔ حال معلوم ہوا۔ میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیاں را چہ بیاں۔

یک سینہ و صد ہزار شعلہ
یک دیدہ و صد ہزار باراں

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا سید صاحب سے مخالفت کی یا کفر کے فتووں سے ڈر گئے۔ عزیز من۔ نہ میں سید صاحب سے مخالف ہوا نہ کفر کے فتووں سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تمکو معلوم ہے کہ قطع نظر روحانی صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار ہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے روزمرہ کا کام بھی بمشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں۔

عزیزمن۔ سید صاحب سے مخالفت کا زمانہ گذر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آوے گا۔ انا احمد واحمد انا۔ نحن روحان حللنا بدنا۔

کُفر کے فتووں کا ڈر عامیوں کو ہوگا جن کا ایمان برادری کے حُقّہ پانی پر ہے۔ نہ اُن مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوے دینے والوں سے بھی زیادہ جانتے ہوں۔ وہ تو ان بادی کاغذوں پر جو کبھی مشرق سے مغرب کو اور کبھی مغرب سے مشرق کو اُڑتے پھرتے ہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور پرِ مگس کے برابر بھی اُسکی وقعت نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک خدا نے اپنی جنت و دوزخ ان کفر کے فتوے دینے والوں کو ہبہ نہیں کردی کہ جس کو چاہیں وہ جنت میں بھیجدیں جسے چاہیں کافر بناکر دوزخ میں ڈالدیں۔

عزیزمن۔ تم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگلے لوگوں کا حال تم نے نہیں پڑھا۔ ورنہ تم ان کفر کے فتووں پر تعجب نہ کرتے۔ یہ تو ایک پرانی رسم ہے کہ ہر مذہب میں اُسپر عملدرآمد رہا ہے اور مذہبی سرداروں نے اُسے اپنی وقعت و عزت کا ذریعہ ٹھہرا رکھا ہے تاکہ وہ پوجے جاویں اور خدا کے فرزند ٹھہریں۔ اور جو اُن کے آگے پیچھے سے نکلے وہ روح القدس کی آواز سمجھی جاوے۔ افسوس اُن ضعیف القلب و ضعیف الایمان لوگوں پر جو اپنی ولی تصدیق پر اطمینان نہ رکھیں اور اُن کے دل ان ہوائی کاغذوں سے پتوں کی طرح اُڑتے پھریں۔

سُنو میاں دُنیا میں جتنی نامور قومیں گذری ہیں۔ یا جو اب موجود ہیں اُن کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اوسط درجہ کے خیالات سے بڑھکر کوئی بات زبان سے نکالی۔ یا ان کی معمولی سمجھ سے کچھ زیادہ کہا تو وہ مجنون اور دیوانہ ٹھہرا۔ اور اگر مونھ سے کوئی ایسی بات نکلی جو مخالف اُس زمانہ کے دینی خیالات اور مذہبی رسوم کے ہوئی گو وہ خیال اور رسم بالکل مذہب کے مخالف ہی ہو یا اُس سے مذہبی سرداروں کی عزت و شان میں کچھ فرق آیا تو وہ لامذہب اور کافر ہی سمجھا گیا۔ پھر یا جلاوطن کیا گیا یا مارا گیا یا زندہ جلایا گیا۔

دیکھو یونان میں سقراط کو زہر کا پیالہ کیوں پلایا گیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے بت پرستی کی بُرائی کی جسے اُس زمانہ کے لوگ اچھا جانتے تھے۔

جوبرٹ جب سالانوں کے مدرسہ سے معقولات سیکھکر اپنے ملک میں گیا تو اپنی قوم کے نزدیک کیوں کافر اور مرتد ٹھہرا۔ اسی قصور میں کہ وہ ان علموں کو جاری کرنا چاہتا تھا جسکی خوبی سے اسکی قوم ناواقف تھی۔

کلمبس کیوں پاگل ٹھہرا۔ اسی لیئے کہ اُس نے وہ بات کہی جو کہ اُس زمانہ کے لوگوں کی عقل اور سمجھ سے باہر تھی۔

ڈیوکس ٹن جب بھاپ کے زور سے جہاز اور گاڑی چلانے کی نسبت اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ کیوں پاگل خانہ میں بھیجدیا گیا۔ اسی قصور میں کہ اس زمانہ کے اوسط درجہ کے خیال سے اُس نے بڑھکر یہ بات کہی۔

راجر بیکن کے کفر کا کیوں فتوے دیا گیا۔ اسی لیئے کہ وہ اُن مسایل سے منکر تھا جسکو اُس زمانہ کے عالم حق اور سچ جانتے تھے۔

کوپرنیکس کیوں ہیئات کے صحیح مسایل کے اظہار پر جرأت نہ کی۔ اسی لیئے کہ وہ پادریوں کی مخالفت سے خایف تھا۔

بیرونون حکیم کو روم کے پوپ نے کیوں زندہ جلادیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے زمین کی گردش کا اقرار اور آسمان کے وجود جسمانی سے انکار کیا تھا جس کو اُس زمانہ کے پادری ہمارے وقت کے مولویوں کی طرح اپنی نادانی سے مخالف آسمانی کتاب کے جانتے تھے۔

لوتھر کو کیوں شہر بشہر بھاگنا پڑا۔ اسی گناہ میں کہ پوپ کو نجات کے فرمان بھیجنے کا مجاز نہ سمجھتا تھا۔

یہ چند نظیریں تو غیر قوموں کے نامور لوگوں کی ہیں۔ اب ہم اپنی ہی قوم اور اور اپنے ہی مذہب کے نامور شخصوں کا حال بیان کرتے ہیں جن میں سے اب کوئی تفسیر کا۔ اور کوئی حدیث کا۔ کوئی فقہ کا۔ کوئی اصول کا۔ کوئی کلام کا امام سمجھا جاتا ہے اور جنمیں سے کسی کا خطاب ہے امام المفسرین اور کسی کا امام الفقہا اور کسی کا حجۃ الاسلام اور کسی کا کبریت احمر اور کسی کا اکسیر اعظم۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان بزرگواروں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے کیسے صدمے اُٹھائے۔

عبد اللہ ابن عباس پر لوگوں نے طعنہ کیا کہ یہ بے سمجھے بوجھے قرآن کی تفسیر

کیا کرتے ہیں۔

عبید اللہ بن زبید کے زیادہ نماز پڑھنے پر لوگوں نے کہا کہ یہ مکار اور منافق ہیں۔

سعد بن وقاص کا کوفہ کے جاہلوں نے شکوہ خلیفہ تک کیا کہ ان کو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔

حضرت علیؓ کو تو خارجیوں نے کافر ہی بنا دیا۔

امام زین العابدینؒ کی نسبت لوگوں نے کہا کہ یہ تو بُت پرستوں کی باتیں کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی نسبت وہ باتیں لوگوں نے کہیں کہ جن کا نقل کرنا بھی بے ادبی ہے۔ بعضوں نے ان کو جاہل ٹھہرایا۔ بعضوں نے بدعتی بنایا۔ بعضوں نے کفر کی نسبت کی۔

امام شافعیؒ سے پاک امام کو بدذاتوں نے اضر من ابلیس کا خطاب دیا اور ان کے مرنے کی دعائیں کیں۔

علماء عراق اور مصر نے ان پر یہاں تک تہمتیں لگائیں کہ یمن سے دارالسلام تک ایسی بے حرمتی اور بے عزتی سے قید کر کے کھینچے گئے کہ ہزاروں آدمی ملامت کرتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ ان کے حلقہ میں سر جھکائے ہوئے تھے۔

امام مالکؒ کی مصیبت ہمارے دل کی تسلی کے لیے کافی ہے کہ پچیس برس تک جمعہ وجماعت کے لیے باہر نہ نکلے اور ایسی ذلت سے قید کئے گئے کہ جس کے سننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے۔ اس بے دردی سے ان کی مشکیں باندھی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ پھر اونٹ پر سوار کرائے گئے اور کہا گیا کہ اس مسئلہ کی صحت کا اقرار کردیں جسے وہ دل سے غلط جانتے تھے۔ آخر امام نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا۔ کہ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ مالک انس کا بیٹا ہوں اور صاف کہتا ہوں طلاق المکرہ لیس بشیٔ۔ اسپر ستر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔

امام احمد حنبلؒ کی مصیبت سنو کہ ۲۸ مہینے تک وہ قید میں رہے اور بھاری بھاری

زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالی گئیں اور یہ ذلت اُن کو دی گئی کہ مجلسوں میں بلائے
جاتے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور مونھ پر تھوکتے اور ہر شام کو جیل خانہ سے
نکالے جاتے اور کوڑوں کی مار اُن پر پڑتی۔ اور یہ سزا اُس قصور کے بدلے میں تھی
جس میں وہ ایک غلط مسئلہ میں موافقت اُس زمانہ کے لوگوں کی نہ کرتے تھے۔ امام محمد بن اسمٰعیل
بخاری وطن سے نکالے گئے۔ نسائی مسجد میں شہید کیئے گئے۔ بایزید بسطامی پر بھی
جلا وطنی کا فتوےٰ دیا گیا۔ ذوالنون مصری مصر سے بغداد کو اس حیثیت سے بھیجے گئے
کہ پا بدست دگرے۔ دست بدست دگرے۔ اور ایک جماعت مولویوں کی اُن کے
کفر و زندقہ پر گواہی دینے کے لیئے ہمراہ گئی۔ سہیل بن عبداللہ تستری باین امامت
مرتد ٹھہرے۔ ابوسعید خراز پر بھی کفر کا فتوےٰ دیا ہی گیا۔ جنید بغدادی کو عالموں نے
کافر کہکر اسقدر تنگ کیا کہ وہ مسائل توحید علانیہ زبان پر نہ لا سکے۔ محمد بن فضل بلخی
باین جلالت اس طور پر نکالے گئے کہ اُن کے گلے میں رسی تھی اور گلی کوچہ میں تشہیر
کیئے جاتے۔ امام بن حسن بوزنجی کو رے کے زاہدوں نے نکلوا ہی دیا۔ ابوعثمان مغربی بھی
دربدر مارے پھرے۔ حضرت شبلی پر کفر کا فتوےٰ دیا گیا اور اُن کے پاس کا بیٹھنا بھی
ایک گناہ قرار دیا گیا۔ امام ابوبکر نابلسی کی باین علم و فضیلت مولویوں کے حکم سے کھال
کھینچی گئی۔ ابن حبان باین تبحر و امامت زندیق قرار دیئے گئے۔ شیخ ابومدین بجرم زندقہ
جلا وطن کیئے گئے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی مغرب سے قید کرکے بگناہ زندقہ مصر کو بھیجے
گئے۔ شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام بھی کفر کے فتوےٰ سے نہ بچے۔ شیخ تاج الدین سبکی
اباحیہ ٹھہرائے گئے۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ نورالحسن شعری اور امام حجۃ الاسلام
غزالی رح کا کچھ بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ سب جانتے ہیں کہ شیخ محی الدین وہ شخص
ہے جسکو امام الموحدین اور کبریت احمر اور اکسیر اعظم اور شیخ الطایفہ کہتے ہیں۔ اُسکی نسبت
نہ فقط کفر کا فتوےٰ ہوا بلکہ حضرت عالموں نے یہ فتوےٰ دیا کہ کفرہ اشد من کفر الیہود
والنصاریٰ کہ اُس کا کفر یہود اور نصاریٰ کے کفر سے بڑھکر ہے۔ اور اس پر بھی اُن
ظالموں کو صبر نہ آیا بلکہ اُن کے تمام گروہ پر تکفیر کا فتوےٰ جاری کیا اور اس پر بھی
اُن کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ بلکہ اُن کے کفر میں شک کرنے والوں پر بھی
کفر کا فتوےٰ دیدیا اور صاف یہ لکھدیا کہ من لم یکفر طایفۃ ابن عربی کان لم یکفر الیہود

والنصاری ومن شك فی کفرہ ومن ھو مثلہ فھو کافر ومن شك فی کفر من شك فی کفرہ فھو کافر۔ شیخ ابوالحسن اشعری کی کیفیت ظاہر ہے کہ وہ سنیوں کے امام ہیں مگر اُن کو بھی یاروں نے الحاد کے الزام سے نہیں چھوڑا۔ اور کفر کی نسبت اُن کی طرف کردی۔

امام غزالی کا حال سب جانتے ہیں کہ آج لقب اُن کا حجۃ الاسلام ہے مگر حضرت بھی اپنے زمانہ میں کافر ٹھہرائے گئے اور اُن کی کتابوں کا جلا دینا بلکہ اُن پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا تھا۔ اس نامور امام کو کسی اُن کے دوست نے لکھا کہ تمہاری کتابوں پہ لوگ طعنہ کرتے ہیں اور خلاف سلف صالح کے عقاید کے جانتے ہیں۔ اُس کا انھوں نے ایک نہایت عمدہ جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے یار عزیز۔ ان حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر۔ اور اُن جاہلوں کی طعن و لعن سے کچھ رنجیدہ نہ ہو۔ اُن کی باتوں پہ صبر کر اور اُن کو بکنے دے استحقر من لا یحسد ولا یقذف واستقصر من بالکفر والضلال لا یعرف ذلیل جان اُس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سمجھ اُس شخص کو جس کی طرف کفر اور گمراہی کی نسبت نہ کیجاوے ایسے لوگوں کی صلاح کی اُمید نہ کر جو صرف حسد سے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اور ایسے جاہلوں کی بات نہ سُن جو تھوڑی سی مخالفت کو بھی اگلوں کی کفر جانتے ہیں۔ اور اُن مفتیوں اور مولویوں کی باتوں پر کچھ خیال نہ کر کہ جو ذرسی ذرسی بات پر قد کفر قد کفر بکنے لگتے ہیں۔ کیا وہ فنہ کے ٹڑصے لینے اور نجاست کے ازالہ اور زعفران کے ملاکے مسئلے جان لینے سے کفر و ایمان کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہ کر اور اُن کی باتوں کے سُننے میں اپنی اوقات ضائع نہ کر اور اپنے دھندے کو نہ چھوڑ۔

ان بزرگوں کو جانے دو۔ ہندوستان کے بعض نامور شخصوں کو خیال کرو کہ اُن کو بھی یاروں نے نہ چھوڑا۔ حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کے کفر کا فتوے دیا گیا۔ مولانا ولی اللہ پر بھی بدعت و گمراہی کا الزام لگایا گیا۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کا فتوے مکہ کے مفتیوں سے یار لوگ لکھوا ہی لائے اور ایسے پاک شخص کے کافر ٹھہرانے میں دریغ نہ کیا۔ غرض کہ کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں کوئی نامور اور مصلح ایسا گذرا ہو جس کی مخالفت لوگوں نے نکی ہو بلکہ

تو ہر ایک نامور کو ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ یاروں نے اُس کا حسد کیا۔ دشمنوں نے اُس پر [illegible] ہوگئے۔ جاہلوں نے اُسکی ہنسی اُڑائی۔ حضرت مولویوں نے اُس کے کفر کے فتوے دئیے۔ ایک بھی تو اُن کے پنجۂ ظلم سے نہیں بچا۔ اور کوئی بھی تو تکفیر کے فتوے سے محفوظ نہیں رہا۔ پھر اس زمانہ کے مولویوں کے کافر کہنے کی اگر کوئی شکایت کرے۔ تو وہ نادان ہے یہ تو اُن کی معمولی عادت اور پرانی سنت ہے ولا تجد لسنتھم تبدیلا۔

ایک زمانہ میں حضرات فقہانے تکفیر کی یہ کثرت کردی کہ ذری ذری بات پر کفر کے فتوے دیدئیے اور ایک ادنےٰ فروعی مسئلہ کی مخالفت پر مسلمانوں کو قتل کرایا۔ صدہا مسلمان ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے پر کافر ٹھہرے اور بہت سے ایمان دار گردن اور کان کے مسح نہ کرنے پر مارے گئے۔ خلق قرآن کے مسئلہ نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں۔ خلافت و امامت کی بحث میں شہر کے شہر ویران کردئیے۔ پس ہمارے زمانہ میں شیطان کے وجود خارجی اور آسمان کے وجود فرضی کے انکار پر اگر کفر کے فتوے ہوئے۔ تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔

گھائل تیری نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ نہیں

عزیز من سنو۔ ایمان ایک نور ہے۔ جو خدا دل میں پیدا کرتا ہے۔ وہ نور خود آدمی کو اپنے ایمان کی حقیقت سے واقف کردیتا ہے۔ اُس کی تصدیق قلبی دوسروں کی شہادت کی محتاج نہیں رہتی۔ نہ کسی کی تکفیر سے اُسمیں خلل و زلل ہوتا ہے۔

ومن یک وجدہ وجداً صحیحاً ۔ فلم یحتج الی قول المغنی
لہ من ذاتہ طرب قدیم ۔ وسکر دایم من غیر دن

امام ابو حنیفہ سے یوسف بن خالد نے وتر کا مسئلہ پوچھا۔ امام نے کہا کہ واجب ہے اُس فقیہ نے کہا کہ کفرت یا ابا حنیفۃ کہ اے ابو حنیفہ تم کافر ہوگئے۔ بجواب اُس کے امام نے فرمایا کہ ایہولنی اکفارک ایای وانا اعرف الفرق بین الواجب والفرض۔ کہ کیا تیرے کافر کہنے نے مجھے ڈرا دیا حالانکہ میں واجب و فرض کا فرق جانتا ہوں۔ پس کیا کافر کہنا ہمارے زمانہ کے لوگوں کا اُن کو ڈرا دیگا جو کفر و ایمان کی حقیقت جانتے اور حق و باطل میں تمیز کرسکتے ہیں۔

عزیز من میں آج تک کفر کے فتوے کو نہیں سمجھتا کہ یہ کیا ہے۔ آیا کوئی نوشتہ خدا کا ہے جو جبریل امین لائے ہیں یا جہنم کے داروغہ کے نام کا وارنٹ ہے جو مولوی صاحبوں نے فرمایا ہے۔ آخر یہ کیا بلا ہے غایۃ ما فی الباب وہ ایک عالم یا چند عالموں کی رائے ہے۔ اُسکی ہمارے نزدیک اُسی قدر وقعت ہے جس قدر کہ حدیث موضوع اور بے سند کی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک تھی یعنی گوز شتر۔ میں نہیں خیال کرسکتا کہ کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ کسی آدمی کے کہہ دینے سے گو وہ مکّہ کا مفتی ہی ہو کوئی مسلمان کافر ہو جاوے گا یا خدا اُس کے فتوے پر دوزخ میں بھیج دے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تقلیدی مسلمان جن کو انسان کہنا بھی زیبا نہیں اور جن کی شان کالانعام بل ھم اضل ہے وہ ان خوفناک کاغذوں کو دیکھ کر ڈر جاوینگے اور ایک کالے کاغذوں کو وحی آسمانی سمجھ کر کافر کہنے لگیں گے۔ اس سے زیادہ کوئی اَور نتیجہ ان فتووں کا نہیں ہے۔

---

# لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن

اخبار نور الانوار میں میری نسبت ایک بزرگ نے یہ مشتہر فرمایا ہے کہ وقت آنے حیدرآباد کے میں اُن سے ملنے گیا اور اُنہوں نے پوچھا کہ حیدرآباد سے بھی شغل تحریر تہذیب کا رہیگا بجواب اُس کے میں نے کہا کہ برس روز سے زیادہ ہوا کہ میں نے اس تحریر کو ترک کردیا ہے اور یہ تحریر میری حسب ظاہر کے تھی ورنہ باطن میرا وہ ہے جو اہل اسلام کا ہے۔" یہ تحریر حضرت کی سراسر جھوٹ اور محض تہمت ہے سبحانک ھذا بھتان عظیم۔ چند روز پیشتر لوگوں نے ایسی ہی بیہودہ خبریں اُڑائی تھیں اور میرے خاص دوستوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا تھا۔ میں نے بجواب خط عزیزی سید حامد علی کے اصلی کیفیت اپنی مشتہر کردی تھی۔ اب حیدرآباد آنے سے بعض منافق مسلمانوں کو یہ خیال شاید ہوا ہو اور اُن کو اپنے غلط خیال کے موافق گمان تبدیلی خیالات اور وضع کا میری نسبت پیدا ہوا ہو مگر میرے مذہبی خیالات اور دلی ولولوں میں کچھ فرق نہیں ہوا

مسلمانوں کے مذہبی اوہام کی غلطیاں ظاہر کرنے اور اُن میں تہذیب و شائستگی پھیلانے کا خیال جیسا تھا ویسا ہی ہے۔

اُنھیں خوئے دل آزاری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے
وفا کی ہمکو بیماری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے

میں نے نہ اپنے اعتقاد کو بدلا۔ نہ اپنے خیال کو نہ اپنی وضع کو نہ اپنے لباس کو نہ اپنی طرز معاشرت کو اور انشاء العزیز۔

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود
سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است
ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں کی تاثیر بھی میری توبہ کی ایک خیالی وجہ قرار دی گئی ہے مگر میں سچ کہتا ہوں اور سراسر سچ کہتا ہوں کہ اُن کی اکثر تحریرات کا اثر اگر کسی کے دل پر ہو سکتا ہے تو اتنا ہے کہ اسلام شہرت رانی اور ظلم اور فساد اور بد اخلاقیوں کا ذریعہ اور جھوٹی کہانیوں اور بیہودہ خبروں اور عقل و حقیقت کی مخالف باتوں کا ایک مجموعہ ہے نہ اسلام سے دنیوی برکتیں ہوئیں نہ بنی نوع انسان کی معاشرت اور اخلاق میں اس سے اصلاح ہوئی۔ حق یہ ہے کہ مولانا صاحب پادریوں پر احسان کر رہے ہیں اور انکو اسلام کی غلط برائیوں کے ظاہر کرنے اور اُسکی اصلی خوبیوں کے چھپانے میں مدد دے رہے ہیں۔ جو سیاہی موجودہ اسلام کے چہرہ سے دُور کی جاتی ہے مولوی صاحب اُسے پھر لگا دیتے ہیں۔ اور جو الزام مسلمانی مذہب سے دُور کیا جاتا ہے مولانا صاحب اُسی کو پھر جما دیتے ہیں۔ پس جبکہ میرے نزدیک مولانا صاحب کا دل و دماغ ایسا ہو تو میرے دل پر اُن کی تحریرات کا ایسا اثر ہوتا ہو تو اُس سے مجھے کیا ہدایت ہو سکتی ہے ہاں اُن کی تحریرات سے کبھی کبھی طالب علموں کی کج بحثیوں کا مزہ آ جاتا ہے۔ یا ضربی و مصباح پڑھنے والوں کے لفظی مباحثوں کی تفسیر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت مجھے ایک حکایت منظوم یاد آئی ہے کہ شایقین نذر کرتا ہوں۔ سننے والے اُسے میری زبان سے سنیں اور ... ہوویں۔

عارفے از کوہ بصحرا گذشت　　دید عسسے از پئے امان دشت
دل زغم و وسوسہ پرداختہ　　دیدہ زنسیرنگ تہی ساختہ
گفت بدو عارف صحرانورد　　کز چہ دریں بادیہ ہرزہ گرد
طبع تو آسودہ زوسواس چیست　　ایں قدرت کندی لماس چیست
کار تو در صومعہ و خانقاہ　　باز چرا ماندۂ از کارگاہ
تفرقہ بخش صف طاعت نۂ　　رخنہ گر سلک جماعت نۂ
در صف اصحاب نہیب تو کو　　جادوے جبریل فریب تو کو
شعبدہ انگیزی خویت کجاست　　خوے بدعمر بدہ جویت کجاست
رہزن دوران بدل بدسگال　　طعنہ کناں داد جواب سوال
کز برکات علمائے زمان　　فارغم از کشمکش این و آن
داشت مرا باز ازیں جد و جہد　　حیلہ گریہائے فقیہان عہد
یک تن ازیں طائفہ بوالہوس　　از پئے گمراہی کونین بس

اَب مَیں اپنے دوستوں اور یاروں کی خدمت میں صاف صاف عرض کرتا ہوں۔ کہ اگر کوئی میری نسبت ایسی لغو اور بیہودہ اور جھوٹی خبریں اُڑاوے اُسے غلط اور تہمت سمجھیں۔ اور ناصحین دلسوز کی حضور میں بھی یہ التماس ہے کہ آیندہ نصیحت سے معاف فرماویں اور اپنا اور میرا وقت ضایع نہ کریں۔

من ترک عشقبازی و ساغر نمیکنم
صد بار توبہ کردم و دیگر نمیکنم
شیخم بہ طنز گفت حرام است مے مخور
گفتم مگو کہ گوش بہ ہر خر نمیکنم
تقویم ایں ہمیں است کہ چون اہلان شہر
ناز و کرشمہ بر سرِ منبر نمیکنم

———

# کتاب الرحلت

## الموسوم

# بالواسطۃ الیٰ معرفۃ مالطا وکشف المخبا عن فنون وبا

یہ کتاب جیساکہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے ایک سفرنامہ ہے جس میں جزیرہ مالٹا کا حال اور یورپ کے علوم وفنون کی کیفیت لکھی ہے۔ لکھنے والا اسکا ابوعباس شیخ احمد افندی ہے جس کا گھر غالباً ٹونس میں ہے وہ مصاحب سید حسین امیرالامرا اور پریسیڈنٹ مجلس انتظامیہ ٹونس کا تھا۔ جب یہ امیرالامرا فرانس کی سیر کو گیا اور پیرس دارالسلطنت فرانس میں وہاں کے حالات دریافت کرنے کے لیئے ٹھہرا تب یہ شیخ بھی سفر کو نکلا اور مالٹا اور لندن اور پیرس وغیرہ یورپ کے شہروں میں بیس برس تک سیاحت کرتا رہا اور توریت کے ترجمہ کرنے کی خواہش سے بہت دنوں تک ڈاکٹرلی کے ساتھ کیمبرج میں رہا۔ اس شیخ نے اپنے زمانہ سیاحت میں یورپ کے حالات اور وہاں کے علوم وفنون اور لوگوں کے چال وچلن اور امیروں کے گذر کرنے کے طور وطریقوں کی ایسی تحقیقات کی جیساکہ کوئی طالب علم علوم کی تحقیقات کرتا ہو اور بوجہ اپنی عزت اور وقعت کے اُسے ایسا موقع بھی ملا کہ وہ یورپ کے امیروں کا بلکہ نوابوں کا مہمان ہوا اور اُن کے عام اور خاص سرکاری جلسوں میں شریک ہوسکا اور اُن کے اخلاق اور عادات اور خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کی۔ پھر یورپ کے مدرسوں اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور دیگر کارخانوں میں بھی اُن کے حالات تحقیق کرنے کے لیئے گیا اور وہاں مدتوں رہ کر اُن کے اصول وفروع سے واقف ہوا۔ بعد اس کامل تجربہ کے اور اعلےٰ درجہ کی تحقیقات کے اس نامور عالم نے یہ کتاب لکھی ہے اس کتاب کے

دیکھنے سے ہمکو رنج بھی ہوا اور خوشی بھی - رنج تو اس بات کا ہوا کہ جو عادتیں اور خراب خصلتیں ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں پاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وُہی بابو بہو اُن ملکوں کے مسلمانوں میں بھی ہیں جہاں اس وقت اُن کی سلطنت قایم و برقرار ہے - اور خوشی اس خیال سے ہوئی کہ اُن ملکوں کے رہنے والے مسلمان بھی خواب غفلت سے جاگنے لگے ہیں اور بعض شخص اپنی قوم کی بھلائی پر آمادہ ہوئے ہیں اور ایک تربیت یافتہ قوم سے اپنی جہالت کو مقابلہ کرکے اُس کے دُور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں استنبول اور مصر کے حالات تو اخباروں اور سیاحوں کی زبانی ہم سُنا کرتے ہیں اور جو ترقیاں وہاں کے مسلمان کر رہے ہیں اُس کی کچھ کچھ کیفیت بھی معلوم ہوتی رہتی ہے مگر ٹونس کے نام سے بہت کم مسلمان واقف تھے اب دو کتابوں کی بدولت جو ہمنے پائیں ہمکو نہ صرف ٹونس کے نام ہی سے واقفیت ہوئی بلکہ وہاں کے وزیر اور امیر کے عمدہ حالات بھی ہمکو معلوم ہو گئے اور جو اسباب مسلمانوں کے تنزل اور ادبار کے ہمارے ذہن میں تھے اُنکی تائید ہوئی اور جو غلط خیال اور بیہودہ اوہام مسلمانوں کے دلوں میں سما رہے ہیں اور جن کو ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے نکلیں اُس میں ہمکو اُن سے مدد ملی - اُن دو کتابوں میں سے ایک کتاب اقوام المسالک ہے جو امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس نے لکھی ہے اور جو جناب خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کی عالی ہمتی سے اُردو میں ترجمہ ہو کر چھپ رہی ہے اور دوسری یہ کتاب ہے جس کا اب ہم کچھ انتخاب لکھتے ہیں - یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے جس کی عبارت نہایت فصیح اور مسجع ہے اور جس سے قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی استعداد علم معانی و بیان میں اُس کے لکھنے والے کی ظاہر ہوتی ہے - الفاظ قلیل مطلب کثیر - اور مبالغہ اور فضول سے معرا - بہت کم کتابیں عربی کی مثل اس کے تالیف ہوئی ہوں گی - اس کتاب کا وہ حصہ نہایت دلچسپ اور پڑھنے کے لایق ہے جہاں مؤلف نے انگریزوں کے اخلاق اور عادات کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے ملک کے لوگوں سے اُس کا مقابلہ کرکے اپنے ملک کی حالت پر افسوس کیا ہے -

مؤلف نے اس کتاب کو سنہ ١٢٧٩ ہجری میں تمام کیا اور سنہ ١٢٨٣ ہجری میں مطبع ٹونس میں چھاپی گئی - اُس کے دو حصے ہیں - ایک حصہ ٩٦ صفحہ کا ہے جس میں فقط مالٹا کا بیان ہے - دوسرا حصہ ٣٢٠ صفحہ میں ہے - جس میں یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے

مختلف حالات کا ذکر ہے۔
اس کتاب کو شیخ موصوف نے اس غرض سے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو یورپ کے
حالات اور اہل یورپ کے خیالات سے واقفیت ہو تاکہ وہ جانیں کہ اُن میں اور اہل یورپ
میں کس قدر فرق ہے۔ کیا بلحاظ علوم وفنون کے اور کیا بنظر اخلاق و عادات کے۔ بعد
تالیف کے یہ کتاب میرالامراء سید خیرالدین وزیر ٹونس کی حضور میں پیش کی گئی۔ وزیر موصوف
نے (جو کہ ایک نامی عالم اور بڑا مدبر اور منتظم اور مسلمانوں میں ایک مشہور امیر ہے۔ اور
جس نے خود ایک عمدہ کتاب اقوم المسالک اسی قسم کی لکھی ہے۔) جب اس کتاب
کو دیکھا تو مؤلف کی بڑی قدر کی اور ایک عمدہ خلعت سے اُس کا دل خوش کیا جس میں
ایک بیش قیمتی ہیرے کی ایسی انگوٹھی تھی جو بادشاہوں کے لائق ہو۔ اس کتاب کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی نہایت سچی رائے بہ نسبت یورپ و وہاں کے
علوم وفنون اور طریق تمدن کے ظاہر کی ہے اور جو خیال اُس کا بہ نسبت کسی چیز کے
برائی بھلائی کے گذرا اُسے ویسا ہی ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا ہے۔ بناوٹ یا تکلف
کو ذرا بھی دخل نہیں دیا۔ شیخ موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۴ میں لکھتا ہے کہ خدا جانتا
ہے کہ باوجودیکہ میں نے یورپ کے شہروں میں کثرت سے عجیب و غریب چیزیں دیکھیں
اور بہت سے دل کے بہلانے والے اور جی کے خوش کرنے والے مشغلے پائے مگر
میں ہمیشہ غمگین اور منغص رہا۔ کوئی جلسہ خوشی کا میں نے نہ دیکھا جس میں مجھے رنج
نہ ہوا ہو۔ اور کوئی خوبی اور عمدگی میری نظر کے سامنے نہ آئی جس نے میرے دل کو نہ
دکھایا ہو۔ کیونکہ جب میں وہاں ایسی نعمتیں دیکھتا اور ایسی عزت اور خوشی کے سامان
پر نظر کرتا اور وہاں کے طرز معاشرت اور طریق تمدن پر خیال کرتا تو رنج اس بات کا ہوتا
کہ ہائے ہم مسلمانوں کے شہر ان باتوں سے خالی ہیں۔ نہ ہمارے شہروں میں سامان
ہیں نہ ہم لوگوں کے ایسے عمدہ چال چلن ہیں۔ نہ کسی علم وفن میں ہماری شہرت ہے۔
مگر ہاں ایک بات سے کچھ دل کو تسلی ہوئی کہ ہمارے ملک کے لوگ خوش اخلاق اور سخی
ہیں خصوصاً اپنی عورتوں کی نسبت بڑی غیرت رکھتے ہیں۔ مگر جب پھر میں یورپ کے

لہ یہ شخص تو کوئی دوسرا سید احمد ہے۔ ۱۲

شہروں کے انتظام اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگی بسر کرنے کے سامان اور ان کی عزت اور شہرت اور صنعتوں اور مفید کاموں پر خیال کرتا تو پھر مجھے پریشانی ہوتی اور حسرت میرے دل کو گھیر لیتی اور یہی حال میرے دوست امیر الامرا سید حسین پریسیڈنٹ مجلس انتظامیہ ٹونس کا تھا۔ مگر شکر خدا کا ہے کہ اُنھوں نے مدتوں پیرس میں رہکر واقفیت حاصل کی اور پھر شہر ٹونس میں جاکر یہاں کے انتظام جاری کیے مگر مجھ سے کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ میں اس کتاب کو لکھتا ہوں تاکہ اور مسلمان برانگیختہ ہوں اور اُن کو طریق تمدن و حسن معاشرت میں ترقی کرنے کی فکر ہو۔

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یورپ کا بیان ہے اور وہ اس خوبی سے لکھا گیا ہے کہ ایک اچھے جغرافیہ نویس کے شایاں ہو۔ یہ حصہ اس قابل ہے کہ ہم مسلمان اُس کو کسی شہر یا کسی ملک کے حالات لکھنے کے لیے نمونہ ٹھہرالیں ہم اس وقت اُس کا انتخاب نہیں لکھ سکتے مگر دوسرے حصہ سے کچھ باتیں منتخب کرتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں مؤلف نے اپنے سفر کا حال لکھا ہے جو کہ ۱۲۷۸ھ میں اُس نے مالٹا سے کیا۔ مالٹا سے لنڈن میں پہونچنے تک جو سیر اُس نے دیکھی اور جو واقعات اُسکی آنکھ سے گذرے اُن سب کو لکھا ہے۔ اور جن شہروں اور قلعوں اور نہروں اور دریاؤں کا ذکر کیا ہے اُن کی مختصر تاریخ بھی نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ بعد اس کے چند صفحوں میں اس کتاب کے لنڈن کے حالات اور اُس کی پرانی تاریخ اور حال کی آبادی اور ترقی کا ذکر ہے پھر انگلستان کے چند دیہات کی کیفیت لکھی ہے جہاں اس شیخ کو جانے کا اتفاق ہوا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اُن دیہات میں کوئی عمدگی اور خوبی نہیں پائی کیونکہ بلاد شام کے دیہات سے اُن کو کچھ فوقیت نہیں دی بلکہ اپنی تکلیف کا جو کھانا نہ ملنے سے ہوئی اُن دیہات کی نسبت بُری رائے دی ہے۔

دیہات کی پیداوار اور بونے جوتنے کے طریقوں اور غلہ اور ترکاری اور میوہ کی قسموں کو جو وہاں پیدا ہوتی ہیں اچھی طرح بیان کیا ہے اور نیز تعجب ظاہر کیا ہے کہ وہ جسم اور وزن میں ہمارے ملک سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہاں کے پالتو جانوروں اور اُن کی فربہی اور جسامت کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ پھر لنڈن کے سواد اور چراگاہوں کا بیان کیا ہے اور فرانس کے سواد اور چراگاہوں سے اُن کو اچھا خیال کیا ہے اور اُسکے

ساتھ اُن کے محاصل اور آمدنی اور اخراجات اور مصارف کا بھی ذکر لکھا ہے لنڈن
اور اُس کے مقامات اور قریات کی خوبیوں میں سب سے زیادہ یہ خوبی بیان کی گئی ہے
کہ وہاں نہ سانپ ہے نہ بچھو نہ گوہ نہ گیدڑ۔ نہ مچھر نہ پسو۔ اور اگر کہیں ہیں تو نہایت کم۔
پھر لنڈن کے مکانات اور عمارات اور اُسکی خوبیوں کا بیان کیا ہے۔ لکڑی کی صفائی
اور شیشوں کی چمک اور فرش فروش سے آراستگی کی خوبی کی زیادہ تعریف کی ہے۔ بلکہ
ایک مقام پر لکھا ہے کہ میں ایک امیر کے ہاں مہمان ہوا۔ وہاں رفع ضرورت کے لیئے
مجھے ایک مکان بتا دیا گیا۔ اُسکی زرنگار دیوار اور در و آراستگی نے مجھے ایسا متحیر کیا کہ
میں سمجھا کہ یہ امیر شاید بھید ہنسی کرتا ہے اور وہ اس طور سے بنایا گیا تھا کہ میں اُس کے
کھولنے اور اندر جانے سے عاجز رہا۔ اس مقام پر لنڈن کی تعمیرات کی قدیمی تاریخ اور
حال کی نئی نئی ایجادوں کا حال بھی نہایت خوبی سے لکھا ہے صفحہ ۸۰ میں مؤلف نے
بڑی تعریف لنڈن کے رہنے والوں کی اس باب میں کی ہے کہ وہ اپنے مکانات کو نہایت
خوبی سے آراستہ کرتے ہیں یعنی اول تو جو ضروری چیزیں انسان کو چاہئیں وہ سب انکے
مکان میں ہوتی ہیں۔ دوسرے اس ترتیب اور قرینہ سے سجائی اور لگائی جاتی ہیں۔ کہ
جس سے زیادہ اچھا ہونا ممکن نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ساری دنیا میں انگریزوں سے
بڑھکر اسکی لیاقت کسی میں نہیں ہے اور یہ ایک عادت ہے جو اُن کے خمیر میں ملی ہوئی ہے
دوسرا آدمی اُس کا برتاؤ کر نہیں سکتا نہ اُس طرح پر استعمال کر سکتا ہے اور چونکہ وہ اُسکے
عادی ہو رہے ہیں اس لیئے بے ایسی ترتیب اور سجاوٹ کے وہ خوش نہیں رہ سکتے
اگر وہ لوگ مسلمانوں کے شہروں میں جاویں تو ایک دن بھی آرام اور خوشی سے نہ رہیں
اس کے بعد مؤلف لنڈن کے دریاؤں اور میناروں اور بحری نشانوں کا حال اور
اُن کی تاریخ اور تعداد اور اُن کے مصارف کا ذکر کرتا ہے اور ایسے موقع پر دنیا کی نہایت
عجیب عمارتوں کی کیفیت لکھتا ہے۔

صفحہ ۸۹ میں انگریزوں کی جسمانی طاقت اور اُن کی عمر کا تذکرہ ہے جس میں مؤلف نے
لکھا ہے کہ خاص انگلستان اور ویلز میں تین برس کے اندر ۲۹۶۰ آدمی ایسے مرے کہ جنکی
عمر سو برس سے زیادہ تھی اور جن کے حواس بخوبی صحیح اور جن کی طاقت اچھی طرح باقی
تھی بلکہ ایک آدمی ایک سو تیرہ برس کی عمر کا ہو کر مرا اور کبھی اپنی زندگی میں ایکدن کو

بھی بیمار نہ ہوا تھا اور ستر برس کی عمر تک تو اکثر آدمی انگلستان کے ایسے جوان رہتے
ہیں کہ بڑھاپا اُن کی صورت پر معلوم نہیں ہوتا۔ اور سبب اس کا مؤلف نے یہ بیان کیا
ہے کہ بڑے سبب بڑھاپے کے غم اور تکلیف اور خوف ہیں خصوصاً بے اطمینانی جو حاکموں
اور عاملوں کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم مسلمانوں کی سلطنتوں میں ہے انگلستان
میں اگر کسی کے پاس کروڑ روپیہ ہو تو اُسے نہ ملکہ کا خوف ہے نہ کسی حاکم کا بلکہ ملکہ اور حاکموں کو
اُن کی دولت پر اور فخر ہوگا کیونکہ وہ اپنی رعیت کی دولت کو اپنی دولت اور اپنے ملک
کی عزت جانتے ہیں۔ سوائے اس کے سامان خوشی کے اور جلسے عیش و طرب کے انگلستان
میں اس قدر ہیں کہ ادنے ادنے آدمی دلی خوشی حاصل کر سکتا ہے خلاف ہمارے ملکوں کے
کہ کوئی ایسا سامان نہیں اسی واسطے اکثر آدمی روکھے ترش رو کشیدہ خاطر ہوتے ہیں پھر
لنڈن کے بہار کے موسم اور وہاں کے لوگوں کے کھیلوں اور وہاں کے میلوں اور
لوگوں کے خوشی کرنے کا بیان کیا ہے اور برف کے گرنے اور دریاؤں کے جم جانے
اور اس پر آدمیوں کے دوڑنے اور طرح طرح سے دل بہلانے والی باتوں کا ذکر ہے۔

صفحہ ۹۲ میں جہاں برف اور سردی کا بیان اس مؤلف نے کیا ہے وہاں ایک خوش طبعی
بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر یہاں کے رہنے والے مسلمان ہوتے تو جنت کی
صفات سن کر اسکی تمنا نہ کرتے کیونکہ جب کوئی انسان برف اور سردی میں مبتلا ہو
تو وہ کب اُس مقام کی آرزو کریگا جہاں پانی بہتا ہو اور گھنے سایہ دار درخت ہوں اور
ٹھنڈی ہوا چلتی ہو۔ ہاں وہ جب خوش ہوتے اگر جنت کی تعریف یوں ہوتی کہ اسمیں
خوب آگ روشن ہے۔ اچھے اچھے آتشدان بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے ڈھیر
جلانے کی لکڑیوں کے لگے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی وہاں کی آگ بجھتی ہے نہ آتش خانے
سرد ہوتے ہیں پس تاپو جہاں تک تاپا جاوے اور گرم ہو جہاں تک گرم ہوا
جاوے۔

پھر چند صفحوں میں انگلستان کی کانوں اور معدنیات کا حال اور اُن کی پرانی
تاریخ کو بتفصیل بیان کیا ہے اور لکھتا ہے کہ کوئلہ اور لوہے کی کان اُن کے حق میں
چاندی سونے کی کان سے زیادہ مفید ہے اور انگلستان کی دولت کی ترقی کا بڑا ذریعہ
ہے۔ چنانچہ صرف کوئلے کی کان پر کام کرنے والے مزدور بیس ہزار سے زیادہ ہیں۔

پھر دخانی گاڑیوں اور آہنی سڑکوں کا بیان اور اُن کے تاریخی حالات اور انکے
منافع اور فائدوں کا بیان کیا ہے اور یورپ میں جہاں جہاں یہ آہنی سڑکیں جاری
ہیں اُن کی تفصیل لکھی ہے۔

صفحہ ۱۰۸ سے کچھ بیان عورتوں اور اُن کی ظاہری باطنی خوبیوں کا ہے اول تو
مؤلف اُن کے حسن و جمال کی صفت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی اُن
عورتوں کو دیکھے جو خدمتگاری کرتی ہیں تو یہی خیال کرے کہ کوئی امیرزادی ہے۔ پھر
اُن کی سادگی کی تعریف کرتا ہے کہ نہ وہ مہندی لگاتی ہیں نہ مسّی نہ سرمہ اپنے دانتوں
اور آنکھوں کو سیاہ کرتی ہیں نہ رنگ برنگ کے نیلے پیلے کپڑے پہنتی ہیں بلکہ جیسا
خدا نے بنا دیا ہے ویسی ہی صورت رکھتی ہیں۔ سارا تکلف اُن کا بالوں کے گوندھنے
اور کپڑوں کی تراش اور وضع میں ہے جو ہزار زیور اور جواہر سے زیادہ خوشنما ہوتا ہے
پھر مؤلف اُن عورتوں کی قناعت اور اپنے مردوں کی فرمانبرداری اور خانگی انتظام
کی تعریف کرتا ہے خصوصاً اُن کی اس خوش اخلاقی کی کہ اگر کوئی ادنیٰ تحفہ بھی اُن کو دیا جاتا
ہے تو بہت خوشی سے قبول کرتی ہیں اور دینے والے کا زبان سے شکر ادا کرتی ہیں اور
ایسے مقام پر وہ افسوس کرتا ہے کہ زبان سے شکر کرنے اور تھینک ادا کرنے کی عادت
عرب اور مسلمانوں میں نہیں ہے اور اُن کا سکوت ایسے موقع پر جب انگلستان کے لوگوں
کے تھینک کہنے سے مقابلہ کیا جاوے تو نہایت ہی برا معلوم ہوتا ہے۔

انگلستان کی عوام عورتوں کی جہالت اور اُن کی فال و نجوم اور رمل و سحر وغیرہ پر
اعتقاد رکھنے کی بڑی برائی بیان کرتا ہے اور ایسے جاہلانہ خیالات میں ایک ہزارہا عوام
عورتوں کو پھنسا ہوا بیان کرتا ہے۔ صفحہ ۱۱۳ میں بیان کیا ہے کہ عورتیں قصبات اور
دیہات کی اکثر پاکدامن اور صاحب عصمت ہوتی ہیں اور وہ بہ نسبت شہریوں کے زیادہ
خوش رہتی ہیں۔ مگر کیا دیہات اور کیا شہر دونوں جگہ عورتوں میں عصمت و عفت کا
بڑا خیال ہے اور وہ بہ نسبت فرانس کی عورتوں کے زیادہ باوفا اور صاحب عصمت اور
حاضر و غایب یکساں رہتی ہیں۔

صفحہ ۱۱۴ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ اکثر دیہاتی مرد و عورت جاہل اور بے پڑھے
ہیں یہاں تک کہ ۱۸۵۱ء میں اکتیس لاکھ پچاس ہزار چار سو ستر آدمیوں کا نکاح

تھا جس میں سے فی صدی چالیس عورتیں ایسی تھیں کہ وہ اپنا نام لکھنا نہ جانتی تھیں اور جنہوں نے بجائے نام کے رجسٹر میں صلیب کا نقش کر دیا اور فی صدی ۹۰ مرد بھی ایسے ہی تھے اور باقی جنہوں نے اپنے نام لکھے اُن میں سے دو تہائی ایسے تھے کہ جن کو پڑھنا لکھنا کہنا شایاں نہیں ہے[1]

پھر صفحہ ۱۵ا میں مؤلف نے شریف عورتوں کی خوبیوں اور اُن کے انتظام خانہ داری کی صفت بیان کی ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ حق یہ ہے کہ جس نے کسی انگلستان کی عورت سے شادی کر لی اُس نے سارا عیش پا لیا اور سب بخوں سے چھوٹ گیا۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ زیادہ مالدار اور صاحب دولت ہی ہو تب خوش رہے بلکہ تھوڑی سی آمدنی میں عورتیں اپنی لیاقت سے ایسا انتظام کرتی ہیں کہ گھر بھی پاکیزہ اور صاف اور ستھرا رہتا ہے اور ساری ضروری چیزیں بھی مہیا کر لی جاتی ہیں۔ کفایت شعاری سے خرچ بھی کیا جاتا ہے۔ آمدنی پر بھی ہمیشہ نگاہ رہتی ہے اور اپنی عزت اور غیرت کا تو خیال کسی وقت نہیں جاتا۔ یہ سب عورتوں کی خوش انتظامی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد مؤلف نے انگریزوں کے اخلاق کا ذکر کیا ہے اور وہاں کے لوگوں کو پانچ طبقوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں ڈیوک اور لارڈ اور خاندانی امیروں کو داخل کیا ہے دوسرے طبقہ میں اُن رئیسوں کو شمار کیا ہے جو موروثی جائیداد رکھتے ہیں نہ صرف اپنی ذاتی تجارت سے بلکہ خاندانی عزت سے ممتاز ہیں تیسرے طبقہ میں اُن لوگوں کو داخل کیا ہے جو کہ بحیثیت سرکاری یا مذہبی کاموں کے اعلےٰ رتبہ رکھتے ہیں۔ چوتھے میں معزز و ممتاز تاجروں اور نوکری پیشوں وغیرہ کو شمار کیا ہے۔ پانچویں میں باقی عام تجارت کرنے والوں اور اہل حرفہ اور عملوں وغیرہ کو لکھا ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ پہلے طبقہ کی عادتیں کسی طبقہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں اور عوام کے طبقہ سے تو اس قدر کلی مباینت ہے کہ خیال میں نہیں آ سکتا کہ یہ دونوں طبقے ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے ہیں لیکن قومی محبت اور ملکی فخر کا جوش سب کے دلوں میں یکساں ہے۔

---

[1] یہ حال اٹھارہ برس پیشتر کا تھا اب اس عام تعلیم میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔

مؤلف نے طبقہ آخر کی بے مروتی اور خود غرضی کی نہایت شکایت کی ہے۔ مگر طبقہ اعلیٰ کے اخلاق و عادات اور عالی دماغی اور بلند نظری اور تواضع کی اس درجہ ثنا و صفت کی ہے کہ انسانوں کے طبقہ سے بھی اُن کو بڑھا دیا ہے۔

صفحہ ۱۴۵ سے مؤلف نے عام اخلاق اور عادات اور ملنے جلنے کا طریق بیان کرنا شروع کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی کسی سے بات چیت کرتا ہے تو نہایت نرمی سے کرتا ہے کچھ خشونت اُسکی آوازمیں نہیں پائی جاتی اور عورتوں کی آوازیں تو خاص ایک قسم کی نرمی ہوتی ہے۔ اگر غیظ و غضب میں بھی کسی سے خطاب کریں تب بھی سوائے (سٹر) کے اور کچھ نہیں کہتیں۔ خطوں میں بہت اختصار۔ القاب و آداب میں کرتی ہیں یا تھوڑے ہی سے فرق سے مغایرت اور مساوات اور محبت اور یکجہتی کے درجہ ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً عام القاب سر ہے اور جس سے کم شناسائی ہو اور لائق عزت کے ہوئے ڈیر سر لکھتی ہیں جس سے محبت ہوئے مائی ڈیر سر لکھتی ہیں۔ جس سے نہایت ہی یکجہتی ہوئے ڈیر سید احمد لکھتی ہیں برخلاف ہملوگوں کے کہ کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو وہ القاب و آداب لکھتے ہیں کہ جن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ملنے کے وقت بھی کچھ زیادہ آؤ بھگت نہیں کرتے اگر کسی سے ملاقات ہوئی۔ تو معمولی باتیں کرکے اور اپنا مطلب ظاہر کرکے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں برخلاف ہملوگوں کے کہ اگر پہلی ملاقات بھی نہ ہو تو بھی ایسی خوشی سے ملتے ہیں کہ گویا دونوں میں نہایت درجہ کی دوستی ہے۔ ملاقات کے وقت یہ امر خلاف آداب در اخلاق کے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بضرورت کسی کا نام اور نسب اور وطن اور مقصد کا سوال کرے اور یہ سب عمدہ عادتیں انگریزوں نے صرف تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے حاصل کی ہیں۔

یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ اگر کوئی کسی سے ملنے آوے اور اُس کے پاس کوئی عورت بیٹھی ہو تو وہ کبھی نہیں پوچھتے کہ یہ کون ہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ایسا موقعہ ہو تو پہلا سوال یہی کریں گے کہ یہ کون ہے کہاں سے آئی ہے تم سے کیونکر شناسائی ہوئی۔ یہ لوگ حاسد بھی نہیں ہوتے اور کسی کی امارت یا علم یا عزت پر حسد نہیں کرتے بلکہ اسپر فخر کرتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کی قوم کا عالم یا امیر یا معزز ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو حسد کی بیماری سے خالی ہو۔

پھر یہبھی عُمدہ صفت اُن کی ہے کہ کسی کی عزت اور علم کو نہیں چھپاتے بلکہ اسکے ترقی دینے کی فکر کرتے ہیں اور ہر طرح سے اسکی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی عزت اور علم اور فن کو بڑھاوے اور اَور لوگوں کو اسکی پیروی کرنے کی رغبت ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگر کسی شخص نے تھوڑی ہی عزت حاصل کی یا کسی علم و فن میں کمال پیدا کیا تو سب جل جاتے ہیں۔ کوئی اُسے دغا باز۔ کوئی گدھا کوئی خودغرض کہتا ہے۔ یہبھی اُن کی عادت ہے کہ ایک دوسرے سے وحشیانہ برتاؤ نہیں کرتا۔ یہانتک کہ کوئی نوکر اپنے آقا پر طعنہ نہیں کرتا نہ اُس کی بُرائیاں پیچھے بیان کرتا ہے گو وہ کیسا ہی اُس سے ناراض ہو برخلاف ہمارے لوگوں کے شہروں کے کہ کسی نوکر کو کوئی ایسا نہ پاوے گا جو اپنے ہی مالک کا شاکی نہ ہو اور اسکی بُرائیاں نہ بکتا پھرے۔ وہ اپنے نوکروں بلکہ خدمتگاروں سے بھی تہذیب کی گفتگو کرتے ہیں اور (مسٹر) کہکر بولتے ہیں یہاں تک کہ اگر پانی مانگیں گے تو کہیں گے (مسٹر) میں اُمید کرتا ہوں آپ سے پانی ملنے کی اگر آپکو تکلیف نہ ہو اور وہ بھی نہایت ادب سے سر جُھکا کر تعمیل کرتا ہے اور خفگی اور گالی گلوج کا تو کیا ذکر ہے۔ مگر نہ کبھی آقا خدمتگار سے ہنسی کرتا ہے نہ بے ضرورت اُس سے بات کرتا ہے نہ اُسے مونھ لگاتا ہے برخلاف ہمارے امیروں کے کہ کبھی تو ایسے خفا ہوں گے کہ گالیاں دیں گے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اُسکو اپنا یار بنائیں گے۔

ان لوگوں میں عادت غمازی اور غیبت کی بھی نہیں ہے نہ باہم بیہودہ بک بک کرنے کی عادت رکھتے ہیں برخلاف ہملوگوں کے شہروں کے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے ہوں تو ایسی قیل و قال کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جن بول رہے ہیں۔ پاک طینتی بھی ان لوگوں کا خمیر ہے اور یہی سبب ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ شک شبہ نہیں کرتے چنانچہ ملکہ نے اپنی بیٹی یعنی شاہزادی کے ہاتھ کا بنا ہوا رومال کسی فوجی افسر کو جبکہ وہ لڑائی میں مصروف تھا بھیجا کسی نے سوائے نیکی کے بُرا خیال نہ کیا۔ اگر ہمارے ملک میں کوئی امیرزادی کسی کو ایسا تحفہ بھیجتی تو طرح طرح کے خیال لوگوں کو پیدا ہوتے اور مہینوں اُس کے چرچے رہتے۔

عُمدہ عادات سے اِن لوگوں کی ایک یہ ہے کہ اپنی اوقات کے نہایت پابند ہوتے ہیں۔ ہر کام کے لیئے اُن کا ایک وقت ہے اور ہر ایک وقت کے لیئے ایک خاص کام یہاں تک پابندی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے بے وقت ملنے جاوے تو وہ نہایت

نرمی سے کہدیتے ہیں کہ آپ مجھے معاف فرمائیے مجھے اس وقت اور ضرورت ہے اور وہ سُننے والا واپس چلا جاتا ہے اور کچھ بُرا بھی نہیں مانتا برخلاف ہملوگوں کے کہ نہ کسی کام کا کوئی وقت ہے نہ کوئی وقت کسی بات کے لیئے مخصوص ہے بیہودہ فضول ملاقاتوں میں تمام عمر گذر جاتی ہے اور ملاقاتی جنازہ تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔

ان لوگوں کی عُمدہ عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی عورتوں سے بدگمانی بھی نہیں رکھتے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی باہر سے آوے اور اپنی بی بی کو کسی مرد سے بات چیت کرتا پاوے تو اسکی خیانت اور فسق پر کچھ شبہ نہ کرے گا لیکن اگر خیانت عورتوں کی معلوم ہو جاوے تو اُس کے بعد پھر رحم نہیں کرتے اور سوائے چھری یا زہر کے دوسرا بدلا نہیں لیتے۔ بیخوفی بھی جو ایک نتیجہ عمدہ انتظام کا ہے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے چھوٹے چھوٹے لڑکے رات دن گلی کوچوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ نہ پولیس کا اُن کو ڈر ہے نہ فوج کا۔ نہ کسی جرنیل کا نہ کسی مجسٹریٹ کا۔ بلکہ بادشاہ تک کی بھی ہیبت اُن پر نہیں ہوتی لڑکیاں جو دس برس تک کی عمر کو نہیں پہونچتیں آدھی رات کے بعد پولیس اور کوتوالی میں چلی جاتی ہیں اور اس طرح پر سوال و جواب کرآتی ہیں کہ گویا اپنے کسی عزیز کے پاس گئی تھیں مگر ہمارے مشرقی شہروں میں جن کو خدا بچائے رکھے یہ حال ہے کہ اگر عورت کسی برقنداز یا چوکیدار سے بھی رات کو بولے تو وہ پہلے اُس نکبخت کا ہاتھ پکڑے گا اور اپنی طرف کھینچکر اُسکی بے حرمتی کرے گا اور پھر کیا مجال ہے کسی کی کہ اُس برقنداز یا چوکیدار سے بول سکے۔

مؤلف کتاب کا اس بے خوفی کی نسبت اپنی یہ رائے لکھتا ہے کہ ایسی بیخوفی سے وہاں کے لوگوں کے قوائے جسمانی شگفتہ رہتے ہیں اور عقل بڑھتی جاتی ہے۔ اور ضعیفی اور بڑھاپا دیر کرکے آتا ہے کیونکہ وہ چھٹپن سے خوف اور دہشت کے عادی نہیں ہوتے اور چھوٹے بچے کے دل میں رُعب اور خوف کا سمانا ایسا ہے جیسا کہ ایک نرم اور نازک پودے پر بادصرصر کا تند جھونکا۔ ہملوگوں کے شہروں میں اوّل تو حاکموں کا دوسرے ظالم نوکروں کا تیسرے بد دیانت آدمیوں کا خوف چھٹپن ہی سے ہوتا ہے ماورائے اس کے ہملوگوں کے ہاں بچوں کی مائیں اُن کے دلوں میں بھوت پلید دیو جن کا ایسا خوف ڈال دیتی ہیں کہ جوانی کے زمانہ میں بھی اُن کے دل سے

نہیں نکلتا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر مشرقی لوگوں خصوصاً مسلمانوں کی طبیعتوں میں مقدر
پر اعتماد نہ ہوتا تو کسی ایک پر بھی اُن میں سے مردمی و انسانیت کا اطلاق کرنا زیبا نہوتا۔
انگریزوں کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بہت مختصر اور ادب کے ساتھ اپنے مخاطب
سے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی چھوٹے کو اپنے بڑے سے کچھ کہنا ہو تو یوں کہتا ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ
آپ مجھ پر میری فلاں حاجت کے برلانے سے احسان کریں گے اور میں آپکا شکرگذار
ہوں گا اور اس مختصر با ادب انسانیت کی تقریر سے اُن کو وہ فضول اور لمبی چوڑی خوشامد
کرنے کی حاجت نہیں ہوتی جس کا رواج ہم لوگوں میں ہے کہ جب کسی سے خطاب کریں گے
تو کہیں گے کہ یا بدر الکمال یا بحر النوال وغیرہ وغیرہ جس تقریر کا خاتمہ چند ساعت تک
بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ بڑا جس سے چھوٹے نے اپنی حاجت عرض کی ہے بجواب اُسکے
یوں کہتا ہے کہ میں آپ کے کام کرانے میں کوشش کروں گا اور آپ کو جلد خبر دوں گا۔
اور اس سے اُن کو اس کہنے کی حاجت نہیں رہتی جو ہم لوگ کہتے ہیں کہ بسر و چشم میں
آپ کا کام کردوں گا آپ کا نفع تو عین میرا نفع ہے اور آپ کا کام خود میرا ہی کام ہے آپ
اطمینان رکھیں ضرور یہ کام کردیا جاوے گا حالانکہ انگریزوں میں سے جو کوئی کوشش کرنیکا
بھی اقرار کرتا ہے وہ اس حالت میں جبکہ وہ کرسکے ورنہ صاف کہدیتا ہے کہ آپ مجھے معاف
کیجئے میں معذور ہوں۔ آپ کا کام مجھ سے نہیں ہوسکتا اور اگر وعدہ کیا تو اُس سے
زیادہ کوشش کرتا ہے جو اُس سے کہا ہو۔ اور پھر فوراً اُس کے ہمت و نیت کا
جواب دیدیتا ہے۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اُس چیز کا وعدہ کردیتے ہیں
کہ جسکو وہ خود جانتے ہیں کہ اُن کے اختیار سے خارج ہے اور پھر کبھی خیال
نہیں کرتے کہ اُس کے پورے کرنے میں کوشش کریں یا اُس بیچارہ کو صاف جواب
دیں تاکہ وہ اپنی فکر کرے اُس شخص کا کام تمام ہوجاتا ہے مگر اُن کا وعدہ تمام
نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہم لوگوں کے امرا کی یہ عادت ہے کہ اُن سے اگر کوئی نوکری
کا طالب ہو تو جواب دینا نہیں جانتے فوراً یہ کہتے ہیں کہ یا حضرت آپ سے بڑھکر
لایق دوسرا شخص کون ہے بلاشبہ مجھے بھی آپ سے بڑھکر کوئی دوسرا آدمی نہ ملے گا
لیکن آپ چند روز صبر کیجئے مجھے ایک ضرورت ہے وہ رفع ہوجاوے تب
میں آپ کو نوکر کرلوں گا۔ پس اس وعدہ کی رسّی میں باندھے رہتا ہے۔ اور

جب کبھی وہ متقاضی ہو تو کوئی حیلہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ اخیر کو وہ محروم اپنی قسمت کو روتا ہوا پھر جاتا ہے مگر انگریز کبھی ایسی باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے اور ایسی لیئے اُنکی بے اعتباری نہیں ہوتی۔

انگریزوں کی دیانت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی جاوے تو وہ اپنی چیز سے زیادہ اُس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ دیانت صرف مال و اسباب ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کسی کا خط نہیں کھولتا اور اگر کسی کی معرفت خط آوے تو وہ مکتوب الیہ تک پہنچانے میں کوشش کرتا ہے یا ڈاک گھر واپس کر دیتا ہے۔

یہ ایک عمدہ عادت اُن کی ہے کہ اگر کسی کے ملنے کو کوئی جاوے تو ہرگز اُسکی کسی چیز یا کتاب یا خط یا کاغذ پر ہاتھ نہیں بڑھاتا نہ اُسے دیکھتا ہے برخلاف ہمارے شہروں کے جن کو خدا بچائے رکھے کہ جب کسی سے ملنے کو جائیں گے گو ملاقات بھی نہ ہو مگر پہلے ہاتھ اُس کے کاغذ اور کتاب کی طرف بڑھائیں گے اور بے پوچھے دیکھنے لگیں گے یہاں تک کہ جتنے اُس مجلس میں بیٹھے ہوں گے خدا کی عنایت سے سب کے پاس ہاتھوں ہاتھ وہ پہونچے گا اور ایک دوسرے سے چھینے گا اور اسکو بڑی بے تکلفی سمجھیں گے حالانکہ انگریزوں میں کوئی ایسا کرے تو پھر کبھی اُس سے بات نہ کریں اور احمق سمجھکر نکالدیں۔

یہ مؤلف ایسی قسم کی اپنے ملک کی بدعادتوں اور انگریزوں کی عمدہ خصلتوں کا مقابلہ کرتے کرتے اخیر کو نہایت درد و حسرت سے لکھتا ہے والی من المشتکی و این النصیر فیالیت شعری متی نصیر نحن ولد آدم بشرا کھولاء البشر و متی نعرف الحقوق الواجبۃ لنا و علینا تخال ان التمدن معناہ ان یکون الناس فی مدینۃ و فیہا ذیاب و سباع کلاثم کلا جیران اجتمع الخروف والذئب فی مرعی واحد لیوجب علی الیھود ان یومنوا بمجی المسیح یعنی کس سے شکایت کی جاوے اور کس سے مدد مانگی جاوے کہ ہائے افسوس ہم بنی آدم کب انسان ہوں گے مثل ان انسانوں کے اور کب ہم پہچانیں گے اپنے حقوق کو اور غیروں کے حقوق کو کیا خیال کیا

جاسکتا ہے کہ تمدن کے یہ معنی ہیں کہ آدمی ایسے شہر میں رہے جس میں
بھیڑیئے اور درندے ہوں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ حق یہ ہے کہ بکریوں اور بھیڑیوں
کا ایک چراگاہ میں جمع ہونا واجب کر دیتا ہے یہود پر کہ وہ بھی مسیح کے آنے پر ایمان
لے آویں۔

بعد اس کے پھر مؤلف نے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا ہے۔ اور
جس کشادہ پیشانی سے وہ لڑکوں کو پالتے ہیں اور اُن کو خوش رکھتے ہیں اور
اُن کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہیں اور آخر کو اُن کو عمدہ تعلیم دیتے
ہیں اُسکی تعریف کی ہے اور چھوٹے لڑکوں کا پھول کی طرح خوبصورت ہونا اور
اُن کی خوش نما پوشاک کی جو دیکھنے والے کو نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے
تعریف کی ہے۔

صفحہ ۱۰۷ میں مؤلف نے انگریزوں کی وفاداری کا حال لکھا ہے اور اُس
محبت کا ذکر کیا ہے جو اُن کو اپنے ملک سے ہے اور اُس عزت اور خودداری
کی تعریف کی ہے جو اُن کے مزاج میں ہے یہاں تک کہ جو لوگ اُن کو مغرور کہتے
ہیں اُن کے کہنے کو غلط ٹھہرایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اُن کی خودداری اور وقعت
اور عزت جس کا خیال ہر بات میں وہ رکھتے ہیں لوگوں کو غرور معلوم ہوتا ہے
ورنہ حقیقت میں وہ غرور کچھ نہیں رکھتے بلکہ جب کسی کو اُن سے محبت اور دوستی
کرنا ہو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی آپ عزت کرے اور اُن کے ساتھ خودداری سے پیش
آوے اور اُن پر یقین کرا دیوے کہ وہ اُن سے کسی ذاتی غرض کے سبب سے
نہیں ملتا۔ اور اپنی عادتوں کی نسبت اُن کو مطمئن کرا دیوے کہ وہ ایک جنٹلمین
کی سی خصلتیں رکھتا ہے۔ تب اُس کو اُن سے دوستی اور محبت کا خیال کرنا
چاہیئے۔

فضول باتوں کے پوچھنے سے اُن کو ایسی نفرت ہے کہ کبھی کوئی دوست کسی
دوست کا مذہب اور اعتقاد نہیں پوچھتا برخلاف ہم لوگوں کے کہ پہلا سوال
مذہب اور اعتقاد ہی سے ہوتا ہے پھر پرسش آمدنی و خرچ کی۔ پھر خانگی حالات
دریافت کیئے جاتے ہیں اور دل کے بھید پوچھے جاتے ہیں۔ پھر علم و فضل کی

کیفیت دریافت کی جاتی ہے اور پھر یہاں تک سوال کو طول ہوتا ہے کہ یہ پوچھنے
لگتے ہیں کہ آپ بُدھ کے دن انڈے کھاتے ہیں یا نہیں - غرض کہ جو سوال ہوتا
ہے وہ دوستی کے خلاف اور انسانیت کے مخالف ہے -

پھر مؤلف موصوف صفحہ ۱۰۸ میں انگریزوں کی دیانت اور صفائی قلب کا
بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب وہ کسی سے دوستی کرتے ہیں اور اُس کے
چال و چلن کو اچھا جان لیتے ہیں تو وہ یہاں تک بے تکلف ہوجاتے ہیں کہ اپنی بی بی
اور اپنی بیٹیوں کا بھی امین سمجھتے ہیں اور بے روک ٹوک اُس کے ساتھ اُنکو آنے
جانے دیتے ہیں - اُن کو اپنے دوست پر یہاں تک بھروسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوست
اُن کا کسی شخص کو مُلاقات کی چٹھی لکھ دیتا ہے تو وہ اُسپر بھی ویسا ہی بھروسا کرتے
ہیں جیسا کہ اپنے دوست پر - ہزار کوئی اُس کی طرف سے شکایت کرے وہ کبھی نہیں
سُنتے کیونکہ اُن کو بھروسا ہوتا ہے کہ اُن کے دوست نے اُسکی سفارش کی ہوگی
جب تک کہ اُس نے اطمینان اُس پر نہ کر لیا ہوگا - ایسے شخص کی اس قدر وہ خاطر
کرتے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا مگر یہ خاطرداری و عزت اُسی وقت تک ہے
جب تک کہ وہ شخص خودغرضی یا بدچلنی ظاہر نکرے اور چونکہ وہ خود صاف باطن
ہوتے ہیں اس لیئے اپنے ملنے والوں کو بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں - یہ نیک نیتی
اور دل کی صفائی نہ صرف مردوں میں ہوتی ہے بلکہ اشراف عورتوں میں بھی اِس کا
پورا پورا اثر پایا جاتا ہے - وہ اپنے ملنے والے کو ہر بات میں جو وہ کہے سچا جانتی ہیں
اور اگر کوئی ہمدردی سے عورتوں کی بھلائی کی بات کہے تو اُس پر جی جان سے فدا
ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ہم میں سے اُن شریف عورتوں سے یہ کہے کہ
سبحان اللہ انگلستان کی عورتیں کیسی تربیت یافتہ اور خوش اخلاق اور نیک خصلت
والیاں ہیں اور افسوس ہے کہ ہماری عورتیں جاہل بے پڑھی لکھی ہوتی ہیں نہ اُن کو خدا
کے حقوق کی خبر ہے نہ بندوں کے حقوق کی ہم لوگوں کی صحبت عورتوں کے ساتھ
ایسی ہے جیسی دو دشمنوں کی ہوتی ہے - اور نہایت دل شکستگی اور کشیدگی سے ہم
لوگوں کی گذر عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے - کاش تم ہماری عورتوں پر رحم کرو
اور اُن کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے لیئے مدرسہ بنوا دو اور مثل اِس کے

جو اَور باتیں عورتوں کی بھلائی سے متعلق ہوں کہجاویں - تو وہ اشراف زادیاں اُس کہنے والے کو سمجھیں کہ یہ کوئی پیغمبر ہے جو خدا کی طرف سے آیا ہے اور واسطے دُور کرنے جہالت اپنی قوم کی عورتوں کے مبعوث ہوا ہے - پس اِس خیال ہی سے وہ اس کی اتنی خاطرداری کریں گی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور اُن کو فوراً یقین ہو جاوے گا کہ ضرور یہ اپنے وطن میں لوٹ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا مگر اُن نیکبختوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ حضرت مشرقی اپنے دل میں اُسی وقت کہتے جاتے ہیں کہ تم بڑی بیوقوف عورتیں ہو کہ میرے فریب میں آگئی ہو - آخر عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں افسوس کہ ہزاروں کتابیں تمہارے کتب خانوں میں ہیں اور صدہا قصّے مکر و فریب کے اُن میں لکھے ہوئے ہیں اور تم نے دیکھے بھی ہونگے مگر پھر بھی تم میرے دموں میں آگئیں اور تم نے نہ جانا کہ مَیں یہ باتیں صرف تمہارے خوش کرنے کو کرتا ہوں - مگر بہرحال وہ اشراف زادیاں اُس کے اس کہنے پر اُس کی اس قدر عزت کریں گی کہ کوئی چاء کا پیالہ اپنے ہاتھ سے بڑھاوے گی کوئی رات کے کھانے کی دعوت کرے گی +

الغرض اس مؤلف نے نہایت تفصیل سے ہر قسم کی باتوں کا اس کتاب میں بیان کیا ہے - کہاں تک اُس کا انتخاب اِس چھوٹے سے پرچہ میں کیا جاوے - اگر کوئی مسلمان نصیحت کا طالب ہو اُس کے لیئے یہ بھی بہت ہے - ورنہ دفتر کے دفتر لکھنا بھی فضول ہے

تمت

(حسب ضابطہ رجسٹری شدہ)

## جلد دوم

# تہذیب الاخلاق

یعنی

عالیجناب جواد الدولہ - عارف جنگ - آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب بہادر
کے - سی - ایس - آئی - ایل ایل - ڈی - لائف سکرٹری محمڈن اینگلو اورینٹل
کالج علیگڈھ و سکرٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے تمام مضامین از ابتدائے
سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری مندرجہ تہذیب الاخلاق مع دیباچہ

مرتبہ

منشی محمد فضل الدین تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت پنجاب کشمیری - لاہور

سنہ ۱۸۹۵ء

مطابق

سنہ ۱۳۱۳ ہجری

(مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور)

قیمت ............ فی جلد ............ ([illegible])

# ڈیڈیکیشن

بعالی جناب

نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علیخاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ دام ظلہ

مولانا۔

آنریبل سر سید احمد خانصاحب بہادر بالقابہ کے مضامین پر جس عالی حوصلگی کے ساتھ آپنے توجہ کی ہے اور جس خوبی کے ساتھ اُن کے خیالات کا موازنہ آپنے فرمایا ہے بزرگ سید کے سب دوستوں میں سے آپ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ بیش قیمت اور بے نظیر مجموعہ آپ کے نام نامی سے معنون کیا جاوے +

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

خادم قوم

فضل الدین تاجر کتب قومی

لاہور

یکم ربیع الاول ۱۳۱۳ ہجری

# فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد دوم یعنی مضامین آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی

## حصہ اول
## مضامین اخلاقی و تمدنی



## حصہ دویم
## مضامین مذہبی و علمی

## حصہ سوم

## مضامین متفرق

# دیباچہ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

## تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اِس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کیسی عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور اُستاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے یہ اُسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فنِ اخلاق کے متعلق صرف اِسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

کرنے کی ضرورت نہ تھی ⁕

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصوّر کرتے تھے۔ اَور تو اَور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اِس حکیم کے ہمعصروں میں دو ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اِس واسطے حکیم مذکور نے اِس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جُدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو قینچی بلکہ سُوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا اِن حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ⁕

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اَور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ مُلک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون؟ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی۔ اس مرد خدا نے جب سے دُنیا وی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلے درجہ پہنچی ہوئی تھی یا اَب وُہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُسکی

حلِ مشکلات میں معروف ہوگیا۔ اور جو کچھ ہوسکتا تھا بس وہ اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک سوسئٹی قایم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شائع کیئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہوگیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اُس کے حالات کو نظرِ عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر اِن سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اِس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدِ نظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اِس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو**۔

اَب اِس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اِس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کیئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔ علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اِدبار چھا گیا ہے۔ خوابِ غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُسکی آنکھ کُھلتی ہے۔ اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام بلند آواز۔ آن تھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا۔ اسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اُتر گئی۔ جس گھر میں پہونچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ مقدس **تہذیب الاخلاق**۔ جسکی اشاعت کا انتظام درپیش ہے ؛

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے :۔

جس نے مُسلمانوں کی محسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا ؛

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدن کا بارِ گراں اپنے ذمہ لیا ؛

جس نے پاک مذہب سے رسم ورواج کے اوہام باطلہ کو دُور کردیا ٭

جس نے دنیا کو بتادیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دُنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے ٭

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کردیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے ٭

جس نے عام و خاص پر ظاہر کردیا کہ مُصلحان بنی آدم میں سے جسکی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمّد** صلعم کی ذات بابرکات ہے ٭

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب بتیس برس کی مدت نے اُسکو اور نایاب کردیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو پھر عام کو اُسکی خریداری اور نفیس طبائع کو اُسکی گرانباری متعذر۔ غریب آدمی عہ کہاں سے لائے اور امیر آدمی اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو۔ پس سہولت اِسکی مقتضی ہوئی ہے کہ کل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصّوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصّہ کی قیمت دو روپے قرار پاوے ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :-

**پہلے حصّہ** میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین قیمت دو روپیہ ٭

**دوسرے حصّہ** میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے سی ایس آئی کے کُل مضامین قیمت تین روپے ٭

**تیسرے حصّہ** میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین قیمت عہ ٭

**چوتھے حصّہ** میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین ہیں قیمت عہ ٭

**خادم قوم**

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت
لاہور۔ بازار کشمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حصہ اوّل

## مضامین اخلاقی و تمدنی

### تمہید

اِس پرچہ کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مُسلمانوں کو کامل درجہ کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلاویں ۔

سولیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب ہمنے ترجمہ کیا ہے مگر اِس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مُراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرفِ اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے ۔

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں اُس قوم کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہے بے شک بعضے مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں۔ پس اَب دیکھنا چاہیئے کہ کیا مُسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہے؟

اس باب میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک عیسائی متعصب مؤرخ نے ٹرکی یعنی روم کی سیر کے بعد اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ترک جب تک مذہب اسلام کو نہ چھوڑینگے مہذب نہ ہونگے کیونکہ مذہب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ہے۔

سُلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بالفعل بادشاہ ہے اِس بات کی تحقیقات منظور ہوئی کہ درحقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں ور چند علماء اور عقلاء اور وزراء کی کونسل اِس امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فواد پاشا تھا اُس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اُس کے دو فقروں کا ترجمہ اِس مقام پر لکھا جاتا ہے۔

"اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنیوالی اور انسانیت اور تہذیب اور رحمدلی کو کمال کے درجہ پر پہونچانیوالی ہیں مگر ہمکو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہو گئی ہیں چھوڑنا چاہیئے"۔

اَب دونوں رایوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر کے دکھا دینا مُسلمانوں کے اختیار میں ہے اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثل اَور دنیا کی مہذب قوموں کے اپنے تئیں بھی مہذب کر دکھاویں گے تو فواد پاشا کی رائے کی تصدیق کریں گے ورنہ ازخود اُس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی۔

ایک اَور انگریزی مؤرخ ہندوستان کے مُسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین اُمت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بُت پرستی سے مل ملا کر اُن کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہو گیا ہے"۔

ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور اِس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے ہم مُسلمانوں میں بہت سے پرانے قصے یہودیوں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور اعتقادات رومن کیتھلک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بے انتہا رسمیں اور عادتیں ہندوؤں کی مل گئی ہیں اور علاوہ براں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کی ہیں جو درحقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مُسلمانوں کو

عجیب حالت ہو گئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اِس ہیئت مجموعی پر خیال کر کر اُس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اُسکی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسے ایک انگریزی مورخ نے مفصلہ ذیل رائے لکھی ہے *

"عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جو قادر مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اُسکو ترقی دینے والی ہے اور بر خلاف اِسکے اسلام اُسکو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے" * ۱

پس اب کیا یہ غیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سُنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شائستگی کی طرف متوجہ نہوں *

یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہم فوادپاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے عقلاء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے اختیار کریں اور بخوبی ہوشیار ہو کر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں۔ اور کیونکر ہم میں مل گئیں اور یا کیونکر خود ہم میں پیدا ہو گئیں اور اُن میں جون جون سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں اُن کو ترک کریں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسایل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بیضا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچ کر اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اِس زمانہ میں نہیں ہے *

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیئے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اِس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین و دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہمکو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو رغبت

۱ یہ مت سمجھو کہ اِس مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ اہل اسلام سے اس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز رونے کے اَور کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ٹانگ کھولیئے اور آپ ہی لاجوں مریئے *

دلاویں۔ واللہ ولی التوفیق ۔

السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ اللھم امین ثم امین ۔

# رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لئے کسی مُلک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے مُلک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اُسی میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی بچپن سے عادت اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اسکے معنی یہ ہو جاویں گے کہ بھلائی اور بُرائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بُری ہے ۔

مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور بُرائی فی نفسہ مستقل چیز ہے رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کرتے ہیں مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بُری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس ہمکو صرف اپنے مُلک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہیئے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُسکی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے تا اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہمکو اُسکی بدی خیال میں آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے ۔

البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر گاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہم کس طرح کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکینگے۔ بلاشبہ یہ بات کسیقدر مشکل ہے مگر جبکہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بھلائی یا بُرائی فی نفسہ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی الحقیقت بھلائی یا بُرائی قرار دینے کے لیئے کوئی نہ کوئی طریق ہوگا۔ پس ہمکو اُس طریق کے تلاش کرنے اور اُسی کے مطابق اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا بُرائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہیئے ۔

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لیئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات سے

اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سُننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی نیکی سے جو خدا تعالےٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں ✦

۱۔ یہ بات ہمکو اپنی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے مُلک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہے اُسپر مستحکم رہیں اور جو ہم میں بُری ہے اُسکے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہے اُسکو بلا تعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بُری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں ✦

جبکہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات مروج ہیں اُنھوں نے کسطرح اُن قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسوم و عادات کے اُن کا مبدا اور منشاء متحد معلوم ہوتا ہے ✦

کُچھ شُبہ نہیں ہے کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں مروج ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقیہ امور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً بضرورت تمدن و معاشرت کے پیش آتی گئی ہے یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہوگئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُسکو پیدا کر دیا ہے۔ پس ظاہر ایسی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں رسوم عادات کے مروج ہونے کا مبدا و منشاء معلوم ہوتے ہیں ✦

جو رسوم و عادات کہ بمقتضائے آب و ہوا کسی مُلک میں رائج ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کُچھ شُبہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرت اور فطرت نے اُن کو سکھلائی ہیں جسکے سچ ہونے میں کُچھ شُبہ نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب باقی رہتا ہے ✦

۲۔ مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب انسان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے مگر اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ آگ کے استعمال کے لیئے یہ بات بہتر ہے کہ مکانات میں ہندسی قواعد سے آتشخانہ بنا کر آگ کی گرمی سے فائدہ اُٹھاویں یا مٹی کی کانگڑیوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکائے پھریں جس سے گورا گورا پیٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے ✦

طریق تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اِس لیئے ضرور ہے کہ ہماری رسمیں و عادتیں جو بضرورت تمدن و معاشرت مروج ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم

اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلا شبہ بمقابل اُن قوموں کے جنھوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور خوار رہوں گے اور مثل جانوروں کے خیال کیئے جاویں گے پھر خواہ اِس نام سے ہم بُرا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ناتربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی ہمکو اُسی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہمکو کیا مقام شکایت ہے ہاں اگر ہمکو غیرت ہے تو ہمکو اُس حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ✤

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پنے سے صرف تقلیداً بغیر سمجھے بوجھے اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اُس قوم سے زیادہ فایدہ اُٹھا سکتے ہیں اِس لیئے کہ ہمکو اُس رسم سے تو موانست نہیں ہوتی اور اس سبب سے اُسکی حقیقی بھلائی یا بُرائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لاویں بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے ہمکو بہت عمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربہ کی ملتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعی تصفیہ کر دیتی ہیں ✤

مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہو گئی ہیں جیسکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امورات مذہبی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کر لی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اُس قوم کی رسم کے ایجاد کر لی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہونچاویں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ مہذب ہیں وہ ہمکو بنظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بنظر تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن میں اصلاح کریں ✤

جو رسومات کہ بسبب حالت ترقی یا تنزل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل یا عزت اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں ✤

اس مقام پر ہمنے لفظ ترقی یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزل مراد لیئے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریق معاشرت و تمدن سے اور خواہ ملک و دولت و جاہ و حشمت سے ✤

بلاشبہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکی تمام رسمیں اور عادتیں عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتنا فرق بے شک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی رسومات اور عادات جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور اسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلےٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی قومیں ہیں جنہوں نے انسان کی حالت ترقی کو نہایت اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے اور اس حالت انسانی کی ترقی نے اُن کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے جیسے ایک نہایت عُمدہ و نفیس شیریں دریا تھوڑے سے گدلے اور کھاری پانی کو چھپا لیتا ہے یا ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کی کھٹی دو بوندوں سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہے اور یہی قومیں ہیں جو اب دنیا میں سویلیزڈ یعنی مہذب گنی جاتی ہیں اور درحقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں *

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہیں مروج ہو گئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شائستگی کے بھی برعکس ہیں اور اس لیئے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑ کر اُن بُری رسموں اور بد عادتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ اُن کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اُسی طرح اپنی رسومات معاشرت و تمدن کو بھی عُمدہ اور پاک صاف کریں اور جو کچھ نقصانات اُس میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے ہوں اُن کو دور کریں *

اس تحریر سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں اُن بدعادتوں سے پاک و مبرا سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نمونہ عادات حسنہ جتاتا ہوں یا خود ان امور میں مقتدا بننا چاہتا ہوں۔ حاشا و کلا۔ بلکہ میں بھی ایک فرد اُنھیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دلی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہونگے سب سے اوّل میں اُن کا چیلہ اور اُن کی پیروی کرنے والا ہوں گا البتہ مثل محمود کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہونچتا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا خیال و پاس رکھنا اور جھوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے *

ہماری قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال آتا ہے کہ تہذیب و حسن معاشرت و

تمدن صرف دُنیاوی امور ہیں جو صرف چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل ہے تو کیا۔ مگر اُن کی اس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی او تقدس نے اُن کو اس عام فریب غلطی میں ڈالا ہے جو اُنکے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہوسکتا اور نہ شارع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا کیونکہ قواعد قدرت سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدن و معاشرت ذلیل او معیوب حالت پر ہوگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عائد ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منجر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے نہایت ذلیل و خوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبیحہ سے اسلام کو اور مسلمانی کو ذلت ہوتی ہے پس ہماری دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت اور خوبی تمدن اور تہذیب اخلاق اور تربیت و شایستگی میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ معاد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدہ کی اُس سے ہمکو اس دنیا میں توقع ہے اُس سے بہت بڑھ کر اُس دنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں ؛

## تعصب

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اُس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے متعصب گو اپنی زبان سے نکہے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اُس میں نہیں ہے متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُسکا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سُننے اور سمجھنے اور اُسپر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اُس کے فائدے اور اُسکی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونیکا موقع نہیں ملتا ؛

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُسکو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے ؛

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کریں گے ۔ مگر اول امور تمدن و معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہیں ؛

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کر سکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا ؛

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر متعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے ؛

ہُنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلےٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیئے مگر متعصب اپنی بدخصلت سے ہر ایک ہُنر اور فن اور علم کے اعلےٰ درجہ تک پہونچنے سے محروم رہتا ہے ؛

وہ اُن تمام دلچسپ اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور ناواقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار ہو جاتی ہے اور جو کچھ اُس میں سمائی ہوئی ہے اُس کے سوا اور کسی بات کے سمجھنے کی اُسمیں طاقت اور قوت نہیں رہتی - وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اُسکو جو کچھ بالطبع آتا ہے اُس کے سوا اور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا ؛

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہُنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شایستگی میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلےٰ درجہ سے نہایت پست درجہ مذلت اور خواری کو پہونچ گئی ہیں - اور بہت سی قومیں ہیں جنھوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئیں ؛

مجھ کو اپنے ملک کے بھائیوں پر اس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بدخصلت میں گرفتار ہیں اور اس سبب سے ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کو دکھانے سے محروم اور ذلت اور خواری اور بے علمی اور بے ہنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لیئے میری خواہش ہے کہ وہ اس بدخصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہنر و کمال کے اعلے درجہ کی عزت تک پہونچیں ◆

ہم مسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط نمانیکی کے جذبہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اُس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اُس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بُرا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابل تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برباد کر دیا ہے ◆

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لاویں ◆

اگر یہ خیال ہو کہ اُن دنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقاید مذہبی میں سستی آتی ہے کیونکہ مذہبی مسائل اُن دنیاوی علوم کے پڑھنے سے مشتبہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان اپنے ایسے روشن اور مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُس کی برہمی کا خیال کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ مذہب اسلام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاوے گی اُسی قدر اُس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی ◆

اب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں پختہ ہونا جُدا بات ہے اور یہ ایک نہایت عمدہ صفت ہے جو کسی اہل مذہب کے لیئے ہو سکتی ہے اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں نہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نہایت نقصان پہونچانیوالا ہے ◆

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں پختہ ہمیشہ سچا دانا دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُس کی خوبیاں اور نیکیوں کو پھیلاتا ہے اُس کے اصول کو دلایل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں اور معترضوں اور بُرا کہنے والوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور خود بھی اُس کے دفعیہ پر مستعد ہوتا ہے اور اَور لوگوں کو بھی اُس کے دفعیہ کا موقع دیتا ہے ◆

برخلاف اس کے متعصب نادان دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سراسر اپنی نادانی سے اپنے مذہب کو نقصان پہونچاتا ہے۔ پہلی البتہ ایسی بدخصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقلمند کے نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حسن اخلاق اور اس کے نتیجوں کی خوبی پر داغ لگاتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے بدلے الٹا اس کا مانع قوی ہوتا ہے۔ اپنے تعصب کے سبب بداخلاق اور مغرور اور متقشف سخت دل ہوجاتا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک سے مخالفت صریح کرتا ہے ٭

مذہب میں متعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سننا یا مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور اس سبب سے ضمناً وہ اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیقات کیئے اور بلا جواب دیئے باقی رہ جاویں وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اسکے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور اس کے برہم ہوجانے کا خوف ہے پس یہ تمام باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی فتح یابی اور میدان جیت لینے کی ہیں ٭

غرضکہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں۔ نہایت برا اور بہت سی خرابیوں کا پیدا کرنے والا ہے ٭

مغرور و متکبر ہوجانا اور اپنے ہمجنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا متعصب کا خاصہ ہوتا ہے ٭

اس کے اصول کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزین ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور بمجبوری ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپرے دل سے ان کا ادب اور اپنی جھوٹی نیازمندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بدخصلت نفاق اور کذب اور دغابازی و فریب و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے ٭

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بدنصیب رہتا ہے ٭

علم میں اسکو ترقی نہیں ہوتی ہنر و فن میں اس کو دستگاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے

وہ ناواقف رہتا ہے عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے۔ حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تمول مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے ۔

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے اور ہمجنس کیا کر رہے ہیں۔ بلبل کیا چہچہاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیا کیا بن رہا ہے اور مکھی کیا چن رہی ہے ۔

وہ بجز گھوڑے پر کی گھانس چرنے کے اور کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے۔ نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے ۔

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جاتا کوئی ہنر و کمال اُس میں نہیں آتا۔ تربیت و شائستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جب کہ وہ مذہبی غلط نمائیکی کے پردہ میں ظہور کرتا ہے تو اور بھی سم قاتل ہوتا ہے کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے انسان کے خراب و برباد کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کر دکھلانا ہے ۔

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہے اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہے وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے۔ پس ہمکو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بُری خصلت ہے چھوڑنا چاہیئے۔ تمام بنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں۔ ہمکو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے۔ پس اسی کی ہمکو پیروی چاہیئے ۔

## تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" مگر اس کے معنی اور اسکی وجہ بخوبی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ ہمکو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہونچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے۔

اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لیئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آجاتا ہے ۔

کامل مطلق بجز ذات باری کے اَور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان سے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابل سہو خطا ہونا انسان کی شان سے ہے ۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی ۔ پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیٹ غلطی اور ہمارے تنزل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہے ۔

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے ۔

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اسکو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں ۔

ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُسکے اَور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں ۔

لوگوں کے اعتراضوں کے سُننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب سے اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جہل مرکب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُسکو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں ۔

خدا نے جو ہمکو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُسکو کام میں لاویں اَوروں پر بھروسا کر کر اُسکو بیکار کر دیتے ہیں ۔

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسلوں کی عقل اور جودتِ طبع اور تیزیٔ ذہن اور طاقت انتقال ذہنی اور قوت ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اَوروں کی ٹھکاری پر ہماری چال ہوجاتی ہے اور ہم ٹھیک اِس مثل کے مصداق ہوجاتے ہیں ۔ "چارپائے بروکتابے چند" ۔

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اِس نقص کو نہایت درجہ پر پہونچا دیا ہے اور جو نقصان دینی اور دُنیوی اُس سے ہم نے اُٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں ۔ بھلا دینی باتوں کو اِس وقت رہنے دو اور صرف

اِس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اَور قوموں نے اِن باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اُسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ؛

ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الٰہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بوعلی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اَور کسی کو نہ مانیں۔ جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُنہی پر پابند رہنے کے لیئے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ؛

یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اسکی مثالیں بھی موجود ہیں ؛

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہونچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمتے رہے اور اُسکی ترقی اور بہتری پا اور نئی چیزوں کے اختراع ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی ہیں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھو اِن دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے +

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کامل سمجھ کر اُسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز۔ فرنچ اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شائستگی میں اپنے دور میں اپنی ہمعصر قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں اور شاید مسلمانوں کو یہی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیئے بمنزلہ اُستاد کے گنے جاتے تھے مگر اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُسی خوبی نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہے ٹھیک ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیائی قوموں سے علم و ہنر۔ تربیت و شائستگی میں اعلیٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیئے کہ اپنے دماغ کو اُن بیہودہ اور لغو خیالات سے جنھوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے اور اَور اُن کی تمام خوبیوں کو

خیالات فاسد کے کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شایستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شایستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دیئے تھے بُری طرح سے استعمال میں لانے اور اُن کو بدصورت کر دینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اُسپر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ نہیں اسلام ٹھہراتی ہیں اُن کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے - اسلام کوئی مٹی کا پتلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور اُن کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو اُنہوں نے اسکو ایسا بدصورت بنا لیا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں ہے پس اب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شایستگی کی درستی میں کوشش کر کر اور اپنے اعمال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھاویں ٭

## انسان کے خیالات

بہار اور بہت سے عجائبات قدرت الٰہی ہیں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک ہی سا خیال رکھتی ہے - جانوروں کی وہ حرکات اور افعال جو جاندار ہونے کے سبب سے ہیں اور وہ چیز جو محرک اُن افعال یا حرکات کی بواسطہ یا بلاواسطہ ہے اُس کا کچھ ہی نام رکھو - مگر وہ وہی چیز ہے جس کو انسانی حالت میں خیال کہتے ہیں ٭

تمام افعال اور حرکات جانوروں کی بلاشبہ ارادی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں - اُن کی تمام حرکتوں کا باعث بواسطہ یا بلا واسطہ ایک خیال جلب منفعت مادی جیسے غذا اور مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور بشاشت یا خیال دفع مضرت مادی وغیر مادی کا ہے ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اور کوئی چیز اس سے زیادہ ہے بلاشبہ اتنا فرق پاتے ہیں کہ جانوروں میں وہ خیالات محدود اور انسان میں نامحدود ہیں ٭

مگر تعجب تو ہمکو اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر گاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی سا یقین کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجودیکہ ایک قسم کے جاندار ہیں

ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی سا یقین کیوں نہیں رکھتے ہیں +

کبھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہے مگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ نامحدود ہونے کے لیئے مختلف ہونا ضرور نہیں ہے پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہمکو واقفیت ہو اُسیقدر عجائبات قدرت الٰہی سے ہمکو زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور اُن خیالات کا صحیح ہونا یا غیر صحیح ہونا ہمارے اس فائیدہ میں کچھ نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ درصورت مختلف ہونے کے اَور بھی زیادہ فائیدہ دیتا ہے اس لیئے ہم اپنے اس آرٹکل میں ایک انسان کے خیالات بیان کرتے ہیں جن کو وہ اسطرح پر کہتا ہے :

مجھ کو خیال آیا کہ جس قدر اَور جانداروں کو کرنا ہے اُتنا ہی مجھ کو بھی کرنا ہے یا اُس سے زیادہ +

مگر میرے خیال میں یہ آیا کہ انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لیئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن کے بنانے والے کاریگر نے سب کچھ اُن کے ساتھ بنادی ہیں - اُن کو اُن چیزوں کے بہم پہونچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہے - تمام جانوروں کی خوراک بغیر اُن کی سعی و تدبیر کے پیدا ہوتی ہے - سرد مُلک کے جانوروں کے لیئے نہایت عُمدہ پشمینہ کا گرم لباس اُن کے بدنوں پر پیدا کیا ہے - پرند جانوروں کے لیئے مینہ سے بچنے کا باران کوٹ اُنہی کے بدنوں پر پیدا ہے گرم مُلک کے جانوروں کے لیئے اُسی آب وہوا کے مناسب اُن کا جامہ قطع کیا ہے مگر انسان کے لیئے کچھ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو یہ سب کچھ خود کرنا ہے +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لیئے کسی سے کچھ سیکھنے یا تعلیم پانے کے محتاج نہیں ہوتے خود بے سکھلائے ہی پیدا ہوتے ہیں - شہد کی مکھی کو رَس چوسنے کے لیئے عُمدہ قسم ماخذوں کی شناخت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عُمدہ تقسیم سے نکالنا جسمیں ایک بڑا مہندس بھی حیران ہو جاوے کوئی نہیں پڑھاتا - بئے کو ایسا عمدہ اور محفوظ کاشانہ بنانا کوئی نہیں سکھاتا - مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھ بھی نہیں آتا +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جوارح سے ہوں یا دوسری قسم سے اور وہ از خود اُن کو آئے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نامحدود ہیں - اِن سب باتوں سے میں نے خیال کیا کہ انسان کو اَور جانوروں سے بہت کچھ زیادہ کرنا ہے +

پھر مَیں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اَور جانوروں سے بھی زیادہ دانشمند بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اُسکو دی ہے جس سے وہ یہ سب چیزیں کرسکتا ہے اور تمام مشکلوں پر فتح پاسکتا ہے - اتنے میں میرا دل بول اُٹھا کہ عقل ؛

مَیں یہ بات سُنکر سوچ میں گیا کہ کیا یہ بات سچ ہے مگر مَیں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام نہیں نکل سکتا - نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے اور نہ اُس کے بغیر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے - یہ تو کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کو بطور آلہ کے ہے جیسے کہ سونا چاندی ہماری بھوک نہیں کھو سکتا مگر اُس چیز کو ہم پہونچا دیتا ہے جو ہماری بھوک کھو دیتی ہے ؛

بہت سی تلاش اور جستجو مَیں نے کی اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیئے عقل بھی صرف آلہ ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستن ہیں - تب مَیں سمجھا کہ مجھ کو اَور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے ؛

مَیں نے خیال کیا کہ علم اور یقین یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جس چیز کا مجھ کو علم ہوگا بیشک اُس کا یقین بھی ہوگا - اور جس کا یقین ہوگا اُس کا علم بھی ہوگا - پس مَیں نے خیال کیا کہ یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے سچا اور پورا نہیں ہے ؛

مَیں نے اِس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین۳ کا اور دس کا علم ہے اور اِس لیئے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین۳ کے زیادہ ہوتے ہیں - تو اگر کوئی شخص اِس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لیئے یہ بات کہے کہ مَیں اِس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اِسکو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجب نہیں کہ اُس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اِس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین۳ کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیں لانے کا ؛

میں نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ ایمانی مسئلہ کہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب بے شک سچا مسئلہ ہے - اُس کا پہلا جزو تو دنیاوی باتوں سے متعلق ہے مگر جو اصل مطلب ہے وہ دوسرے جزو میں ہے - تصدیق قلبی اور یقین اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر الفاظ تصدیق قلبی زیادہ شاندار اور مطلب کو زیادہ تر دل پر نقش کرنے والے ہیں - اِس لیئے مَیں نے خیال کیا کہ ایمان بے یقین کے اور یقین بغیر علم کے نہیں ہو سکتا ؛

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ علم یا یقین جس کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسے کہ دس اور تین کی زیادتی و کمی کا یقین ہے تا کہ کسی طرح زائل نہ ہو سکے کیونکہ اگر وہ کسی طرح زائل ہو گیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین نہ تھا بلکہ محض ایک دھوکا تھا ✤

ان تمام خیالات نے مجھ کو گھبرا لیا اور میں چاروں طرف ڈھونڈنے لگا کہ علم یا یقین بلکہ یوں کہو کہ ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ✤

میں نے دیکھا کہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں آدمی بہت سی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور ان کو کچھ بھی مشکل نہیں ہوتی۔ میں کیوں ایسی مشکلات میں پڑا ہوں۔ بہتر ہے کہ ان لوگوں سے پوچھوں کہ تم نے ان سب باتوں پر کس طرح سے یقین حاصل کیا ✤

یہودی نے کہا کہ مجھے اس بات پر یقین کامل ہے کہ خدا ایک ہے اس لیئے کہ موسیٰ نے کہا ہے ✤

عیسائی بولا کہ غلط۔ خدا تین ہیں۔ اور مجھ کو اس پر کامل یقین ہے۔ اس لیئے کہ یوحنا نے یوں ہی بتایا ہے ✤

ایسے اختلاف سے میں اور بھی گھبرایا۔ میں نے خیال کیا کہ [illegible] پر انحصار ہے تو وہ یقین ہی نہیں۔ پھر کیونکہ ان کو ایسا [illegible] یقین [illegible] تو سمجھا کہ ان کو نہ تو خدا کے ایک ہونے پر یقین ہے نہ خدا کے تین ہونے پر۔ بلکہ ان کو [illegible] یقین ہے کہ موسیٰ اور یوحنا نے ایسا کہا ہے ✤

یہودی بولا کہ موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں۔ لکڑی کو سانپ بنا دیا۔ پھر اس نے جو کہا اس میں کیا شک ہے ✤

عیسائی بولا کہ عیسیٰ نے مردوں کو جلایا۔ مارے جانے سے پیچھے مرا بلکہ قبر میں سے اٹھکر آسمان پر چلا گیا پھر اس کے خدا ہونے میں کیا شک ہے ✤

پہلے تو میں شک میں پڑا کہ دلیلیں تو اچھی ہیں۔ مگر پھر مجھے خیال ہوا کہ ان کو تو خدا سے موسیٰ کے باتیں کرنے پر اور لکڑی کو سانپ بنانے پر اور عیسیٰ کے مردوں کے جلانے پر اور خود جی اٹھنے پر یقین ہے خدا کے ایک یا تین ہونے پر یقین نہیں ✤

ان سب باتوں کے بعد میں نے یقین کیا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ صرف عقل ہے جو ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیئے آلہ اور نہایت عمدہ رہنما ہے ✤

پھر مَیں نے خیال کیا کہ عقل پر غلطی سے محفوظ رہنے کا کیونکر یقین ہو مَیں نے اقرار کیا کہ حقیقت میں اُسپر یقین نہیں ہو سکتا ۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے ۔ اور ایک زمانہ کی عقلوں کی غلطی دوسرے زمانہ کی عقلوں سے صحیح ہو جاتی ہے ۔ مگر جب کہ علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نہ رکھا جاوے تو اُس کا حاصل ہونا کسی زمانہ اور کسی وقت میں بھی ممکن نہیں ٭

میرے دل میں شبہ اُٹھا کہ عقل کو جو مَیں نے سب سے بڑا رہنما سمجھا کیوں سمجھا ۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ عقل سے بڑا کوئی اَور رہنما ہو جو عقل کو بھی شکست دیدے ۔ ہمکو اُس سے واقفیت نہونی اُسکے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے ٭

مگر مَیں نے خیال کیا کہ ایسے رہنما کے موجود ہونے کے احتمال سے ہمارا کام نہیں چلتا ۔ اُسکے موجود ہونے کا ہمکو علم اور یقین چاہئیے ۔ جب یہ نہیں ہے تو عقل کے سوا اَور کوئی رہنما بھی نہیں ہے ٭

مجھے خواب کا خیال آیا ۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت ہم خواب دیکھتے ہیں اور اُس حالت میں ہم اُسکو واقعی اور اصلی سمجھتے ہیں ۔ اور اُس کے سچے ہونے میں ہمکو کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا ۔ مگر جب جاگتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ اصلی نہ تھا بلکہ صرف خواب و خیال تھا تو کس وجہ سے ہمکو یقین ہے کہ جو کچھ ہم حالت بیداری میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ دراصل صحیح اور واقعی ہے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے اِس وقت کی حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسری حالت پیش آوے جو ہماری بیداری کی حالت کے ساتھ ایسی ہی مناسبت رکھتی ہو جیسیکہ ہماری بیداری کی حالت خواب کے ساتھ ہے اور اُس وقت ہمکو معلوم ہو کہ ہماری حالت بیداری کی درحقیقت خواب کی حالت تھی ٭

مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی حالت کا احتمال ہمارے یقین کو کافی نہیں ہمکو یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت ایسی بھی کوئی حالت ہے اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہے ۔ جسکے عقل کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے ٭

مَیں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ورائے عقل کے اَور کوئی طریقہ بھی ہو جس سے صورت یا کیفیت روح کی تبدیل ہو جاوے اور وہی تبدیل یا ترقی آلہ حصول علم یا یقین یا ایمان کی ہو اور اس کیفیت میں اور اُس پہلی کیفیت میں ایسا ہی فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اُس شخص میں جو صرف

تندرستی کے حال سے واقف ہو فرق ہے +

پھر مجھ کو خیال آیا کہ تندرستی کے حال سے واقف ہونا بغیر تندرست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کی تبدل کی حالت میں اس بات کی تمیز کرنے کے لیئے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماری کی حالت کون سی ہے۔ کیا چیز ہے جو وہی تبدل صورت یا کیفیت روح تو اُسکی تمیز ہو نہیں سکتی لامحالہ دوسری چیز چاہیئے اور وہ دوسری چیز بجز عقل کے اَور کوئی نہیں ہے اس لیئے کسی طرف جاؤ اور کہیں سے پھیر کھا کر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے +

اِن تمام خیالوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ عام لوگوں میں جو یہ مسئلہ ہے کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کچھ علاقہ نہیں ہے یقینی غلط ہے اور جب مَیں نے مذہب اسلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا۔ تو اُسکی سچائی پر اور اُس مسئلہ کی غلطی پر اَور بھی کامل یقین ہوا +

## ہمدردی

## ہر کوئی اپنی آپ ہمدردی کرتا ہے

کیا دھوکہ کی چیز ہے۔ کیا بھلاوے میں پڑے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت میں مدد کرنا ہمدردی کرنا ہے۔ کیا قدرت کا کوئی کام بیفائدہ ہے ؟ نہیں۔ گو ہم بہتوں کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کیا ہم اُس فایدے میں شریک نہیں ؟ نہیں بیشک واسطہ یا بلا واسطہ یا واسطہ در واسطہ شریک ہیں۔ پھر دوسرے کی مدد کرنا کہاں رہا۔ بلکہ اپنی آسایش کے کسی وسیلہ سے اپنی آپ مدد کرنا ہوا۔ اِس لیئے جو لوگ ہمدردی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی آپ مدد کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ خود اپنی آسایش کے وسیلہ کو نقصان پہنچاتے ہیں +

ہمدردی کا لفظ ہمارے خیال کو ایسی امداد کی طرف لیجاتا ہے جو رنج و مصیبت کی حالت میں ہو لیکن اگر ہم مصیبت کے لفظ کی اصلی مراد پر غور نہ کریں تو ضرور غلطی میں پڑیں +

عام مفہوم مصیبت کا جو اِس لفظ سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے بلکہ ایک نسبتی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ جو چیز کہ ایک کے لیئے مصیبت ہو ممکن ہے کہ دوسرے کے لیئے نہ ہو۔ وہ عادت اور استعمال سے ایسی مختلف ہو جاتی ہے کہ مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کسی جوشش کے

سبب سے ایسی بدل جاتی ہے کہ بالکل راحت سمجھ میں آتی ہے۔ بیشک یہ تمام مفہوم نسبتی ہیں اور جو اصلی مفہوم ہے وہ ایسی حالت کا ہونا یا واقع ہونا ہے جو قدرتی فرحت اور راحت کے برخلاف ہو ؛

اُس حالت کا ہونا غیر اختیاری حالتوں کا ہونا ہے اور واقع ہونا اختیاری حالتوں کا۔ مگر پچھلی حالت اگر نتیجہ کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب سے ہے تو مجازاً وہ پہلی ہی سی ہے ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ہے اور اس لیئے اس میں ہمدردی نہیں پس اصلی یا اصلی سی مصیبت میں کسی کی مدد کرنا البتہ سچی ہمدردی ہے ؛

رحم اور موانست اور ہمدردی شاید نتیجہ میں متحد ہوں مگر ہر ایک کا منشا مختلف ہے۔ رحم ایک فطرتی نیکی ہے جو ہمجنس اور غیر ہمجنس دونوں کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ موانست کا اثر صرف ہمجنسوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ ہمدردی جو عقل کے نتیجوں میں سے ہے ذی عقل ہی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس لیئے صرف انسان ہی میں منحصر ہے۔ پس جس میں ہمدردی نہیں اُسکی انسانیت میں نقصان ہے ؛

قدرتی قاعدے کے مطابق ہمدردی کے بقدر تفاوت اپنی آسایش کے وسیلوں کے متفاوت درجے ہیں۔ جس طرح کہ باپ۔ بھائی۔ جورو۔ بچے۔ پھر اَور درجہ بدرجہ کے رشتہ مند پھر اپنے مُلک کے۔ پھر اپنے ہمسایہ مُلک کے۔ پھر اس سے دُور کے مُلک کے باشندے درجہ بدرجہ ہماری آسایش کے وسیلے ہیں۔ اسیطرح اُس قادر مطلق کی کامل قدرت نے ہمدردی کے رشتہ کی مضبوطی اور استواری کو بھی درجہ بدرجہ بنایا ہے۔ باپ کو بیٹے سے جو جوش ہمدردی ہے وہ پوتے سے نہیں۔ اور جو پوتے سے ہے وہ پڑپوتے سے نہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ہے اُتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے مُلک یا اپنے ہمسایہ مُلک یا اُس سے دُور کے مُلک تک پہونچتا ہے تو اَور بھی پتلا ہو جاتا ہے ؛

بعضے کہتے ہیں کہ "یہ ایک دھوکہ ہے اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے اور یہ متفاوت درجے قدرتی ہیں تو انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں کیوں وہ ہمدردی نہیں حقیقت میں یہ صرف ایک خیال ہے جس سے موانست پیدا ہوتی ہے اور وہی باعث ہمدردی ہے۔ نفرت جو اُسکی ضد ہے اِس کا بخوبی ثبوت کرتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو باوجود موجود ہونے قدرتی رشتہ کے کچھ بھی ہمدردی نہیں رہتی ؛

بیشک ایسا یا ایسا سا ہوتا ہے مگر اسمیں کچھ غلطی بھی ہے۔ قریب رشتہ والا بنسبت دور کے رشتہ والے کے بلاشبہ ہمسے زیادہ تر جزئیت رکھتا ہے اور اسیطرح بعید بنسبت ابعد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتی ہے تو وہ ہمدردی بھی قدرتی ہے۔ ہاں موانست اُسکو نہایت تیز کر دیتی ہے اور کبھی ایسی جو قدرتی سی معلوم ہوتی ہے نفرت اُسکی تیزی کو دباتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے جو بجھی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔ انجان بیٹے اور ان پچھان باپ ہیں جو وہ چمکتی نہیں نہ اس لیئے کہ وہ نہیں ہے بلکہ اس لیئے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جزو جو علم یعنی دانستن ہے وہ نہیں ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جو ہمدردی اعلیٰ ہے وہ مذمت میں اعلےٰ اور صفت میں ادنیٰ ہے اور جو ادنیٰ ہے وہ مذمت میں ادنیٰ اور صفت میں اعلےٰ ہے۔ اس لیئے کہ ایک میں کھونا قدرتی صفت کا اور دوسری میں ضعف ہونا قدرتی صفت میں ہے ؂

قریبوں سے ہمدردی نکرنی نہایت بخصلت قابل سزا کے ہے اس لیئے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدہ کو توڑتا ہے اور کرنی کچھ بڑی صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اُسکے کرنے پر مجبور کر رکھا ہے بعیدوں سے ویسی نکرنی کچھ سخت مذمت نہیں اس لیئے کہ قدرت کے کسی مستحکم قاعدہ کی برخلافی نہیں اور کرنی نہایت عُمدہ صفت ہے کیونکہ قدرت کے منشار کو بدرجۂ اتم کامل کرتا ہے ؂

افسوس ہے کہ یہ عُمدہ صفت کبھی دھوکہ کھاکر معیوب بھی کر دی جاتی ہے جبکہ پہلی کو ادنےٰ صفت سمجھکر چھوڑتے ہیں اور دوسری کو اعلےٰ صفت سمجھکر پکڑتے ہیں۔ مگر پہلی کے چھوڑنے کی بُرائی دوسری کی بھلائی کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ پس سچی ہمدردی وہی ہے جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشار کی تکمیل کے لیئے ہو ؂

کیا عُمدہ اور سہل طور پر عام عملدرآمد کے لائق کر دیا ہے۔ اِس مضمون کو بڑی قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ہم سے یوں کہا۔ لیس[۱] البر ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولٰکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ

---

[۱] نیکی یہی نہیں کہ مُنہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اُس کی محبت پر قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں ؂

والکتاب والنبیین واتی المال علیٰ حبہٖ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب"۔ جو عمدہ ترتیب ہمدردی کی اسمیں بتائی ہے وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ہے اُسی نے یہ عملی قانون ہمکو دیا ہے۔ بے شک دونوں کا بانی ایک ہی ہے جس کے فعل اور قول دونوں کا ایک ہی مقصد ہے ؎

## رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحریروں سے اخذ کر کر لکھتے ہیں۔ کیا عمدہ قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ " انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اُس کے تمام قوٰی اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبت اور تناقض واقع نہ ہو بلکہ سب ملکر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو" مگر جس قوم میں کہ پورانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی اُن رسموں پر نہ چلنے والا مطعون اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشا معلوم ہو جاتا ہے ؎

ایک اَور بڑے دانا شخص کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہونچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کہیں معاشرت کا قاعدہ جسپر کوئی چلتا ہے خاص اُسکی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگلی روایتوں پر یا پورانی رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوشحالی ہر فرد بشر کی اور نیز کل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُس ملک میں جہاں رسموں کی پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے ؎

کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اَور کچھ مطلق نہ کرنا چاہیئے اور نہ کوئی شخص یہ کہے گا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسری کے طریقے اور اپنے کاروبار کی کاروائی میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہیئے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو اُسکی جوانی میں اس طرح سے تعلیم ہونی چاہیئے کہ اَور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُسکی عقل پختگی پر پہونچے تو خود اُن کی بھلائی اور بُرائی کو جانچے ؎

بے سوچے اور بے سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی

کی اُن صنعتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ نے ہر آدمی کو جُدا جُدا عنایت کی
ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی بُرائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے
اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور بُرائی
تجویز کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورت میں ممکن ہے جبکہ ہمکو ہر بات کے پسند یا ناپسند
کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات
کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے
اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاویں
اُن قوتوں کو اَوروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے
لیئے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بندر میں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں +

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے زمانہ حال پر
نظر کرنے کے لیئے اُسکو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لیئے قوت تجویز
اور اُس کا تصفیہ کرنے کو قوت استقرار اور بھلا بُرا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے
تصفیہ کے بعد اُسپر قایم رہنے کے لیئے قوت استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے
کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کَل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کر دیا ہے اُسی کو انجام
دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور
جن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چہار طرف پھیلے اور بڑھے۔ پھُولے اور پھلے ؛

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی فہم اور اپنی عقل سے کام لیں
اور رسم و رواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں یعنی جو عمدہ و مفید ہیں اُن کو اختیار کریں
جو قابل اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ
اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے لپٹے رہیں ؛

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں
مُبتلا ہو جاتا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اِس لیئے کہ انسان کی ذات میں جیسیکہ خراب کام کرنے کی
قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا
نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے۔ پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات
کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو شگفتہ اور

شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پژمردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پژمردہ نہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اَور کسی بات کا ارتکاب نہو +

ہمارے زمانہ میں ہر شخص اعلےٰ سے لیکر ادنیٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہمکو کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند اور ہماری پسند کے لائق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں اُن کا ظہور نہایت عمدگی سے کس طرح پر ممکن ہے اور کونسی بات اُن کی ترقی اور شگفتگی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور رُتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے۔ میرے رتبہ اور مقدور کے آدمی کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہو اتو وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پُوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے برتر ہیں اور رتبہ اور مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجالاتے ہیں تاکہ یہ شخص بھی ویسا ہی کرکر اُنہی کی سی شان میں شامل ہو +

اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجالاتے ہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی سے اُن رسومات کو اَور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور بہ ترجیح دیگر پسند کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اَور کسی بات کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اسی لیئے طبیعت خود متحمل اور مطیع رسموں کی پابندی کی ہو جاتی ہے یہانتک کہ جو باتیں دل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں اُن میں بھی اَوروں کے مطابق کام کرنے کا خیال اوّل دل میں آتا ہے۔ غرض کہ اُن کی پسند تو وہی ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور اصلی سلیقہ جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اُس سے ایسی ہی گریز کی جاتی ہے جیسیکہ جرموں سے یہانتک کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نکرتے نکرتے اُن میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور اُن کی ذاتی قوتیں بالکل پژمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکلیہ ضایع ہوجاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً ایسی طبعزاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص اُن کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں اب

غور کرنا چاہیئے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ÷

رسومات جو مقرر ہوئی ہیں غالباً اُس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہوئیں مفید تصور کی گئیں ہوں مگر اِس بات پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق ہو یا اُس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور اُس زمانہ میں مفید ہو الاحال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ مضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہو غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان کا باعث ہے اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوت ایجاد باطل ہو جاتی ہے ÷

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسوم کی پابندی میں اُسکی بھلائی و برائی و مفید و غیر مفید و مناسب حال و مطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے اُسکی پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لیئے دوسری حالتیں جو قوتیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں الا پہلی حالت میں معدوم و نابود ہو جاتی ہیں ÷

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مزاحم ہے چنانچہ وہ پابندی ایسی قوت طبعی کے جس کے ذریعہ سے بہ نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنے کا قصد کیا جاوے برابر مخالف رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے ÷

اِسی لیئے کو دُنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی ملکوں کا حال دیکھو کہ اُن ملکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے۔ اُن ملکوں میں مذہب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھو کہ مشرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا ابتر اور خراب اور ذلیل حال ہے ÷

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوت عقل اور جودت طبع اور مادہ ایجاد ضرور

موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب رسمیں ہیں اس لیئے کہ اُن کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور حسن معاشرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں اُنھوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جُودت طبع سے ایجاد کی تھیں اور انہی وجوہات سے دنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہو گئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسومات کی پابندی سے اُن کا مآل یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہیں جن کے آبا و اجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے۔ جس وقت اُن قوموں کے آبا و اجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے اِسکا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کسی قدر تھی تو اُس کے ساتھ ہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا ﴿

تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے۔ یہ اسی وقت مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گذر گیا اور تنزل اور ذلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے ﴿

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور اُن رسموں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں ﴿

یہ اعتراض صحیح ہے اور درحقیقت یورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی جیسیکہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بدنصیبی کا دن پیش آویگا مگر یورپ میں اور مشرقی ملکوں کی پابندی رسومات میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسومات کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں۔ اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لوگ پسند کریں فی الفور پرانی رسم چھوڑ دی جاوے گی اور نئی رسم پیدا کر لیجاوے گی اور اس سبب سے اُن لوگوں کے قوائے عقلی اور حالت تمیز اور قوت ایجاد

ضائع نہیں ہوتی ۔

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو اب انگریزوں کی ہے اُن کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی
پوشاک بدل دی ہے ۔ ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اُس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے
اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سا شکل اَوروں کی لباس پہنے ۔ اس وقت کوئی رسم
یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اُس کے برخلاف مگر اُس سے عمدہ
ایجاد کرے اور لوگ اُسپر اتفاق کریں اُسیوقت تبدیل نہ ہوسکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ ان کی
ترقی بھی ہوتی جاتی ہے ۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ اُن کی جگہ
بہتر کلیں ایجاد نہ ہوجاویں وہ بدستور رہتی ہیں مُلکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ
مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی
رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور ناواقفیت کا سبب ہے ۔

البتہ یورپ میں اور بالتخصیص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لایق
خواہش کے ہے اور درحقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہوسکتی وُہی بات
اُسکی تنزل کا باعث ہوگی بشرطیکہ اُسکی اصلاح نہ ہوتی رہیگی اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو محب وطن
مین نامی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کل قوم کے لوگ یکساں
ہوجاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں مسائل اور قواعد کے تحت حکومت کر دیں اور
ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اب خاص خاص لوگوں
اور فرقوں کے پائے جاتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عادتیں قایم ہوئی ہیں وہ اب
روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں ۔ انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں
کے لوگ اور مختلف ہمسایوں کے لوگ اور مختلف پیشہ والے گویا جُدی جُدی دنیا میں رہتے تھے
یعنی سب کا طریقہ اور عادت جُدا جُدا تھی ۔ اب وہ سب طریقے اور عادتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ
ہوگئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک محلے کے رہنے والے ہیں ۔ انگلستان میں بہ نسبت سابق کے
اب بہت زیادہ رواج ہوگیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سی باتیں
سنتے ہیں اور ایک ہی سی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں
باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور
آزادی سب کو حاصل ہے اور اُن حقوق اور آزادیوں کے قایم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں

اور یہ مشابہت اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے - اور تعلیم و تربیت کی مشابہت اور مساوات سے اسکو اور زیادہ وسعت ہوتی ہے - تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں - اور جو عام ذخیرہ حقایق اور مسایل اور رایوں کا موجود ہے اُس پر سب کو رسائی ہوتی ہے - آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے - کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسایش اور آرام کے وسیلے اور فایدے زیادہ شایع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی ہمتی بلکہ بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے کام ایسی حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ ہر شخص اُن کے کرنے کو موجود مستعد ہوتا ہے کسی خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہتا ہے بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگلستان کے تمام لوگوں کی رائیں اور عادتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت یکساں ہوتے جاتے ہیں اور بلاشبہ ملک اور قوم کے مہذب ہونے کا اور ترقی پر پہونچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عمدہ نتیجہ ہے کہ اُس سے عمدہ نہیں ہو سکتا +

مگر با وصف اسکے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اُسکی اصلاح نہ ہوتی رہے باعث تنزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہمکو کہنا پڑے گا کہ کیوں یہ عمدہ نتیجہ باعث تنزل ہوگا - سبب اس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک سی طبیعت اور عادت اور خیال کے ہوجاتے ہیں تو اُن کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عمدہ عمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعد حسن معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زایل اور کمزور ہوجاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزل شروع ہوجاتا ہے +

اس معاملہ میں ہمکو ملک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے چینی بہت لایق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو عقلمند بھی ہیں اور اُس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی رسمیں قایم ہوگئیں - اور یہ کام اُن لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے +

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عمدہ سے عمدہ دانش اور عقل کی باتیں اُن کو حاصل ہیں اُن کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لیئے کہ

جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہدے ملیں نہایت عمدہ طریقے اُن میں رایج ہیں۔ اور وہ طریقے حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستور قایم رکھا اُنھوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پالیا اور اِس لیئے چاہیئے تھا کہ وہ قوم تمام دنیا میں ہمیشہ افضل رہتی مگر برخلاف اِس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہوگئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی کچھ اَور ترقی ہوگی تو بے شک غیر ملکوں کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اِس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہوگئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہوگئے اور سب کے سب یکساں قواعد اور مسائل کی پابندی میں پھنس گئے اور اِس سبب سے وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہوگئیں ✤

پس جبکہ ہم مُسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسوات بھی عمدہ اصول و قواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلا خیال اَور قوموں کے اختلاط سے آگئی ہے جس میں ہزاروں نقص اور بُرائیاں ہیں اور پھر ہم اُن رسموں کے پابند ہوں اور نہ اُن کی بھلائی بُرائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھوندی سے اُنھی کی پیروی کرتے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا حال کیا ہوگیا ہے اور آیندہ کیا ہونیوالا ہے ✤

ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہوگئی ہے اور اَب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کرسکیں اِس لیئے بجز اِس کے کہ دوسری قوم ہماری ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اَور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اِس کے کہ ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو۔ تب ہم پھر اِس قابل ہوں گے کہ خود اپنی ترقی کے لیئے کچھ کرسکیں ✤

مگر جبکہ ہم دوسری قوموں سے ازراہ تعصب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا گو وہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے تعصب یا رسم و رواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو پھر ہمکو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے ✤

مگر جو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اِس لیئے ہمکو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی بسر

کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات شرعیہ
میں سے ہے یا محرمات شرعیہ میں سے۔ درصورت ثانی بلاشبہ ہکو احتراز کرنا چاہیئے اور درصورت
اوّل بلالحاظ پابندی رسوم کے اور بلالحاظ اِس بات کے کہ لوگ ہمکو بُرا کہتے ہیں یا بھلا اُس کو
اختیار کرنا ضرور بلکہ واسطے ترقی قومی کے فرض ہے ✦

خدا ہمہ مسلمانان را برین کار توفیق دہد ✦ آمین ✦

## آزادی رائے

ہم اپنے اس آرٹیکل کو ایک بڑے لائق اور قابل زمانہ حال کے فیلسوف کی تحریر سے اخذ کرتے
ہیں۔ رائے کی آزادی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک انسان اُسپر پورا پورا حق رکھتا ہے۔ فرض کرو
کہ تمام آدمی بجز ایک شخص کے کسی بات پر متفق الرائے ہیں مگر صرف وہی ایک شخص اُن کے
برخلاف رائے رکھتا ہے تو اُن تمام آدمیوں کو اُس ایک شخص کی رائے کو غلط ٹھہرانے کے لیئے
اُس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہے جتنا کہ اُس ایک شخص کو اُن تمام آدمیوں کی رائے کے
غلط ثابت کرنے کا (اگر وہ ثابت کر سکے) استحقاق حاصل ہے کوئی وجہ اِس بات کی نہیں ہے کہ
پانچ آدمیوں کو تو بمقابلہ پانچ آدمیوں کی رایوں کے غلط ٹھہرانے کا استحقاق ہو اور ایک آدمی کو
بمقابل نو آدمیوں کے یہ استحقاق نہ ہو رائے کی غلطی آدمیوں کی تعداد کی کمی بیشی پر منحصر نہیں
ہے بلکہ قوت استدلال پر منحصر ہے جیسے کہ یہ بات ممکن ہے کہ نو آدمیوں کی رائے بمقابلہ ایک شخص
کے صحیح ہو ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کی رائے بمقابل نو کے صحیح ہو ✦

رایوں کا بند رہنا خواہ بسبب کسی مذہبی خوف کے اور خواہ بسبب اندیشہ برادری و قوم کے
اور خواہ بدنامی کے ڈر سے اور یا گورنمنٹ کے ظلم سے نہایت ہی بُری چیز ہے۔ اگر رائے اِس
قسم کی کوئی چیز ہوتی جس کی قدر و قیمت صرف اُس رائے والے کی ذات ہی سے متعلق اور
اُسی میں محصور ہوتی تو رایوں کے بند رہنے سے ایک خاص شخص کا یا معدودے چند کا نقصان
متصور ہوتا مگر رایوں کے بند رہنے سے تمام انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور کل انسانوں کو
نقصان پہونچتا ہے اور نہ صرف موجودہ انسانوں کو بلکہ اُن کو بھی جو آیندہ پیدا ہونگے ✦

اگرچہ رسم و رواج بھی اُس کے برخلاف رایوں کے اظہار کے لیئے ایک بہت قوی مزاحم کار
گنا جاتا ہے لیکن مذہبی خیالات مخالف مذہب رائے کے اظہار اور مشتہر ہونے کے لیئے نہایت

اقوے مزاحم کار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اُس مخالف رائے کا ظاہر ہونا اُن کو ناپسند ہوا ہے بلکہ اُسی کے ساتھ جوش مذہبی اُمنڈ آتا ہے اور عقل کو سلیم نہیں رکھتا۔ اور اُس حالت میں اُن سے ایسے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں جو اُنھیں کے مذہب کو جس کے وہ طرفدار ہیں مضرت پہونچاتے ہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ مخالفوں کے اعتراض لامعلوم رہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ بسبب پوشیدہ رہنے اُن اعتراضوں کے اُنھیں کے مذہب کے لوگ اُن کے حل پر متوجہ نہ ہوں اور مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کیئے اور بلا دفع کیئے باقی رہ جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ اُن کی آیندہ نسلیں بسبب بلا تحقیق باقی رہ جانے اُن اعتراضوں کے جس وقت اُن اعتراضوں سے واقف ہوں اُسیوقت مذہب سے منحرف ہو جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ اُس مذہب کو جس کے وہ پیرو ہیں مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت ہی اندیشہ ہے اگر اُنھی کے مذہب کا کوئی شخص بغرض حصول اغراض مذکورہ اُن کا پھیلانا چاہیئے تو خود اُسکو معترض کی جگہ تصور کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے دوست کو دشمن قرار دیتے ہیں ؎

کیا عمدہ رائے اُس فیلسوف کی ہے کہ "کسی رائے کے حامیوں کا اُس رائے کے برخلاف رائے کے مشتہر ہونے میں مزاحمت کرنے سے خود اُن حامیوں کا بہ نسبت اُن کے مخالفوں کے زیادہ تر نقصان ہے اس لیئے کہ اگر وہ رائے صحیح و درست ہو تو اُسکی مزاحمت سے غلطی کے بدلے صحیح بات حاصل کرنے کا موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر وہ غلط ہے تو اس بات کا موقع باقی نہیں رہتا کہ غلطی اور صحت کے مقابلہ سے جو صحت کو زیادہ استحکام اور اُسکی سچائی زیادہ تر دلوں پر مؤثر ہوتی ہے اور اُسکی روشنی دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اس نتیجہ کو حاصل کریں جو فی الحقیقت نہایت عمدہ فائدہ ہے" ؎

کچھ شبہ نہیں ہے کہ عموماً مخالف اور موافق رایوں کا پھیلنا اور منتشر ہونا خواہ وہ دینی معاملہ سے علاقہ رکھتی ہوں یا دنیوی معاملہ سے نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے دونوں قسم کی رایوں پر جُدا جُدا غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اُن میں سے کونسی بہتر ہے یا اُن دونوں کی تائید ایسے دلائل سے ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ایک کے مناسب ہیں۔ ہمکو اس بات کا کبھی یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ جس رائے کی مزاحمت میں پابند رہنے میں ہم کوشش کرتے

ہیں وہ غلط ہی ہے اور اگر یقین بھی ہو کہ وہ غلط ہے تو بھی اُسکی مزاحمت اور اُس کا انسداد بُرائی سے خالی نہیں ✦

فرض کرو کہ جس رائے کا بند کرنا ہم چاہتے ہیں حقیقت میں وہ رائے صحیح و درست ہے اور جو لوگ اُس کا انسداد چاہتے ہیں وہ اُسکی درستی اور صحت سے مُنکر ہیں مگر غور کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ یعنی اُس رائے کے بند کرنیوالے ایسے نہیں ہیں جن سے غلطی اور خطا ہونی ممکن نہ ہو تو اُن کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اُس خاص معاملہ کو تمام انسانوں کے لیئے خود فیصل کریں اور اَور شخصوں کو اپنی رائے کام میں لانے سے محروم کر دیں کسی مخالف رائے کی سماعت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ ہمکو اُس کے غلط ہونے کا یقین ہے گویا یہ کہنا ہے کہ ہمارا یقین یقین کامل کا رُتبہ رکھتا ہے اور اُسپر بحث و گفتگو کی ممانعت کرنا ابنیاء سے بھی بڑھ کر اپنا رُتبہ ٹھہرانا ہے اور اپنے تئیں ایسا سمجھنا ہے کہ ہم سے سہو و خطا کا ہونا ناممکن ہے ✦

انسانوں کی سمجھ پر بڑا افسوس ہے کہ جس قدر کہ وہ اپنے خیال و قیاس میں اپنے سے اس مشہور مقولہ کی سند پر کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" سہو و خطا کا ہونا ممکن سمجھتے ہیں اُس قدر اپنی رایوں اور اپنی باتوں کے عملدرآمد میں نہیں سمجھتے اُن کی عملی باتوں سے اُسکی قدر و منزلت نہایت ہی خفیف معلوم ہوتی ہے - گو خیال و قیاس میں اُسکی کیسی ہی بڑی قدر و منزلت سمجھتے ہوں - اگرچہ سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے سہو و خطا ہونی ممکن ہے مگر بہت ہی کم آدمی ایسے ہوں گے جو اُس کا خیال رکھنا اور از روئے عمل کے بھی اُسکی احتیاط کرنا ضرور سمجھتے ہوں اور عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہوں کہ جس رائے کی صحت کا اُن کو خوب یقین ہے شاید وہ اُسی سہو و خطا کی مثال ہو جس کا ہونا وہ اپنے سے ممکن سمجھتے ہیں ✦

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعظیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سہو و خطا ہونے کا احتمال بھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسی قدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور حجت اور تکرار ہوتے ہوئے سُنتے ہیں اور کچھ کچھ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہ ہونے پر اُسکو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہر ایک رائے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن

رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہے جن کو وہ لوگ جو اُن کے اِردگرد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جن کی بات کو وہ نہایت ادب و تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں اُن رایوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص جس قدر اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں رکھتا وہ شخص اُسی قدر دنیا کی رائے پر عموماً زیادہ تر اعتماد رکھتا ہے جس کو بعضی اصطلاحوں میں جمہور کی رائے یا جمہور کا مذہب کہا جاتا ہے ۔

مگر یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے یا جمہور سے کیا مراد ہوتی ہے ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص معدود مراد ہوتے ہیں جن سے وہ اعتقاد رکھتا ہے یا جن سے وہ ملتا جلتا ہے مثلاً اُسکے دوستوں یا ہم رایوں کا فریق یا اُسکی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و رتبہ کے لوگ۔ پس اُس کے نزدیک تمام دنیا اور جمہور کے معنی اُنہی میں ختم ہوجاتے ہیں۔ اور اِس لیئے وہ شخص اِس رائے کو دنیا کی یا جمہور کی رائے سمجھکر اُس کی درستی پر زیادہ تر یقین کرتا ہے۔ اِس ہیئت مجموعی رائے کا جو اعتماد اور یقین اُسکو زیادہ ہوتا ہے اور ذرا بھی اُسمیں لغزش نہیں آتی۔ اُس کا سبب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ اِس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُسکے زمانہ سے پہلے اَور زمانوں کے اور مُلکوں کے۔ اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا رائے رکھتے تھے اَور اَب بھی اَور مُلکوں اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا رائے رکھتے ہیں۔ ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اِس بات کی جوابدہی کو کہ درحقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہے اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذمہ ڈالتا ہے پس جو کچھ اُسکی رائے یا اُس کا حال ہو کچھ بھی اعتبار اور یقین کے لایق نہیں ہے اسلیئے کہ جن وجوہات سے وہ شخص بسبب مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اِس وقت بڑا متقدس مسلمان ہے اُنہی وجوہات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا مُلک یا بُت پرست خاندان یا مُلک میں پیدا ہوتا تو وہ بھلا چنگا عیسائی یا بُت پرست ہوتا وہ مطلق اِس بات کا خیال نہیں کرتا کہ جس طرح کسی خاص شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہے اُسی طرح اُسکی فرضی دنیا اور خیالی جمہور کی تو کیا حقیقت ہے زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن ہے۔ تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قایم ہوئیں اور مسلّم قرار پائیں جو اُس کے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سراسر لغو و مہمل سمجھی گئیں اور یقیناً اِس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروّج ہوں گی جو کسی آیندہ زمانہ میں اسی طرح مردود اور

نامعقول ٹھہریں گی جیسیکہ بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مروج تھیں اور اب مردود ہوگئی ہیں :

اس تقریر پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جو لوگ مخالف رائے کو غلط اور مضر سمجھکر اسکی مزاحمت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اِس بات کا دعویٰ کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد و بری ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُن پر باوصف قابل سہو وخطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہے اگر لوگ اِس وجہ سے اپنی رایوں کے موافق کاربند نہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی نہیں کرسکتا۔ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ حتی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قایم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُن کی درستی کا بخوبی یقین ہوجاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور مزاحمت کرنے میں کوشش کریں۔ آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عُمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقین کامل کسی امر میں نہیں ہوسکتا مگر ایسا یقین ہوسکتا ہے جو انسان کے مطالب کے لیئے کافی ہو۔ انسان اپنی کارروائی کے لیئے اپنی رائے کو درست وصحیح سمجھ سکتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اس سے زیادہ اَور کوئی بات اُس صورت میں اختیار نہیں کرتے جبکہ وہ خراب آدمیوں کو ممانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شایع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد اور مضر ہیں لوگوں کو خراب یا بداخلاق یا بدمذہب نہ کریں :

مگر مخالف رائے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اپنے تئیں قابل سہو وخطا سمجھ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہے بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہے اِس بات میں کہ ایک رائے کو اِس وجہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُسپر اعتراض و حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہوسکی اور اِس بات میں کہ ایک رائے کو اِس وجہ سے مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کی کسی کو اجازت نہیں ہوئی زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ پس مخالف رایوں کی مزاحمت کرنے والے اپنی رائے کو اِس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُسکی تردید نہیں ہوسکی بلکہ اِس لیئے صحیح ٹھہراتے ہیں کہ اُس کی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس شرط سے ہم بطور جائز اپنی رائے کو عملدرآمد ہونے کے لیئے درست قرار دے سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اِس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس رائے کے برخلاف کہیں اور اُسکو غلط ثابت کریں اِس کے سوا اَور کوئی صورت نہیں ہے کہ انسان

جس کے قوائے عقلی اور اَور روی کامل نہیں ہیں - اپنے آپ کو راہ راست ہونے کا یقین کر سکے
اہل مذاہب جو صرف اپنے معتقد فیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ بھی اس بات پر
مباحثہ اور اظہار رائے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پر اُن کا عملدرآمد اور چال چلن یا اعتقاد اور
خیال ہے وہ صحیح طور سے اُن کے معتقد فیہ کی پیروی ہے یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے
آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے *

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں
انسانوں کا یہی حال ہے کہ سو میں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دقیق معاملہ
پر رائے دے اور ننانوے شخص اس میں رائے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اس ایک
آدمی کی رائے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہے اس لیئے کہ اگلے زمانہ کے لوگوں میں
اکثر آدمی جو سمجھ بوجھ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی
روشن ہو گئی ہے - بہت سی ایسی باتیں اُن کو پسندیدہ اور اُن کے عملدرآمد تھیں جن کو اب
کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں ہمیشہ معقول
رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہے مگر اس کا سبب بجز انسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ
صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہے اَور کوئی نہیں - اور وہ صفت یہ ہے کہ انسان کی
غلطیاں اصلاح کی اصلاحیت رکھتی ہیں یعنی انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ
سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے پس انسان کی رائے کی تمام قوت اور قدر و منزلت
کا حصر اس ایک بات پر ہے کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جا سکتی ہے مگر اُسپر اعتماد اُسی وقت
کیا جا سکتا ہے جبکہ اُس کے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ برتاؤ میں رکھے جاویں - خیال کرنا
چاہیئے کہ جس آدمی کی رائے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہے اُسکی وہ رائے اس قدر و منزلت
کو کس وجہ سے پہونچی ہے - اسی وجہ سے پہونچی ہے کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اس بات
کو گوارا رکھا ہے کہ اُس کی رائے پر نکتہ چینیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہ ٹھہرایا ہے
کہ اپنے مخالف کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سُنا اور اُسمیں جو کچھ درست اور واجب تھا
اُس سے خود مستفید ہونا اور جو کچھ اُسمیں غلط اور ناواجب تھا اُسکو سمجھ لینا اور موقع پر اُس غلطی سے
اَوروں کو بھی آگاہ کر دینا ایسا شخص گویا اس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہے کہ جس طریقہ سے انسان
کسی معاملہ کے کل مدارج کو جان سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُسکی بابت ہر قسم کی رائے کے

لوگوں کی گفتگو کو سُنے اور جن جن طریقوں سے ہر سمجھ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اُس معاملہ
پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے ۔ کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اِس طریقہ کے
اَور کسی طرح پر حاصل نہیں کی ۔ انسان کی عقل و فہم کا خاصہ یہی ہے کہ وہ اِس طور کے سوا
اَور کسی طور سے مہذب اور معقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اِس بات کی مستقل عادت کے
سوا کہ اپنی رائے کو اَوروں کی رایوں سے مقابلہ کر کے اُس کی اصلاح و تکمیل کیا کرے اور کوئی
بات اُسپر اعتماد کرنے کی وجہ متصور نہیں ہو سکتی اس لیئے کہ اِس صورت میں اُس شخص نے
لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُس کے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سُنا اور تمام معترضوں کے
سامنے اپنی رائے کو ڈالا اور بعوض اس کے کہ مشکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپاوے خود اُنکے
جُستجو کی اور ہر طرف سے جو کچھ روشنی پہونچی اُسکو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اِس بات کے
خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ میری رائے ایسے شخص یا اشخاص سے جنہوں نے اپنی
رائے کو اس طرح پر پختہ نہیں کیا بہتر و فایق ہے ؛

جس شخص کو اپنی رائے پر کسی قدر بھروسا کرنے کی خواہش ہو یا یہ خواہش رکھتا ہو کہ عام
لوگ بھی اُسکو تسلیم کریں اُس کا طریقہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو عام مباحثہ
اور ہر قسم لوگوں کو اعتراضوں کے لیئے حاضر کرے اگر نیوٹن صاحب کی حکمت اور ہیئت اور
مسئلہ ثقل پر اعتراض اور حجت کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا اُسکی صحت اور صداقت پر ایسا
پختہ یقین نہ کر سکتی جیسا کہ اب کرتی ہے کیا کچھ مخالفت ہے جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے
ساتھ نہیں کی اور کونسی مذہبی لعن طعن ہے جو اُس سچے اور سچی رائے رکھنے والے حکیم کو
نہیں دیگئی مگر غور کرنا چاہیئے کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا ۔ یہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان کیا
حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اُسی کو سچ جانتے ہیں اور مذہبی
عقائد سے بھی زیادہ اُسکی سچائی دلوں میں بیٹھی ہے بغیر آزادی رائے کے کسی چیز کی سچائی
جہاں تک کہ اُسکی سچائی دریافت ہونی ممکن ہے دریافت نہیں ہو سکتی ۔ جن اعتقادوں کو
ہم نہایت جائز و درست سمجھتے ہیں اُن کے جواز و درستی کی اَور کوئی سند اور بنیاد بجز اِس کے
نہیں ہو سکتی کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُن کو بے بنیاد ثابت کریں ۔ اگر وہ لوگ
ایسا قصد نہ کریں یا کریں اور کامیاب نہ ہوں تو بھی ہم اُن پر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں
ہیں البتہ ایسی اجازت دینے سے ہمنے ایک ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُن کی صحت کا حاصل کیا ہے

جو انسانوں کی عقل کی حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسی حالت میں ہمنے کسی ایسی بات سے غفلت نہیں کی جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہونچ سکتی ہو - اور اگر امر مذکورہ پر مباحثہ کی اجازت جاری رہے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہے تو وہ اُس وقت ہمکو حاصل ہو جاوے گی جبکہ انسانوں کی عقل و فہم اُس کے دریافت کرنے کے قابل ہو گی - اور اس اثنا میں ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم راستی اور صداقت کے اس قدر قریب پہونچ گئے ہیں جس قدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا - غرضکہ ایک خطاوار وجود جس کو انسان کہتے ہیں اگر کسی امر کی نسبت کسی قدر یقین حاصل کر سکتا ہے تو اُس کا یہی طریقہ ہے جو بیان ہوا اور مسلمانی مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہے کہ الحق یعلو ولا یعلیٰ یہ اُسکی ایک ادنےٰ تفسیر ہے +

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جو انسانوں کو اور بعضی وقت نیک گورنمنٹوں کو بھی آزادی رائے کے بند کرنے پر مائل کرتا ہے اور وہ مسئلہ سود مندی کا ہے جس کو غلط اور جھوٹا نام مصلحت عام کا دیا گیا ہے واللہ درمن قال - برعکس نہند نام زنگی کافور - اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی رائے یا مسئلہ یا عقیدہ کی سچائی اور صحت پر بحث کرنے سے اس لیئے ممانعت کی جاتی ہے کہ گو وہ فی نفسہ کیسا ہی ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہے اور فی زمانا ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں یہ رائے بکثرت رائج ہے بلکہ اس گناہ کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہے اس رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ مباحثہ اور رایوں کی آزادی کا بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کی صحت اور سچائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مفید عام ہونے پر منحصر ہے مگر افسوس ہے کہ ایسی رائے رکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہی دعوئے سابق یعنی اپنے آپ کو ناقابل سہو و خطا سمجھنے کا جس سے اُنھوں نے توبہ کی تھی پھر پھرا کر پھر قائم ہو جاتا ہے - صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے وہ دعوے ایک بات پر تھا اب وُہی دعوے دوسری بات پر ہے - یعنی پہلے اُس اصل مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُسکے مفید عام ہونے پر ہے حالانکہ یہ بات بھی کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہے اسی قدر بحث و مباحثہ کا محتاج ہے جس قدر کہ وہ اصل مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہے +

ایسی رائے رکھنے والے اس غلطی پر ایک اَور دوسری غلطی یہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمنے صرف اُسکی اصلیت اور سچائی پر بحث کی ممانعت کی ہے اُس کے مفید عام

ہونے کی بحث پر ممانعت نہیں کی اور یہ نہیں سمجھتے کہ رائے کی صداقت خود اُس کے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہے ممکن نہیں کہ ہم کسی رائے کے مفید عام ہونے پر بغیر اُسکی صحت اور سچائی ثابت کیئے بحث کر سکیں - اگر ہم یہ بات جاننی چاہتے ہیں کہ آیا فلاں بات لوگوں کے حق میں مفید ہے یا نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس بات پر توجہ نہ کریں کہ آیا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھی ہے یا نہیں - ادنیٰ اور اعلےٰ سب اس بات کو قبول کریں گے کہ کوئی رائے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستی کے برخلاف ہے دراصل کسی کے لیئے مفید نہیں ہو سکتا ؛

یہ تمام مباحثہ جو ہم نے کیا ایسی صورت سے متعلق تھا کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہم نے غلط اور اُس کے برخلاف رائے کو جس کا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا - اب اس کے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں یعنی یہ فرض کرتے ہیں کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہے اور اُس کے برخلاف رائے جس کا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نادرست ہے اور اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اُس غلط رائے کا بھی بند کرنا خالی بُرائی اور نقصان سے نہیں ؛

ہر ایک شخص کو گو اُسکی رائے کیسی ہی زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسی ہی مشکل اور نارضامندی سے اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرے یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر اُس رائے پر کچھ بھی تمام اور نہایت بے باکی سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہو سکتا تو وہ ایک مردہ اور مردار رائے قرار دی جاوے گی نہ ایک زندہ اور سچی حقیقت اور وہ کبھی ایسی حق اور سچ بات قرار نہیں پا سکتی جس کا اثر ہمیشہ لوگوں کی طبیعتوں پر رہے ؛

گذشتہ اور حال کے زمانہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی دفعہ ظالم گورنمنٹوں نے بھی نہایت سچی اور صحیح بات کی رواج پر کوشش کی - الا اُن کے ظلم نے اُس پر آزادی سے مباحثہ کی اجازت نہیں دی - اور بہت سی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ نیک اور تربیت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچی اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اور لوگوں نے یا تو اس خیال سے کہ ہمارے مباحثہ اور دلائل کو اُس رائے میں کچھ مداخلت نہیں ہے یا کوئی التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں اُٹھایا یا اپنے وہمی خوف سے یا ارکین گورنمنٹ کی بدمزاجی کے ڈر سے اُنکی خلاف رائے کے کوئی بات نہ کہنی مصلحت وقت سمجھ کر یا یہ خیال کر کر کہ گورنمنٹ کیلئے کسی کے

برخلاف بحث کرنا خیر خواہی نہیں ہے مباحثہ کو ترک کر دیا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوا کہ اُس تجویز نے کسی کے دلوں میں مطلق اثر نہیں کیا اور ایک مردہ رائے سے زیادہ اور کچھ رتبہ لوگوں کے دلوں میں نہیں پایا ؛

یہ بات کہ سچی اور درست رائے بے مباحثہ و دلیل کے بھی طبیعتوں میں بیٹھ جاتی ہے اور گھر کر لیتی ہے ایک خوش اینڈ مگر غلط آواز ہے - دنیا کو دیکھو کہ گروہ کے گروہ ایک دوسرے کی متناقض رائے پر جمے ہوئے ہیں اور وہ متناقض رائیں اُن کے دلوں میں گھر کیئے ہوئے ہیں - پھر کیا وہ دونوں متناقض رائیں سچی اور صحیح ہیں - ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سی باتیں بے سمجھے اور بغیر دلیل کے اور بغیر مباحثہ کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں مگر اُن کا صحیح و درست ہونا ضرور نہیں - سچ میں کوئی ایسی اعجازی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود دلوں میں بیٹھ جاوے - اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ صرف اسیقدر ہے کہ مباحثہ کا اُسکو خوف نہیں - سچ رائے بھی اگر بلا دلیل و مباحثہ دل میں گھر کر لے تو وہ سچی رائے نہیں کہلاویگی بلکہ تعصب اور جہل مرکب اُس کا مناسب نام ہوگا مگر ایسا طریقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ایک ذیعقل مخلوق کے لیئے جیسا کہ انسان ہے شایاں نہیں اور نہ یہ طریقہ راستی و حق کے پہچاننے کا ہے بلکہ جو حق بات اس طرح پر قبول کی جاتی ہے وہ ایک خیال فاسد اور باطل ہے اور جن باتوں کو حق فرض کر لیا ہے اُن کا اتفاقیہ قبول کر لینا ہے ؞

نہایت سچ اور بالکل سچ تو یہ بات ہے کہ جس شخص نے جو رائے یا مذہب اختیار کیا ہے وُہی شخص اُس کا جوابدہ ہے - اُس رائے کے موجد یا اُس مذہب کے پیشوا اور معلم اور مجتہد کچھ اُس کے ذمہ دار نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے اس آفتاب سے بھی زیادہ روشن مسئلہ سے آنکھ بند کر لی ہے اور رومن کیتھلک یعنی بت پرست عیسائیوں کا مسئلہ اختیار کیا ہے رومن کیتھلک مذہب میں اُن لوگوں کی جو اُس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں دو فرقے قرار دیئے گئے ہیں - ایک تو وہ جو اُس مذہب کے مسائل کو بعد دلیل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز ہیں اور دوسرے وہ جن کو صرف اعتماد اور بھروسہ یعنی تقلید سے اُن کا قبول کر لینا چاہیئے - اسی قاعدہ کی پیروی سے مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب میں دو فریق قایم کیئے ہیں - ایک وہ جنہوں نے مسئلہ مسئلہ کو بعد ثبوت و تحقیقات اور اقامت دلیل تسلیم کیا ہے اور اُن کا نام باختلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب اور مرجح قرار دیا ہے - دوسرا وہ جن کو بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کر کر ان کی

پیروی کرنی چاہیئے اور اُن کا نام مقلد اور اُس فعل کا نام تقلید قرار دیا ہے اور اِس سبب سے
مخالف رائے کی مزاحمت مسلمانوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے اور وہ اسکی نسبت ایک
نہایت عمدہ مگر ابلہ فریب تقریر کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن تمام باتوں کا
جاننا نہ ضرور ہے اور نہ ممکن ہے جن کو بڑے بڑے حکیم یا اہل معرفت اور عالم علوم دین جانتے
اور سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک عام آدمی ایک ذکی اور دانشمند مخالف کی تمام
غلط بیانیوں کو جاننے اور اُن کو غلط ثابت کرے یا تردید کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل
ہو بلکہ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اُن کے جواب دینے کے لائق ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود ہونگے
جن کی بدولت مخالف کی کوئی بات بھی بلاتردید باقی نہ رہی ہو گی۔ پس سیدھی سادی عقل کے
آدمیوں کے لیئے یہی کافی ہے کہ اُن باتوں کی اصلیت سکھلا دی جاوے اور باقی وجوہات
کی بابت وہ اَوروں کی سند پر بھروسا کریں اور جبکہ وہ خود اِس بات سے واقف ہیں کہ ہم اُن تمام
مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافی علم اور پوری لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو اِس بات
کا یقین کر کر مطمئن ہو سکتے ہیں کہ جو جو مشکلات اور اعتراض برپا کیئے گئے ہیں وہ لوگ اُن سب کا
جواب دے چکے ہیں یا آئندہ دیں گے جو بڑے بڑے عالم ہیں ؛

اِس تقریر کو تسلیم کرنے کے بعد بھی رائے کی آزادی اور مخالف رائے کی مزاحمت سے جو
نقصان ہیں اُس میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا کیونکہ اِس تقریر کے بموجب بھی یہ بات قرار پاتی ہے
کہ آدمیوں کو اِس بات کا معقول یقین ہونا چاہیئے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب اطمینان دیا
گیا ہے اور یہ یقین جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ اُسپر بحث و مباحثہ کرنے کی آزادی ہو اور
مخالفوں کو اجازت ہو کہ تمام اپنی وجوہات کو جو اُس کے مخالف رکھتے ہیں بیان کریں اور اُس
مسئلہ کو غلط ثابت کرنے میں کوئی کوشش باقی نہ چھوڑیں ؛

اگر تقلید کی گرم بازاری کا جیسیکہ آجکل ہے اور آزادانہ مباحثہ کی مزاحمت و عدم موجودگی کا
نقصان اور بد اثر بصورتیکہ تسلیم شدہ مسئلہ یا قرار دادہ رائیں صحیح ہوں اِسی قدر ہوتا کہ اُس مسئلہ یا
اُن رایوں کی وجوہات معلوم نہیں ہیں تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ گو وہ مزاحمت عقل و فہم کے
حق میں مضر ہے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھ مضرت نہیں پہونچتی اور نہ اُس مسئلہ کی یا رایوں کی
اُس قدر و منزلت میں کہ اُن سے نہایت عمدہ اثر لوگوں کی خصلتوں پر ہوتا ہے کچھ نقصان
ہے مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس سے بہت بڑھ کر نقصان پہنچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ اور

آزادی رائے کی عدم موجودگی میں صرف مسئلہ یا رایوں کی وجوہات ہی کو لوگ نہیں بھول جاتے بلکہ اکثر اُس مسئلہ یا رائے کے معنی اور مقصود کو بھی بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں وہ مسئلہ یا رائے بیان کی گئی ہے اُن سے کسی رائے یا خیال کا قایم کرنا تک موقوف ہوجاتا ہے یا جو جو باتیں اُن لفظوں سے ابتدا میں مراد رکھی گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑی ہی معلوم رہجاتی ہیں اور بعوض اس کے کہ اُس مسئلہ یا رائے کا اعتقاد ہر دم تروتازہ اور زندہ یعنی موثر رہے اُس کے صرف چند ادھورے کلمے حافظ کی بدولت باقی رہجاتے ہیں اور اگر اُس کی مراد اور معنی بھی کچھ باقی رہتے ہیں تو صرف اُن کا پوست ہی باقی رہتا ہے اور مغز و اصلیت نابود ہوجاتی ہے۔ اب ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاہیے کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسی مزاحمت رائے یا تقلید کی بدولت اُن کا درحقیقت ایسا ہی حال ہوگیا ہے یا نہیں ؛

اس زمانہ تک جس قدر کہ انسانوں کو تمام مذہبی عقاید اور اخلاقی امور اور علمی مسائل میں تجربہ ہوا ہے اُس سے امر مذکورہ بالا کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کسی مذہب یا علم یا رائے کے موجد تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں کے دلوں میں تو وہ عقاید یا مسائل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھرپور تھے اور اس کا سبب یہی تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف رائے والوں میں اس غرض سے بحث و حجت رہتی تھی کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو مگر جب اُسکو کامیابی ہوئی اور بہت لوگوں نے اُس کو مان لیا اور بحث اور حجت بند ہوگئی تو اُس کی ترقی بھی ٹھہر گئی اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھی جان یعنی حرکت اور جنبش نہیں رہی ایسی حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ مثل سابق کے اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رہتے اور جیسے کہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کی پہلے حفاظت کرتے تھے ویسی اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بیجا استغنا سے سکون اختیار کرتے ہیں اور حتی الامکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئی دلیل نہیں سنتے اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھی کفر کے فتووں کے ڈراوے سے اور جہنم میں جانے کی جھوٹی دہشت دکھانے سے سننے سے اور اُس پر بحث کرنے سے جہاں تک ہو سکتا ہے باز رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ نہیں علموں کی روشنی جو آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتی ہے اور اعتراضوں کی ہوا اگر وہ

صحیح ہوں تو کیا اُن کے روکے رُک سکتی ہے اور جب یہ نوبت پہونچ جاتی ہے تو اُس عقیدہ
یا مسئلہ کا جن کو اُن کے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قایم کیا تھا زوال شروع ہوتا ہے
اُس وقت تمام معلم اور مقدس لوگ جو اُس کمبخت زمانہ کے پیشوا گنے جاتے ہیں اِس بات کی
شکایت کرتے ہیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جن کو اُنھوں نے برائے نام
قبول کیا ہے کچھ بھی اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاہر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول
کرتے ہیں مگر اُن کا ایسا اثر کہ اُن کے معتقدوں کا چال چلن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت
بھی اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ہو مطلق نہیں پاتے - مگر افسوس اور نہایت
افسوس کہ وہ معلم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہ حال جو ہوا ہے جس کی وہ شکایت
کرتے ہیں اُنہی کی عنایت و مہربانی کا تو نتیجہ ہے اب میں صاف کہتا ہوں اور نہایت بے دھڑک
کہتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک
آئینہ ہے ؛

اب اِس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعنی جبکہ آزادی رائے کی توقیر رہتی
ہے جس کے ساتھ مباحثہ کا بھی قایم رہنا لازم و ملزوم ہوتا ہے اور ہر ایک حامی کسی عقیدہ
یا علمی مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کی وجوہ کو قایم اور غالب رہنے پر بحث کرتا رہتا ہے - تو
اُس وقت عام لوگ بھی اور سست عقیدہ والے بھی اِس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ
ہم کس بات پر لڑ بھڑ رہے ہیں اور ہمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ
میں کیا تفاوت ہے اور ایسی حالت میں ہزاروں ایسے آدمی پائے جاویں گے جنہوں نے اُس
عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبی خیال کیا ہوگا اور ہر ڈھنگ و طریقہ سے اُسکو خوب سمجھ بوجھ
لیا ہوگا اور اُس کے عمدہ عمدہ پہلوؤں کو بخوبی جانچ اور تول لیا ہوگا اور اُن کے اخلاق اور
اُن کی عادت اور خصلت پر اُس کا ایسا پورا پورا اثر ہوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کی طبیعت پر ہونا
ممکن ہے جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبی رچ بس گیا ہو - مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک موروثی اعتقاد
ہوجاتا ہے اور لوگ باپ دادا یا اُستاد پیر کی رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ہیں تو وہ تصدیق
قلبی نہیں ہوتی طبیعت اُسکو مردہ دلی سے قبول کرتی ہے اور اِس لیئے طبیعت کا میلان
اُس عقیدہ اور مسئلہ کے بھلا دینے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے
باطن سے بے تعلق ہوجاتا ہے اور صرف اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے اور تمام اخلاق اور عادت

اُس کے برخلاف ہوتے ہیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں جیسے کہ اِس زمانہ میں اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ طبیعت کے باہر باہر رہتا ہے اور بجائے اِس کے کہ وہ دل میں گھر کرے باہر ہی باہر ایسے خراب اور کانٹے دار پوست کی مانند لپٹا ہوا ہے جس کے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو انسان کے عُمدہ عُمدہ اوصاف درونی سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ اُس سے اِس قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے. جیسے کانٹے دار تھوہر کے درخت کی باڑ سے ہوتی ہے کہ وہ نہ خود اُس گھیری ہوئی زمین کو کچھ فائیدہ دیتا ہے اور نہ اَوروں کو گُل پھول لیجا کر اُسمیں لگانے دیتا ہے اور بجز اِس کے کہ دل کی زمین کو ہمیشہ خالی اور ویران اور بیکار پڑا رہنے دے اَور کچھ نہیں کرتا +

جو بات بیان ہوئی اُس کی صحت ہر ایک مذہب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبی جان سکتا ہے ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب میں کسی نہ کسی کتاب کو مقدس سمجھتا ہے اور بطور قانون مذہب کے تسلیم کرتا ہے مگر باایںہمہ یہ بات کہنی کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ شاید ہزاروں میں سے ایک اپنی چال چلن کی جانچ اور اس کے بُرے یا بھلے ہونے کی آزمایش اُس مقدس تسلیم شُدہ قانون کے بموجب کرتا ہو بلکہ جس چیز کی سند اور پابندی پر وہ کام کرتے ہیں وہ صرف اپنی قوم یا فرقے یا مذہبی گروہ کا رسم و رواج ہوتا ہے نہ اَور کچھ ۔ پس حقیقت میں یہ حال ہوتا ہے کہ ایکطرف تو وہ اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کی نسبت وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی کے عملدرآمد کے لیئے خدا نے بتایا ہے یا کم سے کم کسی نہایت نیک اور دانا عاقل ناقابل سہو خطا شخص نے بنایا ہے اور دوسری طرف اُن رسم و رواج اور معتقد رایوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اُس قوم یا فرقہ یا گروہ میں مروج ہوتی ہیں اور اِس پچھلے مجموعہ کی بعض باتیں اُس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہیں اور بعض کچھ مطابق اور بعض بالکل برخلاف اور مذہب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کی زبانی تصدیق تو بلا شُبہ کرتے ہیں اِلّا اصلی اطاعت اور رفاقت اور پابندی اُس پچھلے مجموعہ کی کرتے ہیں جس پر روزمرہ اُن کا عمل ہوتا ہے اور جس کا ترک کرنا یا اُسکے برخلاف کوئی کام کرنا نہایت ننگ و عار جانتے ہیں ۔ پس یہ بیقدری جو اُس پہلے مجموعہ کے مسائل کی ہو گئی جس کو وہ خدا کا بتایا ہوا جانتے تھے اِسی بات سے ہو گئی کہ اُس کے مسائل اور اصول پر مباحثہ بند ہو گیا اور اِس سبب انسان کے باطن سے بے تعلق ہو گیا اور بجائے زندہ عقیدہ کے صرف بطور مُردہ عقیدہ کے لوگوں کے خیال میں رہ گیا +

اِس تقریر پر جو بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور درست علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لیئے کیا یہ بات ضرور ہے کہ کبھی رایوں میں اتفاق نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ چند آدمی غلطی پر مصر رہیں تاکہ مباحثہ قایم رہے اور اَور لوگ اُن کی بدولت حق بات حاصل کرسکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رہنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لیئے لابد ہے جبکہ کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کو عموماً تسلیم کرلیا جاوے تو کیا اُسکی حقیقت بدل جاتی ہے اور اُسکی تاثیر جاتی رہتی ہے اور کیا کسی مسئلہ یا عقیدہ کا اُس وقت تک اثر نہیں ہوتا یا لوگ اُسکو خوبی نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئی اُسپر شُبہہ نہ کرتا رہے جبکہ انسان کسی حق بات کو بالاتفاق قبول کرلیتے ہیں تو کیا اسکی حقانیت معلوم ہوجاتی ہے - اب تک یہ خیال کیا گیا ہے کہ علم اور عقل کی ترقی کا عُمدہ مقصد اور اعلیٰ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان اچھی اچھی اور عُمدہ عُمدہ باتوں میں متفق الرائے ہوویں اور وہ اتفاق رائے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ اُس کا مقصد اور اُس کا نتیجہ حاصل نہو یہ تو سُنا گیا تھا کہ ہر بات کا کمال اُس کے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہے مگر یہ نہیں سُنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہی اُسکا زوال ہے ؛

مگر میرا مقصد یہ نہیں ہے جو اس اعتراض میں بیان ہوا ہے میں قبول کرتا ہوں کہ بلا شُبہہ جس قدر انسانوں کی ترقی اور تہذیب ہوگی اُسی قدر مختلف فیہ رائیں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے جاویں گے بلکہ آدمیوں کی بہبودی اور بھلائی کا اندازہ بالتخصیص اُنہی حقایق کی تعداد اور مقدار سے ہوسکتا ہے جو غیر متنازعہ فیہ یا حقایق محققہ کے مرتبہ کو پہونچ جاتی ہیں اور اُس کے استحکام کے لیئے انسانوں کی رایوں کا اجماع اور اتفاق ضروری شرطوں میں سے ہے اور وہ اجماع اور اتفاق جیسا کہ غلط رائے پر ہونا نہایت مضر ہے ویسا ہی صحیح رائے پر ہونا نہایت مفید ہے مگر جبکہ ہمکو غلط رایوں پر بھی اجماع اور اتفاق ہوجانے کا اندیشہ ہے تو ہمکو اُس سے بچنے کی فکر و تدبیر سے غافل رہنا نہیں چاہیئے اور وہ تدبیر یہی ہے کہ آزادی رائے اور مباحثہ جاری رہے اگر اس تدبیر کے قایم رہنے کا بسبب عموماً تسلیم ہوجانے اُس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نہ رہے تو ہمکو اسکی جگہ کوئی اَور تدبیر قایم کرنی چاہیئے سقراط نے اسی تدبیر کے لیئے فرضی مباحثہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا جسکو افلاطون نے نہایت خوبی سے اپنے سوال و جواب میں بیان کیا ہے ؛

مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اُس تدبیر کے قایم رہنے کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اُن تدبیروں کو بھی ضایع کردیا جو سابق میں ایجاد ہوئی تھیں۔ مسلمانوں میں ہر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یہ حال رہ گیا ہے کہ سب کے سب کیا قصہ اور کہانی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گذشتہ کے روزنامچوں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولی لنجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دقیانوسی بطلیموسی ہیئت اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہادیات مسایل دینی کو جس کو علم فقہ کہا جاتا ہے اور کیا علم حدیث اور تفسیر کو اس ارادہ سے مطلق نہیں پڑھتے کہ ہمکو اُسکی اصلیت اور حقیقت معلوم ہو بلکہ صرف یہ ارادہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے خواہ غلط خواہ صحیح وہ ہم جان لیں۔ اگر مباحثہ کیا جاوے تو نہ اس بات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب میں لکھے ہیں صحیح ہیں یا غلط۔ بلکہ اس بات پر کہ اس کتاب میں یہی بات لکھی ہے یا نہیں۔ اس طریقہ اور عادت نے آزادی رائے کو کھودیا اور اُس سپر کو جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی توڑ دیا۔ اُن کے تمام علم و فضل غارت ہوگئے۔ اُن کے باپ دادا کی کمائی جس سے توقع تھی کہ اُن کی اولاد فایدہ اُٹھاوے گی سب ڈوب گئی۔ اب جو بڑے بڑے عالم فقیہہ اور دانا رہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقاید مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پوچھو اگر وہ بڑا ہی عالم ہے تو بجز اسکے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا مزہ اور تمام عقیدوں کا اثر دل سے جاتا رہا۔ پس آزادی رائے کے قایم نہ رہنے کے یہ عمدہ اثر ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ؛

آزادی رائے کے غیر مفید ہونے کے ثبوت میں یہ بات اکثر پیش کی جاتی ہے کہ آزادی رائے سے جس کے ساتھ مباحثہ لازم و ملزوم ہے کسی رائے کے حق یا ہیچ ہونیکا فیصلہ ممکن نہیں بلکہ ہر ایک فریق کو اپنی اپنی رائے پر اور زیادہ پختگی اور اصرار ہوجاتا ہے۔ میں بھی اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ درحقیقت تمام رایوں کا یہ خاصہ ہے کہ خاص خاص فرقوں کی رائیں ہوجاتی ہیں۔ بحث و مباحثہ کی کمال آزادی سے بھی اُس کا کچھ تدارک نہیں ہوسکتا بلکہ اُس سے اور زیادتی ہوتی جاتی ہے اور حق کی کیفیت ہوجاتی ہے کہ بعوض اس کے کہ لوگ اُسکو سمجھیں اور بوجھیں اس وجہ سے اُسکو نہیں سوچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور بے سمجھے

نہایت زور شور سے رد کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو وہ اپنا مخالف جانتے ہیں یا اُن سے نفرت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب جان لینا چاہیئے کہ آپس میں رایوں کے اختلاف اور مباحثہ سے اُنہی متعصب گروہوں کو جن کے باہم بحث ہوتی ہے چنداں فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اُسکا عمدہ اور مفید اثر اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے دیکھنے سُننے والے ہیں اور جن کی طبیعتوں میں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضی اور طرفداری نہیں ہوتی جیسیکہ اُن مخالف فرقوں کے حامیوں میں ہوتی ہے اور جبکہ رفتہ رفتہ اُن متعصبوں کی بھی حرارت کم ہوجاتی ہے تو جو حق بات ہے وہ اُس کے صحیح ہونے کا اقرار اپنے دل میں یا اپنے خاص دوستوں میں چُپکے چُپکے کرنے لگتے ہیں گو کہ علانیہ کبھی اُس کا اقرار نہ کریں ؀

سچ بات پر سخت سے سخت نزاع کا ہونا کچھ بُرائی یا نقصان کی بات نہیں بلکہ اُس کا انسداد بہت بڑے نقصان کی بات ہے جبکہ لوگ طرفین کے دلائل سُننے پر مجبور ہوتے ہیں تو ہمیشہ انصاف کی اُمید ہوتی ہے۔ مگر جبکہ وہ صرف یکطرفہ بات سُنتے ہیں تو اُس صورت میں غلطیاں سختی پکڑ کر تعصب بن جاتی ہیں اور سچ میں بھی سچ کا اثر اس لیئے باقی نہیں رہتا کہ اُس میں مبالغہ ہوتے ہوتے وہ خود ایک جھوٹ بن جاتا ہے۔ انصاف کی قوت جو انسان میں ہے وہ اسی وقت بخوبی کام میں آتی ہے کہ ہر ایک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامی اور معاون تصفیہ کے وقت روبرو موجود ہوں اور وہ دونوں ایسے زبردست ہوں کہ اپنے اپنے دلائل اور وجوہات کی سماعت پر لوگوں کو گویا مجبور کردیں اور سوائے اِسکے اَور کوئی صورت حق کے حاصل کرنے کی نہیں ہے ؀

رائے کی آزادی پر ایک اَور چیز جسکو لوگ سند کہتے ہیں کبھی کبھی مزاحمت پہونچاتی ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ بحث کرنیوالے اپنی اپنی تقریر کی تائید میں کسی مشہور شخص کے قول کی سند لاتے ہیں حالانکہ کسی شخص کی سند پر اپنی رائے کو منحصر رکھنا خود آزادی رائے کے برخلاف چلنا ہے۔ اگر ہم کسی کے قول کو صحیح اور سچ سمجھتے ہیں تو اُس کے قول کو پیش کرنا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ ہمکو وہ دلیلیں پیش کرنی چاہئیں جن سے اُس قول کو ہمنے صحیح مانا ہے۔ اگر سقراط و بقراط نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو درحقیقت صحیح نہیں ہے تو وہ اُن کے کہنے سے صحیح نہیں ہوجانے کی اور اگر کسی جاہل نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو وہ اِس لیئے کہ کسی جاہل نے کہی ہے غلط نہیں ہوجانے گی کیا عمدہ مسئلہ ہے جسپر ہر انسان کو عمل کرنا چاہیئے مگر افسوس کہ اُس پر نہایت کم عمل ہوتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے

فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال

ولله در من قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ور نوشت است پند بر دیوار

## خیر دایم

غالباً تمام دنیا اِس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلا شبہ نیک ہے اور اِس لیئے اِس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل اور اعلےٰ نیکی ہو۔ انسانوں میں نیک وُہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیاں کی ہونگی۔ مگر سب سے زیادہ نیک وُہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلےٰ ہوں؀

مسلمانوں کے عقاید کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اِس لیئے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلےٰ اور افضل ہوں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اِس لیئے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے والی ہے تلاش اور جستجو لازم ہے؀

بعضوں نے پُل اور مسجد۔ چاہ و مہمان سرائے چند روزہ رہنے والی چیزوں کو خیر دایم سمجھا مگر بہت بڑی غلطی کی کیونکہ یہ تمام چیزیں ذلی حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں۔ اب کہاں ہے وہ چاہ یوسفؑ اور کہاں ہے وہ مسجد اقصیٰ۔ سب معدوم ہوگئیں اور ایسی طرح ہزاروں بنیں گی اور معدوم ہونگی؀

نہایت فہمیدہ اور دقیقہ رس لوگوں نے خیر و خیرات میں زہد و تقوےٰ اور عبادت کو خیر دایم خیال کیا۔ مگر اسکی صحت بھی مشتبہ ہے۔ تمام اعمال حسنہ آنکھ موندی اور منقطع ہوئے۔ جبکہ انسان موت کی خواب راحت میں استراحت فرماتا ہے تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ زاہد کی تسبیح ہمہ تن دانہ اشک بن کر روتی ہے کہ وہ کیا ہوا جو مجھ کو شمار وظائف سے زندہ رکھتا تھا مصلےٰ محراب مسجد میں چپت پڑا ہوا ملنے کو تلملاتا ہے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ میں جان تازہ بخشتا تھا۔ منبر فراق واعظ سے نالاں کہتا ہے کہ میرا واعظ کہاں ہے۔ ملائک مقربین جو اس کے ذکر و شغل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اُس کی تلاش میں سرگردان ہیں

بیکمشت خاک ہزاروں میں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی کی سُنتے ہیں صرف زبان حال اُن میں باقی ہے سو وہ یہ کہتی ہے کہ جو ہونا تھا سو ہولیا اور جو کرنا تھا سو کرلیا ؛

غرضکہ ہر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کرو گے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ہوگی اور اُسکی فنا کے ساتھ ہی منقطع ہوگی اس لیئے زہد و تقویٰ۔ عبادت و سخاوت خیر دایم نہیں ہوسکتی ؛

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک سمجھا جاوے تو بجز رفاہ عام اور انسان کی بھلائی چاہنے کے اَور کوئی نیکی خیر دایم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہوتی ہے بلکہ نسل در نسل اور پشت در پشت آیندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک دائم رہتی ہے اور اس لیئے صرف وُہی ایک نیکی ہے جسکو خیر دایم کہہ سکتے ہیں ؛

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالےٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی تاکہ برترین بندگان خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہوں اور خیر دایم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سعی کرنا انبیا کا ورثہ لینا ہے اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلےٰ نیکی کا اختیار کرنا۔ پس فلاح عام کے کاموں کو عبادات دینی میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے ؛

یہ خیر دایم جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اَور بھی زیادہ نیک تو اُسوقت ہو جاتی ہے جبکہ اُسکی ضرورت ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مسلمانوں کے لیئے اسکی بہت ضرورت ہے اور اس لیئے میری خواہش مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و تقویٰ ہی پر تکیہ نفرما دیں اور صرف ادائے زکوٰۃ و قضائے دیون ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ تھوڑا سا وقت اور دو چار درم رفاہ و فلاح حال مسلمانان کے لیئے بھی نکالیں اور خیر دایم کی نیکی کو بھی حاصل کریں کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی ؛

# کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے

جب کہ ہم کسی قوم کو تہذیب کی طرف مایل کرتے ہیں تو ہمکو ضرور ہے کہ ہم یہ بھی بتاویں کہ اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات ہیں اُن کے لحاظ سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ مفصلۂ ذیل چیزیں ہیں جن کی تہذیب پر اُن کو متوجہ ہونا چاہیئے ؛

**اوّل۔ آزادی رائے۔** مسلمانوں کی رائے اور اُن کے خیالات ہر ایک امر میں تقلید کرتے کرتے اور رسوم کے پابند رہتے رہتے ایسے پست اور پامال ہو گئے ہیں جس کے سبب کسی قسم کی ترقی کی تحریک اُن میں نہیں ہوتی۔ پس جب تک کہ رائے کی آزادی اُن میں پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک اُن میں تہذیب نہیں آنے کی ؛

**دوم۔ درستی عقاید مذہبی۔** ہندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذہبی جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اَور ہیں اور جو اُن کے دلوں میں ہیں اور جن کا اُن کو یقین بیٹھا ہوا ہے وہ اَور ہیں ہزاروں عقاید شرکیہ اُن کے دلوں میں ہیں پس اُن کی تہذیب کرنا اور اپنے عقائد کو ہیئت اسلام کے مطابق کرنا اور اسی پر یقین رکھنا تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کی اصل جڑ ہے ؛

**سوم۔ خیالات و افعال مذہبی۔** ہندوستان کے مسلمانوں میں صدہا خیال اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ عمدہ افعال مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ اُن کو مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں ہے یا تو وہ خود بدعت ہیں یا رسومات و خیالات کفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامہذب ہونے کے ہیں۔ پس ہمکو مہذب ہونے کے لیئے اُن کی تہذیب درکار ہے ؛

**چہارم۔ تدقیق بعض مسایل مذہبی۔** ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصلی مسائل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسائل فی نفسہٖ صحیح و درست ہیں الا بیان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف اور تہذیب و شایستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں پس ہمکو اُن کی تشریح و تفسیر میں تہذیب کرنی چاہیئے ؛

**پنجم۔ تصحیح بعض مسایل مذہبی** ۔ ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ بعض مسایل ایسے بھی ہیں یا یوں ہو کہ بعض ایسے مسایل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس اُن کو بحث میں لانا اور ایک امر منقح ٹھہرانا ہمارے لیئے ضرور ہے ۔

اِن تمام چیزوں کو جو مذہب سے متعلق ہیں ہمنے تہذیب و شایستگی میں اس لیئے داخل کیا ہے کہ قوم کے مہذب ہونے پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے پس جس قدر جس قوم کے مذہب میں نقص ہے اُتنا ہی اُسکی پوری تہذیب میں نقصان ہے ۔

**ششم۔ تعلیم اطفال** ۔ مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے ۔ ہمکو زمانہ گزشتہ اور حال پر نظر کر کے ایک ایسا طریقہ تعلیم معین کرنا چاہیئے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلےٰ درجہ تک ہمکو قابو ملے ۔

**ہفتم۔ سامان تعلیم** ۔ ہمارے لیئے صرف طریقہ تعلیم معین کرنا ہی کافی نہوگا بلکہ آپسکی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اُس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضرور ہوگا ۔

**ہشتم۔ عورتوں کی تعلیم** کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب و شایستگی کے لیئے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضرور ہے ۔ پس ہمکو لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے اور اُن کو دستکاری سکھلانے کے لیئے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیئے ۔

**نہم۔ ہنر و فن و حرفہ** ۔ اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیئے ایک بہت بڑا جزو ہے ۔

یہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاقہ رکھتی تھیں اب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ مگر اُن کا اثر کل قوم پر ہوتا ہے اور ہر ایک میں اُن باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب و شایستگی قرار پاتی ہے ۔

**دہم۔ خودغرضی** ۔ سب سے بڑا عیب ہم میں خودغرضی کا ہے اور یہی مقدم سبب قومی ذلت اور نامہذب ہونے کا ہے ۔ ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہے کہ رفاہ عام کا جوش دل میں پیدا کریں اور یقین جانیں کہ خودغرضی سے تمام قوم کی اور اُس کے ساتھ اپنی بھی بربادی ہوگی ۔

اس مقام پر ہمکو ایک کہانی یاد آئی ۔ انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے

خودغرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد معدہ بھوک کے مارے بے چین ہوا۔ پانوں نے کہا کہ
میں کیوں چلکر غذا ہم پہونچاؤں۔ ہاتوں نے کہا کہ ہم کیوں غذا کو موںھ تک پہونچا دیں۔
آنکھوں نے کہا کہ ہم اُس میں کی بال لکھی کیوں دیکھیں۔ ناک نے کہا کہ غذا کا سڑا بسا یا سانڈا
ہونا میں کیوں سونگھوں۔ مُنہ نے کہا کہ میں کیوں چبا کر حلق میں نگلوں۔ سب آپ آپ
چُپکے ہو رہے دو ایک دن تو جوں توں گذ گئے پھر تو پانوں لڑکھڑانے لگے۔ ہاتھ کانپنے
لگے۔ موںھ ہلانے کی طاقت نہ رہی۔ آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ تب تو سب گھبرائے کہ
یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے۔ اُس نے کہا کہ خودغرضی نے تمہارا یہ حال کیا ہے
تم نے جانا کہ دوسرے کے کام سے ہمکو کیا مطلب ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تمھارا ہی
کام تھا۔ اور اُس کا نقصان تمھارا ہی نقصان تھا۔ پس جس قوم کے لوگوں میں خودغرضی ہوتی
ہے جیسیکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے تو وہ اب آپ اپنے تئیں برباد کرتی ہے ؛

**یازدھم۔ عزت اور غیرت**۔ غیرت اور عزت یہ دونوں آپس میں ایسی ملی ہوئی
ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جس کو عزت ہے اُسکو غیرت ہے جس کو غیرت ہے اُس کو
عزت ہے۔ اب مسلمانوں میں اِن دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہو گئی ہیں۔ اگرچہ
میری اِس بات سے لوگ متعجب ہوں گے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں۔ اگر ابھی اُن کو کوئی گالی
دے جان نکال لیں۔ مرجائیں۔ پر اپنی شان نہ جانے دیں۔ شادی بیاہ میں ہرگز ناک کٹائی
نہ ہونے دیں۔ روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں۔ اگر باوا مر گیا ہے تو اُسکی فاتحہ
اور چہلم کی تودہ بندی میں کبھی دریغ نہ کریں۔ پھر کیونکر اُن کو اپنی عزت یا غیرت کا خیال
نہیں ہے ؛

یہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہے جو اصلی اور اخلاقی
عزت ہے۔ ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اِس بات کی غیرت ہے کہ ہمکو کوئی جھوٹا خیال
نہ کرے۔ کس کو اِس بات کا خیال ہے کہ ہم آپس میں اور معمولی باتوں میں بھی سچ کی عزت پر بٹہ
نہ لگائیں۔ کون ہے جو بلحاظ اپنی اخلاقی عزت کے کسی بُرائی کے فعل سے بشرطیکہ اُسمیں
سزائے دنیاوی کا اندیشہ نہ ہو بچکر اپنے تئیں معزز رکھنا چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اَور
قوموں میں یہ نقص نہیں ہے مگر بلاشبہ اتنا کہتے ہیں کہ مہذب و شایستہ قوموں میں نہ خدا کے ڈر
سے بلکہ اپنی عزت کے ڈر سے اِن باتوں کا بہت خیال ہے ؛

**دوازدہم۔ ضبط اوقات**۔ ہماری قومی تہذیب و شایستگی میں اوقات کے منضبط
نہ ہونے سے بڑا نقصان پہونچا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاص خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا
اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں اُن میں تمام قوم کو یکساں اوقات منضبط کرنا چاہیئے کہ یہ بھی
ایک اصل اصول قومی تہذیب و شایستگی کا ہے ::

**سیزدہم۔ اخلاق**۔ بالفعل ہمارا اخلاق ہم لوگوں میں اس پر رہ گیا ہے کہ جس کسی سے
ملے کچھ ہنس کر سلام کیا کچھ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دو چار میٹھی میٹھی باتیں سنائیں کچھ
اپنی جھوٹی نیازمندی کا اظہار کیا کچھ اُن کی جھوٹی تعریف کی آؤ بھگت کی اور دل میں کہا
کہ خوب اُلّو بنایا۔ جب وہ چلا گیا تو یا تو بُرا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں اُن کا نقش بر آب سا
بھی نشان نہ تھا ::

یہ سب باتیں انسان کے دل کو اور اُس کے اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں بلاشبہ ہمکو سب سے
جھک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیئے۔ مگر وہیں تک جہاں تک کہ انسانیت کا مقتضا ہے
مگر اُسکو مکاری کی حد تک نہ پہونچانا چاہیئے ::

**چہاردہم۔ صدق مقال**۔ یہ تو وہ صفت ہے کہ جو انسان کو قطب و ابدال کے
درجہ سے بھی بڑھا دیتی ہے مگر یہاں ہمارا مطلب دُنیاوی باتوں میں سچے پن کا ہے ضرور
ہے کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قایل کو قبل کلام
اس بات کی غیرت ہو کہ سامع میرے اس قول کو جھوٹ نہ سمجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں
سے خوش طبعی میں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپس میں ایک دوست دوسرے کو کہتا
ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو ان باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے طعنہ کی
غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا سبب ذلت قومی اور ناتہذب اور ناشایستہ ہونے قوم
کا ہوتی ہے ::

**پانزدہم۔ دوستوں سے راہ و رسم**۔ ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے
اُس میں بھی نہایت نقص ہے۔ ہم آپس میں اس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے
ہیں بلکہ اس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان آپس میں ملتے ہیں اُن تمام طریقوں اور قاعدوں میں
تہذیب کرنی ایک بڑا امر ضروری ہے ::

**شانزدہم۔ کلام**۔ طرز گفتگو اور بیان کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شایستگی کا ہے

جس کی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو مہذبانہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم مستعمل ہیں اور اس لیئے اُس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔

**ہفدہم۔ لہجہ**۔ اِسکو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے۔ اکثر لہجہ یا اس قسم کی آواز جس سے شُبہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور لڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسی قدر اسپر بھی ہمکو توجہ درکار ہے۔

**ہیژدہم۔ طریق زندگی**۔ یہ تو ہمارا ایسا ابتر و خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کا طریق زندگی ہمارے طریقہ زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے۔

**نوزدہم۔ صفائی**۔ بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے۔ انگریزی مثل ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی مسلمانوں کے ہاں بھی حدیث ہے کہ "الطهور شطر الایمان" مگر ہم مسلمان بہت کم اس کی طرف متوجہ ہیں۔ صورت دیکھو تو واہ واہ۔ گھر دیکھو تو سُبحان اللہ۔ اس لیئے ہمکو صفائی پر توجہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

**بستم۔ طرز لباس**۔ لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے۔ دیکھو کہ تمام دنیا میں جس قدر وحشیانہ پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی۔ پس ہمکو اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہیئے کہ کس قسم کی ترمیم کے لائق ہے۔

**بست و یکم۔ طریق اکل و شرب**۔ اگر ہم تعصب نہ کریں اور انصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جب وہ ہمکو کھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو تے آتی ہے۔

**بست و دوم۔ تدبیر منزل**۔ ہماری تدبیر منزل یعنی انتظام خانہ داری ایسا ابتر و خراب ہے جس میں نہایت درجہ کی اصلاح و ترقی کی حاجت ہے۔

**بست و سوم۔ رفاہ عورتوں کی حالت میں**۔ غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ جیسا کچھ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُس میں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اصلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لایق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے۔

**بست و چہارم۔ کثرت ازدواج** - اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر پھر بھی زیادہ ہے اور نہایت نالائقی سے اور خدا و خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف برتا جاتا ہے یہ ایسی بدخصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے ؛

**بست و پنجم۔ غلامی** - اگرچہ ہندوستان میں انگریزوں کی بدولت غلامی کی بدرسم موقوف ہو گئی ہے مگر ہمارے مہذب و شایستہ ہونے کے لیئے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اِس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت یہ رسم خلاف مسلمانی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب و نالائق تھی اس لیئے ہمکو اُسپر توجہ کرنے کی ضرورت باقی ہے ؛

**بست و ششم۔ رسومات شادی** - جو رسوات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی اُن میں سے مذہب اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالائق اور نامہذب وہ رسمیں ہیں شاید ہی اَور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشایستہ اور نامہذب ہوگی ؛

**بست و ہفتم۔ رسومات غمی** - اسیطرح رسوات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہب اسلام کے ہمنے نامہذب و ناشایستہ رسمیں اختیار کر لی ہیں ؛

خدا رحمت کرے مولوی اسمٰعیل پر جن کی بدولت بہت سی نامہذب و ناشایستہ رسمیں شادی و غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اس پر بھی بہت کچھ باقی ہیں جن کی تہذیب پر ہمکو متوجہ ہونا چاہیئے ؛

**بست و ہشتم۔ ترقی زراعت** - زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے حالت کی جتنی ہی قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اسمیں ہمکو بہت کچھ کرنا ہے ؛

**بست و نہم۔ تجارت** - یہ سب سے اعظم جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کا - اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہو گیا ہے پس ہمکو اپنی قوم میں اُس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اُسکو قائم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کے ہوگا ؛

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہم سے کیونکر ہو سکتی ہے - اس لیئے کہ اگر ہم متوجہ ہوں گے اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے پر دل لگا دینگے تو سب کچھ ہمسے ہو سکیگا

یہ باتیں ظاہریں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے ایسا علاقہ رکھتی ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں از خود ترقی ہوتی جاتی ہے پر کوشش شرط ہے۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ؀

# تربیت اطفال

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی پر برستے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں۔ اور اگر ہم مرے ہوئے لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی برائی دنیا میں نہ رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بہرے ہیں ؀

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گذر جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا پچھتاوا آتا ہے کہ افسوس ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اور اس وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا اور لاعلاج رنج کا نہایت ہی جانگداز رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے سخت رنج سے بچنا چاہیں تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں۔

غنیمت داں ہمیں دم را کہ حالت

یہ بات جو ہم نے کہی ٹھیک ٹھیک انسان کی طفولیت کی حالت سے نہایت ہی مناسبت رکھتی ہے اس لیے کہ جو عمر اور وقت تربیت کا ہے جب وہ گذر جاتا ہے تو بجز لاعلاج رنج رہجانے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور پھر ان کا ناتربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے ہم پر گرجتا ہے اور ہم پر برستا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی کے خانمان کو جلا دیتا ہے ؀

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادل ہوتا رہتا ہے اور بجز انسان کے ایسی اور کوئی چیز نہیں ہے جسکو اُس تبادلہ میں کچھ دخل ہو اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اُس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کر کر اُس قدرتی تبادلہ میں شریک ہو۔ انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آیندہ کی رفتار کو روک سکتا ہے یا ترقی کر سکتا ہے یا ابتر و خراب

حالت میں ڈال سکتا ہے ؎

یہ اقتدار اس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یا نا تربیت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا اور کسی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُن کی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُن میں دیکھتے ہیں تو ہم کو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اُس کے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اُن کی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم اور تربیت اُن میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُن میں عُمدہ عُمدہ عادتیں اور خصلتیں بیٹھ جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُن میں بد عادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں بہر حال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو کچھ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُس کا اثر دنیا میں رہ جاتا ہے ؎

لڑکپن کے زمانہ میں جو عُمر کہ سات برس سے پندرہ برس تک ہے وہی انسان کی زندگی کا ہے جس میں آیندہ کی بہبودی کے لیئے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل ہر چیز کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوت غور مضبوط ہوتی ہے اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عُمدہ عُمدہ نظیروں سے تربیت پانا جسکو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لیئے ذہنی و عقلی و اخلاقی تخم ریزی کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اُس کے تخم کو جس میں آیندہ نہایت عُمدہ عُمدہ پھل پھول پیدا ہوں گے بہت جلد اُگا دیتا ہے لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فایدہ ہوتا ہے کیونکہ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخرکار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعت ثانی کہلاتی ہے جس کا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے ؎

ایک نہایت لایق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ " لڑکپن کی طبیعت کتنی نیز سے امر اہم کی چیز ہے کہ آیندہ کی بھلائی یا بُرائی اُسی کی احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہے جو لڑکوں کے مربیوں کی طرف سے ہوتی ہے " پس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کا سب سے

بڑا کام یہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لیئے عمدہ انتظام کریں جن سے ہمکو آیندہ کی بہبودی کی توقع ہے ورنہ ہمپر یہی مثل صادق آوے گی کہ "میاں کہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھتے ہیں"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اور بڑا سبب اُن کی حالت کے تباہ ہونے اور اولاد کے نالایق رہنے یا آوارہ ہو جانے کا یہی ہے - ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جن میں اطفال آوارہ اور خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ اُسکو تو سب بُرا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوب تربیت پائی ہے غلطی اس لیئے ہے کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اُن کو کچھ لیاقت نہیں آتی اور اُن کے دل میں اخلاقی فیاضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی۔ تمام قوا جو اُن میں خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں سب پژمردہ اور ناکارہ رہ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ قوا جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آور اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہے باقی نہیں رہتے۔

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی ہمجولیوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسر خاندان کی صحبت اُٹھائے اور دوزانو بیٹھنا اور جھک کر سلام کرنا یا عین کو ٹھیک اُس کے مخرج سے نکال کر سلام وعلیک کرنا اور ہاتھ جوڑ کر مزاج شریف پوچھنا سیکھ جاوے تو نہایت سعادتمند اور تربیت یافتہ گنا جاتا ہے اور جب اُسکے ساتھ اُسکو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میاں جی یا مُلا سے پڑھتا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے کنگورہ پر پہونچا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اگر بخت و اتفاق سے اُس نے دو چار کتابیں زیادہ پڑھ لیں اور صدرہ شمس بازغہ پڑھنے لگے تو پھر تو با واجان پھولے بھی نہیں سماتے اور لڑکے کا میاں مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اَور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند تعصبات مذہبی نے اُن کا گلا گھونٹا اور نماز پڑھ پڑھ کر ماتھے پر سیاہ گٹا ڈال لیا اور دو چار فقہ حدیث کی کتابیں پڑھ لیں اور مسلہ مسایل بھگارنے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑھ گئے اور شبلی و جنید کو بھی بڑھانے لگے۔

مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہے بلکہ مفید تربیت ہونے کے لیئے اَور بہت کچھ ہونا چاہیئے پس اگر غور سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہ تربیت کچھ تربیت نہیں ہے ایسی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود

ہوجاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادہ اُن میں نہیں رہتا اُن کی حرکات مؤدبانہ صرف ایسے
بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جس کو سلام کہنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو
اُن حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و
اخلاق کے مقتضی پر ہوتی ہیں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور
مؤدب بہادری اور ممدوح خودداری ہونی چاہیئے جسکو مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے
ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اُسکی طبیعت بعوض اِس کے کہ بلند ہونے پر مائل ہو پست
ہونے پر رجوع کرتی ہے جس کا بد اثر اُسکی آیندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے پڑھنا لکھنا آجانے سے
اور منطقی یا فلسفی ہوجانے سے کامل تربیت خیال نہ کرلینی چاہیئے قطع نظر اسکے کہ علوم غیر مفیدہ
کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتے صرف پڑھ لکھ لینے سے تربیت کامل نہیں ہوجاتی بہت سے
پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندہ ناتراش ہونے سے کچھ زیادہ
رتبہ نہیں رکھتے پس تربیت کامل کے لیئے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہے ویسا ہی اُسکے
ساتھ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہے جس سے روز بروز اُسکے
خیالات کو وسعت ہوتی جاوے اُس کی اُمنگ بڑھتی جاوے اُس کے قوا شگفتہ و شاداب
رہیں غیرت جو ایک بڑا جوہر انسان کا ہے اور بُرائیوں سے بچانے کے لیئے نہایت عمدہ اور سچا
محافظ ہے ہمیشہ ترقی پر رہے۔ ظاہری اخلاق اور مؤدبانہ حرکات اوپر اوپر مثل روغن قاز کے
نہ لگائے جاویں بلکہ مثل چشمہ شیریں کے خود اندر سے نکلیں۔ نماز و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا
فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہے مگر جب قسم اُس کی تعلیم ایسے بد طریقے سے ہوتی ہے جیسیکہ اب مسلمانوں
میں مروج ہے اُس سے بجز اسکے کہ بد تعصبات بڑھ جاویں اور بعوض نیکی اور نیک دلی کے
صفات ذمیمہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے دار سخت پوست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم
اور رقت اور ہمدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پائے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا
ایسا تربیت یافتہ شخص بجائے اسکے کہ فخر اسلام ہو ننگ اسلام ہوتا ہے۔ اس لیئے مسلمانوں
کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم کی فکر ہونی چاہیئے اُسی کے ساتھ اس بات کی بھی بہت بڑی فکر
لازم ہے کہ زمانہ تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہیئے جس سے
مقاصد مذکورہ بخوب ترین وجوہ حاصل ہوں +

کچھ خفا ہونے کی بات نہیں ہے ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیئے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصائح کا

اثر صرف دل پر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اُس کا اثر ہو اور اس لیئے راست باز اور دیندار اور پرہیزگار عالی ہمت مستقل مزاج اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لیئے یہ بات ضرور ہے کہ لڑکوں کا دل اور اُن کی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہو جاوے ورنہ تمام پند و نصایح اور نماز و روزہ نقش برآب ہوتا ہے اور نہایت جلد سب میں فتور آجاتا ہے اور تمام زندگی کی اُمیدیں اور بہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اُن سے کہا گیا پر سمجھنے نہیں دیا کہ فلانی چیز درحقیقت عمدہ ہے اور ہر چیز کی قدر صرف اُسکی عمدگی ہی پر منحصر ہے +

اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُن کے ماباپ پر ہے مگر جیسی تعلیم کہ مطلوب ہے وہ بغیر اس کے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہو کر اُسکو قایم نکرے ممکن نہیں ہے اور اس لیئے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ ایسے سامان تعلیم کے موجود نہونے سے تمام قوم گنہگار اور شرمسار ہے اور اس لیئے مَیں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہوں گے اور اس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو بسبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑھ گیا ہے توجہ فرماوینگے۔ واللہ ولي التوفیق وھو حسبي ونعم الرفیق +

# غلامی

آزادی اور غلامی آپس میں ایسی نقیض ہیں کہ نہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے نہ دونوں کا ارتفاع اور اس لیئے یہ دونوں داخل مرضی پروردگار نہیں ہو سکتیں ورنہ خود پروردگار کی مرضی میں تناقض لازم آویگا جو اُسکی حکمت بالغہ کے شایاں نہیں ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگی یا یوں کہو کہ قانون قدرت دو نقیضوں کا متقاضی نہیں ہو سکتا اور اس لیئے اُن میں سے ایک ہی مقتضائے قانون قدرت ہوگی +

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خودمختاری رکھی گئی ہے وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے اُسکو تمام قوائے ظاہری و باطنی دیئے گئے ہیں۔ اُن کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور اُن کے انجام کی سوچ اُسکو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے اُسکی فطرت

ایسی ہے کہ اپنے لیئے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیئے حاجتمند ہے پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس پتلے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پتلا خود اپنا آپ مالک رہے ❊

صانع نے یہ تمام قوے جو انسان کو عطا فرمائے ہیں ان سے اُس کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام قویٰ انسان میں اس طرح پر شگفتہ و شاداب رہیں کہ اعتدال سے خارج نہونے پاویں اور ایک دوسرے کی نقیض نہ ہوجاویں۔ انسان کی ذاتی محنت اُسی کے لیئے سود مند ہو۔ غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوے بعوض شگفتہ و تر و تازہ رہنے کے پژمردہ بلکہ بعض معطل و بیکار ہو جاتے ہیں اُسکی محنت اُسکی سودمندی کے لیئے نہیں رہتی پس کسی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہوسکتی ❊

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں مگر اُس کی حقیقت کچھ نہیں بتلا سکتے ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی مملوک ہونے کی لیاقت ہی نہیں رکھتی کیا نتایج قانون قدرت یا خدا کی روح یا امر رب کسی کی ملکیت ہوسکتی ہے؟ کیا ہم سی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آسکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ پس صاف عیاں ہے کہ غلامی اُس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے ہیں ❊

مگر انسان کی بدبختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نہ رہی ہو۔ بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے۔ بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر بجز ایک کے اور کسی نے اس قانون قدرت کے مخالف کا کچھ تدارک نہ کیا موسیٰ صلواۃ اللہ علیہ نے اسکو جایز ہی رکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ یونانی حکیموں نے ازروئے اصول اخلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض ہی نہیں سمجھا۔ ارسطو باوصف اس دانائی کے یہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو آزادی اور غلامی میں تقسیم کیا ہے وہ یہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے وہ ایک قسم ہی جدا ہے۔ اوّل تو یہ سمجھ ہی اُس بڑے حکیم کی جو ہر طرح ہمارے ادب کے لایق ہے غلط تھی اور سوائے اسکے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلامی کسی خاص قوم پر مخصوص نہیں رہ سکتی فلاطون

اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ ہونے چاہئیں زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اُس ایک فیاض شخص کا اصول مقررہ جس نے آیندہ کی غلامی کی جڑ کو کاٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن ہوا اُن کو آزادی کا خلعت پہنایا۔ ایسا غفلت میں پڑا رہا کہ بہت ہی کم اُسپر خیال ہوا۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مضمون کی اصلیت پر بموجب مذہب اسلام کے کچھ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اس کے ہم چاہتے ہیں کہ اس آرٹیکل میں غلامی کا کچھ مختصر حال بیان کریں کہ کس کس طرح پر اور کن کن قوموں میں رائج تھی اور کیسی کیسی بے رحمیاں اُن کی نسبت ہوتی تھیں ؛

غلامی کا رواج ایسا پرانا معلوم ہوتا ہے جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باہر ہے۔ غالباً تواریخ دنیا کے شروع ہی سے غلامی پیدا ہوئی تھی۔ اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جاتی ہے کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجائے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اس سبب دو طریق غلامی کے رائج ہوئے۔ ایک وہ جو لڑائی میں لوگ قید ہوتے تھے اور یہ طریق جائز اور بے عیب اور گویا قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا اور تمام قوموں نے اپنی تہذیب و شایستگی کے زمانہ میں بھی اُس کو صحیح سمجھا تھا۔ دوسرے وہ قیدی جو دغا و فریب سے یا دزدی سے قید کیے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ویسا ہی طریقہ برتا جاتا تھا جیسا کہ جائز غلاموں کے ساتھ۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا ہوتے گئے ؛

تمام مشرقی قومیں جن کا حال ہم کو معلوم ہے غلام رکھتی تھیں۔ یہودیوں کے ہاں غلامی قانوناً جائز تھی۔ ایرانی بھی بہ سبب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں صرف دوسری ہی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ مفلس مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچ ڈالتا تھا۔ چور بطور غلام کے رہتے تھے۔ البتہ بہ نسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُن کی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا۔ سات برس بعد ہمقوم غلام آزاد ہو جاتے تھے اور ہر پچاسویں برس عام طور پر ہمقوم غلام آزاد کیے جاتے تھے ؛

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی۔ وہاں ایک قوم وہاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آقا کی زمین کاشت کر کر اُس کو لگان دیتی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے

آقا کے ساتھ ہوتی تھی - ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی تھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملک میں فروخت نہیں ہوسکتی تھی اور نہ اپنے عیال و اطفال سے جُدا رکھی جاتی تھی بلکہ قطع جائداد بھی کرنے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل ہوتے تھے وہ تو مثل اَور جانداروں کے تھے کہ جب اور جہاں چاہو بیچ ڈالو - اُن سے محنت مزدوری کروائی جاتی تھی - کانیں کُھدوائی جاتی تھیں اور اُن کی اُجرت اور منفعت اُن کے آقا لیتے تھے - اُن غلاموں کی جو اولاد ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی - تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بدبختی تھی کہ وہ خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے - ایتھنز میں غلاموں کی حالت اَور ملکوں سے اچھی تھی ٹریا ستھینز کا قول ہے کہ بمقابلہ اَور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت اچھی ہے ؎

رومیوں میں بھی غلامی تھی - مگر اُن کی سمجھ سب سے عُمدہ تھی - رومی معتقد سمجھتے تھے کہ خدا تعالےٰ نے سب کو آزاد بنایا ہے اور غلامی قانون خالق کے برخلاف ہے مگر صرف ملکی قانون کے مطابق وہ غلامی کو جائز رکھتے تھے اور اِس لیئے اُن لوگوں کو جو لڑائی میں قید ہوتے تھے اور اُن آزاد شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ ڈالتے تھے غلام سمجھتے تھے - آقا کا اختیار غلام کو سزا دینے یا قتل کرنے کا نامحدود تھا - ضعیف و ناکارہ غلام ٹائیبر کے جزیرہ میں فاقہ کشی کرتے کرتے مرجانے کے لیئے چھوڑ دیئے جاتے تھے - سلطنت کے قوانین نے ان بیرحمیوں کی کسی قدر روک تھام کی تھی - یہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلا سبب قتل کر ڈالے تو اُس کے ساتھ اِسطرح پیش آیا جاوے کہ گویا اُس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہے - اگر کوئی آقا اپنے غلام پر بہت سخت بےرحمیاں کیا کرتا تھا تو آقا اِس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اُسکو بیچ ڈالے - کلاڈیس کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا - غلام جب بیچے جاتے تھے تو ماں باپ - لڑکے - بھائی بہن جُدا جُدا کیئے جا سکتے تھے - غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا اور اُن کے اور اُن کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا - بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جُرم تھا - اُن کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقے تھے جو از رُوئے قانون کے معین اور محدود کیئے گئے تھے ؎

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ اُن کی بہت کثرت ہوگئی یہانتک کہ کُل کاشتکاری غلاموں کے ذریعہ سے ہوتی تھی - سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو روم میں تھی دس مقدور لوگ نہایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں اُسی قدر شان و شوکت

زیادہ متصور ہوتی تھی - ایک شخص کے پاس دو سَو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اُسکو معمولی بات سے کچھ زیادہ سمجھیں ٭

ابتدا میں غلام کوئی جائیداد پیدا نہیں کر سکتا تھا - جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھ اُس کے آقا کی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعضی دفعہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اِس قدر روپیہ تک پہنچ جاوے گا تو غلام آزاد ہو جاویگا ٭

ہندوؤں میں بھی دھرم شاستر کے بموجب غلامی جائز تھی اور بمفصلۂ ذیل صورتوں میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو جاتا تھا - لڑائی میں قید ہونے سے - خود اپنے تئیں کسی کا غلام بعوض روپیہ کے یا قحط سالی میں بعوض نان و نفقہ دینے کے یا اَور کسی سبب بنا دینے سے ٭ بعوض زر قرضہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہو جانے سے - ماں باپ کا اپنی اولاد کو بیچ دینے سے - اَولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی - غلاموں کا بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور روز انتقال سے منتقل الیہ کی غلامی میں آ جاتا تھا ٭

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور اُسکو حقیر نام یعنی دو پائی مویشی دیا گیا ہے - دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہے جسکے ذریعہ سے وہ بیرحم آقا کے تشدد و بدسلوکی سے محفوظ رہے اور نہ اُس میں آقا کے اختیار کی جو اُسکو غلام پر ہو کچھ تصریح ہے ٭

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہے - اُس کا مال مکسوبہ بھی اُس کا حق نہیں ہے - دھرم شاستر میں بجز آقا کی خوشی کے اَور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے - اِلّا اگر اُس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہے - اگر آقا سے لونڈی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہ ہو تو دونوں آزاد ہو جاتے ہیں یا جو سبب غلامی کا ہے وہ نہ رہے تو غلام آزاد ہوتا ہے ٭

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض ہیں یعنی غلام جو کاشت اراضی سے تعلق حق موروثی کا رکھتے ہیں اِس قسم کے غلاموں سے احکام جائیداد غیر منقولہ کے متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لیئے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں

اختیار حاصل ہے۔

مذہب اسلام کے پیروؤں کا باعث جس قدر [illegible] اور غلاموں کی آزادی کا فرمان جیسا کہ اول مذہب اسلام سے پایا جاتا ہے۔ دنیا میں جاری کرنے پر افسوس ہے کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں ہیں [illegible] اور باوجودیکہ اس زمانہ میں تمام ملک روشن ہوگئے ہیں مگر اسلامی ممالک ابھی تک تاریکی اور اندھیرے میں ہیں۔

اگرچہ عیسائی مذہب نے کچھ بھلائی غلاموں کے حق میں نہیں کی تھی مگر بائبل کی عیسائیوں نے اُن کے حال پر رحم کیا اور یہ نیکی اور بلند نامی انہوں ہی نے حاصل کی جس کے نتیجے غلاموں کے رفتہ رفتہ آزاد ہوجانے میں بڑی کوشش کی۔ عیسائیوں ہی نے اُن آقاؤں کو جو اپنے غلاموں کو بے اطلاع حاکم مار ڈالتے تھے ملعون قرار دیا مگر اس زمانہ میں یہ آفت ترک نہ ہوسکی اور وحشی حملہ کرنے والے وحشت سے غلام اپنے ساتھ لاتے جو اکثر سلیوینین قیدی تھے اور جس سے انگریزی لفظ سلیو یعنی غلام نکلا ہے۔ تھوڑے زمانہ بعد تمام یورپ میں ایک قسم کی غلامی مروج تھی جو سرف کے نام سے کہلاتی تھی۔ سلیو اور سرف میں یہ فرق تھا کہ سلیو کو آقا فروخت بھی کرسکتا تھا مگر سرف سے صرف بعینہٖ کام لینے کا حق رکھتا تھا۔

جبکہ نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت ہوئی تو عیسائی قوموں میں غلامی کے معاملہ کی بڑی گرم بازاری ہوئی۔ امریکہ کے قدیم باشندے کمزور تھے اور جن مشکل اور محنت کے کاموں کی وہاں حاجت تھی اُس کے قابل نہ تھے۔ اس لیئے پورچگیز والوں نے جن کے قبضہ میں بہت بڑا حصہ افریقہ کا تھا وہاں سے حبشیوں کو لیجانا شروع کیا۔ لاس کیسیس صاحب چیپا کے بشپ نے امریکہ کے باشندوں کو لائق محنت کانوں کے کھودنے کے نہ دیکھکر کنگ چارلس بادشاہ انگلینڈ سے درخواست کی کہ اُن کے بدلے حبشی غلام کام کرنے کو دیئے جاویں کیونکہ وہ مضبوط اور توانا ہیں چنانچہ اس بادشاہ نے سنہ ۱۵۱۷ء میں حبشی غلاموں کے لائے جانے کا حکم دیا۔ انگریزوں میں سب سے پہلے جس نے غلاموں کی تجارت شروع کی وہ سر جان ہاکنس تھے جن کا نام غلامی کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاویگا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اور بہت سے لوگ اُن کے ساتھ غلاموں کی تجارت میں شریک ہوگئے۔ انگلستان نے سنہ ۱۶۸۰ء سے لغایت سنہ ۱۷۸۶ء کے تین لاکھ غلام ذریعہ سے حاصل کیئے اور اس کے بعد لغایت سنہ ۱۷۸۶ء صرف جمائکہ میں چھ لاکھ دس ہزار غلام

[illegible] غلاموں کی [illegible] کمی سے ہوتی تھی جس کا حال سُنکر تعجب آتا ہے۔ جہاز میں نہایت بے رحمانہ [illegible] کے بھرے جاتے تھے اور امریکہ پہنچنے [illegible] ان کی حفاظت نہ ہوتی تھی اور جہاں انگریزوں کی عملداری تھی وہاں اُن غلاموں [illegible] ان کی خرید و فروخت کے لئے [illegible] مقرر تھیں۔ عورتوں کو کوڑے [illegible] بالکل [illegible] تھی مگر یہ بات [illegible] کے قابل ہے کہ جس زمانہ میں امریکہ میں جہاں [illegible] عملداری تھی قوانین مذکورہ بالا غلاموں کی نسبت جاری تھے۔ اُس زمانہ میں انگلینڈ میں نسبت غلامی کے کیا قانون تھا۔ اُسی زمانہ یعنی ١٧٧٢ء میں مقدمہ غلامی مسمی سمرسٹ حبشی عدالت میں پیش ہوا [illegible] یہ تجویز ہوئی کہ انگریزی زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے گو کہ وہ واپس جانے اور غلامی کے ملک میں اُس کا آقا پھر اسپر دعویٰ کر سکتا ہے۔

ولایت میں ایک میرے انگریز دوست نے مجھ سے کہا کہ نہ صرف ہماری قوم ہی کو آزادی کا فخر نہیں ہے بلکہ ہماری زمین کو بھی یہ فخر ہے اس لئے کہ جو شخص ہماری زمین پر قدم رکھتا ہے سو وہ کسی کا غلام ہی کیوں نہ ہو اُسی وقت سے آزاد ہے۔ اُس کے اس کہنے نے میرے دل پر نہایت اثر کیا اور میں نے کہا کہ بلاشبہ تمھاری زمین کو یہ بڑی عزت ہے جو خدا نے دی ہے۔

اُسی زمانہ میں رحیم اور نیک دل انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ غلاموں کی تجارت کی موقوفی پر کوشش کرنی چاہیئے چنانچہ ١٧٨٧ء میں ایک سوسائٹی واسطے موقوفی غلاموں کی تجارت کے لنڈن میں قایم ہوئی۔ اُس کے ابتدائی ممبر ڈبلیو ڈلون صاحب اور طامسن کلارکسن صاحب اور گرینول شارپ صاحب تھے جنکی نیک نامی ہمیشہ یادگار رہیگی۔ اس معاملہ میں سب سے زیادہ پُرجوش اور نہایت مستعدی سے رائے دینے والے اور گفتگو کرنے والے ولیم ولبرفورس صاحب تھے جن کی تائید ولیم پٹ وزیر سلطنت کی جانب سے ہمیشہ ہوتی تھی۔ غرضکہ رفتہ رفتہ ان انسان کی بھلائی چاہنے والوں کی بدولت فروری ١٧٨٨ء میں سلطنت انگلستان نے حکم دیا کہ بذریعہ کمیٹی پریوی کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقیقات کیجاوے اور ایک قانون بنایا گیا جس سے جہاز میں بے انتہا غلاموں کے بھر لینے کی کچھ اصلاح ہوئی۔ بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ ولبرفورس صاحب نے جو مسودہ قانون کا اس مطلب سے بنایا تھا کہ

آیندہ سے تجارت غلاموں کی موقوف ہو وہ مسودہ ۱۷۹۱ء میں گم ہوگیا - اسی اثنا میں انگریزوں ... بھی فتح پائی اور غلاموں کی تجارت نے پھر افزایش پکڑی - مگر ۱۸۰۵ء میں کونسل سے ایک حکم مشعر امتناع تجارت ان مفتوحہ نوآبادیوں میں جاری ہوا اور پھر ۱۸۰۶ء میں ایک قانون بنایا گیا کہ انگریزی رعایا کسی طرح غلاموں کی تجارت میں شریک نہ ہو اور اسی سال مسٹر فاکس صاحب نے ایک رزولیوشن ہوس آف کامنز میں پیش کیا اور وہ جاری بھی ہوگیا کہ آیندہ سے کلیتہً غلاموں کی تجارت موقوف ہو - لارڈ گرنول صاحب کی تحریک سے ہوس آف لارڈ نے اُس رزولیوشن کو منظور کیا اور انگلنڈ نے اس فیاضانہ اور رحیمانہ بلکہ انسانیت کے کام میں بلندنامی حاصل کی ۔

اُس کے بعد دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۸۰۷ء میں لارڈ ہاک صاحب نے جو بعد کو ارل گرے ہوئے ایک مسودہ قانون ہوس آف کامنز میں پیش کیا کہ یکم جنوری ۱۸۰۸ء کے بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو - دونوں ہوس یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں مارچ ۱۸۰۸ء کو اُس قانون کی نسبت شاہی منظوری حاصل ہوئی ۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ جس کُرۂ زمین پر ایسے فیاض اور عالی ہمت لوگ رہتے تھے جنھوں نے اس رسم بد کی موقوفی پر بے انتہا کوششیں کیں وہاں کمینہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے اور اُنھوں نے غلاموں کی تجارت کو نہ چھوڑا اور اسپین اور پورچگیز کے جھنڈوں کی آڑ میں اُن کی تجارت کرتے تھے اور بکثرت سے غلام جہازوں میں بھرنے لگے اور جب کوئی جہاز اُن کی تلاشی کو جاتا تو حبشی غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو حکم کہ اُس قانون میں غلاموں کی خرید فروخت کرنے پر تھا وہ اس رسم بد کے بند کرنے کو کافی نہ تھا اس لیئے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت مجسم مسٹر بروہم صاحب نے ۱۸۱۱ء میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جو بالاتفاق سب کے منظور ہوگیا اور جس میں یہ بات قرار پائی کہ تجارت غلاموں کی جرم کبیرہ ہے جس کی سزا چودہ برس کی قید مع جلاوطنی یا تین برس سے پانچ برس تک کی قید مع مشقت شاقہ دی جاوے گی ۔

۱۸۲۴ء میں ایک اور ایکٹ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت جرم بحری ڈکیتی قرار پایا - جو نہایت سنگین جرم ہے اور پھر ۱۸۳۷ء میں اُسکی ترمیم ایک ضابطہ فوجداری کے نفاذ سے ہوئی

اور تجارت غلامی کی سزا حبس دوام مع جلا وطنی قرار دی گئی ٭

ان بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عملداری میں سے غلاموں کی تجارت اٹھ گئی اور اُسی کے ساتھ امریکہ کے یونائیٹڈ سٹیٹ سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی امریکہ کی جمہوری سلطنت [illegible] وینزیلہ و چلی و بیونس ایرز اور سویڈن اور ڈنمارک اور ہالنڈ سے بھی موقوف ہوئی۔ انگریزوں کی اس فیاضی کو دیکھکر یورپ کی اور سلطنتوں کو بھی اس بد تجارت کے اٹھا دینے کی ترغیب ہوئی اور اُس کے لیے قانون بنائے گئے اور عہد نامے کیئے گئے چنانچہ ۱۸۱۵ء و ۱۸۱۷ء میں پورچگیز اور اسپین کی سلطنت نے بھی اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی اور ۱۸۲۶ء میں برازیل نے قبول کیا کہ بعد ۱۸۳۰ء کے اگر غلاموں کی تجارت اُس ملک میں ہو تو ڈاکیتی بحری کا جرم سمجھا جاوے اور ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء میں جو عہد نامہ فرانس سے ہوا اور جس کو قریباً کل یورپ کی بحری سلطنتوں نے منظور کیا اُس سے استحقاق سمندر میں جہازوں کی تلاشی کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے حاصل ہوا اور پھر کنٹیوپل عہد نامہ کے مطابق جو ۱۸۴۱ء میں ہوا اس عہد نامہ [illegible] پانچ بڑی سلطنتوں میں وسعت دی گئی۔ پھر آشبرٹن کے عہد نامہ سے جو ۱۸۴۲ء میں [illegible] ہوا ایک فوج مشترک افریقہ کے کنارہ پر واسطے موقوفی تجارت غلاموں کے قائم ہوئی پھر ۱۸۴۵ء میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو استحقاق تلاشی غلامان [illegible] حاصل ہوا ٭

فیاض اور [illegible] انگریزوں کو یہ خیال بھی تھا کہ موجودہ غلام بھی آزاد کیئے جاویں اس بات کے لیئے سوسیٹیاں کی گئیں اور ہوس آف کامنز میں بحث بھی ہوا کی۔ آخر کار ۱۸۳۳ء میں مسٹر اسٹینلی صاحب نے جو اُس زمانہ میں نوآبادیوں کے وزیر تھے غلاموں کی آزادی کے لیئے قانون کا مسودہ پیش کیا اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز میں منظور ہوا اور ۲۸۔ اگست ۱۸۳۳ء کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کروڑ پونڈ یعنی [illegible] روپیہ غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقصان دیا گیا۔ مگر خیال کرنا چاہیئے کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا یہ روپیہ اُسی ملک کی [illegible] دیا تھا جس ملک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب شایستگی میں بے نظیر نہیں۔ [illegible] ۱۸۴۸ء میں فرانس نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا اور ۱۸۶۳ء میں ڈچ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی و جنوبی امریکہ میں جو لڑائی غلاموں کی آزادی کے لیئے ہوئی وہ ابھی تک دنیا کی آنکھوں سے محو نہیں ہوئی ہے ٭

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں اُن کے ہم دل سے ثناخواں ہیں اور اِس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی تجارت بالکل موقوف کر دی اور بردہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دل سے گورنمنٹ کی کارروائی کی جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہے ثناخواں نہیں ہیں۔ ہمکو ظن غالب ہے کہ ہندوستان میں درمیان ہندوستانی عملداریوں کے بردہ فروشی جاری ہے اور گورنمنٹ کچھ کافی تدبیر اُس کے لیئے نہیں کرتی۔ بعضی دفعہ ہمکو خود انگریزی عملداری میں بردہ فروشی ہونے یا لونڈی اور غلام لانے کا شُبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ہم کسبیوں کے ہاں نئی نئی نوچیوں کا اور ہیجڑوں کے ہاں نئے نئے چیلوں کا اور نوابوں کے ہاں نئے نئے خواجہ سراؤں کا آنا سُنتے ہیں۔ ہم دل سے کہتے ہیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اَبْ تک انگریزی گورنمنٹ کے سر پر ہے موجودہ قانون ان امورات کے تدارک کے لیئے کافی نہیں ہیں مگر اُمید ہے کہ کسی دن یہ رسم بد ہندوستان سے بالکل موقوف ہوگی ॥

یہ سب تو ہمنے کہا مگر ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ مُسلمان گورنمنٹوں نے اِس باب میں کیا عزت کمائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اِس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کو نصیب ہے۔ اب بجز مسلمان گورنمنٹوں کے اَور کہیں غلاموں کی تجارت جاری نہیں ہے ہم نے جو دین و دنیا دونوں کا خسران مُسلمان گورنمنٹوں کی نسبت منسوب کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مطابق غلاموں کی تجارت اور بردہ فروشی جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ گناہ ہے اور دوسرا گناہ عظیم یہ ہے کہ غیر قومیں اسلام پر طعنہ مارتی ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہ غلط نتیجہ نکالتی ہیں کہ مسلمانی مذہب میں یہ باتیں جائز ہیں۔ سلطان روم نے درباب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش کی ہے اور جہاں تک کہ اُن کی عملداری یورپ کے ٹکڑے میں ہے وہاں کسی قدر وہ کوشش مؤثر بھی ہوئی ہے مگر اُس کے سوا کچھ کارگر نہیں ہوئی۔ کیا افسوس اور شرمندگی کی بات ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب میں گائے بیل کی مانند نہایت بے رحمی سے لونڈی غلام بازاروں میں بکتے ہیں۔ دیکھو غلط اوہام مذہبی میں پڑنا اور بیجا رسم کی تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ سلطان سے ایسی رسم قبیح کا جس کے ناجائز اور خلاف شرع ہونے پر علماء اور قضات پایہ تخت نے فتوی بھی دیا ہے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا اور اِس فعل ناشایستہ سے دنیا میں جو ذلت اور

حقارت اور وحشی اور نصف وحشی کا لقب ہے - وہ تو خود ہی ظاہر ہے - پس مسلمان گورنمنٹوں کو اس فعل کے سبب ہماری ملامت کرنا اور خسر الدنیا والآخرۃ کہنا کچھ خلاف نہیں ہے ✦

مگر مصر کا حال سُن کر ہمارا دل تھوڑا سا خوش ہوتا ہے - ولیم مورڈ رسل صاحب جو نہایت نامی گرامی ہیں اپنے روزنامچہ میں اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اس نیکی کے حاصل کرنے اور رسم بد کے موقوف کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیاب بھی ہوا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو ہم بھی دل سے اسمٰعیل پاشا کی خیر مناتے ہیں اور دُعا دیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں مگر ہم نے جو ٹھنڈے دل سے یہ دُعا دی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خود مصر میں دیکھا ہے کہ حبشی غلام خواجہ سرا نہایت کثرت سے ہیں اور خود اسمٰعیل پاشا کے محل میں موجود ہیں - پس یہ کیا خدا کی دوھری لعنت یعنی ایک غلامی اور دوسرے خوجہ کرنا مصر والوں کی سیاہ روئی اور پُورے وحشی ہونے کے لیئے کم ہے - افسوس کہ ان ناخدا ترس مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذہب اسلام کو بدنام کیا ہے اور دھبہ لگایا ہے - سبحان اللہ - جو فعل مبغوض رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تھا اُسی قسم کے لوگ یعنی خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اور خانہ کعبہ پر متعین کیئے گئے ہیں اور یہ ہیئے کے پھوٹے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں اور اُس کے مخالف کو لامذہب یا کرسٹان بتاتے ہیں - فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ✦

اگرچہ مسٹر رسل صاحب کی کتاب متعلق غلامئ مصر پڑھ کر ہمارا دل خوش ہوا مگر جس لفظ نے ہمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا بیان کرنا بھی ہمکو ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں اُنھوں نے اسمٰعیل پاشا کے اس نیک کام کی تعریف لکھی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے برخلاف اپنے مذہب و ایمان کے یہ نیک کام کیا ہے - اس تحریر پر ہم کچھ مسٹر رسل صاحب سے ناراض نہیں ہوئے اُنھوں نے ٹھیک لکھا ہے مگر اُن کا فرمسلمانوں سے ناراض ہوئے جنھوں نے اپنے افعال ناشایستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ہے جس کے سبب غیر قومیں اُن افعال کو مذہبی اور ایمانی افعال سمجھتی ہیں اور مذہب اسلام کو حقارت سے دیکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ تہذیب اور شایستگی اور انسانیت مذہب اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی - پس ہم نے یہ مضمون اسی لیئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم دکھائیں کہ مذہب اسلام نے غلاموں اور غلامی کی نسبت کیا کیا ہے اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے - چنانچہ انشاء اللہ تعالےٰ ہم دوسرے

آرٹکل میں جو غلامی پر لکھینگے اُس میں مذہب اسلام کے مطابق مضمون غلامی پر بحث کرینگے اور اسلام کی روشنی (مگر نہ زید و عمر کی) دنیا کی آنکھ میں دکھاویں گے ۔ من اور او دست بیدارم و دیگران زید و عمر را ۔

## عورتوں کے حقوق

تربیت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں ۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے ۔ اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے لیئے بمنزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھ کے ۔ یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سونا آنے کے ہے اور مرد بمنزلہ روپیہ کے ۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے ۔ بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اُس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے ۔ انگلنڈ جو عورتوں کی آزادی کی بڑی حامی کار ہے جب اُس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لایعقل اور لاشئے سمجھا ہے ۔

انگلنڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدل ہو جاتی ہے ۔

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیئے وہ کسی دستاویز کی جو اُس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو ذمہ دار نہیں ہو سکتی ۔

جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائیداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آجاتی ہے ۔

جو جائداد کہ عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُس کا شوہر تا حین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وُہی اُس کا محاصل لیتا ہے ۔

وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ اُس پر کوئی دعویٰ رجوع کر سکتا ہے ۔

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی ۔

وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیئے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی ✦

سنہ ۱۸۶۸ء میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائیداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اُسمیں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جائیداد سے محروم ہو جاتی ہے منسوخ کیا جاوے ✦

آنریبل مسٹر رسل گرنی ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اُس وقت اُنھوں نے نہایت تعجب بات یہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھ جائیداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت و لیاقت سے کماتی ہے بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا سب پر شوہر مالک ہو جاتا ہے۔ پس شادی کا اثر اُس عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کسی جرم قابل ضبطی جائیداد کا اثر ہوتا ہے ✦

اِس گفتگو پر تمام ہوس آف کامنز ہنس پڑا۔ اور کسی ممبروں نے آنریبل مسٹر رسل گرنے کی تائید کی پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اس سے زیادہ خراب اور ضرر رساں اور نا انصاف نہ ہوگا ✦

## ذکر مسلمانی قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر اُن کے حقوق اور اختیار تسلیم کیئے گئے ہیں ✦

حالت نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور ہے الا بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے ✦

جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہیں جس طرح کہ مرد کی بے رضا مندی نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا ✦

وہ اپنی تمام ذاتی جائیداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اُس میں تصرف کرنیکا اُسکو اختیار کامل حاصل ہے ✦

وہ مثل مرد کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُسکی ذات اور اُسکی جائیداد اُن معاہدوں اور دستاویزوں کی پابند معاہدہ ہے جو اُس نے تحریر کی ہوں ✦

جو جایداد قبل شادی اور بعد شادی اُس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُسکی مالک ہے
اور خود اُس کے محاصل کی لینے والی ہے ؛

وہ مثل مرد کے دعویٰ بھی کرسکتی ہے اور اُسپر بھی دعویٰ ہو سکتا ہے ؛

وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور جو چاہے اُسکو بیع کرتی ہے وہ مثل مرد کے
ہر قسم کی جائداد کو ہبہ و وصیت اور وقف کرسکتی ہے ؛

وہ رشتہ داروں اور شوہر کی جائدادوں سے بہ ترتیب وراثت ورثہ پا سکتی ہے ؛

وہ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کرسکتا ہے حاصل کرسکتی ہے ؛

وہ تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وہی سزائیں پا سکتی ہے جو مرد
پاسکتا ہے ؛

کوئی قید خاص عورت پر بجز اُس کے جو خود اُس نے بسبب معاہدہ نکاح کے اپنے پر
قبول کی ہیں یا اُس تفاوت سے جو عورت میں جو نیچر یعنی قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے
بنایا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔ پس حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت و مرد
کو برابر سمجھا ہے ویسا ہی نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی قوم کے قانون میں ہے ؛

مگر تعجب اور کمال تعجب اس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں
کی جو حالت ہے اُسپر بہت کچھ نام رکھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک
کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہے
حالانکہ معاملہ بالعکس ہونا چاہیئے تھا ؛

عورتوں کی حالت کی بہتری جو تربیت یافتہ مُلکوں میں ہمنے تسلیم کی ہے اُس میں کچھ بھی
خیال ہمنے بے پردگی کی آزادی کا نہیں کیا ہے کیونکہ ہماری رائے میں ہندوستان میں اس
باب میں جس قدر کہ تفریط ہے اُسیقدر تربیت یافتہ مُلکوں میں افراط ہے اور جو حد کہ شرع نے
مقرر کی ہے اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کرسکتا ہے اور اپنی عقل کو کام میں لاسکتا
ہے بلا شبہ وہی حد نہایت درست اور ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام پر جو ہمکو بحث ہے
وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور تواضع اور خاطرداری
اور محبت اور پاس خاطر اور اُن کی آسائش اور آرام اور خوشی اور فرحت کی طرف متوجہ ہونا اور اُنکو
ہر طرح پر خوش رکھنا اور بعوض اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گزار تصور کریں اُن کو اپنا

انہیں اور جلیس اور رنج وراحت کا شریک اور اپنے کو اُن کی اور اُن کو اپنی باعث مسرت اور تقویت کے سمجھنے پر بحث ہے۔ بلاشبہ جہاں تک کہ ہمکو معلوم ہے تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ یہ تمام مراتب بخوبی برتے جاتے ہیں اور مسلمان ملکوں میں ویسے نہیں برتے جاتے اور ہندوستان میں تو ایسی نالایقی اور خاک اُڑتی ہے کہ نعوذ باللہ منہا ❊

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں یقینی اُن کی غلطی ہے بلکہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تنزل ہے صرف اُسکا باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر اُن کی پابندی کیجاوے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دُور ہوجاویں۔ سب سے بڑا باعث اِس کا اُن سویلیزڈ یعنی نامہذب ہونا مسلمانوں کا ہے۔ مہذب قوموں نے باوجودیکہ اُن کے ہاں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلےٰ درجہ کی ترقی پر پہونچایا ہے اور مسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کا مذہبی قانون نسبت عورتوں کے اور اُن کی حالت کی بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا مگر اُنھوں نے اپنے نامہذب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے جس کے سبب تمام قومیں اُن کی حالت پر ہنستی ہیں اور ہماری ذاتی بُرائیوں کے سبب اِس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے اِلّاماشاءاللہ اُس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں پس اب یہ زمانہ نہیں ہے کہ ہم ان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں اور جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اُسکی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھاویں ❊

## طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت اُن کی رسم و رواج اور اُن کے طریقہ زندگی اور کبھی کبھی اُن کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔ تمام قوموں میں بہت سی رسمیں وحشیانہ اور ناتربیت یافتہ زمانہ کی اب تک چلی آتی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خراش کر ایسا کر لیا ہے کہ اُنھیں وحشیانہ پن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فرحت بخش اور دلکش ہوگئی ہیں اور ناتربیت یافتہ قومیں اب تک بدستور وحشیانہ طور سے اُن کو برتتی آتی ہیں اور اسی لیئے پہلی قومیں پچھلی کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں ❊

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک مُلک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و حقارت آمیز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلےٰ درجہ کی ترقی اور شایستگی پر پہونچا دیا اور ناتربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پڑی رہیں اور اس لیئے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں۔

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ بسبب نہ ہونے فن و ہُنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہو گیا ہے چنانچہ جس قدر فن و ہنر و صنعت کاری نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کر لیا اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ناتربیت یافتہ رہیں۔

طریقہ زندگی سے قومیں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُسکو اَور زیادہ واضح کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت میلا بدن اور نجس ہاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے۔ غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جسے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذلیل ہونے کے سبب ہماری آنکھ میں کیسی ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہے۔

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چمار جن کا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چماروں کی بہ نسبت عام غریب گنواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ اور اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں۔ اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں۔ اُن کے گھر کی پکی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں۔ اور کچھ نفرت نہیں کرتے۔

علاوہ اِن کے تین قومیں اَور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مؤدب و مہذب تربیت یافتہ و شایستہ سمجھتی ہیں۔

ہندو۔ مسلمان۔ انگریز اِن تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اُٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں۔ مگر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلےٰ ہے وہ قوم باقی دو قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہے جیسے کہ ہم اپنے سے ادنیٰ قوموں کو سمجھتے ہیں ؛

مسلمان بھی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت کرتے ہیں اور اپنے دسترخوانوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوبصورت خوبصورت سونے اور چاندی اور چینی اور بلوریں برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ ان سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہے وہ ان کو اسی حقارت اور ذلت سے دیکھتی ہے ؛

جو لوگ کہ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کانٹے چمچے بدلتے جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کو نہایت نفرت اور کراہیت آتی ہے ؛

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل دیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا رکھکر اور ہاتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوئے کہ پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت انگلستان و پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم نے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی ماں نے پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کی محلسرائے زنانہ میں دعوت کی اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پرنسس آف ویلز کے ساتھ آنریبل مسس ولیم گری صاحبہ بھی بطور مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں۔ انھوں نے وہاں سے واپس آکر سفر کا حال لکھا ہے چنانچہ جو کچھ انھوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اسکا انتخاب ہم اس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارے کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے ؛

مسس صاحبہ ممدوحہ اس طرح پر لکھتی ہیں کہ "کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک گول میز بچھی ہوئی تھی۔ فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتی تھی اس کے گرد گدیلے بچھے ہوئے تھے۔ ہم سب التی پالتی مار کو میز کے گرد گدیلوں پر جو بیٹھے۔ خدیو مصر کی ماں کی داہنی طرف پرنسس آف ویلز بیٹھیں اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بیٹھیں ؛

سب سے پہلے ایک قاب میں مرغ کا شوربا اور چانول یعنی خشکہ آیا اور سیپی کے چمچے ملے۔ مگر نہ

چھُری بھی نہ کانٹا تھا۔ اُس کے بعد بڑا مٹن آیا اور دفعہ دفعہ بیس قسم کے کھانے آئے جو ہاتوں سے
اور انگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے ۔

جس قدر مجھ کو اس سے نفرت ہوئی اور پھریری آ آ کر قے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی
نہیں ہوئی۔ کھانے میں اُنگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور انگلیوں سے توڑ کر کھانے سے
ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ میں نے ایک آدہ دفعہ تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو بیگم کہ میرے
پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنھوں نے جانا کہ میں شرماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھ سے لیکر
میری رکابی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک دفعہ شوربے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے رکھدی
اور سب آرجی تسلاتا جاتا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی۔ انتہی مخلصاً ۔"

مسس گرے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلاشبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اس طرح پر کھانیکی
اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے ہمکو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ چھُری اور چمچہ سے کھانا
اور ہر قسم کے کھانے کے لیئے جُدا جُدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ
عمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے ۔

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا مسنون ہے اور اُسکو حقیر سمجھنا کفر تک نوبت
پہونچا دیتا ہے۔ ہم اِس رائے کی صحت و سقم کی بحث سے قطع نظر کر کر اسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ
کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ
مرغن کھانے جس سے ہاتھ اور سوہنہ بھر جاتا ہے اور یہی امر باعث نفرت اور گھن آنے کا ہوتا
ہے چھوڑ دیں اور جَو کے بن چھنے آٹے کی سوکھی روٹی لکڑی یا کھجور سے کھالیا کریں تو اُن
بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت
نہ کریگا مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کھانے تو ہوویں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی ۔

ہمکو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس نے ہمکو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور
عملی طور پر اُس کا شکر بجا لاویں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بنظر تکبر و
غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی النعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو
غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو
اُس وقت تو ہم چمچے اور چھُری کانٹے سے کھانا مندوبات اور مستحبات سے کم نہیں سمجھتے کما
قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ۔

# تعلیم و تربیت

ایک مصنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں ٭
تعلیم اور تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جُدا جُدا دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ کہ انسان میں ہے اُسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اُسکو کسی کام کے لائق کرنا اُس کا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالےٰ نے انسان میں رکھی ہیں اُن کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اُسکو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُسکی تربیت ہے ٭
انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اُس کے دل کی سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قویٰ کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اُسکے لیے سامان کا مہیا کرنا اور اُس سے کام کا لینا ہے جیسے جہاز طیار ہونے کے بعد اُسپر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُس میں پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہیں ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو اور اُس کے دل کو تربیت کرتے کرتے مونھ تک بھر دو۔ مگر اُس سے دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اندرونی قویٰ کو حرکت دیئے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اس لیئے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری۔ یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عاموں اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہیں۔ ظاہر میں دیکھو تو طمطراق بہت کچھ مگر جب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں۔ بھاری بھر کم تو عمامہ و دستار جبہ اور کُرتہ سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قویٰ کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نہایت عُمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت ادنےٰ اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے بلکہ اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قویٰ کی تحریک اور شگفتگی نہو جس قدر دل کے قوےٰ کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں ایسے اَور کسی چیز سے نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ہاں کے عالموں کا حال بالکل یہی دیکھتے ہیں کہ اُن کے روحانی قویٰ بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی ٹکبک یا تکبر و غرور اور اپنے آپ کو بےمثل و نظیر قابل ادب سمجھنے کے اَور کچھ باقی نہیں رہتا۔ زندہ ہوتے ہیں مگر دلی اور روحانی قویٰ کی شگفتگی کے

اعتبار سے بالکل مردار ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہونچیں اُن کو اَور زیادہ پڑھتے ہیں اور اُن سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے بیل کی مانند ہوجاتے ہیں جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آجاتی بلکہ وہ کتابی علم خود اُن پر بوجھ ہوتا ہے ٭

اِس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہم پر نازل ہیں یہی ہے کہ ہمنے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قوی کو بالکل خراب کردیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بعوض اسکے کہ روحانی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اُن کو پژمردہ بلکہ مردہ کردیتا ہے اور ہمارے قوے کو جو درحقیقت سرچشمے تمام نیکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کردیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہمکو اپنے پر رحم کرنا چاہیئے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیئے جو اندرونی قومی کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی سوتوں کو کھول کر سرچشمہ سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو ٭

## کاہلی

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں چستی نہ کرنا اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا کاہلی ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قوے کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے ٭

ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور روٹی کما کر کھانے کے لیئے نہایت ضروری ہے اور روٹی پیدا کرنا اور پیٹ بھرنا ایک ایسی چیز ہے کہ مجبوری اُس کے لیئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کاہلی چھوڑنی جاتی ہے اور اسی لیئے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کرنیوالے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کاہل ہوتے ہیں۔ محنت کرنا اور سخت سخت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا اُن کی طبیعت ثانی ہوجاتی ہے مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنے دلی قوی کو بیکار چھوڑ کر بڑے کاہل اور بالکل حیوان صفت ہوجاتے ہیں ٭

یہ سچ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہوگا کہ اپنی تعلیم کو اور اپنی عقل کو ضرورتاً کام میں لاوے لیکن اگر

انسان اُن عارضی ضرورتوں کا منتظر ہے اور اپنے دلی قوی کو بیکار ڈال دے تو وہ نہایت سخت کاہل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ انسان بھی مثل اَور حیوانوں کے ایک حیوان ہے اور جبکہ اُس کے دلی قوی کی تحریک سُست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی حیوانی خصلت میں پڑ جاتا ہے اور جسمانی باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسانی صفت کو کھو کر پورا حیوان بن جاتا ہے پس ہر ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندرونی قوی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور اُن کو بیکار نہ چھوڑے۔

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہو اور اُسکے حاصل کرنے میں اُسکو چنداں محنت و مشقت کرنی نہ پڑے جیسیکہ ہمارے ہندوستان میں ملکیوں اور لاخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قوی کو بھی بیکار ڈالدے تو اُس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسکے عام شوق وحشیانہ باتوں کی طرف رائل ہوتے جاوینگے۔ شراب پینا اور مزیدار کھانا اُسکو پسند ہوگا۔ قمار بازی اور تماش بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ بھونڈے بدسلیقہ وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضعدار وحشی ہوتا ہے۔ شراب پی کر پلنگ پر پڑے رہنا اور پیچوان کے دھوئیں اڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تمباکو کے دھوئیں اُڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے۔ پس پیچوان اور ناریل اور بچھونے اور ریت کے فرق سے کچھ مشابہت میں جو اِن دونوں میں ہے کمی نہیں ہوتی۔

ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے لیئے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اس کے اَور ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں وہاں کے لوگوں کے لیئے ایسے موقع بہت ہیں۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اُس کا شوق نہ رہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنے کی حالت کو پہونچ جاوینگے مگر ہم اپنے ہموطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مُلک میں جو ہمکو اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانیکا موقع نہیں رہا ہے۔ اس کا بھی سبب یہی ہے کہ ہمنے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قوی کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہمکو قوائے قلبی اور قوت عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو ہمکو اسی کی فکر اور کوشش چاہیئے کہ وہ موقع کیونکر حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے

تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ قصور کیونکر رفع ہو۔ غرضکہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑا رہنا نہ چاہیے کسی نہ کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ ہمکو اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور مستعدی رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑا رکھنا نہ چھوٹیگا اُس وقت تک ہمکو اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے نہایت حکیمانہ قول ہے کہ۔

بیکار مباش کچھ کیا کر ٭ گر کر نہ سکے تو کچھ کھا کر

## طریقہ تناول طعام

ضد اور نفسانیت انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ کسی اچھی بات کو ضد سے نہ ماننا اور اُسکی نیک و بد پر غور نہ کرنا درحقیقت انسان کا کام نہیں ہے ٭

اس وقت ہمکو نہ انگریزوں کی طرح چھُری کانٹے سے میز کرسی لگا کر کھانے پر بحث ہے اور نہ ہمکو ترکوں کی تقلید کی ہوس ہے بلکہ ہمکو نہایت سیدھی طرح سے کھانے کے طریق پر غور کرنی ہے اور بلا تبدیل وضع جس قدر کہ اس کے نقصان رفع ہو سکتے ہیں اُسی پر بحث کرنے سے غرض ہے ٭

ہندو چوکے میں چھوٹی چھوٹی پیالیوں یا تشتریوں یا پتلوں میں تھوڑا تھوڑا سب قسم کا کھانا چُن کر آگے رکھ لیتے ہیں اور ہر ایک میں سے کچھ کچھ کھاتے جاتے ہیں اور جو بچتا ہے۔ وہ اُسی برتن میں دھرا رہتا ہے جس میں اُنھوں نے کھایا تھا اور اس سبب سے کھانے کے وقت اُن کے سامنے چھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا سب دھرا رہتا ہے اور کھا چکنے کے بعد وہ سب اُٹھ جاتا ہے ٭

ہندوستان میں مسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی یہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہندو چوکے میں بیٹھتے ہیں مسلمان دسترخوان بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سب طرح کا کھانا ایک ساتھ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قابوں اور رکابیوں اور غوریوں اور تشتریوں اور پیالوں میں سب طرح کا کھانا اور سب قسم کی روٹی اور ہر طرح کے کباب اور فیرنی کے خوانچے اور بورانی کے پیالے اور اچار مربہ کی پیالیاں سیتلا کے پوجاپے کی طرح سب اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اور اس ایک دسترخوان پر کوئی تو فیرنی کلمہ شہادت کی اُنگلی سے اور

کوئی دست بخیر چاروں انگلیوں سے چاٹ رہا ہے - کوئی پلاؤ میں اُردی کا سالن ملا ملاکر کھا رہا ہے - کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر نان ابی سے لتھڑا ہوا پنجہ مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے - کسی نے بورانی کے پیالے کو مونھ سے لگا سٹر پابڑا اور یہ کہکر واللہ بڑی تیز ہے اُوہ اُوہ کرنا شروع کیا ہے - تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چچوڑی ہوئی ہڈیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکھیاں سب آگے رکھی ہوئی ہیں - اس عرصہ میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اُس نے ہاتھ دھونا کھنکار کھنکار کر گلا صاف کرنا اور بیسن سے دانت رگڑنے اور زبان پر دو انگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور اُدھ بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں نہ اُن ہاتھ مونھ دھونے والوں کو خیال ہے کہ ہم کھانا کھانے والوں کے قریب کیسی حرکات ناشایستہ کرتے ہیں اور نہ کھانا کھانیوالوں کو اُن لوگوں کی کریہہ آواز سُننے اور زرد زرد ہلدی کے ملے ہوئے رنگ کا لعاب اُٹھنے اور بلغم کے لوتھڑے تھوہ کر کر چلمچی یا تاش میں تھوک دینے اور بتاسے کی طرح اُس کے پانی پر تیرتے پھرنے کی پرواہ ہے - نعوذ باللہ منہا ؂

انگریز جس طرح کھانا کھاتے ہیں وہ سب پر روشن ہے اور اُس کا بیان بھی کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ہمارے نیک متبع سنت ہموطن اُسپر تو حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کا چھرا مارینگے ؂

عرب میں کھانا کھلانے کا یہ دستور ہے کہ ایک چوکی پر چھوٹا سا خوان بچھایا جاتا ہے اور ایک برتن میں ایک قسم کا کھانا آتا ہے اور جو لوگ چوکی کے گرد بیٹھتے ہیں وہ سب اُسمیں کھانا شروع کرتے ہیں - چند لقمہ کھانے پر وہ برتن اُٹھ جاتا ہے اور دوسری قسم کا کھانا دوسرے میں آتا ہے اور چند لقمہ کے بعد وہ بھی اُٹھ جاتا ہے اور اسی طرح آتا جاتا رہتا ہے - اس طرح پر کھانے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے برتن اور جھوٹا کھانا سامنے نہیں رہتا ؂

مگر جو پھوہڑ پن ہندوستان کے مسلمانوں میں کھانے کی مجلس میں ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا کسی ملک کے کھانے کی مجلس میں نہیں ہوتا پس نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی ضد و نفسانیت سے اس پھوہڑ پن میں پڑے رہیں اور اُسکی درستی و تہذیب پر متوجہ نہوں ؂

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ نخواہ میز کرسی پر بیٹھکر چھُری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ دسترخوان پر کھانا تناول فرماؤ اور

گو بہت سی سنن ہدی کے ادا کی فکر نہ ہو زمین پر بیٹھکر کھانا کھانے ہی کی سُنت عادی کی پیروی کرو مگر برائے خدا یہ غچلی پن چھوڑ دو اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک اصلاح و صفائی ہو سکے اُسکو اختیار کرو۔ صفائی و پاکیزگی اختیار کرنا تو شریعت میں ممنوع نہیں ہے ؛

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جب تک کسی کام کے لیئے کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہیں ہوتا اور بخوبی اُسکی پابندی نہیں کیجاتی اُس وقت تک وہ چلتا نہیں۔ اور جب وہ قاعدہ عمدہ ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود اُس کا رواج ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُسکو کرنے لگتے ہیں اور چند عرصہ بعد اُسی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ طبیعت ثانی گنی جاتی ہے ؛

پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھانے کا ہے اسی میں ایسی اصلاح کیجاوے جسکو لوگ مورد طعن من تشبہہ بقوم بھی نہ کریں اور اس غچلی پنے سے نجات پاویں۔ چنانچہ ہمنے اس باب میں کچھ قواعد تجویز کیئے ہیں اور ہم اُن کو آیندہ کسی پرچہ میں لکھینگے ؛

# سمجھ

## یعنی تمیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو دانا اور نادان دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی سا فرق نکلیگا دونوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے لغو اور بیہودہ خیال آتے ہیں۔ بے شمار وسوسے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں مگر اُن دونوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات ایسے ہیں جن کو گفتگو میں لانا چاہیئے اور کون سے ایسے ہیں جن کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ نادان آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے مونھ سے بکتا جاتا ہے دانشمند آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے۔ جو اُسکے دل میں آتا ہے بے تردد دوست سے کہتا ہے گویا اُسکو خیالات ہی ایک بلند آواز میں

آتے ہیں ۔

پشلی صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ اسکو دوست بنا لینے کا موقع رہے اور دوست سے اس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے کہ اگر کبھی وہ دشمن ہو جاوے تو اسکے شر سے بچنے کی جگہ رہے - اس قول کی پہلی بات جو دشمن کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے - مگر پچھلی بات جو دوست کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ اچھی نہیں - اسمیں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ نری مکاری ہے - ایسے برتاؤ سے انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے اپنے دلی دوستوں سے بھی دل کی بات نہیں کہہ سکتا - یہ سچ ہے کہ بعضی نو دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست کے بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دنیا انہی کو دغا باز اور برا کہتی ہے اور دوست پر بھروسا کرنیوالے کو نا سمجھ نہیں کہتی - ہاں البتہ دوستوں کے منتخب کرنے میں بڑی سمجھ چاہیئے ۔

سمجھ صرف باتوں ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی متعلق ہے اور گویا ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لیئے ہمارے قادر مطلق خدا کی نایب ہے - انسان میں بہت سی بڑی عمدہ عمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے - سمجھ ہی کے سبب سے اور تمام صفتوں کی قدر ہوتی ہے - سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں اپنے اپنے موقع پر کام آتی ہیں - سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جس میں وہ صفتیں ہیں ان صفتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے - سمجھ بغیر علم اور عقل دونوں ناچیز ہیں - بھلائی برائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ انسان میں نہایت عمدہ عمدہ خصلتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر ان کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے اور نقصان پر نقصان اٹھاتا ہے - سمجھ ہونے سے صرف انہی خوبیوں کا جو اس میں ہیں مالک نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں ان کا بھی مالک بن جاتا ہے - سمجھدار آدمی جس سے گفتگو کرتا ہے اس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اسی کی لیاقت کے موافق گفتگو کرتا ہے - اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر غور کریں تو ہمکو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقلمند کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ کسی بہادر اور دلیر کی گفتگو کو - بلکہ اسی شخص کی گفتگو سب پر غالب رہتی ہے جس کو سمجھ ہے اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جو بات کہنی ہے اور جو نہ کہنی ہے اس میں تمیز کر سکتا ہے جس شخص کو بڑی سی بڑی لیاقت حاصل ہو پر سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور نہ زبردست

پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو بسبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ کام نہیں
لے سکتا ہے۔ گو ایسے شخص کو دنیا میں اور سب طرح کے کمال حاصل ہوں۔ مگر سمجھ نہ ہو تو وہ
دنیا میں کسی کام کا نہیں۔ برخلاف اُسکے اگر اُسکی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت میں
اُسکو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے
کر سکتا ہے ؛

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لیئے ایک بہت بڑا کمال ہے اُسی طرح مکر اُس کے حق میں
بہت بڑا وبال ہے۔ نیک دل کی منتہائے خوبی سمجھ ہے اور بد دل کی منتہائے بدی۔ مکر گویا یوں
کہو کہ وہ نیک دل کے لیئے معراج ہے اور یہ بد دل کے لیئے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور
نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور اُن کے حاصل ہونے کو نہایت عمدہ عمدہ اور تعریف کے
قابل ذریعے قایم کرتی ہے مگر مکر میں صرف خود غرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے
جس میں بے انتہا وسعت ہے اور تمام دنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو۔ آسمانوں کو اور آسمانوں
کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مکر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی
ناچیز چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گو وہ کیسی ہی عمدہ اور روشن ہوں اُسے نظر
نہیں آتیں۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اُسیقدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے
مگر مکر کاٹ کی ہنڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفعہ کھل گیا تو پھر اُسکی قوت اور عزت بالکل جاتی
رہتی ہے۔ پھر انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کر سکتا جبکہ لوگ اُسکو ایک
سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے۔ اب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ عقل کے لیئے کمال
ہے اور ہمارے کاموں کے لیئے رہنما۔ مکر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فایدوں کو
دیکھتی ہے۔ سمجھ نہایت عقلمند اور نیک آدمیوں میں پائی جاتی ہے۔ مکر اکثر جانوروں میں اور
اُن لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا اُن سے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے۔ سمجھ نفس الامر میں
ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے اور مکر گویا اُسکی بگاڑی ہوئی نقل ہے۔ سمجھ والے آدمی
کی طبیعت ہمیشہ زمانہ حال اور استقبال دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ زمانہ دراز کے بعد ہونیوالی
ہیں اور جو اب ہو رہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رنج و خوشی جو دوسری زندگی
یعنی قیامت میں ہونیوالی ہے وہ بیشک ہوگی۔ گو اُس کا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ وہ اُس کے
دور ہونے کے سبب سے اس لیئے اُسکو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی یعنی قیامت کی

تکلیف و راحت سب پاس آتی جاتی ہے اور اسی طرح سے رنج و خوشی دیوانگی حد یہ کہ زمانہ حال میں رنج و خوشی ہوتی ہے۔ اس لیئے وہ نہایت غور و فکر سے اُن خوشیوں کے ہاتھ آنے کے لیئے کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُسکے لیئے بنائی ہیں اور جن کے لیئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مآل کے نتیجوں پر غور کرتا ہے اور اس فانی دنیا کے تھوڑے سے نفع اور فائدہ کو اگر درحقیقت وہ نفع و فائدہ اُس کی سچی عاقبت کے خیال کے مخالف ہو چھوڑ دیتا ہے۔ غرضکہ اُسکی تمام تدبیریں عمدہ ہوتی ہیں اُس کا نتیجہ ایسے شخص کی مانند ہوتا ہے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا مناسب ذریعہ بھی جانتا ہے۔ سمجھ جسکو میں نے اس مضمون میں بطور ایک نیکی اور کمال کے بیان کیا ہے وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لیئے مفید نہیں ہے بلکہ ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیئے بھی فائدہ مند ہے۔ وہ صرف اس فانی انسان کے لیئے ہی نہیں ہے بلکہ اُس اصلی نافانی انسان کے لیئے بھی جو ہم میں بولتا ہے رہنما ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں اور بعض سمجھ یعنی تمیز جس سے اچھی و بری اور بھلائی و برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہی چیز سب سے بڑی ہے اس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا ہاتھ نہایت ہی آسان ہے ؞

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ ہی ایسی رونق کی چیز ہے جسکو کبھی زوال نہیں جو اسکو چاہتے ہیں آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ جو اسکو ڈھونڈتے ہیں وہ آسانی سے پاتے ہیں۔ اسکی تلاش میں اُن کو بہت دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اسکو اپنے ہی دروازہ پر پاتے ہیں۔ اُس کا خیال رکھنا ہی اُس میں کمال حاصل کرنا ہے۔ جو کوئی اُسپر خیال رکھتا ہے اُسی دم حبست و جو سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُسکے لائق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور پھر کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی ؞

افسوس کہ ہماری قوم میں سب کچھ ہے پر یہی نہیں +

## تعلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چٹکبرے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جبتک سنگ تراش اُس میں ہاتھ نہیں لگاتا اُس کا دھوندلا اور کھردرا پن دور نہیں کرتا

اُسکو تراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اُسکو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اُس وقت تک ۔
اُس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوش نما نسیں و دلربا رنگتیں اور خوبصورت
خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے ۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے ۔ انسان کا دل
کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُسپر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور
ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اُس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں
ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں ؛

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو مجسم مورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے
بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ موہنی مورت ایک پتھر کے ڈھوکے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے ۔ مگر
مورت بنانے کا ہنر صرف فضول چیزوں کو اُس میں سے گھڑ دیتا ہے ۔ مورت تو پتھر ہی میں
ہوتی ہے مگر آذر صرف اُسکو نمود کر دیتا ہے ۔ جو نسبت کہ مورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے
ڈھوکے سے ہے وہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے ۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم ۔
ولی و ابدال ۔ نیک و عقلمند ۔ بہادر و نامور ایک گنوار آدمی کی سی صورت میں چھپے ہوئے
ہوتے ہیں مگر اُن کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ جب میں جاہل اور
وحشی قوموں کے حالات پڑھتا ہوں تو اُن نیکیوں سے جو اُن میں ہیں مگر ناشایستہ اور
اُس دلیری اور جرأت سے جو اُن میں ہے مگر خوفناک اور اُس استقلال سے جو اُن میں ہے مگر ضدیلا جھگڑالو
اور اُس دانائی اور عقلمندی سے جو اُن میں ہے مگر جانوروں کے سے مکر و فریب سے ملی ہوئی
اور اُس صبر و قناعت سے جو اُن میں ہے اور گویا نا اُمیدیاں ہی اُن کی اُمیدیں ہیں
نہایت خوش ہوتا ہوں ۔ سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح پر کام کرتے ہیں
اور جس قدر کم و بیش عقل کی ہدایت اُن کو ہوتی ہے اور جس قدر کہ عقل اُن جوشوں کو درست
کرتی ہے اُسی قدر مختلف طور پر اُن سے کام ہوتے ہیں ۔ امریکا کے حبشی غلاموں کا جب ہم
یہ حال سنتے ہیں ۔ کہ اپنے آقا کے مرنے پر یا ایک کام پر سے ہٹا کر دوسرے کام میں
لگانے پر جنگلوں کے درختوں میں لٹک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے
خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلکر ستی ہوجاتی ہے تو کون شخص ہے جو اُن کی وفاداری اور
محبت کی تعریف نہ کرے گا گو کہ کیسے ہی ناشایستہ اور نامہذب طور سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اس قسم
کی جاہل اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمدہ عمدہ باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ وحشی پنے

ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر اُن کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی کیجاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کیسی عمدہ ترقی پا سکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ کام اور مہذب و شایستہ نیکیاں اُن سے پیدا ہو سکتی ہیں ✦

مجھ کو اسی بات کا رنج ہے کہ میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیاں دیکھتا ہوں پر ناشایستہ اُن میں نہایت دلیری اور جرأت پاتا ہوں پر خوفناک۔ اُن میں نہایت قوی استقلال دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا۔ اُن کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں پر اکثر مکر و فریب اور زور سے ملے ہوئے۔ اُن میں صبر و قناعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع۔ پس میرا دل جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہی اُن کی عمدہ صفتیں عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاویں تو دین اور دنیا دونوں کے لیئے کیسی کچھ مفید ہوں ✦

میری یہی خواہش ہے کہ اس قسم کی تحریرات سے نیکی کو ترقی دوں گو میری یہ خواہش پوری نہ ہو۔ مگر میں اس خیال سے تو بہت خوش ہوں کہ میں ہر پندرہ روز میں انسان کے دل کی درستی میں کچھ کچھ مدد کرتا رہتا ہوں ✦

## وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ وہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اُس وحشیانہ پنے کی برائی جس وحشیانہ پن سے وہ کام ہوا آنکھوں سے چھپ جاتی ہے۔ مگر عمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ اُن وحشیانہ حرکتوں کو چھوڑا دیتی ہے اور صرف نیکی ہی نیکی رہ جاتی ہے ✦

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جوان نوعمر۔ اور اپنی قسم کے لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں اُن دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت تھی۔ اُسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اس قوم میں نہایت ہی خوبصورت سمجھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اُسپر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اُسکو شادی کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور ہم عمر بھی تھے۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی مگر اُس نے یہ کہا کہ تم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ

شادی ہو - دونوں لڑکے دل و جان سے اُس پر عاشق تھے - عشق اِس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کرلے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں کسی کو شادی کرلینا پسند نہ تھا - آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا وہ چاہتا تھا کہ مَیں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ مَیں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا - دونوں برابر رہے - تب دونوں لڑکے اپنی معشوقہ کو ایک دن جنگل میں لیگئے اور دونوں نے اُسکو چھُری مار کر مار ڈالا اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں اُسے چاٹنے لگے - دونوں نے مُردہ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس کے دلفریب گالوں کا بے گناہ بوسہ لیا اور پھر اُس کی لاش کے گرد بیٹھکر رونے اور پیٹنے لگے خوب ماتم کیا - خوب چھاتی پیٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا ؛

اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شایستہ نہیں ہوئیں عجیب غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں جو واقعہ کہ مَیں نے ابھی بیان کیا وہ حیرت اور گناہ سے بالکل بھرا ہوا ہے تو بھی ایسے نیک دل اور دلی ایمانداری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عُمدہ طور سے تعلیم و تربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عُمدہ عُمدہ نتیجے حاصل ہوتے ؛

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جاکر رہنا اور تربیت پانا جہاں تعلیم و تربیت کا چرچا ہو اور علم و شایستگی پھیلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے - گو اُن مُلکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم و تربیت کے بے شمار فایدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اُس میں کمال رکھتے ہیں ؛

شایستہ مُلک کی مثال مورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانہ کی سی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھونے کا ڈھوا ہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پاؤں مونھ سب کٹ چکا مگر ابھی اَنگھڑ ہے اور کسی میں انسان کے تمام اعضا درستی سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے باقی ہیں - اور کوئی مورت نہایت خوبصورت اور دلربا بالکل بن کر تیار ہو چکی ہے - اُس وقت انسان کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھوا کہاں تک ترقی پا سکتا ہے اور ہر ایک اَن گھڑ صورت سوائے شاذ و نادر کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت

خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے +

نامہذب مُلک کی مثال منڈے پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوؤں کے اَور کچھ نظر نہیں آتا - کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ اب تک انگھڑ پتھر کی مانند ہے + جو نیکیاں خود اُس میں ہیں اُن سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں مثل پتھر کے ڈھوئے کے اُس کے جگر میں چھپی ہوئی ہیں اور بے تعلیم و تربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں +

یہی خیالات مجھ کو اس بات پر برانگیختہ کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو مہذب قوم سے ملنے اور شایستہ مُلک میں جانے کی ترغیب کرتا ہوں اور اس خیال سے ہمیشہ رنج میں رہتا ہوں کہ ہماری قوم میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ بھی نامہذب ہیں - دنیا وی برتاؤ آپس کا ملاپ - دوستوں کی دوستی - دینداروں کی دینداری - امیروں کی امیری نہایت ناشایستہ اور نامہذب طور سے واقع ہوئی ہے اگر وہ عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاوے تو انسان کے لیئے اس زندگی میں اور آنیوالی زندگی میں دونوں میں نہایت ہی مفید ہو +

# اُمید

## دُنیا باُمید قایم ہے

موجودہ حالت گو وہ کیسی ہی اچھی یا بُری ہو انسان کے دل کے اشتغال کو کافی نہیں ہوتی - موجودہ رنج و خوشی - محبت و دوستی کی چیزیں اتنی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ مشغول رکھیں اس لیئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے پتلے کو اپنے ہاتھ سے اور اپنی ہی مانند بنایا - اُس میں چند اَور قوتیں دی ہیں جن کے سبب دل کے لیئے کاموں کی کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ و ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا ہے - اُنھیں قوتوں کے ذریعہ سے گذری ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آیندہ کی باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے +

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کہتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے - جب کوئی موجودہ چیز ہمکو شغل کے لیئے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بُلا لاتی ہے اور اُسی کے ذکر یا خیال سے

ہمارے دل کو بہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھانس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکتا ہے تو ایک کونے میں مبٹھکر پھر اُسی کو پیٹ مین نکال کر چبائے جاتے ہیں ❊

جس طرح کہ یاد پچھلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے شغل کو بلالاتی ہے اسی طرح ایک اَور قوت ہے جو آیندہ ہونیوالی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و بیم یا خوف و رجا ہے۔ انہی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آیندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونیوالی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتی ہیں کہ ابھی ہو رہی ہیں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اُٹھانے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ اور ہر چہار طرف سے لمن الملک الیوم کی آواز آتی ہوگی ابھی خیال کر لیتے ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے ❊

میرا ارادہ ہے کہ مَیں اِس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اِس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ قوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عُمدہ اور دلخوش کُن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اُٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بدمزہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ "ہمکو تمام عمدہ چیزوں کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیئے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہمکو دے نسکے" ❊

فارسی زبان میں مشہور مقولہ ہے کہ "تمنا را عیبے نیست" ایک ظریف نے کہا کہ دُنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تمکو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں کبھی نہ مروں کیونکہ خدا اسپر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہو اور مجھ کو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص مَیں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک ظرافت کا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے۔ اگر ہمکو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بیجان چیز کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اُسمیں حرکت پیدا

کرتی ہے۔ اُمید ہی کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بُردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی
ہے۔ گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو
آسان کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے
کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ
خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے۔ اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے۔ سِکندر نے جب اپنا
تمام مال اسباب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے لیئے
کیا رکھا۔ اُس نے کہا کہ اُمید۔ اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو
اُس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔

اگلے زمانہ کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی بُرا سمجھتے تھے۔ نقل ہے کہ خدا نے
انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا۔ جب اُسکو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور
مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوقچے میں تھی وہ
نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچے ہی میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان
کو تسلی دے۔ پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً
جبکہ اُمید ایک عُمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو۔ اور ایسی چیز کی ہو جو اُمید کرنیوالے کو حقیقت میں
خوش کر سکتی ہو۔ اِس بات کی حقیقت وُہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ
خوشحال آدمی کے لیئے بھی زمانہ موجودہ میں کافی خوشی نہیں ہے۔

مَیں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عُمدہ عُمدہ چیزوں کی بہت سی اُمیدیں ہوتی ہیں
اور ایسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہمکو پورا پورا خوش کر سکتی ہیں۔ دینی چیزوں کی اُمیدیں دنیوی
چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی
اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اِس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہمکو پورا پورا خوش
رکھتا ہے۔ بلاشبہ اُمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ
موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُسپر صبر تو ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی
زیادہ فائدہ مند ہیں۔ تکلیف کی حالت میں دل کو سنبھال لیتی ہیں بلکہ اُسکو اس خیال سے خوش رکھتی
ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُس اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مردہ کو زندہ کر دیتی ہے
اور اُس کے دل کو نہایت درجہ کی خوشی بخشتی ہے۔ انسان اپنی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور

روح اُس بڑی چیز کے لپک لینے کو اُچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر کار اِس اُمید کی خوشی میں اِس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے مِل جاوئیگی ؛

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت مصیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اِس مضمون کا گیت گایا تھا ؛

"مَیں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں - وہ میری دائیں طرف ہے اسی لیئے مَیں گھبراتا نہیں - میرا دل خوش ہے - میرا گوشت بھی اسی اُمید میں رہیگا کہ تو میری روح کو جہنم میں نہ ڈالے - تو اپنی چیز کو خراب ہوتے ہوئے نہ دیکھیگا - تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائیگا - تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے - تیری ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے - آمین " ؛

# اخلاق

مسٹر اڈیسن کا قول ہے کہ مذہب کے دو حصّے ہو سکتے ہیں - ایک اعتقادیات - دوسرا عملیات - مسٹر اڈیسن کی غرض اعتقادیات سے صرف وہ مسائل ہیں جو وحی سے معلوم ہوئے ہیں اور جو عقل سے یا کارخانہ قدرت پر غور کرنے سے معلوم نہیں ہو سکتے - مگر ہم کو اُن کے اِس بیان سے کسی قدر اختلاف ہے - ہم اعتقادیات اُن مسائل کو کہتے ہیں جن کا ہونا عقل و نیچر یعنی کارخانۂ قدرت کے اصول پر ناممکن نہیں ہے - تاہم اُن دونوں کی بنا پر اُن کے ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے - وحی نے صرف اُن کے ہونے پر جب وہ ہوں ہمکو یقین دلایا ہے یا اُن کا ہونا بتلایا ہے - ہم نے اِس مقام پر حرف تردید کو اِس لیئے استعمال کیا ہے کہ ہمکو اِس بات میں شُبہ ہے کہ اُن مسائل پر جن کو ہمنے اعتقادیات میں داخل کیا ہے یقین لانا جزو ایمان ہے یا نہیں - عملیات میں مسٹر اڈیسن نے اُن مسائل کو داخل کیا ہے جن کو عقل و نیچر کے مطابق مذہب نے بھی ہدایت کی ہے - پس وہ پہلے حصّہ کا نام عقاید رکھتے ہیں اور دوسرے حصّے کا نام اخلاق ؛

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعتقادیات پر اِس قدر خیال کرتے ہیں کہ اخلاق کو بالکل بھول جاتے ہیں اور بعضے اخلاق پر ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ اعتقادیات کا کچھ خیال نہیں کرتے - صاحب کمال آدمی کو ان دونوں میں سے کسی بات میں ناقص رہنا چاہیئے - جو لوگ اِس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر ایک سے کیا کیا فایدہ حاصل ہوتا ہے وہ دل سے ہمارے اِس

بیان کی تصدیق کرینگے ؛

افسوس ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو مسٹر اڈیسن سے کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے - پچھلا حصّہ اُن کے اس مضمون کا نہایت صحیح ہے مگر پہلے حصّہ میں کچھ غلطی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ اعتقادیات میں اور عملیات میں جس کو مسٹر اڈیسن اخلاق کہتے ہیں کچھ علاقہ نہیں ہے - انسان اعتقادیات پر کتنا ہی زیادہ خیال کرے اُس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہو سکتا - اسی طرح اخلاق پر کیسا ہی متوجہ ہو اُس کے اعتقادیات میں کچھ نقصان نہیں آسکتا کیونکہ یہ دونوں کام دو جُدا جُدا آلوں اور دو جُدا جُدا شخصوں سے متعلق ہیں - پہلا ہمارے دل یا ہماری روح اور خدا سے - دوسرا ہماری ظاہری حرکات اور جذبات اور انسان سے ؛

پھر وہ لکھتے ہیں کہ گو مذہب اخلاق اور اعتقاد پر منقسم ہے اور اُن دونوں میں خاص خاص خوبیاں ہیں مگر اخلاق کو اعتقاد پر اکثر باتوں میں ترجیح ہے ؛

(۱) کیونکہ اخلاق کی اکثر باتیں نہایت صحیح اور بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اگر اعتقاد بالکل قایم نہ رہے تب بھی وہ باتیں (یعنی اخلاق کے مسائل) بدستور قایم رہتی ہیں ؛

(۲) جس شخص میں اخلاق ہے اور اعتقاد نہیں وہ شخص بہ نسبت اُس شخص کے جسمیں اعتقاد ہے اور اخلاق نہیں انسان کے لیئے دنیا میں بہت زیادہ بہتری کر سکتا ہے - اور مَیں اس قدر اَور زیادہ کہتا ہوں کہ انسان کے لیئے دین اور دنیا دونوں میں بہت زیادہ بھلائی کر سکتا ہے ؛

(۳) اخلاق انسان کی فطرت کو زیادہ کمال بخشتا ہے کیونکہ اُس سے دل کو قرار و آسودگی ہوتی ہے - دل کے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں اور ہر ایک انسان کی خوشی کو ترقی ہوتی ہے ؛

(۴) اخلاق میں ایک نہایت زیادہ فائدہ اعتقاد سے یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک ٹھیک ہوں تو تمام دنیا کی مہذب قومیں اخلاق کے بڑے بڑے اصولوں میں متفق ہوتی ہیں گو کہ عقاید میں وہ کیسی ہی مختلف ہوں ؛

(۵) کفر سے بھی بد اخلاقی زیادہ بدتر ہے یا اس مطلب کو یوں کہو کہ اکثر لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک نیک چلن نپٹ جاہل وحشی جس کو خدا کی باتوں کی کچھ خبر بھی نہیں ہوپہنچی نجات پا سکتا ہے مگر بدچلن معتقد آدمی نجات نہیں پا سکتا ؛

(۶) اعتقاد کی خوبی اسی میں ہے کہ اس کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ اعتقاد کی یعنی خدا کے دیئے ہوئے مذہب پر ایمان رکھنے کی خوبیاں کیا ہیں تو کیا ہکو اس بات کی صحت۔ جو ہمنے ابھی بیان کی بخوبی معلوم ہو جاوے گی میں سمجھتا ہوں کہ مذہب کی خوبیاں ان باتوں میں ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں +

۱۔ اخلاق کی باتوں کو سمجھنا اور اُن کو اعلےٰ درجہ پر پہونچانا +

۲۔ نیک اخلاق پر عمل کرنے کے لیئے نئے نئے اور قوی قوی اغراض کو بہم پہنچانا +

۳۔ خدا کی نسبت عمدہ خیالات پیدا کرنا اور اپنے ہمجنسوں میں چھا برتاؤ کرنا جس سے آپس میں محبت زیادہ ہو اور خود انسان اپنی سچی حالت کو کیا بلحاظ اپنے نیچر کی خوبی کے اور کیا بلحاظ اسکی بدی کے بخوبی سمجھے +

۴۔ بُرائی کی بُرائیوں کو ظاہر کرنا +

۵۔ نجات کے لیئے نیک خلاق کو عام ذریعہ ٹھہرانا +

مذہب کی خوبیوں کا یہ ایک مختصر بیان ہے مگر جو لوگ اس قسم کے مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں وہ نہایت آسانی سے اِن خیالوں میں ترقی دے سکتے ہیں اور مفید نتیجے ان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اخلاق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک اخلاق کو عیسائی مذہب کا سہارا نہ ہو۔ یہ قول مسٹر اڈیسن کا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی اعتقاد یا کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا جس کا نتیجہ اخلاق کی عمدگی نہ ہو۔ پس اخلاق کو کسی مذہب کا کچھ سہارا درکار نہیں ہے بلکہ مذہب یا اعتقاد کے سچ سمجھنے کو اخلاق کا سہارا درکار ہے +

مسٹر اڈیسن آور بھی دو ایک اصول قایم کرتے ہیں جو اس گفتگو سے علاقہ رکھتے ہیں +

(۱) وہ کہتے ہیں کہ ہکو ایسی بات کو اعتقاد کی جز نہ قرار دینا چاہیئے جس سے اخلاق کو استحکام اور ترقی نہ ہوتی ہو +

(۲) کوئی اعتقاد صحیح بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا جس سے اخلاق خراب یا اُن میں تنزل ہوتا ہو +

یہ دونوں اصول مسٹر اڈیسن کے ایسے عمدہ ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص جس کے دل کی آنکھ خدا نے اندھی نہ کی ہو اُن سے انکار نہیں ہو سکتا +

اس کے بعد مسٹر اڈیسن انہیں اصلوں پر ایک اور مسئلہ متفرع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مشتبہ عقاسوں میں ہمکو نہایت غور کرنی چاہیئے کہ اگر بالفرض وہ غلط ہو تو اس سے کیا کیا بدنتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایمان کے مضبوط کرنے اور خیالی ثواب حاصل کرنے کی اُمنگ میں لوگوں کو تکلیف دینا۔ لوگوں کے دلوں میں رنج اور نفرت۔ غصہ اور سخت عداوت پیدا کرنا اور جس چیز پر اُن کو اعتقاد نہیں ہے بزبردستی اُن سے قبول کروانا۔ ایسے جذبات میں ہم اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان سب باتوں کے سوا ہم اُن کو دُنیا کے فائدہ اور خوشی سے بھی محروم کرتے ہیں۔ اُن کے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی دولت کو خراب کرتے ہیں۔ اُن کی ناموریوں کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کو برباد کرتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو تلخ کر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار اُن کو مار ڈالتے ہیں۔ پس جب کسی مسئلہ سے ایسے بدنتیجے نکلیں تو مجھ کو اُس مسئلہ کے مشکوک ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسیکہ علم حساب میں دو اور دو چار ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوتا پس ایسے مسئلہ کو اپنے مذہب کی بنیاد نہیں ٹھہرا سکتا اور نہ اُس پر عمل کر سکتا ہوں +

اس قسم کے معاملات میں ہم صریح اپنے ہمجنسوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جس مسئلہ سے ہم ایسا کرتے ہیں بلاشبہ وہ مشکوک اور قابل اعتراض ہے۔ اخلاق اُس سے بالکل خراب ہو جاتے ہیں +

یہ مضمون مسٹر اڈیسن کا غالباً عیسائی مذہب کے اُس زمانہ پر اشارہ ہے جبکہ رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور مرد و عورت و بچے مذہب نہ ماننے پر آگ میں جلائے جاتے تھے اور نہایت بدبخت خونریزیاں جو درحقیقت کرسچانٹی کے بالکل برخلاف تھیں ہو رہی تھیں +

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسا ہی خونخوار امن اور اخلاق کے برخلاف جہاد کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ مسئلہ درحقیقت ایسا ہی ہو جیسا کہ بعض یا اکثر حقیقت تک نہ پہونچنے والے یا خود غرض لوگوں نے سمجھا ہے یا کسی ظالم و مکار مسلمان حکمرانوں نے برتا ہے تو اُسکے اخلاق کے برخلاف ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت جہاد کی درحقیقت مذہب اسلام کی رو سے ہے وہ اخلاق کے برخلاف نہیں ہے۔ اس میں کسی قسم کا جبر یا کسی کے مذہب کو بجبر چھوڑانا یا مذہب کے لیئے کسی کا خون بہانا مطلق نہیں ہے وہ صرف نیشنل لا ہے یعنی اُس قانون پر جو مختلف قوموں کو آپس میں برتنا

چاہیئے مبنی ہے اور جو آج کل مہذب سی مہذب قوموں میں جاری ہے +

اس مسئلہ کا ذکر ہمنے اپنی متعدد تصنیفات میں کیا ہے اور اُمید ہے کہ کبھی اس مضمون پر کوئی تحریر اس پرچہ میں بھی چھاپینگے +

مسٹر اڈیسن اپنے اس مضمون کو کسی مصنف کے نہایت عمدہ اور دل میں اثر کرنے والے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے "آپس میں نفرت پیدا کرنے کو تو ہمارے لیئے مذہب کافی ہے۔ مگر ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنے کے لیئے کافی نہیں" +

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو برتاؤ مذہبوں کا اس زمانہ میں ہے وہ ایسا ہی ہے اور مسلمانوں کا برتاؤ سب سے زیادہ بُرا ہے۔ مگر سچے مذہب کا یعنی اسلام کا سچا مسئلہ یہ ہے کہ "خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا" پس جو کوئی اس مسئلہ کے برخلاف ہے وہ غلطی پر ہے +

## ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ در اصل وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے تئیں بد بناتے ہیں۔ دینداری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں۔ وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش بینی اور پُچ پنے کی باتوں کی جن کو در اصل اُنہوں نے کیا بھی نہیں گپیں اُڑاتے ہیں۔ اور یہ حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علٰحدہ ہیں اور اُنہیں کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اور ہی عجب قسم کی ہے۔ وہ اپنی بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔ وہ بناوٹ خود اُن سے اُنہیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے جس قدر کہ درحقیقت وہ نیک ہیں اُس سے زیادہ اُن کو نیک جتاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤد نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس بُرائی سے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے " کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھکو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر" جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لیئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کستقدر نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں +

عام قاعدہ تو اس کے لیئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصلوں سے جو ہماری ہدایت کے لیئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اُس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں۔ جس نے یہ فرمایا کہ " انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد" اور جو اُس درجہ کمال تک پہونچا جہاں تک انسان کا پہونچنا ممکن ہے۔ اور جسکی زندگی ہماری زندگی کے لیئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنیوالوں کے لیئے بلکہ تمام دنیا کے لیئے بڑا ہادی اور بہت بڑا دانا اُستاد ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اَور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں +

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہمکو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اُسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے دشمن ہمکو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے جھوٹی بات کو بہت بڑا کردیتا ہے مگر اکثر اُس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے +

## تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اس لیئے ہمکو اپنے دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہیئے کہ وہ ہمکو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہمکو وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے ملنا چاہیئے تھا ٭

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ سچ ہے کہ " دشمن از دوست ناصح تر است ایں ہنر نکوئی نہ گوید وایں جز بدی نجوید"

پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ "دشمن جو ہمکو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہمکو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریروں میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے" ٭

علیٰ ہٰذالقیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہمکو اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُن میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عُمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہونچانے کے لیئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہمکو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنیوالے ہماری تعریف کرتے ہیں درا صل ہم میں کہاں تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا چال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کر کر اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں مانتے ٭

ہمکو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اُس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی سمجھنا چاہیئے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے " کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھکو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر" جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لیئے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنی نصیحت کے محتاج ہیں - پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں ؛

عام قاعدہ تو اس کے لیئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصلوں سے جو ہماری ہدایت کے لیئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اُس پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں - جس نے یہ فرمایا کہ " انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد " اور جو اُس درجہ کمال تک پہونچا جہاں تک انسان کا پہونچنا ممکن ہے - اور جسکی زندگی ہماری زندگی کے لیئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنیوالوں کے لیئے بلکہ تمام دنیا کے لیئے بڑا ہادی اور بہت بڑا دانا اُستاد ہے - ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں - کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا - اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہو سکتی - اس لیئے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں ؛

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہمکو کیا کہتے ہیں - ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں - یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اُسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں - برخلاف اسکے دشمن ہمکو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے - گو وہ دشمنی سے جھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اُس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے ؛

## تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اس لیئے ہمکو اپنے
دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہیئے کہ وہ ہمکو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے
طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہمکو وُہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق اُستاد سے
ملنا چاہیئے تھا ؛

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا
ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں
نہیں۔ سچ ہے کہ "دشمن از دوست ناصح تراست ایں جز نکوئی نگوید و ایں جز بدی نجوید"
پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ
"دشمن جو ہمکو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہمکو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں
اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریریں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی
معلوم نہیں ہوتے"؛

علیٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہمکو اس بات پر غور کرنی
چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُن میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا
چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عُمدہ غرض سے اور نیک
نیتی سے دنیا کو فائدہ پہونچانے کے لیئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہمکو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ
وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنیوالے ہماری تعریف کرتے ہیں دراصل ہم میں کہاں
تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا یہ چال ہے کہ کبھی
تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کر کر اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی
اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں
مانتے ؛

ہمکو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اُس کی نیکی
مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت
کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جس طرح ہم نیک دلی
سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے

کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادی رائے اور اُس دلی نیکی سے جس کے سرچشمہ کی
سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی
دباؤ یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے اُن کے دل کو پھیرا ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات
اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بیقدر ہو جاتی ہے +

جہاں ہمکو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہمکو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری سے
کام کرنا چاہیئے ۔ حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے
لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ وہ فی نفسہ
نہایت ہی بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہوں ۔ مگر اس پر بھی
خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لیئے نہایت مشہور
ہیں مگر نہایت لغو اور نرے شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھکر اپنے دلوں میں اُسکی جڑ گاڑ دی ہے
مَیں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مَیں نے آج تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا
جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو +

اسی طرح ہمکو اُن کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزوریوں کی قدرتی بناوٹ
سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں
ہمارا دنیوی فائدہ ہے ۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف
سے پھر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب
تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ بُرائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھس
جاتے ہیں ۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں
عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی بُرائی چھپی
ہوئی ہوگی +

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذبوں کو ڈھونڈھنا
ہمارے لیئے اُس سے بڑھکر کوئی چیز مفید نہیں ہے ۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی جمانی
چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے ۔ جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا
ہمارے دل کو جانچیگا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں ۔ تو ان اصولوں پر چلنے سے
بہتر ہمارے لیئے کوئی راہ نہیں ہے ہمارے بانی اسلام نے جب ہمکو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی بُرائی ہمکو بتلادی جس سے انسان دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو بھی فریب میں ڈالتا ہے - داؤد نے بھی اپنی مناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اُس نے کہا ہے - کہ اے خُدا مجھ کو جانچ - میرے دل کی تہ کو ڈھونڈ - میرے خیالوں کو دیکھ - مجھ کو ٹٹول - مجھ کو بخوبی پرکھ - کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی ہے اور مجھ کو ایسی راہ پر چلا جو ہمیشہ کو قایم رہے -

## ہندوؤں میں ترقی تہذیب

یہ ایک نہایت عمدہ قول ایک بڑے فلاسفر کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا رفارمر یعنی مصلح امورات ہے :

ہندوؤں کا حال دیکھکر ہمکو اس قول کی تصدیق ہوتی ہے - انہی دنوں میں ہزہینس مہاراجہ صاحب بہادر وجے نگرام کے بیٹے کی شادی ہزہینس مہاراجہ جے پور کے ہاں ہوئی ہے وہ اور اُن کے احباب جے پور بیاہنے کو گئے تھے - اور چند رئیسان بنارس بھی اُن کے ساتھ تھے جب سب لوگ شادی کر کر واپس آئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالیخاندان رئیس ہیں مجھ سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وہاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں مہاراجہ جے پور و مہاراجہ ویجے نگرام بھی شامل تھے اس طرح پر کچی رسوئی کھائی - کہ ایک نہایت پرتکلف مکان فرش فروش سے آراستہ تھا شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی - اور اُس پر بہت بڑی لمبی خوبصورت مہاگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چہار طرف کُرسیاں بچھی ہوئی تھیں - تمام راجپوت اپنی پوشاک - دستار و قبا پہنے ہوئے اور پانوں میں جوتیاں پہنے ہوئے - ہتیار لگائے ہوئے سب کُرسیوں پر آن بیٹھے - میز پر سب کے سامنے انواع اقسام کا کھانا چنا گیا جس میں دال بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھکر کھانا تناول فرمایا +

زیادہ تعجب یہ ہے کہ چوکی کی بھی کچھ قید نہ تھی - کچی رسوئی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا عذر کھاتے تھے +

[illegible] بات کے سُننے سے البتہ ہمکو افسوس ہے کہ بیز پر بجائے نفیس نفیس برتنوں کے پتوں کی رکابیاں جس کو ہندی میں پتل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اُس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جبکہ دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا۔ مگر ہمکو امید کرنی چاہیئے کہ ہمارے ہندو بھائی اپنے دھرم کرم قایم رکھکر بہت جلد تہذیب و شایستگی میں ترقی کرینگے۔

درحقیقت ہمارے لیئے اور خصوص میرے لیئے یہ بات نہایت خوشی کی ہے اس لیئے کہ میں ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سویلزیشن کی ترقی معہ قیام اُن کے مذہب کے نہیں ہوسکتی۔ مگر اس حال کے سُننے سے جو جے پور میں ہوا مجھے یقین ہو گیا کہ میرا یہ خیال غلط تھا اور مَیں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں اور خود اپنے کو آپ مُبارکبادی دیتا ہوں۔

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مُسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم نے ترقی کی اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اُس کی مثال ایک [illegible] آدمی کی سی ہوگی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے نام کو بھی عزت ہوگی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کانڑی اور بڈھی بال بکھری دانت ٹوٹی بیوہ کہلاوے ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاویگی۔

او خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

# مخالفت

دشمنی اور عداوت۔ حسد اور رنجش اور ناراضی کے سوا ایک اَور جذبہ انسان میں ہے جو خود اُسی شخص میں کمینہ عادتیں اور رذیل اخلاق پیدا کرتا ہے اور بعوض اس کے کہ وہ اپنے مخالف کو کچھ نقصان پہنچاوے خود اپنا آپ نقصان کرتا ہے۔ اِس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے ہیں۔

دشمنی اور عداوت کا منشا اکثر اتلاف حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زن یا زر یا زمین یا خون اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوتے ہیں۔

حسد کا منشا صرف وہ اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں جو محسود میں ہیں اور حاسد اُن کو چاہتا ہے مگر وہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔

رنجش اور ناراضی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے ۔

مگر ان سب کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو بغیر ان سببوں کے جو تحریر ہوئے آتا ہے
اُس کا منشاء نہ زر و زمین و زن کی دشمنی ہوتی ہے اور نہ مخالف کے اوصاف حمیدہ کی [illegible]
ہوتی ہے کیونکہ یہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف حمیدہ کو اوصاف حمیدہ ہی نہیں تصور کرتا اور
نہ باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہے اس لیے کہ اکثر اُن دونوں میں ملاقات اور
واقفیت بھی نہیں ہوتی بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہوتا ہے کہ اُسکی مخالف رائے یا عقل و سمجھ
دوسرے فریق کی رائے اور سمجھ سے مخالف ہوتی ہے ۔

یہ جذبہ مخالفت قریباً کل انسانوں میں پایا جاتا ہے مگر مہذب اور تربیت یافتہ اور عاقل
آدمیوں میں اُس کا ظہور اور طرح پر ہوتا ہے اور نامہذب اور ناتربیت یافتہ بدذات آدمیوں میں
اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہے۔ پہلا اُس مخالفت سے طرح طرح کے فائدے اُٹھاتا ہے اور
دوسرا اُن فائدوں سے بھی محروم رہتا ہے اور دنیا میں خود اپنے تئیں بدطبیعت اور کمینہ اور
نامہذب ثابت کرتا ہے ۔

دُنیا میں یہ بات قریباً ناممکن ہے کہ تمام لوگ ایک رائے پر ہو جاویں یا کیسی ہی صحیح بات ہو سب متفق
ہو جاویں پس ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف رائے ہو۔ مہذب آدمی اپنے مخالف کی رائے کو نہایت
نیک دلی سے سونچتا ہے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اُس میں کوئی اچھی بات ہو تو اُس کو
چُن لوں اور اگر مجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُس کو تصحیح کر لوں۔ جب [illegible] کوئی بات [illegible] نہیں پاتا
تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ وہ اُن غلطیوں کو اس طرح پر بیان کرتا
ہے جیسے ایک دلسوز دوست بتاتا ہے کبھی کبھی طبیعت کو تر و تازہ کرنے کو [illegible] بہت
دلچسپ ظرافت بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی لطیفہ بھی بول اُٹھتا ہے اور باوجود مخالفت کے
ایک دوسرے کو فائدہ پہونچتا ہے ۔

کمینہ طبیعت اور نامہذب ناشایستہ آدمی یہ رستہ نہیں لیتا۔ وہ بات کی حسن و قبح کی طرف
متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرنے لگتا ہے [illegible] گالی [illegible]
سے سب و شتم اپنا پیشہ کر لیتا ہے۔ اپنے مخالف کے عیوب واقعی کے بیان پر بس نہیں کرتا
[illegible] اُس پر لگاتا ہے۔ [illegible]
مورد لعنت اللہ علی الکاذبین بنتا ہے۔ اس راہ چلنے سے اور جھوٹے اتہام لگانے سے اور

لست جالکہ مورد بہتان اُس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اُسکے
مخالف کے حال سے واقف نہیں ہیں ناراضی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت اُس کا یہ مطلب
حاصل نہیں ہوتا اور بعوض اس کے کہ اُس کا مخالف بدنام ہو خود وہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا
ہے اس لیئے کہ جب اُس مخالف کی بُرائی جو اُس نے براہ کذب و اتہام اُس کی نسبت منسوب
کی ہے مشہور ہوتی ہے۔ تو کوئی تو اسکو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اُسکی تحقیق کے درپے
ہوتے ہیں اور جب اُسکی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعوض اُسکے مخالف کے خود اُسی کو کذاب پر
تہمت بستہ ہونا قرار دیتے ہیں اور بقول اُنکے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں
میں اُس کی قلعی کھل جاتی ہے اور وہ چاہ بد کو خود اُسی گڑھے میں گرتا ہے جو اُس نے اپنے
مخالف کے لیئے کھودا تھا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں
سچائی اور راستبازی نیکی اور سچائی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر فتح پانے
کا ہے ورنہ بیجا اپنے مخالف کے خود اپنے تئیں آپ رسوا کرنا ہے ۔

ہمکو بڑا افسوس ہے کہ ہمارے مخالف اس ناپسند طریقہ پر ہمسے مخالفت کرتے ہیں۔ ہمکو اپنی
مخالفت کا یا اپنے پر اتہام کرنیکا یا اپنی بدنامی کا کچھ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا افسوس
ہے کہ انجام کو ہمارے مخالف ہی رسوا و بدنام ہوتے ہیں۔ اور دُنیا اُنہی کو دروغ گو و کذاب
قرار دیتی ہے۔ اگر اُن کو ہمارے حال پر رحم نہیں ہے تو خود اُن کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہیئے
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

## خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُن میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے۔ جس وقت کہ
کہ انسان کے بدن میں مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو
اُسی وقت انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی
بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اُس کے دل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی
باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور
خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو
ایسا پگھلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اُس میں ہو جاتی ہے ۔

اوّل اوّل یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں
اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اَوروں کی خوشامد
ہم میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوّل تو خود ہمکو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے
پھر یہی محبت ہم سے باغی ہوجاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت
و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی ہماری
محبت ہمکو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق اور انصاف ہے جو ہماری
باتوں کو ایسا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہوجاتا ہے اور
اس قسم کے پھسلاوے اور فریب میں آجاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکر و فریب سے
اندھی ہوجاتی ہے اور وہ مکر و فریب ہماری بیمار طبیعت پر بالکل غالب آجاتا ہے ۔

لیکن اگر ہر شخص کو یہ بات معلوم ہوجاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالایق اور کمینہ سببوں سے
پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ویسا ہی نالایق اور کمینہ متصوّر
ہونے لگیگا۔ جبکہ ہمکو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے
بنا چاہتے ہیں جیسیکہ درحقیقت ہم نہیں ہیں تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے
ہیں جو اَوروں کے اوصاف اور اَوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو بسبب اُس
کمینہ شوق کے اُس خوشامدی کی باتیں ہمکو اچھی لگتی ہوں مگر درحقیقت وہ ہمکو ایسی ہی بدزیب
ہیں جیسیکہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں۔ اس بات سے کہ
ہم اپنی حقیقت کو چھوڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں۔ یہ بات نہایت عمدہ ہے
کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعوض
جھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہوجاویں کیونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں
اپنے اپنے موقع پر مفید ہوسکتی ہیں۔ ایک تیز مزاج اور چست چالاک آدمی اپنے موقع پر ایسا
ہی مفید ہوتا ہے جیسے کہ ایک رونی صورت کا چپ چاپ آدمی اپنے موقع پر ۔

خودی جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد
اُسکو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھچھورے پن کی کافی لیاقت
پیدا کر دیتی ہے۔ مگر یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح
مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب چیز ہے جس طرح کہ لایق شاعر

[illegible] کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن اشعار سے اُن لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تعریف
کرتے ہیں۔ شاعری کی خوبی سے خود اُن شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے دونوں
[illegible] ہیں۔ ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اُس لیاقت کو تمیز
[illegible] ہے۔ مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے اُستاد مصور کی مانند
[illegible] صورت اور رنگ اور خال خط کو بھی قایم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے
[illegible] معلوم ہو ✤

[illegible] کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جسکی
تعریف کرتے ہیں اُس کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے
[illegible] تعریف نہیں رہتی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں ✤

نامور ی کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب
تعریف ہوتی ہے تو اُس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ
میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی
ہے۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیکنامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو مناسب
عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسے کہ غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی
ہے۔ جو لوگ کہ عوام کے درجہ سے اوپر ہیں اُنہی لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے کہ تھرمامیٹر
میں وہی حصہ موسم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سب کے اوپر ہوتا ہے ✤

## گذرا ہوا زمانہ

برس کی خیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراونی اور
اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی
ہے۔ دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے۔ مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر
پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر
رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اُتنا ہی غم بڑھتا ہے ہاتوں
سے ڈھکے ہوئے موبنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں ✤

پچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو

کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ۔ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیئے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُسکو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا۔ ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا ٭

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن۔ رسیلی آنکھیں۔ موتی کی لڑی سے دانت۔ اُمنگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خداپرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ ”اوہ ابھی بہت وقت ہے“۔ اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خداپرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیئے طیار رہتا۔ آہ وقت گُذر گیا۔ آہ وقت گُذر گیا۔ اب پچتائے کیا ہوتا ہے افسوس مَیں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہکر برباد کیا کہ ”ابھی وقت بہت ہے“ ٭

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اُڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلّا کر بولا ”ہائے ہائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہکر پھر اپنی جگہ آبیٹھا ٭

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن۔ دوست آشنا یاد آئے۔ جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمھارے ہی بھلے کے لیئے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں اُنگلی دیئے ہوئے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کرسکتے ہیں ٭

ایسی حالت میں اُسکو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ - بھائی - بہن - دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں - ماں کو رنجیدہ رکھنا - باپ کو ناراض کرنا - بھائی بہن سے بے مروت رہنا - دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا - اور اُسپر اُن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا - اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اُٹھتا تھا کہ "ہائے وقت نکل گیا ہائے وقت نکل گیا - اب کیونکر اِس کا بدلہ ہو" ؛

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا - اور ٹکراتا لڑتا کھڑکی تک پہونچا - اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے - اُسکی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا ؛

اتنے میں اسکو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں کہ وہ جوانی ہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش - اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا - وہ اپنا روزہ رکھنا - نمازیں پڑھنی - حج کرنا - زکوٰۃ دینی - بھوکوں کو کھلانا - مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا - فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا - مگر دل کی بیقراری نہیں جاتی تھی - وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں مسجدیں ٹوٹ گریں تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں کنوئیں اندھے پڑے ہیں - نہ پیر اور نہ فقیر کوئی اُسکی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے اُس کا دل پھر گھبراتا ہے - اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا - یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی - اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اُٹھتا "ہائے وقت ہائے وقت میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا" ؛

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا - اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے - گھٹا کھل گئی ہے - تارے نکل آئے ہیں - اُن کی چمک سے اندھیرا ابھی کچھ کم ہو گیا ہے - وہ دل بہلانے کے لیئے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دلہن نظر آئی - اُسنے ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی - یہاں تک

کہ وہ اُس کے بہت پاس گئی۔ وہ اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے۔ نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کے فرض اُس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ "واللہ لا ازید ولا انقص" ادا کر کر انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں سعی کرے اُس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہیگا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیئے کی جاتی ہے وہی نسل درنسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں۔ جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلہن غائب ہو گئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا ✦

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیئے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کیئے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا ✦

اپنا حال سوچکر وہ اُس دلفریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھکر آیندہ کرنے کی بھی کچھ اُمید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بیقرار ہو کر چلا اُٹھا ہائے وقت ہائے وقت۔ کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں۔ ہائے میں دس ہزار دینار میں دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بیہوش ہو گیا ✦

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اُس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُسکی پیاری ماں اُس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اُسکو گلے لگا کر اُس کی پپی لی۔ اُس کا باپ اُسکو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے کیوں تو بیقرار ہے کس لیئے تیری ہچکی بندھ گئی ہے

اُٹھ موُنھ ہاتھ دھو کپڑے پہن - نوروز کی خوشی منا - تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں - تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا اُس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا - اُس نے سُنکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بُڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجھ سے کہا ؛

یہ سُن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کُود پڑا اور نہایت خوشی سے پُکارا کہ " او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے - میں کبھی اُس بُڈھے کی طرح نہ پچتاؤں گا اور ضرور اُس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا - او خدا او خدا تو میری مدد کر - آمین ؛

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنوں - اور اے میری قوم کے بچو - اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تا کہ اخیر وقت میں اُس بُڈھے کی طرح نہ پچتاؤ - ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دُعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے - آمین ؛

## بحث و تکرار

جب کتے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں - پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز اُن کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے - پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے - پھر باچھیں چِر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے - ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں - مُنہ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں اسکا ہاتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں - اُس کا کان اِس کے مُنہ میں اور اسکا ٹینٹوا اُس کے جبڑے میں - اِس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اِس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا - جو کمزور ہوا دُم دبا کر بھاگ نکلا ؛

نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح پر تکرار ہوتی ہے - پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھے ہیں - پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے - ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے - وہ کہتا ہے واہ تم کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو -

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رُخ بدل جاتا ہے۔ آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اُڑنے لگتا ہے۔ باچھوں تک کف بھر آتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں۔ آستین چڑھا ہاتھ پھیلا۔ اسکی گردن اُس کے ہاتھ میں اور اُسکی ڈاڑھی اُسکی مٹھی میں لپاڈو کی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہوا تو کمزور نے پیٹ کو کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔

جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُسیقدر اِس تکرار میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرفش ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں تکار تک نوبت آجاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اُس کے پرکھنے کے لئے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شایستگی محبت اور دوستی کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیئے۔

پس اے میرے عزیز ہموطنو۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو یا دو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ اسطرح رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا اُلٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اِس بات کو پھر سوچوں گا یا اُسپر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اُس دو تین دفعہ کی اُلٹ پھیر سے

تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شُبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسیکہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے ؛

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اسکو ختم کرو اور آپسمیں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہموطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؛

# اُمید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمھاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھوندلی چوٹیو۔ اے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لیئے کہ تم ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وُہی ہمکو زیادہ خوش کرنیوالی ہے ؛

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سے اعلے سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمکو آیندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؛

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ اُمید۔ یہ خُدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہمکو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی کے لیئے نام آوری۔ نام آوری کے لیئے بہادری۔ بہادری کے لیئے فیاضی۔ فیاضی کے لیئے محبت۔ محبت کے لیئے نیکی۔ نیکی کے لیئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں ۔

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اسکو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا۔ اور پھر اُسکو ایسی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا ۔

اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اُٹھائی اور مار پیٹ سہی تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اَور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے ۔ زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے ۔

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ہوتی ہیں ۔

دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ۔ اے اپنے باپ کی

تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (جیسے کہ دوستی) ہاتھ سے جاتی رہتی ہے ؛

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اسکو ختم کر دو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہموطن اس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے ؛

# اُمید کی خوشی

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمھاری خوش نما چمک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھوندلی چوٹیو۔ اے پہاڑ کے عالیشان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہمکو زیادہ خوش کرنیوالی ہے ؛

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سے اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمکو آیندہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے ؛

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی۔ اُمید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہمکو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہمکو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیئے نام آوری۔ نام آوری کے لیئے بہادری۔ بہادری کے لیئے فیاضی۔ فیاضی کے لیئے محبت۔ محبت کے لیئے نیکی۔ نیکی کے لیئے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں ✦

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس مصیبت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس ذلت سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا ✦

اُس نیک نبی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ہاتھ سے مصیبت اُٹھائی اور مار پیٹ سہی تیرا ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز نا اُمیدی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جودی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے ✦ زیتون کی ہری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے ✦

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید۔ تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ہوتی ہیں ✦

دیکھو نادان بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ساتھ کام میں اور دل نیچے میں ہے اور زبان سے اُس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ۔ اے اپنے باپ کی

سورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ - اے میرے دل کی کونپل سورہ - بڑھ اور پھل پھول -
تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے - کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو
نہ آوے - کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے - سورہ میرے بچے سورہ -
میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ - تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
روشن ہوگا - تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی - تیری شہرت تیری لیاقت -
تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخرکار ہمارے دل کو تسلی دینگی - تیری ہنسی ہمارے اندھیرے
گھر کا اوجالا ہوگی - تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی - تیری آواز ہمارے لیئے
خوش آیند راگنیاں ہونگی - سورہ میرے بچے سورہ - اے ہماری اُمیدوں کے پودے سورہ
بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جُدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے - تم ہماری بیجان لاش پاس
کھڑے ہو گے - تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولینگے - تم روؤ گے - اور ہم کچھ رحم نہ کرینگے - اے میرے
پیارے رونے والے - تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کرو گے - آہ ہم نہ ہونگے اور
تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے - اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا اپنے باپ کی نورانی صورت
یاد کرو گے - آہ ہمکو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر تم رنجیدہ ہو گے - سورہ میرے
بچے سورہ - سورہ میرے بالے سورہ +

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا - مگر جب وہ
ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا اُسکی
پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہونچنے لگی - آنسوؤں سے اپنی ماں
کی آتش محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا - پھر مکتب سے اُسکو سروکار پڑا - رات کو اپنی ماں کے
سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق خمرہ دل سے سنانے لگا - اور جبکہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھکر
ہاتھ مونھ دھوکر اپنے ماں باپ کے ساتھ صُبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا - اور اپنے بے گناہ دل
بے گناہ زبان سے بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اَور کہیں زیادہ
ہو گئیں - اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں ماں ہماری
پیاری اُمید تو یہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے +

دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے - اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے
ریوڑ میں سے غایب ہو گیا ہے - وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا - مایوس ہے پر اُمید

نہیں ٹوٹی - لہو بھرا دانتوں بھٹا کرتا دیکھتا ہے پر ملنے سے نا اُمید نہیں - فاقوں سے خشک ہے - غم سے زار نزار ہے - روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں - کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر صرف ایک اُمید ہے جس نے اُسکو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے ۔

دیکھو وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے - اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے - بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے بڈھے باپ کا غم اُس کی روح کو صدمہ پہونچاتا ہے - عزیز بھائی کی جُدائی اُس کے دل کو غمگین رکھتی ہے - قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی کا خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے - اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے - مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید تجھی میں اُس کی خوشی ہے ۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے - کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے - ہزاروں خطرے درپیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے - لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چُپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سنسان کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جُرأت ہوتی ہے - اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہونچتی ہے اور وہ آنکھ اُٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے - اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُسکی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتش پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے - اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوت بازو - اور اے بہادری کی ماں - تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے - اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سُنتا ہے ۔

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے - دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے - اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے - ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے - مشکل کے وقت ایک ٹہنی ماہوسی سے مدد مانگتا ہے - جن کی بھلائی چاہتا ہے اُنھیں کو دشمن پاتا ہے - شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند عزیز اقارب سب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔

وہ بھلا کس کی بات مانتے ہیں
بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ہاں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہکر۔ بہتاسی ہمدردی کرتے ہیں۔ پر کوٹھی کٹھلے سے الگ کر کر۔ دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ مگر اے بیقرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت۔ تو ہی ہم ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے دل کی تسلی ہے تو ہی ہماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ہے تیری ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہونچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہر مراد کو پاویں گے او ہمارے دل کی عزیز اور ہمارے پیارے مہدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہماری دل کی تسلی رہ۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مونھ پر مردنی چھاتی ہے۔ ہوا ہوا میں پانی پانی میں۔ مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سے ہمارے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اُس وقت اُس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ملتے ہوئے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی اُمید ہوتی ہے۔

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیئے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے اُس لازوال آنیوالی خوشی کی اُمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے۔

او ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہمکو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں سورج کی کرن اور زمانہ کی لہر بھی نہیں پہونچی۔ تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توشہ اور اُمید کے ادنی اور موت کی سواری سے مگران سب میں جسکو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پیارا نام "اُمید" ہے ٭

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے زمانہ کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے ٭

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

## حُبِّ ایمانی

اور

## حُبِّ انسانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو ایک ایسی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی دل میں بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رُو سے کافروں سے صرف وہی دوستی منع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہوسکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیونکر کرسکتے ہیں ٭

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی امر میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلےٰ و ادنےٰ عالم و جاہل اس میں تمیز کرتا ہے ٭

فرض کرو کہ کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اُس سے کیوں محبت رکھتے ہو وہ اسکا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا بڑا محسن ہے۔ اُس نے بڑے مشکل

وقتوں میں مجھ پر احسان کئے ہیں تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیماری کی حالت میں میری تیمارداری کی ہے۔ دوا دارو علاج معالجہ میں بڑی کوشش کی ہے ✦

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں۔ دن رات آپس میں اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے۔ روز روز کی ملاقات۔ بات چیت۔ ہنسی۔ مذاق۔ دل لگی مزاج کی باہمی موافقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہوگئی ہے ✦

یا وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اس کو بدرجہ غایت کمال ہے۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے دلی محبت اور جانی دوستی ہوگئی ہے ✦

یا اُس کا سبب وہ یہ بتلاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے۔ اُس کے حسن و جمال نے میرے دل میں اسکی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے ✦

پھر ہم اُس سے دوسرا سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگانِ دین میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ ہاں کیوں نہیں ✦

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سَو برس پہلے گذر چکے ہیں انھوں نے کوئی تمپر احسان نہیں کیا کسی مشکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے۔ کبھی تنگی کے وقت میں تمکو کچھ نہیں دیا کبھی تمھاری تیمارداری نہیں کی۔ کبھی تمھاری دوا دارو علاج معالجہ میں کوشش نہیں کی کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے۔ نہ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے نہ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت ہوئی نہ کبھی ہنسی مذاق ہوا۔ نہ باہم مزاج موافقت ہوئی۔ جس فن کا تمکو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ تمنے اُن کو دیکھا کہ اُن کے حسن و جمال نے تمکو فریفتہ کر لیا ہو۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو ✦

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر اور لال منہ کر کر غصہ بھری آواز سے جواب دیتا ہے کہ میاں وہ بزرگانِ دین تھے۔ خدا کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے۔ وہ دینداری میں یگانہ وقت تھے خدا پرستی اور زہد و تقویٰ و عبادت میں یگانہ تھے۔ ایمان کامل اُن کو نصیب تھا۔ دین میں سب کے سردار تھے۔ اِس لیئے اُن سے محبت رکھتے ہیں ✦

اب میں بتاتا ہوں کہ یہی پچھلی محبت۔ محبت من حیث الدین ہے جسکو میں حب ایمانی کہتا ہوں۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً ممنوع اور حرام بلکہ کفر ہے اور پہلی محبت

جس کو میں حب انسانی کہتا ہوں شرعاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداہت تفرقہ و تمیز موجود ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بمقتضائے فطرت انسانی ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الدین تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی محبت میں تمیز نہیں کرسکتا ۔

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور بالکل سچ ہے۔ ہمکو تمام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور برتنی چاہیئے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حب انسانی کے درجہ پر ہو نہ حب ایمانی کے کیونکہ حب ایمانی بلا اتحاد مذہب بلکہ بلا اتحاد مشرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہمکو ہمارے سچے مذہب اسلام نے کی ہے ۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَن قَالَ ۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

## سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا چیز ہے۔ اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے؟ کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اسکو پیدا کیا ہے۔ اُسکے معنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی اصطلاح ہے جسکو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے؟ یا ایسی چیز کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں سے اسکا تعلق ہے۔ قانون قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیئے انسان کے حالات پر ہمکو نظر کرنی چاہیئے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔ سب میں اس کا نشان ملیگا۔ گو اُسکی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ اِلّا سب کی جڑ ایک ہی ہوگی ۔

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند۔ یا یوں کہو کہ کسی چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو بُرا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کرلے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے ❖

سولزیشن یا تہذیب کیطرف انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے۔ اچھا اور بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خُلقی۔ ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرانے میں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑجاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے۔ دُوسری قوم اُسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں۔ سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لیئے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔ مگر جبکہ مختلف گروہیں مختلف مقامات میں بستی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کرسکے ❖

ملکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ فکر اور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہرتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کرسکتے ہیں جن کے سبب سے اچھے اور بُرے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے ❖

اچھے اور بُرے کی جگہ میں اَور لفظ کا استعمال کروں گا۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسیکہ مزا یا مذاق۔ مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہوگئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ "پسند" کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے +

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم طبعیات سے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ آئندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی، وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے دل سے دیکھیں جیسے کہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مؤدب دل سے دیکھتے ہیں +

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے خلاقی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسایش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زر و جواہر۔ یاقوت و الماس سے نہایت نفیس نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے۔ ناتربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پوتھوں سے اپنی آرایش کا سامان بہم پہونچاتی ہے۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ ناتربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے چھلے ہوئے سُنہری پوست۔ اور زمرد کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھاس میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ ناتربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی مکانات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ناتربیت یافتہ قوموں کے جھونپڑے اور اُن کے رہنے کے گھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈ۔ زمین میں کھودی ہوئی کھوئیں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی چیزیں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارات کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی ناتربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں سے ہے۔ ناتربیت یافتہ قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں دلی جوشوں اور

اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ موسیقی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔
مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور آواز کی پھرت۔ اسکا گھٹاؤ
اور اس کا بڑھاؤ۔ اس کا ٹھہراؤ اور اسکی اوپیچ۔ ہاتھوں کا بجاؤ اور پاتوں کی دھمک۔ زیادہ تر
مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر ناتربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں دلی جوش کی موجیں ہیں۔
وہ لئی اور تال۔ راگ و راگنی کو نہیں جانتے۔ مگر دل کی لہر اُن کی لئی۔ اور دل کی پھڑک اُن کا
تال ہے۔ اُن کا غول باندھکر کھڑا ہونا طبعی حرکت کے ساتھ اُچھلنا۔ دل کی بیتابی سے جھکنا
اور پھر جوش میں آکر سیدھا ہو جانا۔ گو نزاکت اور فن خنیاگری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی
ضرور تصویر ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور اُن کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں
شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اُسکا تعلق
عقلی اور مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف
رجوع۔ یا ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی متعلق ہے۔
پس سولزیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال
پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور اُن کو ایک سلسلہ میں لانا۔ اخلاق
اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عمدگی
پر پہونچانا۔ اور اُن سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اُس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور
جسمانی خوبی۔ اور اصلی تمکین۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور درحقیقت یہی پچھلی
ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے ✦

اس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مسٹر ایچ۔ ٹی۔ بکل صاحب چار اصول ہیں ✦

اوّل۔ "جو چیزیں ہمکو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہمکو معلوم نہیں ہوتا۔ اُن کے
سببوں اور قاعدوں کو دریافت کرنا۔ اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اسمیں ہوگی
اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی" ✦

دوم۔ "اُس تحقیقات سے پہلے تجسس کا خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو
مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استعانت ہوتی ہے" ✦

سوم۔ "جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور
اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم۔ مگر اخلاق کی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے"۔

چھٹا کام :- اس تحریک کا بڑا دشمن۔ جو درحقیقت سولزیشن کا بھی سخت دشمن ہے۔ یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امورات کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو۔ تب تک انسان کے گروہ کی ترقی نہیں ہو سکتی یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلاوے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور مذہب سکھلاوے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہیئے"۔

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہمکو بتاوے کہ ہمکو کیا کیا کرنا چاہیئے۔ انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں۔ بلکہ تمام ایشیا میں اور ٹرکی اور ایجپٹ میں بھی ناشایستگی اور ناتہذیبی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہی خیال ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے خارت اور برباد کیا ہے۔ اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنمنٹ سے ناراض رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ خیال نہ جاوے گا۔ اور یہ خیال نہ آویگا کہ ہم خود سوچیں کہ ہمکو اپنے لیئے کیا کرنا چاہیئے۔ اُسوقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت۔ نہ عزت ہوگی نہ منزلت۔ اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شایستگی۔ مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط۔ یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے۔ اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بیجا تعصبات اور مسائل اجتہادیہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ تفرقہ و تمیز نہ رہے۔ جیسیکہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے۔ تو بلا شبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے۔ الا سچا مذہب۔ جیساکہ ٹھیٹ مذہب اسلام ہے وہ کبھی مانع ترقی انسان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شایستگی کے کام دونوں متحد ہوتے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

# کانشنس

**کانشنس یعنی وہ قوت ممیّزہ جو خدا نے ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان کے لئے سچّی ہادی اور اصلی پیغمبر ہے**

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس ماننے کے آزادمنش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ کیا کانشنس کوئی ایک جُدا قوت ہے جو انسان میں جُداگانہ اُس کی ہدایت کے لیئے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اسکا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کرلیں۔ تو اُس سے کوئی نتیجہ سچّی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کانشنس نہایت عُمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت انسان کی طبیعت کی ہے اور اُسکی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہٖ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُسکا نام ہے۔

مگر فی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیئے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیئے یکساں رہنما ہو۔ یعنی جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُسکو تمام انسان نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جانے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کانشنس انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ نقیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچّی ہدایتیں نہیں ہوسکتیں۔

اس شُبہ کی نسبت کہ اُن متناقض کانشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہوگا۔

ہنری طامس ہکسلی نے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں ہم پوچھینگے کہ وہ کونسی چیز ہے جو صحیح اور غلط یا سچی اور جھوٹی کانشنس میں تمیز کرتی ہے"۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفسہ ایک جُدا گانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اُسکا کانشنس خود اُسکے ساتھ ہے۔ اور اِس لیئے مجموعی اتحاد کانشنس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیئے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہوگا۔ کیونکہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کانشنس فی الحقیقت ایک جُدا گانہ مخلوق قوت۔ انسان کی رہنمائی کے لیئے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مسٹر ہکسلی کے "بحث ختم ہو گئی"۔

علاوہ اسکے۔ جبکہ ہر ایک کا کانشنس اُسکا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کانشنس میں اختلاف و تناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو اُن دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ضرور ماننا پڑیگا۔ شاید اُن کا تناقض نسبت یا حیثیت کی مدد سے رفع کیا جاویگا۔ اور یوں کہا جاویگا کہ رام دین کا مہادیو کی مورت کو پوجنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود غزنوی کا سومنات کے بُت کو توڑنا اس لیئے نیک ہے کہ اُس کا کانشنس اُسکو نیک بتاتا ہے۔ تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ دنیا میں درحقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھسٹ ہو یا برہمو۔ اِس بات کو تسلیم نہیں کریگا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اسکو قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بالفرض اگر ثواب و عقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہریہ اِس دنیا میں ہمکو وہ باتیں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور اُنہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے یا ممنوع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں۔

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کا کانشنس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو بھی یقین ہوسکتا کہ اُس کا پیغمبر اُس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے صحبت کے اثر سے۔ معلومات کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا برہمو ہونے پر۔ برہمو کا دہریہ ہونے پر کانشنس بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی سچائی پر یقین کامل رکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اِس بات کی ہے کہ انسان کا کانشنس

اُس کا پیغمبر اور سچا رہنما نہیں ہو سکتا۔ بقول مسٹر نکل صاحب کے کہ "اگر بعض باتوں میں کانشنس ہمکو دھوکا دیتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اَور باتوں میں دھوکا نہ دیگا۔ پس صحیح اور غلط کانشنس میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس مطلب کو یوں ادا کرو۔ کہ ہمارے لئے کسی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور بمنزلہ سچے پیغمبر کے ہو"۔

اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ ویچ اُس میں کچھ نہیں ہے۔ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتداء کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حد ذاتہ رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کرلے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا محافظ اور انسان کا رہنما ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں جہاں کانشنس کا استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم ہادی یا محافظ یا گناہوں کا بخشانے والا کہتے ہیں اور جس کو ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں وہاں ہماری مراد اسی کانشنس سے ہے۔

اَب ہم کو اُس چیز کی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کانشنس کو ہونا چاہیئے یا جس سے ہماری طبیعت کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہمکو دھوکہ نہ دے۔

## ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

## جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُسکو بھی اَور حیوانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے سوتا ہے۔ مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو بہم پہونچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اَور چیز بھی پاتے ہیں جو اَور حیوانات میں نہیں ہے وہ کیا ہے؟ سمجھ اور فکر۔ اور خیال اور اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اَور کچھ بھی پیدا کرسکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یا یوں کہو کہ بالفعل اُس میں نہ تھی۔

یہ ترقی یا اوصاف کی زیادتی دو چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ مادی سے اور غیر مادی سے پہلی سے اس مقام پر ہمکو غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاقہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لیئے ہم اُس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لیئے ہے۔ اور اسی صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہوجاتی ہے جو اُسکو دھوکا نہیں دیتی۔

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی مخرج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی صحت ہمیشہ مشتبہ ہے اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہ دینے کا تعین نہیں ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں جو اخلاق یا مذہب سکھاتا ہوں وہ اُسی مخرج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین کے قابل نہیں ہے کسی ایسی بات کا کر دکھانا۔ بشرطیکہ درحقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بہت سی چیزیں ہمکو لوگ دکھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھانے والے خود قایل ہیں کہ اُنمیں کچھ کرامات نہیں۔ پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیئے جس کے بانی کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بجز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اَور کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت ایسے سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے مستحکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے پتے میں بھی ایسے ہی مستحکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ میں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کرسکتے ہیں جن سے ہمارا کانشنس یعنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہوجاوے جو ہمکو کبھی دھوکا نہ دے۔

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے تو اُس کے تعلق کے لیئے بجز قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اَور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصود یہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانون قدرت پر غور اور فکر کیا جاوے۔ اور جبکہ تمام چیزیں جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ مادی ہوں یا غیر مادی اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُس غیر مادی صفت کی ترقی جس کا نام ہمنے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُس قانون قدرت میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کرسکتا ہے جو انسان کے لیئے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وُہی ایسی حالت ہے جو ہمکو دھوکا نہ دے ✦

## انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لیئے جو کبھی دھوکہ نہ دے ہادی کا ہونا ضرور ہے جس کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کردیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہوسکتے ہیں۔ مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک معتد بہ آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقایق پر پہونچ نہیں سکتے۔ اور جو پہونچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہوسکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لیئے تاکہ اُس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کیئے جاویں جن میں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو جو باعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو ✦

وہ شخص جس میں خدا نے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کسبی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ اگلوں کی معلومات سے فایدہ اُٹھاتا ہے اور بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچتا ہے۔ اور پھر بھی مشتبہ رہتا ہے کہ پہونچا یا نہیں مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسبی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہبی ہوتی ہے اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لیئے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں وہی بات پڑتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو عین مرضی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے

اُس اظہار کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں وحی اور الہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ؛

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اَور بھی فرق ہوتا ہے ۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بذریعہ کسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی معلومات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کنایات اور اشارات موضوعہ میں ضبط کرے ۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی ۔ اور اس تفرقہ سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا ۔ اور ہدایت عام کے منصب پر مقرر ہونے کے لایق نہیں ہوتا ۔ اور یہ پچھلا شخص اُنہی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے ۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اور یہ ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے لیئے ایسے ہادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں ؛

یہ بات جو ہمنے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلموں پر موقوف نہیں ہے ۔ بلکہ تمام علوم و فنون کے معلموں کا یہی حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالیٰ ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا ۔ بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا ۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی اخلاق اور مدبر انسانی روح کے ؛

ہماری اِس تقریر سے لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا ۔ اور جس میں اُس کامل ترقی کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگرچہ پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کر سکیگا جو پیغمبر بتلاتے ہیں ۔ گو کہ ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو ۔ بے شک جو تقریر ہماری ہے ۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکلنا ہمکو تسلیم کرنا پڑے گا ۔ مگر اُنہی دو تفرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہونچنا مشتبہ رہتا ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لایق نہیں ہوتا جو اصلی منصب ہادی یا پیغمبر کا ہے ؛

ہمارا یہ اصول نہایت سچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اُس میں ہے مکلف ہوا ہے پس

جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہو۔ ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و ممتنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ اکتساب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پالینا نہ منافی ہدایت کے ہے نہ منافی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکمار کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیا کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیار کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ہوتی ہے۔ ال۔ ان نازک حالتوں میں تدبر درکار ہے ؛

## اگر ایسے ہادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دینگے کہ اعتقاد۔ مگر میں اُس کو تو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس ہادی کی ہدایت سُننے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلاً یا جزءً اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو بمجرد اس ہادی کی بات سُنتے ہی پرکھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں ؛

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس درجہ تک پہونچنے کی قدرت نہتی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھانے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس ہادی کی باتوں کو سُنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں ؛

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی سعادت اور سچائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کنہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اُسکی تصدیق کرتے ہیں ؛

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی بوجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غرور یا شرم یا نفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ لوگ ٹھیک ابو جہل کے بھائی ہیں ؛

پانچویں لوگ ہیں جن کو اصلیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس ہادی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سعادت سے سیدھی راہ پر ہیں اور

یا اپنی سفاہت سے ٹیڑھی راہ پر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

پس اِن فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور اُن کو ہم اِس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اُس ہادی کی نصیحتوں کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کرینگے۔ اور بقدر اُس زمانہ کے علم و عقل و تجربہ کے اُن دونوں کے اصولوں کو تلاش کرینگے جو ابتدا ہی یا بعد سمجھنے و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ اگر مطابقت پاوینگے تو یقین کرینگے کہ بلاشبہ وہ ہادی ہے۔ اور وہ اُسی مخرج سے ہدایت کرنے پر مامور ہے جو ہمارا اور اُس ہادی کا دونوں کا بنانے والا ہے۔

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا جس نے نہ کسی معجزہ کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے نیچر سے باہر ہے بلکہ یہ کہا کہ میں تمکو نصیحت کرنیوالا ہوں۔ بُری باتوں سے بچانا اور اچھی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔ پس یہی بزرگی محمد صلعم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ علی لسان نبیہ صلعم "انما انا نذیر مبین"۔ "انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد"۔

اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ نیچر کی نجات یا درکات کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے کی ضرورت اور اُن کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر کرتے ہیں۔

## کیا ایسی حالت میں ختم رسالت ہو سکتی ہے؟

ہاں۔ بلاشبہ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں اُس کو خیال نہیں رہتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے مستعمل ہوا ہے۔ فرض کرو کہ ایک صندوقچہ تھا اور اُس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت لوگ کہتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اسکی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے بہت لوگ مانتے تھے بہت نہ مانتے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے وہ صندوقچہ کھول کر سب وہ پھول دکھا دیا سب بول اُٹھے کہ اب تو حد ہوگئی یعنی یہ بات ختم ہوگئی۔ اب اس کے کیا معنی

ہیں ؟ کیا یہ معنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس سر بستہ صندوقچہ کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھلانے کا؟ یہ مطلب سمجھنا تو محض بیوقوفی کی بات ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا کہ اس سر بستہ صندوقچہ میں پھول ہے ختم ہو گیا۔ یا انتہا کو پہونچ گیا۔ اب اس سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ پس یہی معنی ختم رسالت کے ہیں۔

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ یا انتہا اُسکی ہے۔ اور اسی لیئے وہ خاتم ہیں۔ اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان الٰہی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تا قیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہو گیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے ثبات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ہاں یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے۔

اس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے۔ مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر بجائے خود تحقیق و ثابت ہو چکا ہے کہ یقین خدا کی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یا دوسری زبان میں یوں کہو کہ باعث نجات اُخروی ہے۔ اس مسئلہ کو اس مقام پر چسلم قرار دیتا ہوں اور اسجگہ اُسپر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اب ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین نے کیا کیا۔

ہمکو یہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علۃ العلل واحد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب اُسکو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قائل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بڑی بات (اگرچہ فی نفسہ بڑی ہے) نہ تھی۔

اُسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب و ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ الا ایک آدھ مذہب ایسا بھی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا۔

تیسری بات جو ہمارے پیغمبر نے ہمکو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ اُسکا تذلل

اور اُن ارکان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیئے ہے وہ کسی دوسرے کے لیئے نہ کرنا یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر درحقیقت اگر توحید ناقص نہ تھی تو پوری بھی نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہوگیا اور خدا نے کہہ دیا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" اور اسی کے ساتھ حقیقت نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہوگئی جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے یا کرتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بات نہیں کرسکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرینگے بلاشبہ مسلمان اور پورے موحد ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر درحقیقت وہ مسلمان اور بڑے سچے مسلا اسلام کا پیرو ہے۔ ہاں۔ اسقدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو سیکھ کر اور اُسپر یقین لاکر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے۔ تو وہ مسلمان تو خواہ نخواہ ہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمدللہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری کے بجمیع صفات کمال کے قایل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہیں وہ اسلام کے شکرگزار رہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اُس سچے پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم پر بھی ایمان لاویں جس کے سبب سے اس وحدانیت کامل کو ہم نے پایا ہے۔

اللھم صل علی النبی المطہر ✦ شفیع الوریٰ فی یوم بعث ومحشر

# اپنی مدد آپ

## خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی

مضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لئیے یا کسی گروہ کے لیئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو
اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور
ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت
جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو اصلی جوہر انسان
کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری ہی قوم دوسری
قوموں کی آنکھوں میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے
پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہیں
(یہ امر بدیہی اور لابدی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اے
میرے ہموطن بھائیو۔ کیا تمہارا یہی حال نہیں ہے؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا
ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ
انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و
رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو
بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلےٰ اور نہایت
بیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن
میں آئرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں نہ ہو جاوے۔ یا کلکتہ میں ویسرائے اور
گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور
قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے
گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود
اُس کے چال چلن پر۔ اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا
اثر پیدا کر سکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد
نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قواکی تکمیل اور اپنی
حالت کی ترقی کر سکتا ہے ؁

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور عامل ہونے کے
زیادہ تر منتظم اور مانع ہے۔ اور عمدہ فرض جان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا

علم و آمد دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حظ اٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شرابخوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری نفس کشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں۔ عمدہ چال چلن۔ عمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلےٰ اعلےٰ درجہ حاصل کرنے سے ؎

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ "النّاس علےٰ دین ملوکھم" اگر اس مقولہ میں "الناس" سے چند خاص آدمی مراد لیئے جاویں۔ جو بادشاہ کے مقتبر ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ معنی لیئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے۔ نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شایستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب شایستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دوڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شایستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ آخر زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شایستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھنچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لائی ہے ؎

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی ہیں سال میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکثر حکومت کرنی پڑتی ہے ؎

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی مُلک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت نسبتاً اُن کی

گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن۔ اخلاق وعادت۔ تہذیب وشایستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت اُن مرد وعورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے۔ جن سے وہ قوم بنی ہے ✦

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت۔ شخصی عزت۔ شخصی ایمانداری۔ شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی۔ شخصی بے عزتی۔ شخصی بے ایمانی۔ شخصی خود غرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا۔ ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی و تمدنی۔ یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ خود اُسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں اور نیست ونابود کر دیں۔ تو یہ بُرائیاں کسی اَور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے ✦

اے میرے عزیز ہموطنو۔ اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو۔ تاکہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم وتربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع ولباس کا۔ سیر سپاٹے کا شغل اشغال کا تمھاری اولاد کے لیئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن۔ اخلاق وعادات نیکی وسچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلاّ ✦

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اسبات کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح وترقی کرے۔ کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔ وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے۔ جس کو ایک خدا ناترس نے جو اُس کا ظالم آقا کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بداخلاقی۔ خود غرضی۔ جہالت اور شرارت کا مطیع۔ اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے۔ وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح وترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح وترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی ہی تبدیلیاں

گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں - وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں - مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں *

مستقل اور مضبوط آزادی - سچی عزت - اصلی ترقی - شخصی چال چلن کے عمدہ ہونے پر منحصر ہے - اور وُہی شخصی چال چلن - معاشرت و تمدن کا محافظ - اور وُہی شخصی چال چلن - قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے - جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے - اُس کا قول ہے کہ ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کرسکتی - اگر اُسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے حقیقت وُہی تھیے اُس کے لیئے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے - پھر اُس شے کو جس نام سے چاہو پکارو - اس مقولہ پر میں اس قدر اور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دبگئی ہے وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قایم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کرسکتی - اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں - اے مسلمان بھائیو - کیا تمھاری یہی حالت نہیں ہے؟ تمنے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تم پر حکومت کر رہی ہے کیا فایدہ اُٹھایا ہے؟ تمھاری آزادی کے محفوظ رکھنے کا تمکو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ ہیچ ہیچ ہیچ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے *

انسان کی قومی ترقی کی نسبت بہلوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے - گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کردے - اس کے یہ معنی ہیں - کہ ہر چیز ہمارے لیئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں - یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے - تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کردے - اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے - حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے - اور اس کے نتایج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں - جیسیکہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہوجاتا ہے - کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لچھمی کی پوجا کرتے ہیں - اور بے انتہا دولت رکھتے ہیں - انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لایق گنے جاتے ہیں؟

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط - جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے - جس وقت لوگ اُسکو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے - تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاوینگے - اوروں پر بھروسا - اور اپنی مدد آپ - یہ دونوں اصول

ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عُمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمایش گاہ دستکاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرلینڈ کا تھا۔

اُس نے کہا کہ "جس وقت میں آزادی کا لفظ سُنتا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیئے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کیئے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمکو کوئی موقع یا آیندہ کی ترقی قوم اپنی بہتری کے لیئے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی ولولہ اور محنت سے کام کیئے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عُمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی"۔

انسان کی اگلی پُشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنیوالوں۔ زمین کے جوتنے والوں۔ کانوں کے کھودنے والوں نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنیوالوں۔ مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں۔ آلات جر ثقیل سے کام لینے والوں۔ اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں شاعروں حکیموں فیلسوفوں۔ ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہونچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اُسکو ایک اعلےٰ درجہ تک پہونچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہُنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس زرخیز اور بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے بزرگوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائیداد ہمکو اس لیئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مار سر گنج اُسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہمکو اس لیئے دی گئی ہے کہ اُسکو ترقی دیں۔ اور ترقی یافتہ

حالت میں۔ آیندہ نسلوں کے لیئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے اُن بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جایئداد کو بھی گرا دیا ✤

انگریزوں کو جو دنیا کے اس قدر میں اسقدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُسپر گواہ عادل ہے۔ یہی سلسلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے ✤

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلےٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہوں میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کارزار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں۔ لیکن وہ فتوحات اُن کو زیادہ تر اُنہیں سپنی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شایستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں ✤

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آیندہ زمانہ میں اُسکے ملک اُسکی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آیندہ کی نسل کے لیئے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے ✤

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اِس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرستہ العلوم کی تعلیم ابھی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے علم کا جسکو انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر۔ قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی بڑے کتب خانہ میں

رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ صراف کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتنے میں۔ کپڑا بُننے کے کارخانہ میں۔ کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کیئے۔ لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے ؀

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل۔ چال چلن۔ تعلیم نفسی۔ نفس کشی۔ شخصی خوبی قومی مضبوطی قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کاروبار کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ "علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابل ادب بناتا ہے ؀

کیا یہی وجہ جو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرسۃ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں؟ ؀

# ٹیمز

## از اے گریٹ رفارمر

## یعنی

## زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نما لباس پہنتے ہیں اور میز و کرسی پر بیٹھکر چھُری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم یعنی بادشاہ حرمین شریفین جن کا خطبہ مکۂ معظمہ

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر روضہ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ وپتلون وترکش کوٹ والال پھندنے دار ٹوپی پہنتے ہیں مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ جناب شریف مکہ عبداللہ بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیرس کی ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولتمند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان دنوں پیرس میں تشریف لائے ہیں۔ آتے وقت وہ مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ہاں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ چھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی باورچی اُن کے ہاں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکھلی ہے اور فرنچ یعنی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہوگئی۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیا ہمارا تہذیب الاخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے ؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ اُنھوں نے بھی فرنچ زبان پڑھنی وسیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ہاں کے بڑے بڑے سرداروں کو تمغے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں رہی؟ نہیں میں بھول گیا۔ سلطان زنجبار تو بڑے پکے حنفی ہیں۔ تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ اس لیے کہ حنفیوں کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اُس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بنانی یا رکھنی ناجائز نہیں ہے۔

ایک مصور نے سُن کر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ لا اگر اتنی ہی چیزیں انسان میں ہوں جتنی کہ میں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا کہ میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھڑا۔ نہ دل وجگر۔ نہ معدہ نہ انتڑیاں نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان سب چیزوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی حنفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔

جب مصور سے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کہے گا کہ "اب اس میں جان ڈال" تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب درخت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ درخت

کی تصویر منع نہیں۔ تب اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اسکو بڑھا اور پھل پھول لگا۔ تو میں کیا کروں گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوّر بولا۔ کہ نا صاحب میں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر لکیریں کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کھچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصویر بنانا جاندار کی ہو یا بیجان کی۔ بالکل ممنوع ہے ✦

کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمغوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے ؟

# نامہذّب مُلک

## اور

# نامہذّب گورنمنٹ

مُلک جب نامہذب ہوتا ہے تو ضرور کُچھ نہ کُچھ گورنمنٹ میں نامہذبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب مُلک میں ہوتی جاتی ہے ✦

مُلک کا نامہذب ہونا تو اُس مُلک کے باشندوں کا نامہذب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مہذب مُلک ہیں۔ تو اُسکے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نامہذب یا نیم وحشی مُلک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامہذب یا نیم وحشی گنے جاتے ہیں ✦

مگر ہمکو غور کرنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کا نامہذب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں اُن کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے ✦

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے اُن کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے متعلق ہوں خواہ کسب پیشہ و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آزادی زندگی سے اُن کی محافظ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہونچنے دے کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے پورا پورا متمتع ہو ؛

اور اُس کا مہذب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرایض کے پورا کرنے کو قوانین اُسکی سلطنت میں جاری ہوں۔ ہر شخص ادنے سے اعلےٰ تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں اور اُسکے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بلالحاظ مرتبہ اُن قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامہذب و ناتربیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُسکے مُلک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی۔ مال کی۔ دولت کی قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی ؛

اس اصول کا نتیجہ تمام مُسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مُسلمانی سلطنت اِسوقت دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مہذب گورنمنٹ کا اطلاق ہوسکے۔ یا اُس کا مُلک اور اُسکی رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا اپنے مال و ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور کا اندیشہ نہ ہو ؛

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن احکام کا سمجھتی ہے جنکو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طریقہ پر کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا ؛

یہ لوگ اِس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ پَیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شُبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتقاد کلی رکھتے ہیں اور اس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی برخلافی سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُسکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اِس قسم کے لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اِس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ ہتھیار اور بندوق کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں جزیرہ عرب میں ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت

کے خواہاں ہوتے ہیں ⁂

ایسا ملک در ایسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا تمتع حاصل نہیں کرسکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے ⁂

کُل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہی حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمانی گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ٹرکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ٹرکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے ⁂

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گذرتا۔ کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں۔ کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں ادھر ہرزیگوونا باغی ہو رہا ہے اور اُدھر سرویا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا آزاد محکمہ جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجرا میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہونچانے میں قادر نہیں ہیں۔ جج جو قاضی کہلاتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلےٰ اہل خاندان کے رعب میں۔ یا کسی باوقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال میں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں ہے۔ ملک تنزل میں ہے۔ تجارت ابتر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ تانبے۔ لوہے۔ ٹین کی کوئلے کی کانیں بھری پڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا تھیاروں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرض پر گذران ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکوں کی

رعایا سے بمنّت وخوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمام اُسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب
دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ وانتم اعلم بامور دنیاکم
کے جملہ کو چھوڑ دیا ہے ؎

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں
کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی
چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ تو سب کا ایک سا حال ہے۔ ہاں بعض مسلمانی ریاستوں
نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔
اور ایسی ریاستیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ٹونس و مصر ؎

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفصال کے
لیئے جو سلطنت بیلجیم کے رہنے والوں میں باہم یا اُن میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہوں۔
ایک جداگانہ محکمہ مقرر کیا تھا۔ جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلا جج ہو۔ اور
ایک اَور جج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیلجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت
اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہونچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کیئے کہ ایسا کرنے کے لیئے کوئی مذہبی سند
نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر روشن ضمیر خوب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ
تعلق نہیں ہے ؎

پنیالاخبار بہ سند الجوائب ہمکو خبر سُناتا ہے کہ خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے بھی بہ منظوری حضرت
سلطان روم سلطان عبد العزیز خان خلد اللہ ملکہٗ کے اسی قسم کے محکمے مقرر کیئے ہیں چنانچہ
اُس اخبار میں اُن کے تقرر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے ؎

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُنکے
فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریاست
غیر۔ تو مدعی اس بات پر مجبور رہتا تھا کہ اپنے دعوی کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ
کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اسکی اپیل
کیا چاہے تو اُسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے مُلکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر مصری
مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا ؎

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہدنامے ہیں اُنکے

حقوق میں داخل تھا - اس صورت میں جو جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے
اُن کی حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی - اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ
خدیو مصر کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا - چنانچہ خدیو ممدوح آٹھ برس سے اس بات کی
کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے - اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے
نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت انصاف ہو - چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور
اور سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہے اس کوشش کا یہ
ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسب مراد خدیو مصر تین محکمے قائم ہو گئے - ایک خاص مصر میں - دوسرا
اسکندریہ میں - تیسرا اسماعیلیہ میں ✦

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں - اور افسر کل دیسی ہیں - اور اسکندریہ
میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے - اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں
ادا ہوئیں ✦

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے - مگر اس وجہ
سے کہ اُن کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے - اور اُن کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر
ہی کے ذمہ ہے - اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی - اور لباس عثمانی ہوگا - اس وجہ سے وہ پردیسی
نہ سمجھے جائینگے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائینگے - پس یہ محکمے بالکل مصری محکمے ہوں گے - اور
اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو مقدمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے دائر
ہونگے اُن پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا - علے ہٰذا جو دعوے پردیسیوں (یعنی رعایا
سلطنت ہائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دایر ہوں گے - اُن میں بھی اسی طرح انصاف
ہوگا - اور انہی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا - پس اب اور آیندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے
سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو - جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان
کی محتاج نہیں ہیں - اور چونکہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فایدہ اٹھائیں گے
اس لیے سب اس نیک کام سے خوش ہیں ✦

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن جمادی الاولیٰ کی چودہویں
اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ و تجارت مصر نے راس التین نامی شہر
حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے ججوں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایا

حالات غیب تھے۔ نہایت مہربانی اور عزت کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے
درباری کمرے میں لے گئے جس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا
اور سہیل صدیق پاشا۔ اور بعض اور امرائے دولت مصر پہلے سے موجود تھے ؂
جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر مصاحبوں سمیت درباری کمرے میں رونق افروز ہوئے
اور بحیثیت مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب
ہوکر زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :۔

## تقریر خدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحب شوکت حاکم حضرت سلطان معظم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور
اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطۂ دوستی رکھتی ہیں۔ مجھے امور عدالت کی بنا اصلاح
اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے ؂
یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اپنے گرد ذی عزت ججوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل
اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے ؂
تم لوگوں کی روشن عقلیں۔ اس کام کے تمام فائدوں کی ذمہ دار ہیں۔ تم لوگوں کی تجویزیں
مسلم اور ناطق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہونگی ؂
انشاء اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تواریخ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانہ حال کے نئے
تمدن کے دائرہ کا نقطہ مرکز ٹھہرے گی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے
یہ امر عظیم آیندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا ؂
جب یہ تقریر ختم ہوچکی تو اہل دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے
شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام ججوں کی طرف سے نیابتاً زبان
فرنچ میں مندرجۂ ذیل تقریر کی :۔
جناب عالی۔ میں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ بحیثیت وزیر حقانیہ ججوں کی طرف سے
نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہونے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے
سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا ہے میں حضور سے اُمیدوار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور
شکریہ قبول فرمائیں ؂

مجھے اُمید ہے کہ یہ جج لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آیندہ فائدوں کے لیئے دل و جان سے کوشش کریں گے - کیونکہ عدل و انصاف جو اُن لوگوں کا کام ہے اُسکے یہی معنی ہیں - کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں ❊

حضور کے فرماں بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امینت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیئے ادا کرینگے - اور آثار حسنہ کے پھیلانے مین نہایت موثر مدد دینگے - اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ اُن کے نام نامی ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں ❊

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ و آیندہ سرسبزی سے علاقہ رکھتا ہے - یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بینظیر یادگار ہے ❊

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کُل صیغوں کے وزراء اور ممبران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران بری و بحری - اور حکام ممالک اور تاجران معتبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی - اور شکر ادا کیا - پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے - اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی ❊

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب روبرو استادہ ہو کر ان محکموں کے کھلنے کی مبارکباد دی - اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق رائے اور تائید سے حضور نے صیغہ عدالت میں معقول اصلاح کی - اور دُعا دی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو ❊

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فرنچ میں اپیچ کی ❊

دُنیا میں دو قسم کے امور ہیں - ایک روحانی اور دوسرے جسمانی - یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی - سچا مذہب امور دُنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا - ہاں چند معظم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے - اور گو وہ دُنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے - کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے - اور ہمارے رسول مقبول کا یہ قول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا اسپر دلیل کامل ہے - اور قرب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عملدرآمد رہا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عہد خلفاء تک بھی باقی رہا جنہوں
نے مدسماعت مقدمات کی تین برس۔ اور پھر پندرہ برس۔ اور دعویٰ شفعہ کے لیئے مدسماعت
ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا جسکی
کوئی سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیاً منسیاً ہوگیا ✦

اگلے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہانتک
ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیئے فکر
کرتے کہ اُسکو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ نخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلالات
دُور از کار کر کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے۔ جس کو خود اُنھیں
نے قایم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلالات رفتہ رفتہ مدون ہونے لگے
جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء
کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رُتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے
اقوال بطور سند کے تصور ہونے لگے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وُہی مذہب اسلام سمجھا گیا۔ اور شرع
اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو نقایص اُس میں معلوم
ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر
بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جاوے تو بھی
اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اُترا۔ ویسا ہی پاک صاف ہے ✦

اس طریقہ سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ مسلمانی فقہ ایسی عمدہ اور
موجہ و مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ویسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصلۂ ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے ✦

اوّل یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسئلہ جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی اُمور سے
بھی متعلق ہے۔ اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جا سکتا ✦

دوسرے یہ کہ جو مسایل علماء نے اپنے اجتہاد و قیاس سے و بلحاظ حالات وقت و عادت اہل زمانہ
یا رواج مُلک قرار دیئے تھے اگر وہ مسائل رُتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے
رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل قرار پا گئے اور
سوائے پیغمبر خدا صلعم کے اور بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا ✦

تیسرے یہ کہ اب اُن مسایل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوتا ہے

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اُس کے برخلاف کرنا +

چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جما کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے - اور جب خدا کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہوا کہ اُسکو کافی اور کامل سمجھا جاوے - اس خیال نے اس بات پر مائل کیا کہ کتب فقہیہ واسطے سیاست ملکیہ کے بالکل کافی ہیں - اور اَب ہمکو نہ سِوِل کوڈ کی ضرورت ہے نہ سِوِل پروسیجر کی - نہ کرمنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کرمنل پروسیجر کی - نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ ترید کوڈ کی - حالانکہ کتب موجودہ فقہیہ اِن میں سے ایک کے لیئے بھی کافی نہیں ہیں +

اِن تمام نقصوں نے کل سلطنت ہائے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور غارت و برباد کر دیا - اور جو رہی سہی ہیں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں - قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے - بڑے ذہین تھے - بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے - مگر جو کچھ کہ اُنھوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا - اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلےٰ اور سب سے بڑے فتحمند تھے - مگر زمانہ روز +

## خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شائد نامناسب نہ ہوگا - جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت کے طریقہ میں بھی بہت سی فضول و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں مذہب اسلام کی عمدہ اور پر اثر باتوں کو بے اثر اور کھیل بنا دیتی ہیں +

جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اُس میں ایک بہت لمبا چوڑا القاب و آداب پاتے ہیں اُن دونوں میں صرف شاعرانہ الفاظ ثنا و صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں جو درحقیقت مکتوب الیہ میں نہیں ہیں - حالانکہ القاب میں یا تو بیگانہ وار (اگر مکتوب الیہ بیگانہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیئے جو خطاب کا مشعر اور مخاطب کرنے کے لیئے کافی ہو - یا اُس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرتا ہو جو درحقیقت کاتب کو مکتوب الیہ سے ہو +

آداب معلوم نہیں کیا لغو چیز ہے - ایشیا کے امرا اور بادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہے کمتر ہیں وہ بمنزلہ ہمارے غلاموں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اُس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط و کتابت کے لیئے زیبا نہیں ہے فضول و بے معنی وقت ضایع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے دلی مطالب علے الخصوص اُس زور یا جوش سے جو دل میں ہے ادا نہیں ہو سکتے۔ قوم کے دل میں جو ایک غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ ہمکو اُمید ہے کہ ہمارے اس آرٹکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُسکو نظر انداز نہ کرینگے ✦

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت جتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُسکو مقدم مطالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس رسم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق و امتیاز نہیں رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں اُن کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر سمجھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اس سے زیادہ چکنے چپڑے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط و کتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و اخلاص کے اندیاد کا ذریعہ ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے ✦

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اَور مذہبی طرہ لگایا ہے کوئی خط بسم اللہ الرحمن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر "مبسملا" "محمدلا" "حامدا" "مصلیا" "مسلما" لکھتے ہیں۔ لفافوں پر "انشاء اللہ تعالیٰ" "بعونہ تعالیٰ" "بمنہ وکمال کرمہٖ" تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق عمل اعمال کی طرف مائل ہے وہ لفافہ پر "حوالہ قطمیر" بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خط ضرور مکتوب الیہ تک پہونچے گا۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن کثیر خطوط کو ناہی لیجاتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ لفافوں پر چوتھر بیدگیراں لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص اُن کے خط کو کھول کر نہ پڑھ لے ✦

ہمکو نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ و مضامین کو ایک دل لگی

کی بات بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دینداری اور خدا پرستی اور نہایت ہی اتقار اور
متبیٔ سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و مضامین
کی بے ادبی نہیں ہو سکتی ۔ مسلمانوں کے ایسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت
اُن کے دل میں نہیں رہی بعوض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خضوع
اور خشوع پیدا ہو سختی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ
کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تمھارے دل میں آتا ہے جس طرح اور لفظ شوقیہ
و سخت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ میں نے غلط
کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا ۔
کسی کو سخت و سست لکھنے میں بھی دل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا ۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت
خدا کا دھیان بھی نہیں ہوتا ۔ ہمنے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شطرنج کا تماشا دیکھ رہے
ہیں اور خط پر حامداً لکھ رہے ہیں ح ۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا ۔ وہ پیادہ مرا پھر
میم ۔ دال لکھی اور کہا وہ کشت ۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات ۔ غور کرو کہ اس طرح پر
مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر خفا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں
اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھ رہے ہیں ۔ ایک گالی پر
بسم اللہ اور دوسری پر حامداً اور تیسری پر مصلیاً لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام دنیاوی
مزخرفات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو
ایماناً ۔ اخلاقاً ۔ شرعاً ممنوع و حرام ہیں ۔ بعضے خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم
مطلع فرمایند ملفوظ دیگر کی تشریح ہم نکریں گے صرف مولوی کا یہ شعر پڑھ دینگے +

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجالانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی
ہے +

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو رند مشربوں کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ سے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں برتا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح ہلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ دو باتیں کیں اور اللہ اللہ کہہ کر دانے اِدھر کے اُدھر کر دیئے تین لغویات مونھہ سے نکالیں اور اللّٰھم صلّ پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ اُنگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اِدھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے برتاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے برتاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بدذات کہنا دونو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اِس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُسکا ؎

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمان و اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعل قلبی ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو سکے مگر صرف قلم سے لفافہ کے سرے پر انشاء اللہ لکھہ دینا چہ معنی دارد۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسا کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفافہ پر انشاء اللہ کی چڑیا بنانے سے کیا مطلب ہے ؟

میرے ایک دوست نے (جو اس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھہ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم کے موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھہ دیتے ہیں۔ جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھہ دیا۔ پس اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی برکتیں نصیب ہو سکتی ہیں ؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثل اَور رسمی باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفافے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا احمق مذہب ہے جو یہ خیال بتلاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خط تلف نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ صاحب مذہب تو احمق نہیں ہے مگر لکھنے والے احمق ہیں ؎

بعضے دوست ہمسے کہتے ہیں کہ یہ سب صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمانی کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زنار ڈال کر مسلمانی پہچنوانا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فایدہ نہیں ہے ؛

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انہی مضامین کے تھے اور انہی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت سُنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم روتے ہیں کہ مسلمان مذہب کو مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اُس کا کھیل بناتے ہیں ؛

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو اُنھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور اُنکے ہاں کے علماء و فقہاء جو ربی اور قوہن کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ہاں دو فرقہ قایم کیئے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سُنیوں میں اہل حدیث اور وہابی اور شیعوں میں اخباری دوسرا فروسی۔ جیسیکہ سُنیوں میں فقہی اور شیعوں میں اصولی۔ یہ دونوں فرقے ذرا ذراسی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اُسی کو کمال دینداری جانتے تھے۔ اس بات کی بڑی احتیاط کرتے تھے کہ بکرا اس قدر انگشت لنبی چھری سے تین رگڑوں میں ذبح ہو۔ مگر اس بات کی کچھ پروا نہتھی کہ آیا کہاں سے تھا۔ توریت کو بے طہارت چھونے اور بے لوبان جلائے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اُس میں لکھا کیا ہے کچھ پرواہ نہتھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ چھاتی پر آیات توریت کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت ایمان اور اتقاء کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی سینہ میں بھری ہوئی تھی اُس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال بعینہٖ ہمارے زمانہ کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عمامہ۔ برج کی صورت کا عمامہ۔ عرب والوں کے علما کی طرح کا عمامہ سر پر باندھے۔ شملہ کئی اُنگل کا چھوٹے اُس کی تحقیق کیئے اور ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک ملنگھص پھٹکارے۔ قمیص مسنون پہنے۔ المپیر صدری عربی لگائے۔ اور اُس پر عبائے کسرانی جس کو بعضی کتابوں میں خسروانی منسوب الی کیخسرو کا فر بادشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیئے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی مدرسۂ اسلامی میں تشریف رکھتے ہیں۔ بعضے نہایت سادہ سیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض للّٰہیت

اور خالص بے تکلفی جتانے کو پہنے ہوئے پھرتے ہیں۔ مگر پوچھو تو سہی کہ تمھارے دل بھی کسی لباس پُر تکلف یا ملبوس سادہ سے آراستہ ہیں؟ بجز اُسکے کہ مسواک اتنی لمبی ہو۔ اور ڈاڑھی اتنی مٹھی۔ پیجامہ اتنا اونچا ہو اور کرتہ اتنا نیچا۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب ہے۔ قل أتخذتم عند الله عهدا فلن يخلف الله عهده ام تقولون على الله ما لا تعلمون۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہمکو شایستہ ہونا چاہیئے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور
دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا
اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب
والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے۔ دنیاوی باتوں کے
خطوط پر بسم اللہ نہ لکھنی درحقیقت اللہ کے نام
کا ادب کرنا ہے۔ لفافہ پر انشاء اللہ کی
چڑیا نہ بنانی در اصل خدا
پر بھروسا کرنا ہے۔
واللہ المستعان و
علیہ التکلان

# حصۂ دوم

## مضامین مذہبی و علمی

## مذہب اور عام تعلیم

### تعلیم کا عام رواج بلاشمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن ہے۔

انسان کے خیالات جو آیندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر ہارج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو درحقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا تنزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا ہارج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ لغو اور مہمل رسومات ملکی اور قومی کا اُس میں خلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اَب مُسلمانوں کا حال ہے تب وہ ستم قاتل ہوتا ہے +

اس مقام پر ہمکو اِس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب پہ یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاویگا *

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی طرح ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلا شبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناواجب اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہیں وہاں اُسی قدر انسانیت کو ترقی ہے *

اس ہرج کے رفع کرنے کے لیئے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیئے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی - ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کیجاوے جو باہمی اختلاف اور تباین کا باعث ہے اور سب لوگ متفق ہو کر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فایدہ مند ہے - اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لایق آدمی شامل تھے مگر اُن کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیئے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی سینکڑوں برس تک توقع نہیں ہے *

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور اور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی - ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فایدہ دیا بلکہ دُور دُور کی قوموں اور دُور دُور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فایدوں سے اپنا احسانمند بنایا اور آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قایم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں پیسہ خرچ ہو گیا - تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا - اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنیکا اصلی مقصد وہ مذہبی خیال نہ ہوتا تو اُس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہونچتی بلکہ اُس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُسکی تائید نہ کرتا *

اس طریقہ کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی - تعصبات بہت گھٹ گئے

متعصبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہوگئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہونگی اور جو
انسان کی انسانیت کا مقتضی ہے وہ پورا ہوگا +

اب مُسلمانوں کے حالات پر غور کرو کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے۔ فلسفہ کے بڑے
دوست تھے۔ طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے
اور اُن سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں
اور دار العلوموں کے لیئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہونچتی تھی جس کے سبب سے وہ تعلیم قائم تھی
حالانکہ اُنہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لا مذہب بلکہ مذہبی خیالات کے
دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لیئے مدد اور سامان بہم پہونچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی +

اس بات کی تصدیق کے لیئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونی ورسٹیاں
قرطبہ او بغداد کی گو مرگئی ہیں مگر پھر بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا اُن پچھلی
باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا مدرسہ عزیزیہ انہیں
اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے

غرض ہماری اِن سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مُسلمانوں کی عام تعلیم پر
کوشش کرتے ہیں اُن کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد
میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی مُلک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے
جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو +

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وُہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان
میں اور خصوصاً مُسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے نہایت
کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے +

مگر ہمکو نہایت انصاف سے اِس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور
ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس باب
میں بالکل بری ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود اُن
سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں
کر سکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ناطرفدار طریقہ تعلیم کا اور
مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم میں گورنمنٹ نے کی ہے وہ دونوں بے مثل اور بے نظیر ہیں اور غالباً اسوقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہے مگر اسپر بھی جو امر عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہے اُس کا رفع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ یہ کرسکتی تھی کہ اپنے تئیں مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کرسکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے*

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے نا اُمید ہونا چاہیئے۔ ایک عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں۔ اور ان دونوں باتوں سے نا اُمید ہوکر غور کرنا چاہیئے کہ اب اَور کیا تدبیر ہے جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور اُن میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور اعلیٰ اعلیٰ اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قایم ہو۔ ہر شخص اسکا جواب دیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد و آمادہ ہوں اور یہ جو ہندی مثل مشہور ہے کہ جیٹھ کے بھروسے پیٹ اسکی عار نہ اُٹھاویں بلکہ آپ کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں*

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اُٹھانیوالے نہیں ہیں اور ہاں بیشک ہمت بھی کم ہوگئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے*

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکلیہ گورنمنٹ کے ذمہ نہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے جن کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قایم تھے جو اُن کے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے اُن کے قایم رکھنے کو روپیہ دیتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان میں چندہ یا سبکرپشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قایم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد ہوکر ترقی تعلیم کے لیئے سعی کرنی چاہیئے اور پھر دینی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قایم کرنے چاہئیں۔ اس طرح پر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے کچھ توقع نہیں ہے*

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم نمونہ علیگڈھ و دیوبند و دہلی و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں۔ مگر جس طرز پر وہ قایم ہوئے اور جس طرح پر انکی کارروائی

ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں اور اُس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھ توقع نہیں۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہوسکتے کہ کسی جگہ چالیس طالب علم ریشا ئیل ادھر اُدھر یورپ پچھم کے جمع ہوگئے اور صدرہ و شمس بازغہ پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور اُن نوعمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قایم کرنے کی ضرورت ہے جو ہونہار ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت متصور ہے +

مُسلمانوں کی تعلیم کے لیئے یہ کافی نہیں ہے کہ دو چار ملاں کسی جگہ پڑھانے کو مقرر کر دیئے جاویں اور وہ وُہی پرانی کرلکھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کی پڑھانے لگیں بلکہ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اول فہمیدہ فہمیدہ ذی علم اور ذی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بنظر حالات زمانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کس طرح پر قایم ہونا چاہیئے اور ہماری پرانی دقیانوسی تعلیم کے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیئے۔ ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد مذہبی کس طرح پر قایم ہو اور بلحاظ مطالب دنیوی کے کس طرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہو لے اُس وقت اُس کے اجرا پر ہر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں +

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قایم کرنا چاہیئے جس سے ہر قسم کے مطالب اور مقاصد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی مقاصد نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص مولوی۔ محدث و فقیہہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اُس میں موقع موجود ہو۔ اگر کوئی شخص بڑا ریاضی داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اُس میں حاصل کرسکے۔ اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عہدہ ہائے جلیلہ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کرسکے۔ جب ایسا انتظام اور سلسلہ قایم ہو جاوے گا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہے +

اس طرح کے سلسلۂ تعلیم قایم کرنے میں اگرچہ بہت سا روپیہ چاہیئے لیکن روپیہ جمع ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کا دل اور ارادہ اور ہمت چاہیئے۔ ہر ضلع میں جس قدر مسلمان آباد ہیں اگر ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آنہ تک دے تو ہر ضلع میں اس قدر روپیہ جمع ہو جاتا ہے کہ ان تمام مطالب کے لیئے ایک نہایت عمدہ مستقل مدرسہ قایم ہوسکتا ہے صرف لوگوں کا ارادہ کرنا اور اس کام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا شرط ہے +

# دین اور دنیا کا رشتہ

نجات ابدی جو نتیجہ سچے مذہب یا سچے دین کا ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں
ہے۔ ایک شخص جس نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی ہو اور لباس برہنگی کے سوا اور کوئی لباس
یب تن نہ کیا ہو اور بناس پتی کے سوا جو کے بن چھنے آٹے کی روٹی بھی نصیب نہ ہوئی ہو وہ بھی
سچے مذہب کی بدولت نجات ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے لاکھوں کروڑوں روپیہ
اور جائز پیدا اور خرچ کیئے ہوں۔ اور محمودی و تن زیب زیب تن کیا ہو اور محلوں میں سویا ہو اور
غوں کی ٹھنڈی ہوائیں پھرا ہو۔ پر تمثال عربی گھوڑوں پر چڑھا ہو وہ بھی سچے دین و مذہب
بدولت نجات ابدی پا سکتا ہے۔ ہم دنیا میں بے انتہا مذاہب مختلفہ کے لوگ دیکھتے ہیں جنھیں
شبہ کوئی سچے اصول پر اور کوئی غلط بنیاد اور جھوٹے اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ہر مذہب کے
وں میں تنگی و فراخی۔ دولت و مفلسی کو پاتے ہیں۔ اس لیئے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی
ے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس مضمون پر یقین کرنے کے لیئے حضرت
و ذر غفاری رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہے جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ے سے فقیہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ " واللہ صاحب المال کافر " مگر دنیا اور دین سے ایسا
حکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا جس طرح کہ بدبختی سے کبھی دنیا۔ دین کو غارت بھی
ردیتی ہے اُسی طرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

پراگندہ روزی پراگندہ دل

اب اِن عقلی باتوں کو جانے دو۔ اس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہونگے کہ کسی بندہ
پر خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی تصور اور نافرمانی اور گناہ و معصیت
کے سبب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا دار جزا نہیں ہے۔ اور جو گناہ اور معصیت بندوں
ہے اُس کی سزا کے لیئے دنیا نہیں۔ باایں ہمہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
نے دینی تقصیرات پر یہودیوں کے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں
فرماتا ہے "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ ذالک بانہم
کانوا یکفرون بایٰت اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذٰلک بما عصوا وکانوا
یعتدون " پس اگر دنیا کو دین کے ساتھ کوئی مستحکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے بجائے

یہودیوں کو دنیا میں ذلیل اور مسکین کیوں کیا۔

اب دوسری طرح پر غور کرو اور ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہ تصور کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے۔ سب مفلس اور نان شبینہ کو محتاج ہوں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُن بدعقلیوں اور بدفہمیوں اور بدنصیبیوں کے سبب جو زمانہ حال میں اُن کے خطوط پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عنقریب ہونیوالا ہے) اور دربدر بھیک مانگتے پھریں ان کی اولاد جاہل اور نالائق چور اور بدمعاش ہو۔ واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکاری سے دنیا کماتے پڑے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمہ تر کھلانے والا نہ رہے جناب حضرت پیرجی صاحب جو لوگوں کو مرید کر کر اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُن پر مقرر کرتے ہیں اور ہر سال اُس کی تحصیل میں مصروف ہیں اُن کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرا و شمس بازغہ طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ اُن کو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نہ رہے جیسا کہ اب بھی یہی حال موجود ہے کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا تو اُس وقت دین کا کیا حال ہوگا۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیئے کہ پیٹ ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاوے خدا ملے یا نہ ملے اُس کو بھرنا چاہیئے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو پیٹ بھرنے کی تو کچھ فکر کرنی چاہیئے گی۔ اور فکر کیا ہوگی اُس کا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے گھر چھپیری ڈھورہے ہیں۔ کسی جنگل میں گھانس چھیل رہے ہیں۔ کسی پہاڑ پر لکڑیاں چن رہے ہوں گے۔ کسی کا گھوڑا ٹہل رہے ہوں۔ اور جو ایسے پکے دیندار نہیں ہیں اُن کی نسبت کچھ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کیا کریں گے۔ معلوم نہیں کہ اُن سے جیلخانے اور جزائر نو آباد بھریں گے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاوینگے۔ پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہیئے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُس وقت ہم سلام کرینگے اور پوچھیں گے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو مسلمانوں میں دنیوی ترقی و تہذیب۔ تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا امر معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر معاد کی طرف سے بالکل بھول اور غفلت کا پردہ ڈالنا تھا یا یہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سرتاسر معاد کا تھا۔

خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہے۔ اُسکی بھلائی چاہنے والے کو ضرور ہے

کہ وہ بھی حکیم ہو۔ نہ مکار اور دغا باز۔ اور حکیم کا یہ کام ہے کہ جو مرض دیکھتا ہے اُسکی دوا کرتا ہے
اِس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش و تمدن و حسن معاشرت اور علم
کی ابتری و خرابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ دغاباز
و مولوی اور پیر جی خدا اور رسول کے دشمن اُن کو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں پس ایسی
حالت میں کہ ہم بخوبی یقین کرتے ہیں کہ وہ یعنی مسلمان یقینی اپنے مذہب پر پختہ ہیں۔ خدا
کو ایک جانتے ہیں۔ رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ فرض جانتے ہیں۔
ایک ایک جولاہا بھی ضروری نماز روزے کے مسئلے جانتا ہے۔ یا ہر طرح پر اُس کے جاننے کا
سامان یا موقع موجود ہے۔ مذہب اسلام کے دوستدار کا یہ کام ہے کہ اپنے تئیں پیر جی یا
حضرت صاحب یا مولوی صاحب کہلانے اور دغا بازی سے دنیا کمانے کے لیئے اُنہی باتوں
کا جن کی ضرورت نہیں ہے بیٹھا ہوا وعظ کہا کرے۔ یا جن کی ضرورت درحقیقت مسلمانوں
کو اور خود اسلام کو ہے اُسکی تدبیر اور کوشش کرے ❊

افسوس خدا ہاتھ نہیں آتا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہیں
ہیں۔ ورنہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے لیجاتا۔ اور کہتا او خدا اور اے جناب
رسول خدا۔ تم مجھ میں اور اِن میں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون تمہارا دوستدار ہے۔ مَیں گنہگار
یا یہ دیندار۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہ معرکہ ہونا ہے
لیکن با اینہمہ اگر کوئی مباہلہ پر آمادہ ہو تو میں مباہلہ کو موجود ہوں ❊

تعجب کی بات ہے کہ اِس بات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو۔ علوم دینی
قایم رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و بکار آمد ہیں اُن کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے
فارغ البال ہوں۔ اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں
وہ رفع ہوں۔ جن بد رسموں اور خرافات و بدعتوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و
ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں۔ جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی
ترقی کے مانع ہیں وہ دور کیئے جاویں۔ اِن تمام باتوں کو محض بیدینی اور محبت قومی سے نہ
سمجھنا اور اُنہاک دنیا کا الزام دینا کس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا ❊

باقی رہا اختلاف بعض مسایل میں وہ ایک جدا بات ہے مَیں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں
بلا خوف اُسکو کرتا ہوں بقول شخصے۔ "از خدا شرم دار و شرم مدار"۔ اُن مسایل میں سے جب

کوئی مسئلہ کسی صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہوگا مجھ کو اُس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لحظہ کی بھی خدا نے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ واللہ ولی التوفیق ؛

یہ امور جو میں نے لکھے۔ مجھ کو لکھنے زیبا نہ تھے۔ مگر بہ مجبوری جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اُس کا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرور تھا اس لیئے دو چار حرف اُسی سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں۔ تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُس پر غور کریں ؛

## طبقات علوم الدّین

ہم خیال کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو مسلمان بعض مسائل مذہبی کی تدقیقات کو دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں اور اس تدقیق کو خلاف جمہور اور خرق اجماع سمجھتے ہیں۔ غالباً اُس کا سبب یہ ہے کہ وہ علوم دین کے طبقات سے واقف نہیں ہیں اس لیئے مناسب ہے کہ کچھ اُن کا ذکر کیا جاوے ؛

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں طبقات علوم الدین کی تفصیل اس طرح پر بیان کی ہے ؛

**طبقہ اوّل**۔ حدیثوں کے پہچاننے کا علم کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف۔ اور کونسی معتبر ہے اور کونسی نامعتبر۔ چنانچہ اس کام کو علماء محدثین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا اور حدیث کی کتابیں اُس میں تالیف کیں ؛

**طبقہ دوم**۔ کلام الٰہی اور اُن حدیثوں کے معنی بیان کرنے کا علم کہ مطابق محاورہ اور استعمال زبان عرب کے اس کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ اس کام کو علماء علم ادب نے اختیار کیا ؛

**طبقہ سوم**۔ کلام الٰہی اور حدیثوں کے معنوں کو بطور اصطلاحات شرعیہ قرار دینے اور اُن سے احکام شرعیہ کے نکالنے اور ایک حکم سے دوسرے پر قیاس کرنے اور اشارات و کنایات عبارت سے حکم نکالنے اور ناسخ منسوخ قرار دینے اور راجح مرجوح ٹھہرانے کا علم۔ چنانچہ اس کام کو فقہا نے اختیار کیا ؛

**طبقہ چہارم**۔ مذہب اسلام کے اسرار جاننے کا علم اور یہ وہ علم ہے جس میں مذہب اسلام میں جو کچھ ہے اُس کی حقیقت اور اصلیت اور جو حکمت کہ شارع نے اُس میں رکھی ہے وہ بیان کی جاتی ہے ؛

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہی علم ہے جس سے آدمی پکا مسلمان ہوتا ہے اور اُس کا ایمان مثل ایسے شخص کے کامل یقین کے پختہ ہوجاتا ہے جس کو کسی نہایت سچے شخص نے یہ بات کہی ہو کر سنکھیا زہر قاتل ہے۔ اُسکے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے اور اُس شخص نے بسبب اُس قایل کی سچائی اور معتبری کے اُسکی تصدیق کی اور پھر قواعد علم حکمت سے یہ بات بھی جانی کہ زہر میں حرارت اور یبوست بے انتہا ہے اور وہ دونوں خاصیتیں انسان کے مزاج کے بخلاف ہیں اور اس لیئے اُسکو مار ڈالتی ہیں اور اس بات کے جاننے سے اُس کا یقین اُس قایل پر اور اُس کی بات پر اور زیادہ پختہ ہوجاتا ہے۔ پس اسرار دین کے علم کا یہی نتیجہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان کو ایسا پختہ کردیتا ہے کہ کسی طرح ڈگمگا ہی نہیں سکتا۔

شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام عالموں نے فقہ کو لب لباب علوم دین کا سمجھا ہے مگر اُن کے نزدیک علم اسرار دین ہی سب کا سرتاج ہے۔ پھر وہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہی علم اس لایق ہے کہ بعد ادائے فرائض کے آدمی اسی علم میں اپنی تمام اوقات عزیز صرف کرے اور ذخیرۂ آخرت لیجاوے۔

شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جبکہ اس قسم کے مطالب پر لوگ غور کرتے آئے ہیں اور مسائل اور مطالب نکالتے رہے ہیں تو اب علم اسرار دین پر گفتگو کرنا اور بحث کرنا خرق اجماع ہی نہیں رہا میں کہتا ہوں کہ خرق اجماع کیسا۔ اب اسپر بحث کرنا فرض عین ہوگیا ہے۔

حال یہ ہے کہ جو حالات کہ انسان کی روح سے متعلق ہیں اور جو انکشافات کہ انسان کی رُوح پر ہوتے ہیں اور اعمال صالح اور غیر صالح سے جو کیفیت انسان کی روح میں پیدا ہوتی ہے اور جو حالات کہ اُسپر بعد موت کے طاری ہوتے ہیں جس کو معاد کہتے ہیں وہ بدون تمثیل کے انسان کے خیال میں نہیں آسکتے کیونکہ جو چیز کہ ہماری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی نہ ہم اُسکو چھو سکتے ہیں تو اُس کا خیال ہمارے دل میں بجز ایسی چیزوں کی تمثیل کے جن کو ہم جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور کسی طرح پر نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر عذاب قبر میں گنہگاروں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور کاٹنا بیان کیا جاوے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ درحقیقت سچ مچ کے یہ سانپ جن کو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں مردے کو چمٹ جاتے ہیں بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی ہے اُس کا حال انسانوں میں اُس رنج و تکلیف و مایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا میں سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔ عام لوگ اور کٹ ملا اُسکو واقعی سانپ سمجھتے

ہیں اور عارف باللہ اُسکی حقیقت اور اصلیت پر پہنچ جاتے ہیں اور اسی اصلیت کے جاننے اور بیان کرنے کو علم اسرار دین کہتے ہیں اور یہ وُہی علم ہے جس سے انسان کا ایمان تصدیق کے درجہ سے بھی بڑھکر علم الیقین اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے ؛

اگلے زمانہ میں عُلماء کی یہ رائے تھی کہ علم اسرار الدین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو اُنکی سمجھ سے باہر ہے کچھ فایدہ نہیں بلکہ اُن کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالنا ہے - مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا - حال کے زمانہ میں ہر چہار طرف علوم کی ترقی بہت زیادہ ہوگئی اور اُسکی شعاعیں تمام دنیا میں پھیل گئیں اور پھیلتی جاتی ہیں اور پھیلتی جاویں گی - بعض مُلکوں میں تو عام و عوام اور خاص و خواص سب کے خیالات کو وسعت ہوگئی اور بعض مُلکوں میں شاید ابھی عوام کے خیالات کو وسعت نہ ہوئی ہو اِلّا عام کے خیالات کو تو ضرور وسعت ہوگئی ہے - اور اس لیئے اب دین کی تمثیلی باتوں کا بیان کرنا کافی نہیں رہا بلکہ اسرار دین کے علانیہ بیان کرنے کا وقت ہے - اور جو بات کہ اگلے زمانہ میں کسی عالم کے دو چار شاگرد رشید جانتے تھے اُسکو عموماً ہر ایک کو بتلانا چاہیئے تاکہ حقائق مسائل اور اسرار دین سے لوگ واقف ہو کر اپنے مذہب کی سچائی پر مطمئن ہوں اور کٹ ملاؤں کے اس فتوئ کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو جیز جُدا گانہ میں ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا کچھ ڈرنا نہیں چاہیئے - اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سرتاج امام حجۃ الاسلام غزالی رح ہیں اور سب کے آخر شاہ ولی اللہ صاحب رح ہیں اُن کی نسبت بھی ان کٹ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب بہت سے کفر کے فتوے دیئے ہیں - اُن فتوؤں سے اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا - مگر ان کٹ ملاؤں کی ہنڈیا میں جو تھا وُہی اُن کے چمچوں میں نکل آیا ؛

اس علم یعنی علم اسرار دین میں احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالی رح کی اور حجۃ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب رح کی نہایت عُمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُن کو بھی کامل نہ سمجھنا چاہیئے اسلیئے کہ اس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہ کہ طرز تحریر و طریق تقریر اور مناط استدلال و طریقہ ایراد اس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہے جو اُن زمانوں میں نہ تھا - اور یہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہوگئی ہے - اور یہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتیں بر بنیاد امورات مسلمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لیئے بلاشبہ مفید ہیں - مگر بلحاظ شان و قدر و رتبہ

اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا عام ہونا چاہیئے جو معتقدین اور غیر معتقدین سب کے لیے مفید اور برابر موثر ہو۔ پس وہ مطالب اس لائق ہیں کہ اُن کو حال کے پیرایہ تقریر کے موافق ازسرنو بیان کیا جاوے۔ مگر یہ کام اُسی سے ہو سکتا ہے جس پر خدا کی مہربانی ہوئی ہو۔ اور اُس کے دل کو نور ایمان سے منور کیا ہو اور کچھ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو وان من اعظم نعم الله علی ان اتانی منه حظاً وجعل لی منه نصیباً وما انفك اعترف بتقصیری و ابرء وما ابرء نفسی ان النفس لامارة بالسوء +

## عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ اگر صرف اس کا خیال ہی کیا جاتا تو چنداں مشکل نہ تھی۔ دقت یہ ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے +

اس مطلب کے ثابت کرنے کو ہمارے لیے ارشاد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کافی اور وافی ہے اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں +

عن انس قال جاء ثلثة رهط الی ازواج النبی صلعم یسألون عن عبادة النبی فلما اخبروا بها کانهم تقالوها فقالوا این نحن من النبی صلی الله علیه وسلم وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تاخر فقال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابداً وقال الآخر انا اصوم النهار ابداً ولا افطر وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء النبی صلعم الیهم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا والله انی لاخشاکم لله واتقاکم له لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیه +

بخاری و مسلم نے حضرت انس سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی ازواج مطہرات کے پاس آنحضرت صلعم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے۔ جب اُن کو بتایا گیا تو اُنھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ کجا ہم اور کجا پیغمبر صاحب۔ اُن کو تو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کو تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات

نماز پڑھا کرینگے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کرینگے اور کبھی روزہ نہ چھوڑینگے
اَوروں نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاوینگے اور کبھی جورو نہ کرینگے۔ اتنے میں جناب
پیغمبر خدا صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ جانو خدا کی قسم مَیں تم سے
زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن مَیں
تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور
عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے ساتھیوں
میں سے نہیں +

یہ حدیث ہم مسلمانوں کے لیئے بہت بڑی سند اِس بات کی ہے کہ اصلی اور سچی عبادت
وُہی ہے جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہے۔ تمام قوئے جو خدا تعالےٰ نے انسان
میں پیدا کیئے ہیں وہ اِس لیئے پیدا نہیں کیئے کہ وہ بیکار کر دیئے جاویں بلکہ اِس لیئے پیدا
ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جاویں۔ شریعت حقہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے
کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قوئی کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہے جس سے
جملہ قوئی اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پژمردہ
نہ ہو جاوے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اِس نکتہ کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جسکو ہمارے
پیغمبر خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جسکو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں کمال
عبادت اور منتہائے زہد و تقویٰ قرار دیتے ہیں +

فرائض جو مذہب اسلام میں ہیں اُن کا ادا کرنا بلاشبہ باعث نجات ابدی ہے عن ابی ھریرۃ
قال اتی اعرابی النبی صلعم فقال دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ قال
تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ وتودی الزکوٰۃ المفروضۃ
وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئا ولا انقص منہ
فلما ولی قال النبی صلعم من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ الی ھذا
متفق علیہ +

بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دہقانی عرب پیغمبر خدا صلعم
پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو ایسی بات بتایئے کہ اگر مَیں اُسکو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں۔ آپنے
فرمایا کہ خدا ہی کی عبادت کیا کر اور کسی دوسرے کو اُسکی عبادت میں مت ملا۔ اور فرض نماز میں

پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکھا کر۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں اس میں کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے ٭

غرض کہ ادائے فرائض بلاشبہ اصلی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص مکلف پر فرض ہے مگر ہم اس مقام پر فرائض کے سوا جو اور عبادتیں ہیں اُن سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور اُن میں بھی اس بات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ عبادتیں عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اس بات سے بحث منظور ہے کہ عبادت کو انہی میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ کہ بعضی نوع بسبب تبدل حالات کے ادنیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت اس درجہ کی نہیں رہتی۔ اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہی ایک حکمت بالغہ ہے جس سے تمام قوانین قدرت قایم رہتے ہیں۔ الّا افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو اس حکمت بالغہ پر خیال نہیں ہے ٭

ہمارے زمانہ کے مسلمان بھائیوں نے سوائے فرائض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز روزہ و تلاوت قرآن مجید اور خیالی ترک دنیا اور درس تدریس علوم دینیہ اور اوراد ماثورہ یا وظایف مقررہ پیران ہی پر منحصر کر رکھا ہے حالانکہ اُنہی پر اُن کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ اُن میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لئے مقصود شارع نہیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی متروک ہیں جو بسبب تغیر و تبدل حالت کے اُن سے بھی مقدم اور اعلیٰ ہیں۔ اب ہم اپنے اس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں ٭

**علم**۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ علمی عبادت صرف علوم دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے۔ اور اُس کے سوا کسی علم کا پڑھنا یا پڑھانا یا اُس پر روپیہ خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور اسی لیئے ثواب بھی نہیں۔ اُن میں یہ مثل مشہور چلی آتی ہے کہ ؎

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث ٭ ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

مگر یہ خیال اُن کا محض غلط ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا تنزل ہے اور جس کے ساتھ خود علم دین بھی معدوم ہوتا جاتا ہے ٭

جاننا چاہیئے کہ علم کے معنی دانستن کے ہیں۔ علوم دینیہ کا صرف جاننا کچھ عبادت ہے

اور نہ کچھ ثواب - البتہ وہ اُس وقت عبادت یا ثواب ہوسکتا ہے جبکہ اُسکو امور دینی کے کام میں لانے کی نیت سے پڑھا جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیہ کا نیت پر منحصر رہا نہ نفس علم پر - یہی حال تمام باقی علوم کا ہے - تمام علوم جن کو علوم دنیوی کہتے ہیں واسطے ترقی اور استحکام اور تعلیٰ علوم دینی کے ضروری ہیں گو اُن کا پڑھنا فی نفسہ عبادت نہ ہو جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہ عبادت نہ تھا - مگر جب کہ وہ اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ علوم دینیہ کے لیئے مثل آلہ کے ہیں تو اُن کا پڑھنا یا پڑھانا ویسا ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا تھا - پس ایک کو عبادت سمجھنا اور دوسرے کو نہ سمجھنا کیسی غلطی ہے *

علاوہ اس کے وہ علوم بھی جن کو ہم علوم دنیوی کہتے ہیں اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر ہو تو باعث ترقی ایمان اور سبب محبت اور ترقی معرفت ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے ہوتے ہیں - امام غزالی صاحب احیاء العلوم میں جہاں خدا تعالیٰ کی محبت کے اسباب کو بیان فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ قوت معرفت سبب قوت محبت ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی صفات الٰہیہ ملکوت سموات وارض پر دھیان لگانے سے ہوتی ہے اس لیئے کہ کوئی ذرہ آسمان و زمین سے ایسا نہیں ہے جو اُس کی حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالی ہو - جس ذرہ پر نظر کیجاوے وہ اُسکی قدرت کاملہ پر شہادت دیتا ہے اور جس برگِ درخت پر نظر کیجاوے اُسکی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے - کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے اُگانے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اُسکی قدرت کاملہ پر ہر طرح سے شہادت نہ دیتا ہو - جس درخت پر نظر کی جاوے ہر ورق اُس کا اللہ جلشانہ کی وحدانیت کا مظہر ہے - اور جس ورق پر غور سے خیال کیا جاوے اُس کی معرفت کا دفتر ہے اور ان سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل اُس قادر مطلق پر ہے جس کی عبادت کرنا مسلمانوں کا ایمان ہے - پس تمام علوم دنیوی اس اعتبار سے علوم دینیہ سے کم نہیں ہیں *

جس وقت کہ ہم علم ریاضی پڑھ کر خدا تعالیٰ کی اُس قدرت کاملہ سے واقف ہوتے ہیں جو خلق آسمان و زمین و کواکب سیارہ و ثوابت میں کام آئی ہے اور کتنے بڑے بڑے کرات کو کیسی سریع حرکت سے معلق پھرتے دیکھتے ہیں اور اُس کی عجایب حکمت کو دریافت کرتے ہیں تو کس طرح ہمکو وجود صانع اور اُسکی قدرت کاملہ پر یقین ہوتا ہے *

جس وقت کہ ہم علم ارض یعنی جیالوجی پڑھتے ہیں اور اُن عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے صرف اس کرہ خاک میں بنائے ہیں جو دن رات ہمارے پانوں کے تلے روندا جاتا ہے تو ہمکو کیسا مستحکم اُس خدا کی خدائی پر یقین ہوتا ہے ؛

علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہمکو واقفیت ہوتی ہے تو پھولوں کی پنکھڑیوں کی رنگ آمیزی اور مکھی کی آنکھ کی پچیکاری ہی ہمکو اُس حکیم مطلق کی حکمت کاملہ پر یقین کامل دلاتی ہے ؛

اسی طرح تمام علوم کیا علم آب اور کیا علم ہوا اور کیا علم جر ثقیل اور کیا علم برق و مقناطیس سب کے سب ہماری معرفت کو قوت اور ہمارے ایمان کو خدائے واحد پر پختہ اور مستحکم کرتے ہیں - اور علم الیقین بلکہ عین الیقین کے مرتبہ تک پہونچاتے ہیں پس اگر اس اعتبار سے ہم اِن علوم کو تمام علوم دینیہ کے شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں ؛

پہلے بعض علما نے علم معقول اور علم کلام دونوں کا پڑھنا ناجایز سمجھا تھا اور بعضوں نے اُسکے سیکھنے کو ضروری ٹھہرایا تھا - ہم اُسکے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث سے درگذر کر کے کہتے ہیں کہ وہ علم معقول جس پر علمانے انکار کیا صرف یونانی حکیموں کے عقلی تکّلے تھے وہ اپنی عقل ناقص سے خدا کی ذات و صفات سے بحث کرتے تھے جس کا الٰہیات اُنھوں نے نام رکھا تھا وہ علوم اُن کے ساتھ گئے - اب جو نئے علوم پیدا ہوئے اور جو انگریزوں کی بدولت ہندوستان میں آئے وہ علوم صرف عقلی نہیں ہیں - نہ الٰہیات سے علاقہ رکھتے ہیں - وہ تو اشیاء موجودہ کے حقایق کے علوم ہیں جن سے ہر ایک شے جسکو ہم دیکھتے ہیں اُسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے پس اِن علوم کو اُس قدیم یونانی معقولات پر قیاس کرنا کتنی بڑی غلطی کی بات ہے - وہ علم تو ہماری عقلوں کو گمراہ کرنے والے تھے اور یہ علم حقیقت اشیاء کے بتلانے والے اور خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین دلانے والے ہیں ؛

بعضے کٹ ملا یہ کہتے ہیں کہ اِن علوم میں بھی جو حقیقت بعض اشیاء کی ثابت کی گئی ہے وہ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور اِس لیئے اِن علوم سے بھی عقاید اور مسائل اسلام میں نقصان آنے کا احتمال ہے مگر ایسی رائے پر بجز افسوس اور نفرین کے کیا کہا جا سکتا ہے - ایسے شخص کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ مذہب اسلام حقیقت کے برخلاف ہے - ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا چاہیئے کہ یا تو وہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا یا اُسکو مذہب اسلام کے سچے ہونے پر

کامل یقین نہیں ہے ؛

اب ہم اس خیال کو کہ عبادت صرف علوم دینیہ ہی کا پڑھنا اور پڑھانا ہے دوسری طرح پر باطل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان میں وہ تمام قوے پیدا کیئے ہیں جن سے وہ علم دین اور وہ علوم جن کو دنیاوی علوم کہتے ہیں دونوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس ان دونوں قوتوں کو ہمیں کام میں لانا چاہیئے تاکہ ہم نے خالق کی مرضی کے مطابق کام کیا ہو نہ یہ کہ ایک کو شگفتہ و شاداب اور دوسرے کو معطل و بیکار کردیں کیونکہ یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے اور اس لیئے نیکی نہیں ہو سکتا۔ اور جب نیکی نہ ہو سکتا تو عبادت بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان دونوں قوتوں کو اعتدال پر رہنے دیں اور ایک کو دوسرے سے مغلوب نہ کردیں ؛

خدا تعالیٰ نے ہمکو ہمارا مذہب ایسا عمدہ دیا ہے جو ہماری معاد اور معاش دونوں کا قانون قدرت کے مطابق اصلاح کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ جس طرح کہ ہم اس بات کو خیال کر سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دنیوی کی تحصیل کیا کریں تو دین کا کیا حال ہوگا اسی طرح اگر تمام لوگ صرف علوم دینی ہی پڑھا کریں تو ہماری دنیا کا جس کی اصلاح شریعت سے خارج نہیں ہے کیا حال ہوگا بلکہ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینی دونوں کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج پر سعی و کوشش کریں اور ایک کو دوسرے کا آلہ سمجھکر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل عبادت جانیں ؛

قطع نظر ان سب باتوں کے اکل حلال کا پیدا کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اُسکے لیئے اسباب وسامان اور ذریعے اور وسیلے بہم پہنچانے بلاشبہ ثواب اور داخل عبادت ہونگے۔ دنیوی علوم بلاشبہ کسب حلال کے لیئے نہایت عمدہ ذریعے اور وسیلے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لیئے اُن ذریعوں کا مہیا کرنا بلاشک و شبہ بہت بڑی نیکی اور عمدہ ثواب تصور کیا جاوے گا اور اس لیئے ٹھیک عبادت ہوگا ؛

**زہد و ریاضت**۔ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفلی روزہ رکھنے پر منحصر سمجھا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا جو قانون قدرت کے

برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت صحیح مگر اُس کے سوا اَور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے بھی بہت زیادہ مفید ہیں بہت بڑی غلطی ہے ❊

زہد و ریاضت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلاشبہ نیکی و عبادت ہے۔ مگر عام فلاح پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور مال کی بھلائی و بہتری کے ہوں اُس سے بہت زیادہ تر مفید ہیں۔ زہد و ریاضت ایک بخیل نیکی ہے جو صرف اپنی ذات کے لیئے کی جاتی ہے۔ اُس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھری میں بیٹھکر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ عام فلاح چاہنے والا جو اِس کام میں زہد و ریاضت کرتا ہے اُس کی مثال حاتم کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھلا کر کھاتا ہے پس کیسی بڑی غلطی ہے جو تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے ❊

علاوہ اِس کے درجہ ثواب و عبادت تبدل حالات سے بالکل بدل جاتا ہے۔ فرض کرو کہ اگر کسی مقام میں پانی کا قحط ہو تو اُس جگہ بیٹھکر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا ذکر و شغل کی ضرب لگانی زیادہ ثواب کی بات ہے یا کندھے پر پانی لانا اور لوگوں کو پلانا زیادہ ثواب ہے پس جو حالت کہ اِس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے اگر اُن کی بہتری پرستی کی جاوے تو نفل و رات کے جاگنے کی ریاضت سے بلاشبہ زیادہ ثواب ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ اگر پیر جی صاحب مریدوں سے حلوا مانڈے لینے کے بدلے مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے کچھ جمع کریں اور جناب مولوی صاحب وقبلہ جو منبر پر بیٹھکر دنیا کے ہیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں۔ مگر جب سفید سفید گول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ ہات لنبا کر کر اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اُٹھا کر جیب مبارک میں رکھ لیتے ہیں اگر اُسی پلید کو دنیا پاک دنیا یعنی نذر کو مسلمانوں کی تعلیم میں دنیوی نہ سہی دینی ہی تعلیم میں صرف کریں تو کیسا کچھ ثواب کمائیں۔ پس جھوٹ موٹ کی عبادت اور دکھلاوے کی ریاضت جس سے انسان کا دل بعوض نرم ہونے کے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے ہماری سمجھ میں تو کچھ کام کی نہیں ہے ❊

ترک دنیا۔ ایک اَور جھوٹا اور غلط خیال یہ ہے کہ ترک دنیا عبادت ہے۔ یہ ایک ایسا غلط اور جھوٹا قول ہے کہ اِس سے زیادہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا ترک کرنا جس طرح کہ لوگ سمجھتے ہیں غیر ممکن ہے۔ البتہ جس طرح شارع نے فرمایا ہے اور ترک دنیا سے جو اُس نے مراد لی ہے وہ

بالکل صحیح اور نہایت درست اور بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیال کے مطابق شارع والی ترک دنیا عین شقاوت اور کمال بیداری ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ دنیا ہمارے لیئے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لیئے۔ پھر ہم اُسکو اُس طرح پر جس طرح کہ جو بڈھے دُنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکر ترک کرسکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شارع نے دنیا کا ترک کرنا بتایا ہے اُس طرح پر ترک کرنا سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح پر برتیں جس طرح کہ شارع نے بتایا ہے۔ نہ اپنے جذبات نفسانی کی مرضی پر۔ اور اُسکو اس طرح پر کام میں لاویں جس طرح قانون قدرت نے ہمکو سکھایا ہے نہ اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق +

لنڈن میں ایک یوروپین لامذہب میرا دوست تھا۔ اُسکو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو اور اُن کی وعظ و نصایح کو جو انجیلوں میں مندرج ہیں مانتا ہوں۔ نہایت تعجب تھا۔ لنڈن میں دستور ہے کہ اتوار کے دن تمام دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور اگر ایک دن پہلے نہ خرید لیں تو کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ایک دن وہ دوست اتوار کے دن کھانے کے وقت مجھ سے ملنے آیا اور میز پر تمام کھانے کی چیز چُنی ہوئی دیکھکر تعجب سے پوچھنے لگا کہ آج یہ سب چیزیں آپکو کیونکر میسر ہوئیں۔ مَیں نے کہا کہ ہفتہ کے دن سب کچھ لے رکھا تھا۔ وہ ہنسکر بولا کہ خوب ہوا جو آپ نے حضرت مسیح کے اس قول پر کہ "اس بات کی فکر مت کرو کہ کل کیا کھاؤ گے" عمل نہیں کیا۔ ورنہ آج بھوکے رہجاتے۔ مَیں نے ہنس کر یہ کہا کہ یہ مطلب اُس کا نہیں۔ پس جو مسلمان کہ خلاف قانون قدرت ترک دُنیا کا وعظ فرماتے ہیں وہ اسی طرح سے اپنے مذہب کو مضحکہ بناتے ہیں اور غور کر کے دیکھو تو وہ خود جو کچھ کرتے ہیں دنیا ہی کمانے کو کرتے ہیں پس یہ بات سمجھنا کہ امورات دُنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے عین غلطی ہے۔ ہاں اُسکو قانون قدرت کے برخلاف استعمال میں لانا شقاوت اور اُسکے مطابق برتاؤ میں لانا عین عبادت ہے +

## کُتب احادیث

کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جبکہ اب تمام حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیئے ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے کتب حدیث کی بلحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کس طرح تقسیم کی ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب کہ علمائے متاخرین میں جامع سلف اور مقتدائے خلف تھے۔ اُنہوں نے نہایت عمدہ طرح پر کُتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہے۔ اُسی کو ہم بھی اس مقام پر بیان کرتے ہیں ؛

وہ لکھتے ہیں کہ کُتب احادیث باعتبار صحت و شہرت اور قبول کے کئی درجہ پر ہیں ؛

صحت کے معنی اُنہوں نے یہ لیئے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحیح اُس میں لکھی ہوں اور اُسکے سوا جو حدیث لکھی ہو اُس کا نقص بھی اُسی کے ساتھ لکھ دیا ہو ؛

شہرت کے اُنھوں نے یہ معنی لیئے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُسکو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو ؛

قبول سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمائے حدیث نے اُس کتاب کو معتبر و مستند سمجھا ہو اور کسی نے اُس سے انکار نہ کیا ہو ؛

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اوّل درجہ کی تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام مالک۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ انہی میں بعضی حدیثیں بعض سے زیادہ صحیح ہیں ؛

ان کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں اُنھوں نے۔ جامع ترمذی۔ سنن ابوداؤد۔ سنن نسائی کو قرار دیا ہے ؛

وہ انہی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں لیکن اکثروں نے مؤطا کو صحاح میں سے خارج رکھا ہے اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہے ؛

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ مسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے کے لائق ہے مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں ؛

تیسرے درجہ میں اُنھوں نے ان کتابوں کو شمار کیا ہے۔ مسند شافعی۔ سنن ابن ماجہ۔ مسند دارمی۔ مسند ابو یعلی موصلی۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔ مسند ابوداؤد طیالسی۔ سنن دارقطنی۔ صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم۔ کتب بیہقی۔ کتب طحاوی۔ تصانیف طبرانی ؛

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کتابوں کے مصنف عالم متبحر تھے لیکن ان میں اچھی بُری یہاں تک کہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں ؛

چوتھے درجہ میں اُنھوں نے اِن کتابوں کو گِنا ہے۔ کتاب الضعفا لابن حبان تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفا للعقیلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف ابن مردویہ۔ تصانیف خطیب۔ تصانیف ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔ فردوس دیلمی۔ سایر تصانیف فردوس دیلمی۔ تصانیف ابی نعیم۔ تصانیف جوزقانی۔ تصانیف ابن عساکر۔ تصانیف ابو الشیخ۔ تصانیف ابن نجار ٭

وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں محض نامعتمد ہیں اور اِس لایق نہیں ہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات میں یا کسی عمل کے جواز میں اِن کتابوں سے سند لی جاوے۔ عمدہ بات جو شاہ صاحب نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسایل و نوادر کا مادہ یہی کتابیں ہیں اور اِس قدر میں اَور لکھتا ہوں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی نامعتمد کتابوں پر مبنی ہیں ٭

اِسی بیان کے ساتھ مولنا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وضعی یعنی بنائی ہوئی حدیثوں کے پہچاننے کی یہ صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تاریخی واقع کے برخلاف ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف کسی دُشمن نے روایت کی ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور ادا کرنا سب پر فرض ہو مگر صرف وُہی ایک شخص روایت کرتا ہو۔ چوتھے یہ کہ قرینہ حالیہ اُس کے جھوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ پانچویں یہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو۔ چھٹے یہ کہ ایک قصہ مذکور ہو کہ اگر درحقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزار آدمی اُسکو دیکھتے۔ مگر اُس کو صرف وُہی شخص بیان کرتا ہے۔ ساتویں یہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضمون نامعقول ہو۔ آٹھویں یہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ ثواب کا ہونا بیان ہوا ہو۔ نویں یہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان ہو۔ دسویں یہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو۔ گیارھویں یہ کہ حدیث بیان کرنیوالے نے اُس کے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو ٭

بعد اِس کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں۔ بعضوں نے اِس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے وتلاوت کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں سبب بے دینوں نے اسلام کی ہنسی اُڑانے کو مضامین دُور از قیاس کی حدیثیں مشہور کردیں۔ مشہور ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں ہیں جو اہل زندقہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا

دوسرے کی تذلیل کے لیئے حدیثیں بنالی ہیں۔ وعظ کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گڑھ لی ہیں۔ اور بعضی نعوذ اولیاء اللہ بھی اس خرابی میں پڑ گئے ہیں کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ بات رسول خدا صلعم نے اُن سے کہی۔ پس مثل حدیث مسموع کے بیان کردی بعض لوگوں نے بزرگوں درحالوں سے کوئی بات سُنی اور اُسکو یہ سمجھ گئے کہ یہ حدیث ہے اور مثل حدیث کے مشہور ہوگئی۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں پس صرف حدیث کا نام سن کر گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑجانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اول اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرنی چاہیئے کہ وہ کیسی حدیث ہے اور کس قدر اعتبار رکھتی ہے۔ پھر جب سب طرح امتحان میں پوری نکلے اور معلوم ہو کہ درحقیقت یہ پوری اور پکی صحیح حدیث ہے۔ اُسکو سر اور آنکھوں پر رکھے۔ ورنہ دُودھ کی مکھی کی طرح اُسکو نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول ہے کہ "حدیث بے سند گوز شتر است" اگر ہم مسلمان ایسی لغو اور بے سند باتوں کو اپنے مذہب میں شامل کریں اور پوچ اور واہیات قصّوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے مذہبی قصّہ اور الہامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا مذہب ہنسی ٹھٹّھا ہو جاوے گا۔ اور ریت کے گھر سے بھی زیادہ ناپائدار اور مکڑی کے جال سے بھی زیادہ بودا بن جاویگا۔ علماء متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا امتحان کرنے میں کوشش کی ہے۔ پس یہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ نہایت ایمانداری اور اسلام کی بڑی دوستی کا کام ہے +

## احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب اور اُس کی دوستی اور کمال ایمانداری اِس بات میں ہے کہ حدیثوں کی تنقیح کیجاوے اور جس میں ذرا بھی شک ہو اُسے دُودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دے۔ حدیث کی تنقیح نہ کرنا اور ہر حدیث کو سمجھنا کہ پیغمبر خدا صلعم کا قول ہے نہایت بے ادبی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ بس سچی دوستی اور حقیقی ادب یہی ہے کہ غیر کے کلام کو اپنے نبی پاک کے کلام سے علیحدہ کردے +

حضرت علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے جو اکابر علماء حدیث سے ہیں سفر السعادۃ کے خاتمہ میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ ان باتوں کی نسبت بہت سی حدیثیں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے کچھ بھی صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہیں چنانچہ اُسی مضمون کو

ہم بھی لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسی کیسی مشہور حدیثوں کو علمائے معتبر قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ پس جو حدیثیں کہ معتبر نہیں ہیں اُن کو ماننا عین بیدینداری ہے۔ چنانچہ مفصلہ ذیل باتیں اُس کتاب میں مندرج ہیں ؛

(۱) ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ یا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اُن میں سے کوئی حدیث بھی پیغمبر خدا صلعم کی نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں ؛

(۲) مرجیہ اور قدریہ اور جہمیہ اور اشعریہ کی نسبت جس قدر حدیثیں ہیں کوئی بھی اُن میں صحیح نہیں ہے ؛

(۳) اس باب میں کہ کلام اللہ قدیم غیر مخلوق ہے بہت حدیثیں ہیں۔ مگر پیغمبر خدا صلعم کی کوئی حدیث نہیں ہے صحابہ و تابعین کے اقوال ہیں ؛

(۴) ملائکہ کی پیدائش میں اور حضرت جبرئیل کے پروں کے قطروں سے فرشتوں کے پیدا ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۵) محمد اور احمد نام رکھنے کی خوبی اور بزرگی میں یا اُس کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۶) عقل کی اصلیت اور اُسکی فضیلت کے بیان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۷) خضر و الیاس کی عمر اور اُس کی درازی کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۸) علم کے باب میں اور اس میں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۹) علم کے چھپانے کی بُرائی میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۱۰) قرآن اور سورتوں کی خاص خاص فضیلتوں میں جس قدر حدیثیں ہیں سوائے چند کے اُنمیں سے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۱۱) حضرت ابوبکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات سے ہیں ؛

(۱۲) حضرت علیؓ کے فضائل میں بجز ایک حدیث کے اَور کوئی ثابت نہیں ؛

(۱۳) معاویہؓ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۱۴) امام ابوحنیفہ اور شافعی کی بزرگی یا بُرائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور مفتری ہیں ؛

(۱۵) بیت المقدس اور صخرہ اور عسقلان اور قزوین اور اندلس اور دمشق کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۱۶) قلتین پانی جب ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ بعضے اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں بعضے غیر صحیح۔ مگر اکابر اہل حدیث نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ہے (ابن حجر کے نزدیک پانی کے باب میں صحیح حدیث صرف ایک ہے۔ الماء طاھر وطھور الخ) ؛

(۱۷) دھوپ سے گرم ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۱۸) وضو کے بعد ہاتھ پاؤں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۱۹) ڈاڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۰) نبیذ سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۱) عورت کو چھونے سے وضو کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۲) مُردہ کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۳) حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۴) اس باب میں کہ بسم اللہ ہر سورۃ کی آیت ہے اور نماز میں اُسکو پکار کر پڑھنا چاہئیے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۲۵) اس باب میں کہ امام ضامن ہے اور موذن موتمن ہے اور مسجد کے ہمسایہ میں رہنے والے کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۶) جس شخص پر قضا نمازیں ہوں اُس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۷) سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۸) فجر کی نماز اور وتر میں قنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۲۹) مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھنے میں اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنے میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۰) اس باب میں کہ نماز کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۱) اور اس باب میں کہ طلب کرو تم خیر کو رحم دلوں اور خندہ رُو لوگوں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۲) اور اس باب میں کہ مالداروں کا غربا کی حاجت برآری سے پہلوتہی کرنا موجب زوال نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۳۳) صلواۃ التسبیح اور صلواۃ رغایب اور صلواۃ نصف شعبان و نصف رجب و صلواۃ ایمان اور صلواۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلواۃ ہر شب رجب و شعبان و رمضان کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۴) گہنے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۵) روز عاشورہ کے فضائل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں صدقات اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سُرمہ لگانے کی اور دانہ اُبالنے کی فضیلت میں آئی ہیں یا سب موضوع ہیں ❖

(۳۶) پچھنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۷) اس باب میں کہ جو مقدور رکھکر حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر مریگا یا عیسائی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۳۸) جس قرض میں نفع ہو وہ سُود ہے اس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۳۹) چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۰) رسُول خدا صلعم کے فارسی میں کلام کرنے میں یا فارسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۱) دُعا مانگکر دونوں ہاتھوں کو مونھ پر ملنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ❖

(۴۲) سفید مرغ اور مہندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ❖

(۴۳) اِس باب میں کہ ولدالزنا جنت میں نہ جاوے گا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۴۴) اِس باب میں کہ اجماع حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

(۴۵) اِس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ؛

(۴۶) اِس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہوں گی اور دو سَو برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ؛

یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفرالسعادت میں اَور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں۔ اِس تمثیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پڑتال نہ لیجاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اِس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسا کرنا محض بیجا ہے گو کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو ؛

# اعتقادی باللہ

## اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

مَیں نہایت سچے دل سے اِس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اُسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُس کا ہونا ضروری ہے۔ اور اُس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام صفات کمال اُسکی ذات میں موجود ہیں اُس کا سا کوئی نہیں نہ ہونے میں۔ کیونکہ ہونا اُسکی ذات ہے۔ اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اُسکی تمام صفتیں ہی اُسکی ذات ہے۔ وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سنتا ہے نہ کسی سُننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ یہ مثل ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے۔ بالکل اُسپر ٹھیک ہے۔ تمام مخلوقات کا وُہی خالق ہے اور تمام معلومات کا وُہی عالم ہے۔ سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ الحیّ القایم ہے۔ دانا و بینا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مشابہ ہے۔ اور نہ اُس کا کوئی مصاحب اور مددگار اور نہ اُسکی مانند

کوئی ہے اور نہ اُس کا کوئی شریک - نہ وجوب وجود میں - اور نہ استحقاق عبادت میں - اور نہ پیدا کرنے میں اور نہ صلاح وتدبیر بتانے میں پس اُس کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت یعنی اظہار اپنے تذلل اور اُسکی غایت الغایت تعظیم کا مستحق نہیں ہے - پس ہمارے تذلل کا اور جو طریقہ اُسکی تعظیم کا ٹھہرایا گیا ہو اُس طریقہ کی تعظیم کا استحقاق اُس کے سوا دوسرے کو نہیں ❊

وُہی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور وُہی سب کو رزق پہونچاتا ہے - وُہی بلاؤں کو ٹالتا ہے اور وُہی خوشیوں کو لاتا ہے مگر یہ سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے ❊

اُس کا قانون قدرت کبھی ٹوٹتا نہیں - وہ ہر طرح کے قانون قدرت کے بنانے پر قادر ہے مگر جو قانون قدرت کہ اُس نے بنا دیا - پھر اُسکے برخلاف کچھ ہوتا نہیں ❊

قدرت کے قانون بنانے میں کسی سبب کا محتاج نہیں بدیع السموات والارض و اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون - امر کے لفظ سے وُہی قانون قدرت مراد ہے جسکو بغیر کسی سبب کے صرف کُن کے لفظ سے یعنی ارادہ سے جو مقتضائے کمال ہے بنا دیتا ہے ❊

وہ کسی میں سماتا نہیں اور نہ کسی میں ملتا ہے - اُس میں تعدد و حدوث آ ہی نہیں سکتا - نہ اُس کی ذات میں اور نہ اُسکی صفات میں اُس کا تعلق متعلقات سے بھی حادث نہیں ہے بلکہ ظہور متعلقات سے اُن کے وقتوں میں وہم حدوث اور خیال تعدد ہوتا ہے - مگر اُس میں نہ حدوث ہے اور نہ کسی طرح کا تعدد ❊

وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی خاص جگہ میں ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے - نہ اُس میں حرکت ہے اور نہ اُس پر سکون کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی نسبت کسی جگہ سے آنا اور کسی جگہ میں جانا بولا جا سکتا ہے - اُس کے لیئے کوئی طرف وسمت متعین نہیں - اینما تولوا فثم وجہ اللہ - اُس کا عرش پر ہونا صرف انسانوں کو اُسکی بُرائی کا خیال دلاتا ہے نہ اُس کا عرش پر یا اوپر کی سمت پر ہونا - اوپر تو ایک اضافی سمت ہے جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ کسی دوسروں کے نیچے کی سمت ہے مگر عرش پر ہونے سے ہر ایک کے دل پر وحشی سے لیکر مہذب فلسفی تک کے دل پر اُسکی بڑائی کا خیال آتا ہے ❊

مرنے کے بعد مومنین و موحدین اُس کو دیکھیں گے - وہ ایک ایسا روحانی انکشاف ہوگا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بدرجہا بڑھکر ہو جس کی نسبت عرف عام میں

آنکھوں سے دیکھنا کہا جاتا ہے مگر اُس رویت کے لیئے نہ سمت ہوگی نہ یہ بصر۔ نہ صورت ہوگی نہ شکل۔ نہ رنگ ہوگا نہ کوئی ڈھنگ۔ نہ مقابلہ ہوگا نہ آمنا سامنا محض ہُو کا مقام ہوگا ؛

کفر و معاصی کا بھی اُسی قانون قدرت کے موافق وُہی خالق ہے۔ مگر اُس نے اپنے قانون قدرت سے انسان کو ایسا بنایا ہے جس میں اُن سے بچنے کی قدرت رکھی ہے۔ اِس لیئے اگرچہ خدا اُن کا خالق ہے مگر خود انسان اپنی قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب ہے گو کہ بلحاظ قانون قدرت کاسب کا بھی خدا ہی پر اطلاق ہوسکے مگر اُسکو نہ کفر و معاصی سے کچھ نقصان ہے اور نہ عبادت کی حاجت ؛

اُس کے تمام کام سراسر حکمت ہیں۔ جو کچھ کہ اُس سے ہوا وہ سب نیک ہے۔ کما قیل۔

آنچہ از پردہ خفا بمنصۂ ظہور جلوہ گر است ہمہ نیکو است ؛

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

پس جور و ظلم کی نسبت اُس کی طرف نہیں ہوسکتی۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ عدل و حکمت کے لیئے ہر ایک کو اُسی کے حال میں دیکھنا چاہیئے نہ نسبتاً۔ کیونکہ عدل و حکمت نسبتی چیز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لیئے بمنزلہ اُس کے خاصہ کے ہے جس کی تعریف میں آیا ہے۔ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہٖ ؛

اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ مگر اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اندھا دھوندی سے لغو بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے۔ پس یہ اعتقاد رکھنا کہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب یا عقاب ہونا صرف خدا کے حکم اور اُس کے امر و نہی کے سبب سے ہے محض لغو اعتقاد ہے بلکہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اُسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہے پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے حسن و قبح کو ابتدا ہی عقل انسان کی دریافت کر لیتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ بعد الاخبار من الرسل عن اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے ؛

فھذا اعتقادی باللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ دخل الجنۃ فانا من اھل الجنۃ ان شاء اللہ تعالیٰ برحمۃ سیدنا محمد خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیرا ⁂

# اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اُس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے۔ اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اُس کے دماغ اور عقل کو کُند اور خراب کر دیتی ہے۔ اسی لیئے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و شائستگی پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کو ایسے مسائل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کیئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے ⁂

منجملہ اُنہی موانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر مبنی ہوتی ہے مسلمانوں میں یہ ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اُس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہے۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور درحقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے یا نہیں ⁂

غالباً لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گذر گیا اور جو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کر لکھ گئے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں۔ اب ہمارے لیئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اُسکو صحیح لکھا ہے ⁂

ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہم اُنہی حدیثوں کی نسبت جو کُتب احادیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے اور کون سی اُن کی نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جُدا کریں۔ پس اسی مُراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علمائے حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے بلکہ بعضی قسموں کی نسبت تو یقین ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیث نہیں ہے اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں۔ ممکن ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہوں اور ممکن ہے کہ نہوں۔ چنانچہ اقسام مذکورہ یہ ہیں ⁂

اوّل حدیث بالمعنی - تمام علماء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی بلفظہٖ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے - یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہٖ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلعم نے فرمائے تھے - بلکہ راویوں نے اُن کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے اور بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں - پس ہم اُس کے ہر لفظ کو صاحب وحی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعزم نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ الفاظ سب سے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا اَور کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجب ہے کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنف جامع حدیث کے لفظ ہوں ٭

اس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں مقابلہ کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ اس مقام پر مثلاً ہم دو حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں ٭

حدیث اوّل - حدثنا بشر بن خالد قال اخبرنا محمد عن شعبۃ عن سلیمان عن ابی وائل - قال ابو موسیٰ لعبد اللہ بن مسعود اذا لم یجد الماء لا یصلی قال عبد اللہ نعم ان لم اجد الماء شہرا لم اصل لو رخصت لہم فی ہذا کان اذا وجد احدہم البرد (احدکم البرد) قال ہکذا یعنی تیمم وصلی قال قلت فاین قول عمار لعمر قال انی لم ار عمر قنع بقول عمار ٭

حدیث دوم - حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابی قال ثنا الاعمش قال سمعت شقیق بن سلمۃ قال کنت عند عبد اللہ وابی موسیٰ فقال لہ ابو موسیٰ ارایت یا ابا عبد الرحمن اذا اجنب فلم یجد ماء کیف یصنع فقال عبد اللہ لا یصلی حتی یجد الماء فقال ابو موسیٰ فکیف تصنع بقول عمار حین قال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکفیک قال الم تر عمر لم یقنع بذلک منہ فقال ابو موسیٰ فدعنا من قول عمار کیف تصنع بہذہ الایۃ فما دری عبد اللہ ما یقول فقال انا لو رخصنا لہم فی ہذا لاوشک اذا برد علی احدہم الماء ان یدعہ ویتیمم فقلت لشقیق فانما کرہ عبد اللہ لہذا فقال نعم ٭

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور ہے جو در باب تیمم کے ابو موسیٰ اور عبد اللہ ابن مسعود میں ہوئی تھی - پہلی حدیث میں تو مجملاً یہ بیان ہوا ہے کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا

کیا جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو جب اُسکو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے - عبداللہ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں اگر مجھ کو مہینہ بھر پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں - اگر میں اُن کو تیمم کی اجازت دوں تو اُس وقت دوں کہ کسی کو سردی ہوگئی ہو - کہا کہ ایسا یعنی تیمم کیا و نماز پڑھی - ابوموسی نے کہا کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود سے کہا کہ پھر وہ کیا بات ہوئی جو عمار نے عمر سے کہی تھی - عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ عمر عمار کی بات سے راضی نہیں ہوئے تھے +

دوسری حدیث میں اسی واقعہ کو دوسری تقریر سے بیان کیا ہے - کہ ابوموسی نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے ہو - اے عبدالرحمن کے باپ کہ جب کسی کو نہانے کی حاجت ہو جاوے اور اُس کو پانی نہ ملے تو کیا کرے تب عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جب تک پانی نہ ملے - ابوموسی نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کریں گے جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا کہ تیمم ہی تجھ کو کافی تھا - عبداللہ نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عمر اُن سے اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے ابوموسی نے کہا کہ ہم عمار کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں - آپ قرآن کی آیت میں (جس میں تیمم کا حکم ہے) کیا کریں گے - پھر عبداللہ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں - پھر کہا کہ جب ہم اُن کو تیمم کی اجازت دیں کہ پانی کسی کو سردی پہونچاوے کہ اُسکو چھوڑ دے اور تیمم کر لے +

اب دیکھو کہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک ہی مطلب ہے جس کو ایک راوی نے ایک تقریر سے اور دوسرے راوی نے دوسری تقریر سے بیان کیا ہے اور اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حدیث کی روایت بلفظہ نہیں ہوتی تھی بلکہ بالمعنی ہوتی تھی +

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت الفاظ یا بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہ خاصیت ابواب وغیرہ از روئے قواعد صرف و نحو و معانی و بیان نکالے جاتے ہیں وہ سب احکام اجتہادی ہیں جو علما نے الفاظ موجودہ سے نکالے ہیں مگر امکان ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصود نہ ہو - پس اس قسم کے تمام احکام منصوص نہیں ہو سکتے بلکہ اجتہادی ہیں یحتمل الخطاء والصواب +

دوم - حکم مرفوع - یعنی درحقیقت حدیث مرفوع تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں بالتصریح یہ بات لکھی ہو کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے یا خود کیا ہے یا آپ کے سامنے ہوا ہے لیکن اگر کسی حدیث میں یہ بات بالتصریح نہ بیان ہوئی ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات

کہی ہو یا کی ہو کہ عقل اور اجتہاد سے اُسکو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو۔ مثلاً قیامت کا حال یا آیندہ کی خبر یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کرتے تھے یا اِس طرح پر کرنا سنت ہے تو یہ حدیث بھی درحکم مرفوع ہے۔ اور بعض علما رکا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث سے یہ بھی احتمال ہے کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو ؛

مگر مَیں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ رائے علما رمتقدمین کی جو نسبت اُس حدیث کے ہے جسکو درحکم مرفوع قرار دیا ہے۔ کوئی منصوص یا منقول بات نہیں ہے بلکہ اُن علمار کی رائے ہے اور وہ بھی صرف اٹکل اور اندازہ سے لکھی گئی ہے مگر ایسی حدیث کو درحکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہ رائے کی غلطی ہے اس لیئے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی قیامت کی نسبت اور آیندہ کی خبروں میں بہت سی روایتیں زبان زد تھیں اور یہودیوں کے ہاں کی روایتوں کے ذکر کرنے کی خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دی تھی۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا کوئی روایت روایات یہود سے ہو نہ قول پیغمبر صلعم کا اور صرف اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے تھے اُس فعل کے سنت ہونے پر بھی یقین نہیں ہوسکتا ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ ایسا فعل ہو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوی نے کیا ہو بموجب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آیا ہو اور سنت اُس کے برخلاف ہو۔ غرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اِس بات پر کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہی ہے نہیں ہوسکتا ؛

سوم موقوف۔ یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف نسبت نہ کیا گیا ہو ؛

چہارم مقطوع۔ یعنی وہ حدیث جو تابعی تک پہنچکر رہ جاوے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے ؛

پنجم معلق۔ یعنی وہ حدیث جس کے کل راوی یا مبادی سند سے کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں ؛

ششم۔ مرسل یا منقطع یعنی وہ حدیث جس کی خبر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے ؛

ہفتم معضل یعنی وہ حدیث جس کے راویوں سے درمیان کے راوی چھوٹ گئے ہوں ؛

پس اِن پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہوسکتا کہ بلاشبہ

وہ قول یا فعل یا تقریر رسول مقبول صلعم کی ہے ۔

علمائے سابقین نے جو کچھ اُن کی نسبت بیان کیا ہے وہ سب اُن کی رائے اور اُن کی سمجھ بلا کسی منقول سند کے ہے ۔ فرض کیا جاوے کہ ظن غالب اُن کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ہو الا اُس پر یقین نہیں ہو سکتا ۔

منجملہ اقسام مذکورہ بالا کے حدیث معلق پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں ہے لوگوں نے گفتگو کی ہے ۔ علمائے سابقین کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جس کا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو اس لیئے کہ بخاری نے التزام کیا ہے کہ سوائے حدیث صحیح کے اور کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہ لاوے ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ رائے بسبب حسن ظن کے بہ نسبت بخاری کے قرار پائی ہے پس تعلیقات بخاری کا بمنزلہ حدیث معضل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا نہ یقینی وشتان بینہما ۔

اسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہے ۔ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل کو حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہیئے یعنی نہ تو اُسکو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے نہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہے یعنی اُس میں شک ہے ممکن ہے کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو یعنی اُس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ ایک تابعی دوسرے تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹ گیا ہے معلوم نہیں کہ ثقہ ہے یا نہیں اور یہ رائے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہے ۔ وہ یہ بات فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو اوپر کا راوی چھوڑ دیا تو اُسکو اُس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہوگا ورنہ وہ اُسکو پیغمبر خدا صلعم کی نسبت منسوب نہ کرتا ۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث مرسل کی تقویت اور کسی طرح پر بھی ہو سکے تو وہ حدیث قابل قبول ہے ۔

حضرت امام احمد حنبلؒ کی رائے اس باب میں یکسو نہیں ہے ۔ ایک قول اُن کا ہے کہ ایسی حدیث قبول کیجاوے ۔ ایک قول ہے کہ توقف کیا جاوے ۔

بہرحال جو لوگ کہ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹھہراتے ہیں اُن کی رائے کی بنا صرف حسن ظن پر

ہے مگر کسی کو جزم اور یقین اس بات پر نہیں ہوسکتا کہ بلاشک وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی ہے ٭

**ہشتم** مُدلس یعنی وہ حدیث جس کی روایت میں اُس شخص کا نام جس سے راوی نے حدیث سُنی چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے یہ شبہ پڑے کہ اس راوی نے اُسی سے یہ حدیث سُنی ہے ٭

ایسی حدیث کی نسبت علما کی یہ رائے ہے کہ اگر وہ راوی ثقہ اور نیک ہے اور کوئی غرض فاسد اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لائق ہے ٭

مَیں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدار بھی صرف حسن ظن پر ٹھہرا مگر اس بات کا ثبوت یا یقین کہ یہ حدیث بیشک رسول مقبول صلعم کی ہے حاصل نہیں ہوتا ٭

**نہم** مضطر۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت بہ ترتیب یاد نہ رہی ہو ٭

**دہم** مدرج۔ وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کسی مطلب کے لیئے اپنی عبارت بھی ملا دی ہو ٭

ایسی حدیثوں پر بھی یقین نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی درستی اور عبارت زاید اگر حذف ہی کیجاوے تو بھی یہ بات یقین کے لائق نہیں ہے کہ بقیہ الفاظ بے کم و کاست بلاشبہ رسول مقبول صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں ٭

**یازدہم** معنعن۔ یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے عن فلاں عن فلاں کر کر بیان کیا ہو ٭

یہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہے جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں بہت زیادہ غور کرنے کے لائق ہیں ٭

واضح ہو کہ علمائے حدیث میں حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں۔ حدثنا۔ اخبرنا۔ انبأنا۔ یہ تینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی یا سیکھی ہے مگر چوتھا لفظ۔ عن۔ کا مشتبہ لفظ ہے۔ اس لفظ سے دونوں احتمال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سُنی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس سے نہ سُنی ہو بلکہ جس سے سُنی ہو اُس کا نام چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام لے دیا ہو ٭

پس اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اُس میں کوئی راوی ایسا ہو جو کسی غرض فاسد سے اُس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اُس نے حدیث سُنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو معتبر ہوگی۔ اُس کے بعد علماء میں اختلاف ہے۔ بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لیئے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہے اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُن کو موقع بھی ہونا ثابت ہو چنانچہ بخاری کا مذہب یہی ہے مگر مسلم اِن باتوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتا۔

بہرحال ہمکو ان مذہبوں میں بحث نہیں ہے ہمکو صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہے اُس میں برابر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تک راویوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے اور اسی سبب یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلعم کی حدیث نہ ہو۔ جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھ اُسکو حدیث نبوی سمجھا ہے صرف قیاس وتخمین وحسن ظن کے سبب سمجھا ہے۔ کوئی ثبوت یا کوئی نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہے۔ پس ایسی حدیث پر جزم ویقین اِس بات کا کہ بلاشبہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہے نہیں ہوسکتا۔

**دوازدھم** مؤنن یعنی وہ حدیث جس میں کسی راوی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اس کا حال بھی بجنسہٖ ویسا ہے جیسیکہ عن کے لفظ سے روایت کا ہے۔

علاوہ اس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ رواۃ اور مضمون حدیث وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر ہم اُن کا اِس مقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھ نقصان ہے وہ تو ناقص اور نامعتبر ہی ہیں۔ ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہے۔ اور پھر اُن پر اِس بات کا شبہ ہے کہ آیا درحقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں۔ پس یہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہمنے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہیگا کہ اُن میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے۔ الا اُن میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

علما متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف اُن کی رائے ہے۔ کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اُس پر نہیں ہے۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور خود کچھ بھی خیال نہ کریں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لیئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہ ہیں ❖

اوّلؔ۔ ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے جیسیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سماع موتٰے کی حدیث نبوی ہونے سے بسبب مخالفت قرآن کے انکار کیا۔ باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت مہد رسول مقبول صلعم سے گذرا تھا ❖

دوم۔ اُس حدیث میں اشیا رموجودہ میں سے کسی شئے کی حقیقت الہام سے بطور واقع کے بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان درحقیقت اُس موجودہ شئے کی حقیقت کے برخلاف ہو تو وہ حدیث۔ حدیث نبوی نہیں ہے ❖

سوم۔ اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاقہ رکھتا ہے اور تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم نہیں کرنے کے ❖

چہارم۔ اُس حدیث میں ایسا واقعہ حسی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقع ہوتا تو ہزاروں آدمی اسکو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینے کے ❖

پنجم۔ اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاقہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا سب کو ضرور تھا مگر اُس سے صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی ❖

ششم۔ اُس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دیسکتے ❖

هفتم - اُس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جبتک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا نہ ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لائق نہ ہوں - پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کر سکتے اِس لیئے کہ بسبب اُن نقصوں اور احتمالوں کے جو اِس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جن کا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جبکہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہے تو اُس حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے ؛

اسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے عمل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں محلوں کے بننے کا یا ادنی سے گناہ میں نہایت سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہے ؛ یہ اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہے حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن اصول ہفتگانہ سے اُن کا امتحان کرنا لازم ہے - اگر اُس میں کوئی وہ عیب اوپر کی اُس وقت اُسکی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیئے کیونکہ اِس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہے اِس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونیکا ثبوت نہیں ہے اُس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے ؛

## تعلیم مذہبی

ابتو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقاید مذہبی میں سست ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کو لغو سمجھنے لگتے ہیں - اور لامذہب ہو جاتے ہیں - اور اسی سبب مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے ؛

مسلمانوں پر کیا موقوف ہے - انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں اُنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہے یہ فقرہ مندرج فرمایا ہے :-

"کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان ایسا نہیں ہے جو ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بداعتقاد ہو نہ دیکھے۔ ایشیا کے شاداب اور تروتازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں جو مثل برف کے ہے تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں" آمنّا و صدقنا۔ یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بالکل سچ اور بتمامہ صحیح ہے ❊

اب مسلمانوں کو بھی اسکی فکر پڑی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت تو روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور بغیر انگریزی پڑھے اب گذارہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اُسکو ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھکر بالکل مضطر اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہنستے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمھارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو۔ ایسی بودی چیز رہی تو کیا اور گئی تو کیا۔ مگر جب کوئی ہماری یہ چپکی آواز سُن لیتا ہے تو ہمپر غراتا ہے کہ کیا ہمارا مذہب کمزور ہے۔ مگر دل میں کہتا ہے کہ بات سچ کہی ہے۔ بودا تو ہے کہ ذرا سی انگریزی پڑھنے سے ڈھا جاتا ہے ❊

بڑے بڑے معظم و محتشم قدوس عالموں نے بہت غور کے بعد یہ تجویز کی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب درسیہ عقاید اور فقہ و اصول و تفسیر و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی پختہ و درست رہیں اور علوم غربیہ کے ریلے میں یہ نہ جاویں ❊

مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ محققانہ تعلیم مذہبی اصول حقہ واقعیہ پر بلاشبہ مانع نقصان عقاید حقہ اسلامیہ کے ہوگی مگر تقصیر معاف ہو۔ یہ اندھی تقلیدی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہو سکتی اور یہ کتب درسیہ مذہبیہ تو لامذہبی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھ پڑھائی جاویں گی تو اَور زیادہ لامذہبی اور بداعتقادی پھیلے گی اس لیئے کہ سوائے قرآن مجید کے جس قدر کتب مذہبیہ اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہ ہو اور جس نے اسلام کی سچی اور صحیح سیدھی سادی حقیقت کو وہمی اور خیالی نہ بنا دیا ہو ❊

جن مقدس لوگوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کو اُس لامذہبی کا علاج سمجھا ہے اُنھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں شایع ہوا تو بڑے زور و شور سے زندقہ و الحاد نے رواج پایا مگر اُس زمانہ کے عالموں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ عقاید مذہبی کی تعلیم کو شامل کر دیا جس کے سبب سے

وہ زندقہ و الحاد جاتا رہا۔

مگر میری یہ عرض ہے کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا ہوا بھی ہو تو حال کے زمانہ میں اُن کتابوں سے اُس نتیجہ کی اُمید رکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ جس زمانہ میں کہ فلسفۂ یونانیہ مسلمانوں میں رائج ہوا اور اُس زمانہ میں جو کتب مذہبیہ تھیں اُن کو بھی اُس وقت کے عالموں نے اُس زندقہ اور الحاد کے روکنے کو کافی نہ سمجھا تھا اور اس لیئے اُنھوں نے نئی نئی کتابیں علم کلام کی تصنیف کی تھیں اور اُن کتابوں میں اُنھوں نے زندقہ و الحاد دُور کرنے کے لیئے دو اصول قرار دیئے تھے یعنی یا تو اُن مسائل فلسفۂ یونانیہ کی جو عقاید مذہبی کے برخلاف تھے غلطی ثابت کر دیتے تھے یا مسائل مذہبی کی تطبیق مسائل فلسفیہ سے کر دیتے تھے۔ مگر اب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کتب مذہبی اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں اُن میں سے کون سی کتاب ہے جس میں فلسفۂ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کی ہو۔

وجود سمٰوات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دَوری آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس سے جا کر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو اب ثابت ہو گیا۔ اُس کا کیا علاج کریں۔ آیہ کریمہ ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظام لحما کی جو تفسیر عالموں نے لکھی ہے فن تشریح کی رو سے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے بوتلوں میں بھرے ہوئے نطفوں سے لیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کی تفسیروں کی غلطی کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں۔ خدا کی بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہیئے۔ یہ مسئلہ تمام دنیا نے تسلیم کر لیا ہے۔ پھر اُس کی تصدیق مذہب اسلام کی کس کتاب میں ڈھونڈیں اور کس مُلاں و اخوند سے جا کر پوچھیں۔ جب کوئی بات بھی اُن میں سے موجودہ کتب مذہبی میں نہیں ہے تو اُن سے لامذہبی جو فلسفۂ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ سے ہوتی ہے کیونکر رفع ہوگی۔ یہ باتیں نہایت صاف اور روشن ہیں۔ اُن کو ظاہر میں ماننا دوسری بات ہے۔ مگر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نہ جانتا ہوگا۔ پس ایسی حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک و پیغمبر کو برحق جاننا کافی ہے

عقل کو نماز پڑھ لینی رفع ید کر دینا بس ہے۔ ان غیر مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہے۔ ہاں اگر مسلمان مرد میدان ہیں اور اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں آویں اور جو کچھ اُن کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ کے ساتھ کریں تب البتہ اُن کا پڑھنا پڑھانا مفید ہوگا ورنہ اپنے مونھ میاں مٹھو کہہ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔

## مجتہد

مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے کوئی زمانہ مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ اُن کا یہ مسئلہ کہ مات المفتی مات الفتوی صحیح نہیں ہو سکتا مگر متاخرین اہل سنت و جماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہو گیا اور اب کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تک اُن کو اس ہی شبہ ہے کہ نعوذ باللہ منہا مثل خاتم النبیین کے خاتم المجتہدین کون ہے کسی نے زید کو اور کسی نے عمرو کو بتلایا ہے۔

مگر ہمکو بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب مسمیٰ "بانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ" کی جلد دوم میں رقام فرماتے ہیں کہ "بغوی در تہذیب و امام الحرمین در نہایہ و رافع در شرح وجیز و عز الدین عبد السلام در غایۃ و نووی در شرح مہذب و ابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفتیا و بدر الدین زرکشی در کتاب بحر تصریح کردہ اند کہ علم دو قسم است۔ فرض علے الاعیان و فرض علی سبیل الکفایۃ و فرض کفایہ آنست کہ کسے برتبہ اجتہاد برسد و از اعداد مقلدین برآید پس اگر در ہر ناحیہ یکے یا دو ایں چنیں قایم شوند فرض ساقط و الا ہمہ عاصی شوند۔ و حنابلہ با مرہم بآں رفتہ اند کہ جایز نیست خلو زمان از مجتہد لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یزال طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ و زرکشی گفتہ است کہ ایں قول مخصوص بحنابلہ نیست بلکہ جماعہ از اصحاب یعنی شافعیہ بداں تصریح کردہ اند۔ و ابن عرفہ از علماء مالکیہ گفتہ قال شیخنا ابن عبد السلام لا یخلو الزمان عن مجتہد۔ و امام الحرمین گفتہ کہ اختلاف کردہ اند اولین در آنکہ عصرے از اعصار عدد مجتہدین از مبلغ تواتر کم می شود یا نہ جمعے منع کردہ و جمعے جائز داشتہ۔

پس ان تمام اقوال سے ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے پس کیسی بڑی غلطی اہل سنت وجماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں +

اس غلطی اعتقاد نے ہم مسلمانوں کے دین و دنیا میں نہایت نقصان پہونچایا ہے اس لیئے ہمکو ضرور ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور ہر بات کی تحقیق پر مستعد ہوں خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیئے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہمکو پیش آتی ہیں پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہونگے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو اُن کے زمانہ میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھینگے۔ پس ہمارے لیئے بھی مجتہد العصر والزمان کا ہونا ضرور ہے +

## آدمؑ کی سرگزشت

تم کون ہو اور تمھارا نام کیا ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں مگر میرا نام آدمؑ ہے۔ تمہر بالگذری میں نے اپنے تئیں اسی دنیا میں پایا مگر نہ جانا کہ کس طرح بنا اور کس نے بنایا۔ مینے [illegible] سے چرند و پرند۔ کیڑے مکوڑے دنیا میں دیکھے میں سمجھا کہ جس طرح یہ بنے ہونگے [illegible] بنا ہوں گا +

[illegible] تھا کہ وہ سب تو ایک سا کام کرتے جاتے ہیں اور کسی اَور بات کا ارادہ بھی [illegible] ے دل میں بہت سے خیال آتے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ یہ کروں کبھی دل [illegible] ں۔ کبھی کہتا تھا کہ یہ کیا ہے کبھی کہتا تھا وہ کیا ہے۔ دل گھبراتا تھا اور [illegible] کے پاس بیٹھتا تھا۔ کسی کو اپنا سا نہ پاتا تھا اور دل نہ لگتا تھا۔ تنہائی میرے دل کو گھبراتی تھی اور اُس بیقراری سے یہ بات دل میں آتی تھی کہ میرے۔ لیئے میری ہی سی کچھ اَور چیز چاہیئے +

ایک دن میں نے اپنے بائیں پہلو کے پاس ایک اپنی ہی سی صورت کی چیز بیٹھی ہوئی دیکھی دل بہت خوش ہوا۔ بے قصد باچھیں کھلنے لگیں۔ دل بھی دھکڑ پکڑ کرنے لگا۔ اور اُسی کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بھی میرے پاس بیٹھنے سے نہایت خوش معلوم ہوتی تھی اور پیاری پیاری نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی اور مسکراتی تھی۔ آخر میں بیقرار ہوگیا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں نے اُس سے پوچھا کہ بوا تم کون ہو اور تمھارا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ بھائی یہ تو میں نہیں

جانتی کہ میں کون ہوں - جو تم ہو وُہی مَیں ہوں مگر میرا نام حوّا ہے - مَیں بہت خوش ہوا اور تالیاں بجا کر خوب اُچھلا اور خوب کُودا - اور اوپر کو دیکھ دیکھ کر ایک بڑی ہستی اور بڑے قادر مطلق کا خیال کر کر خوب گیت گائے اور نہایت ذوق و شوق سے یوں چلّایا *

اُو اُو ارے اُو ارے اُو ارے وہ جو ہے - ارے وہ جو ہے - ارے وہ جو رہیگا - ارے وہ جو رہیگا - ارے وہ جو تو ہی ہے - ارے وہ جو تو ہی ہے - میری شکر لے - اُس انجان جانب کار نے میرا شکر لیا - اَب تم اُسی برکت کے پھل پھُول ہو *

اجی دادا جان - یہ تو تمنے حال کی کہی - ہم تو اُس سے بھی پچھلی پوچھتے ہیں - میرے پیارے وہ تو ہمارے ہوش اور تمیز سے پہلے کی بات ہے - مگر اُس کی کچھ نشانیاں ہم پاتے ہیں اور خدا نے اپنی قدرت سے جو کچھ ہم میں بنایا ہے اُسی سے وہ پچھلا حال سمجھ سکتے ہیں اگر تم کو اُس کے جاننے کا شوق ہے تو سُنو *

تمام زمین پر بسنے والی چیزیں زمین سے پیدا ہوئی ہیں گو اُسکی آیندہ نسل چلنے کا کوئی قاعدہ بنایا ہو مگر سب سے پہلی فرد صرف اُس کی قدرت سے بنی - اُس نے کہا کہ ہو وہ ہو گئی پس اسی طرح مَیں بھی زمین سے پیدا ہو گیا - پلا اور بسا اور بڑا ہوا - مگر جب زمین سے نکلا تھا تو ایسا نہ تھا جیسا اَب ہوں - رفتہ رفتہ ہمکو یہ صورت ملی ہے اگر تم میری وہ ہیئت دیکھو جو زمین سے نکلی تھی تو نہایت تعجب کرو - بال سے بھی باریک اور رائی کے دانے سے بھی چھوٹا بھنگا تھا اور اُسی میں حُسن و جمال عقل و کمال سب چھپا ہوا تھا جیسے بیج میں درخت کے تمام پھل پھول - ٹہنی پتّے چھپے ہوتے ہیں - یہ اُس صانع کی قدرت ہے جو ایسی ضعیف و ناچیز چیز کو ایسا کیا ہے جس کے حُسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں - فرہاد سر پھوڑتا ہے - زلیخا ہاتھ کاٹتی ہے - مجنوں صحرا میں جاتا ہے - اپنے تقدس و کمال سے فرشتوں پر فوق لیجاتا ہے اور اپنے آپ سے اپنے صانع کو پہچانتا ہے اور پھر اُس کی مرضی اور خوشی کے بیان کرنیکو اَوروں کے لیئے واعظ بنتا ہے *

تمام قوتیں حیوانی اور انسانی - مَلکی و شیطانی اُس میں تھیں - اور سب اُسکی اطاعت و فرمانبرداری میں حاضر تھیں - جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں ذرا سی بھی خطا نہیں کرتی تھیں - مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی - وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی تھی بلکہ طرح طرح کے جذبات کو جو غصہ اور غضب - اور بغض و کینہ - عداوت و دشمنی قتل و خونریزی

چوری و زناکاری کے منشا ہیں تحریک دیتی رہتی تھی۔ اُس کے کوتکوں سے مَیں نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دشمن ہے۔ اُسی پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے۔ مگر وہ بھی جتاتی تھی کہ مَیں تیری دشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی۔ جہاں پاؤں گی اپنا کام کروں گی۔ اور جس طرف سے قابو پاؤنگی ماروں گی +

وہ قوت ایک عجیب و غریب چیز تھی۔ دشمن تو ایسی سخت تھی لیکن اگر وہ نہ ہوتی تو ایک اَور چیز ہم میں نہ ہوتی جو انسان کے کمال کی بھی وُہی باعث ہے۔ اور اُس کے وبال کی بھی وُہی باعث ہے اور اسی سبب وہ قوت کبھی سخت دشمن دکھائی دیتی تھی اور کبھی دوست سمجھ میں آتی تھی۔ مگر میری اطاعت میں کبھی نہ تھی +

خدا نے ایک ایسی مرکب چیز کو جو مختلف قوتوں کا مجموعہ تھی یعنی مجھ کو ایک جگہ ڈال دیا جہاں نہ مجھ کو بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی نہ کپڑا پہننے کی حاجت ہوتی تھی۔ مَیں رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جاتا تھا اور تمام قوتیں جو مجھ میں تھیں میرے کام آتی تھیں۔ ایک قوت مجھ میں تو تھی مگر میرے کام میں نہ تھی۔ نہ مَیں اُسکو کام میں لاتا تھا۔ جب مَیں بڑا ہوا اور سن تمیز کو پہنچا تو اُسی دشمن قوت نے مجھ کو بتایا کہ اُس سے بھی کام لے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب مَیں اُس سے کام لوں گا تب ہی مصیبت میں پھنسوں گا مگر اُسی قوت سے کام لینا کمال کا بھی سبب تھا۔ اِس لیئے اُس دشمن قوت نے کہا کہ اگر اُس سے کام لیگا تو فرشتہ ہو جاویگا اور کبھی فنا نہ ہو ویگا۔ وہ قوت میری ہی تو تھی اور مَیں اُسکو کام میں لانے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ مَیں اُسکو کام میں لایا اور اُسی وقت میرے عیب مجھ پر کھل گئے۔ مَیں نے جانا کہ مَیں تو ایک نہایت ناچیز ہستی ہوں۔ بے شک مجھ میں فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی قوت ہے مگر اُس کے ساتھ بڑا قوی دشمن بھی لگا ہوا ہے اُس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ مَیں اپنے عیبوں کے چھپانے کی فکر میں پڑا اور خدا نے للکارا کہ خبردار اب تو اپنا مالک ہوا۔ دوست دشمن سے واقف ہوا۔ اب جب تک زمین پر رہنا ہے نیک و بد کو سمجھ اور اپنا کام کر۔ مَیں نہایت حیران ہوا کہ کیا کام کروں اور کس طرح پر چلوں۔ پھر مَیں سمجھا کہ خدا کی نشانیاں اور خدا کی ہدایتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ اُنہی کو سمجھو اور اُنہی کو مانو۔ اُنہی کی ہدایت پر چلو اور دشمنوں سے نجات پاؤ۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ گزشتہ بدی کا کیا علاج ہو۔ بہت غور کے بعد سمجھا کہ کسی دوسرے سے اُس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا علاج خود مجھ میں ہے۔ جو چیز مجھ میں ٹیڑھی ہو گئی ہے اُسی کا سیدھا کرنا اُس کا علاج ہے۔ تب

میں نے خدا سے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ؕ فَتَابَ عَلَیَّ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؕ پھر تو خدا نے مجھ کو ایسا رتبہ بخشا کہ زمین پر اپنا نایب کر دیا اور فرشتے غل ہی مچاتے رہے ◆

دادا جان آپ کی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئیں اور ہم نہ سمجھے کہ کن قویٰ کا مجموعہ خدا نے تمکو بنایا تھا۔ وہ کیا قویٰ تھے جو تمہارے مطیع و فرماں بردار بھی تھے۔ وہ کیا قوت تھی جو سرکش اور نافرماں بردار تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو دشمن بھی تھی اور دوست بھی دکھائی دیتی تھی۔ اُسی نے وبال میں ڈالا اور اُسی نے کمال کا رستہ بتایا۔ یہ سب باتیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر اَور کسی طرح پر آپ گفتگو کریں اور ہمکو سمجھا سکیں تو آپ کی نہایت شفقت و عنایت ہوگی ◆

آدم نے کہا کہ تمہاری اور تمام دنیا کی سمجھ میں آ جانے کے لایق تو اسی بات کو موسیٰ اور محمدؐ نے بہت اچھی تمثیل سے بتایا ہے۔ اُنھوں نے ملکی قویٰ کا نام فرشتہ رکھا ہے اور اُس دشمن دوست نما قوت کا نام شیطان اور اُس قوت کا نام جو مجھ میں تھی پر میرے کام میں نہ تھی درخت اور اُس وقت یا حالت کا نام جب میں اُس قوت کو کام میں لانے کے لایق ہوا اُس درخت کا مزا چکھنا رکھا ہے اور اِس مشکل عقدہ کو اِن تمثیلوں سے حل کر کر یوں بیان کیا ہے ◆

خدا نے سڑی ہوئی کیچڑ سے جو آگ میں پکے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی آدمؑ کو اور اُس کی جوڑی حوّا کو پیدا کیا پھر اُن کو اِس صورت پر جو ہے بنایا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرکشی کی اور خدا کے حکم کو نہ مانا اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ جا دُور ہو تو فرشتوں میں ہونے کے لایق نہیں۔ اُس نے کہا تو مجھ کو قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہوں گا۔ خدا نے کہا دُور ہو اے مردود۔ جو لوگ تیری تابعداری کریں گے اُن سے دوزخ بھر دوں گا ◆

پھر خدا نے ہمکو سمجھایا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے اُس سے خبردار رہنا۔ پھر ہمکو بہشت میں رکھا وہاں ہمکو نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ دھوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی۔ خدا نے کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہو کھاؤ مگر ایک درخت کو بتلایا کہ اُس کے پاس تک مت جانا۔ اگر جاؤ گے تو اپنے لیے نقصان پیدا کرو گے ◆

مگر شیطان نے ہمکو بہکایا اور کہا کہ مَیں تمکو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا درخت بتلاؤں۔ اُس نے وُہی درخت بتلایا جس سے خدا نے منع کیا تھا۔ اور کہا کہ کسی بُرائی کے سبب سے منع نہیں کیا بلکہ اِس لیئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور قسمیں کھا کر کہا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ ہم اُس کے بہکائے میں آ گئے اور اُس درخت میں سے کھا لیا ایک پر وہ نادانی کا جو ہم پر تھا کھاتے ہی اُٹھ گیا عیب و صواب معلوم ہونے لگا۔ اپنا ننگا پن ہمکو شرمانے لگا۔ درخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اتنے میں خدا للکارا کہ کیوں اس درخت کے کھانے سے مَیں نے تمکو منع نہ کیا تھا اور تمکو نہ کہدیا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے۔ چلو یہاں سے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ چند مدت تک زمین پر رہو گے۔ اُسی میں جیو گے اُسی میں مرو گے اُسی سے نکلو گے ؛

پھر خدا کے بتلانے سے اپنے قصور کی معافی اِس طرح پر خدا سے چاہی کہ "اے ہمارے خدا ہمنے اپنے پر آپ ظلم کیا اور اگر تو معاف نہ کریگا اور ہم پر رحم نہ کریگا تو ہم آفت میں پڑینگے"۔ خدا نے معاف کیا اور یہ بتایا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آویگی۔ جو کوئی اُسکی تابعداری کریگا اُسکو کچھ ڈر نہ ہوگا جو میری نشانیوں کو نہ مانے گا وہ دوزخ میں جاویگا اور ہمیشہ اُسی میں رہیگا ؛

پھر خدا نے آدمؑ کو زمین پر اپنا نایب بنایا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو زمین کی نیابت دیگا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہاوے اور ہم تو تیری پاکیزگی سے تجھ کو یاد کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ ہاں مَیں سب کچھ جانتا ہوں جو مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ؛

پھر خدا نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تیری دانائی ہے جو کچھ تو نے بتا دیا ہے ہم تو اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ پھر آدمؑ سے کہا کہ تم اِن کے نام بتاؤ۔ آدمؑ نے سب کے نام بتا دیئے۔ خدا نے کہا کہ مَیں نہ کہتا تھا کہ آسمان و زمین میں کی چھپی ہوئی باتیں اور جو کچھ تم علانیہ یا خفیہ کرتے ہو سب کو جانتا ہوں ؛

دادا جان یہ باتیں تو صاف صاف ہماری سمجھ میں آئیں۔ ہم سمجھے کہ خدا نے ہمکو پیدا کیا اور ہمکو فرشتوں پر بھی عزت دی۔ اور ہمارے دشمن شیطان کو بھی ہمیں بتلا دیا مگر ہم اُسکے فریب میں آ گئے اور خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا اور خود اپنے فعل سے گنہگار ہوئے اور جب اپنے گناہ کا

اقرار کیا اور معافی چاہی تو خدا نے معاف کر دیا اور ہمکو زمین پر اپنا نایب کر دیا اور ہمارے لیے
ہدایت بھیجنے کا وعدہ کیا - پھر اگر ہم اُسکی ہدایت پر چلیں گے اپنا بھلا کریں گے اگر اُس پر
نہ چلینگے خود اپنے لیے کانٹے بوئیں گے۔ مگر اس میں بھی کئی باتیں پوچھنی ہیں ؛

آپ نے یہ کیا فرمایا کہ خدا نے آدم و حوا کو پہلے پیدا کیا - پھر اُن کو اس صورت پر جو اب
ہے بنایا ؛

بیٹا تم نے قرآن پڑھا ہے - اُس میں تو صاف لکھا ہے کہ ولقد خلقنٰکم ثم صورنٰکم
یعنی خدا نے تمکو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں - اصل یہ ہے کہ انسان نطفہ میں نہایت باریک
بھنگے کی مانند پیدا ہوتا ہے پھر اُسکی صورت بنتی ہے - یہی بات خدا نے بھی کہی اور ہمیشہ یونہی
ہوتا ہے ؛

دادا جان یہ تو عجیب بات آپ نے بتائی - ہمنے تو کبھی سُنی بھی نہ تھی - قرآن میں تو عجیب عجیب
قدرتی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں نہ تھیں - اب جس قدر حقایق موجودات
کھلتی جاتی ہیں قرآن کی حقیقت سمجھ میں آتی جاتی ہے - بیشک یہ خدا کا کلام ہے ؛

مگر آپ یہ تو فرمائیے کہ جن قوتوں سے خدا نے ہمکو بنایا اور جو ہم ہی میں موجود تھیں اُنہی میں سے
کسی کو فرشتہ اور کسی کو شیطان اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ ہم سے علیحدہ دوسری چیزیں تھیں
جن میں سے کوئی ہماری فرماں بردار تھی اور کوئی ہماری دشمن اور اگر درحقیقت وہ ہم ہی میں تھیں
تو اس طرح پر کیوں بیان ہوئیں ؛

بیٹا ابھی میں نے تم سے بیان کیا کہ انسان عجیب مختلف قوتوں سے بنا ہوا ہے کہ باوصف
مرکب ہونے کے ہر ایک قوت جُدا جُدا کام کرتی ہے - مگر تمہاری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور جب اس
زمانہ میں بھی تم اُسکو نہ سمجھ سکے تو موسیٰ کے اور اُس سے بھی پہلے کے زمانہ میں کون سمجھ سکتا تھا
اس لیے خدا نے اس مطلب کو ایسے لفظوں میں بیان کیا کہ سینا کے جنگل میں پھرنے والوں اور
عرب کے ریگستان کے رہنے والوں سے لیکر سقراط اور بقراط کے درجوں تک کے لوگ
سمجھ لیں ؛

تمام دنیا کے خیال میں ہے کہ مرکب جیسے جب متعدد چیزوں سے ملتی ہے تو ایک خاص مزاج
پیدا کر لیتی ہے - اُس کے ہر ہر فرد کا مزاج اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں سے مل ملا کر
ایک قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے ؛

اگر گرم پانی میں تم ٹھنڈا پانی ملاتے ہو تو اُسکی سردی اور اُسکی گرمی ملکر اُسکو کنکنا کر دیتی ہے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ دونوں ملیں اور سرد پانی کی سردی بدستور سرد اور گرم پانی کی گرمی بدستور گرم رہے +

بہت سی گرم و سرد و خشک و تر دواؤں سے ملاکر ایک معجون بناؤ۔ اُن دواؤں میں سے کسی ایک کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے کا بلکہ سب سے مل ملاکر اُس معجون مرکب کا ایک خاص مزاج پیدا ہو جاوے گا۔ مگر انسان ایک عجیب معجون مرکب ہے۔ مختلف قویٰ سے مرکب ہے۔ اور وُہی اُس کے وجود کے اور نیز باہم ایک دوسرے قوے کے بقا کے سبب ہیں۔ اگر اندرونی قویٰ میں سے ایک قوت انسان میں سے فوت ہو تو دوسری قوت بھی باقی نہیں رہتی اور باوجودیکہ یہ سب قویٰ ایسے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے دُودھ میں پانی اُس پر بھی سب اپنے اپنے جُدا جُدا مزاج پر قائم ہیں اور اپنا اپنا جُدا جُدا کام کر رہے ہیں۔ پس اس ترکیب انسانی کو سمجھانے کے لیئے تمام نبیوں نے تمثیلی زبان اختیار کی اور جس طرح کہ اُن قویٰ کے جُدا جُدا کام تھے اسی طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل جُدا جُدا چیزیں ہیں +

دادا جان یہ بات تو ہماری سمجھ میں بالکل آگئی اور اس بیان سے ایک اور عقدہ حل ہو گیا کہ بعضی روایتوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے اس سے بھی وُہی قوت مصورہ مراد ہے جو خدا نے اُس میں رکھی ہے +

مگر یہ بات بھی بتا دیجئے کہ اُن ملکی قویٰ کے سجدہ کرنے اور اُس ایک قوت کی سرکشی کرنے سے کیا مطلب ہے +

بیٹا یہ تو بہت صاف بات ہے تم خود اپنے آپ کو دیکھو تمام قوتیں جس جس مطلب کے لیئے تمہارے میں پیدا ہوئی ہیں سب تمہاری تابع ہیں جس وقت تم کسی ایسی قوت کو تحریک دینا چاہتے ہو جو نیکی کی مخرج ہے فی الفور تحریک میں آتی ہے اور تم سے نیکی اور سلوک ولی۔ رحم و محبت ہمدردی۔ وفاشعاری خدا کے سامنے تذلل ظہور میں آتا ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام قویٰ جو ان چیزوں کے منشا ہیں تمکو سجدہ کر رہے ہیں یعنی تمہارے مطیع و فرماں بردار ہیں برخلاف اسکے اُس قوت کو دیکھو جو بدی اور گناہ کا مخرج ہے۔ تم اُن افعال کو جو اُس قوت سے پیدا ہوتے ہیں بُرا جانتے ہو اور اُن کے ذکرنے کا ارادہ بھی کرتے ہو اور پھر کر تے بھی جاتے ہو

جھوٹ کو بُرا سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ نہ بولیں مگر بولتے جاتے ہو غصہ کو بُرا جانتے ہو اور ہر چند چاہتے ہو کہ روکیں پر کرتے جاتے ہو زنا جو سب سے بڑھکر بدی ہے اُسکو کرکر نادم ہوتے ہو خود اپنے پر آپ لعنت کرتے ہو۔ سر پیٹتے ہو۔ موںھہ پر طمانچے مارتے ہو۔ اور پکا ارادہ کرتے ہو کہ پھر نکرینگے اور پھر کرتے ہو۔ غرضکہ اُس قوت پر جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ خیال کرو اور دیکھو لوکہ کیسی سرکش اور تمہاری نافرمان ہمدار ہے۔ آہ بیٹا تم انسان اُسی وقت ہوگے جب اُس سخت دشمن پر فتح پاؤگے ؛

دادا جان یہ باتیں تو تم نے ایسی بتائیں کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ بالکل سچ ہے اور انسان پر یہی گذرتا ہے۔ جب ہم اپنی بدیوں پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مخالف قوت شیطان کیسی ہمپر غالب ہے تو ہمکو اپنی زندگی پر افسوس آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم پیدا نہ ہوتے ؛

مگر ہم نہایت ادب اور عاجزی سے ایکبات اور پوچھنی چاہتے ہیں کہ شیطان نے خدا سے یہ کیا بات کہی کہ "تو تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا ہی رہونگا" یہ تو غلط معلوم ہوتی ہے۔ بھلا خدا نے شیطان کو کا ہیکو بہکایا ہوگا۔ کیا خدا شیطان کا شیطان تھا اور اگر خود خُدا نے ایسا کیا تو پھر اُسکو سجدہ نہ کرنیوں حکم دیا ؛

نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ بیٹا توبہ کرو توبہ کرو۔ گالوں پر طمانچے مارو۔ کیسی کُفر کی باتیں تم نے کہیں۔ یہ غلط نہیں ہے بالکل سچ ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ اس سبب کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں بھی اُن کی باٹ مارنے کے لیئے تیری سیدھی راہ میں بیٹھونگا ؛

مگر غور کرو اور سمجھو کہ اس کا مطلب کیا ہے اور کس بات کا اشارہ ہے۔ سمجھو کہ وہ سرکش قوت خود خدا نے بنائی ہے اور اُس سرکشی کی قوت خود خدا نے اُس میں رکھی ہے۔ پس ان لفظوں سے کہ تو نے ہی مجھکو بھکایا ہے اسی بات کا اشارہ ہے کہ اُس قوت کا خالق اور اُس قوت کو قوت دینے والا بھی تو ہی ایک خدا ہے اور یہی اُس کا بہکانا ہے۔ مگر خدا نے انسان میں ایسے بھی قوی رکھے ہیں جو اُسکو زیر اور مطیع کرسکتے ہیں اور یہی حکم دینا ہے کہ آدم کو سجدہ کریں ان دونوں صنعتوں کو عام فہم کرنے کو خدا نے تمثیلی زبان سے یوں بتایا کہ خدا نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر یعنی ایسے بھی اسباب بنا دیئے ہیں کہ وہ انسان کا مطیع ہو سکتا ہے۔ دیکھو ابو ہریرہ نے

کیا اُسکو مطیع کیا پھر یوں کہا کہ اُس نے سرکشی کی اور خدا کا حکم نمانا یعنی وہ قوت ایسی سرکش ہے کہ مطیع ہو ہی نہیں سکتی - ایک موقع پر ہم گناہ سے بچتے ہیں اور دوسرے موقع پر گناہ میں پڑتے ہیں - اگر نہیں پڑتے تو ہمکو اُس دشمن کو ہر وقت و ہر دم دبائے رہنا اور باندھے رکھنا تو ضرور پڑتا ہے اور وہ ہر دم چھوٹنا اور ہم پر حملہ کرنا تو ضرور چاہتا ہے - پس اِس حقیقت کو نبیوں کی زبان نے کیسی عمدہ طرح پر حکم اور نافرمانی کی اصطلاح میں بیان کیا ہے - صلوات اللہ علیہم اجمعین +

دادا جان جو کچھ تمنے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ہی نے تمکو بتایا ہے کیونکہ آج تک کسی انسان نے تو ایسے حقایق و معارف بیان نہیں کیئے جس سے دل کو تسکین ہو - آپ ہی پر خدا نے اپنا فضل کیا ہے جو آپ کے دل سے ایسے حقایق و معارف نکلتے ہیں - اب تو ہمیں پوچھتے بھی شرم آتی ہے مگر دو چار باتیں تو اور بتا دیجیئے +

بیٹا - تم کچھ شرم مت کرو - پوچھتے جاؤ - خدا کی بات میں کچھ غلطی ہو ہی نہیں سکتی ہاں ممکن ہے کہ میری بات یا میری سمجھ میں غلطی ہو جاوے - مَیں بھی انسان ہوں - جس طرح تم غلطی میں پڑ سکتے ہو مَیں بھی پڑ سکتا ہوں - میرے اُسی قدر کلام میں غلطی نہیں ہوتی جس قدر کہ مجھ کو وحی آتی ہے یہ سب باتیں میں نے وحی سے نہیں کہیں بلکہ خود اپنے میں اور تم میں کچھ دیکھ کر کہی ہیں اور ہر شخص ان باتوں کو اگر اُسکو خدا دیکھنے کے لایق آنکھ دے خود دیکھ سکتا ہے +

دادا جان خدا نے یہ کیا کہا کہ مَیں نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا اور پہلے فرشتوں میں تھا پھر مردود کر دیا - وہ تو ایک قوت خود ہم میں ہے +

بیٹا تمام قوائے انسانی پر جس میں وہ سرکش قوت بھی داخل تھی فرشتوں کا اطلاق کیا گیا اور جب اُس ایک قوت کا سرکش ہونا بتایا گیا تو اُسکو اُن میں سے علیحدہ کر کر شیطان بتایا پس یہی اُس کا مردود ہونا اور فرشتوں میں سے نکالا جانا ہے +

اَب تم خود اپنے میں غور کرو کہ تمہارے قوے کی ترکیب میں ایک قسم کی حرارت ہے جسکو کوئی حرارت غریزی اور کوئی مادہ الکٹرسٹی کہتا ہے - اُس تمام حرارت کا سرجوش وہ قوت ہے جسکو قوت سرکش یا شیطان بتایا ہے - پس وہ قوت سب کے اوپر ہے اور باقی قوتیں اُس سے نیچے پس شیطان کا یہ کہنا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین بالکل ٹھیک اور مطابق واقع کے ہے مولوی صاحب جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی روٹی پکانے کے چولھے کی آگ سے شیطان بنایا ہے یہ اُن کی نادانی ہے +

بھلا دادا جان جس درخت کے کھانے سے خدا نے منع کیا تھا وہ کیا قوت تھی - اور اُس کا کھانا یا استعمال میں لانا کیا حالت تھی ؛

بیٹا وہ قوت عقل و علم ہے - کیونکہ علم کے لیئے عقل کا ہونا بھی لازم ہے اور جب انسان اُس حالت کو پہونچتا ہے کہ اُس قوت کو استعمال میں لانے کے قابل ہو جاوے - اُس حالت کا نام انبیاء کی زبان میں شجر ممنوعہ کا کھانا چکھنا ہے اور زبان شرع میں اُس کا مکلف ہونا اور زبان حکما میں اُس کا بالغ ہونا ہے ؛

دادا جان یہاں تو بڑی مشکل پیش آئی - اس لیئے کہ انسان کا چھٹپنے سے بڑا ہونا اور عقل و تمیز کی حالت تک پہونچنا ایک ضروری اور لازمی بات ہے - اگر انسان زندہ ہے تو خواہ نخواہ اُس حالت تک پہونچتا ہے پھر خدا کا اُس درخت کے کھانے سے منع کرنے کا اور انسان کا اُس کو کھا لینے کا اور خدا کی نافرمانی کر کر گنہگار ہونے کا کیا مطلب ہے ؛

بیٹا تم نے نہایت عمدہ بات کہی - تمہاری عقلمندی سے میں بہت خوش ہوا - جو کچھ تم نے کہا یہ سب سچ ہے - مگر اس مقام پر ایک نہایت عمدہ اور مشکل مسئلہ جبر و قدر کا نہایت خوبی اور سہل تمثیل سے حل کیا گیا ہے ؛

بعضے لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان بالکل مجبور ہے خواہ نخواہ اُسکو وہی باتیں کرنی پڑتی ہیں جو اُس کے لیئے مقرر ہو چکی ہیں اور بعضے خیال کرتے ہیں کہ وہ خود مختار اور اپنے تمام افعال پر قادر ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے بعضے خیال کرتے ہیں کہ نہ مجبور ہے نہ قادر ہے بین الجبر والاختیار ہے جیسے ایک مچھلی والے نے ایک بادشاہ کو مچھلی نذر کرتے وقت اس خیال سے کہ بادشاہ اس کا جوڑا نہ مانگے کہا تھا کہ یہ مچھلی مخنث ہے - اس مقام پر خدا تعالیٰ کو یہ بات بتلانی تھی کہ جو قوی کہ انسان کو خدا نے دیئے ہیں وہ خود اُن کا مالک و مختار ہے اور اُن سب کو خود کام میں لا سکتا ہے پس خدا کے منع کرنے اور انسان کا اُس کے کھا لینے سے انسان کا اُن قویٰ پر جو اُس کو دیئے گئے ہیں قادر ہونا اور اُن کے استعمال کی خود قدرت رکھنا بتایا گیا ہے اور چونکہ اُس حالت تک پہونچنا اور عقل و تمیز حاصل کرنا انسان پر گناہ ہونے کا سبب ہے اس لیئے خدا نے فرما دیا کہ اُس حالت پر پہونچنے کے بعد آدم گنہگار ہوا -

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آوردہ دریں دیر خراب آبادم

السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ۔ نہایت صحیح اور سچا قول ہے۔ جو کچھ اس وقت تم انسان کی حالت دیکھتے ہو اچھی یا بری یہاں تک کہ نبیوں کی نبوت اور عابدوں کی عبادت۔ زاہدوں کا زہد۔ معشوقوں کا حسن۔ عاشقوں کا عشق۔ شاعروں کی شاعری۔ فاسقوں کا فسق۔ کافروں کا کفر۔ یہ سب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں سے لیکر نکلے ہیں پس نبی کو نبوت اور عابد کو عبادت اور زاہدوں کو زہد۔ معشوقوں کو حسن۔ عاشقوں کو عشق۔ شاعروں کو شاعری۔ فاسقوں کو فسق۔ کافروں کو کفر لازمی اور ضروری ہے کہ بے ہوئے رہ ہی نہیں سکتا۔ جو شخص جو کچھ اپنی ماں کے پیٹ سے لایا ہے وہ اسی کو گاتا ہے ؛

انبیا یوں فرماتے ہیں کہ انا نبی و آدم بین الماء والطین ؛

سعدا یوں کہتے ہیں کہ انا سعید و آدم بین الماء والطین ؛

اشقیا کا یہ قول ہے کہ انا شقی و آدم بین الماء والطین ؛

اور ہمارا یہ قول ہے کہ انا احمد و آدم بین الماء والطین ؛

مگر نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قویٰ خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا ہے اگر قوائے بہیمیہ اُس پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قویٰ کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیا کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ بیان فرمایا ہے پس مشکل اور باریک مسئلہ تھا جو اس آسان اور عام فہم تمثیل میں خدا نے فرمایا ؛

دا۔ اجان خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی ان حقایق و معارف کا آپ کی زبان مبارک سے سنا اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر نکلے تھے۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آدم کا زمین پر نایب کرنا اور فرشتوں کا تکرار کرنا اور خدا کا آدم کو سب چیزوں کے نام سکھانا کیا معنی ہیں ؛

بیٹا زمین موجود ہے۔ انسان موجود ہے۔ دیکھو کہ زمین کی تمام مخلوقات میں زمین کی بادشاہت اور خدا کی نیابت کس کو ہے۔ کیسے فرشتے کیسی تکرار۔ یہ تو خطابیات کی قسم سے بیان ہے قویٰ جس قدر کہ ہیں ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس کے لیئے وہ مخلوق ہیں لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون مگر انسان ہی ایسی مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور بدی بھی پس

خدا نے اس مقام پر انسان کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ کیسے کیسے سخت گناہوں کے کرنے پر قادر ہے مگر اُسی کو نایب کرنے کی وجہ کو بھی بتایا کہ وہ قابل تعلیم ہے اور اُسکی غلطیاں اصلاح کے قابل ہیں۔ اور وہ ایسے اعلے درجہ تک ترقی کر سکتا ہے جہاں فرشتوں کا بھی مقدور نہیں کیونکہ اُن میں جو بات ہے اُس سے زیادہ ترقی کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اس طرح پر نہیں سکھائے تھے جس طرح کہ انا بچے کو سکھاتی ہے بلکہ تمام چیزوں کا سکھانا وہ ملکہ علم انسان میں ودیعت کرنا ہے جس سے آج ہم بقدر اپنی طاقت کے خدا کی خدائی کے کارخانوں پر فکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اُسکو جانتے ہیں ؛

تم خود اپنے حال پر خیال کرو کہ تم میاں جی سے یا مولانا صاحب سے پڑھتے ہو اور فضیلت کی دستار مُبارک سر پر باندھ لیتے ہو۔ کیا میاں جی صاحب یا جناب مولانا صاحب تمکو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ایک ملکہ تم میں حاصل ہوتا ہے جس سے تمام عالم کہلاتے ہو۔ پس خدا جو اُس ملکہ کا تم میں پیدا کرنے والا ہے اگر یوں کہے کہ وعلم آدم الاسماء کلہا تو کون سی اس میں مشکل بات ہے ؛

بھلا دادا جان یہ تو ہوا مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ یہ نام سکھانے سے کیا مطلب تھا ؛

ارے بیٹا۔ یہی تو خدائی کا بھید ہے۔ خدا بڑا اُستاد ہے۔ پچھلا داؤں ہمیشہ اُٹھا رکھتا ہے اس لفظ میں یہ بھید ہے کہ خدا نے انسانوں کو حقیقت اشیاء کچھ نہیں بتلائی۔ انسان سب کچھ بتلا سکتا ہے مگر حقیقت اشیاء نہیں بتلا سکتا پس جب حقیقت نہیں بتلا سکتا تو جو کچھ وہ بتلاتا ہے صرف اسماء ہیں نہ حقایق۔ اسی لیئے خدا نے فرمایا وعلم آدم الاسما کلہا ؛

دادا جان آپنے تو ایسی بات کہی کہ دل میں کھب گئی۔ اب تو بالکل دل کو تسلی ہو گئی مگر ایک شبہ پھر دل میں اُٹھا کہ خدا نے ایک ایسا قصہ بیان کیا جو حقیقت میں واقع نہ ہوا تھا۔ اگر ادب سے ہم کچھ نہ کہیں تو نہ کہیں مگر دل میں تو ہم ضرور کہینگے کہ جھوٹ یا فرضی قصہ ہے ؛

استغفر اللہ۔ کیا حماقت کی بات تم نے اس وقت کہی جو کوئی اس بیان کو قصہ یا حکایت سمجھے وہ خود نادان ہے۔ نہ یہ قصہ ہے نہ حکایت ہے۔ بلکہ خدا نے اصلی حالات فطرت انسانی کو جسے اس زمانہ کے حکماء نیچر کہتے ہیں خود انسان کی فطرت کی زبان حال سے بیان کیا ہے جو ایک نہایت عمدہ

اور فصیح اور مؤثر طریقہ بیان کا ہے جو لوگ اس سے ہدایت پانے کا دل رکھتے ہیں ہدایت پاتے ہیں۔ جو نہیں رکھتے وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ۔ یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیرا ۔

پس تمام عبادت اور تمام شکر اور تمام انسانیت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام قوے کو جو خدا نے اسکو دئیے ہیں کام میں لاتا ہے اور اسی طرح پر کام میں لاوے جس طرح کہ ان کا کام میں لانا ان کے صانع کی مرضی ہو اور اس مرضی کے انسان پر ظاہر ہونے کا خدا تعالیٰ نے ان لفظوں سے وعدہ کیا ہے۔ اھبطوا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔

# خط

## نوشتہ سید احمد

## بنام

## مولوی سید مہدی علی صاحب

محبی مہدی۔ میں نے آپ کا مضمون جس کا عنوان "سوال وجواب" ہے دیکھا اور اسی طرح بے تصدول سے اٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کا رخدا کی بات پر وجد کیا تھا۔ زندہ باشی وجانمن باشی۔ آمین۔ مگر میں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ آپنے تاویل الفاظ قرآن مجید کی ان کے مدلول ظاہری سے یا ان مدلولات سے جو لوگوں نے اپنے خیال میں ان الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے مگر اس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پانچ حالتوں میں جائز رکھی ہے یا لاباس بہ تصور کیا ہے یا اس تاویل کو انکار جزو قرآن قرار نہیں دیا اور یہ بالکل حق اور سچ ہے آمنا وصدقنا۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ اگر الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی امر موجودہ واقعیہ سے ہوتی ہو تو ظاہری

معنی مراد نہ لیئے جاوینگے" اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ "اسمار موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تو اُن اسمار سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجوہ خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے" جزاك الله فی الدارین خیرا +

اَب خیال کرو کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ یا نام آیا ہے۔ مگر اُس کی حقیقت و ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی۔ یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اُس کی ایک صورت و حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے اھرمن و یزدان کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علیٰ ہٰذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی۔ قرآن مجید میں یہ نام تو آیا مگر اُسکی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی +

البتہ ہم اُس کی کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں۔ بڑی صفت اُسکی جو بمنزلہ ذاتیات کے ہے اور جس سے گویا اُسکی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف مغوی آدم ہی نہیں تھا بلکہ وہ تا قیامت مغوی للانسان علی المعصیۃ ہے۔ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ قال فبعزتك لاغوینھم اجمعین اور یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے خون کے ساتھ پھرتا ہے کما روي عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان یجري من الانسان مجری الدم اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہماری نمازمیں خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو حائل ہو جاتا ہے۔ کما روي عنہ صلعم الشیطان حال بیني وبین صلاتي بس یہی اوصاف حمیدہ اُن بزرگ ذات کے ہیں جو ہمکو شارع نے بتلائے ہیں +

اَب ہم اسادہ کرتے ہیں کہ مثل اہل جنت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج مراد لیں کیونکہ حتی التقدور ہم سے اُسکے مسمّٰی کا موجود بوجود مستقل موجود فی الخارج سمجھنا چاہئیے لیکن اس سمجھنے کیلئے ضرور ہے کہ درحقیقت اُس کا ایسا وجود ہونے کے لیئے اُسکے ایسے وجود کا ثبوت قطعی اور واقعی بھی چاہئیے کیونکہ صرف نام سے وجود خارجی تسلیم کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اگر اُس کا وجود خارجی ثابت نہ ہوسکیگا تو لا محالہ وجود خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑے گا جیسا کہ آپ نے اصول محتوم پنجگانہ میں قرار دیا ہے +

اب ان صفات شیطان کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر نے بتلائی ہیں ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجود خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہمکو شیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں پھنساتا ہے۔ مگر کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی میں ایک قوت ہے جو ہمکو سیدھے رستے پر پھیرتی ہے۔ مہلوبے انتہا ترغیبوں سے بہکاتی ہے شیطان سمجھکر اُسکی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں اور زور سے طمانچہ مارتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں اور اپنا ہی گال لال دیکھتے ہیں +

پس اگر ہم شیطان کے لفظ سے وجود خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں اس لیئے کہ اُس کے وجود خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں اور نیز امور موجودہ واقعیہ کے برخلاف ہے کیونکہ اُسکی صفات منصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں اور نیز کتاب و سنت سے اُس کے وجود خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوہام وظنون سے لوگوں نے اُس کا وجود خارجی ٹھہرایا ہے۔ اس لیئے واجب ہے کہ منجملہ اقسام وجود کے سوائے وجود خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے فتدبر والسلام +

# خط

## نوشتہ سید احمد

## بنام

## مولوی سید مہدی علی صاحب سلمہ اللہ تعالی

پیارے مہدی۔ افسوس آپ نے مجھکو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جو ۱۵ ربیع الثانی کے تہذیب الاخلاق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھلا کہ میں خطاب کے لایق نہ تھا یا میرا خط لاجواب تھا +

میرے پیارے مہدی میں آپ کو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جو خراب اثر مشرقی طریقہ تعلیم کا

انسان کے دل اور طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی ایمن نہ رہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان صلعم کو امی محض رکھنے میں کیا حکمت تھی۔ یہی حکمت تھی کہ نیچرل فیض جو اندرونی چشموں کا جاری رہتا ہے اُسکو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور جو کچھ باہر نکلے خالص بے میل ہو۔ پس آپ ہمیشہ نیچر کے سرچشمہ کے جاری رکھنے پر متوجہ رہا کریں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم حجاب الاکبر اُس کے پیرو ہرگز نہ ہو دیں ۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل یہ بات کہتا ہو گا کہ لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج من الانسان مراد لیجاوے تو ضرور قرآن مجید کو نعوذ باللہ غلط یا خلاف واقع ماننا پڑے گا کیونکہ حقیقت میں کوئی وجود خارجی منحوی للانسان موجود نہیں ہے ۔

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہو گا کہ شیطان کے وجود خارجی ہونیکا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جو لوگ اُس کے قائل ہوئے ہیں اُنھوں نے خود اپنی ہی صورت آئینہ میں دیکھی ہے ۔

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہو گا کہ جو لوگ شیطان کے وجود خارجی کا دعوی کرتے ہیں اُس کا اثبات اُنہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو جو اُس کے وجود خارجی سے منکر ہیں ناقص کہدینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس کرنا کافی نہیں ہے ۔

اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو یہ الفاظ ارقام فرمائے ہیں کہ "وجود جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نادانی ہے۔" اب آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا ہو گا پس ہمیشہ ایسی بات کہا کرو اور کیا کرو کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو ۔

اب یہ دوسرا خط میں آپکو آدم کے قصہ کی نسبت لکھتا ہوں ۔ ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے اُس سے بیان حال کے سوا اور کچھ مراد لیجا سکے یا سمجھی جا سکے ۔

پہلی بسم اللہ قرآن مجید میں لفظ قال کا بہ نسبت خدا اور فرشتوں اور شیطان کے آیا ہے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ان تینوں جگہ لفظ قال کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے کیونکہ کوئی شخص خدا کے قول کو مثل اقوال انسان مرکب صوت و الفاظ سے یقین نہیں کر سکتا اور غالباً اقوال فرشتگان و شیطان کے بھی اس قسم کے نہ ہونگے۔ پس اب لفظ قال سے کوئی اور معنی مراد لو بمجرد ترک کرنے معنی حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت

نہیں رہنے کی بلکہ صرف خیال رہجاویگا۔ وماھو[3] الا ما الھمنی ربی +

پھر لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا اللو مالی اور ککلو کسان بویا کرتا ہے اور جیسے کہ حقیقی معنی لفظ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ غالباً اسکا تو آپ قرار نکرینگے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لوگے۔ پس جہاں آپ نے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی معنی یا اللو اور ککلو کا بویا ہوا درخت مراد نہ لیئے تو صرف وہ ایک تمثیل رہ جاوے گی۔ وماھو الا ما الھمنی ربی +

کیا سچ مچ آپ یقین کرتے ہیں کہ لفظ فبدت لھما سوأتھما سے حقیقت میں یہی مراد ہے کہ نعوذ باللہ حضرت آدمؑ کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دکھائی دینے لگی تھی۔ کیا حقیقت میں اُس سے حضرت حواؑ کی شرمگاہ مراد ہے۔ اگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل سمجھتے ہیں تو کس قدر رنج اور غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی ہذالزمان ہو مفسروں اور ترجمہ نویسوں کی ایسی بلادت کی پیروی کرے۔ کیا لفظ "سوءۃ" کے اور معنی عرب کی زبان میں نہیں[1] ہیں اور کیا یہ لفظ اور معنوں میں مستعمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی صورت میں انہی لفظوں کے بعد خدا تعالی فرماتا ہے یابنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر ذلک من ایات اللہ لعلھم یذکرون۔ یابنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما[2] لیریھما سوأتھما[3] انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون یعنی اللہ تعالی سورہ اعراف میں فرماتا ہے کہ "اے آدمؑ کے بچو تمکو شیطان نہ بہکا دے جس طرح کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت میں سے (بہکا کر) نکلا چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباس تقوی) تاکہ دکھاوے اُن کو اُن کی بُرائیاں بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تمکو دیکھتا ہے اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے

---

[1] فی القاموس السوءۃ الفرج والفاحشۃ والخلۃ القبیحۃ۔

فی التفسیر الکبیر بدوۃ العورۃ کنایۃ عن سقوط الحرمۃ وزوال الجاہ والمعنی ان غرضہ من القاء تلک الوسوسۃ الی آدم زوال الحرمۃ وذھاب منصبہ۔ الخ

[2] ای لباس تقویھما بدلیل قولہ تعالی ولباس التقوی ذلک خیر +

[3] ای الخلۃ القبیحۃ التی کانت مستورا فیھما +

بے شک ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا مربی کیا ہے جو ایمان نہیں لائے "*

پس اِن تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے۔ ان سے معنی حقیقی مراد نہیں ہیں جیسا کہ اَور علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پس اب تمثیل ہونے میں کیا باقی رہ گیا وماھو الا ما الھمنی ربی *

بھائی مہدی۔ برائے خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے یہ معنی لینے کہ جب آدم و حوا نے گیہوں کے درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کے اعضا مخصوصہ دکھائی دینے لگے۔ قرآن مجید کی خوبی اور اُس کے ادب اور اُس کے حکمت سے بھرے ہوئے ہونے پر یقین کرتا ہے یا یہ معنی لینے کہ اُس قوت کی ترغیب نے ظاہر کر دیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی بُرائی ہے قرآن کی بندگی اور اُس کی عزت اور اُس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرتا ہے۔ اگر پہلے ہی معنی سچ ہوں تو مجبوری سے کہنا پڑے گا کہ "سخن فہمی عالم بالا معلوم شد" حضرت کو پھکڑ بولنے بھی نہیں آتے چہ جائے خدائی کجا گیہوں آنا اور کجا اعضائے مخصوصہ کا دکھائی دینا۔ نعوذ باللہ منہا *

خُدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصہ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمھارا دل یقین کرتا ہے کہ خُدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے پس اگر اُن الفاظ کے وہی معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کا ہیکو ہوئی بیٹھیاروں کی تو تو مَیں مَیں ہوئی۔ اگر یہ سچ ہو تو ہمکو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں ہے کیونکہ خدا کے نوکر ہمارے نوکروں سے بھی زیادہ بڑھے ہیں *

اِس تمام قصہ سے اگر وہی ظاہری معنی مراد ہوں تو خدا کے علو مرتبہ اور تقدس اور تنزیہ میں بٹا لگتا ہے پس اُسی اصول سے جو آپنے قایم کیا ہے کہ ایسی حالت میں عدول معنی حقیقی سے فرض ہے یہ تمام قصہ تمثیلی رہ جاتا ہے نہ اصلی۔ وماھو الا ما الھمنی ربی *

اور اگر آپ نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ (اور مَیں یقین کرتا ہوں کہ یقین کر لیا ہے) شیطان کا کوئی وجود خارج من الانسان نہیں ہے تو تو سرگذشت آدمؑ کی تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی نہ رہیگا۔ وماھو الا ما الھمنی ربی *

آپ کی تحریر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں جنت اور آدمؑ اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ مگر اُن کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت

کیا تھا اور لکھانے سے کیا مراد ہے" اور پھر اُس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ "اگر ایسی تاویل نصوص صریحہ کی کیجاوے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جاوے - بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود ہی لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی اور پھر اُن کو نصوص صریحہ کہتے ہو جب اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ نصوص صریحہ کیونکر ہوئیں - فتدبر ؛

خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لیئے نازل کیا ہے جن میں ہر درجہ علم و عقل و فہم کے لوگ شامل ہیں اور معجزہ قرآن یہ ہے کہ مضامین دقیقہ اور مسائل حکمیہ نیچریہ ایسے لفظوں میں بیان کیئے ہیں کہ ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے ؛

اس کی تصدیق سرگذشت آدم سے بخوبی حاصل ہے - انسان کا نیچر جن قوتوں سے بنا ہے اور جو جو قوتیں بھلائی اور بُرائی کی اُس میں رکھی ہیں اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں پر قادر ہے اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں کے سبب سے مجبور ہے اُن کا بیان کرنا اور ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی تربیت کا پہونچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا - یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُسنے اُسکو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی یہ سمجھ لیں کہ انسان ایک وجود ہے اور شیطان ایک وجود علیحدہ ہے جو ہمکو نہیں دکھائی دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہمکو اس طرح چپکے سے بہکا دیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہمکو گناہوں میں پھنسا دیتا ہے پس ہمکو چاہیئے کہ ایک لعنتی تسبیح مثل شیطان کی دم کے لیکر لاحول پڑھتے رہیں اور دل کو اُسکے پھندے میں نہ آنے دیں بلکہ خدا کی فرمانبرداری اور عبادت میں مصروف رہیں تو اس سمجھ سے بھی وُہی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہوگی جس طرح کہ ایک دانا نیچرل اسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو تمثیلی لفظوں میں انسان کے نیچر کی زبان حال سے بیان ہوا ہے پس اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپنے اسکو بدعت لکھا ہے اگر حقیقت اسلام اور اسرار دین بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہوگی ؛

آپ خیال کیجیئے کہ علماء سابقین اسلام کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کے مطالب کا بیان کمتر کرتے تھے - کچھ تو اُن کو بسبب شدت اتقا اور خوف معصیت کے یہ وہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت ہم سمجھے ہیں شاید وہ حقیقت نہ ہو اور خدا کی مراد وہ نہو اور اُس کے بیان سے ہم گنہگار ہوں اور کچھ اُن کو خیال تھا کہ اُن باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے - کم علم اور جاہل جو بکثرت ہیں وہ اُنہی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اور جو عالم ہیں جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ

وہ خود اُن کی حقیقت جانتے ہیں اوسکافی روحانی تربیت پاتے ہیں ان خیالات سے اُنھوں نے اُنہی الفاظ کو بیان کردینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں تھے اور اُن کی مراد کی نسبت کہدیا کہ خدا کو معلوم ہے۔ہم تو کلام خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اُسکی حقیقت خدا کے علم میں ہو وہی ہمارا ایمان ہے ؛

مگر اُن کا زمانہ ایسا تھا کہ لاادری کہکر اُن کا پیچھا چھوٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے۔تمام علوم گو ہم میں نہسہی مگر دوسری قوموں میں بدرجۂ اعلے پہونچ گئے اور پہونچتے جاتے ہیں حقائق اشیا روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہوگئی ہیں وہ درجۂ یقین پر پہونچ گئی ہیں۔پس اس زمانہ میں کسی بات کے مدعی کو دعویٰ کرنا اور پھر لاادری کہدینا کافی نہیں ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اوڑانا ہے بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیئے اس لیئے جو لوگ دعویٰ اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلہ اسلامی کی نسبت لاادری کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا ہے۔پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹٹی کو اُٹھا ڈالا جاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اُسکی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں اور لوگ یوں کہنے لگیں۔

سرِ خدا کہ عارف و عابد بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ایک خط جناب مولوی عبید اللہ صاحب عبیدی کا اِسی قصۂ آدم کی نسبت میرے پاس آیا ہے۔اُسکی نقل آپ کے ملاحظہ کے لیئے اسمیں شامل ہے +

اب کسی فرصت کے وقت تیسرا خط آپ کو عیسائیوں کے گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھونگا اور اُمید ہے کہ آپ مثل ان دونوں خطوں کے اُسکو بھی منصفانہ اور محققانہ تصور فرماوینگے +

خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب گو کہ ہم رشک کیا کریں۔والسلام +

# عقاید مذہب اسلام

## عقیدۂ اوّل

تمام موجودات کا خالق یا اُن کے وجود کا سبب اخیر یا علت العلل کوئی ہے اور اُسی کا

نام ہے اللہ ؛

مذہب اسلام کا سب سے پہلا یہ عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا کوئی خالق ہے۔ یہ سب کچھ جو موجود ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں یا خیال کر سکتے ہیں ایک ایسے سلسلہ سے مربوط ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ سلسلہ کسی غیر وجود یا علت یا سبب پر منتہی ہو اور جس پر یہ منتہی ہو وہی خالق اور خدا اور رب العالمین ہے ؛

اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ جو موجود ہے خود آپ ہی اپنے وجود کی آخیر علت ہے۔ اگر موجودات میں سے ہر چیز اپنے وجود میں کسی دوسرے وجود کی محتاج نہ ہوتی یا کسی کا وجود کسی دوسرے وجود کا معلول نہ ہوتا تو شاید ہم ایسا یقین کر سکتے۔ مگر جبکہ ہر ایک چیز کو کسی علت کا معلول پاتے ہیں تو انہی چیزوں کے مجموعہ کو کس طرح کسی علت العلل کا معلول نہ سمجھیں ؛

تمام چیزیں جو بوجود حقیقی موجود ہیں نہ ممتنع ہیں نہ قابل عدم۔ اگر وہ ممتنع ہوتیں تو موجود کیوں ہوتیں اور اگر قابل عدم ہوتیں تو کبھی غیر موجود بھی ہوتیں ؛

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی موجود حقیقی کبھی معدوم نہیں ہوتا صرف عوارض یا صور کا تبدل ہوتا رہتا ہے۔ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہوا پانی بن جاتی ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو مٹی ہو جاتی ہیں اور پھر مٹی سے عجیب عجیب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ غرضکہ کوئی شے معدوم نہیں ہوتی صرف عوارض یا صورت کا ادل بدل ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا۔ وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاکرام ؛

بلاشبہ اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ تمام موجودات کے عوارض نوعیہ و شخصیہ کے معدوم ہونے کے بعد جو وجود ناقابل عدم باقی رہیگا وہ کیا ہے اور وہ ایک ہوگا یا کئی۔ مگر اس بات کے فیصل نہ ہونے سے خالق کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ناقابل عدم موجود کی حقیقت کو یا اسکی وحدت و کثرت کو خالق کے وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے ؛

اگر وہ متعدد ہوں تو البتہ یہ سوال کرنا پڑے گا کہ قبول عوارض کی قوت خود انہی میں ہے یا کسی دوسرے موجود سے ہے۔ خود انہی میں تو ہم اس لیئے نہیں مانتے کہ جب ہم تمام موجودات کو عوارض نوعیہ و شخصیہ دیکھتے ہیں تو ایک کو دوسرے کا معاون پاتے ہیں۔ پس ان موجودات کے عوارض نوعیہ

شخص کے معدوم تصور کرنے کے بعد جو متعدد وجود ناقابل عدم باقی رہینگے ضرور وہ بھی ایک دوسرے کے معاون ہوں گے ۔ مگر اُن کے ایسا ہونے کے لیئے بلا کسی علت مشترک کے کوئی وجہ نہیں ہے ۔ اب کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اُن میں اُس معاونت کی علت مشترک کوئی اَور وجود ہو اور اُسی وجود کو ہم کہتے ہیں اللہ ✦

اور اگر وہ واحد ہو تو یہ سوال ہوگا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی میں ہے یا کوئی دوسرا وجود اُسکی علت ہے ۔ اگر اُسی میں ہو تو اُسی کا نام اللہ ہے ۔ اور اگر دوسرا وجود اُسکی علت ہو تو اُسی علۃ العلل کا نام اللہ ہے ✦

کبرا اسلام کی رائے اس میں مختلف رہی ہے ۔ اکثر کہتے ہیں کہ اُسی وجود ناقابل عدم میں دونوں قوتیں فعل و انفعال کی یعنی جس کو قوت قبول عوارض کہتے ہیں موجود ہیں اور اسی سبب سے وہ لوگ وحدت وجود کے قایل ہیں اور یوں کہتے ہیں ۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

خود بر سر بازار خریدار بر آمد ۔ بشکست و رواں شد

اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود ہے اور اِس سبب سے وہ لوگ وحدت شہود کے قایل ہیں مگر اصل یہ ہے کہ ۔

آں برتر از خیال و قیاس گمان وہم

وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

بہر حال اِن دونوں مسئلوں میں کوئی سا مسئلہ صحیح ہو اس اسلامی مسئلہ میں کہ تمام موجودات کا کوئی خالق ہے کسی طرح کا تبدل نہیں آتا ✦

وحدت شہود کے مسئلہ کو لوگوں نے کفر جانا ہے ۔ وہ اِس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اُس وجود ناقابل عدم کو بھی جس میں اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود مانا ہے ازلی و ابدی ماننا پڑے گا جو ٹھیک شرک ہے یا اُن کا مذہب ہے جو خدا اور مادہ دو چیزوں کو ازلی و ابدی مانتے ہیں اور بعضے اُسی کو ظلمت اور نور سے تعبیر کرتے ہیں ۔ مگر یہ اُن لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ۔ مگر جب معلول کا وجود علت کے وجود کے سبب سے ہے تو شرک کہاں رہا ۔ علت ازلی و ابدی کا معلول بھی ازلی و ابدی ہے ۔ ہم تم بھی جبکہ علت ازلی و ابدی کے معلول ہیں تو ازلی و ابدی ہیں ۔ تم بھی ازلی و

وابدی ہو۔ ہم بھی ازلی وابدی ہیں۔

مخلوق شدیم وباخالق گشتیم
جائیکہ خدا بود من ہم بودیم

پس انہی موجودات کے وجود سے ہم خالق پر یقین کرتے ہیں ؀

اس پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو یقین نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے جس کا تجربہ نہیں ہوا اور خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے وہ مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو دونوں داخل ہیں۔ ہم نے اس خیال کا تجربہ نہیں کیا پھر اس کے مطابق واقع ہونے پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے ؀

یہ کہنا سچ ہے مگر ہمارے خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہوں۔ بلاشبہ اس قسم کے خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے مطابق واقع کے ہو یا نہ ہو داخل ہے۔ مگر ہمارے خیالات جو دوسری قسم کے ہیں جن کو نہ از خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ اُن کو کسی دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ ہوتے ہیں اور بالکل مطابق واقع کے بعد تجربہ کے ؀

جبکہ ہم سُنتے ہیں ایک آواز یا دیکھتے ہیں ایک دھواں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہاں ہے ایک آواز کرنے والا یا وہاں ہے ایک آگ۔ ہمارا ایسا خیال کرنا بھی ایک خیال ہے مگر اس قسم کا نہیں ہے جو از خود ہماری طبیعت میں آ گیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ نے ہم میں پیدا کیا ہو بلکہ ایک ایسا خیال ہے جسکو دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا ایسا خیال ہمیشہ ہوتا ہے ٹھیک اور بعد تجربہ کے بالکل مطابق واقع کے اگر ہمنے خود اُس چیز میں جس نے ہم میں ایسا خیال پیدا کیا ہے غلطی نہ کی ہو ؀

جبکہ ہم پاتے ہیں چند چیزوں کو ایک جگہ ترتیب سے رکھا ہوا یا خوبصورت بنا ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی رکھنے والا یا بنانے والا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں اس تمام موجودات کو ایسی عمدہ ترتیب سے رکھا ہوا اور ایسی حکمت سے بنا ہوا اور ایسی خوبصورتی سے ڈھلا ہوا تو یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ترتیب دینے والا اور بنانے والا ہے۔ جبکہ ہم ایک پتھر کو جو رستہ میں پڑا ہوا ہے دیکھکر یقین کرتے ہیں کہ اسکو کسی نے یہاں ڈالا ہے تو ہم کیونکر اس بات پر

یقین نہ کریں کہ اِن سب چیزوں کو بھی جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں کسی بڑے دانا کاریگر نے بنایا ہے اور اُسی کاریگر کو ہم کہتے ہیں خدا ۔

یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر ہوا ہے اُسکو ایسی چیزوں نے پیدا کیا ہے جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ جو حقائق محققہ ہیں اور ہمنے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقع کے پایا ہے اس لیئے ہم اس خیال پر بھی یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ کے بھی جب کبھی کہ ہو یہ ہمارا خیال بالکل مطابق واقع کے ہوگا اور اسی لیئے ہم اسکو خیال نہیں کہتے بلکہ یقین کہتے ہیں ۔

پس یہ تمام موجودات عام عقل انسانی کے لیئے بخوبی اس بات کی رہنما ہیں کہ اُن کا کوئی خالق ہے اور اس لیئے وجود خالق پر ایمان لانے کا ایسا مسئلہ ہے کہ عام عقل انسانی اُسکو بخوبی سمجھ لیتی ہے اور اسی سبب سے انسان اُس پر ایمان لانے کو مکلّف ہوا ہے ۔ اگر یہ مسئلہ عقل انسانی کے اُلٹنے کے یا یوں کہو کہ انسان کی سمجھ کے لائق نہ ہوتا تو انسان ہرگز اس مسئلہ پر ایمان لانے کو مکلف نہ کیا جاتا ۔ کما قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا ۔

بانیٔ اسلام کا یہ منشا نہیں ہے کہ وجود صانع کا مسئلہ انسان بغیر سمجھے مان لیں یا اس وجہ سے اُسکو تسلیم کرلیں کہ پیغمبروں نے فرمایا ہے ۔ بلکہ بانیٔ اسلام صاف صاف انہی موجودات کی دلیلوں سے اور نیچر یعنی قدرت اور فطرت کے عجائبات کو بتلا بتلا کر اور دکھلا دکھلا کر وجود صانع پر ایمان لانے کو کہتا ہے ۔

کس پیاری اور سچی زبان سے فرمایا ہے کہ "اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا ۔ پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیلے ہوئے" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیئے تم ہی سا جوڑا پیدا کیا تاکہ اُس سے دل کو قرار ہے اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی لگاوٹ تم میں رکھی سمجھنے والوں کے لیئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں ہے آسمان و زمین کا پیدا کرنا تمہاری بولیوں کا تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا اسی بات میں تمام دنیا کے لوگوں کے لیئے نشانیاں ہیں" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے رات کو تمہارا سو رہنا اور دن کو روٹی کے دھندے میں لگنا" ۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے بجلی بھی ہے جس میں کڑک کا خوف اور مینھ کی طمع ہے کہ

پانی برسنے سے مری ہوئی زمین زندہ ہوجاتی ہے"۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے تھمے ہوئے ہیں"۔

"اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ سیلی ہوا مینہ آنے کی خوشخبری دیتی ہے"۔

"وُہی اللہ ہے جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ پھر تمام آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔ پھر اُن کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں"۔

"آسمان سے اندازہ کے موافق مینہ برساتا ہے۔ پھر اُسکو زمین میں ٹھہراتا ہے۔ پھر اُسکے سبب تمہارے لیئے باغوں میں بہت سے میوے اور کھجوریں اور انگور پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے ہو پہاڑ میں سے درخت اُگاتا ہے جس میں سے تیل نکلتا ہے"۔

"تمہارے لیئے تو جانوروں میں بھی بڑی نصیحت ہے۔ اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُسکو پیتے ہو اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو۔ بعضے جانور تمہارے کھانے میں آتے ہیں۔ جانو بھی تمکو اُٹھائے پھرتے ہیں اور کشتیاں بھی تمکو اُٹھا کر لیجاتی ہیں"۔

"زمین پر کس حکمت سے پہاڑ بنائے ہیں تاکہ وہ تلی رہے پھر اُن میں گھاٹیاں بنائی ہیں تاکہ رستہ چلنے میں ہرج نہو"۔

"اُسی نے بنائی ہے رات اور دن۔ سورج اور چاند جو اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں"۔

"تم اُونٹ ہی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب طور سے بنایا ہے اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح پر گاڑا ہے اور زمین کو کس طرح پر بچھایا ہے"۔

غرضکہ اسی طرح جابجا قرآن مجید میں بانی اسلام نے صانع کے وجود پر ایمان لانے کو تمام موجودات سے جس کو ہم دیکھتے ہیں استدلال کیا ہے اور کسی جگہ یہ بات نہیں فرمائی کہ تم بے سمجھے خدا پر ایمان لے آؤ۔

ایک جگہ فرماتا ہے کہ "اگر کافروں سے بھی یہ بات پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے بنایا اور چاند و سورج کو کس نے تابعدار کیا تو کہینگے اللہ نے"۔

"اور اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان پر سے مینہ برسایا جس سے مری ہوئی زمین کو پھر زندہ کیا تو کہینگے اللہ نے"۔

پس مذہب اسلام کا کیا سچا مسئلہ ہے کہ تمام انسانوں کو جنگلی ہوں یا پہاڑی شہری ہوں یا دیہاتی تربیت یافتہ ہوں یا ناتربیت یافتہ کسی نبی کی اُن کو خبر پہونچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ کوئی مذہب اُن کو دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تمام موجودات کا کوئی صانع ہے اور وُہی ہے اللہ جل شانہٗ وجل جلالہٗ ؛

## عقیدۂ دوم

وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اُس کے دوسری ہستی نہیں ؛

تمام موجودات پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو بادی النظر میں ہمکو عجیب مختلف قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسری سے کچھ تعلق نہیں۔ مگر جب بہ تعمق نظر ڈالتے ہیں اور بخوبی سوچتے ہیں اور حقایق قدرت پر بقدر طاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہیں تب سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات آپس میں نہایت مناسبت رکھتی ہے اور سب کی سب ایک راہ پر چلتی ہے ایک دوسری سے ایسی مناسبت ہے کہ اگر ایک چیز بھی موجودات میں سے معدوم ہو جاوے تو اس گورکھ دھندے میں اُتنا ہی نقصان آجاوے ؛

تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گھڑی یا کل کے مختلف پُرزے آپس میں مناسبت رکھتے ہیں اور اس سے ہمکو اس بات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہ گورکھ دھندا ایک ہی دانا حکیم کا نکالا ہوا اور ایک ہی کاریگر کا بنایا ہوا ہے۔ اور عام عقل انسانی اس دلیل سے خدا کی وحدانیت پر اقرار کرسکتی ہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی ایمان لانا اُسی طرح ہر ایک انسان پر فرض ہے جس طرح کہ وجود خالق کے مسئلہ پر ایمان لانا فرض تھا ؛

لاشبہ یہ مسئلہ بہ نسبت پہلے مسئلہ کے کسی قدر زیادہ باریک ہے۔ جو لوگ کہ نیچرل فلاسفی یعنی علم طبیعیات سے زیادہ واقف ہیں اور جنہوں نے موجودات عالم میں سے بہت سی چیزوں کی بناوٹ اور پیدایش اور پھر اُن کے انقلاب کا بقدر طاقت بشری علم حاصل کیا ہے اُن کا یقین اس مسئلہ پر سب سے زیادہ پختہ اور مستحکم ہے۔ اور اُن سے کم درجہ کے لوگوں کو خود کسی قدر غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے اور اُس سے ادنیٰ درجہ کے لوگ دوسرے کی تنبیہ سے متنبہ ہونے اور کسی سے اُس کا بیان سُننے کے محتاج ہوتے ہیں مگر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ عام عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہو

تحقیقات کامل سے خواہ خود سوچنے سے یا کسی کے سمجھانے سے انسان اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایمان لانا بموجب مذہب اسلام کے تمام انسانوں پر فرض ہے بانی اسلام نے بھی اس مسئلہ کو کارخانہ قدرت کی دلیل سے سمجھایا ہے اور کسی جگہ بغیر سمجھے ایمان لانے کو نہیں فرمایا ؛

ایک جگہ فرمایا ہے "وہ اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہے اور جو اُس کا ہے (یا اُسکے پاس ہے) اُسکی اطاعت سے نہ منحرف ہوتا ہے اور نہ تھکتا ہے۔ رات دن اُسی کی بزرگی یاد کرتا ہے اور ذرا بھی سستی نہیں کرتا۔ کیا اُنھوں نے زمین کی چیزوں میں سے کسی کو خدا ٹھہرایا ہے۔ اگر آسمان و زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا" ؛

ایک اَور مقام پر بانی اسلام نے اس سے بھی زیادہ فصیح و مؤثر زبان سے نیچر سے خدا کی وحدانیت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ "کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور کس نے برسایا تمہارے لیئے مینہ۔ پھر اُس سے نہایت پُر رونق باغ اُگائے۔ تمکو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے" ؛

"کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُسکے بیچ میں نہریں بہائیں اور کس نے اُس پر پہاڑ گاڑے اور کس نے دو سمندروں کے بیچ میں زمین کا پردہ پیدا کیا۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے" ؛

"کون تمکو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے۔ کون مینہ برسنے سے پہلے اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے اگر تم سچے ہو تو اُسکی دلیل لاؤ" ؛

پس دیکھو کہ کس طرح بانی اسلام نے توحید کا مسئلہ صرف کارخانہ قدرت کی حکمت اور اُسکی مناسبت سمجھا کر انسانوں کو سمجھایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ خواہ نخواہ بے سمجھے خدا کو ایک مان لو اور جبکہ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہر ایک انسان اُسکو سمجھ سکتا تھا اس لیئے بانی اسلام نے تمام انسانوں کو اس مسئلہ پر ایمان لانیکا مکلف کیا اور کہدیا کہ تعالی اللہ عما یشرکون ؛

ہاں بیشک ایک شبہ اسپر وارد ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ خیال مٹ نہیں سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ قدرت کے کوئی اَور کارخانہ قدرت ہو جسکو اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور اُس کارخانہ قدرت کا ایسا ہی کوئی اور صانع ہو اور

علت العلل اور موجود بالذات ازلی وابدی ہو جیسا کہ اس کارخانہ قدرت کا ہے تو پھر توحید خدا کی
کس طرح پر ثابت ہوگی ۔

ہم اس شبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک خیالی شبہ ہے جو رفع نہیں ہو سکتا
مگر اسلام اور ایمان کی بنیاد خیال پر نہیں ہے۔ فلسفیہ اور عقلیہ مباحث کو جو حالت فرضیہ غیر وجود
سے ہوتی ہیں یقین سے اور ایمان سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مولانا روم نے اُسکے حق میں
نہایت خوب فرمایا ہے ۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقین کے لیئے ضرور ہے کہ معترض اوّل اس بات کا یقین دلائے کہ درحقیقت ایسا ہی دوسرا
کارخانہ قدرت موجود ہے اور اُس وقت کہے کہ خدا کی توحید ثابت نہیں مگر وہمی و فرضی باتوں سے
خدا کے متعدد ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مذہب اسلام کی رُو سے انسان کو صرف اسی بات
کا یقین کہ تمام چیزوں کا جن کو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جو وجود پذیر ہیں اُن سب کا خدا ایک
ہی ہے کافی اور وافی ہے اور اسیقدر پر انسان مکلف ہے۔ امنا به والحمد لله علی ذالك ۔

## عقیدہ سوم

## متعلق بہ صفات باری جل جلالہ

وہ ہستی جسکو ہم خدا یا علۃ العلل کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ نہ چھونے میں اور نہ خیال
میں۔ تو ہم بجز اتنی بات جاننے کے کہ ہے اور کچھ حقیقت اُسکی ذات کی نہیں جان سکتے۔ خدا بھی
تو اپنی ذات کی حقیقت ہمکو نہیں بتا سکا۔ موسیٰ نے پوچھا کہ فرعون کے پاس تیرا پیغام لیکر جاؤں
تو کیا بتاؤں کہ تو کون ہے تو یہی جواب ملا کہ "میں وہی ہوں جو ہوں" پس جبکہ ہم ایک ذات
کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اُسکی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے بلکہ درحقیقت اُسکو کسی صفت
کا محل نہیں قرار دے سکتے ۔

تمام صفات جن کو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب مخلوقات ہیں جو ہمنے بلحاظ اُن چیزوں کی
جن کو ہم دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں یا سونگھتے ہیں یا سُنتے ہیں یا سمجھتے ہیں اختراع کیئے ہیں مگر جب

وہ ہستی باری ان سب جسموں سے اوپر ہے تو ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں بھی ہیں یا وہ اُن صفات کا محل بھی ہو سکتی ہے اس لیئے تمام صفات جو خدا کی طرف نسبت کیجاتی ہیں اُن کو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ صفات تو اُس میں ہیں مگر ویسی نہیں ہیں جیسیکہ ہم جانتے ہیں یعنی جو حقیقت اُن صفات کی ہمنے موجودات عالم سے اخذ کر کر سمجھی ہے وہ حقیقت اُن صفات کی نہیں ہے جو اُس میں ہیں اور یہ کہنا ہمارا صاف صاف یہی کہنا ہے کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۔

خدا کو ہات پاؤں والا ۔ موںھہ والا ۔ بولتا ۔ چلتا پھرتا ۔ سنتا دیکھتا ۔ کرتا کراتا ۔ جیتا جاگتا ۔ خوش ہونیوالا ۔ خفا ہونیوالا سب کچھہ کہتے ہیں ۔ مگر اُس کے ساتھہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سے ہاتھہ پاؤں ۔ ہمارا سا موںھہ ۔ ہمارا سا بولنا ہمارا سا چلنا پھرنا ۔ ہمارا سا سننا دیکھنا ۔ ہمارا سا کرنا کرانا ہمارا سا جینا جاگنا ۔ ہمارا سا خوش اور خفا ہونا نہیں ہے ۔ مگر جب پوچھو کہ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر کیسا ہے تو جواب یہی ہوگا کہ ہم نہیں جانتے ۔ بات کا تو بہت اُلٹ پھیر ہوا مگر نتیجہ یہی نکلا کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۔

صفات باری کا اُسکی نسبت یقین کرنا اس یقین سے نہیں ہے کہ درحقیقت وہ صفتیں جس طرح پر ہم اُن کو جانتے ہیں اُس میں ہیں یا وہ اُن کا محل ہے بلکہ وہ یقین اس وجہ سے ہے کہ ایسی ذات کو جو علت العلل ہے اِن صفات کے مشابہ صفتوں کا موصوف یا ان صفات کی مانند قدرتوں پر قادر ہونا لازم ہے کیونکہ بغیر اُن کے وہ علت علت العلل نہیں ہو سکتی جس کا علت العلل ہونا تسلیم کیا تھا ۔

زندگی اور موت دو صفتیں ہیں جن کے مفہوم کو ہمنے جاندار چیزوں کے حالات سے اخذ کیا ہے پس کیونکر ہم یقین کر سکتے ہیں کہ اُس زندگی یا موت کا جسکو ہم جانتے ہیں خدا محل ہو سکتا ہے باوجودیکہ ہم اُسکو حَیٌّ لَایَمُوْتُ کہتے ہیں ۔ دہریوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اُن لفظوں کو جو صفات باری کی نسبت بولے گئے ہیں اُنہی مفہومات کا دال سمجھ لیا جو اُنہوں نے موجودات کے حالات سے اخذ کیئے تھے اور پھر اُن صفات کے منکر ہو کر کہنے لگے کہ ہم کیونکر یقین کریں کہ صفت قدرت کی یا رحم کی اُس میں ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کب یقین کرتے ہیں اور ہم کب اُن صفتوں کا جن کو ہم جانتے ہیں اُسکو محل قرار دیتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جن صفتوں کو ہم جانتے ہیں ویسی ہی کچھہ اُس علت العلل کی ذات کو لازم ہیں اور اسی لیئے اُس کے لوازم ذاتی

ہونے پر یقین ہے اور جو کہ ذات اور لوازم ذات عین ذات ہوتے ہیں اس لیئے ہم اُسکی صفات کو عین ذات اور اُسکی ذات کو عین صفات قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر یہ ترانہ گاتے ہیں کہ "انا صفۃ من صفات اللہ وصفاتہ عینہ فانا عینہ" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ "لیس فی جبتی سوا اللہ" اور جب اَور زیادہ کھول کر کہنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ "انا احمد بلا میم"۔

عشق گر مردِ راست مردی بر سرِ کار آورد
ورنہ چون موسیٰ بسے آورد و لبسیار آورد
گر ہمی خواہد کہ وصفِ ذاتِ خود ثابت کند
یک انا الحق گوئی و دیگر بر سرِ دار آورد
یوسفِ یعقوب را بُردن بہ بازارش چہ سود
مرد عشقے ہمچو احمد را بہ بازار آورد

غرض کہ ہم تمام صفات کو یا بطور ایجاب یا بطور سلب ذات باری کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اُس میں اُن صفات کے ہونے اور نہ ہونے کا بھی یقین کرتے ہیں مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ اُن کا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہمکو اُن مفہومات کے من حیث الاطلاق لوازم ذاتی علۃ العلل کے ہونے کا یقین کلی ہے۔ با اینہمہ جس طرح ہم اُسکی ذات کی حقیقت کو نہیں جانتے اسی طرح اُسکی صفات کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے ؞

بانی اسلام نے بھی اُن کی حقیقت کا جاننا ہمارے ایمان کا جزو نہیں قرار دیا بلکہ خود اُس نے اُن کی حقیقت کو کچھ نہیں بتلایا۔ غفور۔ رحیم۔ قادر۔ حی۔ لایموت بتایا اور اس بتانے سے اُسکی ذات کا اُن کا محل ہونا لازم نہ آیا تو ایسا خیال کرنا خود ہماری غلطی ہے ؞

خدا کے ساتھ جن صفتوں کو ہم بتاتے ہیں گو اُن کے مفہومات تو موجودات کے حالات سے اخذ کیئے ہوئے ہیں مگر خدا کی طرف من حیث الاطلاق نسبت کرتے ہیں بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہیں تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہجاوے اور اسی لیئے جب کسی صفت کو کہتے ہیں کہ ہے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی نہیں ہے ؞

یہ ایک بحث عام صفات باری کی نسبت تھی اور آئندہ ہم وقتاً فوقتاً ہر ایک صفت کی نسبت خاص خاص بحث کرینگے۔ واللہ ولی التوفیق ؞

---

# خط

## از طرف سید احمد

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر مرزاپور

## نسبت طیور منخنقہ اہل کتاب

میرے عزیز مہدی میں نے اپنا وعدہ پورا کرنے میں یعنی عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت توقف کیا - آپ مجھے معاف کریں - اب میں اس معاملہ میں آپکو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں ؂

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ منصفانہ کو جو رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور امداد الاحتساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ مزیل الاوہام کو جسے میرے قدیم شفیق مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھا - ان تمام تحریروں میں جو باتیں اوپر اوپر کی ادہاد ہر ادہر کی ہلم ڈولم تحریر ہوئی ہیں اُن کی نسبت لکھنا آپ بھی غیر ضروری سمجھتے ہوں گے اور جو اصل بات اس مسئلہ میں ہے اُسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہونگے - اس لیئے میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قدح کرنے والے کے نہیں لکھتا بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں ؂

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقی حسن معاشرت کا مارج ہو - اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی نہ کھاوے اور اُسکو حرام سمجھے چشم ما روشن دوسری رکابی کا کھانا نوش فرماوے ہم بھی اُسکو محتاط کہینگے اور اُس کے فعل کو اولیٰ سمجھیں گے - انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں ہے کہ جو چیز سامنے آوے خواہ نخواہ اُسکو کھا ہی لے پس ایسی حالت میں اِس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے مگر چونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوص قرآنی کے برخلاف کیا اور کہا اِس لیئے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ

پرند منخنقہ کی حرمت بموجب آیت مستدلہ کے منصوص قرآنی ہے یا نہیں کافی اور وافی ہوگا ❖

میری تحقیق یہ ہے کہ پرند منخنقہ کی حرمت باستدلال آیتہ مستدلہ منصوص قرآنی نہیں ہے وہ آیت جسمیں منخنقہ کا ذکر ہے یہ ہے حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق - اب غور کرو کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں المنخنقۃ - الموقوذۃ - المتردیۃ - النطیحۃ - ان چاروں میں حرف تاء فوقانی موجود ہے اور ہمکو بموجب محاورہ زبان عربیہ کے اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ تے کس قسم کی ہے اور جو کہ کسی دوسری آیت قرآن مجید سے قسم تے کا تعین جو کلمہ منخنقہ میں ہے نہیں پایا اسلیئے ہمکو اپنے اجتہاد سے اس کا تعین کرنا پڑتا ہے پس جب ہم اس تے کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی جانور کی حرمت کا مسئلہ اس سے نکالیں اسکی حرمت منصوص نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تے اس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہو ❖

مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تاء تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے بھی قرار دیا ہے - پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ یہ چاروں لفظ صفت ہوں کسی موصوف محذوف مونث کے ❖

اب ہمکو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف مونث محذوف کون ہے جسکو ہم قرار دیں - بہرحال جس کو قرار دیں اسکی حرمت البتہ اس آیت سے نکلیگی مگر اس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ منصوصی کیونکہ ہمنے دو باتوں کو یعنی قسم تے کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قایم کیا ہے - امام فخر الاسلام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مونث محذوف (شاۃ) ہے کہ وہی اکثر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند و پرند کی حرمت کا اسپر قیاس کیا جاتا ہے - قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے - اس حالت میں اس مرغی کی حرمت دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر منصوص العلت سے قرار پاویگی نہ نص قطعی سے ❖

مگر امام صاحب نے ناحق شاۃ کو موصوف مونث محذوف مانا ہے - ہم ان کو اس سے بھی عمدہ موصوف مونث بتاتے ہیں جس میں تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت آجاتی ہے اور بکری کی حرمت پر باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور وہ موصوف مونث محذوف نفس ہے - پس تقدیر کلام یہ ہوگی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقۃ الخ اور اس میں تمام منخنقہ جانوروں

کی حرمت یہاں تک کہ مچھلی اور ٹڈی کی بھی داخل ہو جاوے گی اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تو بھی
مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی نہ نص قطعی سے +

اب ہم اس تے کو تاء تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تاء نقل وتحویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب
تفسیر بیضاوی نے قرار دیا ہے اور چونکہ یہ تے صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لیئے کسی موصوف
مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جس پر اطلاق منخنقہ اور متردیہ وغیرہ کا ہوگا اُسکی
حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی مگر اُسکی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تاء نقل
قرار دینے سے ہوگا نہ نص صریح قطعی سے ۔ فتدبر +

اب میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تاء تانیث ہے اور موصوف مؤنث
محذوف بہیمہ ہے یعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم
البھیمۃ المنخنقۃ والبھیمۃ الموقوذۃ والبھیمۃ المتردیۃ والبھیمۃ النطیحۃ
پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں +

خود قرآن مجید سے بوجوہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے
اوّل یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا " احلت علیکم بھیمۃ
الانعام الا ما یتلی علیکم " یعنی حلال ہوئے تمہارے لیئے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے
بتاوینگے پس اسکے بعد جو حرام جانور باشارہ صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے
اُسی استثنا کی تفصیل ہیں جن کی نسبت فرمایا تھا الا ما یتلی علیکم نہ اَور کسی کی اور موصوف
مؤنث محذوف بھی وہی بہیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ احلت علیکم بھیمۃ الانعام
پس اگر انصاف سے بغیر تعصب اور بغیر اُن خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں
دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے نہ امام رازی صاحب کی
بکری اور نہ ہماری تمہاری لکڑی ۔ اب کون شخص ہے جو اپنی دلی سچائی سے اس بات پر کہ اِس
آیت میں پرند داخل ہیں دلی یقین کرتا ہوگا گو تقلیداً خواہ تعصباً اُسکو مونھ سے نہ نکالے +

دوسرے یہ کہ منجملہ صفات چہارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفتوں متردی
یعنی اوپر سے گر کر مر جانے اور نطیح یعنی لڑنے میں سینگ کی چوٹ سے مر جانے کی صفت
سوائے بہیمہ یعنی چرند کے پرند میں متحقق ہی نہیں ہو سکتی ۔ باقی رہا ۔ وقذ یعنی لکڑی سے یا ٹھ سے
یا اَور کسی چیز سے مار ڈالنا ۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانہ کی تاریخ سے

اور جنگلی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پر شکار ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر ٹھوکیں مار ڈالتے تھے نہ پرند کا۔ پس یہ صفت بھی درحقیقت مختص بہایم سے ہے نہ پرند سے۔ اب بحث طلب رہا خنق یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروج تھا جس کی حرمت میں یہ آیت نازل ہوئی پس نہایت افسوس ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکام الٰہی کے منشا اور مراد کو نہ سمجھے +

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ واعلم ان المنخنقة علی وجوہ منہا ان اہل الجاہلیة کانوا یخنقون الشاة فاذا ماتت اکلوہا ومنہا ما یخنق بحبل الصائد ومنہا ما یدخل راسہا بین عودین فی شجرة فتختنق فتموت الخ پس اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام اس آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں نہ پرند کی اس لیئے اس آیت سے طیور منخنق کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو +

اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اُس استثنا کی تفصیل ہے جس کا ذکر الا ما یتلیٰ علیکم میں ہے تو یہ آیت من اولہا الیٰ اخرہا بہیمة الانعام ہی سے متعلق ہوگی پھر کلمہ میتة۔ و دم۔ وما اہل لغیر اللہ۔ وما اکل السبع۔ وما ذبح علی النصب سے کیوں حرمت چرند و پرند کی لیجاتی ہے چاہیئے کہ وہ بھی مخصوص بہ بہیمة الانعام رہیں +

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لیئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص ہو اسی لیئے بسبب اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخنقة و موقوذة۔ و متردیة و نطیحة کے کہ بسبب صفت ہونے ایک موصوف محذوف کے نہ اُن کا مفہوم عام ہے اور نہ محل عام ہے اس لیئے وہ سوائے جنس مستثنیٰ منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتی اور ایسے طیور منخنقہ اہل کتاب کو آیہ کریمہ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم نے ہمارے لیئے حلال کر دیا ہے +

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ کچھ اس باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور جو غلط فہمیاں میری تحریر کی نسبت کی ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہوا ہے اور جو غلط استدلال توریت مقدس سے اس معاملہ میں لوگوں نے کیا ہے اُس سب کو بالتفصیل لکھتا مگر جیسا کہ

میں نے ابھی التماس کیا صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیت مذکورہ حرمت طیور منخنقہ کو شامل نہیں ہے پس اُسکو منصوص کہنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر منصوص العلت ہونا ممکن ہے فمن یشاء یسلمہ ومن یشاء کا یسلمہ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ اُن کے رُہبان اور قسیس قبل نزول قرآن مجید سے سمجھتے آتے تھے طیور منخنقہ حرام نہیں ہیں اور اُسکے دلائل عیسائی مذہب کی کتب دینیہ میں مندرج ہیں پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باستدلال وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ہمارے لیئے حلال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیئے میرا یہ اجتہاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اُسکو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اَور کہنی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹولو کہیں یہ تمہارا اختلاف میرے ساتھ اُسی تقلید کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اب میں اس نیاز نامہ کو ختم کرتا ہوں اور اگر کبھی دل میں آیا تو ابو داؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھوں گا۔ والسلام +

## جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنی

ایک شخص نے انگریزی بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک نیک شخص نے اُسکو نہایت بُرا جانا اور کہا کہ مجھے خوف کے مارے پسینا آگیا پس ہم کہتے ہیں کہ یہی باتیں اوہام مذہبی ہیں اور وسواس میں داخل ہیں۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنی سنت ہے اور اُسپر نجس ہونے کا گمان کرنا وسواس میں داخل ہے۔ صرف اتنا دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی نجاست ظاہری اُس میں لگی ہوئی نہ ہو اور اگر ہو تو اُسکو سخت چیز سے یا زمین سے رگڑ ڈالے اور پہن کر نماز پڑھ لے۔ انگریزی جوتہ بہ نسبت ہندوستانی جوتے کے یا عرب کی نعلین کے بہت زیادہ صاف رہتا ہے اس لیئے کہ اُن جوتوں کا تمام تلا زمین پر لگتا ہے اور انگریزی بوٹ کی ایڑی بہت اونچی ہوتی ہے اور اس سبب سے بہت کم زمین میں لگتا ہے +

اس امر کی نسبت شیخ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر عرف ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطان میں بہت بڑی بحث کی ہے اور اس کتاب کی تلخیص ہشام بن یحییٰ شامی نے کی ہے اور اُس کا نام تعبید الشیطان بہ تقریب اغاثۃ اللھفان رکھا ہے۔ اُس میں بھی وہ تمام بحث نقل کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اُس کا ترجمہ مولوی محمد احسن صاحب نے

جو اس زمانہ کے مولویان نامی میں سے ہیں اُردو زبان میں کیا ہے اور تہذیب الایمان اُس کا نام رکھا ہے اور ۱۲۹۵ھ ہجری میں مطبع صدیقی بریلی چھاپہ ہوا ہے چنانچہ ہم اُس مقام کو بجنسہ اس جگہ نقل کرتے ہیں ✦

اُنھوں نے اپنی کتاب میں بہت وسواسوں کا جو انسان کو مذہبی باتوں میں ہوتے ہیں ذکر کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ موزہ اور جوتے کے نیچے جب نجاست لگ جاتی ہے تو اُسکو زمین سے رگڑنا مطلقاً کافی ہے اور اُسکو پہن کر حدیث صحیح کی رُو سے نماز درست ہے امام احمد نے اسکی تصریح کی ہے اور اُن کے محقق یاروں نے اُسکو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو البرکات کہتے ہیں کہ روایت مطلق رگڑ ڈالنے کی میرے نزدیک صحیح ہے اس لیئے کہ حضرت ابو ہریرہ رض آنحضرت صلعم سے راوی ہیں کہ آپنے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہن کر ناپاکی پر کو چلے۔ تو مٹی اُسکے واسطے پاک کرنیوالی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنے موزوں سے ناپاکی کو پامال کرے تو موزوں کو پاک کرنیوالی مٹی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابو داؤد نے بیان کیا ہے۔ اور ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی۔ پس اپنی جوتیاں نکالیں۔ لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں اُتار دیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تمنے کیوں اُتاریں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمنے آپکو دیکھا کہ جوتیاں اُتاریں۔ ہم نے بھی اُتاریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ نے آکر خبر دی کہ ان میں ناپاکی ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی مسجد میں آوے تو چاہیئے کہ اپنی جوتیوں کو اُلٹ کر دیکھے۔ اگر اُن میں کچھ خبث یعنی ناپاکی ہو تو اُسکو زمین سے رگڑ دے پھر اُن سے نماز پڑھ لے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اُسکے معنی جو یہ کہتے ہیں کہ ناپاکی سے غرض مکروہ چیزیں ہیں مثل زینت وغیرہ پاک اشیاء کے تو یہ تاویل کئی وجہ سے درست نہیں اوّل تو یہ کہ اس طرح کی چیزیں خبث نہیں کہلاتیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے وقت ان اشیاء کے پہونچنے کا حکم نہیں کیونکہ ان سے نماز نہیں جاتی تیسرے یہ کہ اُن کے لیئے نماز میں جوتیاں نہیں اُتارنی چاہئیں اس لیئے کہ یہ کام بے ضرورت ہے ادنیٰ بات ہے کہ مکروہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ روایت دارقطنی کی ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے یہ فرمایا کہ جبرئیلؑ نے میرے پاس آکر خبر دی کہ اُن میں خون حلمہ کا ہے جو بڑی قسم کی کلنی ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ جوتی ایسی جگہ ہے کہ اکثر نجاست اُسکو بہت دفعہ پہونچتی ہے تو رفع حرج کے لیئے سخت چیز سے اُس کا مل ڈالنا کافی ہوا ✦

بعد اس کے اُنھوں نے یہ بات لکھی ہے کہ "جوتیاں پہن کر نماز پڑھنے سے وسواسیوں کا دل خوش نہیں ہوتا حالانکہ یہ سنت رسول خدا صلعم اور اُن کے اصحاب کی ہے فعل و حکم دونوں کے اعتبار سے۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلعم اپنی جوتیوں سے نماز پڑھتے تھے اور شداد ابن اوس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یہودیوں کے خلاف کرو کہ وہ اپنے موزوں اور جوتوں سے نماز نہیں پڑھتے روایت کیا ہے اسکو ابوداؤد نے"۔

اس تمام تحقیقات سے جو ابن قیمؒ نے کی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جوتی پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنا ایک عام عادت تھی۔ مگر اس زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان میں مُسلمانوں نے اس بات کو اپنی غلطی سے معیوب سمجھا ہے۔

## مسئلہ جبر و اختیار

### خط بنام سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی

خاں صاحب بہادر خیر خواہ مُسلمانان۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق رفیق اسکی ہمیشہ عطا کرے۔

سید محمد حسن نایب تحصیلدار صدر تحصیل الہ آباد بعد اشتیاق و ادائے رسم سنت نبی علیہ السلام عرض پیرا ہوتا ہے کہ اس عریضہ کے ساتھ ایک پرچہ جو عدم ثبوت نبوت اور کتاب خدا پر ہے آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ درد دل کے ساتھ جو عام مسلمانان کی طرف سے آپ کے دل میں ہے جواب لکھکر مجھے عنایت فرماویں۔ مگر واضح رہے کہ معترض صرف وحدانیت باری تعالیٰ اور اُس کے قادر مطلق ہونے کا قائل ہے جو کچھ اس کے جواب میں بحث کیجاوے گی من حیث العقل یا نقل کتب تواریخ البر سے ہو۔ چونکہ آپ سے بہتر میری دانست میں کوئی جواب اسکا معقول اور مُسکت نہیں دے سکتا لہذا بھیجتا ہوں۔ معروضہ ۱۱ ذیحجہ ۱۲۹۵ ہجری مطابق ۱۰۔ فروری ۱۸۷۸ء مقام صدر تحصیل الہ آباد۔

### سوال

مجھکو بڑا اعتراض نبوت پر یہ ہے کہ خُدا نے نبی و پیغمبر کیوں پیدا کیے اس کے جواب میں اہل مذہب

بہت کچھ طول طویل بیان کرینگے مگر شاید اُس طوالت کا نتیجہ یہ نکالینگے کہ نبی صرف اس کام کے واسطے پیدا کیئے گئے ہیں کہ مخلوقات پر خدا کی وحدت ظاہر کریں اور اُسکی عبادت پر آمادہ کریں اور نیک و بد کی تمیز بتلاویں کیونکہ وہ نبی جو ہدایت کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے دوزخ و بہشت بھی پیدا کیئے ہیں۔ جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں سوائے اُس کے دوسرے کو اپنا خالق نہیں جانتے اور اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت کرتے ہیں وہ بہشت میں جاوینگے اور جو اُس کے خلاف کرتے ہیں بہشت میں نہ جاوینگے *

پس ضرور ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ بعد مرنے کے اپنے افعال کی سزا یا جزا پاوے تو یہ امر ضرور ہے کہ اُس نے انسان کو فعل مختار پیدا کیا ہوگا مگر مسلمانوں کے کلام اللہ سے تو انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلام اللہ میں شروع آیت سے سورہ بقرہ میں لکھا ہے "۔ ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ ختم اللہ علیٰ قلوبہم و علیٰ سمعہم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ و لہم عذاب عظیم" (سورہ بقرہ) یعنی وے لوگ جو کافر ہیں اُن کے لیئے برابر ہے تو نصیحت دے یا نہ دے وہ ایمان نہ لاوینگے خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ من یھدی اللہ فھو المھتدی ومن یضلل فاولئک ھم الخسرون + ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس (سورہ اعراف) یعنی جسے خدا ہدایت کرتا ہے راہ پاویگا اور جنہیں خدا گمراہ کرتا ہے وہ لوگ ہلاک ہونگے تحقیق کہ ہم نے بہتوں کو جنوں اور انسانوں میں سے جہنم کے لیئے پیدا کیا ہے" + اب کئی وجوہات سے انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ خدا نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مُہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وعدہ کر چکا کہ وہ بڑے عذاب میں پڑینگے۔ دویم یہ کہ اُس نے بخصوص بہت آدمی جن و انس میں سے دوزخ کے لیئے پیدا کیئے ہیں تو اُن کے سوائے جو باقی رہے وہ جنتی ہیں اب نبی کیوں پیدا ہوئے جو خوف بعد مردن تھا وہ طے ہوگیا کہ جن کو خدا نے دوزخ کے لیئے بنایا ہے وہ دوزخ میں جاویں گے جن کو بہشت کے لیئے وہ بہشت میں اب نبی کیا ہدایت کرینگے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا نے ایک شخص کو دوزخ کے لیئے پیدا کیا ہے اب نبی اُس پر کیا ہدایت کریگا وہ نبی کی ہدایت سے بہشت میں تو جانے سے رہا اگر بہشت میں جاویگا تو پھر خدا کا وعدہ جھوٹا ہوا جاتا ہے اور اگر صرف جنتی آدمیوں کے لیئے نبی پیدا ہوئے ہیں تو اُن کو نبی کیا ہدایت کرینگے۔ وہ تو قطعی جنت کے واسطے

پیدا ہوئے ہیں جو فعل چاہیں سو کریں اگر وہ کوئی فعل بد کرتے - ہیں اس سبب سے وہ جنت کے لایق نہیں ہے - دوزخ کی ان کے لیئے ضرورت ہوئی اور کس اُمید پر اپنے نبی کی اطاعت کرینگے کیونکہ اگر اطاعت کرینگے تو بہشت میں جاوینگے - نکرینگے تو دوزخ میں جاوینگے خدا نے تو ہمکو اسی واسطے پہلے ہی سے پیدا کیا ہے - تیسرے یہ کہ جب وہ بہشت و دوزخ کے واسطے مخصوص آدمی پیدا کر چکا تو پھر نبی کو یہ حکم کیوں دیا کہ جو ایمان نہ لاوے اُسکو قتل کرو اور گھر بار لوٹ لو - اس سے خدا کا ظلم ثابت ہوتا ہے اور جب نبی کو حکم قتل کافران دیا گیا تو پھر نبی نے چار چار پانچ پانچ ہزار جزیہ معین کر کے کافروں کو کیوں چھوڑا اگر بحکم خدا یہ جزیہ لیکر کافروں کو چھوڑا تو خدا لالچی ٹھہرا روپیہ کے مقابلہ میں ایمان کو کچھ نہ سمجھا اور اگر نبی نے اپنی رائے سے یہ حکم دیا تو خدا کی عدول حکمی کی اُس کی بات کب قابل اعتبار ہوسکتی ہے ❖

اب آیات مذکورہ سے خدا کا بڑا ظلم ثابت ہوتا ہے جبکہ اُس نے خود انسان کو مخصوص واسطے بہشت اور دوزخ کے پیدا کیا تو پھر نبی بھیجکر زبردستی قتل کروایا - گھر لٹوایا - اُن کی عورات کو فوج مسلمانان کے ہاتھ سے بے حرمت کروایا ظلم تو اُس نے خلایق پر کروایا دوسرا ظلم اُس نے اپنے نبی پر کیا وہ یہ ہے کہ نبی نے اُسکے حکم سے کافروں کو قتل کیا تھا - مگر اُس نے اس خون کا بدلا نبی سے یوں لیا کہ اُن کے نواسہ امام حسینؑ کو ظالم اور کافروں کے ہاتھ سے جو بجبر ایمان لائے تھے قتل کروایا - اُن کی عترت کو دربدر شہر بشہر بے عزت و بے حرمت کروایا پس خدا نہ اپنی خلایق کا دوست ہے نہ اپنے دوست کا دوست ہے - میں تو یقین نہیں کرتا کہ فعل خدا کے ہیں - خدا کا یہ کام نہیں کہ ایسا ظلم کرے - خدا تو واحد ہے اور رحیم ہے - اُس نے اگر نبی پیدا کیئے ہوں گے تو صرف خلایق کی ہدایت کو نہ کہ واسطے ظلم کے ❖

سائیل

محمد حسن

## جواب

مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ سوال بنظر تحقیق ایک مسئلہ کے پیش کیا ہے جس کا حل میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح پر کسی نے نہیں کیا جس سے معترض کے دل کو تشفی ہو جاوے ❖

مگر قبل تحریر جواب کے دو تین باتیں بطور تمہید کے عرض کیا چاہتا ہوں ❖

**تمہید اوّل** - یہ بات مسلم ہے کہ خدا علۃ العلل جمیع کائنات کا ہے پس اگر تمام حوادث و

واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خدا اپنی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح و درست ہے اور ایسی حالت میں جبکہ ایک گروہ انسانوں کا یہ سمجھتا ہو کہ خالق خیر یزداں اور خالق شر اہرمن ہے اور اُن کا مذہب اُس ریگستان میں بھی پھیل گیا ہو جہاں اُن غلطیوں کا اصلاح کرنیوالا پیدا ہوا ہو تو اس باریک دقیقہ کو کہ تمام چیزوں کی علۃ العلل صرف ایک ہی ذات ہے بار بار بیان کرنا اور ہر دم یاد دلانا نہایت ضرور ہے ؛

مگر مجرد اس کہنے سے جو صرف بسبب علۃ العلل ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ؛

ہمنے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھایا - اب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم نے مارا مگر صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر ہمنے مجبور بھی کیا تھا - لازم نہیں آتی ؛

**تمہید دوم** - وہ علۃ العلل اپنے معلولات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جسکو ہم تقدیر کہتے ہیں یعنی ہماری تحقیق میں علم باری ہی کا نام تقدیر ہے پس اگر وہ علۃ العلل اپنے معلول کی نسبت بسبب اپنے علم واقعی کے یہ کہے کہ ہمنے اُسکو ہدایت کی اور ہمنے اُسکو گمراہ کیا ہمنے اُسکو بہشت کے لیے پیدا کیا اور ہمنے اُسکو دوزخ کے لیے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے - اپنی طرف اُن باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علۃ العلل ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم واقعی کے ہے - مگر اس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا ؛

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی ایسا بڑا کامل ہے کہ جو کچھ آیندہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں سرمو فرق نہیں ہوتا - اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مریگا - اُس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہے اس لیئے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا پس جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اُس کے کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُسکے ہونے میں مجبوری ہے - پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی اُسکو دوزخی و جنتی ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے ؛

اس بات سے دھوکا مت کھانا کہ خدا نے یہ کہا کہ ہمنے جنتی کیا یا دوزخی پیدا کیا کیونکہ نسبت اپنی طرف صرف علۃ العلل ہونے کے سبب سے ہے اور تمہید اول میں بیان ہو چکا ہے کہ ہمکو

فاعل کی مجبوری لازم نہیں ہے ❖

تمہید سوم - ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اُسکے اعضا کی ترکیب ہی ایسی ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا اُس سے سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا اور اچھی نصیحت کو نہیں سُنتا اور بدی میں پڑتا ہے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ خدا نے اُس کے دل پر مُہر کردی ہے - اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور اُن کو جہنم کے لیئے پیدا کیا ہے مگر اِس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا ❖

اُن کی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنم کے لیئے پیدا ہونا بیان کرنا تو بسبب اُسی علم باری کے ہے جسکو ہمنے تمہید دوم میں ثابت کیا ہے کہ اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر آنکھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مُہر ہونے کے سبب نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب ہو مگر اُس سے انسان کبھی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے ❖

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ "نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُسکے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اسپر ہے کہ جو قوی خدا تعالی نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے بہیمیہ اُسپر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور - تو اُن کمزور قوی کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جسکو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جسکو شارع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التایب من الذنب کمن لا ذنب لہ بیان فرمایا ہے ❖

گو ہماری طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبول ہو لیکن خود ہم اپنے آپ میں دو چیزیں پاتے ہیں ایک اُس کام کرنے کا ارادہ جسکو ہم کیا چاہتے ہیں - اور ایک وہ دلی سچائی جو ہمکو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے جسکو عوام الناس کبھی اس تقریر سے بیان کرتے ہیں کہ "دل بگڑا جاتا ہے" انگریزی زبان میں اسکا نام "کانشنز" ہے اور ہم اسکو "نور قلب" کہتے ہیں اور خاص مسلمانی مذہب کے محاورہ میں "نور ایمان" پس ہر ایک انسان کافر و مسلمان یہ دونوں قوتیں آپس میں رکھتا ہے اور ہم یقینی جانتے ہیں کہ ہم ان دونوں کو کام میں لانے پر قادر اور خود مختار ہیں ❖

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جس میں قوائے بہیمیہ ہمپر غالب ہیں تو ہم سے وہ گناہ ضرور ہوگا پس اگر ہمنے اُس قوت کو جو اُسکی بُرائی ہمکو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہمپر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ

ہمنے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر ہمنے اُس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خود اپنے اختیار سے گنہگار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں مگر چونکہ خدا اِس بات کو جانتا ہے کہ کون اُس نور قلب کو کام میں لاویگا اور کون بیکار چھوڑ دیگا تو قبل از وقوع اُس واقعہ کے بلا تشبیہہ مثل اُس کامل نجومی کے فرما دیتا ہے کہ ہمنے بہتوں کو جہنم کے لیئے اور بہتوں کو بہشت کے لیئے پیدا کیا ہے ؛

یہ بھی ہم خود اپنے آپ میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں قوائے بہیمیہ کیسے ہی زور آور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اُس نورانی قوت کو کام میں لائے جاتے ہیں اور افعال ذمیمہ کو بُرا جانتے جاتے ہیں اور اُن کے کرنے پر دل میں ندامت پاتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ قوائے بہیمیہ بالکل کمزور ہو کر اعتدال پر آجاتے ہیں اور اُس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن قوائے بہیمیہ کا وہ زور شور نہیں رہتا یہی تجربہ کا مسئلہ ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو بتایا ہے ؛

عن ابي هريرة قال جاء ناس من اصحاب رسول الله صلعم الى النبي صلعم فسالوه انا نجد في انفسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به قال اوقد وجدتموه قال نعم قال ذلك صريح الايمان رواه مسلم ؛

مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا معدوم ہے پس جس چیز پر ہم مجبور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیاری کا یعنی نہ کام میں لانا اُس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے ؛

**تمہید چہارم** - میں سمجھتا ہوں اور جو شخص تقلید سے علیحدہ ہو کر غور کریگا یقینی جانیگا کہ اکثر عالموں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلط فہمی کی ہے - قرآن مجید کی دو حالتیں ہیں - ایک حالت اُسکی اُسکا قرآن یعنی وحی منزل من اللہ ہونا ہے - میرا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بلفظہ منزل من اللہ ہے جسکو میں وحی متلو کہتا ہوں پس ہمارا ایمان ہے کہ ہم اُسکے ہر ہر لفظ کو منزل من اللہ سمجھیں - دوسری حالت اُسکی اُس کے معنی قرار دینا اور اُس سے مطلب اور مراد کا اخذ کرنا ہے - اِس حالت میں قرآن مجید مثل ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے متصور ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہم ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے معنی لیتے ہیں اور اُس کا مطلب و مراد ٹھہراتے ہیں اُسی طرح بلا تشبیہ قرآن مجید کے بھی معنی لینگے اور اُس کا مطلب و مراد قرار دینگے اور اُس وقت کسی طرح کا تفرقہ قرآن مجید و کلام انسانی میں نکریں کیونکہ قرآن مجید انسان کی زبان اور ملک عرب کی بول چال ہی پر نازل ہوا ہے - پس اُس میں

بلحاظ دیگر حالات کے جو کچھ بزرگی منزل من اللہ ہونے کی ہو سو ہو وہ جدا بات ہے مگر اُس کے معنی قرار دینے اور مطلب و مراد اخذ کرنے میں اُس میں اور انسان کے کلام میں کچھ فرق نہیں ہے ۔

اِن تمہیدات کے بعد میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اُن آیات قرآنی سے جن کا آپ نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور نیز مثل اُن کے جو اور آیتیں ہیں اُن سے بھی انسان کا مجبور ہونا پایا نہیں جاتا ۔

آیۂ سورہ بقر کا اخیر جملہ یعنی "ولھم عذاب عظیم" تو کافروں کے حال کی پیشین گوئی ہے جس سے حسب بیان تمہید سویم اُن کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے جملے یعنی "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوہ" اُن کی جبلت کا حال ہے مگر یہ حال بشرطیکہ دوسری قوت بیکار نہ چھوڑی جاوے باعث درکات نہیں ۔

"بلحاظ تمہید چہارم اس آیت پر غور فرمائیے اور اُسکو بلا تشبیہ ایک انسان فصیح و بلیغ کا کلام سمجھیے اور یوں خیال کیجیے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور وہ شخص اُس کی نصیحتوں پر کان بھی نہیں دھرتا اس حالت کو دیکھکر ایک شخص کہتا ہے کہ بدذاتوں نا اہلوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نیک بات نہیں سیکھنے کے اُن کے دل پتھر کے اور اُن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر مُہر لگادی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۔

اب جو شخص ان باتوں کو سُنیگا کیا یہ سمجھے گا کہ اس شخص نے یا خدا نے اُس بدذات آدمی کے دل پر مُہر لگا کر اور اُس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال کر ناصح کی نصیحت نہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے کبھی کوئی ایسا نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہر کوئی یہی سمجھیگا کہ اس کہنے سے اُس بدذات نا اہل آدمی کی نہایت بدذاتی اور نا اہلی کا جتانا اور اور لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے ۔

میری سمجھ میں ایسے کلام انسانی میں کوئی شخص ان الفاظ انشائیہ سے اُن کے حقیقی معنی نہیں لے سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کے اس قسم کے کلام کو جو انسانی بول چال پر ہے زیادہ اُسکی منشا سے بڑھانا اور اُن الفاظ کو جو بطور خطابیات کے واقع ہیں حقیقی انشائیات سمجھنا بڑی غلطی ہے ۔

خدا نے اَن پڑھ بدوؤں کے لیئے اُنہی کی زبان میں قرآن اُتارا ہے۔ پس ہمیشہ قرآن مجید

سیدھے سیدھے صاف صاف معنی لینے چاہئیں اور نکات بعد الوقوع اور کنایات و اشارات و استعارات و دلالات کی قسم کو اُس میں گھسیڑ کر اُسکو کھینچا اور تاننا نہیں چاہیئے اس قسم کے معنی قرآن مجید سے نکالنے خیالات شاعرانہ سے زیادہ کچھ رُتبہ نہیں رکھتے ؛

اَبْ آپ سورہ اعراف کی آیتوں - جو آپ کے سوال میں مندرج ہیں لحاظ فرمائیے کہ اھتدا اور اضلال کی نسبت جو خدا نے اپنی طرف کی ہے وہ اُسی علۃ العلل ہونے کے سبب سے کی ہے کیونکہ قوت اھتدا اور اضلال دونوں اُسی نے دی ہیں مگر اس نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مھتد اور مضل ہونے پر اُس نے مجبور کر دیا ہے ؛

اگر آپ کو میرا یہ بیان پسند ہوگا تو آپ یقین کرینگے کہ قرآن مجید سے انسان کا مجبور رہونا ثابت نہیں ہوتا تو اب نبوت پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا ؛

ایمان نہ لانے پر قتل کرنے کا اور گھر بار لوٹ لینے کا شریعت میں کہیں حکم نہیں ہے - چند روز ہوئے کہ جہاد کے مسئلہ پر مَیں بخوبی بحث کر چکا ہوں اور حقیقت جہاد کو میں نے اپنی کتاب خطبات احمدیہ اور ڈاکٹر ھنٹر صاحب کی کتاب کے جواب میں بالتفصیل لکھا ہے آپ اُس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں ؛

اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت جو آپنے خدا کا اپنے نبی پر ظلم کرنیکا ذکر کیا ہے یہ بات تو کوئی مسلمان کیا شیعہ اور کیا سُنّی نہیں کہتا اور کسی کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حضرت امام کافروں کے خون کے بدلے میں شہید ہوئے ہیں ؛

یہ مسئلہ جو میں نے بیان کیا کسی قدر باریک ہے اور اُس پر غور درکار ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اور نیز اَور لوگ جن کی نگاہ سے میری یہ تحریر گذرے وہ قبل اس کے کہ اس پر رد و قدح کریں ذرا دل لگا کر غور فرماویں گے ؛

## حدیث تشبُّہ

### خط

جناب مخدوم مکرم مولانا سید احمد خاں صاحب بہادر سی - ایس - آئی - زید مجدکم

تسلیم کے بعد گذارش ہے کہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فھو منھم کے معانی اور مراد میں لوگوں کو نہایت اختلاف ہے - کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے - پس واسطے حصول اطمینان

اور تنقیح مراد حدیث کے ضرور ہوا کہ اُس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ تشبّہ کی معلوم ہو جاوے
لہذا بصد نیاز خدمت عالی میں گذارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ
تشبّہ سے کس امر میں تشبیہ مقصود ہے۔ زیادہ نیاز و تسلیم ؛

آپ کا خادم

ح

## جواب

یہ حدیث ابوداؤد نے باب ماجاء فی الاقبیۃ میں نقل کی ہے اور اُس کے الفاظ یہ
ہیں" حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابوالنضر عبدالرحمن بن ثابت نا حسان بن عطیۃ
عن ابی منیب الجرشی عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
تشبہ بقوم فھو منھم "؛

اوّل تو مجھ کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے نہ روایتاً اور نہ درایتاً۔ روایتاً
تو اس لیئے ثابت نہیں کہ جو سند اس بات کی بیان ہوئی ہے اُس سے اتصال سند کا رسول خدا
صلعم تک ثبوت نہیں ہے کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں اُن سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ
حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اور کوئی راوی نہو پس جبکہ سلسلہ رواۃ غیر ثابت
ہے تو وہ حدیث فی نفسہ ثابت نہیں ہے ؛

اور درایتاً ثابت نہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان
نہیں کیا اور لفظ تشبّہ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم
مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے
اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جاوے تو قیاساً اُس کا مورد
قرار پا سکتا ہے جیسا کہ آیندہ بیان ہو گا ؛

دوسرے یہ کہ لفظ "قوم" جو اس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا کسی
قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک انگریز نے ایرانی یا
افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم پٹھان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں
نے اُسکو ایرانی یا پٹھان سمجھا مگر پھر اُس سے نتیجہ کیا۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان
نے عربی یا ایرانی یا پٹھانی یا رُوسی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے تئیں مشابہ اُن قوموں کے

بنایا اور لوگوں نے بھی اُسکو اُسی قوم کا سمجھا تو پھر اُس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا ٭

تیسرے یہ کہ تشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے بلاشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود رسول خدا صلعم نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کیتھلک میں جو مروج تھا وہ لباس پہنا ہے مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیۃ ضیقۃ الکمین" جبہ رومیہ بطور عبا یا چوغہ کے ایک قسم کا لباس ہے تنگ آستینوں کا جو اب بھی رومن کیتھلک کے پادری پہنتے ہیں اور خاص پادریوں کی پوشاک ہے ٭

رسول خدا صلعم کے زمانہ میں تمام یورپ اور شام میں رومی عیسائیوں کی سلطنت تھی جو پوپ کے تابع تھی اس لیئے تمام یورپ کی قوموں کو زبان عرب میں رومی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے "الم غلبت الروم" اور وہ سب رومن کیتھلک تھے اور جبہ رومیہ خاص اُن کی پوشاک تھی ٭

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ میں ہے "فتوضاء وعلیہ جبۃ شامیۃ" (صفحہ ۸۶۳) اور جبہ شامیہ خاص یہود کا لباس تھا جو اب تک اُن کے ربیوں کا لباس ہے ٭

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے خاص آتش پرستوں کا بھی لباس پہنا ہے جیسا کہ حدیث عبد اللہ مولی اسماء بنت ابی بکر میں ہے "فاخرجت الی طیالسیۃ کسروانیۃ" (ص ۱۹۰ - جلد ۲) اور یہ وہ جبہ کسروانی ہے جو بروقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے ٭

پھر جب بخاری کھولتے ہیں تو بسم اللہ کے بعد ہی یہ عبارت پڑھتے ہیں "کتاب اللباس وباب قول اللہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا والبسوا (امے ما طاب لکم) وتصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلۃ وقال ابن عباس کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطائتک اثنتان سرف او مخیلۃ" پس ہم ان روایتوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشابہ کو مشابہت زی و لباس پر بھی محمول نہیں کر سکتے ٭

چوتھے یہ کہ تمام مسلمان و صحابہ اور خود جناب رسول خدا صلعم اور کفار عرب ایک سا ہی لباس رکھتے تھے اور معلوم نہیں جو باعتبار مذہب کے وہ تھیں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور کوئی تفرقہ کفار اور اہل اسلام میں تمیز کا قایم نہیں کیا گیا تھا تو پھر من تشبہ بقوم فہو منہم کے

کیا معنی۔ کیا عقل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا صلعم لندن میں یا جرمن و ایشیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو اُن کا لباس ویسا ہی ہوتا جیسا کہ اُن ملکوں کے لوگوں کا ہے پس تشابہ قومی سے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے ؀

پانچویں یہ کہ لفظ تشبہ اور منہم خواہ اُن کے کامل معنی مراد لو یا ناقص اور قوم کے معنی حقیقی بھی چھوڑ کر اس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ لو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ کیا ادنیٰ مشابہت سے مثلاً دھوتی باندھ لینے سے یا اچکن و چرٹ پر چڑھنے سے یا بالکل پوری ظاہری مشابہت کو لینے سے باوجود اقرار توحید و رسالت کے آدمی کافر ہو جاتا ہے حاشا وکلا۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے ؀

بایں ہمہ اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو ہم کو ضرور اسکا مورد تلاش کرنا ہوگا کیونکہ بغیر مورد تحقیق کیئے اور مابہ التشبہ قرار دیئے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے مگر چونکہ خود حدیث میں ان دونوں میں سے کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جاوے گا وہ صرف قیاسی ہوگا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق اُس کا مورد یا مابہ التشبہ جو درحقیقت دونوں ایک ہیں قرار دیگا ؀

بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے۔ مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ ایسی کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں اُن کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اسلیئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اُس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اُسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اُس قول پر جس پر ابو جہل کی نجات منحصر تھی اُسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کالزنار والصلیب والاعیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا کیا ہم دیوالی دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جاوینگے نعوذ باللہ منہا۔ اگر درحقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی بودا ہے تو کبھی کی ہاں کب تک خیر منائیگی لابُد ایک دن اُسکو ذبح ہونا ہے ؀

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جسکو میں آیندہ سے قول کہوں گا کیونکہ میرے نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔ کوئی صحیح مورد بجز ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پا سکتا اور وہ

مورد موت اژدحام ہے یعنی جس حالت میں موت اژدحام واقع ہو اور مختلف قوموں کے مردے گڈمڈ ہوجاویں تو حکم من تشبہ بقوم فھو منھم کا جاری ہوگا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے مشابہ ہوگی وہ اُسی قوم کی شمار ہوگی اور اُس کی تجہیز و تکفین اُسی طرح کیجاویگی۔ درمختار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی لاش پہچاننے کی چار علامتیں ہیں۔ خضاب اور سیاہ لباس اور حلق عانہ اور ختنہ میں سمجھتا ہوں کہ موت اژدحام کے جس قدر احکام ہمارے ہاں کی کتب فقہ میں مندرج ہیں وہ اسی قول کی بنا پر ہیں پس میری دانست میں یہی مورد اس قول کا اور یہی مراد اس قول کی ہے و بھذا اعتقادی وعلی ھذا عملی والسلام ✦

# تفسیر السموات

## حررہ العبد المفتقر الی اللہ الصمد السیّد احمد

ہمکو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی بنا قرآن مجید یا حدیث پر ہو جہاں تک ہمکو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وُہی بعینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں میں بھی پھیل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاقہ رکھتا تھا تو اُنھوں نے اُسکی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر کی۔ یہانتک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی نو آسمان مانتے تھے تو علماء اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش و کرسی کو ملا کر پورے نو کردیئے۔ پس ہم سمجھتے ہیں کہ علماء اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل کردیا۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا مل جل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل فرعیہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں سما گیا۔ پس جس قدر کہ ہمکو انکار ہے اُنہی مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علماء اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے ✦

یونانی حکیم آسمانوں کا ایک ایسا جسم مانتے ہیں جو نہایت مضبوط و سخت ہے اور وہ ایک مکان کو گھیرے بیٹھے ہے اور وہ مثل کُرہ کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے انڈے کا چھلکا اور دنیا کے چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسکہ انڈے کے

چھلکے میں اُس کے اندر کی زردی و سفیدی +

وہ کہتے ہیں کہ بیچوں بیچ میں زمین اسی طرح پر ہے جیسیکہ انڈے میں انڈے کی زردی اُسکے اوپر پانی ہے مگر جس طرح کہ بعضی دفعہ انڈا اولبلٹنے میں اُس کی زردی ایک طرف کو ہوجاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اُسی طرح زمین بھی بیچ میں سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جس کے اوپر ربع مسکون یعنی دنیا ہے[1] پھر وہ کہتے ہیں کہ پانی پر ہوا ہے اور ہوا پر کرہ آتش ہے اور کرہ آتش پر اوّل آسمان ہے جس میں چاند ہے۔ پھر دوسرا آسمان ہے جس میں عطارد ہے۔ پھر تیسرا آسمان ہے جس میں زہرا ہے۔ پھر چوتھا آسمان ہے جس میں آفتاب ہے۔ پھر پانچواں آسمان ہے جس میں مریخ ہے۔ پھر چھٹا آسمان ہے جس میں مشتری ہے پھر ساتواں آسمان ہے جس میں زحل ہے۔ پھر آٹھواں آسمان ہے جس میں یہ لاکھوں ثوابت جڑے ہوئے ہیں پھر نواں فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے +

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فلک الافلاک کے اوپر کچھ نہیں ہے یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہیں ہے اور اسی سبب سے وہ نہیں بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کس کی مماس ہے یعنی اُس کے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ اسکی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی مماس ہے اور اسیطرح تمام آسمانوں کی سطح مقعر اُس کے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے مماس ہے اور اسی لیئے وہ قائل ہیں کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہیں خلا نہیں ہے +

وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ تمام آسمان معہ کواکب کے جو اُن میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرد پھرتے ہیں اور زمین اُن میں مثل مرکز کے ہے۔ کرہ میں انہی اصولوں کو علما اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے اور انہی اصول پر قرآن مجید کے مفسروں نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض کچھ اختلاف بھی کیا ہو مگر نظام یہی تسلیم کیا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ جو ایک پرچہ شامل ہے اُس میں جو شکل نمبر اوّل کی مندرج ہے اُس سے بخوبی تصویر آسمانوں اور ستاروں کی سمجھ میں آسکتی ہے جس طرح پر کہ یونانی حکیموں نے تصور کی ہے +

اب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح پر یونانی حکیموں نے آسمانوں کا مجسم ہونا تسلیم کیا ہے اور

---

[1] یونانیوں کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے اگر اس کی خبر ہوتی تو ایسا خیال نہ کرتے +

# شکلِ اوّل

## نظام عالم۔ مطابق قیاس یونانیون کے
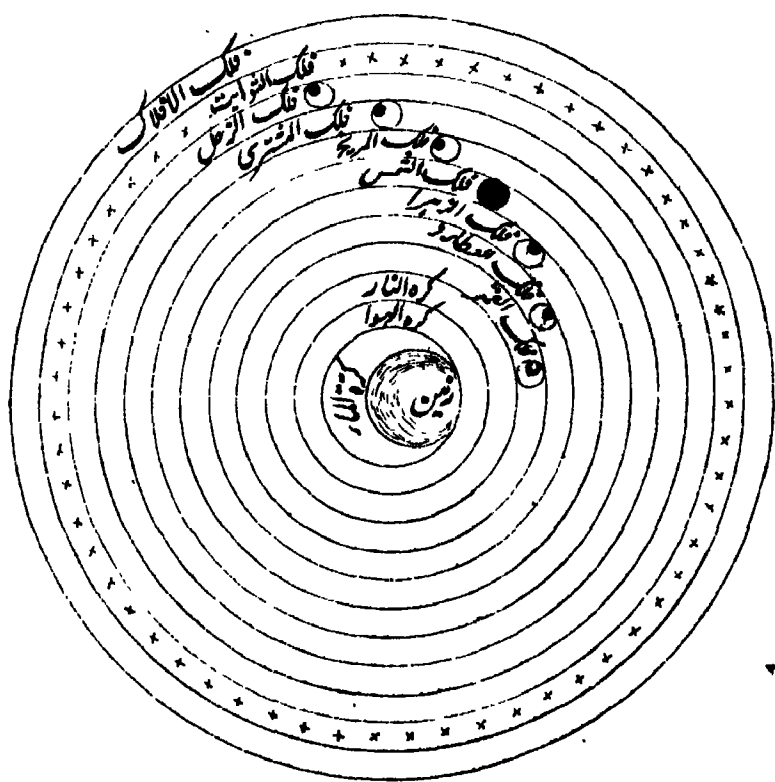
## شکل دوم

## نظام عالم مطابق مشاہدہ بذریعۂ دوربین
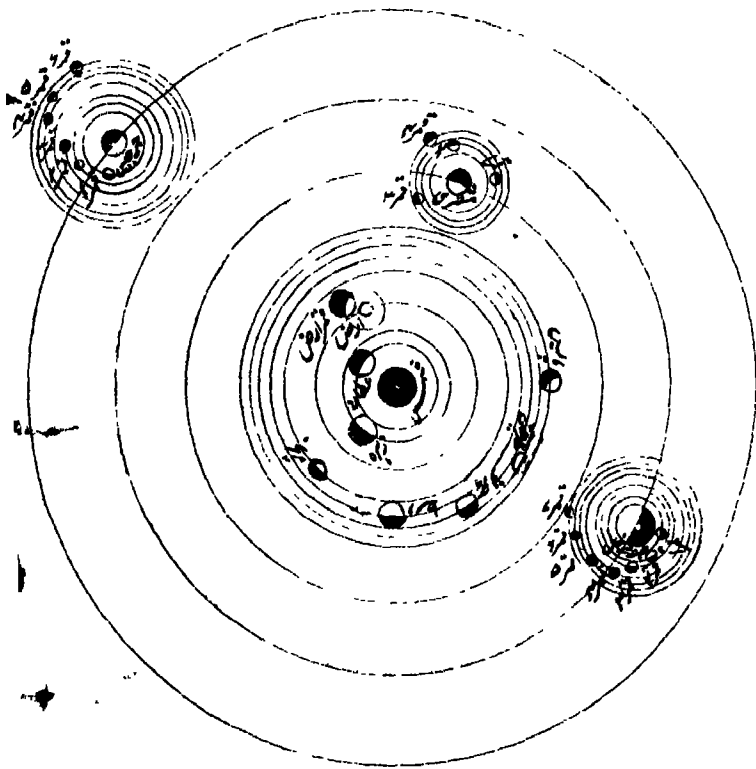
اُن کو مع کواکب زمین کے گرد پھرتا مانا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علماء اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہی اصولوں کو اپنے مذہبی مسائل میں ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بناء فاسد علی الفاسد ہے ۔

ہمکو مشاہدہ سے بذریعہ دُوربین کے (جو ہمارے نزدیک اور ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اُسکے ثابت ہوا ہے جو آسمانوں اور کواکب نظام یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اور جسکی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۔

اوّل ۔ ان سات سیاروں کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لیئے یونانیوں نے سات آسمان مثل انڈے کے چھلکے کے قرار دیئے تھے اَور بھی سیارے بذریعہ دُوربین کے دکھائی دیئے ہیں جو اب تعداد میں دس یا گیارہ شمار ہوئے ہیں پس یونانیوں نے جو سات آسمان سات ستاروں کے لیئے قرار دیئے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علماء اسلام نے جو لفظ سبع سموات کی تفسیر میں وُہی یونانی حکیموں کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اُن علماء نے غلطی کی تھی کیونکہ کلام الٰہی کبھی خلاف واقع نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ سبع سموات سے یہ مطلب نہیں ہے جو علماء اسلام نے تفسیروں میں قرار دیا ہے ۔

دوئم ۔ مشتری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور ہرجیس کے گرد جو نیا سیارہ دکھائی دیا ہے چھ چاند دوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیئے ہیں اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی مشتری و زحل و ہرجیس کے گرد پھرتے ہیں اور ہم اُن کی گردش کو اپنی آنکھ سے بذریعہ دوربین کے دیکھتے ہیں پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے کہ یونانی حکیم قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ علماء اسلام نے غلطی سے قرار دیا ہے تو اُن چاندوں کا گرد اُن ستاروں کے پھرنا ممکن نہ تھا ۔

فرض کرو کہ ایک کوٹھڑی ہے اور غول کبوتروں کا اُس کے اوپر سے اندر گھستا ہے اور دروازہ سے نکلتا ہے تو ہر شخص یقین کریگا کہ اُس کوٹھڑی پر چھت نہیں ہے یا کبوتروں کے گھسنے کے بقدر کھلی ہوئی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوتروں کے جانے آنے کو مانع نہیں ہو سکتی ورنہ ممکن نہیں کہ کبوتر اوپر سے کوٹھڑی میں گھستے پس اگر ستارے آسمانوں میں جڑے ہوتے اور آسمان انڈے کے چھلکے کی طرح ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سیاروں کے چاند بغیر آسمانوں کے توڑے اُن سیاروں کے گرد دَورہ کرتے ۔

سوئم ۔ اگلے زمانہ میں یونانی حکیموں نے دُم دار ستاروں کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان و زمین کے بیچ میں پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے رہتے ہیں مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے کہ

یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہیں اور بہت دور چلے جاتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں اور اُن کی حرکت ایسی ٹیڑھی ہے کہ تمام کواکب اور فلک الافلاک مقررہ حکماء یونان سے بھی اونچے ہو جاتے ہیں اور جو کہ دم دار ستارے بھی متعدد ہیں اس لیئے متعدد سمتوں پر حرکت کرتے ہیں پس جس طرح کا جسم آسمانوں کا یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اگر ویسا ہی جسم آسمانوں کا ہوتا تو دُمدار ستاروں کا اس طرح پر حرکت کرنا ناممکن ہوتا یا اُن کی حرکت سے تمام آسمان شیشہ کی طرح چکناچور ہو جاتے ✦

دُوربین کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کواکب اس طرح پر واقع ہیں جیسا کہ شکل دوئم میں بنائے گئے ہیں اور اُن کا دَوْرہ بھی دُوربین کے ذریعہ سے اُسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ اُس شکل میں دائرے کھینچے ہیں پس ذرا خیال کرو کہ اگر آسمان اس طرح پر مجسّم ہوں جیسا کہ حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور ایک کا مقعر دوسرے کے محدب سے مماس ہو تو مشتری اور زحل اور مریخ کے چاند کیونکر اُن کے گرد پھر سکتے ہیں۔ اور اگر آسمانوں میں فاصلہ بھی مانا جاوے تو یہ ذوات الاذناب یعنی دُمدار ستارے کس طرح تمام آسمانوں کو توڑ پھوڑ چکناچور کر کر نکل جاتے ہیں ✦

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانوں کا جسم ایسا نہیں مانتے جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا ہے بلکہ ہم ایسا لِجلِجا اور ڈھلم ڈھلا مانتے ہیں جس میں سے سب چیزیں نکل جاتی ہیں جیسے پانی یا ہوا یا اُس سے بھی زیادہ جسم لطیف مگر اس کہنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے اُسپر ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم نہ آوے ✦

ہم اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانوں کا مانا جاویگا تب بھی مفسرین کی تفسیروں سے تو انکار کرنا پڑیگا کیونکہ سبعاً شداداً کے جو معنی اُنھوں نے قرار دیئے ہیں وہ کسی طرح ایسے لِجلِجے ڈھلم ڈھلے جسم پر صادق نہ آوینگے اور ضرور دوسرے معنی قرار دینے پڑینگے ✦

پھر ہم اُن کو دوسری طرح سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اُسکی واقعیت پر کسی دلیل کا نہ لا سکنا کچھ کام کی بات نہیں ہے۔ جاہل مسلمانوں کا یقین ہمارے یقین سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ اُن کو تو نہ ہمیں اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانوں کا جسم یونانی حکیموں والا جسم ہے یا اور کسی طرح لطیف و الطف لِجلِجا اور ڈھلم ڈھلا جہاں تک گفتگو ہے وہ لکھے پڑھے آدمیوں سے ہے اور مذہب کے سچّے ہونے کی دلائل زیادہ تر اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو اِس مذہب کو نہیں مانتے تھے یا اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے اِس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اب اُس سے پھر گئے ہیں پس اگر اُن دونوں قسموں کے لوگوں کے سامنے آپ فرمایئے کہ

ہم آسمان کا ایسا جسم لطیف اس لیئے مانتے ہیں کہ قرآن کا انکار لازم نہ آوے تو اُس کے دل میں یہ بات کیا اثر کریگی بلکہ مثل اُس شخص کے جس نے آتاری شاعر کو کہا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ نعوذ باللہ وہ بھی جواب دیگا کہ تسلیم کردن قرآن چہ ضرور ✦

علاوہ اسکے نہایت ضعف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جس میں واقعات اور حقایق موجودہ کا ذکر ہو یہ کہیں کہ اُس کے واقعی ہونے کا کچھ ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ایسی بات سے کیا فائدہ ہے جس کے واقعی ہونے کا دل میں تو یقین نہ ہو مگر صرف زبان سے اقرار کیا جاوے۔ ہمارا ایمان تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقایق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق دل سے یقین کرتے ہیں ✦

**چہارم**۔ ہم بذریعہ دوربین کے زہرہ کو اور اُس کے سوا اَور ستاروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مثل چاند کے بدر و ہلال ہوتے ہیں پس اگر وہ ستارے آفتاب کے گرد پھرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو اُن کا بدر و ہلال ہو کر ہمکو دکھائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کہ اَور ستارے بھی بدر و ہلال ہوتے ہیں ✦

**پنجم**۔ ہم بذریعہ دوربین کے اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آجاتے ہیں تو کبھی تو وہ آفتاب سے اس طرح پر مل جاتے ہیں کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اُس کے اوپر ہوتے ہیں اور کبھی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ بات ہو نہیں سکتی جب تک کہ آفتاب ساکن نہ ہو اور تمام سیارات معہ زمین کے اُس کے گرد نہ پھرتے ہوں۔ اگر آفتاب چوتھے آسمان میں جڑا ہوا ہوتا اور وہ دونوں اُس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد دوسرے آسمان میں اور زہرہ تیسرے آسمان میں اور وہ سب زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ عطارد و زہرہ کبھی آفتاب کے اوپر آفتاب سے جا کر ملتے یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُس زمانہ میں دوربین ایجاد نہیں ہوئی تھی مگر اس زمانہ میں اُن کا مقررہ علم ہیئت مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ پس اس سے زیادہ انسان کی نادانی کیا ہو گی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جن کی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول پر تفسیر کرنیکو کفر سمجھے جو بالکل واقع کے مطابق ہو ✦

علاوہ اس کے اَور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے بخوبی بمنزلہ عین الیقین بلکہ حق الیقین کے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں نے آسمانوں کا جیسا جسم مانا تھا اور کواکب کو اُنمیں جڑا ہوا تسلیم کیا تھا اور یہ جانتے تھے کہ تمام آسمان معہ کواکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط اور خلاف واقع

ہے مگر وہ دلیلیں فی الجملہ مشکل ہیں اور آلات رصدیہ کی واقفکاری اور علم طبیعیات کے جاننے پر موقوف ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ عام لوگ جو اُن علوم سے محض ناواقف ہیں سمجھ نہیں سکنے کے اس لیئے ہمنے اُن کو بیان نہیں کیا اور صرف چند موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو ہر سمجھدار آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہیں خواہ وہ اُن علوم سے واقف ہو یا نہ ہو۔

مشاہدہ سے اور تمام دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک وسعت میں خواہ اُسیں کوئی جسم لطیف سیال ہو یا نہ ہو تمام کرات جو کواکب دکھائی دیتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین بھی اُنہی کی مانند ایک کرہ ہے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے ہم رات کو مختلف مقامات میں بہت سے غبارے اڑا دیتے ہیں اور وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور معلق ٹھہرے ہوئے اور چلتے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں اسی طرح یہ سب کرے کواکب کے مع ہماری زمین کے خدا تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت میں بکھیر دیئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ میں ہیں۔ اُن سب کے بیچ میں آفتاب ہے اور یہ سب اُس کے گرد پھرتے ہیں اور نہیں معلوم کہ ایسے ایسے آفتاب اَور کتنے ہیں اور کتنے ستارے اُن کے ساتھ ہیں جو اُس کے گرد پھرتے ہوں گے کیونکہ خدا تعالی کی قدرت اور صنعت بے انتہا ہے۔

ہمارے مخالفوں کو اور ہم پر مسئلہ وجود آسمان پر فتوی کفر دینے والوں کو ذرا غور سے انصاف کرنا چاہیئے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُسکو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے کے محدود ہے خدا اور خالق ماننے میں ہے یا اُسکو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے میں ہے جسکی انتہا مثل اُسکی قدرت کے بے انتہا ہے جیسی یہ ہماری دنیا ہے جس کے بیچ میں یہ آفتاب ہے اور جس سے بہت سے کواکب سیارے متعلق ہیں اسی طرح اَور بہت سے بے انتہا شموس ہیں جن کا نظام ہی جدا ہے اور مثل ہماری دنیا کے بلکہ اُس سے بھی زیادہ عجیب بے انتہا نظام شمسی جن کے مجموع کو ہم دنیا کہتے ہیں موجود ہیں اور وہ اُن سب کا خالق اور سب کا ایک خدا ہے واحد ذوالجلال ہے جس کا نہ کوئی ند ہے اور نہ کوئی ضد۔ تعجب ہے کہ صرف ایک چڑیا کے انڈے کے برابر چیز کا خدا کو خدا اور خالق جاننا تو اسلام ہو اور اُسکو ایسا قادر مطلق اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا کفر ہو فہیہات ہیہات لمثل ھذا الاسلام و مرحبا ثم مرحبا لمثل ھذا الکفر و للہ در من قال۔

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

ہاں بلاشبہ اب ہمکو اِس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا ہمنے مشاہدہ کیا ہے اور جسکو ہمنے دلیل قطعی یعنی مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ احادیث صحیحہ جو بدرجہ یقین یا قریب بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہونچی ہیں اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اُن کے انکار کی بھی نہیں ہے وہ تو اُس کی مخالف نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی مخالف ہوں تو دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا پڑیگا یا اُس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑیگا یا نعوذ باللہ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہوگا مگر میری دانست میں قرآن اور نہ کوئی حدیث صحیح اُس کے برخلاف ہے جس کا ہم مفصل بیان کرتے ہیں +

مگر اُس کے بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کرنی ضرور ہیں کیونکہ وُہی ہمارے اصول ہیں جن پر ہمارا بیان مبنی ہوگا +

**اوّل** - یہ کہ ہم اِس بات کو تسلیم نہیں کرنے کے کہ ہمارا بیان اِس لیئے غلط ہے کہ مفسرین نے اُسکے برخلاف بیان کیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر اُنھی اصولوں پر کی ہے جو حکما یونان نے مقرر کیئے تھے اور جن کی غلطی ہمکو مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے +

**دوسرے** - یہ کہ الفاظ قرآن مجید کے وُہی معنی لینگے جو اُن پڑھ اہل عرب اُن کے معنی حقیقی یا مجازی موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ معنی کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصطلاح کے قرار دیئے ہیں کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" +

**تیسرے** - یہ کہ قرآن مجید بلسان قوم عرب نازل ہوا ہے زبان اہل عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی زبان اُنھی الفاظ پر محدود ہے جن سے وہ اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کرتے ہیں اور انسان کے خیال میں یا دل میں بھی وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کو وہ حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے جان سکتا ہے پس جس چیز کو یا اُسکی مثل کو ہمنے نہ کبھی دیکھا ہو نہ چھوا ہو نہ چکھا ہو نہ سونگھا ہو اور نہ ہمارے کان کی قوت سامعہ نے اُسکا حس کیا اور نہ ہمارے خیال میں آئی ہو اُس کا بیان کسی زبان کے الفاظ سے نہیں ہوسکتا اُس کے بیان سے انسان جبکہ وہ کسی قوم کی زبان میں تکلم کرے یقیناً عاجز ہے اور خداوند پاک بھی ایسے لفظ کو استعمال نہیں فرماسکتا جس کے سمجھنے سے وُہی قوم عاجز ہو جسکے سمجھانے کے لیئے وہ لفظ بولا گیا ہو خدا کی ماہیت ذات ہم کسی لفظ سے بیان نہیں کرسکتے اور نہ خدا ہمکو اپنی ماہیت ذات عربی زبان کے یا اور کسی زبان کے لفظوں میں بتاسکتا ہے کیونکہ کسی زبان میں کوئی لفظ اُسکی اصلیت پر مطلع کرنے کے لیئے نہیں ہے +

اسی طرح جتنی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ نہ ہمارے دل میں آسکتی ہیں نہ ہمارے خیال میں اُن کی تعبیر کیلیئے

پھر سورہ روم آیت ۴۷ میں فرمایا ہے "اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء یعنی اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے انکو آسمان میں" پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نیلی نیلی چیز میں ہوا چلتی ہے اور اس میں بادل اُٹھتے ہیں اور اسی میں پھیلتے ہیں اور اسی نیلی نیلی چیز کا نام خدا نے ہمکو سماء بتلایا ہے +

پھر سورہ سبا آیت ۹ میں فرمایا ہے "افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء" یعنی کیا اُنھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں" پس ہمارے چاروں طرف یہی نیلی چیز ہے جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اور جس طرح کہ ہمکو زمین میں دھنس جانے کا خیال آتا ہے اسی طرح اس نیلی نیلی چیز کے اوپر سے ٹوٹ پڑنے کا خیال ہوتا ہے اور اسی نیلی چیز کا نام خدا نے سماء بتایا ہے +

پھر سورہ ق آیت ۶ میں فرماتا ہے "افلم ینظروا الی السماء فوقھم یعنی کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر" پس یہی نیلی چیز ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہے اور اسی کا نام خدا تعالے نے ہمکو سماء بتلایا ہے +

پھر سورہ حج آیت ۶۴ میں فرمایا ہے "ویمسک السماء ان تقع علی الارض یعنی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے" پس وہ کیا چیز ہے جو ہمکو زمین پر گرنے سے تھام رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کا نام خدا نے ہمکو آسمان بتلایا ہے +

پس لفظ سماء جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ تو اُسی چیز پر بولا گیا ہے جسکو اہل عرب سماء سمجھتے تھے۔ ہمارے شفیق جب چاہتے ہیں کہ سماء کے معنی کچھ اور بدل دیں تو وہ نہایت خفگی سے فرماتے ہیں کہ "نیلی چھت چھپری اوھن من بیت العنکبوت مثل ہوا و دخان کے کیا سماء منصوصہ قرآن یہی ہے اور اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے ءانتم اشد خلقا ام السماء بناھا رفع سمکھا والسماء بنیناھا باید۔ وہ یہی آسمان ہے جس کی نسبت فرمایا ہے ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للناظرین + وحفظناھا من کل شیطان رجیم + انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملاء الاعلی + ومن ایاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ + کیا یہ معجزہ اُن کی کے ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے یوم

نطوی السماء کطی السجل للکتب + کیا اسی کی نسبت ہے یمسک السماء ان تقع علی الارض + ویوم تشقق السماء بالغمام + یوم تمور السماء مورا + یوم تاتی السماء بدخان مبین + اسی کی نسبت فرمایا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا یہی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے۔ وانشقت السماء فہی یومئذ واہیۃ والملک علی ارجائہا یوم تکون السماء کالمہل + یوما یجعل الولدان شیبا السماء منفطر بہ + اذا السماء فرجت + وفتحت السماء فکانت ابوابا + اذا السماء کشطت + اذا السماء انفطرت + اذا السماء انشقت + والسماء ذات البروج + والسماء ذات الرجع" +

مگر ہم ادب سے کہتے ہیں کہ حضرت خفا ہونے کی کوئی بات نہیں ہے فرمایا تو اسی کی نسبت ہے کیونکہ یہ سب باتیں بقول آپ کے سماء کی نسبت ہیں اور اسی نیلی نیلی سبز سبز چیز کو اہل عرب سماء جانتے تھے پھر بھلا ہم پر خفگی کیا ہے اگر خفا ہونا ہے تو خدا پر خفا ہو جیئے کہ اُس نے اس نیلی چھت چھنبری اودھن جن بیت العنکبوت پر کیوں ان صفتوں کا اطلاق کیا جو اُسپر صادق نہیں آتیں یا اُسی چیز کو ایسا مانیئے جس پر یہ صفتیں صادق آجاویں یا ہمارے ساتھ ہو جیئے اور ایسے معنی اختیار کیجیئے کہ خدا پر سے نعوذ باللہ کذب کا الزام اُٹھے +

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب
بازی چرخ ازیں یک دو سہ کارے بکند

ایک ہمارے شفیق نے نہایت خوشی سے ہمکو الزام دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ "لا وجود السماء جسمانیا" اور اگر یہی سقف چھنبری مصداق آیات ہو تو اُس کا ہی تو جسم ہے پھر خود تمھارے اقرار سے تمھارا قول غلط ثابت ہو گیا +

بلاشبہ یہ الزام ہم پر بہت بڑا الزام ہے جسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب آسمانوں کی ایسی جسمانیت ماننے میں ہمکو کچھ عذر نہیں ہم تو اُس جسمانیت کے منکر ہیں جس کو حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے گو کہ بسبب کسی خاص وجہ کے اُن کی ایک آدھ بات سے خلاف بھی کیا ہو +

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو ہم گمراہوں کی ہدایت کے لیئے لکھا ہے ارقام فرمایا ہے کہ " ہمارا اعتقاد نسبت آسمانوں کے یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے اور ہمارے اوپر ہیں اور خلقت اُن کی ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید اور وہ بے ستون

محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں اور شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں اور شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں اور قابل انشقاق اور انفطار ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس اعتقاد کے منکر کو منکر آیات قرآن سمجھتے ہیں"

کسی کو منکر آیات کہدینا تو بہت آسان بات ہے۔ ہر شخص ایک آیت کے کوئی معنی اپنے نزدیک ٹھہرا کر دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اس معنی کے نہ ماننے والے کو ہم منکر آیت قرآن سمجھتے ہیں جیسے مثلاً مفسرین کے دو فرقوں میں سے ایک اس بات کا قایل ہے کہ آسمان سقف مسطح ہے اور اُس کے ستون کوہ قاف پر رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا اس بات کا قایل ہے کہ آسمان مثل مرغی کے انڈے کے گول ہے پس اس صورت میں جو فرقہ اس کے مسطح ہونے کا قایل ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص آسمان کو مثل انڈے کے اعتقاد کرے وہ منکر قرآن ہے اور جو اُسکو انڈے کے مثل کہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آسمان کو مسطح کہے وہ منکر قرآن ہے حالانکہ یہ دونوں مخالف فرقے اب تک مسلمان مفسروں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مذاہب بطور تحقیق و اختلاف آرا بڑی بڑی تفسیروں میں نقل کئے جاتے ہیں۔ پس مولوی محمد علی صاحب کے قواعد کے موافق ان میں سے بھی ایک تو ضرور منکر قرآن ہوگا مگر اس سے کسی کا کچھ فایدہ نہیں بلکہ اپنا ہی کچھ نقصان ہے ✦

مگر جو کچھ مولوی صاحب نے فرمایا اگرچہ وہ کسیقدر ترمیم کے قابل ہے مگر ہمکو اُس سے انکار بھی نہیں بیشک آسمان ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے۔ اُن پر کیا موقوف ہے تمام چیزوں کا یہاں تک کہ جناب مولوی صاحب کا بھی بنانے والا خدا ہی ہے دوسرا کوئی نہیں بے شک وہ ہمارے اوپر ہیں مگر یہاں ذرا غلطی ہے کیونکہ وہ ہمارے پانوں تلے بھی ہیں بے شک وہ ہماری خلقت سے محکم تر اور شدید ہیں لیکن اگر لفظ محکم اور شدید سے یہ سمجھا جاوے کہ جیسے کچی مٹی کی دیوار اور ایک ریختہ کی یا اژدھات کی دیوار یا جیسے ایک مٹی پڑی ہوئی چھت اور ریختہ کی ڈاٹ لگی ہوئی تو اس سے ہمکو معاف رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اُن لفظوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بیشک وہ بے ستون محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں یہاں صرف اتنی بات ہے کہ جناب مولوی صاحب کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ قدرت کاملہ کس ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے مگر ہمکو معلوم ہوگیا ہے کہ عالم اسباب میں وہ قدرت اُس قوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے جسکو ہم جذب کہتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کے کلام میں شاید لفظ "مرفوع ہیں" کی جگہ یوں ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کی نسبت مرفوع دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے بھی ہمکو کچھ انکار نہیں کہ وہ شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں مگر اتنا کہتے ہیں کہ اُن پر بھی بوجہ اُن کے مرتفع ہونے کے

اطلاق ہوسکتا ہے مگر یہ جو مولوی صاحب نے فرمایا کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں یہ گول گول بات ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شمس و قمر و نجوم اُن میں اس طرح ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا ہوا میں کبوتر تو تو ہم بدل تسلیم کرتے ہیں اور اگر اُن کے اُن میں ہونے سے اس طرح کا ہونا مراد ہے جیسے تختہ میں کیل یا انگوٹھی میں نگینہ تو ہم اُسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک خدا کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر جناب ممدوح ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قابل انشقاق و انفطار کے ہیں۔ ان لفظوں میں جو مولویصاحب نے فرمائے ہیں قرآن مجید کی بخوبی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر یوں فرماتے کہ اُن پر انشقاق اور انفطار کا اطلاق ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے تو بالکل صاف ہوجاتا۔ مگر خیر بلحاظ ادب جناب مولوی صاحب کے ہم اُسکی تسلیم کرینگے +

اَب ہمکو یقین ہے کہ جناب مولوی صاحب ہمسے خوش ہوجاوینگے اور اب ہمکو اور ہمارے مُسلمان دوستوں کو بیفایدہ ملحد و مرتد اور منکر قرآن اور بیدین نہ فرماوینگے کیونکہ ہمارا اس میں کُچھ نقصان نہیں در گُفت میں جناب مولوی صاحب کی زبان گندی ہوتی ہے مگر ایک جگہ مولوی صاحب نے ہملوگوں کی بات کو مجذوبانہ بڑ لکھا ہے۔ پس اُن کا ہم نہایت شُکر کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ہمکو تکلیفات شرعیہ سے بری کیا ہے مگر پھر نہ معلوم کہ کیوں ملحد و مرتد و بیدین قرار دیتے ہیں مگر باتیں تو مولوی صاحب کی بھی ایسی ہیں کہ ایک کو دوسری سے مناسبت نہیں۔ خدا رحم کرے +

اَب یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا اطلاق بمعنی آسمان اسی نیلی چنبری چھت پر آیا ہے خواہ وہ اوھن من بیت العنکبوت ہو۔ خواہ اشد من سقف الحدید +

دوسرے معنوں میں سماء کا اطلاق قرآن مجید میں بادلوں پر آیا ہے۔ بیسیوں جگہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماء یعنی اُتارا آسمان سے یعنی بادل سے پانی اور کچھ شک نہیں کہ بادل سے مینہ برستا ہے اور اس جگہ سماء کا لفظ بادل یعنی ابر پر بولا گیا ہے مگر ہمارے شفیق فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے معنی بدل دینگے اور کہینگے کہ اس سے من جانب السماء مراد ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ سورہ ھود کی ۵۴۔ آیت کی نسبت کیا فرماوینگے جہاں خدا نے فرمایا ہے "یرسل السماء علیکم مدرارا" یعنی بھیجیگا آسمان کو یعنی ابر کو تم پر برسنے والا"۔ پھر ۴۶۔ آیت میں فرمایا ہے وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی یعنی اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان یعنی ابر تھم جا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقلعت السماء بعد ما مطرت اذا امسکت یعنی عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے اقلعت السماء جبکہ برس کر تھم جاتا ہے۔ پس اَب کون شخص اس بات پر شبہ کرسکتا ہے کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا

ابر و بادل پر بھی اطلاق ہوا ہے ✦

تیسرے جس چیز میں کواکب پھرتے ہیں اُسپر لفظ فلک کا بھی اطلاق آیا ہے۔ سورہ انبیا آیت ۳۳ میں فرماتا ہے "وھو الذي خلق الليل والنهار والشمس والقمر كل في فلك يسبحون یعنی اور وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو ہر ایک بیچ آسمان کے تیرتے ہیں" ✦

پھر سورہ یٰس آیت ۴۰ میں فرمایا "لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل في فلك يسبحون یعنی سورج کے لیئے لائق نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات پہلے ہوسکتی ہے دن سے اور سب ستارے آسمان میں چلتے ہیں"۔ اور اہل علم تو آسمان کی جگہ فلک ہی کا لفظ بولتے ہیں جیسے فلک قمر وغیرہ اور فلک کسی ایسے مجسم کو نہیں کہتے جیسے یونانیوں کا آسمان ✦

چوتھے سمٰوات کی جگہ طرایق کا لفظ بھی خداتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پس ان دونوں لفظوں سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سماء اور فلک اور سمٰوات اور طرائق مرادف ہیں بلکہ صرف استدلال اسقدر کہ سماء و سمٰوات کی جگہ ان لفظوں کے بولنے سے پایا جاتا ہے کہ آسمان کا ایسا جسم جیساکہ یونانیوں اور اُن کی تقلید سے علماء اسلام نے تسلیم کیا ہے ویسا جسم اُن کا نہیں ہے ✦

جناب مولوی محمد علی صاحب نے یا تو ہمارا مطلب نہیں سمجھا یا ہمارا بیان ایسا ناقص ہے کہ عالموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے حرکت کرنیوالے اجسام ہیں۔ پس ضرور ہے کہ مدار انکا طویل و عریض و عمیق ہو ✦ جب یہ امر ممہد ہوچکا تو بعد مدار حرکت سیارگان اُن لوگوں کی رائے پر جن کے نزدیک خلا محال ہے بلاشک و شبہ جسم ہی ہوگا خواہ جسم لطیف مثل پانی و ہوا کے ہو خواہ کثیف شفاف ایسا جو مانع سیر نہو اور جو لوگ خلا کے امکان کے قایل ہیں اُن کے نزدیک ممکن ہے کہ بعد مجرد ہو یا بُعد مجسم ✦

خدا مولوی صاحب کا بھلا کرے ہم تو اسی مدار کو جس کا ابھی ذکر کیا سماء و سبع سمٰوات مانتے ہیں اور صرف یونانی حکیموں کے آسمان مجسم سے انکار کرتے ہیں نہ ایسے مدار سے جسکا جناب مولوی صاحب نے ذکر کیا اور اس بات کا کچھ خیال بھی نہیں کرتے کہ خلا محال ہے یا ممکن کیونکہ اسکے محال یا ممکن ہونے پر اب تک کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوئی ہے بلکہ بحالت امکان خلا بھی ہم اُس مدار کو مخلوق بلکہ ذی حیات تسلیم کرینگے صرف ہم میں اور جناب مولوی صاحب میں اتنا فرق ہے کہ شاید جناب ممدوح خلا کو غیر مخلوق مانتے ہیں اگر وہ ممکن ہو مگر ہم خلا کو بھی مخلوق مانتے ہیں اور خدا کو سب چیز کا یہاں تک کہ خلا کا بھی

خالق جانتے ہیں ؛

تعجب ہے کہ ہم برابر اور اپنی ہر ایک تحریر کے شروع میں کہتے آتے ہیں کہ ہم اُس جسمانیت آسمان کے منکر ہیں جو یونانی حکیموں نے تسلیم کی ہے اور جسکو علماء اسلام نے یونانیوں کی تقلید کرکر بتبدیل قلیل تسلیم کیا ہے اور جزو مذہب قرار دیا ہے ؛

ہم علماء اسلام کی اُن لغو باتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں اُنھوں نے یونانیوں کی تقلید سے اور موضوع روایتیں بنکر آسمان کو ایسا جسم مانا ہے جو ہم میں اور اوپر کی مخلوق میں آڑ ہے اور لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر میں یوم تشقق السماء بالغمام کی تفسیر میں کیا لغو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت لکھی ہے کہ انبیاء کے وقت میں تو نیچے کتروں میں سے فرشتے نازل ہوا کرتے تھے آسمان بدستور جوڑے رہتے تھے مگر جب آسمان پھٹ جاوینگے تو زمین میں اور فرشتوں میں کوئی حائل نہیں رہنے کا پس فرشتے زمین پر اُتر آوینگے ؛

دوسرا قول لکھا ہے کہ آسمان کے اوپر تو فرشتے رہتے ہیں مگر جب وہ پھٹ جاویگا تو خواہ نخواہ اُنکو نیچے اترنا پڑے گا بقول شخصے کہ جب اڈا ہی نہ رہیگا تو بیٹھیں گے کاہے پر۔ پھر حضرت ابن عباس کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے اور ساتوں آسمانوں کا پھٹنا اور وہاں کے فرشتوں کا زمین پر آنا بیان کیا ہے۔ پھر اس فکر میں پڑے ہیں کہ زمین پر سب وہ سماینگے کیونکر۔ پھر اُس کے لیئے ایک روایت گھڑی ہے ؛

پھر حضرت مقاتل کی نسبت ایک روایت گھڑی ہے اور اُس میں تو قیامت ہی کر دی ہے اُس میں لکھا ہے کہ اول دنیا کا آسمان پھٹے گا اور اُس آسمان پر جو رہتے ہیں وہ اُترینگے اور وہ تمام دنیا کے سکان سے زیادہ ہونگے پھر اسی طرح ایک ایک آسمان پھٹتا جاویگا اخیر کو کروبی اور فرشتگان حملۃ العرش اُترینگے اور پھر سب سے اخیر خدا تعالیٰ رب العرش العظیم اُترینگے کیونکہ وہ تو سب سے اوپر تھے جب سب آسمان پھٹ لیئے تب جناب باری کو اُترنے کا رستہ ملا نعوذ باللہ من ھذہ الاباطیل۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام یہی ہو تو اُس سے دیو اور پری کے قصے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ جناب مولوی صاحب قبلہ آپ جو اِن لغویات کی تائید کرتے ہیں یہ اسلام کی خیرخواہی نہیں بلکہ کمال بدخواہی ہے اور جھوٹی آبرو سے اسلام کا بدنام کرنا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں جوں ترقی حکمت شہودیہ اور علوم یقینیہ کی ہوگی لوگ اسلام سے پھرتے جاوینگے اور اسلام کو آپ لوگوں کی بدولت لغو سمجھیں گے اور اُس سب کا گناہ مولوی صاحبوں کی گردن پر ہوگا۔ اسلام کی دوستی یہ ہے کہ نہ ضحاک کی رعایت کیجئے نہ مقاتل کی صرف

اسلام پر عاشق رہیئے اور جس قدر غلط روایتیں اور غلط رائیں اسلام میں مل گئی ہیں جو درحقیقت اسلام کی نہیں ہیں اُن کو اس طرح نکال ڈالیئے جیسے کہ دودھ میں سے مکھی اور اسلام کی روشنی دہریہ و لامذہب و حکیم پیرو حکمت قدیم و پیرو حکمت جدید سب کو ایسی طرح پر سکھایئے کہ سب دنگ ہو جاویں۔ قلم ہاتھ میں لیکر بے سُود باتوں سے کاغذ کو سیاہ کر دینا اور تفسیر القول بما لا یرضی قایلہ کر کے لوگوں کو کافر و ملحد و مرتد کہنا کچھ دینداری کی بات نہیں ہے البتہ جاہلوں میں بیٹھکر شیخی کرنے کو اور بڑے پکّے دیندار کہلانے کو تو بہت عمدہ ہے ہم کیوں پیروی کریں اُن علماء کے قول کی جن کا قول خلاف واقع ثابت ہوا ہے اور کیوں پیروی کریں اُس تفسیر کی جس سے تمام قرآن نعوذ باللہ غلط اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ہم کسی مفسر اور کسی عالم پر ایمان نہیں لائے جو اُن کی بات کی پچ کریں۔ ہم تو خدا پر اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس کے کلام پر ایمان لائے ہیں اور اُس کے عاشق ہیں پس جو شخص یا جو قول ایسا ہے جس سے اُن میں نقص لازم آتا ہے تو اُس کے دشمن ہیں پس نہایت مناسب ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہو جیئے مگر اتنا سمجھ لیجیئے کہ دوست کے دشمن ہوتے ہو اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ دوست کا دشمن کون ہوتا ہے +

پانچویں۔ سماء کا اطلاق شے مرتفع پر بھی آتا ہے۔ ہمنے اپنے اس قول کی تائید میں امام فخرالدین رازی کا قول نقل کیا تھا کہ السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع۔ اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے یہ قول امام صاحب کا بھی نقل فرمایا ہے کہ "ان السماء انما سمیت سماء لسموھا فکل ما سماک فھو سماء فانزل الماء من السحاب فقد نزل من السماء" یعنی آسمان کا نام سماء اسی سبب سے رکھا گیا ہے کہ وہ بلند ہے پس جو چیز کہ تجھ سے بلند ہے وہ آسمان ہے پس جب نازل ہوا مینہ بادل سے تو برسا سماء سے +

مگر جناب مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ امام فخرالدین رازی علماء لغت میں سے نہیں ہیں اُن کا قول بیان معانی لغت اور دیگر علوم عربیہ میں معتمد نہیں +

پھر ارقام فرماتے ہیں کہ امام رازی نے یہ بات بطریق قیاس فی اللغۃ کے فرمائی اور چونکہ قیاس فی اللغۃ مقبول نہیں ہے پس یہ قول بھی اُن کا مقبول نہیں ہو سکتا +

خیر ہمکو اس سے تو بحث نہیں ہے کہ امام فخرالدین رازی کو علوم عربیہ کی لیاقت تھی یا نہیں۔ اگر لیاقت تھی تو بھی دل ما شاد اور اگر نہ تھی تو جو کچھ مولوی صاحب نے اُن کے حق میں فرمایا ہماری طرف سے بھی پیش باد مگر اس قدر تو شاید جناب مولوی صاحب بھی تسلیم فرماتے ہونگے کہ بطور استعارہ کے مرتفع چیزوں پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے پس اس قدر ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن پر بھی سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے +

یہ ہم کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ سماء اور سموات کے معنی اوپر کے یا اوپر کی چیزوں کے لو ہم تو خود سماء کا اطلاق متعدد چیزوں پر اس لیئے ثابت کرتے ہیں کہ اُن میں سے جون سی چیز مقتضائے مقام ہو اور سیاق و سباق عبارت سے پائی جاوے وہ مُراد لیجاوے نہ کہ یونانیوں کی تقلید سے ہر جگہ وُہی فرضی غیر واقعی جسم مراد لیا جاوے جو محض غلط و خلاف واقع ہے +

ہمکو نہ مولوی محمد علی صاحب کا اور نہ اَور کسی تحریر کا جواب لکھنا مقصود ہے - اِس مقام پر اتفاقیہ چند باتیں تقریر کے پھیر میں آگئیں پس ہمنے اُن کی بہت سی بیجا اور غیر صحیح باتوں سے جو تعرض نہیں کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بے فایدہ اوقات ضائع کرنے سے کیا فائیدہ ہے +

اَب ہم آیندہ بیان کریں گے - جو کچھ ہم نے بیان کیا کوئی آیت قرآن مجید کی اُسکے برخلاف نہیں ہے +

اِس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سماء کے لفظ کا کن کِن معنوں میں اطلاق ہوا ہے اَب ہم قرآن مجید کی جُملہ آیتوں پر جو سماء سے متعلق ہیں نظر کرتے ہیں اور اُن سب کو قسم وار بیان کر کے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں معنوں میں سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے نہ ایسے جسم محکم و صلب شفاف بلورین پر جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا ہے اور جن کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے +

## قسم اوّل

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا بادلوں پر اطلاق ہوا ہے +

۱ - وارسلنا السماء علیھم مدرارًا - الانعام آیت ۶ +

**ترجمہ** - اور بھیجا ہمنے بادل کو اُن پر دڑیڑے سے برستا +

۲ و ۳ - یرسل السماء علیکم مدرارًا - ھود آیت ۵۴ - نوح آیت ۱۰ +

**ترجمہ** - بھیجے بادل تم پر دڑیڑے سے برستا + سورہ ہود میں جو یہ آیت ہے اُسکے ترجمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ ابر کیا ہے اور باقی دو جگہ مینھ +

۴ - ۱۴ - انزل من السماء ماء - البقرہ آیت ۲۰ - الانعام آیت ۹۹ - الرعد آیت ۱۸ - ابراھیم آیت ۳۷ - النحل آیت ۱۰ و ۶۷ - طہٰ آیت ۵۵ - الحج آیت ۶۲ - المومنون آیت ۱۸ -

الملائکۃ آیت ۲۵ - الزمر آیت ۲۲ ۔

ترجمہ - اُتارا بادل سے پانی ۔

۱۵ - والذی نزل من السماء ماء بقدر - الزخرف آیت ۱۰ ۔

ترجمہ - اور جس نے اُتارا بادل سے پانی اندازہ سے ۔

۱۶ - وانزلنا من السماء ماء طھورا - الفرقان - آیت ۵۰ ۔

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے بادل سے پانی پاک کرنیوالا ۔

۱۷ - ونزلنا من السماء ماء مبارکاً - ق - آیت ۹ ۔

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے پانی بادل سے برکت والا ۔

۱۸ - وما انزل اللہ من السماء من ماء - البقرہ آیت ۱۵۹ ۔

ترجمہ - اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے پانی ۔

۱۹ - وینزل علیکم من السماء ماء - الانفال - آیت ۱۱ ۔

ترجمہ - اور اُتارتا ہے تم پر بادل سے پانی ۔

۲۰ و ۲۱ - کماءٍ انزلناہ من السماء - یونس - آیت ۲۵ ۔ الکہف آیت ۴۳ ۔

ترجمہ - مانند پانی کے جسکو اُتارا ہمنے بادل سے ۔

۲۲ - فانزلنا من السماء ماء - الحجر - آیت ۲۲ ۔

ترجمہ - پھر اُتارا ہمنے بادل سے پانی ۔

۲۳ - وانزل لکم من السماء ماء - النمل آیت ۶۱ ۔

ترجمہ - اور اُتارا تمھارے لیئے بادل سے پانی ۔

۲۴ - وانزلنا من السماء ماء - لقمان - آیت ۹ ۔

ترجمہ - اور اُتارا ہمنے بادل سے پانی ۔

۲۵ - ومن آیاتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینزل من السماء ماء - الروم - آیت ۲۳ ۔

ترجمہ - اور اُسکی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تمکو بجلی ڈرانے کو اور لالچ کرنے کو اور اُتارتا ہے بادل سے پانی ۔

۲۶ - اوکصیب من السماء فیہ ظلمات ورعد وبرق - البقرہ - آیت ۱۸ ۔

ترجمہ - یا جیسے دھواں دھار مینہ برسنے کے بادل سے کہ اُسمیں ہیں اندھیری اور کڑک اور بجلی ۔

۲۷ - ولئن سألتهم من نزل من السماء ماء - العنکبوت - آیت ۶۳ ؎

ترجمہ - اور اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے اُتارا بادل سے پانی ؎

۲۸ - وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتہا - الجاثیہ آیت ۴ ؎

ترجمہ - اور وہ جو اُتارا اللہ نے بادل سے رزق یعنی مینہ پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد ؎

۲۹ - ۳۱ - من یرزقکم من السماء والارض - یونس آیت ۳۲ - الملائکہ آیت ۳ ؎

ترجمہ - کون روزی دیتا ہے تمکو بادل سے اور زمین سے ؎ آسمان کے رزق سے بادلوں سے مینہ برسنا مراد ہے ؎

۳۲ - وینزل لکم من السماء رزقاً - المومن آیت ۱۳ ؎

ترجمہ - اور اُتارا ہے تمہارے لیئے بادل سے رزق یعنی مینہ ؎

۳۳ - وفی السماء رزقکم وما توعدون - الذاریات آیت ۲۲ ؎

ترجمہ - اور بادل میں ہے رزق تمہارا اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ہے ؎ یعنی بادلوں میں مینہ ہوتا ہے جو رزق پیدا ہونے کا اور زمین سے تمام موعودہ برکتوں کے نکلنے کا سبب ہے ؎

۳۴ - ففتحنا ابواب السماء بماءٍ منہمر - القمر آیت ۱۱ ؎

ترجمہ - پھر کھول دیئے ہمنے بادل کے دروازے وڑیڑے کا پانی ٹپنے سے ؎

۳۵ - وینزل من السماء من جبال فیہا من برد - النور آیت ۴۳ ؎

ترجمہ - اور ڈالتا ہے بادل کے پہاڑوں سے جو اُس میں ہیں اولے ؎

۳۶ - والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع - الطارق - ۱۱ و ۱۲ ؎

ترجمہ - قسم ہے پھرنے والے بادل کی قسم ہے زمین اُگانے والے پھوٹاؤ والی کی ؎

## قسم دوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا فضائے بلند محیط ابر اطلاق ہوا ہے -

۱ - والسماء ذات الحبک - الذاریات آیت ۷ ؎

ترجمہ - قسم ہے رستوں والی اونچائی کی ؎

تفسیر کبیر میں لکھا ہے والسماء ذات الحبک قیل الطرائق وعلی ھذا فیحتمل ان یکون المراد طرائق الکواکب وممراتھا۔ یعنی تفسیر کبیر میں حبک کے معنی طرائق کے یعنی رستوں کے بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ شاید اس سے ستاروں کے رستے اور اُن کے چلنے کی جگہیں مراد ہیں*

اب اس آیت سے دو بات پر استدلال ہے۔ ایک یہ کہ آسمان ستاروں کے چلنے کی جگہ پر بولا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کوئی ایسا جسم سخت اور صلب شفاف بلوریں نہیں ہے جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا تھا اور جس کی تقلید علمائے اسلام نے کی ہے بلکہ اُس مکان مرتفع کا جس میں اجرام یا اجسام کواکب کے دَورہ کرتے ہیں سماء نام ہے۔ ہم اس سے بحث نہیں کرتے کہ اُس مکان میں کوئی جسم لطیف جو مانع سیر کواکب نہ ہو موجود ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے پاس اُسکے موجود ہونے کے اثبات کے لیئے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی صحت اور صداقت ثابت کرنے کے لیئے ایسے کسی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ در صورت اُسکے موجود ہونے کے کچھ [illegible]ت ہے*

کواکب بہت سے ہیں اور اُن کی راہیں بھی بہت سی اور جُدا جُدا ہیں اور ہر ایک مکان کے دَورہ پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جبکہ خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ رستوں والا آسمان تو اُسوقت آسمان سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص جسم مسلمہ حکمائے یونان مراد نہیں ہو سکتا اور اس لیئے اِس آیت میں لفظ سماء کا بلندی پر اطلاق ہوا ہے جو مکانیت سے خالی نہیں ہے اور جس میں ہزاروں رستے کواکب کے دَورہ کے ہیں*

۲- ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوات۔ البقرہ۔ آیت ۲۷

**ترجمہ**۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور پیدا کیا بلندی کو تو درست کیئے سات آسمان*

تفسیر کبیر میں لکھا ہے ثم استوی الی السماء اے خلق بعد الارض السماء ولم یجعل بینھما زماناً ولم یقصد شیئاً آخر بعد خلقہ الارض یعنی ثم استوی الی السماء سے زمین کے بعد سماء کے پیدا کرنے کا استعارہ ہے اور اُن دونوں کے پیدا کرنے کے بیچ میں کچھ مدت نہیں لگی اور نہ زمین کے پیدا کرنے کے بعد اور کسی چیز کا قصد کیا*

اور یہی تفسیر کبیر میں لکھا ہے فان قال قایل فهل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزاید یعنی کیا سات آسمانوں کی تعداد بیان کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ سات سے زیادہ نہیں ہیں تو ہم جواب دینگے کہ حق یہ ہے کہ کسی خاص عدد کا بیان کرنا اُس سے زیادہ ہونے پر دلیل نہیں ہے ✦

انھیں وجوہات سے ہمنے ثم استوی الی السماء کا ترجمہ اور پیدا کیا آسمان یعنی بلندی کو اور سبع کا ترجمہ بعوض سات کے متعدد کیا ہے ✦

علماء متقدمین کو جو یونانی ہیئت کا خیال جا ہوا تھا اس لیئے اُن کو اس قسم کی آیتوں کی تفسیر میں مشکلات پیش آتی ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہم بندوں سے جو اس زمین پر بستے ہیں مخاطب ہو کر اُن کے حسب حال کلام کرتا ہے۔ جبکہ اُس نے ہمارے لیئے زمین اور اُسکی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا تو جو کچھ اُس نے ہم سے اوپر پیدا کیا تھا وہ ہمارے لیئے سموات ہوگئی اس لیئے اوّل زمین کی چیزوں کا ذکر کیا اور پھر آسمانوں کا ✦

ہمنے سماء کا ترجمہ بلندی کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سماء کے لفظ سے کوئی محل خاص یا کوئی یونانیوں والا خاص جسم مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی ایک آسمان کے سات آسمان نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ وہ الگ الگ جُدا گانہ سات آسمان ہیں اس لیئے بجز اسکے کہ اس آیت میں لفظ سماء سے بلندی مراد لیجائے اَور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے اور جب اُسکے معنی بلندی لیئے گئے تو آیت کے معنی صاف ہو گئے کہ خدا نے بلندی کو پیدا کیا اور اُس میں سات یا متعدد آسمان بنائے ✦

بلندی ایک فضا یا وسعت محیط ہے جو ہماری سمت الراس پر دکھائی دیتی ہے۔ وہ مکانیت سے خالی نہیں خواہ اُس میں خلا ہو یا نہو مگر جب وہ فضائے مرتفع متعدد نشانوں سے منقسم ہو جاتی ہے تو اُس کے ہر ہر ٹکڑے پر طبعی یا سماء یا ارتفاع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہم یونانی حکیموں کے قول کو تسلیم نہیں کرتے مگر بطور مثال کے سمجھاتے ہیں کہ جو وسعت اُن کے نزدیک زمین سے فلک قمر کے مقعر تک تھی اسکو اُنھوں نے تین ٹکڑوں پر منقسم کیا تھا جن کو وہ کرہ ہوا اور کرہ زمہریر اور کرہ نار سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح اُس وسعت کی تقسیم سموات پر ہوتی ہے یعنی اُس وسعت کے اُس محل کو جہاں یہ نیلی نیلی چیز ہمکو دکھائی دیتی ہے ہم آسمان کہتے ہیں اور اُس محل کو بھی جہاں چاند گردش کرتا ہے پھیلا ہوا ستارے علاوہ شمس و قمر وغیرہ گردش کرتے ہیں یا رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کل نسبت ہمارے مرتفع ہیں پس انھیں محلوں پر خدا تعالیٰ نے

سموات کا اطلاق کیا ہے اس بیان کی تصویر اگلی آیت سے بالکل ثابت ہوتی ہے ۔

۳ ۔ ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً اوکرھاً قالتا اتینا طائعین فقضاھن سبع سموات فی یومین واوحیٰ فی کل سماء امرھا ۔ فصلت آیت ۱۱ و ۱۲ ۔

ترجمہ ۔ اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں تھا یعنی تاریک تھی پھر کہا اُسکو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے ۔ دونوں نے کہا ہمنے حکم مانا خوشی سے پھر کردیئے سات یا متعدد آسمان دو دن میں اور ڈال دیا ہر آسمان میں اُس کا کام ۔

جو تقریر کہ ہمنے اوپر بیان کی اُسی تقریر سے اس آیت میں بھی جو لفظ سماء اول آیا ہے اُس کے معنی بھی کسی محل خاص یا جسم خاص کے نہیں ہوسکتے ۔

دخان سے مفسرین نے تاریکی مراد لی ہے اور یہ بالکل ٹھیک ہے اس لیئے کہ بلندی میں قبل ظہور کواکب بجز تاریکی کے جسکو دخان سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نہیں تھا ۔

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "آسمان ایک تھا دھواں سا اُسکو بانٹکر سات کیئے اور ہر ایک کا کارخانہ جُدا ٹھہرایا" یہ بالکل تصویر اُسی بیان کی ہے جو ہمنے اوپر بیان کیا ہے یعنی یہ تمام فضائے بلند ایک تھی اُسی کو آسمان کہا ہے جبکہ اُس میں اور اور چیزیں پیدا ہوئیں اور اُس فضا کی اُن چیزوں سے تقسیم ہوگئی تو اُس کے ٹکڑوں پر سموات کا اطلاق ہونیلگا ۔

دیکھو کرہ ہوا میں آفتاب کی نیلی شعاع منعکس ہونے سے یہ نیلی چھت ہمکو دکھائی دیتی ہے اور اُس فضا کو اپنی اُس حد سے تقسیم کردیتی ہے اُس محل کو ہم آسمان کہتے ہیں ۔

چاند اور عطارد وغیرہ کواکب اپنے وجود سے اُس فضا کو تقسیم کردیتے ہیں جیسے صفر کا غذ پر نقاط لگانے سے ہر حصہ محدود ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دَوْرہ سے جو آفتاب کے گرد کرتے ہیں ایک محل کو جو بلاشبہ کائنات کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے اُس فضا سے علیحدہ کرلیتے ہیں اس لیئے اُن کے ہر ہر محل کو بھی ہم آسمان کہتے ہیں ۔

۴ ۔ فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون ۔ البقرۃ آیت ۵۶ ۔

ترجمہ ۔ پھر اُتارا ہمنے زیادتی کرنے والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے اُن کی نافرمانی پر ۔

۵ ۔ فارسلنا علیھم رجزاً من السماء بما کانوا یظلمون ۔ الاعراف آیت ۱۶۲ ۔

ترجمہ - پھر بھیجا ہمنے اُن پر عذاب آسمان سے یعنی سماوند اُن کی زیادتی کا ۔

۶ - انا منزلون علیٰ اھل ھذہ القریۃ رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون ۔ العنکبوت آیت ۳۳ ۔

ترجمہ - ہم اُتارنیوالے ہیں اس بستی والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے بعوض اُن کی بدکاری کے ۔

۷ - فامطر علینا حجارۃ من السماء - الانفال آیت ۳۲ ۔

ترجمہ - تو برسا ہمپر پتھر آسمان سے ۔

۸ - ان تنزل علیھم کتاباً من السماء - النساء آیت ۱۵۲ ۔

ترجمہ - اُن پر اُتار لاوے کتاب آسمان سے یعنی اوپر سے ۔

۹ - ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء - المائدہ - آیت ۱۱۲ ۔

ترجمہ - تیرے خدا سے ہوسکتا ہے کہ اُتارے ہمپر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ۔

۱۰ - اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء - المائدہ آیت ۱۱۴ ۔

ترجمہ - اے اللہ ہمارے پروردگار اُتار ہمپر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے ۔

۱۱ - ویرسل علیھا حسباناً من السماء - کھف آیت ۳۸ ۔

ترجمہ - اور بھیجدے اُسپر آفت آسمان سے ۔

۱۲ - لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولاً - اسرائیل آیت ۹۷ ۔

ترجمہ - البتہ ہم اُتارتے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لیکر ۔

۱۳ - ان نشأ ننزل علیھم من السماء اٰیۃ - الشعرا - آیت ۳ ۔

ترجمہ - اگر ہم چاہیں اُتاریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی ۔

۱۴ - ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء - الحج آیت ۳۲ ۔

ترجمہ - اور جس نے شریک بتایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے یعنی بلندی سے ۔

۳۲ - وما انزلنا علیٰ قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنا منزلین - یٰس آیت ۲۷

ترجمہ - اور نہیں اُتارا ہمنے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور ہم نہیں اُتارا کرتے ۔

۳۳ - لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض - الاعراف آیت ۹۴ ۔

ترجمہ۔ تو ہم کھول دیتے اُن پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی ۔

۳۵۔ ولو فتحنا علیهم باباً من السماء ۔ الحجر آیت ۱۴ ۔

ترجمہ۔ اور اگر ہم کھولدیں اُن پر دروازہ آسمان سے ۔

۳۶۔ لا تفتح لهم ابواب السّماء ۔ الاعراف آیت ۳۸ ۔

ترجمہ۔ کبھی نہ کھلیں گے اُن پر دروازے آسمان کے ۔

۳۷۔ یدبر الامر من السماء الی الارض ۔ السجدہ ۔ آیت ۴ ۔

ترجمہ۔ تدبیر سے اُتارتا ہے کام کو آسمان سے زمین تک ۔

۳۸ و ۳۹۔ وما ینزل من السماء وما یعرج فیها ۔ سبا آیت ۲ ۔ والحدید آیت ۴ ۔

ترجمہ۔ اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اُس میں ۔

۴۰ و ۴۱۔ ءأمنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا هی تمور ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصباً ۔ الملک آیت ۱۶ و ۱۷ ۔

ترجمہ۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تمکو زمین میں پھر دیکھو وہ لرزتی ہے۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھر برسانے والی ہوا ۔

۴۲۔ ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقاً حرجاً کانما یصّعّد فی السّماء ۔ الانعام آیت ۱۲۵ ۔

ترجمہ۔ اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھٹکاوے کرتا ہے اُسکا سینہ تنگ بہونچے گویا آسمان پر یعنی اوپر کو اُٹھا جاتا ہے ۔

۴۳۔ تبارک الّذی جعل فی السّماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمراً منیرا ۔ الفرقان ۔ آیت ۶۲ ۔

ترجمہ۔ بڑی برکت ہے اُسکی جس نے بنائے آسمان میں بُرج اور رکھا اُس میں چراغ اور چاند روشن ۔

سماء کے لفظ سے جو اس آیت میں ہے کوئی خاص محل اور خاص جسم مراد نہیں ہو سکتا بجز فضائے مرتفع کے کیونکہ بروج اور سورج اور چاند ایک آسمان میں نہیں ہیں بلکہ ایک فضائے مرتفع میں ہیں ۔

۴۴ - ولقد جعلنا فی السّماء بروجا وزیّنّٰھا للنّاظرین - الحجر آیت ۱۶ +

ترجمہ - البتہ بنائے ہمنے آسمان میں برج اور خوبصورت کیا اُسکو دیکھنے والوں کے لیئے +

۴۵ - والسّماء ذات البروج - البروج آیت ۱ +

ترجمہ - قسم ہے برجوں والی اونچائی کی +

اگرچہ اِس آیت میں برجوں والے آسمان کے معنی بھی لیئے جاسکتے ہیں مگر بمناسبت آیت سورۃ الفرقان کے اِس جگہ پر بھی فضائے مرتفع کے معنی لیئے گئے ہیں +

۴۶ - فلیمدد بسبب الی السّماء - الحج آیت ۱۵ +

ترجمہ - پھر چاہیئے کہ تانی ایک رسّی آسمان یعنی اوپر کی طرف -

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی حاشیہ پر لکھا ہے کہ "آسمان کو تانے یعنی اچان کر" - اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سماء کا ترجمہ جانب بالا کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں " پس باید کہ بیاویزد رسنے بجانب بالا" +

۴۷ - اصلھا ثابت وفرعھا فی السّماء + ابراھیم آیت ۲۹ +

ترجمہ - اُسکی جڑ مضبوط ہے - اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

## قِسم سوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا اس نیلی چیز پر جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے +

۱ - ولقد زیّنّا السّماء الدّنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجوماً للشّیاطین + الملک آیت ۵ +

ترجمہ - اور البتہ خوشنا کیا ہمنے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور کیا ہمنے اُسکو سنگساری شیطانوں کے لیئے +

۲ - وزیّنّا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً + فصلت آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور خوشنا کیا ہمنے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور حفاظت میں رکھا +

۳ - انّا زیّنّا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب - الصافات آیت ۶ +

ترجمہ - البتہ ہمنے خوشنا کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے +

ان آیتوں میں جو لفظ "سماء الدنیا" کا جناب رسول خدا صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جو اُمّی محض تھے اور علاوہ اُمّی ہونے کے ایسے ملک اور ایسے لوگوں میں پرورش پائی تھی جو بالکل جاہل تھے

اور کسی قسم کے علوم اُن کے ہاں مروج نہ تھے وہ علم طبیعات کا نام بھی نہیں جانتے تھے تو اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ لفظ وحی و الہام سے نکلے ہیں اور جو امر کہ اب تحقیق ہوا ہے وہ تیرہ سو برس پیشتر ایک اُمّی نے فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم +

اس نیلی نیلی چیز کو جو ہمکو دکھائی دیتی ہے سماء دنیا کہنا ایسا ٹھیک ہے کہ آجکل بھی بڑے بڑے عالم علوم طبعی کے اس سے زیادہ عمدہ کوئی لفظ نہیں نکال سکتے۔ ہماری دنیا کے گرد جس پر ہم بستے ہیں ہوا محیط ہے۔ بعضوں نے اندازہ کیا ہے کہ اُسکا ارتفاع یا عمق پینتالیس میل کا ہے اور بعضوں نے اس سے بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ بہرحال اُس ہوائے محیط میں آفتاب کی نیلی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں اور اس سبب سے یہ نیلی گنبدی چھت ہمکو اپنی دنیا کے گرد دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت ہماری دنیا کا آسمان ہے۔ پس اس نیلی گنبدی چھت پر سماء دنیا کا اطلاق بالکل حقیقت اور علم کے مطابق ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علما حکماء یونان کی تقلید کرتے ہیں اور حقایق قرآن پر غور نہیں کرتے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین +

۴ ۔ وجعلنا السّماء سقفاً محفوظا ۔ الانبیاء آیت ۳۳ +

ترجمہ ۔ اور بنایا ہمنے آسمان کو چھت حفاظت کی گئی +

۵ ۔ والسقف المرفوع ۔ الطور آیت ۵ +

ترجمہ ۔ قسم ہے اونچی چھت کی +

۶ ۔ والسّماء رفعها ووضع المیزان ۔ الرحمٰن آیت ۶ +

ترجمہ ۔ اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی اُسکے لیئے ترازو +

۷ ۔ افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السّماء والارض ان نشاء نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السّماء ۔ سبا آیت ۹ +

ترجمہ ۔ کیا اُنھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیویں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں +

۸ ۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ۔ والی السّماء کیف رفعت ۔ الغاشیہ آیت ۱۸

ترجمہ ۔ پھر کیوں نہیں دیکھتے اُونٹ کو کہ کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اُونچا کیا گیا ہے +

۹ - والسّماء ومابناها - الشمس آیت ۵ +

ترجمہ - قسم ہے آسمان کی اور جیسا اُسکو بنایا +

۱۰ - افلم ینظروا الی السّماء فوقھم کیف بنینھا وزیّنّٰھا ومالھا من فروج - ق آیت ۶ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر کیسا ہمنے اُسکو بنایا ہے اور اُسکو خوشنا کیا ہے اور اُس میں کوئی دراڑ نہیں +

۱۱ - والسّماء بنینٰھا باید وانا لموسعون - الذاریات آیت ۴۷ +

ترجمہ - اور بنایا ہمنے آسمان کو ہاتھ سے یعنی اپنی قدرت سے اور ہمکو سب قدرت ہے +

۱۲ - الذی جعل لکم الارض فراشا والسّماء بناء - البقرہ آیت ۲۰ +

ترجمہ - جس نے بنایا زمین کو تمھارے لیئے بچھونا اور آسمان کو محل +

۱۳ - اللہ الذی جعل لکم الارض قرارًا والسّماء بناء - المومن آیت ۶۶ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو محل +

۱۴ - أانتم اشد خلقا أم السماء بناھا رفع سمکھا فسوّٰھا - النازعات ۲۷ و ۲۸ +

ترجمہ - تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان خدا نے بنایا آسمان کو اونچی کی اُسکی چوٹی پھر درست کیا اُسکو +

۱۵ - ومن اٰیٰتہ ان تقوم السّماء والارض بامرہ - الروم آیت ۲۴ +

ترجمہ - اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے اپنی جگہ پر رہنا آسمان اور زمین کا خدا کے حکم سے +

۱۶ - ویمسک السّماء ان تقع علی الارض - الحج آیت ۶۴ +

ترجمہ - تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے +

۱۷ - یوم تشقق السماء بالغمام ونزّل الملائکۃ تنزیلا - الفرقان آیت ۲۷ +

ترجمہ - اور جس دن پھٹ جاوے آسمان غمام سے اور اُتارے جاویں فرشتے ایک طرح کا اُتارنا +

۱۸ - فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان - الرحمن آیت ۳۷ +

ترجمہ - جب پھٹے گا آسمان تو ہو جاویگا گلابی تیلیا +

۱۹- وانشقت السماء فھي یومئذ واھیۃ - الحاقہ آیت ۱۶ +

ترجمہ - اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُسدن ہوگا بکسا ہوا +

۲۰- اذا السماء انشقت - انشقت آیت ۱ +

ترجمہ - جب آسمان پھٹ جاوے +

۲۱- فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان شیباً السماء منفطر بہ - المزمل آیت ۱۸ +

ترجمہ - پس اگر تم کافر ہوئے تو کیونکر بچو گے اُس دن جس میں بچے بڈھے ہوجاویں گے اور آسمان پھٹ جاویگا +

۲۲- اذا السماء انفطرت - انفطرت آیت ۱ +

ترجمہ - جب آسمان پھوٹ جاوے +

۲۳- فاذا النجوم طمست و اذا السماء فرجت - المرسلات آیت ۹ و ۱۰ +

ترجمہ - پھر جب تارے مٹائے جاویں اور آسمان پھاڑا جاوے +

۲۴- وفتحت السماء فکانت ابواباً - النبا آیت ۱۹ +

ترجمہ - اور کھولدیا جاوے آسمان پھر ہوجاویں دروازے +

۲۵- واذا السماء کشطت - کورت آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور جب آسمان کا پوست اُتارا جاوے +

۲۶- یوم تکون السماء کالمھل - المعارج آیت ۸ +

ترجمہ - جس دن ہوگا آسمان جیسے پگلا ہوا تانبا +

۲۷- فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین - الدخان آیت ۹ +

ترجمہ - پس انتظار کرو اُس دن کا کہ نکالے آسمان دھواں سب کو معلوم ہوتا +

۲۸- الم یروا الی الطیر مسخرات في جو السماء - النحل آیت ۸۱ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھتے اُڑنیوالے جانوروں کو کہ فرمانبردار کیئے گئے ہیں آسمان کی وسعت میں +

۲۹- اللہ الذي یرسل الریاح فتثیر سحاباً فیبسطہ فی السماء کیف یشاء - الروم آیت ۴۸ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلاتا ہے اُسکو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے +

۳۰ - قد نری تقلب وجھك فی السماء - البقرہ آیت ۱۳۹ ✦

ترجمہ - البتہ ہمنے دیکھا پھرنا تیرے مونھ کا آسمان کی طرف ✦

۳۱ - انّ اللہ لا یخفیٰ علیہ شیٔ فی الارض ولا فی السّماء - آل عمران آیت ۴ ✦

ترجمہ - البتہ خدا پر پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں یعنی تحت میں نہ آسمان یعنی فوق میں ✦

۳۲ - ومایعزب عن ربّك من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السّماء - یونس - آیت ۶۲ ✦

ترجمہ - اور غایب نہیں رہتا تیرے پروردگار سے ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں ✦

۳۳ - اصلها ثابت وفرعها فی السّماء - ابراھیم آیت ۲۹ ✦

ترجمہ - اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُسکی ٹہنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں ✦

۳۴ - وما یخفیٰ علی اللہ من شیٔ فی الارض ولا فی السّماء - ابراھیم آیت ۴۱ ✦

ترجمہ - اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں ✦

۳۵ - قال ربي یعلم القول فی السّماء والارض - الانبیا آیت ۴ ✦

ترجمہ - اُس نے کہا میرا پروردگار جانتا ہے ہر بات کو آسمان میں ہو یا زمین میں ہو ✦

۳۶ - الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السّماء والارض - الحج آیت ۶۹ ✦

ترجمہ - کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان میں اور زمین میں ✦

۳۷ - وما من غائبة فی السماء والارض الّا فی کتاب مبین - النمل آیت ۷۷ ✦

ترجمہ - اور کوئی چیز نہیں جو پوشیدہ ہو آسمان میں اور زمین میں مگر ہے کتاب روشن میں ✦

۳۸ - وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السّماء - العنکبوت آیت ۲۱ ✦

ترجمہ - اور نہیں ہو تم تھکانے والے زمین میں اور آسمان میں ✦

۳۹ - وھو الذي فی السماء اله وفی الارض اله - الزخرف آیت ۸۴ ✦

ترجمہ - وُہی ہے جو آسمان میں حاکم ہے اور زمین میں حاکم ہے ✦

۴۰ - وان یروا کسفا من السّماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم - الطور آیت ۴۴ ✦

ترجمہ - اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا ✦

۴۱ - یوم تمور السّماء مورا - الطور آیت ۹ ✦

۷ - خلق السموات والارض بالحق - التغابن آیت ۳ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیئے +

۸ - الم تر ان اللہ خلق السموات والارض بالحق - ابراھیم آیت ۲۲ +

ترجمہ - کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے +

۹ و ۱۰ - وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق - الحجر آیت ۸۵ - الاحقاف آیت ۲ +

ترجمہ - اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ ان کے بیچ میں ہے مگر جیسے چاہیئے +

۱۱ - خلق السموات والارض بالحق تعالیٰ عما یشرکون - النحل آیت ۳ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے اسکی ذات بلند ہے اس سے کہ اسکا شریک ٹھہراتے ہیں +

۱۲ - خلق اللہ السموات والارض بالحق ان فی ذالک لآیۃ للمومنین - العنکبوت آیت ۴۳ +

ترجمہ - پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے بے شک اس میں ایک دلیل ہے نیک دل والوں کو +

۱۳ - وخلق اللہ السموات والارض بالحق - الجاثیہ آیت ۲۱ +

ترجمہ - اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیئے +

۱۴ - الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور - الانعام آیت ۱ +

ترجمہ - خدا ہی کے لیئے سب تعریفیں ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور پیدا کیا اندھیرے کو اور اجالے کو +

۱۵ و ۱۶ - ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض - الاعراف آیت ۵۲ - یونس آیت ۳ +

ترجمہ - بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۷ - وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء - ھود آیت ۹ +

ترجمہ - اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا تخت اس کا پانی پر +

۱۸ - ولقد خلقنا السّموات والارض وما بینهما فی ستة ایام - ق آیت ۳۷ +

ترجمہ - البتہ پیدا کیا ہمنے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے چھ دن میں +

۱۹ و ۲۰ - الذی خلق السّموات والارض - ابراھیم آیت ۳۲ - الفرقان آیت ۶۰ +

ترجمہ - جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۱ و ۲۲ - خلق السّموات والارض - الزمر آیت ۷ - الاحقاف آیت ۳۲ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۳ - لخلق السّموات والارض اکبر من خلق النّاس - المومن آیت ۹ +

ترجمہ - البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے آدمیوں کے پیدا کرنے سے +

۲۴ لغایت ۲۶ - فی خلق السّموات والارض - البقرہ آیت ۱۵۹ - آل عمران آیت ۱۸۷ و ۱۸۸ +

ترجمہ - بیچ پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۲۷ - یوم خلق السّموات والارض - التوبہ آیت ۳۶ +

ترجمہ - جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۲۸ - اولم یروا ان اللہ الذی خلق السّموات والارض قادر علیٰ ان یخلق مثلھم - اسرائیل آیت ۱۰۱ +

ترجمہ - کیا نہیں دیکھا تمنے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند +

۲۹ - ما اشھدتھم خلق السّموات والارض + الکھف آیت ۴۹ +

ترجمہ - مَیں نے بُلا یا نہ تھا اُن کو بر وقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +

۳۰ لغایت ۳۳ - ولئن سألتھم من خلق السّموات والارض - العنکبوت آیت ۶۱ - لقمان آیت ۲۴ - الزمر آیت ۷ - الزخرف آیت ۸ +

ترجمہ - اگر تو پوچھے اُن سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۴ - خلق اللہ السموات والارض - الروم آیت ۷ +

ترجمہ - اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۵ - ھو الذی خلق السّموات والارض فی ستة ایام - الحدید آیت ۵ +

ترجمہ۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں ؎

۳۶ - اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینھما - السجدہ - آیت ۳ ؎

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے ؎

۳۷ - ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون - الطور آیت ۳۶ ؎

ترجمہ۔ کیا اُنھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ نہیں۔ پر ایمان نہیں لاتے ؎

۳۸ - اولیس الذی خلق السموات والارض - یس آیت ۸۱ ؎

ترجمہ۔ کیا نہیں ہے وہ جسنے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ؎

۳۹ - خلق السموات بغیر عمد ترونھا - لقمان آیت ۹ ؎

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو ؎

۴۰ - رفع السموات بغیر عمد ترونھا - رعد آیت ۲ ؎

ترجمہ۔ بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم اُسکو ؎

۴۱ و ۴۲ - ومن آیاتہ خلق السموات والارض - الشوری آیت ۲۸ - الروم آیت ۲۱ ؎

ترجمہ۔ اور اُسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ؎

۴۳ - وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لاعبین - الدخان آیت ۳۸ ؎

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے بیچ میں ہے کھلاڑی ہیں ؎

۴۴ - اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن - الطلاق - آیت ۱۲ ؎

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو اور زمین کو بھی اُن کی مانند یعنی متعدد ؎

۴۵ و ۴۶ - الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس سراجاً - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ؎

ترجمہ۔ کیا تمنے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور سورج کو روشن چراغ ؎

۴۷ - الذی خلق سبع سموات طباقاً - الملک آیت ۳ ؎

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر ٭

۴۸ و ۴۹ ۔ رب السموات والارض وما بینھما ان کنتم موقنین ٭ الدخان آیت ۶۔ الشعراء۔ آیت ۲۴ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ٭

۵۰۔ قل من رب السموات والارض۔ الرعد آیت ۱۷ ٭

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ٭

۵۱ لغایت ۵۳۔ رب السموات والارض۔ اسرائیل آیت ۱۰۲ ٭ الکھف آیت ۱۳۔ مریم آیت ۶۶ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ٭

۵۴۔ ربکم رب السموات والارض الذی فطرھن۔ الانبیاء آیت ۵۷ ٭

ترجمہ۔ تمہارا پروردگار وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے پیدا کیا اُن کو ٭

۵۵۔ قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم۔ المومنون۔ آیت ۸۸ ٭

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار سات یا متعدد آسمانوں کا اور پروردگار اُس بڑے تخت کا یعنی اُس بڑی بادشاہت کا ٭

۵۶ لغایت ۵۹۔ رب السموات والارض وما بینھما۔ الصافات آیت ۵۔ ص آیت ۶۶۔ الدخان آیت ۶۔ النباء آیت ۳۷ ٭

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے ٭

۶۰۔ سبحان رب السموات والارض رب العرش عما یصفون۔ الزخرف آیت ۸۲ ٭

ترجمہ۔ پاک ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار عرش کا اُن باتوں سے جو لوگ کو لگاتے ہیں ٭

۶۱۔ فللہ الحمد رب السموات ورب الارض رب العالمین۔ الجاثیہ آیت ۳۵ ٭

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لیئے سب تعریفیں ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا پروردگار ہے سارے جہان کا ٭

۶۲۔ وللہ ملک السموات والارض وما بینھما۔ المائدہ آیت ۲۱ ٭

ترجمہ - اور اللہ ہی کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے +

۶۳ - للہ ملک السّمٰوات والارض ومافیہن - المائدہ آیت ۱۲۰ +

ترجمہ - اللہ ہی کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُس سب کی جو اُن میں ہے +

۶۴ - اولم ینظروا فی ملکوت السّمٰوات والارض - الاعراف آیت ۱۸۴ +

ترجمہ - کیا غور نہیں کی اُنھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں +

۶۵ - وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السّمٰوات والارض - الانعام آیت ۷۵ +

ترجمہ - اور اسی طرح دکھلائی ہمنے ابراہیم کو بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۶۶ لغایت ۸۲ - ملک السّمٰوات والارض - المائدہ آیت ۴۴ + التوبہ آیت ۱۱۷ + الاعراف آیت ۱۵۸ + النور آیت ۴۲ + الفرقان آیت ۲ + الشوریٰ آیت ۴۸ + الزخرف آیت ۸۵ + الجاثیہ آیت ۲۶ + الفتح آیت ۱۴ + الحدید آیت ۲ و ۵ + البروج آیت ۹ + الزمر آیت ۴۵ + ص آیت ۹ + البقرہ آیت ۱۰۱ + المائدہ آیت ۲۰ + ال عمران آیت ۱۸۶ +

ترجمہ - بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۸۳ لغایت ۱۲۳ - ما فی السّمٰوات ومافی الارض + البقرہ آیت ۱۱۰ و ۲۵۶ و ۲۸۴ + ال عمران آیت ۲۷ و ۱۰۵ و ۱۲۴ + النساء آیت ۱۲۵ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۶۸ و ۱۶۹ + المایدہ آیت ۹۸ + الانعام آیت ۱۲ + یونس آیت ۵۶ و ۶۹ + ابراھیم آیت ۲ + النحل آیت ۱ و ۴۵ + طٰہٰ آیت ۵ + الحج آیت ۶۳ + النور آیت ۶۴ + العنکبوت آیت ۵۲ + لقمان آیت ۱۹ و ۲۵ + سبا آیت ۱ و ۳ و ۲۱ + الملایکہ آیت ۴۴ + الشوریٰ آیت ۲ و ۵۳ + الجاثیہ آیت ۱۲ + الحجرات آیت ۱۶ + النجم آیت ۳۲ + الحدید آیت ۱ + المجادلہ آیت ۸ + الحشر آیت ۱ و ۲۴ + الصف آیت ۱ + الجمعہ آیت ۱ + التغابن آیت ۱ و ۴ +

ترجمہ - جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں +

۱۲۴ لغایت ۱۳۶ - من فی السّمٰوات والارض - ال عمران آیت ۷۴ + یونس آیت ۶۷

الرعد آیت ۱۶ + الانبیاء آیت ۱۹ + مریم آیت ۹۴ + الحج آیت ۱۸ + النور آیت ۴۱ +
النمل آیت ۶۶ و ۸۹ + الروم آیت ۲۵ + الزمر آیت ۶۸ + الرحمٰن آیت ۲۹ +
اسرائیل آیت ۵۷ +

ترجمہ - جوکوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں +

۱۳۷ و ۱۳۸ - من السمٰوٰت والارض - النحل آیت ۷۵ - سباء آیت ۲۳ +

ترجمہ - آسمانوں سے اور زمین سے +

۱۳۹ لغایت ۱۴۹ - فی السمٰوٰت وفی الارض - الانعام آیت ۳ - الاعراف آیت ۱۸۶ + یونس
آیت ۶ و ۱۹ و ۱۰۱ + یوسف آیت ۱۰۵ + الروم آیت ۱۷ و ۲۶ + لقمان آیت ۱۵ +
الجاثیہ آیت ۲ و ۳۶ +

ترجمہ - آسمانوں میں اور زمین میں +

۱۵۰ - انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض - الاحزاب آیت ۷۲ +

ترجمہ - البتہ ہمنے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۵۱ - وجنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض - آل عمران آیت ۱۲۷ +

ترجمہ - جنت جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین +

۱۵۲ و ۱۵۳ - مادامت السمٰوٰت والارض - ھود آیت ۱۰۹ و ۱۱۰ +

ترجمہ - جب تک رہیں آسمان اور رہے زمین +

۱۵۴ - تسبح لہ السمٰوٰت السبع والارض ومن فیہن - اسرائیل آیت ۴۶ +

ترجمہ - پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں اسکو ساتوں آسمان اور زمین +

۱۵۵ و ۱۵۶ - ان اللہ یعلم غیب السمٰوٰت والارض - الملائکہ آیت ۳۶ + الفتح آیت ۱۸

ترجمہ - البتہ اللہ جانتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۷ - انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض - البقرہ آیت ۳۱ +

ترجمہ - البتہ میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۸ لغایت ۱۶۰ - وللہ غیب السمٰوٰت والارض - النحل آیت ۷۹ + الکہف آیت ۲۵ +
ھود آیت ۹ +

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۶۱ و ۱۶۲ - وللہ میراث السمٰوات والارض - ال عمران آیت ۱۷۶ - الحدید آیت ۱۰ +

ترجمہ - اور اللہ وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا +

۱۶۳ - وللہ خزائن السمٰوات والارض - المنافقون آیت ۷ +

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے +

۱۶۴ و ۱۶۵ - مقالید السمٰوات والارض - الزمر آیت ۶۳ + الشوریٰ آیت ۱۰ +

ترجمہ - کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۶۶ و ۱۶۷ - وللہ جنود السمٰوات والارض - الفتح آیت ۴ و ۷ +

ترجمہ - اور اللہ کے لیئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے +

۱۶۸ - اللہ نور السمٰوات والارض - النور آیت ۳۵ +

ترجمہ - اللہ ہے نور آسمانوں کا اور زمین کا +

۱۶۹ - الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السمٰوات والارض - النمل آیت ۲۵ +

ترجمہ - کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں +

۱۷۰ - وکم من ملک فی السمٰوات لا تغنی شفاعتھم شیئا - النجم آیت ۲۶ +

ترجمہ - بہت سے فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی اُن کی سفارش +

۱۷۱ - یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوات - ابراھیم آیت ۴۹ +

ترجمہ - جس دن کہ بدل دی جاوے یہ زمین زمین کے سوا (یعنی اور کسی چیز سے) اور بدل دیئے جاویں آسمان +

۱۷۲ - یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السمٰوات فاطلع الی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا - المومن آیت ۳۹ +

ترجمہ - اے ہامان بنا میرے لیئے ایک محل شاید کہ میں پہونچوں رستوں میں آسمان کے رستوں میں پھر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے +

۱۷۳ - اروني ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السمٰوات - الاحقاف آیت ۳ +

ترجمہ - دکھاؤ تو مجھ کو اُنھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا کچھ اُن کو ساجھا ہے آسمانوں میں +

۱۷۴ و ۱۷۵ - بدیع السّموات والارض - البقرہ آیت ۱۱۱ - الانعام آیت ۱۰۱ ✦

ترجمہ - بغیر نمونہ کے بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا ✦

۱۷۶ لغایت ۱۸۱ - فاطر السّموات والارض - الانعام آیت ۱۴ ✦ یوسف آیت ۱۰۲ ✦ الملائکہ آیت ۱ ✦ ابراھیم آیت ۱۱ ✦ الزمر آیت ۴۷ ✦ الشوریٰ آیت ۹ ✦

ترجمہ - بنانیوالا آسمانوں کا اور زمین کا ✦

۱۸۲ - فطر السّموات والارض - الانعام آیت ۷۹ ✦

ترجمہ - بنایا آسمانوں کو اور زمین کو ✦

۱۸۳ - اولم یر الّذین کفروا ان السّموات والارض کانتا رتقاً ففتقنھما - الانبیاء آیت ۳۱ ✦

ترجمہ - شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے - آیا ندیدند کافران کہ آسمان ہا و زمین بستہ بودند پس واکردیم این ہارا ✦

اور حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے - واکردن آسمان ہا نازل کردن مطر است و واکردن زمین رویانیدن گیاہ از وے ✦

اور شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اسکا ترجمہ یہ لکھا ہے - اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین مونہہ بند تھے پھر ہمنے اُن کو کھولا ✦

اور حاشیہ پر یہ لکھا ہے - مونہہ بند تھی یعنی ایک چیز تھی زمین سے نہریں اور کانیں اور سبزے بھانت بھانت نکالے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی ✦

۱۸۴ - اِنَّ اللہ یمسک السّموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ - الملائکہ آیت ۳۹ ✦

ترجمہ - بیشک اللہ تھامی رکھتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ٹل جانے سے اور اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے اُن کو اُس کے سوا ✦

۱۸۵ - ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السّموات والارض ومن فیھن - المومنون آیت ۷۳ ✦

ترجمہ - اور اگر خدا چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن کے بیچمیں ہے ✦

۱۸۶ - تکاد السمٰوات یتفطرن من فوقھن - الشوریٰ آیت ۳ ⁘

ترجمہ - قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اوپر سے ⁘

۱۸۷ - قالوا اتخذ الرحمٰن ولدا لقد جئتم شیئاً اداً تکاد السمٰوات والارض یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا ان دعوا للرحمٰن ولدا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا - مریم - آیت ۹۲ ⁘

ترجمہ - وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا کیا ہے بے شک نہایت سخت بات کہی ہے جس سے قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹ جاوے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ٹکڑے ہو کر خدا کے لیئے بیٹا کہنے سے ⁘

۱۸۸ - وما قدروا الله حق قدرہ والارض جمیعاً قبضته یوم القیامة والسمٰوات مطویات بیمینه سبحانه وتعالیٰ عما یشرکون - الزمر آیت ۶۷ ⁘

ترجمہ - اور نہ قدر کی اُنھوں نے اللہ کی جتنی کہ اُس کی قدر کرنی چاہیئے تھی اور سب ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپیٹے ہوں گے اُس کے داہنے ہاتھ میں ⁘

## قسم پنجم

وہ آیتیں جن میں لفظ سمٰوات کا مجازاً کواکب پر اطلاق ہوا ہے جیسکہ مجازاً ظرف سے مظروف مراد لی جاتی ہے ⁘

۱ - الذی خلق سبع سمٰوات طباقاً - الملک آیت ۳ ⁘

ترجمہ - جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر ⁘

اس آیت کے بعد کی آیتوں میں خدا فرماتا ہے - ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت یعنی تو نہیں دیکھنے کا خدا کے پیدا کرنے میں کچھ فرق - پھر خدا فرماتا ہے - فارجع البصر ھل تریٰ من فطور یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو کہیں تجھ کو دکھائی دیتی ہے کچھ خرابی ⁘ پھر خدا فرماتا ہے - ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وھو حسیر - یعنی پھر پھیر اپنی نگاہ کو دو دو بار اُلٹ آویگی تیرے پاس تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر ⁘

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں

کیا ہے وہ ایسی چیز ہے کہ انسان اُسکو دیکھ سکتے ہیں لیکن سبع سموات سے کوئی ایسی آسمان مراد لو خواہ مجسم خواہ محل سیر کواکب مگر وہ دکھائی نہیں دیتے پس خدا کا یہ فرمانا کہ اُن کو دیکھو اور پھر نگاہ کرو اور پھر نگاہ پھیر کر دیکھو محض لغو اور بے سود ہوگا ؀

"فارجع البصر" سے بھی آنکھ کی نگاہ مراد ہے نہ کوئی دوسری چیز چنانچہ امام صاحب بھی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں - فما سحق ثم ارجع الجواب - امرہ برجع البصر یعنی اس آیت میں نظر کے پھیرنے کا حکم ہے ؀

تعجب یہ ہے کہ امام صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سموات جن کا ذکر اس آیت میں ہے محسوس ہونے چاہئیں اور ارقام فرماتے ہیں کہ "ان الحس دل علی ان ھذہ السموات السبع اجسام مخلوقۃ علی وجہ الاحکام والاتقان" - مگر یہ نہیں بتایا کہ کیونکر حس اُن کے اجسام ہونے پر دلالت کرتی ہے حالانکہ وہ تو محسوس نہیں ہیں ؀

پس ضرور ہے کہ اس جگہ سموات سے وہ چیزیں مراد ہوں جو مرئی اور محسوس ہیں اور ہر کوئی اُن کو دیکھتا ہے تاکہ اُن کے پیدا کرنے کی دلیل سے خدا کی عظمت اور اُسکی خالقیت ثابت کیجاوے اور چونکہ سموات درحقیقت محل سیر کواکب ہیں تو بمنزلہ ظرف کے ہیں اور کواکب بمنزلہ مظروف کے پس اس مقام پر سموات سے مجازاً کواکب مراد ہیں - بولا گیا ہے ظرف اور مراد ہے مظروف لفظ سبع اگر بمعنی حقیقی لیا جاوے تو اُس سے یہ سات کواکب سیارہ مراد ہونگے جو ہمارے لیئے بہ نسبت اَور کواکب کے زیادہ تر عجیب ہیں اور اگر اُس کا استعمال بطور محاورہ عرب بلا تعین عدد سمجھا جاوے تو اُس سے تمام کواکب جو ہمکو دکھائی دیتے ہیں مراد ہونگے ؀

ظرف سے مظروف مراد ہونے پر قرینہ تو یہ موجود ہے یعنی اگلی آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایسی اشیاء پر جو مرئی نہیں ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں صادق نہیں آتا اور اس لیئے ضرور ہوا ہے کہ ظرف سے مظروف مراد لیا جاوے ؀

اس مقام پر ظرف کو مجازاً بمعنی مظروف بیان کرنے میں ایک بڑی عمدگی و باریکی ہے کیونکہ اگر یوں کہا جاتا کہ - الذی خلق سبع کواکب طباقا - تو یہ قول صرف نفس کواکب پر دلالت کرتا حالانکہ اُن کے حالات اور اُن کے حرکات اور جو انتظام کہ اُن کے حرکات میں ہے وہ نفس کواکب سے بھی زیادہ عجیب ہے اور ظرف سے جو اُن کا محل سیر ہے اُن پر اشارہ کرنے سے جو عجائبات کہ نفس کواکب اور اُن کے حالات میں ہیں وہ سب کے سب یکلخت ذہن میں آجاتے ہیں ؀

"طباقا" کا لفظ صفت ہے سموات کی جس سے کواکب ہمنے مراد لیئے ہیں اُس سے شکل پیاز کے چھلکے کے توبر تو ہونا پایا نہیں جاتا۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اُن کا ملا ہوا ہونا تسلیم نہیں کیا بلکہ طباقا سے صرف اُن کا اوپر تلے ہونا اور متوازی ہونا مراد ہے " قال الامام في تفسيره لعل المراد کونها طباقا کونها متوازية لا انها متماسة " یعنی طباقا کے لفظ سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چمٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ مطلب ہو کہ متوازی ہوں (یعنی حرکت میں ایک دوسرے سے ٹکرا نجاویں)

اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت سے بخوبی ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے " والشمس تجري لمستقر لها ذالك تقدير العزيز العليم والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا اليل سابق النهار وكل في فلك يسبحون "

یعنی آفتاب چلتا ہے اپنی قرارگاہ میں یہ ٹھہرایا ہوا ہے اُس زبردست جاننے والے کا اور چاند کے لیئے اُس نے مقرر کی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر ہو جاتا ہے مانند پُرانی ٹہنی کے (یعنی ہلال) نہ سورج کر سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی ٹکر مارے) اور نہ رات آگے بڑھ سکتی ہے دن سے اور ہر ایک یعنی سورج و چاند و ستارے ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔ پس طباقا کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ باوجودیکہ اسقدر کواکب ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب اپنے اپنے محل سیر میں پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں ✦

اسی آیت کی مانند یہ آیت ہے " وبنينا فوقكم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وهاجا " یعنی بنائے ہمنے تمھارے اوپر سات یا متعدد کواکب مضبوط اور کیا ہمنے اُن میں سے ایک کو چراغ روشن ✦

افسوس کہ بعض اکابر نے اس آیت کی نسبت مکابرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سبع سے سات ستارے معہودہ مراد ہوتے تو لفظ سبع کو معرف باللام لانا ضرور تھا۔ اگرچہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بحالت شہرت تعریف باللام لانا ضرور نہ تھی مگر اس کے جواب سے ہم مجبور ہیں اس لیئے کہ خدا نے اور جگہ بھی ایسا ہی فرمایا ہے چنانچہ " والطور وكتاب مسطور في رق منشور " میں کتاب معہودہ کو غیر معرف باللام فرمایا ہے ✦

امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ " ما الحكمة في تنكير الكتاب وتعريف باقي الاشياء

نقول ما یحتمل الخفاء من الامور الملتبسة بامثالها من الاجناس یعرف باللام فیقال رایت الامیر ودخلت علی الوزیر فاذا بلغ الامیر الشهرة بحیث یومن الالتباس مع شهرته ویرید الواصف وصفه بالعظمة یقول الیوم رایت امیرا ماله نظیر وجالسا و علیه سیما الملوک وانت ترید ذلک الامیر المعلوم والسبب فیه انک بالتنکیر تشیر الی انه خرج عن ان یعلم ویعرف بکنه عظمته فیکون کقوله تعالی الحاقة ما الحاقة وما ادراک ما الحاقة فاللام وان کانت معرفة لکن اخرجها عن المعرفة کون شدة هولها غیر معروف فکذلک ههنا الطور لیس فی شهرة بحیث یومن اللبس عند التنکیر وکذلک البیت المعمور واما الکتاب الکریم فقد تمیز عن سایر الکتب بحیث لا یسبق الی افهام السامعین من النبی صلی الله علیه وسلم لفظ الکتاب الا ذلک فلما امن اللبس وحصلت فایدة التعریف سواء ذکر باللام او لم یذکر قصد الفایدة الاخری وهی الذکر بالتنکیر وفی تلک الاشیاء لما لم تحصل فایدة التعریف الا بآلة التعریف استعملها وهذا یؤید کون المراد منه القران وکذلک اللوح المحفوظ مشهور +

ترجمہ - اگر کوئی کہے کیا حکمت ہے بیچ نکرہ لانے لفظ کتاب کے اور معرف لانے اور چیزوں کے پس ہم جواب دیں گے کہ جو چیزیں احتمال رکھتی ہیں کسی قسم کی خفاء کا منجملہ اُن امور کے جو مشتبہ ہوتے ہیں ساتھ اپنی امثال کے اجناس وغیرہ سے تو وہ معرفہ لائی جاتی ہیں چنانچہ یوں بولا جاتا ہے رأیت الامیر ودخلت علی الوزیر یعنی دیکھا میں نے اُس امیر کو اور گیا میں پاس اُس وزیر کے اور جبکہ کوئی امیر خاص ایسا مشہور ہوجاتا ہے کہ وقت اطلاق کے وہی سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے کا شبہ نہیں ہوتا اور کوئی شخص اُس مشہور امیر کی کچھ تعریف کرنی چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے الیوم رأیت امیراً ماله نظیر جالساً وعلیه سیما الملوک یعنی آج میں نے امیر کو بیٹھے دیکھا کہ اُسکی کوئی نظیر ہی نہیں ہے اور وہ ملوکانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا پس بوجہ شہرت کے کچھ اس کے معرف لانے کی ضرورت نہیں ہوتی گو درحقیقت ارادہ میں امیر خاص ہی ہوتا ہے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے کہ گویا تنکیر سے تم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ بسبب شہرت کے وہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اُسکی کُنہ عظمت کی تعریف کی جاوے پس گویا کہ یہ مثل اس قول اللہ تعالیٰ کے الحاقة ما الحاقة وما ادراک ما الحاقة کہ اس کلام میں اگرچہ لفظ لام موجب تعریف ہے لیکن

بسبب اُسکے ہول اور دہشت کے غیر معروف ہونے کے اسکو معرفہ ہونے کی حالت سے نکالدیا ہے اسی طرح پر طور اگرچہ مشہور ہے لیکن اس درجہ شہرت کو نہیں پہونچا کہ التباس کا خوف نہ رہا ہو اور یہی حال بیت المعمور کا ہے بخلاف کتاب کریم کے کہ وہ اپنی امثال میں اس درجہ ممتاز ہے کہ جو لوگ سُننے والے ہیں وہ اس لفظ کے سُننے سے اُسی کو سمجھ لیتے ہیں دوسری کتاب کا شبہ نہیں ہوتا پس جبکہ خوف التباس نہ رہا اور فایدہ تعریف کا شہرت ہی سے حاصل ہوگیا خواہ لام ہویا نہو تو اس وجہ سے ایک دوسرے فایدہ کا مستفید کیا گیا اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اُسکو بالتنکیر ذکر کیا اور چونکہ اور اشیاء میں بغیر آلہ تعریف کے توصیف نہیں آسکتی تھی اس لیئے اُن کو معرف باللام بیان کیا اور اس وجہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے اور ایسے ہی لوح محفوظ مشہور ہے ؛

پس جو کہ کواکب سبع نہایت مشہور تھے بلکہ اُن کو سیارہ خیال کرنے سے لوگ بالتخصیص اور دیگر کواکب سے تمیز کرتے تھے تو ہماری دانست میں خدا نے کچھ غلطی نہیں کی بلکہ معرف باللام لانا ضرور نہ تھا ٭

پھر وہ فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے (شاید غلط ہو اس لیئے کہ ہم مولوی نہیں ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ ہمنے اپنی جہالت اور ہولئے نفسانی سے جعلنا کو متعدی الی المفعولین ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ متعدی الی مفعول واحد ہے ؛

مگر یہ ارقام نہیں فرمایا کہ اس مقام پر جعلنا کو متعدي الی مفعول واحد قرار دینے کی اُنپر کوئی وحی نازل ہوئی ہے اور کیوں اُس کا متعدي الی المفعولین ہونا ناجائز ٹھہرایا ہے مگر چند ہم سے جاہلوں نے تو جعلنا کو اِس مقام پر متعدي الی مفعولین مانا ہے ؛

تفسیر معالم التنزیل والاکتاب ہے وجعلنا سراجاً یعنی الشمس وهاجاً مضیاً پس اسنے ایک مفعول سراج کو بمعنی شمس اور دوسرا مفعول وہاج کو قرار دیا ہے ٭

پھر تفسیر ابن عباس کے مصنف نے بھی جہالت کی ہے کہ وجعلنا سراجاً وهاجاً شمساً مضیاً بیان کیا ہے اور جعلنا کو متعدي الی المفعولین مانا ہے ٭

بے شک خدا نے بھی غلطی کی ہے کہ اوپر سے برابر جعلنا کو متعدي الی المفعولین کہتا چلا آتا تھا۔ الم نجعل الارض۔ مهاداً۔ والجبال۔ اوتاداً۔ وجعلنا۔ نومکم۔ سباتاً۔ وجعلنا۔ اللیل۔ لباساً۔ وجعلنا۔ النهار۔ معاشا۔ پھر اخیر میں بھی وجعلنا

کو متعدی الی المفعولین کہدیا کہیں تو متعدی الی المفعول واحد بولا ہوتا اگر درحقیقت خدا
اس قصور کا تقصیر وار ہو تو ہم بھی اس جعلنا کو اس جگہ متعدی الی مفعول واحد تسلیم کرینگے ✦

سبعاً کا مضاف الیہ محذوف بلاشبہ ممکن ہے کہ سموات ہو جیسا کہ تمام مفسروں نے مانا
ہے لیکن چونکہ اُن کے ذہن میں بہ تقلید یونانیان جا ہوا تھا کہ آسمان سات ہیں اور اُن کا جسم شدید
صلب بلوریں ہے کہ خرق والتیام کے بھی قابل نہیں اُسی خیال سے اُنھوں نے سبعاً کا مضاف الیہ
سموات کو قرار دیا ہے ورنہ اُن پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ مضاف الیہ محذوف سموات ہے
غایت یہ ہے کہ کوئی قرینہ ہوگا باستدلال آیت "أأنتم اشد خلقاً ام السماء بناها" لیکن یہ استدلال
ایسا نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے دوسرے قرینہ کے بھی کوئی اَور مضاف الیہ محذوف اُس کا
نہ مانا جاوے ✦

خداتعالی نے شروع آیت میں سات کا ذکر کیا اور اُس کے ساتھ سورج کا ذکر فرمایا پس یہ کیسا
صاف قرینہ ہے کہ وہ سات وُہی ہیں جن میں کا ایک سورج ہے اور سورج اُنہی سات میں کا ایک ہے
پس ایسے صاف اور روشن قرینہ سے جو سورج کی مانند چمکتا ہے سبعاً کا مضاف الیہ کواکب اور جعلنا
کو متعدی الی المفعولین اور اُس کا مفعول اول احدیٰهن قرار دیتے ہیں اور چونکہ اسکے حذف پر صاف
قرینہ دلالت کرتا تھا اس لیئے اُس کا حذف نہایت وسیع تھا صاف صاف معنی خدا کے کلام کے تو
یہی ہیں پھر یونانیوں کے تقلید کرنیوالے چاہیں مانیں چاہیں نہ مانیں ✦

واضح ہو کہ اگر ہم اس تمام تقریر سے قطع نظر کریں اور سبعاً کا مضاف الیہ سموات ہی تسلیم کریں اور
سبع سموات سے بھی سموات ہی مراد لیں اور اشد کے لفظ کو بھی نسبت سموات ہی کے تسلیم کر لیں تو بھی
آسمانوں کا جسم یونانیوں کے آسمانوں کا سا جسم یا ویسا جسم جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی قرار دینا
چاہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اسکی بحث آگے آوے گی ✦

۲ — اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلهم اسرائیل
آیت ۱۰۱ ✦

ترجمہ ـ کیا نہیں دیکھا تمنے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے
اس بات پر کہ پیدا کرے اُن کی مانند ✦

کیا فہیم ہے اس آیت سے اور خدا کی قدرت پر کیونکر اقرار ہو سکتا ہے اگر وہ سموات جن کا اس میں
ذکر ہے ہمکو دکھائی نہیں دیتے بلاشبہ اس مقام میں بھی سموات سے کواکب مراد ہیں جن کو ہم دیکھتے

ہیں اور خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں ؛

۳ - الم تران الله خلق السمٰوات والارض بالحق - ابراھیم آیت ۲۲ ؛

ترجمہ - کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو یعنی کواکب کو اور زمین کو جیسا چاہیئے ؛

اس آیت میں بھی جب تک سموات سے ایسی چیزیں مراد نہ لی جاویں جو حقیقت میں دکھائی دیتی ہوں اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی قدرت کے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی ؛

۴ - الم تر کیف خلق الله سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ ؛

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں یعنی کواکب کو تلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور کیا سورج کو چراغ روشن ؛

اس آیت میں بھی ہمکو وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں کی ہے اور جس طرح اور جس دلیل سے ہمنے سورۃ الملک کی آیت میں سموات سے کواکب مراد لیئے ہیں اسی طرح اس مقام پر بھی لیتے ہیں شمس و قمر اُن کواکب کے مغایر نہیں ہیں کیونکہ اس مقام پر لفظ فی سے داخل ہونا شمس و قمر کا اُنہی اعداد سبع میں پایا جاتا ہے - قال الله تبارک وتعالیٰ من لسان ابراھیم علیہ السلام ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم - یعنی اے ہمارے پروردگار اُٹھا اُن میں ایک رسول اُنہی میں سے الخ ؛

۵ - الله الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا ثم استوی علی العرش وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی - الرعد آیت ۲ ؛

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو پھر ٹھہرا عرش پر اور فرماں بردار کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے معین مدت میں ؛

۶ - خلق السموات بغیر عمد ترونھا - لقمان آیت ۹ ؛

ترجمہ - پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اسکو ؛

ان دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اس طرح پر ثابت کرتا ہے کہ اُس نے سموات کو بغیر ستون کے بلند کیا ہے جب تک کہ وہ سموات بغیر ستون کے بلند ہوئے نہ دکھائی دیویں اُس وقت تک

اُس قدرت کا ثبوت نہیں ہو سکتا ۔

پس اس جگہ سموات سے خواہ یونانیوں والے مجسم آسمان مراد لو خواہ تیرھویں صدی کے مولویوں والا خواہ محل سیر کواکب مگر اُن میں سے کوئی بھی مرئی نہیں ہے پس اگر لفظ سموات کو بجائے لفظ سمار کے سمجھو اور اُس سے یہ نیلی چھت مراد لو تو ہمکو کچھ کلام نہیں لیکن اگر اُسکو بمعنی جمع قرار دو جیسا کہ ظاہر لفظ میں ہے تو ہم اُس سے بھی کواکب مراد لینگے اُسی دلیل سے جس سے کہ پہلی آیتوں میں لیئے ہیں تاکہ دلیل پوری ہو جاوے ۔

شمس و قمر بھی انھی سموات یعنی کواکب میں داخل ہیں مگر چونکہ وہ بہ نسبت دیگر کواکب کے زیادہ عظیم الشان ہمکو معلوم ہوتے ہیں اور وہ چلتے ہوئے بھی ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں اس لیئے اپنے کمال قدرت کو زیادہ تر ظاہر کرنے کو فرمایا کہ وہ بھی خدا کے فرمانبردار ہیں ۔

مولوی مہدی علی صاحب نے جو اپنے آرٹیکل میں عمد غیر مرئی کی نسبت ایک محققانہ گفتگو کی تھی اُسکی نسبت بعض اکابر نے اپنی تحریر میں مکابرہ کیا ہے ہمنے اُسکو بغور دیکھا اور مولوی مہدی علی صاحب کی زبان سے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ۔

علاوہ ان آیتوں کے اور بھی آیتیں ہیں جن میں سموات کے لفظ سے کواکب مراد لینا بہ نسبت آسمانوں کے زیادہ تر مناسب ہے ۔ مگر ہم انھیں آیتوں پر بس کرتے ہیں ۔

## تحقیق الفاظ آیات

جمہور فلاسفر اور اصحاب علم ہیئت آسمان کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ "انہا اجرام صلبۃ لاثقیلۃ ولاخفیفۃ غیر قابلۃ للخرق ولاالتیام والنمو والذبول" ۔

یعنی آسمان سخت اجرام ہیں نہ بوجھل ہیں اور نہ ہلکے ہیں پھٹنے اور جڑنے اور بڑھنے اور گھٹنے کے قابل نہیں ہیں ۔ اس حقیقت اور ایسے وجود سموات کے ہم بالکل منکر ہیں ۔

علاء معقول و منقول سمار و فلک دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ کل فی فلک یسبحون کے فلک اور سمار میں کچھ تفرقہ نہیں کیا ہے بلکہ دونوں کو ایک سمجھا ہے پس جو بحث کہ اُنھوں نے فلک کی حقیقت میں کی ہے وہ بحث گویا سمار کی اور سموات کی حقیقت میں ہے چنانچہ اُنھوں نے مفصلہ ذیل مذہب نسبت اُس کے نقل کیئے ہیں ۔

"قال بعضهم الفلك ليس بجسم وانما هو مدار هذه النجوم وهو قول الضحاك وقال الاکثرون هي اجسام تدور النجوم عليها وهذا اقرب الى ظاهر القرآن - ثم اختلفوا في كيفيته فقال بعضهم الفلك موج مكفوف تجري الشمس والقمر والنجوم فيه وقال الكلبي ماء مجموع تجري فيه الكواكب"

یعنی بعضوں کا قول ہے کہ فلک یعنی آسمان کا کوئی جسم نہیں ہے بلکہ وہ ستاروں کے چکر کی جگہ ہے اور یہ قول ضحاک کا ہے اور اکثر عالم مفسر یہ کہتے ہیں کہ ان کا جسم ہے اور ستارے انکے اوپر پھرتے ہیں (جیسے کہ گیند پر چیونٹی) اور یہی معنی قرآن کے الفاظ کے نہایت قریب ہیں اسکے بعد پھر عالموں اور مفسروں نے اس بات میں کہ پھر وہ کیسے ہیں اختلاف کیا ہے بعضوں کا قول ہے کہ فلک یعنی سماء پانی کا کمبلا ہے سورج اور چاند اور ستارے اُس میں پھرتے ہیں اور کلبی کا یہ قول ہے کہ پانی جمع ہو گیا ہے اُس میں ستارے بہتے ہیں ۔

پھر امام صاحب لکھتے ہیں کہ "والحق انہ لا سبیل الی معرفۃ صفات السمٰوات الا بالخبر" یعنی سچ یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت معلوم کرنے کے لیئے بجز وحی کے کوئی راہ نہیں ہے (بشرطیکہ وحی کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو) ۔

اخیر کو امام صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے " والذي يدل عليه لفظ القرآن ان تكون الافلاك واقفة والكواكب تكون جارية فيها كما تسبح السمكة في الماء" یعنی وہ بات جو قرآن کے لفظوں سے پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ افلاک یعنی آسمان تو ٹھہرے ہوئے ہوں اور ستارے اُس میں بہتے ہوں جیسے کہ مچھلی پانی میں تیرتی ہے ۔

ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ انھیں علماء کے اقوال کے نہایت قریب ہے ۔ حقیقت سماء کی سمٰوات کی ہم نہیں جانتے مگر یہ بات کہ وہ اجرام صلب ہیں محض غلط ہے اِسکو بھی ہم نہیں مانتے کہ وہ گیند کی طرح ایک جسم ہیں اور ستارے اُن پر پھرتے ہیں جیسے کہ گیند پر چیونٹی یا گنبد پر اخروٹ اور ان دونوں باتوں کو اس لیئے نہیں مانتے کہ قرآن مجید سے اُن کا ایسا جسم یا اُن کی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوتی ۔

باقی رہی یہ بات کہ وہ پانی کے کمبلا کی مانند ہیں یا پانی اکٹھا ہو گیا ہے یعنی وہ ایک ایسے جسم لطیف سیال ہیں جو کواکب کی سیر و حرکت کو مانع نہیں ہیں ۔ اگر کوئی شخص اُن کے ایسے جسم ہونے کا دعویٰ کرے تو ہم اسکو اس قدر جواب دینگے کہ ہونگے مگر ہم ایسے جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کریں گے دو وجہ سے ۔ اوّل اس لیئے کہ ایسے جسم ہونے کے ثبوت کے لیئے ہمارے پاس کوئی دلیل

نہیں۔ دوسرے اس لیئے یہ کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس سے نہ اُنکے وجود کا ہونا پایا جاتا ہے اور نہ اُس کے تسلیم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے *

پس علاوہ اُن چیزوں کے جن پر سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے ہمنے سماء کے معنی فضائے محیط کے قرار دیئے ہیں اور اُسکے درجات یا طبقات کو جو بسبب حدوث اور وجود دیگر اشیاء کے اُس فضائے محیط میں اوپر تلے یا طبقہ بعد طبقہ پیدا ہو گئے ہیں سمٰوات کہا ہے تو اب ہمکو ضرور ہے کہ ہم اس بات کو بھی بیان کریں کہ جو معنی ہمنے لفظ سماء یا سمٰوات کے قرار دیئے ہیں یا جن معنوں میں اُن کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے کوئی لفظ کسی آیت کا آیات قرآن مجید سے اُس کے مخالف نہیں ہے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہم وجود سمٰوات کے منکر نہیں ہیں کیونکہ اس فضائے محیط یا اُسکے طبقات کا وجود مخلوق ہے *

**قسم اوّل** کی آیتوں میں یعنی جن میں لفظ سماء کا بمعنی ابر و بادل کے اطلاق ہوا ہے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو بحث کے قابل ہو اور جس سے اُن معنوں میں شبہ پڑ سکتا ہو۔ ہاں صرف ایک اخیر کی آیت والسماء ذات الرجع شاید بحث کے لایق ہو کیونکہ ہمارے زمانہ کے علماء شاید اُسکو یونانیوں والا آسمان قرار دیکر اُس سے آسمان کی گردش اور زمین کے سکون قرار دینے پر متوجہ ہوں *

مگر ہم کہتے ہیں کہ جمہور مفسرین نے بھی اِس آیت میں لفظ سماء سے بادل مراد لی ہے صرف ابن زید کا ایک قول منقول ہوا ہے جس سے یونانیوں والا آسمان مراد ہو سکتا ہے مگر اُس قول کو مفسرین نے نہیں مانا *

تفسیر کبیر میں لکھا ہے " اما قوله والسماء ذات الرجع فنقول قال الزجاج الرجع المطر لانه یجیئ و یتکرر واعلم ان کلام الزجاج و سایر ائمة اللغة صریح فی ان الرجع لیس اسما موضوعا للمطر بل سمی رجعا علی سبیل المجاز ولحسن هذه المجاز وجوه (احدها) قال القفال کانه من ترجیع الصوت وهو اعادته ووصل الحروف به فکذا المطر لکونه عایدا مرة بعد اخری سمی رجعا (وثانیها) ان العرب کانوا یزعمون ان السحاب یحمل الماء من بحار الارض ثم یرجعه الی الارض (وثالثها) انهم ارادوا التفاول فسموه رجعا لیرجع (ورابعها) ان المطر یرجع فی کل عام اذا عرفت هذا فنقول للمفسرین اقوال (احدها) قال ابن عباس والسماء ذات الرجع ای ذات المطر یرجع لمطر بعد مطر (وثانیها) رجع السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جهتها حالا بعد حال علی مرور الازمان ترجعه رجعا ای

تطیہ مرۃ بعد مرۃ (وثانیہا) رجع السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جہتہا حالا بعد مرۃ (وثالثہا) قال ابن زید ھو انہا ترد وترجع شمسہا وقمرہا بعد مغیبہما والقول ھو الاول"۔

یعنی ہم کہتے ہیں کہ والسماء ذات الرجع میں جو لفظ رجع کا ہے اُسکے معنی زجاج نے مینہ کے لیئے ہیں کیونکہ مینہ آتا ہے اور پھر پھر کر آتا ہے۔ یہ بات جان لینی چاہیئے کہ زجاج کے اور تمام لغت کے عالموں کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ لفظ رجع مینہ کے لیئے نہیں بنایا گیا ہے یعنی اُس کے لغوی معنی مینہ کے نہیں ہیں بلکہ مجازاً بطور مینہ کے نام کے بولا جاتا ہے اور مجازاً مینہ کا نام رجع رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ اول یہ کہ قفال کا قول ہے کہ رجع کا لفظ گویا ترجیع الصوت سے لیا ہے جسکو گانے والے گٹکری کہتے ہیں اور گٹکری آواز کا پھیرنا اور اُس سے حرفوں کا لیئے میں ملانا ہے اور یہی حال مینہ کا ہے پس اُس کے برسنے اور پھر برسنے کے سبب رجع اُس کا نام رکھدیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب سمجھتے تھے کہ بادل زمین کے دریاؤں میں سے پانی لیجاتے ہیں اور پھر زمین کو پھیر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے نیک فال کے ارادہ سے مینہ کا نام رجع رکھا ہے تاکہ پھر آوے۔ چوتھے یہ کہ مینہ ہر برس پھر آتا ہے۔ اب کہ یہ بات جان لی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ مفسروں کے کئی قول ہیں۔ اول ابن عباس کا قول ہے کہ والسماء ذات الرجع کے معنی ہیں۔ ذات المطر یعنی مینہ والا پھیر لاتا ہے مینہ کو مینہ کے بعد۔ دوسرے یہ کہ رجع السماء سے وہ نیکی مراد ہے جو آسمان کی طرف سے بار بار زمانوں کے گذر جانے پر بھی ہوتی رہتی ہے عرب بولتے ہیں ترجعہ رجعا یعنی اُسکو دیتا ہے بار بار۔ تیسرا ابن زید کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ آسمان لیجاتا ہے اور پھر لاتا ہے اپنے سورج اور چاند کو اُن کے چھپ جانے کے بعد مگر پہلی بات ٹھیک ہے۔

باایں ہمہ ہم خود سیاق وسباق کلام خدا پر غور کر سکتے ہیں اُس کے دونوں جملوں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فصاحت اور خوبی سے بادلوں کا اور اُسکے ساتھ زمین کے اُگانے کا جو دونوں لازم وملزوم ہیں بیان کیا ہے پھر چاہو لفظ رجع کے لغوی معنی لو خواہ مجازی معنی لو دونوں حالتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے ہم خود بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ جاتے آتے ہیں یہاں سے جاتے ہیں پھر وہاں جا برستے ہیں پھر یہاں آ برستے ہیں زمین کو سیراب کرتے ہیں وہ طرح طرح کے پھل پھولوں کو اُگاتی ہے۔

ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جا بجا نیچر کی خوبی انسان کو جتلاتا ہے اور اُس سے اپنی خدائی کے ثبوت پر دلیل لاتا ہے اور پھر اُس سے انسان کو روحانی نیکی حاصل کرنا سکھلاتا ہے فھو رب العرش العظیم۔ سبحانہ وتعالیٰ شانہ ◆

قسم دوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سماء کا فضائے محیط پر اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے لائق ہیں ◆

اوّل لفظ "استوی" جسکو ہمنے اور اور مفسروں نے بمعنی خلق بیان کیا ہے پس لفظ استوا سے بحث کرنی گویا لفظ خلق سے بحث کرنی ہے اس لیئے اس مقام پر اِس لفظ سے بحث نہیں کرتے کیونکہ آگے لفظ خلق سے پوری بحث کیجاویگی ◆

دوسرا لفظ "بروج" کا ہے۔ یہ لفظ تین آیتوں میں آیا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزینٰھا للناظرین والسماء ذات البروج مگر یہ لفظ ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہے اور نہ اِس لفظ سے آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے ثابت ہوتا ہے ◆

بروج جمع ہے برج کی اور برج مشتق ہے تبرج سے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ قال الامام فی تفسیرہ "اشتقاق البرج من التبرج لظھورہ" ◆

پس ان آیتوں میں جو بروج کا لفظ آیا ہے مفسرین نے اُس کے تین معنی لیئے ہیں۔ اوّل ابن عباس کی روایت ہے کہ بروج سے مراد کواکب ہیں قال الامام فی تفسیرہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان البروج ھی الکواکب العظام۔ یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی بڑے بڑے ستارے بروج ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے "البروج ھی عظام الکواکب سمیت بروجا لظھورھا" یعنی بروج یہی بڑے بڑے ستارہ ہیں اُن کا نام برج اس لیئے ہوا کہ وہ ظاہر ہیں۔ لغات قرآن میں لکھا ہے "والسماء ذات البروج دھی ذات کواکب العظام" یعنی آسمان بُرجوں والے سے بڑے بڑے ستاروں والا مراد ہے۔ پس اگر یہی معنی بروج کے لیئے جاویں تو لفظ بروج کا اُن معنوں سے جو ہمنے سماء کے لیئے ہیں کچھ بھی مخالف نہیں اور نہ ایسے معنی لینے سے یونانیوں کے آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے ◆

دوسرے معنی بروج کے لیئے ہیں منازل قمر یعنی نچھتر کے یا منازل سیارات کے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے "اما البروج فھی منازل السیارات" اور دوسری جگہ لکھا ہے "البروج ھی

منازل القمر"۔

تیسرے معنی بروج کے بروج السمار یعنی آسمان کے برجوں کے لیئے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "۔ انها هي البروج الاثنا عشر وهي مشهورة" اور لغات قرآن میں لکھا ہے "بروج السماء منازل الشمس والقمر وهي اثنا عشر برجا معروفة اولها الحمل واخرها الحوت" مگر حقیقت میں دوسرے اور تیسرے معنی ایک ہی کچھ ان میں فرق نہیں ہے۔

اب بروج اثنا عشر کی کیفیت بتلانی چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ جو معنی سمار کے ہمنے بیان کیئے ہیں بروج کا لفظ اُس کے منافی ہے یا نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ ابتدا میں جب اہل تنجیم یا اہل ہیئت نے اس علم کے مسائل پر غور کی تو اُنہوں نے دیکھا کہ آفتاب سال بھر میں نقطۂ اعتدال سے طلوع وغروب میں تین مہینہ تک جانب شمال میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا آتا ہے اور جب اُس نقطہ پر پہونچ جاتا ہے تو تین مہینہ تک جانب جنوب میل کرتا جاتا ہے اور پھر تین مہینہ تک جانب نقطۂ اعتدال رجوع کرتا ہے یہ حال آفتاب کا تمام دنیا میں دکھائی دیتا تھا اور اس سبب سے وہ ستارے جو طریق الشمس میں ہمیشہ پڑتے تھے بہ نسبت اور ستاروں کے زیادہ معلوم ہو گئے تھے یعنی اہل تنجیم بہ نسبت اور ستاروں کے اُن سے زیادہ واقف ہو گئے تھے جب اُنھوں نے اُن ستاروں پر غور کیا تو بہت سے ستاروں کو ایک جگہ ایک ایسی ترتیب سے پایا کہ اگر اُن کو نقاط فرض کر کر خطوط وصل کیئے جاویں تو ایک صورت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور ایسا مجمع ستاروں کا بارہ موقعوں پر اُن کو دکھائی دیا اور ہر ایک مجمع کی حد سے قریب ایک ایک مہینہ میں آفتاب کا گذر ہوتا تھا۔ پس اہل تنجیم نے ستاروں کے اُن بارہ مجمعوں کو بارہ صورتیں قرار دیں جیسی کہ اُن کواکب میں خطوط وصول کرنے سے پیدا ہوتی تھیں اور ہر ایک صورت کا ایک نام رکھدیا جو مشہور ہیں اور جو کہ کواکب کچھ تو اس سبب سے کہ طریق الشمس میں واقع تھے اور کچھ اس سبب سے کہ اُن کے مجموعے سے ایک صورت قرار دیدی گئی تھی بہ نسبت اور کواکب کے زیادہ ظاہر اور زیادہ معلوم تھے اُنکے مجمع کا یا اُس صورت کا جو مجمع کواکب سے خیال کی گئی تھی برج نام رکھا جو مشتق تبرج سے ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ برج نام ہے اُس خاص مجمع کواکب کا جو اُس فضائے محیط میں میلان طریق الشمس میں بوضع خاص واقع ہوئے ہیں اس لیئے سمار کو ذات البروج کہنا کچھ بھی منافی ہمارے کلام کا نہیں ہے اور والسماء ذات البروج کہنا بالکل ایسا ہے جیسیکہ والسماء ذات النجوم کہنا اور تبارك الذي جعل

فی السّماء بروجاً کہنا ایسا ہے جیسے تبارک الّذی جعل فی السّماء نجوماً کہنا اور ولقد جعلنا فی السّماء بروجاً کہنا ایسا ہی ہے جیسے ولقد جعلنا فی السّماء نجوماً کہنا ٭

بعد اس تقریر کے اہل تنجیم واہل ہیئت یونانیہ کو ایک اور مشکل پیش آئی جس سے اُنھوں نے صور بروج کو فلک ہشتم پر اور تقسیم بروج کو فلک نہم پر مانا مگر یہ مسائل علم ہیئت کے ہیں اُس کی بحث کا یہاں موقع نہیں ہے غرضکہ اُنھی کواکب کے مجمع کو جن سے صورت حمل و ثور و جوزا و سرطان وغیرہ کی پیدا ہوتی ہیں اہل عرب بروج کہتے تھے اور اُن کا کہنا صحیح تھا پس قرآن مجید میں بھی انھی پر بروج کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جو ذرا بھی ہمارے بیان کے منافی نہیں ہے اور نہ کسی طرح لفظ بروج کا آسمان کے مجسم بجسم صلب بلورین ہونے کا مستقاضی ہے ٭

تیسرا قابل بحث کے شاید لفظ "قال" ہو جو آیۂ کریمہ فقال لہا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین میں واقع ہے ٭

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کیا بحث کی جاوے گی شاید یہ بحث ہو کہ ہر گاہ سما سے فضائے محیط مرتفع مراد لی ہے اور وہاں کسی لطیف جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا گیا تو خلا لازم آیا اور خلا امر وجودی نہیں ہے بلکہ امر عدمی ہے تو وہ کیونکر قابل امر و لائق اطاعت ہو سکتا ہے ٭

مگر یہ خیال اگر کسی کو ہو تو صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے محل سیر کواکب کو سما قرار دیا ہے اور وہ مکانیت سے خالی نہیں اور مکان خالی عن المادہ امر وجودی ہے امر عدمی نہیں ہے۔ باقی رہی بحث استعمال لفظ قال کی جو خدا کی طرف سے زمین کی نسبت اور آسمانوں کی نسبت کہا گیا اور اسی طرح زمین اور آسمان کی طرف قال کی نسبت کی گئی یہ ایک جدا بحث ہے جو ما نحن فیہ سے متعلق نہیں ٭

چوتھا لفظ قابل بحث کے "ابواب" کا ہے جو آیت کریمہ لا تفتح لہم ابواب السماء میں واقع ہے۔ اِس لفظ سے لوگ خیال کرتے ہونگے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور جبتک آسمان ایسا ہی مجسم نہو جیسے یونانیوں والا آسمان تو اُس میں دروازے اور کواڑ اور کنڈے قفل کیونکر ہو سکتے ہیں ٭

جن علما کے ذہن میں آسمان کا جسم بتقلید یونانیان صلب بلورین جا ہوا تھا اُنھوں نے تو آسمان میں سچ مچ کے دروازے بنا دیئے ہیں لیکن علماء محققین نے فتح ابواب سما سے خیر و برکت مراد لی ہے چنانچہ اُن کا قول تفسیر کبیر میں اس طرح پر لکھا ہے — فی قولہ لا تفتح لہم ابواب السّماء

اقوال والقول الرابع لاتنزل علیهم البرکة والخیر وھو ماخوذ من قوله ففتحنا ابواب السّماء بماء منهمر۔ یعنی اُن کے لیئے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کی تفسیر میں مفسروں کے کئی قول ہیں اُن میں سے ایک یہ قول ہے کہ لاتفتح لهم ابواب السّماء کے یہ معنے ہیں کہ اُن پر یعنی کافروں پر خیر و برکت نہ نازل ہوگی اور یہی معنی ہمارے نزدیک صحیح ہیں جو کسی طرح ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہیں ؛

سوائے ان الفاظ کے جو مذکور ہوئے اور کوئی لفظ ان آیتوں میں جو قسم دوم میں داخل ہیں قابل بحث کے نہیں معلوم ہوتا ؛

قسم سوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سما کا اس نیلی چیز پر جو ہمکو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں ؛

اوّل لفظ "باب" جو آیت کریمہ " ولو فتحنا علیهم بابا من السماء میں واقع ہے اور وہ پوری آیت یوں ہے " ولو فتحنا علیهم بابا من السماء فظلوا فیه یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون "؛

یعنی اور اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازہ آسمان سے اور وہ ایسے ہو جاویں کہ سارے دن اُس میں چڑھتے رہیں تو کہیں گے کہ ہماری ڈھسٹ بندی ہوئی ہے نہیں تو ہم پر جادو ہوا ؛ لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ جب اس آیت میں آسمان کے دروازے کا ذکر ہے اور اُس میں چڑھنے کا بھی بیان ہے تو ضرور آسمان ایسا ہی مجسم ہے جیسا کہ یونانی بیان کرتے ہیں ؛

مگر خود اس آیت سے آسمان میں دروازہ ہونے کا عدم امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک غیر ممکن بات کو فرض کر کر بیان فرماتا ہے کہ اگر آسمان میں دروازہ بھی کھل جاوے اور کافر اُس میں چڑھ بھی جایا کریں تب بھی ایمان نہ لاوینگے اور کہینگے کہ یا ہماری ڈھسٹ بندی کی ہے یا ہم پر جادو کیا ہے پس اسی آیت سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے نہ یونانیوں کے مقلدوں کا ؛

خدا تعالیٰ کافروں کے حال میں اکثر غیر ممکن باتوں کی نسبت فرمایا کرتا ہے کہ اگر یہ بھی ہو جاوے تب بھی وہ نہ مانینگے جیسا اس آیت میں فرمایا ہے " ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنها لاتفتح لهم ابواب السّماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ؛

یعنی بے شک جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کے سامنے گھمنڈ کیا ہرگز

نہ کھلینگے اُن کے لیئے دروازے آسمان کے یعنی اُن کو خیر و برکت نہ ہوگی اور نہ بہشت میں جاوینگے
یہان تک کہ گھس جاوے اُونٹ سُوئی کے ناکے میں ؀

اُونٹ کا سُوئی کے ناکے میں گھس جانا غیر ممکن ہے پس اللہ تعالیٰ کا فروں پر خیر و برکت ہونے
اور اُن کا بہشت میں جانا ناممکن ہونا اس طرح پر سمجھاتا ہے کہ اگر اُونٹ بھی سُوئی کے ناکے میں
گھس جاوے تو بھی نہ اُن پر خیر و برکت ہوگی اور نہ وہ بہشت میں جاوینگے ؀

اسی طرح آیت مانحن فیہ میں فرمایا ہے کہ اگر آسمان میں ایسا دروازہ جس میں آدمی آتے جاتے
ہیں کھولا جاوے اور کافر اُس میں جانے لگیں جو غیر ممکن ہے تب بھی وہ نہ مانینگے اور کہیں گے کہ
ہماری دُھٹ بندی کی ہے یا ہمپر جادو کیا ہے ؀

تفسیر کبیر میں لکھا ہے "اعلم ان هذا الكلام هو المذكور في سورة الانعام في قوله
ولو نزلنا عليك كتابا في قرطاس فلمسوه بايديهم لقال الذين كفروا ان هذا الا سحر
مبين والحاصل ان القوم لما طلبوا نزول الملائكة يصرحون بتصديق الرسول
عليه السلام في كونه رسولا من عند الله تعالى بين الله تعالى في هذه الاية ان
بتقدير ان يحصل هذه المعنى لقال الذين كفروا هذا من باب السحر وهؤلاء الذين
يظن انا نراهم نحن في الحقيقة لا نراهم" ؀

ترجمہ - جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں وہی بات ہے جو سورہ انعام میں کہی گئی ہے جہان خدا
نے فرمایا ہے "اور اگر بھیجیں ہم تیرے پاس کاغذ میں لکھا ہوا پھر چھولیں اُسکو اپنے ہاتھ سے تو بھی
جو لوگ منکر ہیں کہینگے کہ یہ اصل میں کچھ نہیں ہے صرف جادو ہے" حاصل یہ ہے کہ جب اہل عرب نے
رسُول خدا پر رسُول اللہ ہونے کا یقین لانے کو فرشتوں کا اُترنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا
کہ بتقدیر اگر یہ بھی ہو جاوے تو بھی جو لوگ منکر ہیں کہینگے کہ یہ ایک جادو کی قسم میں سے ہے اور جنکو
ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں حقیقت میں ہم نہیں دیکھتے - پس جبکہ اس آیت میں آسمان میں دروازہ کا
ہونا اور اُس میں کافروں کا چڑھنا یا فرشتوں کا اُترنا بطور محال کے بیان کیا گیا ہے تو باب کا لفظ سما
کے اُن معنوں کے جو ہمنے اس آیت میں یا اس قسم سوم میں یعنی اس نیلی چیز کے جو ہمکو بسبب انعکاس
شعاع آفتاب کُرہ ہوا میں دکھائی دیتی ہے لیئے ہیں کچھ بھی منافی نہیں - البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
اس آیت میں جس چیز پر معنے سما کے لفظ کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے بظاہر اُسکی حالت ایسی ہونی
چاہیئے جس میں دروازہ کھلنے کا اطلاق ہوسکے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نیلی چیز جو ہمکو اُسکی ایسی

حالت دکھائی دیتی ہے نہایت صاف بغیر کسی پھوٹاؤ اور دڑار کے گنبذ کی چھت کی مانند نہایت پختہ بنائی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور ہمارے خیال میں ڈاٹ لگا ہوا ایک جسم سمائی ہوئی ہے پس اس خیال کے موافق اُس جسم خیالی میں دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید بندوں کی زبان اور محاورہ میں نازل کیا ہے پس بندوں کے اُس خیالی جسم پر بندوں کے محاورہ کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے نہ بطور اصل حقیقت کے ؛

دوسرا لفظ "سقف" ہے جو آیہ کریمہ وجعلنا السّماء سقفاً محفوظاً میں آیا ہے اور والسقف المرفوع میں جو لفظ سقف کا ہے اُس سے بھی آسمان مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے سمی السّماء سقفاً لانہا للارض کالسقف للبیت یعنی آسمان کو چھت اس لیئے کہا ہے کہ وہ زمین کے لیئے ایسا ہے جیسے گھر کے لیئے چھت ؛

بلاشبہ یہ نیلی نیلی چیز ہمکو ایسی اوپر دکھائی دیتی ہے کہ گویا دنیا کی چھت ہے مگر اس سے یونانیوں کے مقلدوں کو کیا فائدہ ہے اس لیئے کہ اس نیلی چیز کو جسے خدا نے سقف محفوظ یا سقف مرفوع کہا ہے یونانی بھی تو وہ آسمان نہیں مانتے جس کے وہ قایل ہیں اور علمائے اسلام بھی اُن کی تقلید سے اس نیلی نیلی چیز کو اپنا مسلمہ آسمان قرار نہیں دیتے اور قرآن مجید میں جسکو سقف مرفوع و سقف محفوظ کہا ہے وہ تو یہی نیلی نیلی چیز ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کو دنیا کی چھت کی مانند دکھائی دیتی ہے اور عرب کے بادیہ نشین جن کی زبان میں قرآن مجید اُترا اُسی کو سقف مرفوع سمجھتے تھے جو آسمان کہ یونانی قرار دیتے ہیں اور جن آسمانوں کا یا جس آسمان کا ذکر علمائے اسلام کرتے ہیں وہ تو کسی نے دیکھا بھی نہیں پھر کیا معلوم کہ وہ دنیا کی چھت ہے یا چھت کی چھت گیری ہے ؛

علاوہ اس کے سقف کی مثال دینے سے اُسکا ایسے جسم سے مجسم ہونا جیسا کہ یونانی تسلیم کرتے ہیں کیونکر لازم آتا ہے یہ نیلی نیلی چیز ہمکو اس طرح پر دنیا کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتی ہے جیسے گھر کو چھت اور اسی مشابہت سے اُس پر سقف کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ اوہن من بیت العنکبوت ہو خواہ اشد من سقف الحدید ؛

تیسرا لفظ "رفع" کا ہے جو آسمان کی نسبت بولا گیا ہے درحقیقت یہ نیلی چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اور جسکو آسمان کہتے ہیں شے مرفوع ہے مگر لفظ رفع سے اُسکا ٹھوس یا تانبے کے پترے کا سا ہونا کیونکر لازم آتا ہے ؛

چوتھا لفظ "کسف" کا ہے جس کے معنی ٹکڑوں یا پارچوں کے ہیں یہ لفظ البتہ بحثہ کے

قابل ہے مگر اول ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو لفظ سماء کا آیا ہے اُس سے یہی نیلی نیلی چیز جو دکھائی دیتی ہے مراد ہے یا اور کوئی چیز۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہی مراد ہے کیونکہ سورہ سبا کی آیت میں خدا نے فرمایا ہے "اولم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض" اور انسان کے ہر طرف یہی نیلی نیلی چیز ہے جسکو آسمان فرمایا ہے اور یہی زمین ہے پھر اس کے آگے جو زمین کے دھنسانے کا اور آسمان سے ٹکڑا گرانے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی اسی زمین کے دھنسانے اور اسی نیلی نیلی چیز کے ٹکڑا گرانے کا ہے اور سب کے نزدیک اس نیلی نیلی چیز کا ایسا جسم نہیں ہے جس سے حقیقتاً ٹکڑا گرنا ممکن ہو پس جن آیتوں میں "کسفا" کا لفظ ہے وہ یونانیوں کے مقلد مولویوں کے لیئے کچھ مفید نہیں اور نہ اُس سے یونانیوں و الا مجسم آسمان ثابت ہوتا ہے نہ تیرھویں صدی کے مولویوں کا ❖

علاوہ اس کے اس آیت میں خدا تعالیٰ محسوسات سے اپنی قدرت ثابت کرتا ہے یونانیوں والا مجسم آسمان یا تیرھویں صدی کے مولویوں والا مجسم آسمان محسوس نہیں ہے کیونکہ سوائے اس نیلی چیز کے اور کچھ انسان کو محسوس نہیں ہے پس غیر محسوس شئے سے ٹکڑا گرانے کا ذکر کرنا اثبات مدعا کو کافی نہیں اس لیئے "کسفا" کا لفظ نہ ہمارے مطلب کے منافی ہے اور نہ یونانیوں کے مقلدوں کے مفید ہے ❖

اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں بندوں کی زبان میں اور اُنہی کے محاورات کے موافق کلام کرتا ہے اور جب اُن کو کسی محسوس چیز سے ہدایت کرتا ہے یا محسوسات سے اپنے کمال قدرت کو ثابت کرتا ہے تو اُنہی کے خیالات کے موافق اور جس طرح کہ وہ شئے محسوس ہوتی ہے اُسی کے مطابق کلام کرتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایسے موقع پر خیالات کی تبدیل اور حقائق اشیاء کے سمجھانے پر متوجہ ہو تو اصلی مقصود روحانی تربیت کا فوت ہو جاوے ❖

تمام انسان اس نیلی چیز کو سقف گنبدی سمجھتے تھے جیسیکہ وہ دکھلائی دیتی ہے اور ریختہ کی ڈاٹ سے بھی زیادہ مضبوط سمجھتے تھے پس خدا نے مطابق اُن کے خیالات کے اُن کو فرمایا کہ اُنہیں ایسی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو اُس چیز میں سے بھی جسکو تم ایسا مستحکم سمجھتے ہو تم پر ٹکڑا گرا دے اور زمین کو باوصف اس قدر عظمت و استحکام کے دھنسا دے پس ایسے مقامات پر اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نیلی چیز کا جسم اس قابل ہے کہ اُس میں سے ٹکڑا ٹوٹ کر گر سکے یا نہیں اور اگر ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کے قابل ہے تو وہ ایسا ہی ٹکڑا ہوگا جیسے چھت میں کی پٹیا یا پتھر

ہیں کی بیٹیا ❊

علاوہ اس کے "سماء" سے سماء ماتحن فیہ مراد نہیں ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے "کسفا من السماء قرء کسفا بالسکون والحرکۃ وکلاھما جمع کسفۃ وھی القطعۃ والسماء السحاب او المظلۃ ... روی انہ حبس عنھم الریح سبعا وسلط علیھم الرمل فاخذ بانفاسھم لا ینفعھم ظل ولا ماء فاضطروا الی ان خرجوا الی البریۃ فاظلتھم سحابۃ وجدوا لھا بردا ونسیما فاجتمعوا تحتھا فامطرت علیھم نارا فاحترقوا" یعنی کسفا جمع ہے کسفۃ کی جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آسمان سے یا تو بادل مراد ہے یا اور کوئی چھائی ہوئی چیز پھر اخیر میں وہ ایک روایت لکھتے ہیں کہ اصحاب ایکہ نے جو کہا تھا کہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو تو اُن پر عذاب اس طرح پر نازل ہوا کہ سات دن تک ہوا بند رہی اور ریت یا غبار جو آسمان میں چڑھ گیا تھا اُن پر چھا گیا اور اُن سب کا دم گھٹنے لگا نہ اُن کو کوئی سایہ دار چیز فائدہ دیتی تھی اور نہ پانی پھر وہ بیقرار ہو گئے اور جنگل میں نکل جانا چاہا اتنے میں ایک بادل اُن پر چھا گیا اُن کو ٹھنڈک معلوم ہوئی اور ہلکی ہلکی ہوا بھی لگی اور سب اُن کے نیچے آن کر جمع ہو گئے پھر اُس میں سے اُن پر آگ برسنے لگی پھر سب جل گئے۔ پس جبکہ سماء سے اس مقام پر سماء ماتحن فیہ ہی مراد نہ ہو تو "کسفۃ" کے لفظ سے سماء ماتحن فیہ کے مجسم ہونے پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اور خدا کو محل عذاب میں یہ بات فرمانی کہ ہم چاہیں زمین کو دھنسا دیں یا بادل کا ٹکڑا گرا دیں یا کافروں کا یہ کہنا کہ اگر تم سچے ہو تو بادل کا ایک ٹکڑا ہی زمین پر آ تار دو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کچھ اعتراض ہو سکے کیونکہ اگر بادل زمین پر گر پڑے تو نہایت سخت عذاب سے لوگ برباد ہو جاویں ❊

علاوہ اس کے مقام تہدید میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اصلی مقصود اُس کا نتیجہ ہوتا ہے زمین کے دھنسانے اور آسمان کا ٹکڑا گرانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ خدا اُن کے برباد کرنے پر قادر ہے پس مقصد کو چھوڑنا اور خواہ مخواہ لفظی بحث کے پیچھے پڑنا تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ کرنا ہے اور ایسی علمیت جتانے سے اسلام کو اور قرآن کو بدنام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن اور علم یا قرآن اور حالت موجودات یا قرآن و حقایق اشیا متحد نہیں ہیں اللھم انی اعوذبک من مثل ھذا العلم فانہ حجاب اکبر ❊

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ "واما التھدید فبقولہ ان نشاء نخسف بھم الارض یعنی نجعل عین نافعھم ضارھم بالخسف والکسف" یعنی خدا نے کافروں کو اس کہنے سے تہدید

ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین کو دھنسا دیں یعنی اگر ہم چاہیں تو جو چیز خاص تمہارے مفید ہے
سے مضر کر دیں دھنسا کر یا گرا کر و لا شک فی قدرتہ ۔

نکتہ ۔ قرآن مجید میں بہت باتیں بطور کنایہ کے فرمائی ہیں اُس سے خاص اُس بات کا ثبوت
مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن اُس سے اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی
طرف منتقل ہو جاوے ۔ اسیطرح بعضی دفعہ ایک صورت محسوسہ اس لیئے بیان کیجاتی ہے کہ جو معنی
ذہن میں اُسکی تصویر مخاطب کے ذہن میں آجاوے اور اُس سے اُس صورت محسوسہ کا اثبات مقصود
نہیں ہوتا پس وہ لوگ سیاق قرآن مجید سے واقف نہیں ہیں جو اُن کنایوں سے یا اُس صورت
محسوسہ سے خاص اُسی کا ثبوت مقصود سمجھتے ہیں پس ان آیتوں میں جو ۔ او نسقط علیہم کسفا
من السماء ۔ یا ۔ فاسقط علینا کسفا من السماء آیا ہے یہ سمجھنا کہ اس سے آسمان کے واقعی
ٹکڑوں کا ثبوت ہوتا ہے نہایت غلطی ہے بلکہ یہ صرف بیان بالکنایہ ہے اور اُس کا لازم مقصود
ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر فوز الکبیر میں انعام فرماتے ہیں کہ "کنایت آنست کہ حکمے اثبات کنند
و قصد ثبوت عین آن نباشد بلکہ قصد آنست کہ انتقال کند ذہن مخاطب بلازم آن بلزوم عادی یا عقلی
چنانکہ از عظیم الرماد معنی کثرت ضیافت و از یداہ مبسوطتان یعنی سخاوت ادراک می شود و تصویر معنی
مراد بصورت محسوسہ ازہمیں قبیل است و آن بابے است واسع و اشعار عرب و خطب ایشان و قرآن
عظیم و سنت حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بآن مشحون است و اجلب علیہم بخیلک و رجلک تشبیہ
دادہ شد برئیس دزدان چون یاران خود را آواز دہد کہ ازیں سو حملہ کن و ازاں سو درآ و جعلنا من بین
ایدیہم سدا و من خلفہم سدا ۔ و جعلنا فی اعناقہم اغلالا تشبیہ دادہ شد اعراض ایشان
را از تدبر آیات بکسے کہ او را مغلول کردہ باشند یا بر ہر جہت او سدے بنا کردہ باشند پس اصلا نمیتوانند دید
واضمم جناحک من الرہب یعنی مجموع خاطر شو پراگندگی نفس بگذار و نظیر ایں باب در عرف آنست
کہ چوں شجاعت کسے را تقریر کنند بشمشیر اشارہ کنند کہ ایں طرف میزند و آں طرف میزند و مقصود مجرد
غلبہ او بر اہل آفاق بصفت شجاعت باشد گو در تمام عمر شمشیر بدست نگرفتہ باشد یا گویند فلاں می گوید کہ
در زمین کسی را نمی بینم کہ با من مبارزت تواند کرد و یا گویند کہ فلاں خود چنیں میکند و اشارہ کنند بہیئتے کہ
اہل مبارزت در وقت غلبہ بر خصم می کنند گو کہ ایں شخص گاہے ایں کلمہ نگفتہ باشد و ایں فعل نکردہ باشد
یا گویند فلاں حلق مرا خفہ کردہ است و دست در گلوئے من انداختہ لقمہ را بکشیدہ است" انتہی ۔

پس جہاں کہیں کہ قرآن مجید میں خداتعالیٰ محسوسات کا بطور عرف عام بیان فرماتا ہے اُس سے اُس کے عین کا ثبوت مقصود نہیں ہوتا ہم بھی کہتے ہیں کہ آسمان گر پڑے آسمان ٹوٹ پڑا یا ایسی بات ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جاوے کلیجا پھٹ جاوے مگر کبھی ان الفاظ سے حقیقتاً اُن چیزوں کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی کا ہوتا ہے فتدابر ؛

پانچویں لفظ "الطي" قابل بحث ہے جس کے مشتقات آیہ کریمہ یوم نطوي السماء کطي السجل للکتب اور آیہ کریمہ والسموات مطویات بیمینہ میں آئے ہیں ؛

مگر ان آیتوں سے یہ خیال کرنا کہ آسمان کاغذ یا کپڑے یا چادر یا رومال کی مانند ایک جسم ہے جو خدا کے ہاتھ پر لپٹ جاوے گا یا جیسے مکتبوں میں لڑکے مکتوب لپیٹ لیتے ہیں اُس طرح لپٹ جاویگا ایک بڑی غلطی ہے یہ کلام مجازاً بولا گیا ہے جس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ تمام آسمان و زمین جیسے پہلے نیست تھے پھر نیست ہو جاوینگے ؛

خداتعالیٰ اول فرماتا ہے کہ یوم نطوي السماء کطي السجل للکتب اور اُسی کے ساتھ فرماتا ہے کما بدانا اول خلق نعیدہ یعنی یہ فرماکر کہ ہم آسمان کو مکتوب کی مانند لپیٹ لینگے اُسکے مطلب کو بتادیا کہ جس طرح ہمنے پہلے پہل پیدا کرنا شروع کیا تھا پھر ویسا ہی کرینگے اور ایسا کرنا اُسیوقت ہوگا جبکہ یہ سب نیست ہو جاوے گا ؛

تفسیر کبیر میں بتحت آیت والسموات مطویات بیمینہ کے بہت طول گفتگو لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب مجاز ہے اور مجازاً واسطے اظہار قدرت و شان خداتعالیٰ کے بولا گیا ہے ؛

قال صاحب الکشاف الغرض من ھذا الکلام اذا اخذتہ کما ھو بجملتہ و مجموعہ تصویر عظمتہ والتوقف علی کنہ جلالہ من غیر ذھاب بالقبضتہ ولا بالیمین الی جھۃ حقیقتہ او جھۃ مجاز یعنی صاحب تفسیر کشاف کا قول ہے کہ اس کلام سے جبکہ اُس سب کو جمع کرکر لو تو مقصود اُس سے خداتعالیٰ کی عظمت کی تصویر بتانا اور اُس کے جلال کی کنہ میں متوقف رہنا ہے بغیر اس بات کے کہ مٹھی اور دائیں ہاتھ سے حقیقت میں مٹھی اور داہاں ہاتھ سمجھیں یا مجازاً خیال کریں ؛

بعد اسکے ایک لنبا جھگڑا تاویل کا اور حل کلام کا حقیقت سے مجاز پر لکھ کر ارقام فرماتے ہیں لاشک ان لفظ القبضتہ والیمین مشعر لھذہ الاعضاء والجوارح لان الدلائل العقلیۃ قامت علی امتناع ثبوت الاعضاء والجوارح للہ تعالیٰ فوجب حمل ھذہ الاعضاء

علی وجوہ المجاز یعنی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ ان اعضا اور ہاتھوں کو جو ظاہر میں ہیں بتاتا ہے مگر عقلی دلیلوں سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اعضا اور جوارح کا ہونا غیر ممکن ہے اس لیئے واجب ہے کہ مٹھی اور داہاں ہاتھ جو بیان ہوا ہے اُسکو مجاز پر حمل کریں پس جبکہ دونوں چیزیں مجاز پر حمل ہوئیں تو مٹھی میں اُٹھانا اور ہاتھ پر لپیٹنا بھی یقینی مجاز ہوگیا ۔

ثم قال صاحب الکشاف وقیل قبضتہ ملکہ ویمینہ قدرتہ وقیل مطویات بیمینہ ای مفنیات ۔ یعنی صاحب کشاف نے کہا ہے کہ مٹھی سے تو مالک خدا مراد ہے اور داہنے ہاتھ سے اُسکی قدرت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں لپٹینگے یعنی فنا اور معدوم ہو جاوینگے پس لپٹنے کے لفظ سے آسمانوں کا حقیقت میں لپیٹنے کے لائق جسم سمجھنا ٹھیک ٹھیک کٹھ ملا ہونا ہے ۔

چھٹے الفاظ " انشقاق و انفراج اور انفطار اور فتح " اور مثل ان کے ہیں کہ اُن کے مشتقات یا بہ تبدیل ابواب قرآن مجید میں آئے ہیں ۔ ان الفاظ کی نسبت بھی وُہی بحث ہے جو ہم نے بالتفصیل " کسفا " کے لفظ کے تحت میں کی ہے یہی نیلی نیلی چیز جسکو سب لوگ آسمان کہتے تھے اور جانتے تھے اور کہتے ہیں اور جانتے ہیں سب کو ایک مجسم چیز اور چھت کی طرح بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ اُسکی حقیقت سے واقف نہ تھے مگر جیسیکہ وہ دکھائی دیتی تھی اُس قیاس پر اُس کو پھٹنے اور چرنے کے قابل خیال کرتے تھے قرآن مجید جو ٹھیک عرب اوّل کے محاورہ میں اُترا ہے اُنھی کے خیال اور محاورہ کے موافق وہ الفاظ بولے گئے ہیں اور مقصود اُس سے صرف معدوم ہونا اور فنا ہونا موجودات کا ہے پس کسی طرح یہ الفاظ آسمان کی ایسی حقیقت پر اور ایسے جسم پر جیسا کہ یونانیوں نے تسلیم کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی تھی یا جیسا کہ تیرھویں صدی کے مولوی بیان کرنا چاہتے ہیں دلالت نہیں کرتے ۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فوز الکبیر میں اسلوب قرآن کی بحث میں رقام فرماتے ہیں کہ " پس اگر برخلاف طور ایشاں (یعنی عرب اوّل) گفتہ شود بحیرت در مانند و چیزے ناآشنا بگوش ایشاں رسد وفہم ایشاں رامشوش سازد " مگر یہ قاعدہ صرف اسلوب قرآن ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی ہر بات میں یہ امر ملحوظ ہے ۔

ایک مقام میں بہ ذیل بیان معنی آیت محکم شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ " اعتبار نہ ستن

عرب اوّل است نہ موشگافان زبان ما راکہ موشگافی بیجا وائی است عضال کہ محکم را متشابہ بسیازند ومعلوم را مجہول "اگرچہ یا مرشاہ صاحب نے معنی لغت کی نسبت لکھا ہے مگر یہ ایسا قاعدہ ہے جو بہت سی چیزوں کے لیئے مفید ہے مثلاً جیسیکہ عرب سماء کا اطلاق اس نیلی چیز پر کیا کرتے تھے جو ہمکو بطور ایک سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے تو ہمکو اُسی پر اکتفا کرنا چاہیئے اور زیادہ موشگافی کرکرا ور مل مل کر مکھی کو بھینسا بنانا نہیں چاہیئے اسی طرح جبکہ عرب اوّل اسی نیلی چھت کو پھٹنے والی اور چرنے والی اور پوست کھینچنے کے لایق خیال کرتے تھے تو اُن الفاظ کو اُنھی کے خیالات پر مقصور رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ اُسکے لازم کو اپنی طرف سے اضافہ کرکر اُس نیلی چھت کو ایسا جسم قرار دیا جاوے جو کاغذ یا کپڑے کی طرح پھٹ سکے یا لپٹ سکے یا بکری کی طرح اُس کا پوست اُتارا جا سکے اگر غور کیا جاوے تو سبع سموات کا لفظ بھی درحقیقت مثبت تعدد آسمانوں کا نہیں ہے کیونکہ عرب کے خیال میں تھا کہ سات آسمان ہیں اور جو کہ اُنھوں نے بجز اس نیلی چھت کے اور کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا اور اُسکو ایک مستحکم جسم سمجھتے تھے اور اس لیئے اُنھوں نے خیال کیا تھا کہ ساتوں آسمانوں کا ایسا ہی جسم ہوگا اور پھر اس خیال سے اُن کا توبرتو ہونا بھی اُن کے ذہن میں جما ہوا تھا اُنھی کے خیال کے موافق قرآن مجید میں جو عرب اوّل کی زبان و محاورہ میں نازل ہوا ہے وہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کو خواہ نخواہ حقیقت واقعی کا مثبت قرار دینا اسلوب بدیع قرآن مجید کے برخلاف ہے اگر حقیقت اشیاء اُس کے مطابق پائی جاوے جیساکہ قرآن مجید میں موافق خیال عرب اول کے بیان ہوا ہے فہو المراد- اور اگر بفرض محال اُس کے برخلاف بیان ہو تو بھی کچھ نقصان یا اعتراض قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عرب اوّل کی زبان میں بولا گیا ہے ہاں جس وقت کہ قرآن مجید یونانی مولویوں اور خیالی فلسفیوں کے ہاتھ آتا ہے اور وہ ہندی کی چندی اور نکات بعد الوقوع نکالنے پر اپنے علم کو اور بے معنی اعتراضات و بحث کو ختم کرنے لگتے ہیں اُس وقت قرآن مجید کا حال صاحب کے شعر کا سا ہو جاتا ہے جبکہ اُس نے کہا تھا کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" غرض ہماری یہ ہے کہ قرآن مجید کو مثل کلام ایک انسان فصیح قوم عرب اوّل کے خیال کرکر اُس کے الفاظ کے معنی لگائے جاویں نہ مثل فلاسفہ یونان کے کلام کے ومن لم یعتقد بھذا فقد ضل سواء السبیل ٭

ساتویں لفاظ "اشد و اکبر" قابل لحاظ کے ہیں خدا تعالیٰ موافق خیال عرب اوّل کے اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانا انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ

مشکل یا سخت تر ہے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ انسان کا مگر
اِس مقام پر اُنہی کے خیال کے موافق خدا نے فرمایا کہ جس چیز کی خلقت کو تم ایسا مشکل یا سخت
جانتے ہو تو خدا کو تمھارا پیدا کرنا یا پھر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب انصاف سے دیکھا جاوے
کہ اس طرز کلام سے اشد کے معنی لوہے یا تانبے کے پتر کی مانند جسم کے قرار دینے کیسی نا سمجھی
کی بات ہے اور پھر اُسکو ایک مسئلہ مستحکم قرار دینا اور اُس کے برخلاف کہنے والے کو کافر کہنا خود کفر
میں گرنا ہے ونعوذ باللہ منہا ✤

تفسیر کبیر میں تحت تفسیر آیۃ کریمہ "أأنتم اشد خلقا ام السماء" کے لکھا ہے کہ "انه
استدلال علی منکر البعث فقال أأنتم اشد خلقا ام السماء فنبههم علی امر یعلم
بالمشاهدة وذلك لان خلقة الانسان علی صغره وضعفه اذا اضیف الی خلق السماء
علی عظمها وعظم احوالها فبین تعالی ان خلق السماء اعظم واذا کان کذلك فخلقهم
علی وجه الاعادة اولی ان یکون مقدورا للہ تعالی فکیف ینکرون ذلك ونظیره
قوله اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلهم وقوله لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس
والمعنی اخلقکم بعد الموت اشد ام خلق السماء ای عندکم وفی تقدیرکم فان کلا الامرین بالنسبة الی قدرة اللہ واحد"

یعنی تفسیر کبیر میں أأنتم اشد خلقا ام السماء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ بعث کے منکر
تھے اُن پر دلیل لانے کے لیئے خدا نے فرمایا ہے کہ تمھارا پیدا کرنا مشکل یا سخت تر ہے یا آسمان کا
پس اُن کو ایسی بات سے جس کو وہ علانیہ دیکھتے تھے خبردار کیا کیونکہ جس وقت انسان کی خلقت
کو جو ضعیف اور صغیر ہے آسمان سے نسبت دی جاوے جو ایسا بڑا ہے اور اُس میں بہت بڑی بڑی
حالتیں ہیں تو خدا نے بتایا کہ آسمان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے اور جبکہ یہ بات ہے تو تمھارا پھر پیدا
کرنا کچھ بڑی بات نہیں تو بدرجہ اولی خدا کی قدرت میں ہوگا پھر کیونکر تم اُس کا انکار کرتے ہو۔ اسکی
ایسی مثال ہے جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے آسمان و زمین پیدا کیئے کیا اس بات پر قادر
نہیں ہے کہ اُنہی کی مانند اور پیدا کرے یا جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا
آدمیوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آیا مرنے کے بعد تمھارا پیدا کرنا مشکل ہے
یا تمھارے نزدیک آسمانوں کا پیدا کرنا مشکل ہے اگرچہ خدا کی قدرت کے نزدیک تو یہ دونوں
باتیں یکساں ہیں یعنی کچھ مشکل نہیں ہیں پس اب غور کا مقام ہے کہ لفظ اشد سے آسمانوں کا سخت
جسم ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے ✤

اور اگر لفظ اشد سے محکم و مضبوط کے معنی لیئے جاویں تو بھی اُس سے یہ سمجھنا کہ آدمی کے پوست سے آسمان کا پوست اور اُس کے جسم سے آسمان کا جسم اور اُس کی ہڈی پسلی سے آسمان کی ہڈی پسلی زیادہ مضبوط اور سخت ہے نادانی کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آسمان اور زمین اور پہاڑ اور درخت کو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پائدار ہیں۔ اسی زمین پر اور اسی آسمان کے تلے ہزاروں لاکھوں نبی اور ولی اور شہدا اور صالحین آئے اور گذر گئے۔ سکندر و دارا جمشید و فریدوں بھی ہوئے اور گذر گئے۔ بہت سے کفر کے فتوے دینے والے پیدا ہوئے اور گذر گئے۔ بہت سے مسلمان خدا اور رسول پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے کافر بنائے گئے اور گذر گئے ہزاروں کافر و مرتد اور خدا کے وجود کے بھی منکر پیدا ہوئے اور گذر گئے اور ایک دن ہم بھی اور ہمارے کفر کے فتوے دینے والے بھی گذر جاویں گے اور اپنے اپنے اعمال لیکر خدا کے سامنے حاضر ہوں گے وانی لا اعلم ما یفعل بی وما یفعل بہم ولاکنی ارجو رحمت ربی انہ ھو ارحم الراحمین اور باوجود ان سب حوادث کے آسمان اور زمین ویسے ہی ہیں جیسے کہ تھے تو ضرور کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے أانتم اشد خلقا ام السماء مگر اُس سے یہ مراد لینی کہ ہم مٹی کے ہیں اور آسمان لوہے کا اس چودھویں صدی کے مولویوں کے سوا جو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے بھی کفر کا تحفہ لانے والوں کے یار غار ہیں اور کس سے ہو سکتا ہے وانا افوض امری وامرکم الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۔

ساتواں لفظ "امساک" کا ہے خدا نے فرمایا کہ وہی تھام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے ہم آسمان کو ایک گنبد کی چھت کی مانند دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ تھمی ہوئی ہے اور ہم پر گرتی نہیں اسی خیال کے موافق اگر ایک فتح عرب اول کہے کہ کسی صاحب قدرت نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے تو اُس کا یہ کہنا بالکل سچ اور صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو خدا کا یہ کہنا بھی کہ میں نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھام رکھا ہے صحیح ہے اس قول پر اپنی طرف سے زیادہ حاشیے لگانے کہ آسمان پر فرشتے رہتے ہیں اس لیئے ضرور ہے کہ وہ سخت و صلب ہو تا کہ فرشتے اُس پر ٹک سکیں اور جبکہ وہ سخت و صلب ٹھہرا تو ضرور ہے کہ اُسکا لوہے کے پتروں کا سا جسم ہو اور جب وہ ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ بوجھل اور ثقیل لاکھوں۔ کروڑوں۔ پدموں بے انتہا من کا ہو محض لغو اور واہیات بات

ہے اور قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بالکل مخالف ہے ؁

آٹھواں لفظ "بنا" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو پیدا کیا بلاشبہ وُہی خالق ہے بنا کا لفظ اور خالق کا دونوں ہم معنی یا ہم مراد ہیں کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ خدا نے آسمان کو نہیں بنایا بلاشبہ ہمکو دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لیئے ایک محل ہے جس میں ہزاروں لاکھوں گیاس اور میگنٹ کی روشنی سے بھی عمدہ روشنی کے مصابیح روشن ہیں وہ ایسی خوبصورت ہمکو دکھائی دیتے ہیں جیسیکہ بلور کی ہانڈیوں اور فانوسوں میں میگنٹ کی روشنی ہورہی ہے پس یہ حال جو ہماری آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے اُسی کو خدا بتلاتا ہے کہ میں نے آسمان کو تمہارے لیئے محل بنایا ہے کمبختو میری عبادت کرو۔ میری وحدانیت کا اقرار کرو۔ میرے رسُول کی تابعداری کرو۔ جو کوئی میرا اور میرے رسُول کا اقرار کرے اُسکو کافر مت کہو۔ نہ مانو تو جہنم میں جاؤ۔ بس خدا کے کلام کا تو اسیقدر مطلب ہے آگے اُسپر حاشیئے لگانے اور کہنا کہ جب بنا کا اطلاق ہوا ہے تو ضرور اُسکی بُنیاد کوہ قاف پر پڑی ہوگی اور جب اُسکو محل کہا ہے تو وہ ضرور گنبذ کی چھت کی طرح ڈاٹ لگاکر بنایا گیا ہوگا اور اینٹ پتھر کی جگہ بلور کے پتھر لگائے گئے ہونگے یا کانچ کے شیشہ کی طرح ڈھالا گیا ہوگا اور کچھ نہیں تو لندن کے کرسٹل پلیس کی طرح تو ضرور ہوگا محض بیجا و نادانی ہے ؁

قسم چہارم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سموات کا آیا ہے اُن میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں ؁

اوّل۔ لفظ "سموات" بحث یہ ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ جمع ہی پر اطلاق ہوتا ہے یا مفرد پر بھی۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "وانما قال کانتا رتقا ولم یقل کن رتقا لان السموات لفظ الجمع والمراد بہ الواحد الدال علی الجنس قال الاخفش السموات نوع والارض نوع ومثلہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا" یعنی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ آسمانوں اور زمین دونوں کے مونھ بند تھے یعنی آسمانوں اور زمین دونوں کے یعنی آسمانوں کو ایک کہا اور زمین کو ایک کہا اور یہ نہیں کہا کہ سب آسمانوں کے جو بہت سے ہیں مونھ بند تھے اور زمین کا مونھ بند تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سموات جمع کا صیغہ ہے لیکن اس سے ایک بھی مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب آسمانوں کے ایک طرح کا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش کا قول ہے کہ سموات ایک نوع ہے اور زمین ایک نوع اور اسی کی مانند خدا نے فرمایا کہ اللہ تھامتا ہے

آسمانوں کو اور زمین کو کہ وہ دونوں ٹل نہ جاویں - اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمٰوات کے لفظ سے سماء بھی مراد ہوتا ہے اسی طرح سے سماء پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے اس لیئے کہ اُسکا ہر جزو سماء ہے - کقولہ تعالےٰ ثم استویٰ الی السماء فسویٰھن سبع سمٰوات پس اس قسم میں ہمنے جو آیتیں لکھی ہیں اُن میں سے بعضی آیتوں کو قسم پنجم میں بھی لکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں جو لفظ سمٰوات کا آیا ہے اگر اُس سے سماء بصیغہ مفرد مراد لیا جاوے تو تو وہ آیتیں قسم چہارم میں داخل رہتی ہیں بلکہ قسم سوم میں شامل ہوسکتی ہیں اور اگر اُس سے جمع ہی مراد لیجاوے تو پھر اُن کا ٹھکانا بجز قسم پنجم کے اور کہیں نہیں ہوسکتا ؛

دوابچہ - لفظ "خلق" قابل بحث ہے ہرگاہ ہمنے فضائے محیط کو سماء اور اُس کے طبقات کو جو بسبب وجود کواکب کے یا اور کسی حد ظاہر کے پیدا ہوگئے ہیں سمٰوات کہا اور اسکا بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُس میں کوئی جسم سیال اثیری ہے یا نہیں تو گویا ہمنے شے معدوم کو سماء و سمٰوات کہا یا ایسی چیز کو سماء و سمٰوات کہا جس کا کوئی وجود جسمانی نہیں ہے تو پھر اُسپر خلق کا اطلاق کیونکر صادق آتا ہے ؛

مگر یہ تمام خیالات کج فہمی سے پیدا ہوتے ہیں سیدھی سمجھ کا آدمی ان خیالات کی غلطی بخوبی سمجھ لیتا ہے ؛

اوّل تو یہ کہنا کہ عدم غیر مخلوق ہے نہایت غلطی ہے - عدم محض نہ کبھی موجود تھا اور نہ کبھی موجود ہوگا پس ایسی چیز جو کبھی موجود ہی نہیں ہوسکتی اُسکی نسبت یہ کہنا کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق محض نادانی ہے - باقی رہا عدم ممکن جسکو عدم الشئے سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ موجود بھی ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو وہ بلاشبہ مخلوق ہے - پس جو حقیقت آسمان کی ہمنے بیان کی اُسپر معدوم غیر موجود ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا بلکہ معدوم الجسم کہہ سکتے ہیں اور شے مخلوق کے لیئے یا جسپر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اُس کا مجسم ہونا ضرور نہیں ہے - خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خلق الموت والحیات حالانکہ موت اور حیات کوئی شے جسمانی نہیں ہے - پھر فرمایا ہے کہ خلق اللیل والنہار وجعل الظلمات والنور حالانکہ رات ظلمت یعنی عدم النور کا نام ہے اور لیل و نہار یعنی رات دن اور نور و ظلمت دونوں جسمانی نہیں ہیں پس خلق کا لفظ نسبت سمٰوات کے ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے ؛

استوا اور خلق دونوں کی مراد واحد ہے قال الامام فی تفسیرہ - ثم استویٰ الی السماء

کنایۃ عن ایجاد السّماء والارض یعنی استوا کے لفظ سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا مراد ہے +

تیسرا لفظ "رتق و فتق" قابل بحث ہے جنسے اسی آیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمہ مع تفسیر کے لکھدیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہمارے کلام کے منافی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس مقام پر سموات بادلوں سے مراد ہے جنپر بسبب کثرت و تعدد کے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اور بڑی تائید اس کی اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی آیت میں خدا فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شئ حي اور صداقت اس آیت کی ہر شخص ہمیشہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بادل آتے ہیں اور گھرے رہتے ہیں اور نہیں برستے پھر اللہ تعالیٰ اُن کا مونھ کھولتا ہے۔ اُن سے مینھ برستا ہے زمین خشک ہوجاتی ہے کھیتی نہیں رہتی کچھ اُگانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اُس کا مونھ کھولتا ہے سب چیز اُس میں پیدا کرتا ہے اور یہ سب باتیں ہمیشہ تمام لوگ دیکھتے رہتے ہیں بعض علماء اسلام نے یہود کی تقلید سے یہ خیال کیا تھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ آسمان و زمین آپس میں چمٹے ہوئے تھے جیسے بدن پر کھال ہی خدا نے زمین کی کھال ہی کھینچکر آسمان بنادیا مگر یہ صرف یہودیوں کا قصہ ہے اُسی کی تقلید سے اُن علماء نے قرآن کی بھی تفسیر کی ہے جن لوگوں کو خدا نے مخاطب کیا ہے وہ آسمان و زمین کی پیدایش کے وقت کہاں تھے جو وہ دیکھتے کہ آسمان زمین سے بدن کی کھال کی مانند چپٹا ہوا تھا یا نہیں +

اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر ہمارے قول کے مطابق کی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہمنے سموات کا اطلاق بادلوں پر کیا ہے اور اُنہوں نے اس نیلی چھت پر جو ہمکو دکھائی دیتی ہے چنانچہ ہم اُسکو تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں +

قال الامام فی القول الثالث وھو قول ابن عباس واکثر المفسرین ان السموات والارض کانتا رتقاً بالاستواء والصلابۃ ففتق اللہ السّماء بالمطر والارض بالنبات والشجر ونظیرہ قولہ تعالیٰ والسّماء ذات الرجع والارض ذات الصدع ورجحوا ھذا الوجہ علی سائر الوجوہ لقولہ بعد ذلک وجعلنا من الماء کل شئ حي وذلک لا یلیق الا والماء تعلق بما تقدم ولا یکون کذلک الا اذا کان المراد ما ذکرنا فان قیل ھذا الوجہ مرجوح لان المطر لا ینزل من السموات بل من سماء واحد وھي سماء الدنیا قلنا انما اطلق علیہ لفظ الجمع

لان کل قطعة منها سماء کما یقال ثوب اخلاق و برمة اعشار و اعلم ان علی ھذا التاویل یجوز حمل الرویة علی الابصار"

یعنی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی نسبت تیسرا قول نقل کیا ہے۔ ابن عباس کا اور اور بہت سے مفسروں کا یہ قول ہے کہ آسمان و زمین بسبب سختی اور بٹ پڑ ہونے کے مونھ بند تھے پھر مونھ کھولا اللہ تعالیٰ نے آسمان کا مینھ سے اور زمین کا نباتات اور درخت اُگانے سے اور اسی کی مانند خدا کا یہ قول ہے قسم ہے پھرنے والے یا برسنے والے بادل کی اور اُگانے والی پھٹاؤ والی زمین کی اور اس وجہ کو تمام وجہوں پر ترجیح دی ہے خدا تعالیٰ کے اس قول کی دلیل سے جو اسی کے بعد ہے کہ کیا ہمنے ہر چیز کو پانی سے زندہ اور اس آیت کا پہلی آیت سے جب ہی جوڑ ملتا ہے جبکہ پہلی آیت کو پانی سے کچھ تعلق ہو اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ وجہ ضعیف ہے اس لیئے کہ مینھ آسمانوں سے نہیں آتا بلکہ ایک آسمان سے جو دنیا کا آسمان ہے اُترتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ دنیا کے آسمان پر جمع کا صیغہ اس لیئے بولا گیا ہے کہ اُس کا ہر ایک ٹکڑا آسمان ہے جس طرح کہ عرب بولتے ہیں ثوب اخلاق اور برمة اعشار۔ اب یہ بات بھی جاننی چاہیئے کہ اس تاویل پر جایز ہے کہ رویت کے لفظ کے معنی آنکھوں سے دیکھنے کے کیے جاویں۔

قسم پنجم میں جو آیتیں لکھی ہیں اُن کے الفاظ و معانی کی تشریح اُنھی کے ساتھ ہے پس اب کوئی لفظ آیات قرآنی میں میری دانست میں ایسا نہیں رہا جس پر بحث درکار ہو۔

اب میں اپنے اس آرٹکل کو ختم کرتا ہوں اور پھر کبھی فرصت میں انشاء اللہ تعالیٰ نسبت احادیث کے جو اس باب میں ہیں بحث کیجاویگی۔ واللہ المستعان۔

## ضمیمہ

## مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ وَلٰکِن رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

مکرمی میری سمجھ تو سب سے نرالی ہے۔ میں تو جناب رسول خدا صلعم کو خاتم النبیین جانتا ہوں بوجہ ختم نبوت یا رسالت کے اور ایسے خاتم کو تاخر زمانی اور افضلیت دونوں

لازم ہیں ﴿

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہوں اور یہ ٹھہرایا ہو کہ جوں جوں ان وحشیوں کو عقل و تمیز آتی جاویگی وہ نو عمدہ نعمتیں اُن میں تقسیم ہوتی جاوینگی پس ضرور ہوگا کہ جو نعمتیں اُن کو اول دی جاویں گو فی نفسہ وہ اچھی اور عمدہ ہوں مگر اُس کے بعد کی نعمتیں بعینیہ پہلے سے اچھی ہوں گی یہاں تک کہ سب سے اخیر جو نعمت دی جاوے وہ سب سے اچھی ہوگی ﴿

اب فرض کرو کہ اُس بادشاہ نے اُن نعمتوں کے تقسیم کرنے والے بہ ترتیب مقرر کیئے ہر ایک نے اپنی باری میں مطابق عقل اور تمیز اُن وحشیوں کے نعمتیں دینی شروع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اخیر نعمت رہ گئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تھا اُسکی باری آئی۔ اُس وقت وہ لوگ بھی اُس نعمت کے لینے کے قابل ہوگئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا۔ پس وہ خاتم القاسمین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر زمانہ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اُس کے بعد کوئی بانٹنے نہیں آویگا کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمیت کے لوازم سے ہیں بلکہ دراصل وہ اس وجہ سے خاتم ہے کہ وہ خاتم نعمت ہے وھو خاتم لانہ قد ختمت النعمۃ بتقسیمہ اور جبکہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ و افضل تھی تو اس خاتم کا بھی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جو کہ تدریج زمانی بھی اُسکو لازم تھی اس لیئے اُس خاتم کو تاخر زمانی بھی لازم ہے ﴿

بعینہ یہی مثال نبوت کی ہے دین اللہ کا نعمت ہے اور بندوں میں تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسب حال اُمت سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے یہاں تک کہ جبکہ اخیر دفعہ باری تھی اور اخیر نعمت باقی رہ گئی تھی اور اُسکی تقسیم کا زمانہ بھی آگیا تھا وہ آیا اور وہ نعمت دے گیا وہ نعمت ختم ہوگئی رسالت اور نبوت بھی ختم ہوگئی اور خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا ؎ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؎ پس تعدد خاتم کسی معنی پر لو ممتنع بالذات ہے اور شرکت من حیث الذات اور من حیث العرف دونوں ممتنع ہیں۔ اثر ابن عباس کی صحت کا میں قایل نہیں ہوں جبکہ رسالت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عام تھی تو خاتمیت بھی بمعنی مذکور عام تھی ﴿

ہاں فیض الٰہی کبھی ختم نہیں ہونے کا بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

مگر سب اُسی کو گا مینگے ہمارے پیا کہہ گئے صلعم جیسے انبیاء بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے نبی گذرے جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قایم کرتے رہے پس ہمارے میاں کی امت میں بھی بہت سے ایسے گذرے اور گذرینگے جو دین محمدی کی حقیقت قایم کیا کرینگے اور مجدد کہلاویں گے اور لوگ اُن کو کافر کہا کیئے اور کہا کرینگے بھائی یہ باتیں کتابیں پڑھنے سے حل نہیں ہوتیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور لو تب اس مرحلہ کو طے کرو وقد اوقیت ۔۔۔ اللہ تعالی نور من انوار المحمدیۃ صلعم واللہ علی مانقول وکیل ❖

بھائی تم سمجھو کہ ہر ایک کو اپنے پیا سے جدی جدی راہیں ہوتی ہیں کوئی اُسکی باتوں ہی پر مرتا ہے کوئی اُسکی چتون پر ہی لوٹتا ہے کوئی اُسکی ادا کا دیوانہ ہے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر سایہ دار سبزوں میں اپنے دل کا دو تارہ بجا کر یہ گا رہا ہے ۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

پس جو شخص کہ اپنے تئیں اُمت محمدی کہتا ہے اور تصدیق کرتا ہے محمد رسول اللہ کی تو یقینی تمام بزرگیوں کا آنحضرت صلعم میں اقرار کرتا ہے پھر کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ اُسکے کسی کلام سے گو کہ وہ ہر طبقہ میں خاتم کا ہونا ہی ہو گمان بد کیا جا سکتا ہے وہ بھی دیوانہ ہے مگر ایک ادا پر ہم بھی دیوانے ہیں مگر اُسکی سب اداؤں پر ۔ جو لوگ مسلمان ہیں اور بزرگ ہیں اور علماء میں سے ہیں اور ہمارے فخر ہیں جن کی کفش برداری کے بھی ہم لائق نہیں اُن پر بدظنی نہیں چاہیئے بھائی اگر وہی کافر ہوں تو کیا ہم تم مسلمان ہوں گے ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواہم والسلام علی من اتبع الہدیٰ ❖

## دافع البہتان

جناب حضرت سید الحاج مولانا مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینٹ جج گورکھپور نے ایک کتاب مسماۃ بہ تائید الاسلام تحریر فرمائی ہے جس میں مجھ پر بہت سے

اتہام کیئے ہیں اگرچہ مَیں ایسی باتوں کی نسبت کچھ پرواہ نہیں کرتا مگر بہت سے دوست بجد ہیں کہ جن عقاید کو جناب سید الحاج نے اتہاماً تمہاری طرف منسوب کیا ہے اُن کی نسبت بلا بحث و استدلال صرف اتنا لکھو کہ حقیقت میں وہ تمہارا عقیدہ ہے یا تم پر اتہام ہے پس مَیں اُن کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ موجودہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک قطعاً باطل ہے۔ یہ محض اتہام ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے ایک مقام پر جہاں یہ بحث کی ہے کہ مذاہب مختلفہ میں کون سا مذہب سچ ہوسکتا ہے اور بعد ایک لمبی تقریر کے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کے سوا اَور کوئی مذہب سچ نہیں ہوسکتا وہاں مَیں نے لکھا ہے کہ اسلام سے میری مراد یہ مجموعہ احکام نہیں ہے کیونکہ اُس میں احکام منصوصہ اور اجتہادیات اور قیاسیات سب شامل ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے اس مقام پر میری مراد مذہب اسلام سے صرف احکام منصوصہ ہیں پس یہ کہنا کہ مخاطب کے نزدیک مجموعہ موجودہ اسلام قطعاً باطل ہے کیسا غلط اور کتنا بڑا اتہام ہے *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجموعہ اسلام مخاطب یعنی میرے نزدیک خلاف مرضی الٰہی ہے *

نعوذ باللہ من ھذہ الکلمات ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ۔ میرے نزدیک کوئی مذہب سوائے مذہب اسلام کے مطابق مرضی الٰہی کے نہیں ہے *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ احکام معاد پر اعتقاد دلانا اور صحیح جاننا مخاطب کے نزدیک مانع ترقی ہے *

لعنت خدا کی ہو اُسپر جس نے یہ لکھا ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو میں نے یہ لکھا ہے کہ جب اس سچے مذہب (یعنی اسلام) میں بھی لغو خیالات اور بد تعصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی ان کی ترقی کا مانع ہوتا ہے کجا یہ لفظ اور کجا وہ عقیدہ جو سید الحاج نے میری نسبت لکھا ہے جس وقت اُنہوں نے یہ کتاب لکھی ہے شاید خود اُن کو احکام معاد پر یقین نہ تھا کیونکہ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور خیال فرماتے کہ مرنا بھی ہے خدا کے سامنے جانا ہے مَیں کیونکر ایک شخص پر ایسا اتہام کروں *

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ معجزات انبیا کے اعتبار سے مجرو نبی کے قول پر یقین لانا مخاطب کے نزدیک باطل ہے ؛

اس عبارت کا مطلب شاید مصنف ہی سمجھیں تو سمجھیں اور کوئی تو سمجھ نہیں سکتا مگر صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج میرے آرٹکل کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ غلط سمجھے ہیں مینے اُس آرٹکل میں صرف شرف عقل ثابت کیا ہے ؛

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ ایجاد شریعت مخاطب کے یعنی میرے نزدیک ضرور ہے ؛

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ میرے اعتقاد میں شریعت حقہ محمدیہ خاتم شریعت ہے جیسیکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں ؛

جناب سید الحاج نے ایک فقرہ میں پانچ اتہام میری نسبت کیئے ہیں - ایک اتباع سواد اعظم و اتفاق جمہور مخاطب کے نزدیک باطل ہے - دوم - کسی عالم کے قول کا اعتبار نہیں نہ سند لانی چاہیے - سوم - مسلمات مذہبی سے انکار کرنا نہ بدعت ہے نہ کفر ہے - چہارم تقلید ائمہ اربعہ کی ظلمت وضلالت ہے - پنجم - فقہ و حدیث پر اعتماد لانا بیجا ہے ؛

یہ سب کچھ جو لکھا ہے سب غلط ہے اور تمام تر مضامین کو تحریف کیا ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ وہ لکچر جو آزادی رائے پر ہے اور جسکی تحریف جناب سید الحاج نے فرمائی ہے اُس کا مطلب سمجھنے کو ابھی مدت چاہیئے پس اسیقدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج کا یہ استنباط غلط ہے وہ مطلب نہیں سمجھے یا دانستہ تحریف کی ہے ؛

جناب سید الحاج نے پھر ایک فقرہ میں دو اتہام کیئے ہیں - ایک جو مسئلہ شرعیہ تہذیب مصطلحہ مخاطب کے خلاف ہو باطل ہے - دوم - خصوصاً کثرت ازدواج - سوم - سو استرقاق ؛

پہلا اور دوسرا امر محض بہتان ہے میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شرعی تہذیب کے خلاف ہے ہی نہیں اور جس تعدد ازدواج کی نسبت شرع میں اجازت ہے وہ عین تہذیب ہے اور شہوت رانی کے لیئے شرع کو مٹی بنانا بہایم کی مانند ہونا ہے ؛

تیسرا امر البتہ اسیقدر صحیح ہے یہ تو اکثر علماء متقدمین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ فاما منا بعد واما فداء سے استرقاق منسوخ ہے مگر وہ علماء اُسکو منسوخ مانتے ہیں مَیں منسوخ نہیں مانتا ؛

جناب سید الحاج ایک وصو کہ کی عبارت میں میری نسبت واعظین و صوفیہ و علماء مدرسین پر سب و شتم کرنا لکھتے ہیں ٭

یہ گول گول عبارت جس میں کل واعظین و صوفیہ و علماء داخل ہوں سید الحاج کو لکھنی مناسب نہ تھی جن مکار واعظین و صوفیا اور علماء بدنام کُن نیکونامے چند کی نسبت میں نے لکھا ہے اُن کی نسبت سب لکھتے آئے ہیں مولانا روم کی مثنوی دیکھو۔ امام غزالی رح کی احیاء العلوم پڑھو ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مینے احکام معادمثل جنت و نار۔ صراط و میزان و صور و حشر اجساد وغیرہ و عذاب قبر وغیرہ جو محسوسات نہیں ہیں باطل ٹھہرائے ہیں ٭

یہ محض اتہام ہے میں نے ایک حرف بھی اب تک اُن کی نسبت نہیں کہا نعیم جنت و وعید جہنم پر اور بعث بعد الموت پر مَیں اعتقاد رکھتا ہوں باقی رہی اُن کی کیفیات۔ وہ ہر شخص موافق اپنے مذاق کے بیان کرتا آیا ہے چنانچہ امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم ان باتوں سے پُر ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ صرف فرایض پر عمل کرنا وہ بھی نیچر کے موافق ہوں کافی ٹھہرایا ہے ٭

اگرچہ اس میں بھی تدلیس کی ہے مگر بلاشبہ میرا اعتقاد ہے کہ جس قدر کہ فرایض مذہب اسلام میں ہیں وہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہیں اور بلاشبہ صرف فرائض کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا بہشت میں جانے کو کافی ہے ٭

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ جو عبادت خلاف نیچر ہو اُس کو مَیں نے باطل ٹھہرایا ہے ٭

اس میں بھی تحریف کی ہے کیونکہ مَیں نے کہا ہے کہ زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے میں منحصر سمجھنا (قطع نظر اسکے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گذر جانا قانون قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت سہی) مگر اُسکے سوا اَور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو اُن سے زیادہ مفید ہیں بڑی غلطی ہے۔ کُجا یہ مضمون اور کُجا یہ اتہام جو جناب سید الحاج نے باین عوی دینداری مجھپر کیا ہے ٭

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ جس قدر عادات و حسنات خلاف نیچر ہوں اُن کو میں نے

باطل ٹھہرایا ہے ÷

مگر جناب سید الحاج یہ نہیں سمجھے کہ جس قدر نیک عادتیں اور حسنات ہیں وہ نیچر یعنی فطرت اللہ کے برخلاف ہیں ہی نہیں کیا یہ جناب سید الحاج عادت خلاف فطرت کو حسن سمجھتے ہیں !!! ÷

وہ میرا قول نقل کرتے ہیں کہ مذہب خدا کا قول اور فطرت خدا کا فعل ہے دونوں ایک ہیں ÷

کیا جناب سید الحاج کو اس میں شک ہے۔ کیا اُن کے نزدیک خدا کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے !!!

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ طریقہ لباس و اکل و شرب و اخلاق و عادات ایسی اختیار کرنی چاہئیں جس سے تہذیب یافتہ قوموں کی نظر میں حقارت نہو ÷

کیا جناب سید الحاج کی خواہش اس کے برخلاف ہے کیا اپنی قوم کو تمام تہذیب یافتہ قوموں کے سامنے حقیر و ذلیل رکھنا چاہتے ہیں کیا اُنکی مرضی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ذلیل رہیں اور تربیت یافتہ قوموں کی نگاہ میں اُن کی کچھ قدر و عزت نہو !!!

جناب سید الحاج میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ مَیں ترقی قومی کو دیگر حسنات پر ترجیح دیتا ہوں دل و جانم فدائے ایں الزام جناب سید الحاج باد۔ بلاشبہ میرا یہ عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور یہی قول ہے اور خدا اسی قول پر میرا خاتمہ کرے کہ بعد ادائے فرائض کے کوئی عبادت قومی بھلائی میں کوشش کرنے سے بہتر نہیں ہے اللھم احینا علیہ و امتنا علیہ آمین ہاں البتہ خود غرض نفس کے بندے قومی بھلائی میں کوشش کرنیکو بیفایدہ سمجھتے ہیں ÷

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے توہین حرمین شریفین کی ہے اور اُسکے ثبوت پر میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب صلعم پر اور خانہ کعبہ پر متعین کیئے ہیں اور یہ ہیجڑے کے بھوٹے مسلمان اُسکو باعث افتخار جانتے ہیں ÷

ناظرین انصاف کرینگے کہ اس فقرہ سے توہین حرمین شریفین استنباط کرنا جناب سید الحاج کے علم و اجتہاد اور دیانت اور دینداری کا کیسا بڑا ثبوت ہے کیا یہ استنباط دیدہ و دانستہ اتہام نہیں ہے مسلمانوں میں خواجہ سراؤں کا رواج اسلام کو داغ لگانے والا ہے کیونکہ سوائے مسلمانوں کے اور کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے پھر جو فعل کہ حرام و ممنوع شرعی ہے اُسکے مرتکب ہوتے ہیں اور

پھر اُنہی لوگوں کو حفاظت روضۂ مطہرہ اور خانہ کعبہ پر متعین کرتے ہیں اور ان ہیجڑے کے پھوٹوں کو رسول خدا صلعم سے بھی شرم نہیں آتی کہ آں حضرت کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں اور پھر اُنہی کو روضہ مبارک کے سامنے لیجاتے ہیں اور حیات النبی کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں اگر غیرت اور خدا و رسول سے شرم ہوتی تو چینی بھر پانی میں ڈوب مرتے مگر اُس سے بھی زیادہ تعجب ہمکو یہ ہے کہ ہمارے مخدوم مبشر بہ بشارات عجیبہ سید الحاج جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور اعنی قاضی القضاۃ شریعت انگریزیہ فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین میں خواجہ سراؤں کی تعیناتی کو برا جاننا توہین حرمین شریفین ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ و بحمدہٖ!!!

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے تعلیم دینیات کی جو مروج ہے غیر مفید ٹھہرائی ہے اور اُسکی دلیل میں میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ "زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے اور کوئی علم مفید مروج نہیں ہے" ؛

اے مسلمانو۔ انصاف کرو کہ میرے اِس قول کا یہ مطلب ہے جو جناب سید الحاج نے نکالا ہے کیا اُن کا ایسا لکھنا اتہام نہیں ہے اور کیا دیدہ و دانستہ اُنھوں نے یہ غلط نہیں لکھا ہے۔ کُجا طریقہ تعلیم کو غیر مفید کہنا اور کُجا تعلیم دینیات کو غیر مفید کہنا ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے جو تمہید غلامی کے آرٹکل میں لکھی ہے اس سے سب و شتم انبیاء سابقین اور لاحقین اور صحابہ و اہل بیت و عام امت مرحومہ کی لازم آتی ہے ؛

یہ قول اُن کا محض غلط ہے قبل نزول امتناع کسی فعل کے اُسکے مرتکبین کو گنہگار اور مرتکب فعل حرام کا جاننا صرف جناب سید الحاج کا عقیدہ ہے۔ ایک زمانہ میں حقیقی بہن سے نکاح منع نہ تھا اور بعض نبی انبیاء سابقین میں سے اسکے مرتکب ہوئے اسی طرح حقیقی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا منع نہ تھا متعدد انبیاء اس فعل کے مرتکب ہوئے۔ شراب کی حرمت جب تک نہ ہوئی تھی تمام انبیاء سابقین اور اکثر صحابہ اسکے مرتکب ہوئے پس اب اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا حرام ہے۔ شراب پینی حرام ہے تو وہ کیا انبیاء سابقین اور صحابہ کرام پر سب و شتم کرتا ہے ؛

جو کچھ مَیں نے نسبت غلامی کے لکھا ہے اوّل میری تحقیق دریافت کرنی چاہیئے تھی میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی نے انبیاء سابقین سے اور لاحقین سے جناب خاتم الانبیاء تک

کسی عورت پر بغیر نکاح کے تصرف کیا ہو آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اُن عورتوں سے جو
لڑائی میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا تھا جس طرح کہ جناب سید الحاج آئمہ اہل بیت پر تہمت لگانا چاہتے
ہیں اُس طرح بغیر نکاح بطور لونڈی کے کسی کو تصرف میں نہیں لائے یعنی صرف اس مطلب
سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا حق ہونا شیعوں پر ثابت ہو آئمہ اہل بیت پر
لونڈیوں کے تصرف کی تہمت لگاتے ہیں ورنہ وہ ازدواج مطہرات منکوحہ اہل بیت علیہم السلام
تھیں صحابہ و تابعین کی نسبت بھی کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ قیدی عورتوں کو
بطور لونڈیوں کے بلا نکاح اُنھوں نے تصرف کیا ہو اور کچھ شبہ نہیں کہ آیہ کریمہ اما منا بعد
و اما فداء اخر الآیۃ ہے جو اُساری کے حق میں نازل ہوئی اور جس سے غلامی معدوم ہو گئی
پس جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اُسکی نسبت یہ کہنا کہ انبیاء و صحابہ و اہل بیت پر سب و شتم لازم
کیا ہے کیسا اتہام ہے ✦

جب سلطنت سلاطین کے ہاتھ آئی پھر مفتیوں کو اور قاضیوں کو کیا ڈر تھا۔ آیت
اما منا بعد و اما فداء کو مٹا دیا اور ملا دو پیازہ کے قاضی بن گئے قطع نظر اس کے بعد غزوات
و انقراض زمانہ خلافت خمسہ حقہ کونسی لڑائی جہاد جائز خالصاً للہ واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے تھا
جس کی بردی کو جناب قاضی و مفتی نے حلال کر دیا تھا اور جس طرح کہ مکہ معظمہ میں لونڈی و غلام
بیچے جاتے ہیں یہ کونسی شرع کی رُو سے جائز ہیں شریعت محمدیہ کی رُو سے تو یقینی حرام ہیں ✦

ہاں ایک الزام میرے اوپر ٹھیک ہے کہ میں نے برخلاف جمہور مسئلہ استرقاق کا بیان
کیا ہے مگر جب میں دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا اور کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم تینوں
میرے ساتھ ہیں اور یہ میرا یقین کامل اور نہایت پختہ ہے تو مجھ کو اس اختلاف سے کچھ ڈر نہیں
ہے بفرض محال اگر میری سمجھ نے غلطی بھی کی ہو تو بھی اس اختلاف کا کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ
مجھ کو کامل یقین ہے کہ معدومی استرقاق منصوص قرآنی ہے اور عین مرضی خدا و رسول کی پس
ممکن ہے کہ جناب سید الحاج یا اور مسلمان کہیں کہ میں غلطی پر ہوں الاّ ان امور کے سبب کافر کہنا
اور سب و شتم انبیاء و صحابہ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا اتہام کرنا کچھ دیانت کی بات نہیں
ہے یہ بھی یاد رہے کہ میری تحقیق میں غلامی کسی شریعت کا حکم شرعی نہ تھا فتدبر و لا تقف
ما لیس لک بہ علم ✦

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ احکام نیچر (یعنی فطرت اللہ) کبھی نہیں ٹوٹنے کا

اور پھر اُس پر تفریع فرماتے ہیں کہ معہذا احکام حشر و نشر و فنا باطل ٹھہرینگے ÷

مگر مَیں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب، یہ میرا مطلب نہیں ہے حضور نے قصداً یا خطاءً غلطی فرمائی ہے حشر و نشر و فنا خود نیچر و فطرت اللہ میں داخل ہے اور جب وہ ہوگا عین نیچر ہوگا افسوس ہے کہ جناب کو نہ قرآن مجید کے لفظ فطرت اللہ کی تحقیق ہے اور نہ انگریزی لفظ نیچر کی مگر قلم پکڑ کر جو دل میں آتا ہے اُٹکل پچیس تحریر فرما دیتے ہیں ÷

جناب سید الحاج مجھ پر اتہام فرماتے ہیں کہ مَیں کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں ÷

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ محض غلط اتہام میری نسبت ہے مَیں خود بیسیوں حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایتاً و درایتاً صحیح ہوتی ہیں استدلال کرتا ہوں ÷

جناب حضرت سید الحاج میری نسبت اتہام فرماتے ہیں کہ قواعد صرف و نحو و معنی و بیان و اصول کے موافق معنی قرآن و حدیث کے لینے جایز نہیں ÷

محض کذب و اتہام ہے اور لفظ "جایز نہیں" ایک عجیب لفظ ہے۔ بہر حال میں نے اُس سے زیادہ نہیں کہا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے۔ بلاشبہ معنی قرآن کے موافق محاورہ عرباؤں کے لینے چاہئیں جس زبان و محاورہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے ÷

جناب سید الحاج مجھ پر یہ اتہام کرتے ہیں کہ اگر علوم جدیدہ میں مذہب اسلام خلل انداز ہو تو مذہب اسلام کا چھوڑ دینا لازم ٹھہرایا ہے ÷

سُبحان اللہ کیا داد سخن فہمی دی ہے جناب یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا پختہ ہے کہ کتنے ہی علوم جدیدہ کیوں نہ پڑھے جاویں الا مذہب اسلام سے بد اعتقادی نہیں ہوسکتی ہاں ایسے لچر اصول مذہب کے جیسے کہ جناب سید الحاج نے اختیار فرمائے ہیں اور جن میں کے بڑے دو اصول بہتان کرنا اور اتہام لگانا اور کلمہ گوؤں کو کافر کہنا ہے اُن کا چھوڑنا تو مَیں لازم ٹھہراتا ہوں ÷

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مَیں نے اعتراض فلسفیانہ قرآن شریف پر کیے ہیں اور اسی میرے بیان کو بطور دلیل کے لائے ہیں کہ ہیئت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو تفسیر عالموں نے نطفہ سے انسان کے پیدا ہونے کی لکھی ہے وہ فن تشریح سے غلط معلوم ہوتی ہے ÷

اگر انصاف و دیانت دنیا میں باقی ہے تو جناب سید الحاج منبع البہتان کے اتہام کو خیال کیا جاوے کہ کجا قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور کجا عالموں کی تفسیر کو غلط بتانا یا یہ کہنا کہ ہیئت جدیدہ

کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اڈیسن و اسٹیل کو پیغمبر ٹھہرایا ہے *
مگر مجھ سے پہلے فردوسی و انوری و سعدی کو لوگ پیغمبر ٹھہرا گئے ہیں اگر میں نے اسٹیل و اڈیسن
کو پیغمبر ٹھہرایا تو کچھ گناہ نہیں کیا *
ہاں شاید جناب سید الحاج اس لیئے خفا ہوئے ہونگے کہ میں نے جناب ممدوح کو پیغمبر کیوں نہیں ٹھہرایا
خیر معاف فرمائیے اس لیئے کہ میں جناب ممدوح کا مرتبہ اُس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں وہ تو پیغمبرانِ
سخن تھے الا میں جناب سید الحاج کو خدائے بہتان و اتہام جانتا ہوں *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے بمقابلہ فلسفیات جدیدہ کے قرآن و حدیث
کو بیکار قرار دیا ہے اور ادلۂ ثلاثہ شرعیہ کا بطلان بیان کیا ہے *

لعنة الله علی قائله وعلی معتقده وعلی من ینسب هذا القول الی من لم یعتقده ولم
یقله اسی قدر کہنا بس ہے کیا فائدہ ہے ایسے اتہامات سے اور کیا نتیجہ جناب سید الحاج نے اہیں
سمجھا ہے *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے خاتم الانبیاء صلعم کو نیچرل اسٹ ٹھہرایا ہے *
میں نے تو یہ لفظ نہیں کہا اور اگر جناب سید الحاج نے بنظر تحقیر یہ لفظ جناب خاتم المرسلین کی
نسبت ارقام فرمایا ہے تو اُس کا مظلمہ خود جناب سید الحاج کی گردن پر رہیگا کیونکہ سید الحاج کے ہم مشرب
علماء کے فتووں سے پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کی نسبت کلمہ تحقیر کا بلا قصد نقل کرنا بھی کفر
ہے پس ایسے کلمہ کا ایجاد کر کے کہنا بطریق اولیٰ کفر ہوگا *

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے مادہ عالم کو ازلی و ابدی ٹھہرایا ہے۔ اگر لفظ مادہ
سے کوئی شے علاوہ ذات باری کے مراد ہے تو ایسا اعتقاد کرنے والے پر تو میں لعنت بھیجتا ہوں
اور اُسکو کافر سمجھتا ہوں اور اگر مادہ سے عین ذات باری مراد ہو (گو لفظ مادہ کا اطلاق اُسپر غلط ہوگا)
جیسا کہ بڑے بڑے اکابر بزرگان دین اہل وحدت وجود کا مشرب ہے تو میں کہتا ہوں کہ بلا شبہ
خدا ازلی و ابدی ہے ولله در من قال *

فلولاه ولولانا لما کان الذی کانا
فانا اعبد حقا و ان الله مولانا
وانا عینه فاعلم اذا ما قلت انسانا

فلا تعجب بانسان فقد اعطاک برهانا
فکن حقا وکن خلقا تکن باللہ رحمانا
وعد خلقہ منہ تکن روحا وریحانا
فاعطیناہ ما یبدو بہ فینا واعطانا
فصار الامر مقسوما بایاہ وایانا
فاحیاہ الذی یدری بقلبی حین احیانا
وکنا فیہ اکوانا وازمانا واعیانا
ولیس بدایم فینا ولکن ذاک احیانا

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ان مضامین پر غور کرنے کو ایک مدت درکار تھی مگر انہوں نے بے سوچے سمجھے جو چاہا لکھ دیا ۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ شبہ دوسرے خدا کے وجود کا زایل نہیں ہو سکتا ؛

اس کا مطلب کیا ہے آیا یہ مطلب ہے کہ میں معتقد دوسرے خدا کا ہوں تو میں لعنت بھیجتا ہوں شرک پر اور دو اور تین یا اس سے زیادہ خدا ماننے والے پر اور اگر یہ مطلب نہ ہو تو جناب سید الحاج کا تحریف کر کر مطلب بیان کرنا ایک قسم کا اتہام ہے ۔ جو تقریر کہ میں نے اس مقام پر بیان کی ہے اس پر ایک شبہ وارد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم ایسے شبہات پر شرعاً مکلف نہیں ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ اعتقادیات جو خلاف نیچر ہوں باطل ہیں اور عملیات معینہ فقہا باطل ہیں ؛

جناب سید الحاج آپ اس آرٹیکل کا جو میں نے فلسفیانہ بمقابلہ ایڈیسن لکھا ہے مطلب نہیں سمجھے جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب غلط ہے یہ اس کا مطلب نہیں ہے ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علاوہ مذہب اسلام کے دوسرے مذاہب بھی سچے ہو سکتے ہیں ؛

میں نہیں جانتا کہ یہ مطلب سید الحاج نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ مذہب اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو مذہب سچا ہوگا وہ اسلام ہی ہوگا ؛

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ جہاد سے میری مراد اُس قسم کی لڑائی ہے جیسی مثلاً جرمن اور فرانس میں ہوئی تھی نہ واسطے قایم ہونے دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے ؛

یہ تحریر جناب سید الحاج کی اتہام محض ہے جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اتہام کرنے پر مستعد ہیں تو اُس کا علاج کیا ہے بلاشبہ میری دانست میں جہاد جبراً مسلمان کرنے کے لیئے نہیں ہے بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے ہے جیساکہ میری تحریروں سے ظاہر ہے ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسلام صرف اسی قدر کا نام ہے کہ خدا کو ماننا اور بندوں کے ساتھ برادری برتنا اسپر میرا یہ قول سند لائے ہیں کہ ''سچے مذہب اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا'' اب صاحب تمیز خود غور کرینگے کہ جناب سید الحاج نے لفظ ''اسیقدر کا نام ہے'' اپنی طرف سے بڑھاکر اور میرے مطلب کو تحریف کرکر کیا عمدہ داد دینداری دی ہے ؛

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر درپس امروز بود فردائے

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل سنت وغیرہ جو فرقے اسلام کے ہیں سب باطل ہیں صرف ملت نیچریہ حق ہے ؛

مَیں چاہتا ہوں کہ جناب سید الحاج اور ہم دونوں ملکر کہیں کہ لعنت اللہ علے الکاذبین اور ہمارے اور اُن کے دوست پکارکر کہیں مثل بار ۔ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج نے ایسی لغو اور بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ سمجھا ہے ؛

جناب سید الحاج لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک جو مسئلہ شرعیہ خلاف عقل و مخالف نیچر ہو وہ باطل ہے ؛

معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج اُلٹی راہ کیوں چلتے ہیں یہ کیوں نہیں فرماتے کہ میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شریعت حقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خلاف عقل نہ خلاف فطرت اللہ یعنی نیچر کے نہیں ہے ؛

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث صحیح کو اپنے خلاف دیکھکر باطل سمجھا ہے اور

شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے ✦

جو حدیث ضعیف یا موضوع کہ جناب سید الحاج کے نزدیک صحیح ہو یہ کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ اسکو صحیح سمجھیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہو گی میرے نزدیک نہیں ہے اور شیطنت سیکھنے کی نسبت کا جناب حضرت ابوہریرۃؓ کی طرف جناب سید الحاج نے مجھ پر اتہام کیا ہے خود کیا ہے مجھ پر لگایا ہے۔ مَیں تو اس حدیث ہی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے عمل آیۃ الکرسی کا شیطان سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) اُس پر مَیں نے لکھا کہ جناب مولوی علی بخش خان صاحب بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ "شہاب ثاقب" صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیت الکرسی کا اُس سے سیکھا۔ اس عبارت کے بعد میں نے لفظ نعوذ باللہ منہا کا بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ مَیں قول جناب سید الحاج کو غلط جانتا ہوں اُس پر جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ اتہام کیا ہے کہ مَیں نے شیطنت سیکھنے کا کنایہ ابوہریرہ پر کیا ہے افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ایسی باتیں لکھنے میں کچھ لحاظ بھی نہیں ہوتا ✦

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ بیان ہے کہ مادہ عالم منجملہ صفات باری ہے لہذا وہ عین ذات ہے اور اُس کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے ورنہ اپنی ذات کا خود خالق ہوگا اور فنا ہونا مادہ عالم کا بھی متعذر ہے اور عالم پر تقدم ذات باری کو نہیں ہے اور ذات باری حادث ہے ✦

کیا عجیب سمجھ جناب سید الحاج کی ہے اور کیا عمدہ مقدمات اس میں ترتیب دیئے ہیں کہ شیخ اکبر کی روح خوش ہو گئی ہو گی۔ پھر جو کچھ لکھا ہے محض غلط لکھا ہے۔ جناب بلاشبہ صفات باری اُسکی عین ذات ہیں مگر یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے اس میں آپ کیوں دخل فرماتے ہیں اِلّا اس قدر آپ کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ جو کچھ آپ سمجھے ہیں وہ سب غلط ہے اور جو الفاظ آپ نے ارقام فرمائے ہیں وہ میرے نہیں ہیں یہ سب آپ کے دل کے بنائے ہوئے الفاظ ہیں ابھی تو آپ حاجی ہی ہوئے ہیں مگر جب منصور کے رتبہ پر پہونچیئے گا جب میرے اُن فقروں کے معنی سمجھیئے گا جو میں نے صفات و ذات کی عینیت میں لکھے ہیں ✦

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا بیان ہے کہ نکات بلاغت و اشارۃ النص و دلالۃ النص باطل ہیں ✦

غلط ہے۔ میرا یہ قول نہیں ہے بلاشبہ میری سمجھ ہے کہ قرآن مجید کے معنی اُسی طرح پر لینے

چاہئیں جس طرح اعراب عرب سمجھے تھے اور جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یہی مشرب شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جیسا کہ انھوں نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے یہاں تک کہ جو باتیں قواعد نحو مقررہ سیبویہ و فرّا کے خلاف قرآن مجید میں ہیں اُن کی تاویل کو بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے بیجا قرار دیا ہے اور عرب اوّل کے محاورہ کو خلاف قاعدہ مقررہ نحو قرآن مجید میں تسلیم کیا ہے اور اُسی کو صحیح مانا ہے۔ مگر مجھ کو شبہ ہے کہ جناب سید الحاج مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی مسلمان جانتے ہیں یا نہیں کیونکہ اہل بدایوں اُن کی بھی تکفیر کرتے ہیں ؛

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اصول و فروع اسلام سے اپنے اختلاف کا اقرار کیا ہے ؛

یہ الفاظ تو جناب سید الحاج کے دل کے بخارات ہیں مگر بلاشبہ اس زمانہ میں جو مسائل مسلمانوں میں رائج ہیں اُن میں سے چند مسائل سے مجھ کو اختلاف ہے اس لیے کہ میری دانست میں وہ مسائل خلاف شرع ہیں اصول و فروع سے اختلاف ہونا جو جناب سید الحاج تحریر فرماتے ہیں یہ محض اتہام ہے ؛

اب میں اُن چند عقیدوں کا ذکر کرتا ہوں جو جناب سید الحاج مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھے ہیں اور اتہاماً میری طرف منسوب کیے ہیں ؛

## عقیدہ اوّل

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کو میری طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ایک مادہ اور ایک ذات باری دو چیزوں کو ازلی ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ تقدم ذات باری کا مادہ وجود عالم پر نہیں ہے اور پھر لکھا ہے کہ ذات باری خالق مادہ اصلی عالم کی نہیں ہے اور نہ اُسکے فنا پر قادر ہے ؛

ان میں سے ایک بھی میرا عقیدہ نہیں ہے اور نہ میں نے کہیں یہ باتیں بیان کی ہیں جو اُنھوں نے لکھی ہیں محض بہتان اور افترا ہے ؛

ذات اور صفات باری کی نسبت تین مذہب مسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صفات باری عین ذات ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ذات ہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں نہ غیر ہیں میں مذہب اوّل کو صحیح سمجھتا ہوں اور اسی قدر میں نے بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ جس قدر

بیان ہے وہ سب افترا اور بہتان ہے اور نہ وہ میرے الفاظ ہیں جو جناب سید الحاج نے لکھے ہیں ؛

## عقیدہ دوم

جناب سید الحاج اس عقیدہ کو میری طرف منسوب فرماتے ہیں کہ ذات باری علت تامہ وجود ہر شے کی نہیں ہے۔ ذات باری تعالیٰ کو خالق کل شے کہنا حقیقت میں غلط ہو جاویگا گو مجازاً صحیح ٹھہرے ؛

جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ سب افترا اور بہتان کیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ ذات باری تمام کائنات کی علت العلل ہے ؛

## عقیدہ سوم

جناب سید الحاج نے اتہاماً میرا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے کہ مادہ عالم کا قیامت کے روز فنا ہو جانا ممتنع بالذات ہو گا و کل من علیہا فان صحیح نہ ٹھہریگا ؛

جناب سید الحاج نے محض اتہام کیا ہے میرا یہ عقیدہ نہیں میں نے لکھا ہے کہ اگر تمام موجودات کے عوارض نوعیہ یا شخصیہ معدوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہو گا وقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام اس قول کی حقیقت جناب سید الحاج نہیں سمجھے اُن کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنا چاہئیے جب سید اکبر کے قول کو سمجھینگے ؛

## عقیدہ چہارم

پھر جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کا میری نسبت اتہام کیا ہے کہ ذات باری مادی ہے یا یوں کہو کہ مادہ اور غیر مادہ سے مرکب ہے یا محل مادہ کا ہے ؛

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو بہتان پر بہتان لگانے میں کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو میں کافر سمجھتا ہوں ؛

## عقیدہ پنجم

بلاشبہ میں ذات اور صفات باری کی عینیت کا قائل ہوں مگر اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکالا ہے کہ یہ کہنا غلط ٹھہریگا کہ مفہوم صفات کا باہم متمیز اور متغایر ہے اور اس صورت میں حقیقت علم و قدرت وغیرہ متحد الحقیقت ہوں گے مگر یہ سمجھ خود اُن کی ہے میری نہیں وہ مسئلہ عینیت ذات و صفات کو سمجھے ہی نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ کسی سے سیکھیں فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون +

## عقیدہ ششم

جناب سید الحاج نے بغیر سوچے سمجھے ان لفظوں سے میرا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ذات باری کو قانون فطرت کے توڑنے یا تبدیل اور تغیر کرنے پر اختیار نہیں ہے بلکہ ممتنع بالغیر ہو گیا ہے +

یہ بالکل اتہام محض ہے قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وُہی قانون فطرت ہے +

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک مرادف ہے لفظ فطرت اللہ اور قانون قدرت کے ابھی بہت مدت چاہیئے کہ جناب سید الحاج ان لفظوں کے معنی سمجھیں +

## عقیدہ ہفتم

میری ایک تقریر کا جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہو سرا علت العلل کسی دوسرے عالم کا ممتنع عقلی نہیں ہے +

اس میں بھی جناب سید الحاج نے تحریف کی ہے اور مطلب کو اُلٹا بیان کیا ہے مینے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ " وہ ہستی جسکو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اسکے دوسری ہستی نہیں اور اُسکے ثبوت میں ایک تقریر کی ہے اور ایجاد عالم سے اُسپر استدلال کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ اس تقریر پر وہ شبہ جو ابن کمونہ کا ایک مشہور شبہ ہے اور جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں وارد ہوتا ہے مگر وہ ایک خیالی اور وہمی شبہ ہے اور یقین دلانے کو کافی نہیں اور مذہب اسلام میں ایسی باتوں پر تکلیف نہیں ہے۔ کُجا یہ تقریر اور کُجا وہ اتہام جو جناب سید الحاج نے کیا ہے ایسے لفظوں سے جو نیک دل سے نہیں نکل سکتے +

# عقیدہ ہشتم

اِس عقیدہ میں میری نسبت متعدد اتہام خلط ملط کرکے اُنھوں نے جمع کیئے ہیں اِس لیئے ہم قول قول کرکے اُسکی تفصیل کرینگے ؛

قول - سوائے عقل کے کوئی رہنما نہیں بے شک عقل رہنما ہے اور اسلام اور کُفر میں جو تمیز کرنیوالی ہے وہ بھی عقل ہے - جناب سید الحاج نے اس کتاب میں عقل سے کام نہیں لیا اسیواسطے غلطی میں پڑے اور اگر دیدہ و دانستہ اتہام کیا ہے تو بھی عقل سے کام نہیں لیا ؛

قول - حسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ شرعی - متقدمین اہل اسلام کے اسکی نسبت دو مذہب ہیں - ایک یہ کہ حسن و قبح تمام چیزوں کا عقلی ہے - دوسرے یہ کہ شرعی ہے میرے نزدیک بلاشبہ پہلا مذہب صحیح ہے ؛

قول - لہذا باوجود قانون قدرت کے یعنی نیچر کے بعثت انبیاء کی ضرورت نہیں ہے - غالباً یہ عقیدہ اور یہ سمجھ خود جناب سید الحاج کی ہوگی - نہ میرا یہ عقیدہ ہے نہ میں نے یہ کہا بلکہ بعثت انبیاء نیچر کی رُو سے ضروری ہے ؛

قول - لاکھوں نیچرل اسٹ موجود ہیں اور وہ خود پیغمبر ہیں - میرا تو یہ عقیدہ نہیں ہے شاید جناب سید الحاج اُن کو پیغمبر جانتے ہونگے ؛

قول - لندن کے پیغمبروں میں اڈیسن اور اسٹیل تھے - جس طرح کہ کسی شخص کامل کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خدائے سخن ہے یا پیغمبر سخن ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؛

در نظم سہ کس پیمبرانند
فردوسی و انوری و سعدی

اسی طرح ایک مقام پر میں نے اسٹیل اور اڈیسن کو لنڈن کے پیغمبر کہا ہے مگر چونکہ جناب سید الحاج عقل کو رہنما نہیں سمجھتے اس لیئے وہ سمجھ گئے کہ وہ سچ مچ کے پیغمبر ہیں جو خدا کی طرف سے مذہب لاتے ہیں یا دانستہ اتہام کیا ہے ؛

قول - اِس صورت میں ختم ہونا نبوت کا نبی آخر الزمان پر صحیح نہ ہوگا ؛

یہ عقیدہ کفریہ میرا تو نہیں ہے کیونکہ میں تو تقلید موجودہ کو بھی شرک فی النبوت سمجھتا ہوں مگر غالباً جناب سید الحاج کا یہ عقیدہ ہوگا کیونکہ وہ تقلید موجودہ یعنی شرک فی النبوت کو جائز سمجھتے

ہیں - غرضکہ جو امر میری نسبت جناب سید الحاج نے منسوب کیا ہے مَیں تو کہتا ہوں لعنت اللہ علی قایلہ ومعتقدہ - اُمید ہے کہ جناب سید الحاج فرماویں کہ بیش باد +

## عقیدہ نہم

اس عقیدہ کے اتہامات کو بھی ہم قولہ قولہ کرکے بیان کرینگے +

قولہ - قانون فطرت یعنی نیچر کے خلاف کوئی امر ظہور میں آنا ممکن نہیں ہے لہذا معجزات انبیا پر یقین لانا صحیح نہ ہوگا - یہ قول جناب سید الحاج کا محض غلط ہے جو شخص کہ فطرت اللہ اور قانون قدرت اور نیچر کے معنی ہی نہ جانتا ہو اُسکو دخل در معقولات کیا ضرور ہے - جناب سید الحاج نے خود اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ معجزات انبیا خلاف فطرت اللہ یا خلاف نیچر ہیں حالانکہ کوئی معجزہ کسی نبی کا خلاف نیچر اور خلاف فطرت اللہ نہیں ہے صرف ثبوت اُسکے وقوع کا درکار ہے اور جب ثابت ہو کہ فلاں امر واقع ہوا تو بلا شبہ اُسپر یقین کیا جاویگا اور یہ بھی یقین کیا جاویگا کہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہے گو کہ اُسکی ماہیت ہماری سمجھ میں نہ آوے کیونکہ ہزاروں کام نیچر کے ایسے ہیں جن کی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے - سید الحاج صاحب نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ سب باتیں یعنی معجزات انبیا قانون فطرت کے توڑنیوالے ہیں حالانکہ وہ قانون فطرت کے پورا کرنیوالے ہیں - اور یہ بھی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ اگر معجزات انبیا مان لیئے جاویں تو تمام عقلیات کے خلاف اقرار کرنا پڑتا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے +

قولہ - لامحالہ انبیا کو اسیقدر سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیچرل اسٹ حکیم تھے بلکہ سب سے زیادہ محمد رسول اللہ صلعم نیچرل فیض کے جاری کرنیوالے تھے اور اُمی ہونا اسی واسطے تھا کہ سوائے نیچر کے اَور کسیطرح کا میل نہ ہونے پاوے - معلوم نہیں جناب سید الحاج نے الفاظ نیچر اور نیچرل اسٹ کس ارادہ سے لکھے ہیں اگر ان الفاظ سے اُن کا ارادہ انبیا کی شان میں اور جناب رسول خدا صلعم کی شان میں کچھ حقارت کرنے کا ہے تو اُسکے مجرم اور گنہگار خود جناب سید الحاج ہیں مَیں اُس سے بری ہوں انبیا کو مَیں نیچرل اسٹ حکیم نہیں کہتا مگر بیشک وہ اُس فیض کے جاری کرنے والے ہیں جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا - مَیں تو پیغمبروں اور نیچرل اسٹ حکیم میں ایسا فرق سمجھتا ہوں جیسا کہ راعی اور غنم میں - میرے اعتقاد میں خلقت انبیا کی دیگر انسانوں سے ایک نوع جداگانہ ہے بشر صرف اُسکی جنس ہے اور صاحب الوحی ہونا اُسکی فصل ہے اور یہ ایک ملکہ

ہے جو خلقت انبیاء میں پیدا کیا ہے پس جس طرح کہ حیوان اور انسان میں ناطق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیاء میں ذوالوحی ہونا فصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ بلسان نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد پس ایسے شخص کی نسبت (جس کا اعتقاد نسبت انبیاء وہ ہے جو جناب سید الحاج کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرا ہوگا اور غالباً اب بھی جناب ممدوح اس نکتہ کو نہ سمجھینگے کیونکہ اس نکتہ کے سمجھنے کو نور سینہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روشنی ملنی چاہیئے جب سمجھ میں آتا ہے) کیسا بہتان اور کتنا بڑا اتہام ہے۔ بلا شبہ رسول خدا صلعم کے اُمی ہونے میں بڑی حکمت یہی تھی کہ خاص ذات باری کا فیض پہونچے نہ اَور کسی کا مگر اس فیض کا لطف تا نچشی نہ دانی ؛

## عقیدہ دہم

اِس عقیدہ میں بھی میری نسبت کسی قدر اتہام بہ تحریف مراد جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں جن کو مَیں بیان کرتا ہوں ؛

قولہ۔ ملائکہ سے مراد قوائے انسانی ہیں۔ میرا یہ قول ہے کہ ملک کے لفظ کا قوائے انسانی پر بھی اطلاق ہوا ہے اور مَیں نے کسی ایسے وجود کا جو علاوہ انسان کے ہو اور ملک کا اطلاق جس پر کیا جاوے انکار نہیں کیا ہے ؛

قولہ۔ شیطان کا وجود نہیں۔ مَیں شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود ہے خارج عن الانسان نہیں اگرچہ میرا ارادہ ہے کہ مَیں اس عقیدہ سے رجوع کروں کیونکہ اس زمانہ میں بہت سے شیطان مجسم دکھائی دیتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ اَوروں کا بھی وجود شیطان خارج عن الانسان کے منکر ہیں۔ مولانا رُوم فرماتے ہیں۔

نفس شیطاں ہم ز اصل واحدے
بُود آدم را حسود و ساجدے

## عقیدہ یازدہم

اس عقیدہ میں عجیب خلط بحث کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قصداً لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا ہے مگر ہم اُن کے قولوں کو نقل کرتے ہیں ؛

قولہ ۔ بغیر لحاظ اصول تفسیر اور بدوں اعتبار اقوال جمہور مفسرین و شان نزول کے قرآن کے معنی اپنی رائے سے کہنے جائز ہیں ۔ جناب سید الحاج کا یہ قول تمامتر اتہام ہے اور اصلی مطلب کو تحریف کیا ہے اصول تفسیر کو مَیں انسانوں کے بنائے ہوئے قاعدے سمجھتا ہوں خدا کی طرف سے وہ قاعدے نہیں اُترے اقوال مفسرین اور شان نزول آیات کی جن کی سندیں موجود ہیں وہ معتبر ہیں ۔ جن کی سندیں نہیں ہیں وہ معتبر نہیں ہیں ۔ بس یہ سیدھی بات ہے جسکو جناب سید الحاج نے تحریف کیا ہے ◆

قولہ ۔ اور قرآن کے معنی جس قدر نیچر اور فلسفہ کے خلاف ہوں اُسکو خواہ مخواہ نیچر اور فلسفہ کے اقوال سے ملا دینا چاہیئے ۔ یہ ایسی تقریر ہے جیسیکہ ایک جلا ہوا کسی شخص کی اچھی بات کو بھی بُرا کرکے دیکھاتا ہے ۔ فلسفہ قدیم تو ایک لغو چیز ہے اُسکے مطابق تو قرآن کا ہے کو ہونیگا مگر فطرت اللہ بیشک نہایت عمدہ اور مستحکم چیز ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ نہ قرآن اُسکے برخلاف ہے اور نہ وہ قرآن کے برخلاف ۔ مگر جناب سید الحاج نے جلے کٹے لفظوں میں اُسکو بدصورت کرکر دکھایا ہے ◆

قولہ ۔ مقدم تر واسطے یقین لانے کے قول فلاسفہ یورپ کا ہے اُسکے موافق جو آیت قرآن کی نہو وہ جس طرح ہو سکے مطابق کر دینی چاہیئے ۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کسی کا مونھ چڑائے اور یہ نہ سمجھے کہ چڑانے والے ہی کا مونھ ٹیڑھا ہوتا ہے واقعیت اور حقیقت وہ شے ہے جو قابل تقدم ہے اور قرآن مجید کا اُس سے مخالف ہونا محالات سے ہے اور اُسی کی تطبیق کرنا ہمارا طریقہ ہے ۔ جناب سید الحاج جو چاہیں اُس کا نام رکھیں آیندہ دیکھکر مونھ چڑانے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہے ◆

## عقیدہ دوازدہم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے تین باتیں میری نسبت کہی ہیں ۔ ایک یہ کہ توریت اور انجیل پر مضبوط اعتقاد ہے ۔ ان لفظوں کے معنی مَیں نہیں سمجھا اگر یہ مطلب ہے کہ جیسا قرآن مجید میں اُن پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے ایسا اعتقاد ہے تو یہ صحیح ہے ۔ اور اگر کوئی اَور معنی اُنھوں نے قرار دیئے ہیں تو غلط ہے ۔ دوسری تحریف لفظی اُن میں نہیں ہوئی ۔ ہاں یہ سچ ہے مَیں تحریف لفظی کا قائل نہیں بلکہ تحریف معنوی کا قایل ہوں مگر محمد اسمٰعیل بخاری بھی تحریف لفظی کا قائل نہیں ۔ تیسرے اور وہ سب صحیح اور درست ہے ۔ اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ انجیل میں جو کچھ

لکھا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے تو تو جناب سید الحاج کا یہ اتہام ہے اور اگر اور کچھ مطلب ہو تو وہ میں سمجھا نہیں ۔

## عقیدہ سیزدہم

اس عقیدہ میں نعیم جنت اور وعید دوزخ کو بیان کر کر میرا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک اگر حور کی یہی حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت رنڈی اور غلمان کی یہ حقیقت ہے جیسیکہ ایک خوبصورت لونڈا۔ تو تو بلا شبہ مَیں کہتا ہوں کہ اس حقیقت پر وہ محمول نہیں ہیں اور اگر اَور کوئی حقیقت ہو تو اُسکو جناب سید الحاج نے بیان نہیں کیا میرا اعتقاد نعیم جنت کی نسبت اور علیٰ ہٰذا القیاس وعید جہنم کی نسبت یہ ہے کہ مَالاعین رأت ولااُذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر ۔

قولہ۔ علوم عقلیہ کے خلاف کوئی حکم معاد قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس قول میں بھی اُلٹی راہ چلے ہیں۔ میرے نزدیک کسی حکم معاد کی صحت پر امتناع عقلی نہیں ہے ۔

## عقیدہ چہاردہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ بین الجبر والاختیار کا غلط ہے ۔ اِس مطلب کو بھی بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ بیشک میرے نزدیک بین الجبر والاختیار تو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں مجبور اور اپنی قدرت میں مختار ہے خدا کرے کہ ان لفظوں کا مطلب جناب سید الحاج سمجھ لیں ۔

## عقیدہ پانزدہم

کوئی حدیث قابل یقین نہیں ہے لہذا عمل کرنا کسی حدیث پر یا سنت نبوی قرار دینا غلطی ہے۔ اِس عقیدہ میں تحریف اور اتہام دونوں کو دخل دیا ہے۔ کوئی حدیث قابل یقین نہیں۔ اسکی جگہ یہ کہنا چاہیئے کہ خبر احاد مفید ظن ہے مفید یقین نہیں اور پچھلا فقرہ بالکل اتہام ہے۔ مَیں عمل احادیث پر بلحاظ مراتب اُن کے ثبوت کے لازم سمجھتا ہوں ۔

## عقیدہ شانزدہم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اجماع امت یا اتباع جمہور مسلمین کا یا سند لانی کسی عالم کے قول سے بیجا ہے اجماع قابل حجت نہیں۔ اس عقیدہ میں بھی سچائی کو تبدیل کیا ہے یوں کہنا چاہیئے کہ اجماع امت یا اتباع جمہور مسلمین یا اجماع جس کی سند قرآن مجید اور حکم پیغمبر صلعم سے نہو قابل حجت نہیں اگرچہ کوئی مسئلہ غیر منصوص ایسا نہیں ہے جس پر اجماع اُمت یا اتفاق مسلمین یا اجماع ہوا ہو بلکہ تمام مسائل غیر منصوصہ مختلف فیہ ہیں +

## عقیدہ ہفتدہم

اس عقیدہ میں بھی جناب سید الحاج نے اپنی معمولی کارسازی کی ہے جیسے کہ تفصیل ذیل سے ظاہر ہوتی ہے +

قولہ۔ اصول فقہ و اجتہادیات مجتہدین و قیاسات آئمہ دین و مسئلہ رجم کو صحیح سمجھنا غلط اور ظلمت اور ضلالت ہے۔ میرا یہ قول ہے کہ اصول فقہ علما کے بنائے ہوئے قاعدے ہیں منزل من اللہ نہیں اجتہادیات اور قیاسات آئمہ دین کے یحتمل الخطا والصواب ہیں اُن کا درجہ مثل وحی منزل من اللہ کے نہیں مسئلہ رجم قرآن مجید میں نہیں ہے اگر ہو تو جناب سید الحاج دکھلا دیں بشرطیکہ یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللہ پر عمل نفرما دیں +

قولہ۔ تقلید کرنا کسی بشر کی کفر اور شرک ہے صحابہ ہوں خواہ اہلبیت رضی اللہ عنہم اجمعین خواہ آئمہ اربعہ کسی کی تقلید کرنا نہ چاہیئے۔ جو الفاظ تشدد کے جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے ہیں یہ سب دل کے بخارات ہیں جو اُمنڈتے ہیں میرا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ سوائے رسول خدا صلعم کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلعم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسکا قول و فعل و منہیات میں بلا دلیل حجت ہو اور جو شخص کسی کو ایسا سمجھے وہ مشرک فی النبوت ہے +

## عقیدہ ہثردہم

جناب سید الحاج نے جو تحریفات اس عقیدہ میں کی ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں +

قولہ۔ کوئی مسئلہ شرعیہ قابل قبول نہیں ہے جو نیچر کے مطابق اور علوم جدیدہ عقلیہ کے موافق

نہ ہو۔ یہاں بھی جناب سید الحاج نے اُلٹی راہ اختیار کی ہے میرا یہ قول ہے کہ کوئی مسئلہ شرعی یعنی فطرت اللہ کے برخلاف نہیں ہے اور علوم حقہ اور اسلام میں اختلاف نہیں ہے ✦

قولہ۔ بغیر وحی کے جو کچھ رسول خدا صلعم اپنی رائے سے فرماتے تھے وہ بھی قابل اتباع نہیں اِس عقیدہ میں ایسی تحریف کی ہے کہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ احکام دین سے جو کچھ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا یا کیا وہ سب وحی سے فرمایا اور وحی سے کیا اور وہ سب واجب الاتباع ہے اور نسبت اُمور دنیا کے خود رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم اِس سے زیادہ اَور کوئی میرا عقیدہ نہیں ✦

استرقاق یعنی غلامی کا جو ذکر جناب سید الحاج نے کیا ہے اُس کے ابطال کو تو وحی منزل من اللہ کتاب اللہ میں موجود ہے ✦

## عقیدہ نوزدہم

اِس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ غزوات اور جہاد سے مراد یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم سے قتال کرے جیسیکہ مثلاً جرمن اور فرانس میں لڑائی ہوئی۔ یہ تحریر میرے عقیدہ کی نسبت جناب سید الحاج کی غلط اور بالکل غلط اور سرتاسر اتہام ہے تمام غزوات صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے ہوئے تھے نہ لونڈیوں اور لونڈوں کی لالچ سے جس کے اثبات کے درپے جناب سید الحاج ہو رہے ہیں ✦

## عقیدہ بستم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سیرت ہشامی اور ابن اسحٰق وغیرہ سب واہیات اور الف لیلے اور مہا بھارت کے برابر ہیں۔ بلاشبہ مَیں اِن کتابوں کو نہایت غیر معتبر جانتا ہوں ہزاروں روایتیں غلط اور بے سند اُن میں مندرج ہیں اور کچھ روایتیں صحیح بھی ہیں ✦

## عقیدہ بست و یکم

جناب سید الحاج نے میرا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ جس قدر کتب حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فی زماننا پڑھائی جاتی ہیں اُن سے سوائے فساد مذہب اور بد تہذیبی اور خرابی دنیا اور عقبیٰ کے

کچھ فائدہ نہیں۔ لہذا اُن کی تعلیم قطعاً موقوفی کے لائق ہے۔ جو کلمات کہ جناب سید الحاج نے اس
عقیدہ میں ارقام فرمائے ہیں وہ تو سب اُن کے دل کے بخارات ہیں وہ الفاظ میرے نہیں ہیں
ہاں میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ علم کلام جو حکمت یونان کے مقابل میں بنایا گیا تھا اس زمانہ
میں محض بیکار ہے اور علما پر فرض ہے کہ علم کلام کو از سر نو اس طرح پر تدوین کریں کہ وہ بمقابلہ
حکمت اور علوم جدیدہ کے جو اس زمانہ میں رائج ہیں بکار آمد ہو۔ کتب تفسیر میں جو بے سند حدیثیں
اور بے سند قصے اور کہانیاں لکھی ہیں اُن میں جون جون سی غلط اور موضوع ہیں اُن کی تنقیح ضرور
ہے میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا پڑھنا صرف عمل کرنے کے لیئے مقصود ہے۔ مگر
اس زمانہ میں اُسپر عمل کرنے کے لیئے نہیں پڑھا جاتا کیونکہ بسبب اُس تقلید کے جسکو میں ضلالت
کہتا ہوں کوئی حکم کیسا ہی صاف اور روشن قرآن و حدیث میں موجود ہو مگر تقلید یہ اُسپر عمل
نہیں کرینگے تو پھر اُن کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ بخاری طاق میں دھری رہی یا کسی کے
سینہ میں رکھی رہی دونوں برابر ہیں۔ دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں
ہیں حنفی اُسپر عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتب بعد
کتاب اللہ کہتے ہیں۔ پس ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ بخاری کی جن حدیثوں پر تمنے یا تمہارے
امام صاحب نے عمل نہیں کیا آیا اُن کو امام صاحب نے یا تمنے کیا سمجھا۔ حدیث رسول اللہ
سمجھا یا نہیں۔ اگر حدیث رسول اللہ سمجھا اور پھر عمل نہ کیا تو یہ کیسا ایمان ہے اور اگر اسکو حدیث
رسول اللہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اُسکو یوں ہی ایک ضعیف قول سمجھ لیا یا حدیث تو سمجھا مگر ناقابل عمل
تو پھر صرف میرا ہی کیا قصور ہے۔ میں نے تو سیرت ہشامی کو ہی ضعیف کہا تھا۔ تمنے اور
تمہارے امام صاحب نے تو بخاری کو رطب یابس اقوال کا مجموعہ سمجھ لیا ہے پھر اُسکو زبان سے
اصح الکتب کہنا اور درحقیقت اپنی رائے کو بخاری کی حدیثوں پر ترجیح سمجھنا کیسی بیہودہ بات ہے
اسی لیئے میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث عمل کرنے کے لیئے پڑھو اور جو مسئلہ اُس میں پاؤ اُسپر
عمل کرو خواہ وہ شافعی کے مطابق ہو خواہ حنفی کے اور اگر عمل کرنے کے لیئے نہیں پڑھتے تو اُن کا
پڑھنا محض بے فائدہ ہے اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ جس کا دل نور ایمان سے منور ہے وہ
یقینی میرے اس قول کو حق سمجھیگا۔

## عقیدہ بست و دوم

جناب سید الحاج نے جو خدا ناترسی اس عقیدہ کے بیان کرنے میں کی ہے میں سمجھ نہیں سکتا کوئی انسان کبھی ہرگز ایسا اتہام کرسکتا ہے غیر جو اُن کے قول ہیں وہ لکھتا ہوں ✦

قولہ۔ جب علوم جدیدہ کے یا انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہو کہ مذہب اسلام میں ضعف پیدا ہوگا تو مذہب اسلام کا ترک کردینا لازم ہے۔ میں اُسکے جواب میں کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو اُسپر خدا کی لعنت ہو اور اتہام کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے جس مواخذہ کے وہ لایق ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو یہ خیال ہے کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم جدیدہ سیکھنے سے عقیدہ اسلام میں ضعف آجاتا ہے یا دہریہ اور لامذہب ہوجاتا ہے میں نے کہا اگر مذہب اسلام تمہارے نزدیک کوئی ایسا بودا مذہب ہے کہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اسمیں ضعف آتا ہے تو اس مذہب ہی کو چھوڑدو جس کا علانیہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا نہیں ہے مذہب اسلام نہایت سچا ہے اور اُسکے اصول نہایت پختہ ہیں نہ انگریزی پڑھنے سے اُسمیں ضعف آتا ہے نہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اتحاد پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ ہمارے جناب سید الحاج کا دل کفر کی طرف زیادہ مائل ہے اس لیئے اُنھوں نے اس عُمدہ مطلب کو برعکس بیان کیا ہے ✦

قولہ۔ کتب دینی کا پڑھانا واسطے قایم رکھنے عقاید کے نہیں چاہیئے۔ جناب سید الحاج نے محض غلط کہا ہے اور میرے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے میری یہ رائے ہے کہ جو اختلاف کہ مسائل مذہبی اور علوم جدیدہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے اور جس کے سبب لوگ مذہب سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں اُسکی حفاظت کے لیئے کتب موجودہ کافی نہیں ہیں بلاشبہ علم کلام از سر نو تدوین ہونا چاہیئے جو علوم جدیدہ کے مقابلہ میں بکار آمد ہو ✦

## عقیدہ بست وسوم

اس عقیدہ کے بیان میں بھی جناب سید الحاج اپنی کارسازی سے نہیں چوکے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ صرف قرآن کے احکام منصوصہ قابل تسلیم ہوسکتے ہیں بشرطیکہ نیچر اور علوم جدیدہ کے مطابق ہوں جو شرط کہ جناب سید الحاج نے لگائی ہے غالباً وہ خود اُن کا عقیدہ ہوگا۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فطرت اللہ یعنی نیچر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے برخلاف ہو ✦

قولہ۔ بہشت میں جانے کے واسطے قید عمل الصالحات کی لگانی باطل ہے۔ میں تو کسی قید کو باطل

نہیں کہتا مگر تین باتیں بلاشبہ کہتا ہوں۔ ایمان لانا بلاشبہ ذریعہ نجات ہے۔ بخشش کے لیئے اعمال پر گھمنڈ نہیں چاہیئے۔ خدا کی رحمت پر بھروسا ہے۔ سوائے شرک کے سب گناہوں کو خدا معاف کریگا۔ غالباً کوئی مسلمان سوائے جناب سید الحاج کے ایسا نہ ہوگا جو ان تینوں باتوں پر اعتقاد نہ رکھتا ہوگا۔ قال رسول اللہ صلعم من قال لا الہ الا اللہ مستیقنا بها قلبه فدخل الجنة وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر *

## عقیدہ بست و چہارم

اس عقیدہ میں تو جناب سید الحاج نے قیامت ہی کردی ہے کیونکہ جھوٹ لکھنے اور اتہام کرنے کی کوئی حد باقی نہیں رہی نہ خدا کا خوف کیا ہے نہ رسول سے شرم کی ہے اس لیئے ہم اُن کے الفاظ موٹے قلم سے لکھتے ہیں اور اُس کے قائل پر لعنت بھیجتے جاتے ہیں تاکہ جو اُسکا مستحق ہو اُس کے اوپر پڑے *

قولہ۔ کوئی فعل اگرچہ شعار کفر ہی میں سے کیوں نہ ہو مثلاً۔

**انکار کرنا نبوت انبیا ء سابقین کا**

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ

**یا کتب سماویہ سابقہ کا * یا وجود ملائکہ کا**

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ ۔ لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ

**یا معاذ اللہ قرآن شریف کا عمداً بول و براز میں آلودہ کردینا یا۔ پھینک دینا**

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ

**یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا باوجود قطعیت نص کے**

لعنت اللہ علی قایلہ وعلی معتقدہ

## یا کسی نبی کو معاذ اللہ گالی دینا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

## یا بہشت و دوزخ اور قیامت آنے کا منکر ہو جانا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

## یا ضروریات دین کا انکار کرنا

لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ

## کسی آدمی کو کافر نہیں بناتا

کہاں ہیں میرے یہ اقوال اور کہاں ہیں میری یہ تمثیلیں جو جناب سید الحاج نے ـــــ کو بھی مات کر کر میری نسبت منسوب کیئے ہیں۔ میرا قول وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لا نکفر اهل القبلة۔ میرا وہی قول ہے جو تمام اکابر دین کا ہے کہ اصل ایمان تصدیق قلبی ہے اور جب تک کہ وہ تصدیق انسان کے دل میں ہے کوئی فعل اس کا اسکو بینہ و بین اللہ کافر نہیں کرتا۔ دیکھو کہ جناب سید الحاج برابر کفر کا اتہام کرتے ہیں مگر ہم بدستور ان کو مسلمان اور بزرگ اور حاجی اور سید الحاج سمجھتے ہیں اور ان کے کسی فعل سے ان کو کافر نہیں کہتے۔

نسبت سجدہ بت و قشقہ کے میں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ زنار کی نسبت بہ تحت بیان حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کے یہ لکھا ہے کہ بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً زنار پہننا یا صلیب رکھنا یا ٹیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید اختیار کرنا یا اس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں کسی قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر میں ان کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لیئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر دل سے یقین رکھتا ہے اسکا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اسکو کافر نہیں کر سکتا پس اگر اس قول پر جسپر ابو جہل کی نجات منحصر تھی اسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے ولو فی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کالزنار

والصلیب ولا اعیاد وہ کافر نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم دیوالی دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کرکر کافر ہو جاوینگے۔ نعوذ باللہ منہا ۔

بت کو سجدہ کرنا سیتلا کے تھان کو سجدہ کرنا۔ مدار صاحب کی چھڑیوں کو پوجنا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ اُن کا طواف کرنا سب برا ہے۔ ہزاروں مسلمان یہ باتیں کرتے ہیں مگر ہم اُنکو کافر نہیں جانتا کیونکہ مسجود میں جب تک الہ ہونے کا یقین نہ ہو اُس وقت تک اُن کے سجدہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں بلاشبہ نہایت سخت گناہ کبیرہ ہے اور یہی تحقیق علمائے محققین کی ہے۔ غور کرے کہ ہمارے زمانہ کے جناب سید الحاج نیک دلی سے ان امور پر غور کریں ۔

## عقیدہ بست و پنجم

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں جو اتہام کیئے ہیں وہ بھی قولہ قولہ کرکے بیان کیئے جاوینگے ۔

قولہ۔ ترک دنیا و زہد و کسر نفس و شب بیداری و روزہ داری۔ کثرت نماز نفل وغیرہ اذکار و اشغال و وظائف جس قدر کہ معمول اور مرسوم ہیں سب بیفائدہ ہیں۔ مگر جناب سید الحاج نے یہ عقیدہ اپنا بیان کیا ہے تو خیر جو عقیدہ اُن کا ہو وہ ہو۔ اور اگر میرا عقیدہ بیان کیا ہے تو میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اور سوائے اوراد ماثورہ کے اور سوائے اُس زہد و تقوی کے جس کی ہدایت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب بدعت ہے ۔

قولہ۔ مثلاً روزہ تیس روز کا بالخصوص رمضان میں وہ بھی گرمی کے موسم میں فرض نہ ٹھہر لگے۔ لعنت اللہ علی قایلہ و علے معتقدہ۔ میرا یہ قول اور عقیدہ نہیں ہے۔ جتنے روزے کہ فرض اور سنت ہیں وہ بالکل نیچر کے مطابق ہیں۔ ہاں بدعتیوں نے جو لغیر اللہ روزے نکالے ہیں جیسے سوا پہر کا روزہ علی مشکلکشا کا اور تین دن کاٹے کا روزہ اور مثل اُسکے اُن کو بدعت اور خلاف نیچر جانتا ہوں ۔

قولہ۔ تھوڑی سی شراب جو نہ متوالا کرے یا اُس قدر جُوا کھیلنا جو بے قید نہ بناوے حرام اور ممنوع نہ ہوگا۔ لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہ۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے ۔

قولہ ۔ تصویر مجسم بنانا جو واسطے یادگاری کے ہو حرام اور ممنوع نہ ہوگا ۔ مَیں نے اس امر کی نسبت کہ تصویر مجسم یا غیر مجسم شرعاً جائز ہے یا غیر جائز کبھی کچھ نہیں کہا ۔ ہاں مَیں اس قسم کی یادگاریوں کو پسند کرتا ہوں اگر وہ شرعی گناہ ہیں تو میرا اُن کو پسند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مَیں شامت اعمال سے اور گناہ کی باتوں کو پسند کرتا ہوں ؂

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو
آں کس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

قولہ ۔ قرآن شریف میں صرف لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا وارد ہے اُس کی زیادہ تصریح نہیں ہے

اِلٰے قولہ ۔ اسی طرح نماز مرسوم اور معمول کو اختیار کیا جاوے تو وُہی ظلمت اور ضلالت تقلید کی اور کفر محض کا اختیار کرنا ہوگا ۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے ؂

قولہ ۔ صلوٰۃ سے مراد مطلق دُعا پڑھ لینی ہوگی اور وُہی واسطے ادائے فرض کافی ہے باقی جو ترکیب صلوٰۃ پنجگانہ کی مقرر ہے وہ اصول مخترعہ و فقہ محدثہ و احادیث موضوعہ و اجماع مردود کا اتباع ہے اور اُسی کا نام کفر ہے ۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ؂

قولہ ۔ باقی رہی زکوٰۃ ۔ اُسکی مقدار بقدر چالیسویں حصہ مال کے مقرر کرنی اور اُسکے مسائل سے فتاوائے فقہیہ کا معمور ہونا وُہی ظلمت اور ضلالت ۔ کفر اور شرک ہے ۔ لعنت اللہ علیٰ قائلہ و علیٰ معتقدہ ۔ نہ میرا یہ قول ہے نہ میرا یہ اعتقاد ہے ؂

قولہ ۔ حج خانہ کعبہ الخ ۔ حج خانہ کعبہ کو مَیں فرض سمجھتا ہوں من استطاع الیہ سبیلا مگر سُود کی روپیہ قرض لیکر مکہ جانے سے لندن کا جانا بہتر جانتا ہوں اور حاجی جی کہلانے کی خوشی حاصل کرنے کو اور اُس خوشی میں پھولنے کو اور جھوٹی بشارات بیان کرنے کو اور کسی خادم کے فریب میں آکر سند اور خطاب لینے کو اور اُن جھوٹی باتوں پر ناز کرنے کو البتہ میں حرام سمجھتا ہوں ؂

جو بدعات کہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہیں اور جو خلاف شرع رسول خدا صلعم ہیں اور اس وجہ سے کہ مکہ والے کرتے ہیں جائز نہیں ہو سکتیں لونڈی اور غلام جس طرح کہ وہیں بیچے جاتے ہیں اور خواجہ سرا بنائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ اور روضہ منورہ جناب رسول خدا صلعم میں خواجہ سرا معین ہیں یہ سب خلاف شرع ہیں اور جو مسلمان بیٹھے کے پھوٹے اور دل کی آنکھوں کے اندھے اُن کو اچھا جانتے

ہیں محض جاہل ہیں۔ روضہ مطہرہ رسول خدا صلعم پر خواجہ سراؤں کا متعین کرنا میری دانست میں ایسی بے ادبی ہے کہ اُس سے زیادہ اور کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ و للناس فیما یعشقون مذاہب ؛

## عقیدہ بست و ششم

آیت خلق سبع سموات طباقا سے مراد سات آسمان نہیں ہیں بلکہ وہ آیت علوم جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہ اعتقاد جناب سید الحاج کا میرے اعتقاد میں تو علوم جدیدہ بالکل اُس آیت کے مطابق ہیں ؛

## عقیدہ بست و ہفتم

جو ترتیب پیدائش انسان کے نطفہ سے بچہ تک قرآن شریف میں وارد ہے اور مفسرین نے معنی اسکے بیان کیئے ہیں وہ علوم جدیدہ کے خلاف ہے لہذا ناقابل تسلیم ہے۔ لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہ ؛ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہے وہ بالکل تشریح اور علوم جدیدہ کے مطابق ہے مگر مفسرین نے اُس کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الحاج خدا کو اور مفسرین کو یا پیغمبر صلعم کو اور مفسرین کو ایک مرتبہ میں سمجھتے ہیں اور اس لیئے قرآن اور تفسیر میں کچھ فرق نہیں کرتے ؛

## عقیدہ بست و ہشتم

منخنقہ کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے لہذا حلال ہے۔ لعنت اللہ علی قایلہ و علی معتقدہ ؛ یہ لعنت اسواسطے کی ہے کہ اس عقیدہ میں جو عام لفظ بیان کیئے ہیں وہ کذب اور اتہام ہے۔ میرا ہرگز اعتقاد نہیں ہے کہ عموماً منخنقہ حلال ہے۔ یہ بھی میں نے نہیں کہا کہ حرمت منخنقہ منصوص نہیں ہے صرف ایک خاص آیت کے معنوں میں بحث کی ہے کہ اس خاص آیت میں لیوذ منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ آیۂ کریمہ اِھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین میں حرمت زنا منصوص نہیں اور اُس شخص کا عقیدہ جناب سید الحاج

یہ قرار دیں کہ اُس کے عقیدہ میں زنا کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے جناب سید الحاج کو مسلمانوں پر اتہام کرنے میں ذرا خدا کا بھی ڈر کرنا چاہیئے ✦

## عقیدہ بست و نہم

ایک سے زیادہ ازواج منع ہیں۔ لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ ✦

## عقیدہ سی ام

معراج جسمانی بے اصل ہے صرف خواب میں مسجد اقصیٰ نظر آگئی تھی دگر ہیچ۔ اور شق صدر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی بے اصل ہے۔ ضد سے ایک شخص دوسرے کی بات کو بگاڑ کر اور اصلیت چھپا کر دوسرے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ اصل اسکی صرف اتنی ہے کہ نسبت معراج جناب رسول خدا صلعم کے تین مذہب ہیں۔ اوّل۔ مذہب حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کا جو اسبات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی تھی نہ جسمانی ✦

دوسرا۔ مذہب چند اکابرین کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء اعلےٰ تک روحانی ✦

تیسرا۔ مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی ✦ میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ صدیقہ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے وُہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس جو شخص اس معاملہ میں جو الفاظ طنز میری نسبت کہتا ہے درحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتا ہے جن کا وہ مذہب ہے ✦

شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقع ہوا اکثروں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں واقع ہوا۔ پادریوں نے ان روایات ضعیفہ غیر معتبر کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو صرع کی بیماری تھی اور حالت صرع میں جو کیفیت واقع ہوتی تھی اُسی کو راویوں نے شق صدر تعبیر کیا ہے۔ میں نے ان تمام روایتوں کی بقدر اپنی طاقت کے تحقیقات کی اور معلوم ہوا کہ وہ روایتیں محض نامعتبر ہیں۔ تیسرا مذہب محققین کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے اُن تمام واقعات کا جو شب معراج کو واقع ہوئے تھے یہی

روایت میرے نزدیک صحیح و معتبر تھی یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس اب جناب سید الحاج
اپنے دل کے بخارات نکال لیں کہ جو چاہیں سو لکھیں۔ خدا اُن سے سمجھے گا۔ اور جو کہ وہ دلوں کا حال
جاننے والا ہے اُسکے سامنے ریاکاری کسی کی پیش نہ جاویگی مَیں اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا
یا سزا پاؤں گا۔ اور جناب سید الحاج اپنے اعمال و نیت کی ضرور جزا یا سزا پاویں گے۔ نہ وہ میری قبر
میں سوویں گے نہ مَیں اُن کی قبر میں سوؤں گا پس اتنی بات کو جتنا وہ چاہیں بڑھا کر لکھیں ✦

مجھے امید ہے کہ جو کوئی میری اس تحریر کو دیکھے گا تعجب کرے گا کہ جناب سید الحاج نے کیوں
ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کیئے ہیں۔ مگر ظاہرا اُسکے دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ اول
صرف اُس خیالی اور بے اصل خوشی کا حاصل کرنا کہ لوگ جناب سید الحاج کو کہیں کہ واہ کیا مسلمان
ہیں۔ حضرت مسلمان عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بداؤں میں تشریف لیجاتے ہونگے تو وہ چار
محلے کے آدمی آن کر کہتے ہوں گے کہ واہ کیا لکھا ہے اور جناب سید الحاج خوش ہوتے ہونگے۔
ہیچ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جناب سید الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے قریب اُسی زمانہ کے
حج کو تشریف لیجانے والے تھے۔ اُنھوں نے خیال کیا ہو گا کہ لاؤ حج کو جاتے ہی ہیں۔ جتنے گناہ
کرنے ہیں سب کر لیں۔ حج کے بعد تو سب پاک ہو ہی جاویں گے۔ جیسیکہ بعض آدمی جب مسہل
لینا چاہتے ہیں تو خوب بدپرہیزی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسہل سے سب نکل جاوے گی۔ مگر
جناب سید الحاج کو معلوم کرنا چاہیئے کہ حج و زیارت میں جو بشارتیں آپ کو ملی ہوں ملی ہوں۔ اور
جو خط آپ کو ملا ہو ملا ہو جن کا تذکرہ آپ دن رات فرمایا کرتے ہیں اور حج سے آپ کے سب گناہ
معاف ہو گئے ہوں۔ اور شبلی و جنیدؒ کے مرتبہ پر پہونچ گئے ہوں بلکہ اُس سے بھی اعلےٰ۔ مگر
حق العباد کبھی نہ حج سے بخشے جاتے ہیں اور نہ کسی بشارت سے۔ پس آپ نے جو اتہام مجھ پر کیئے
ہیں جب تک مَیں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہوسکتے۔ پس مقتضائے ایمانداری یہ ہے کہ آپ
حج دوبارہ کا احرام باندھیئے اور گناہوں کی معافی چاہیئے ورنہ روز جزا کو آپ کو اپنی کرتوتوں کا مزا معلوم
ہو جاویگا۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط المستقیم ✦

# تشبہ

## تحقیق معنی من تشبہ بقوم فھو منھم

امیر الامرا افتخار العلما سید خیر الدین احمد وزیر سلطنت ٹونس نے جو نہایت عمدہ کتاب

اقوم المسالک عربی زبان میں لکھی ہے جس پر وہاں کے بڑے بڑے علما کی تقریظیں چھپی ہیں اور اُس کا ترجمہ حال میں جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر وزیر ریاست پٹیالہ کی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے اُردو میں مسمّی بہ نظم الممالک چھپا ہے اُس میں ہم ایک مختصر تقریر سید خیرالدین احمد مصنف اصل کتاب کی جو تشابہ کے باب میں اُنہوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے اختیار نہیں کرتے کہ وہ ظاہراً اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدابیر ملکیہ سے متعلق ہوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا بُرا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لیئے کہ جو کام فی نفسہٖ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُسکو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اسکو ہم سے ہی اوڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کی عملدرآمد میں تھا تو ہمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام کہ مصلحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو۔ دیکھو فرنگیوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک پرکھیئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظر انصاف سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین میں سچا ہو یا جھوٹا اسی لیئے کہ

حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمانوں کے لئے بمنزلہ گم شدہ چیز کے ہے جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لیلے ⁕

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرماکر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خندقیں کھودیں تاکہ مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کرلیا اور اسکے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا علم اُس کا کچا ہے تو پھر ہمکو کس چیز نے منع کردیا ہے کہ ہم اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کار آمد دیکھیں اُن کو زیادہ کرلیں اور جن باتوں کی طرف ہمکو ممکاید اعدا سے محفوظ رہنے اور صدہا منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُنکو اختیار نہ کریں۔ کتاب سنن المہتدین میں شیخ الرزاق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہمکو غیر قوم کے ساتھ ان باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ مشابہ ہوجاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں اُن کی مشابہت سے کچھ اُن کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ صریح فرنگیوں کا بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور اُنہیں کا اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور اُنھیں کے ہتیار اور اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو اُن کی تدبیروں سے کام میں لانے سے بڑا پرہیز کرتے ہیں

حالانکہ اِن باتوں سے پرہیز کرنے میں اُن کے مُلکی انتظام اور مُلکی ترقی دونوں میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کُچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اِس سبب سے ہی ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی مُلکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے مُلک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا سکتے حالانکہ ترقی مُلک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے اِس مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی رُوئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت پر فرنگیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے وہ لوگ تھوڑے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وُہی ہماری قوم کے لوگ جنھوں نے اُن کو روئی دی تھی اُنھیں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمکو اپنے ملک کی اصلی پیداوار کی قیمت مِل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو یہاں تک تو گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہمکو جانے والی چیز کی قیمت کم ملی اور آنے والی چیز کی قیمت چار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا ؎

## سحر

## جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے

اِس مثل کے دوسرے جملہ سے تو ہمکو بحث نہیں ہاں پہلے جملہ سے بحث ہے۔ کیا سچ مچ یہ بات برحق ہے کہ جادو برحق ہے؟ آؤ اِس کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ حیثیت اسلام کی رُو سے کیا بات ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرور انبیا پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کردیا تھا

خدا تو فرماتا ہے کہ کافر آں حضرت صلعم کو کہتے تھے کہ اسپر تو جادو کر دیا ہے چنانچہ خداتعالیٰ نے سورہ اسریٰ میں فرمایا ہے کہ کافر آپس میں کہتے ہیں کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو تو اس سے

| | |
|---|---|
| اذ یقول الظالمون ان یتبعون الا رجلا مسحورا - آیت ۵۰ | زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ ایک آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے پیروی کرتے ہو ✤ |

ہاں فرعون بھی موسیٰ کو کہتا تھا کہ تم پر جادو کر دیا ہے چنانچہ خداتعالیٰ نے اسی سورہ میں

| | |
|---|---|
| فقال له فرعون انی لاظنک یا موسیٰ مسحورا - آیت ۱۰۳ | فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ خداتعالیٰ کی قدرت کی نو نشانیوں سمیت فرعون کے پاس آئے تو فرعون نے کہا کہ اجی موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا ہے ✤ |

ایک اور جگہ بھی خدا نے فرمایا ہے کہ کافر آں حضرت صلعم کو کہا کرتے تھے کہ اُن پر تو جادو کر دیا ہے ۔ چنانچہ سورہ فرقان میں فرمایا ہے ۔ کہ

| | |
|---|---|
| وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً - آیت ۹ | کافروں نے کہا کہ تم جو محمدؐ کی پیروی کرتے ہو تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک ایسے آدمی کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے ✤ |

پس قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا تھا مگر اس زمانہ کا باوا آدم ہی نرالا ہے اب بڑے بڑے عالم یہ کہتے ہیں کہ جو یہ نہ کہے اور اسپر یقین نہ کرے کہ آں حضرت صلعم پر جادو کر دیا تھا تو وہ کافر ہے ۔ زمانہ اُلٹ گیا ہے سچ بات ہے ۔ واللہ بالناس قلب ✤

اگر ہم یہ کہیں کہ نعوذ باللہ منہا اگر جناب پیغمبر خدا صلعم کی ذات مبارک پر باوصف اسقدر تقدس و طہارت و نوری ہونے کے جادو ہو جاتا تھا تو ہم اس بات پر کیونکر یقین کریں کہ کونسی بات اُنہوں نے جادو ہونے کی حالت میں فرمائی ہے اور کون سی جادو اُتری ہوئی حالت میں فرمائی ہے تو ہمارے زمانہ کے عالم فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا کفر بکا مگر کچھ ہی ہو ہم تو یقین نہیں کرتے کہ آں حضرت صلعم پہ جادو ہوا تھا ✤

اہل سنت و جماعت کا تو (جن کا ہم بھی دم بھرتے ہیں) یہ اعتقاد ہے کہ جادو برحق ہے اور جادو کے زور سے آدمی ہوا میں اُڑ سکتا ہے اور جادو کے زور سے آدمی گدھے کی صورت اور گدھا آدمی کی صورت بن جاتا ہے ۔ پچھلی دونوں باتوں میں سے پہلی بات تو یقینی غلط ہے

اور پچھلی کے سچ ہونے میں شبہ پڑتا ہے کیونکہ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو کوئی بھی جادو کو نہ مانتا۔ بہ حال جب وہ ہماری یہ باتیں سُنتے ہیں تو ہمکو دور دور کرتے ہیں بعضے مہذب و نیک آدمی یوں فرماتے ہیں کہ قد اعتزل عنا جس کی تاویل ہم یوں کرتے ہیں ای عن صراط المعوج ؛

وہ سُنّی مسلمان جن کو لوگ معتزلی کہتے ہیں وہ تو جادو کے منکر ہیں اور پیغمبر خدا صلعم پر جادو ہونے سے تو نہایت سخت انکار کرتے ہیں جب ان سے کہتے ہیں کہ میاں بہت سی حدیثیں اور روایتیں سحر کے برحق ہونے میں آئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جو دلیلیں سحر کے غلط ہونے میں ہیں وہ تو یقینی ہیں اور روایت احاد ظنی ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ یقینی کا معارضہ کر سکے ؛

خیر یہ تو ایک تمہید تھی۔ ہم تو اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ ٹھیٹ مذہب اسلام میں جادو کی کچھ اصل ہے یا نہیں ؛

سحر کے معنی جس کو ہم اپنی زبان میں جادو کہتے ہیں عربی لغت کی کتابوں میں یہ لکھے ہیں کہ جو واقعہ کسی لطیف و دقیق امر سے ہوا ہو اور اُس کے ہونے کا سبب پوشیدہ ہو وہ سحر ہے ؛

ان لغوی معنوں پر خیال کر کر بعض عالموں نے سحر کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں ؛

اوّل بذریعہ تسخیر کواکب کے۔ اس قسم کے جادوگروں میں سے بعضے تو یہ سمجھتے تھے کہ افلاک و کواکب فی نفسہ واجب الوجود ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہی کرتے ہیں۔ اور بعضے کہتے تھے کہ وہ فی نفسہ تو واجب الوجود نہیں ہیں مگر مبدء اول سے جو تغیرات عالم میں ہوتے ہیں یہ کواکب و افلاک اُن کا واسطہ ہیں اور فاعل تام کو منفعل تام سے ملا دیتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ جب فاعل تام منفعل تام سے مل جاویگا تو بالضرور فعل تام ظاہر ہوگا۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ افلاک و کواکب اگرچہ مخلوق ہیں مگر اُن میں جان اور عقل و سمجھ ہے اور اُن کو اس عالم میں نیک و بد کرنے کا بالکل اختیار ہے۔ پس ان تینوں عقیدوں کے جادوگر بذریعہ اعمال و پڑھنت کے کواکب کی تسخیر میں مشغول رہتے تھے تا کہ کواکب کو جو مدبر عالم ہیں اپنا تابع کر لیں اور جس کسی کو قتل کرنا چاہیں تو کہدیں کہ اقتل یا مریخ اور مریخ فی الفور اُسکو مار ڈالے اور اسی طرح جس کا بھلا کرنا چاہیں بھلا کر دیں۔ اور جس پر سے آفت و سختی ٹالنی چاہیں ٹال دیں۔ اور جس پر ڈالنی چاہیں ڈال دیں۔ اور جسکو جس مرض میں چاہیں مبتلا کر دیں پھر وہ کسی طبیب کے علاج سے اچھا نہو سکے اور اُسی میں رینگ رینگ کر مر جاوے ؛

مگر اس مقام پر اتنی بات سمجھنی چاہیئے کہ نجوم و جادو میں جو بذریعہ تسخیر کواکب ہوتا ہے فرق ہے

منجم تو صرف یہ بتلاتا ہے کہ فلاں شخص کے طالع میں فلاں کوکب تھا اور اب جو کواکب ورأس و ذنب فلاں فلاں مقام پر آئے ہیں تو اب اُس پر فلاں آفت آوے گی یا یہ راحت پہونچے گی یا اُس وقت پر فلاں کام کرنا حسب مقصود ہوگا یا سفر اچھا ہوگا پس نجومی گویا آیندہ کی باتوں کی بلحاظ تاثیرات کواکب خبر دیتا ہے مگر کوئی امر نسبت تسخیر کواکب نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا اس لیئے وہ صرف منجم ہے اور جادوگر نہیں مگر جب کہ وہ اُس آفت کے دفع ہونے کو کوئی عمل کرے یا پاٹ کرنے پڑہنے پڑہے تو وہ بھی بذریعہ تسخیر کواکب کے منجم کے سوا ایک جادوگر بھی ہے جیسا کہ ہندو پنڈتوں جوتشیوں کا اکثر دستور ہے *

**دوسری** قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جو خیال اور وہم اور نفس انسانی کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہیں یعنی اس قسم کا جادوگر اپنے نفس انسانی میں اور قوت واہمہ و خیال میں بذریعہ مشق اور ورزش اور مجاہدات کے ایسی طاقت بہم پہونچا لیتا ہے کہ وہ دوسرے شخص پر طرح طرح کے اثر ڈال سکتا ہے اور اُس دوسرے شخص کے واہمہ کو ایسا مغلوب کر دیتا ہے کہ جو چیز درحقیقت موجود نہیں ہے وہ اُس کو فی الواقع موجود معلوم ہوتی ہے اور یہ بات ہر شخص کو اور ہر قوم و مذہب کے آدمی کو بقدر قوت و طاقت اُس کے نفس انسانی کے حاصل ہو سکتی ہے اس قسم کے سحر سے ساحر صحیح و تندرست آدمیوں کو بیمار اور بیماروں کو صحیح و تندرست کر سکتا ہے بھلے چنگوں پر خواب مقناطیسی مستولی کر سکتا ہے *

**تیسری** قسم جادو کی وہ باتیں قرار دی ہیں جن کا ہونا باستعانت ارواح خیال کیا گیا ہے اس قسم کے ساحر یقین کرتے ہیں کہ علاوہ مخلوقات موجودہ محسوسہ کے زمین پر ارواحیں بھی ہیں اور وہ جواہر قائمہ بالذات ہیں نہ تو وہ متحیز ہیں اور نہ کسی متحیز میں حلول کی ہوئی ہیں اور وہ اپنے افعال پر قادر ہیں اور عالم و مدرک الجزئیات ہیں اور انسان میں حلول کر کر نفس انسانی یا نفس حیوانی میں مل سکتی ہیں *

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ لوگ جن و پری کو بھی شامل کرتے ہیں اور اُن میں سے جو نیک یعنی بے شر ہیں اُن کو مسلمان اور جو شریر ہیں اُن کو کافر ٹھہراتے ہیں مگر معتزلی جن کے وجود کے بھی قایل نہیں ہیں *

اسی قسم کی ارواحوں میں وہ بعض انسانوں کی ناپاک ارواحوں کو بھی شامل کرتے ہیں اور بھوت پلیت کو بھی انہی میں سمجھتے ہیں سو وہ یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ ارواحیں اشکال مختلفہ میں بھی بلا حلول کسی دوسرے جسم کے ظاہر ہو سکتی ہیں اور لوگوں کو خوبصورت یا ہیبت ناک شکلوں میں

دکھائی دیتی ہیں پس اس قسم کے ساحر بذریعہ اعمال اور پڑہنت اور خوشبو جلانے کے اُن کی تسخیر کرتے ہیں ؛

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان عامل بھی اسی قسم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ بعوض سفلی ارواحوں کے علوی ارواحوں کو مسخر کرتے ہیں اور اسی سبب سے اُن کے منتروں اور پڑہنتوں میں بڑے بڑے فرشتوں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل کے نام ہوتے ہیں اور اپنے تئیں علوی عامل اور دوسروں کو سفلی عامل قرار دیتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھو تو نہ کالی بھلی نہ سفید ؛

چوتھی قسم سحر کی وہ قرار دی ہے جو خیال یا نظر یا حس کی غلطی سے ایک مرد دوسری حالت پر جو اُسکی اصلی حالت سے عجیب تر ہے دکھائی دیتا ہے جیسیکہ بھان متی گولیوں کے اُڑانے یا ایک بٹہ سے دوسرے بٹہ میں نکالنے یا ایک گولی میں سے دوسری گولی بنانے میں کرتی ہے یا بنیٹی شعلہ کو چکر کر دکھاتا ہے یا تھیٹیر کے کمرہ میں پردوں کے لگانے سے دریا و سمندر و جہاز و پہاڑ و کوسوں کا جنگل دکھائی دیتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس ؛

پانچویں قسم سحر کی وہ امور قرار دیئے ہیں جو بذریعہ صنایع و اعمال ہندسیہ و جر ثقیل کے ظاہر ہوتے ہیں جیسیکہ ایک آدمی ہزاروں من بوجھ کھینچ لیتا ہے یا گھڑی اپنے آپ چلتی ہے وقت پر بجتی ہے اُس میں سے چڑیا نکلتی ہے جتنے بجے ہوں اُتنے دفعہ نہایت خوش آوازی سے بولتی ہے پر پھیلاتی ہے اور پھر جھپٹ اپنے گھونسلے میں جا بیٹھتی ہے انگریزی کھلونوں میں طرح طرح کے عجائبات ہوتے ہیں۔ چڑیاں اُڑتی ہیں۔ چہچہاتی ہیں۔ ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتی ہیں۔ پانی بہتا ہے۔ چڑیاں اُس میں پانی پیتی ہیں۔ باجے والے باجا بجاتے ہیں۔ آنکھیں اور گردن ہلاتے ہیں۔ ناچنے والے تال و سم پر ناچتے ہیں۔ لڑنے والے لڑتے ہیں۔ دونوں طرف سے سوار نکلتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مارتا ہے۔ بگل والا بگل بجاتا ہے اور طرح طرح کے کرتب دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے شخصوں کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے جناب مولوی صاحب قبلہ تو خوب غور کرنے و کان لگا کر سننے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ واللہ فیہ دود لیکن بعض عالموں کی یہی رائے ہے کہ ایسی بات کو سحر میں داخل کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ اُس کے اسباب معلوم ہیں۔ مگر میں دست بستہ اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جناب جن کو آپ اب تک سحر سمجھے ہوئے ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے اسباب معلوم ہو گئے ہیں ؛

چھٹی قسم سحر کی وہ امور قرار دیتے ہیں جو بذریعہ خواص ادویہ کے ظہور میں آتے ہیں مگر اگلے زمانہ میں یہ باتیں بہت کم معلوم تھیں جب سے کہ علم کیمیا یعنی کمسٹری کو ترقی ہوئی اُس وقت سے بہت ایسی

عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوئی ہیں - سچ ہے اگر جناب مولوی صاحب وہ ہوائیں ہیں سے پانی بہتا ہوا دیکھیں جس سے وضو بھی کرسکیں روزہ بھی کھول سکیں اور ضرورت ہو تو نہا بھی سکیں تو وہ بیچارے اسکو جادو نہ کہیں تو اور کیا کہیں ؛

ساتویں قسم سحر کی وہ باتیں ہیں جن کا ظہور میں لانا بذریعہ تاثیر اسماء کے بیان کیا جاتا ہے اور اس قسم کے ساحر خیال کرتے ہیں کہ بہت سے الفاظ اور اسماء کے لیئے مؤکل ہیں اور ان اسماء کو طریق مخصوصہ تعداد معینہ اور پرہیز مقررہ سے پڑھنے اور اُن کی زکات دینے سے وہ مؤکل اُسکے تابع ہوجاتے ہیں اور وہ ایسے زبردست ہیں کہ بھوت پلیت - دیو - جن - پری اور آسمان و زمین اور جو کچھ کہ اُن میں ہے سب اُسکے تابع ہیں - پس جب وہ مؤکل اس ساحر کے جسکو عامل بھی کہتے ہیں تابع ہوگئے تو وہ سب چیزوں پر قادر ہوگیا - جنوں کو شیشہ میں بند وہ کرلیتا ہے - بیماروں کو وہ اچھا کردیتا ہے - درندہ جانوروں کو وہ فرماں بردار بنالیتا ہے - کنوئیں میں سے پینے کو پانی اُبال لیتا ہے - پھر کوئی "یا بدّوح" کا عمل جانتا ہے اور کوئی "یا ہو" کا اور جسکو اسم اعظم معلوم ہوگیا پھر اُسکا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ؛

جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو بطور عمل کے پڑھتے ہیں اور کسی میں وسعت رزق کی اور کسی میں کشود کار کی اور کسی میں شفاء امراض کی تاثیر سمجھتے ہیں وہ بھی قریب قریب انہی کے ہیں - قرآن مجید کی کسی آیت یا سورۃ میں اِس قسم کی تاثیر نہیں ہے نہ قرآن مجید کوئی عملیات کی کتاب ہے نہ اِن کاموں کے لیئے نازل ہوا ہے - وہ تو سیدھا سادھا خدا کا کلام ہے اور اِس لیئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُس سے نصیحت پکڑیں اور جو احکام اُس میں ہیں اُس پر عمل کریں ؛

آٹھویں قسم سحر کی لگائی بجھائی ہے کہ اِدھر کی بات اُدھر جا کہی اور اُدھر کی اِدھر - دو ایک باتیں اپنی طرف سے ملادیں دوست کو دشمن کردیا اور دشمن کو دوست - آپس میں دوستوں کے رنج ڈلوادیا جورو خصم کو چھوڑوادیا - بھائی بھائیوں میں - باپ بیٹوں میں رنج کروادیا - بلاشبہ اِس زمانہ کے لوگوں میں یہ ایک نہایت چلتا ہوا عمل ہے جس کے ہم بھی قایل ہیں ؛

یہ تمام اقسام بلحاظ لغوی معنی سحر کے اقسام سحر میں داخل کیئے گئے ہیں - ورنہ قسم چہارم و پنجم و ششم و ہشتم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر اطلاق سحر کا بمعنی عرفی ہوسکے - قسم دوئم پر سحر کا اطلاق بمعنی لغوی یا مجازاً بمعنی عرفی ہوسکتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اس قسم کی باتوں پر بھی سحر کا اطلاق ہوتا تھا ورنہ درحقیقت وہ بھی سحر نہیں ہے بلکہ ایک فعل منجملہ افعال قوائے انسانی کے ہے

جیسیکہ قسم ششم بذریعہ خواص ادویہ کے ہے قرآن مجید میں صرف اسی قسم کے افعال پر اطلاق سحر بطور عرف عام ہوا ہے ؛

البتہ قسم اوّل و سوم و ہفتم اگر سچ ہو تو سحر بمعنی عرفی ہے کیونکہ عرف عام میں جادو اُسی کو کہتے ہیں جس سے بلا تعلق کسی مادّہ کے صرف بذریعہ تسخیر کواکب یا ارواح و ہمادکے اور بغیر کسی وسیلہ قدرتی کے بطریق خرق عادت بلکہ برخلاف نیچر یعنی برخلاف قانون قدرت کے کوئی امر ظہور پذیر ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہو جاوے جیسا کہ ظہور میں آوے ۔ مثلاً ہم قلم کو کہیں کہ گھوڑا ہو جا ۔ وہ سچ مچ کا گھوڑا ہو جاوے ۔ اگر آدمی اُڑنا چاہے تو درحقیقت وہ ہوا میں اُڑتا پھرے اور اگر کسی کو گدھا بنانا چاہے تو درحقیقت وہ گدھا بن جاوے گو قانون قدرت کیسا ہی اُس کے برخلاف ہو پس ہم جو سحر کے برحق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اُس کو بے اصل بتلاتے ہیں تو انہی تین قسم کے سحروں کو بے اصل و جھوٹ بتلاتے ہیں اور عرف عام میں انہی تینوں قسموں پر حقیقتاً اطلاق سحر کا ہوتا ہے اور قسم ثانی پر صرف مجازاً اور باقی قسموں کو عرف عام میں کوئی شخص سحر نہیں کہتا ۔ پس اس آرٹیکل میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ اُن اقسام ثلثہ سحر کی اصلیت اور واقعیت کا ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ اُن پر یقین رکھنا بحیثیت مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور جو کہ یہی تین قسمیں اگر سچ ہوتیں تو حقیقتاً سحر ہوتیں مگر چونکہ وہ بے اصل ہیں اس لیئے ہم سحر کے منکر ہیں ؛

قرآن مجید میں بہت جگہ لفظ سحر و ساحر و مسحور آیا ہے اور اکثر جگہ کفار کی زبان سے وہ لفظ نقل کیا گیا ہے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو جادو اور اُن کو جادوگر اور اُن کی پند و نصیحت کی باتوں کو ایسے شخص کی باتیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو اور وہ لغو اور بے سر و پا باتیں بکا کرے کہا کرتے تھے پس اس طرح پر کفار کا قول نقل کرنے سے سحر کا حق ہونا لازم نہیں آتا ۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ کیمیاگر کہتے ہیں یا یہ کرتے ہیں تو اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کیمیا یعنی سونا و چاندی بنانے کے درحقیقت سچ و برحق ہے بلکہ اس سے صرف اتنا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کا وجود ہے جو اپنے تئیں کیمیاگر کہتے ہیں اور وہ ایک کام کرتے ہیں جس کو کیمیا بنانا کہتے ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ کام بھی ایسا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں ۔ زمانہ نزول قرآن مجید میں ایسے لوگ موجود تھے جو ساحر کہلاتے تھے اور وہ ایسے افعال بھی کرتے تھے جن کو وہ سحر سمجھتے تھے پس قرآن مجید میں سحر و ساحر کا ذکر ہونے سے ایسے اشخاص اور اُن کے افعال کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ سحر کے برحق ہونے کا ۔ ہاں بعض مقام ایسے ہیں جہاں بعض واقعات کا سحر سے وقوع میں آنا مذکور

ہوا ہے - اسی کے بیان پر ہمکو متوجہ ہونا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ واقعات کس قسم کے ہیں اگر وہ ایسے ہیں جن کا ظہور بذریعہ تاثیر قوت نفس انسانی ہوا ہے تو درحقیقت وہ سحر نہیں ہے بلکہ بطور عرف عام یا غلط عام جیسا کہ کفار سمجھتے تھے اُسپر اطلاق لفظ سحر کا ہوا ہے اور اگر وہ اور قسم کے واقعات ہیں جو اقسام سہ گانہ سحر سے علاقہ رکھتے ہیں جن سے ہم منکر ہیں تو ہمکو اُسکی توجیہہ بیان کرنی یا تاویل کرنی ضرور ہوگی مگر ہمارے نزدیک قرآن مجید میں تاویل جائز نہیں ہے - بقول شخصے -

باب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اس لیئے ہم نہایت استحکام سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جو اقسام سہ گانہ سحر مذکورہ بالا سے علاقہ رکھتا ہو •

بڑے سے بڑا قصہ سحر کا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قصہ موسیٰ اور فرعون کے ساحروں کا ہے مگر اُس میں کچھ بھی اشارہ اُن اقسام ثلثہ سحر کی نسبت نہیں ہے جن کے برحق ہونے کو ہم ناحق سمجھتے ہیں - اُس قصہ میں جو کچھ بیان ہے وہ نفس انسانی کی قوت کا ظہور ہے اور اس وجہ سے کہ اُس زمانہ کے کافر اسکو بھی سحر سمجھتے تھے قرآن مجید میں اُس پر لفظ سحر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ درحقیقت وہ امور جو فرعون کے ساحروں نے کیئے اور جو امر کہ حضرت موسیٰ نے کیا وہ ظہور قوت نفس انسانی کا تھا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام میں از روئے خلقت کے وہ قوت اقوی ہوتی ہے اس لیئے حضرت موسیٰ سحرہ فرعون پر غالب آئے تو فرعون نے یہی کہا کہ "انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر" یعنی بیشک یہی تمہارا گرو ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے •

نفس انسانی میں ایک ایسی قوت برقی اور مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور اُس کے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اُس کے اثر متعدد طرح پر ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شے غیر موجود حقیقتاً موجود معلوم ہوتی ہے - خواب میں آدمی تمام چیزوں کو جو اُس نے خواب میں دیکھی ہیں حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی - یہاں تک کہ وہ کبھی اپنے تئیں ہوا میں اُڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز میں اور کبھی ریل میں اور کبھی گھوڑے پر اور کبھی پیدل کوسوں کا سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت میں وہ پلنگ پر چادر اوڑھے پڑا ہوتا ہے زیادہ عجیب ہے کہ خواب میں اُسکو دن ہوتا ہے رات ہوتی ہے سو سو برس کا زمانہ خواب میں گذر جاتا ہے مگر اُسکو سوتے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا - جاگتے میں بھی کبھی اُس کا

ایسا حال ہوجاتا ہے کہ شے غیر موجود کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ بزرگ مقدس لوگ نہایت
شوق و استغراق سے جب عید کا چاند تلاش کرتے ہیں تو کبھی اُن کی آنکھوں کے سامنے
چاند کی چمک پھر جاتی ہے اور بعضی دفعہ آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لیئے ہلال کی
صورت جم جاتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ موجود نہیں ہوتی اور یہ دونوں باتیں اس امر کی دلیل
ہیں کہ خود اپنے آپ پر اُس قوت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنون آدمی اُن لوگوں کو جن کا اُن کے
دل میں خیال پک گیا ہے اپنے سامنے کھڑا و بیٹھا و باتیں کرتا دیکھتے ہیں اور مثل شخص موجود
کے اُس سے سوال جواب کرتے ہیں اور اُس کے سوالات اور اُسکی باتیں اُن کو سُنائی دیتی
ہیں حالانکہ کوئی شئے موجود نہیں ہوتی اور یہ اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع
امورات غیر طبعی کے ایک طرف مائل ہو گئی ہے ٭

دوسروں پر نفس انسانی کا اثر پڑتا تو ایسا بدیہی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہو سکتا ہے یہ
قوت مشق اور مجاہدہ سے قوی بلکہ اقوی ہوجاتی ہے اور بعضوں میں فطرتی قوی ہوتی ہے اور ہم
اُن کے خیالات اُن کو مرئی ہوتے ہیں یہاں تک کہ جس مرے ہوئے شخص کا وہ خیال کرتے ہیں
اُس کی صورت خیالی جسکو وہ مُردے کی روح سے تعبیر کرتے ہیں اُسی زرق برق کے لباس سے جو
وہ مُردہ پہنتا تھا اُن کے سامنے مرئی ہوتی ہے اس قوت نفسانی کا اثر دوسرے شخص پر چھونے
سے دم ڈالنے سے پھونک دینے سے نگاہ گھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور
علمی اصطلاح میں اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُسکو معمول کہتے ہیں اس قوت کا
ایسا قوی اثر ہے کہ معمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہوجاتا ہے
عامل جس غیر موجود چیز کو کہتا ہے کہ ہے معمول اپنے خیال میں اُسکو واقعی موجود سمجھتا ہے اور ویسہی
اُس کی حالت طاری ہوجاتی ہے جو در صورت واقعی موجود ہونے اُس شے کے ہوتی۔ اور جس موجود
شئے کو عامل کہتا ہے کہ نہیں ہے معمول اُسکو یقیناً جانتا ہے کہ نہیں ہے یہاں تک کہ اگر عامل
معمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہیں ہے تو معمول ایسا ہی ہوجاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت
اُس میں نہیں ہے۔ جن مُردہ شخصوں کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے معمول اُن شخصوں کو اُسیطرح
حاضر و موجود دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اُن کی ارواحوں کی سیکر ہیں پس جو قصہ موسیٰ و سحرہ
فرعون کا قرآن میں مذکور ہے وہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور ہے نہ وقوع کسی امر خلاف قانون قدرت
کا چنانچہ الفاظ قرآن مجید سے بھی اسی امر کا اشارہ پایا جاتا ہے ٭

سورہ طٰہٰ میں خدا نے بیان کیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہونچے تو اُن کو پکارا گیا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم ملا اور وحی سے القا ہوا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ میری لاٹھی ہے جس کو ٹیک لیتا ہوں اور اس سے بھیڑوں کو ہنکاتا ہوں اور اَور کام میں بھی آتی ہے پھر وحی سے القا ہوا کہ اے موسیٰ اُسکو پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے کہ پھینک دینے کا نتیجہ بھی القا ہوا مگر جو کہ نتیجہ آگے مذکور ہوا اس لیئے بلحاظ بلاغت کلام اس جگہ بیان نہیں کیا) پھر موسیٰ نے اُسکو پھینک دیا تو وہ یکبیک چلتا ہوا سانپ تھا پھر وحی سے القا ہوا کہ اُس کو پکڑ لے اور مت ڈر ہم پھر پہلے ہی سا کر دیں گے ۔

قال القہا یا موسٰی فالقاھا فاذا ھی حیۃ تسعٰی قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولٰی۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۰-۲۲

سورہ نمل میں خدا نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو پکارا گیا کہ جو کچھ آگ میں اور آگ کے گرد ہے اُس کو ہم نے برکت دی ہے پاک اللہ تمام عالموں کا پروردگار ہے اے موسیٰ بے شک میں خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا ۔

اس کے بعد وحی سے موسیٰ کو القا ہوا کہ اپنی لاٹھی پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مقتضی ہے کہ موسٰے نے لاٹھی پھینک دی اور وہ سانپ دکھائی دی) پھر اُنھوں نے اُسکو دیکھا کہ سانپ کی طرح ہلتی ہے تو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا القا ہوا کہ اے موسیٰ مت ڈر میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ۔

والق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولّٰی مدبرا ولم یعقب یا موسٰی لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون۔ سورہ نمل۔ آیت ۱۰

پس ان دونوں آیتوں کے لفظوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاٹھی حضرت موسٰے کو سانپ دکھائی دی تھی اور درحقیقت وہ لاٹھی ہی تھی اور کلمہ سنعیدھا سیرتھا الاولٰی اور کلمہ کانھا جان سے اسکی طرف اشارہ پایا جاتا ہے علاوہ اس کے جو آیتیں آیندہ مذکور ہونگی اُن میں بہت صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ لاٹھی سانپ معلوم ہوتی تھی ۔

کیفیت جو یہاں حضرت موسٰے پر طاری ہوئی یہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود اُن پر ہوا تھا اور اُس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ وہ ہیں جن میں قوت نفس انسانی کا اثر

دوسروں پر ہوا تھا ❖

جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوت نفس انسانی سے لاٹھی سانپ دکھلائی دیتی ہے تو وہ اُسکو بطور خدا کی قدرت کے ایک نشانی کے لیکر فرعون پاس آئے فرعون نے کہا اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنی لکڑی ڈال دی تو یکایک وہ لکڑی صاف اژدھا تھی ❖

فالقی عصاه فاذا هي ثعبان مبين -
سوره اعراف آیت ۱۰۴ - و سوره شعرا آیت ۳۱

مفسرین نے اور نیز صاحب تفسیر کبیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں بڑی قصے اور نکات دور از کار لکھے ہیں جیسی کہ عادت مفسرین کی ہے اور روایات بے سند و اقوال بے سر و پا بھر دیئے ہیں مگر ایک جملہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے وہ غور کے قابل ہے آیت سورہ شعرا کی تفسیر میں امام صاحب نے لکھا ہے کہ " خدا کا جو یہ قول ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تجھ کو علانیہ کوئی بات دکھاؤں جب بھی تو مجھے قید کریگا تو یہ کہنا اِس بات پر دلیل ہے کہ لاٹھی کے ڈلنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بتلا دیا تھا کہ وہ اژدھا ہو جاویگی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ بات حضرت موسیٰ نے کہی وہ نہ کہتے پھر جب حضرت موسیٰ نے لاٹھی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر وہ لاٹھی علانیہ اژدھا ہو گئی اور علانیہ اژدھا ہو جانے سے مُراد یہ ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو ہلنے سے اور اَور تمام نشانوں سے اژدھا معلوم ہوئی " لفظ تبین للناس یعنی دیکھنے والوں کو اژدھا معلوم ہوئی قابل غور ہے جو صاف اُسی قوت نفس انسانی کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے بھلا یہ لفظ تو ایک مفسر کے ہیں جن کی نسبت جو چاہے انکار کرے مگر اگلی آیتوں میں خدا نے ایسے ہی لفظ فرمائے ہیں جن سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں ❖

اعلم ان قوله اولو جئتك بشئ مبين يدل على ان الله تعالى قبل ان القى العصا عرفه بانه يصيرها ثعبانا ولولا ذلك لما قال ما قال فلما القى عصاه ظهر ما وعده الله به فصار ثعبانا مبينا والمراد انه تبين للناظرين انه ثعبان بحركاته وبسائر العلامات
تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۲ ❖

اس بیان تک دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے

خدا نے اُن کو بتلا دیا تھا کہ اگر تو لاٹھی پھینک کر کہیگا کہ سانپ ہے تو وہ سانپ یا اژدھا دکھائی دے گی ۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت موسٰے فرعون کے پاس آئے اور خدا کا پیغام پہونچایا تو فرعون نے اُس کی تصدیق کے لیئے کوئی نشانی چاہی ۔ ہمارا قول ہے کہ معجزہ دلیل بعثت نبوت نہیں ہے مگر بلاشبہ وہ حجت الزامی مسکت للخصم ہے نہ مفید یقین پس حضرت موسٰی نے بطور حجت الزامی کے بھی نشانی اُس کو دکھائی کہ لاٹھی ڈالی اور اژدھا کر دکھایا ۔ اس پر فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے عالموں اور ساحروں اور امیروں کو جمع کیا اور وہ سمجھ گئے کہ کس وجہ سے موسٰی کی لکڑی سانپ یا اژدھا ہو کر دکھلائی دی اور اُنھوں نے کہا کہ ہم بھی ایسا کرتوت کر سکتے ہیں چنانچہ اِس مباحثہ کے لیئے ایک دن مقرر ہوا اور سب لوگ جمع ہوئے ؛

اِس مباحثہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے ۔ سورہ یونس میں مذکور ہے کہ جب فرعون کے ساحر آگئے تو حضرت

فلما جاء السحرة قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسىٰ ما جئتم به السحر ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين ۔ سورہ یونس آیت ۸۰ و ۸۱

موسٰے نے اُن سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو جب اُنھوں نے ڈال دیا تو موسٰے نے کہا جو کچھ تم نے کیا یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اس کو جھوٹا کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ مفسدوں کے کام کو نہیں سنوارتا ؛

اور سورہ شعرا میں فرمایا ہے کہ موسٰے نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو پھر اُنھوں نے اپنی رسیاں اور اپنی

قال لهم موسے القوا ما انتم ملقون فالقوا حبالهم وعصيهم وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغالبون فالقى موسى عصاه فاذا هي تلقف ما يافكون ۔ سورہ شعرا ۔ آیت ۴۳ ۔ ۴۴

لاٹھیاں ڈال دیں (جو سانپ و اژدھے ہو گئیں) اور پکار اُٹھے کہ فرعون کے جی ہم ہی موسے پر غالب ہیں (موسٰی نے تو صرف ایک لاٹھی ڈالکر سانپ یا اژدھا بنایا تھا اور فرعون کے ساحروں نے متعدد لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر اُن کو سانپ اور اژدھا بنا دیا اسی لیئے اُنھوں نے فرعون کے جی پکارے کہ ہم موسٰے پر غالب ہوگئے) پھر جب موسٰی نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ یکایک اُن سب کو نگلنے لگی جن کو فرعون کے

ساحروں نے دھوکا بنایا تھا ٭

ایک لامذہب اس مقام پر کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت موسٰے نے اپنی لاٹھی پہلے ڈالکر سانپ بنایا ہوتا تو کیا عجب ہے کہ سحرہ فرعون اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو اس طرح پر ڈالتے کہ حضرت موسٰے کے سانپ کو نگل جاتیں مگر یاد رہے کہ ہم ایسے اعمال کو حجت الزامی قرار دیتے ہیں نہ برہانی لمی تو لامذہب کے اس قول سے ہماری تحقیق پر یا سچائی مذہب پر کوئی جرح واقع نہیں ہوتی ٭

اور سورہ اعراف میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسٰے

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقي واما ان نکون نحن الملقین قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاؤ بسحر عظیم و اوحینا الی موسیٰ ان الق عصاک فاذا ھي تلقف ما یافکون ۔ سورہ اعراف آیت ۱۱۰-۱۱۴

یا تم ڈالو یا ہم ڈالیں موسٰے نے کہا کہ ڈالو پھر جب اُنھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈرا دیا اُن کو اور بڑا جادو کیا اور القا کیا ہمنے موسٰے کو ڈال دے اپنی لاٹھی پھر یکایک وہ نگلنے لگی جو دھوکا اُنھوں نے بنایا تھا سحروا اعین الناس کا لفظ جو اس آیت میں ہے اُس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ٹھٹ بندی کرنا ہے ٭

اور سورہ طٰہٰ میں خدا تعالےٰ نے یوں فرمایا کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسٰے یا تو تم ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسٰے نے

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقي واما ان نکون اول من القیٰ قال بل القوا فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ فاوجس في نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والق ما في یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ ۔ سورہ طٰہٰ آیت ۶۸-۷۲ ٭

کہا کہ ہاں تم ڈالو پھر یکایک اُن کی رسیوں اور اُن کی لاٹھیوں کی طرف موسٰے نے خیال کیا کہ اُن کے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسٰے کو جی میں ڈر سا ہوا تو ہمنے القا کیا کہ مت ڈر تو ہی اُن پر غالب ہے اور ڈال دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے تاکہ نگل جاوے جو کچھ کہ اُنھوں نے بنایا ہے جو کچھ اُنھوں نے بنایا ہے وہ جادوگروں کا مکر ہے اور جادوگر کو فلاح

نہیں ہے جہاں جاوے ؂

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں بھی محمول ہیں ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا اعین الناس یعنی ڈھٹ بندی کردی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ و اژدھے نہیں ہو گئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھی وہ رسیاں و لاٹھیاں لوگوں کو سانپ و اژدھا معلوم ہوتی تھیں حضرت موسےٰ نے جو کچھ کیا وہ بھی بمقتضائے قوت نفس انسانی تھا مگر وہ قوت حضرت موسےٰ میں فطرتی اور اقوی تھی ؂

لانہ یفسر بعضہا بعضا

اس مقام پر ہم چند باتوں میں بحث کریں گے اول امر ما نحن فیہ سے یعنی اس سے کہ حقیقتاً جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب سحرہ فرعون نے اپنی رسیاں و لاٹھیاں ڈال دیں تو انھوں نے لوگوں پر ڈھٹ بندی کر دی تھی اس لفظ ڈھٹ بندی پر کہنے والوں نے دلیل پکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکہ ہے قاضی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں کے دلوں پر جادو کرتے نہ ڈھٹ بندی کرتے پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں۔ باایں‌ہمہ حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں "یعنی وہ لاٹھیاں اور رسیاں درحقیقت سانپ اور اژدھے نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوت نفس انسانی کے سبب سے تھی حقیقتاً کوئی جادو نہ تھا ؂

ثم قال تعالیٰ فلما القوا سحروا اعین الناس واحتج بہ القایلون بان السحر محض التموبہ قال القضی لو کان السحر حقا لکانوا قد سحروا قلوبہم لا اعینہم فثبت ان المراد انہم تخیلوا احوالا عجیبۃ مع ان الامر فی الحقیقۃ ما کان علی وفق ما خیلوہ۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۸۲ ۔ سورہ اعراف

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کو بھی وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دیں اور اُنکو خوف ہوا تو اُن پر بھی سحرہ فرعون کے کرتب کی خواہ وہ جادو ہو یا ڈھٹ بندی یا تاثیر قوت نفس

سحرہ فرعون اثر ہوا جس سے حضرت موسٰےؑ کی نبوت پر بٹہ لگتا ہے مگر ہم اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت موسٰےؑ کو وہ رسیاں و لاٹھیاں سانپ دکھلائی دی تھیں اور اِس سبب سے وہ ڈر گئے تھے اگلے علماء نے بھی اِس بات سے انکار کیا ہے مگر جو تفسیر کی ہے وہ ٹھیک نہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ترجمہ میں بھی علانیہ چوک کی ہے مولوی رفیع الدین صاحب نے اُسکی کچھ درستی کی ہے مگر بہ خوبی نہیں ہوئی۔ اور شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بھی ٹھیک نہیں ہے ہم پہلے اگلے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پھر اپنی سمجھ بیان کرینگے ؁

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ موسٰےؑ کے خیال تک پہنچا کہ اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں موسٰی

وروي عن ابن عباس رضي الله عنهما انه خيل الى موسى عليه السلام ان حبالهم وعصيهم حيات مثل عصا موسى فاوحي الله عز وجل اليه ان الق عصاك قال المحققون ان هذا غير جايز لانه عليه السلام لما كان نبيا من عند الله تعالى كان على ثقة ويقين من ان القوم لم يغالبوه وهو عالم بان ما اتوا به على وجه المعارضة فهو من باب السحر والباطل ومع هذا الجزم فانه يمتنع حصول الخوف فان قيل اليس انه تعالى قال فاوجس في نفسه خيفة موسى قلنا ليس في الاية ان هذه الخيفة انما حصلت لاجل هذا السبب بل لعله عليه السلام خاف من وقوع التاخير في ظهور حجة موسى عليه السلام على سحرهم ؁
تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۸۴ سورہ اعراف ؁

کی لاٹھی کی مانند پھر وحی بھیجی اللہ نے کہ ڈال دے اپنی لاٹھی اِس پر محققوں کا قول ہے کہ ایسا ہونا ناجائز ہے اس لیئے کہ ہر گاہ حضرت موسٰےؑ خدا کی طرف سے پیغمبر تھے تو وہ پکے تھے اور اُن کو یقین تھا کہ فرعون والے اُن پر غالب نہونگے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ جو کچھ مقابلہ میں لاویں گے وہ جادو اور جھوٹ ہوگا اور اِس یقین کے ساتھ اُن کو خوف ہونا ناممکن ہے اگر کہا جاوے کہ کیا خدا نے نہیں کہا کہ موسٰی کے جی میں ڈر ہوا تو ہم کہیں گے کہ اُس آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ڈر اُن کو اِس سبب سے ہوا تھا بلکہ شاید حضرت موسٰےؑ کو ساحروں کے سحر سے اُن کی دلیل کے پیچھے پڑ جانے سے خوف ہوا ہو ؁

تفسیر کبیر میں دوسرے مقام پر اِس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے کہ ابن عباس سے

جو روایت کی گئی ہے کہ سحرہ فرعون نے لوگوں کی آنکھوں پر اور موسیٰ کی آنکھ پر جادو کردیا تھا اور خدا کے اس قول کو دلیل پکڑا ہے کہ جب انھوں نے اپنی رسیاں و لاٹھیاں ڈالیں تو جادو کردیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خدا کے اس قول پر دلیل کی ہے کہ خیال گیا موسیٰ کا اُس کی طرف اُن کے جادو سے کہ وہ چلتی ہیں سو یہ بات ناجایز ہے اس لیئے کہ یہ وقت تھا وقت معجزہ دکھلانے کا اور دلیل قایم کرنے کا اور شُبہ دُور کرنے کا پھر اگر موسیٰ ایسے ہوگئے تھے کہ موجود چیزیں اور خیال فاسد میں تمیز نہیں کرسکتے تھے تو معجزہ دکھلانے پر بھی قادر نہ ہوتے اور ایسے وقت میں مقصد خراب ہوجاتا پس اب یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ اگر نہ جانتے ہوتے کہ اس چیز کی کچھ حقیقت نہیں ہے

فاما ماروی عن وھب انھم سحروا اعین الناس وعاین موسیٰ علیہ السلام حتے تخیل ذلك مستدلا بقوله تعالیٰ فلما القوا سحروا اعین الناس وبقوله تعالیٰ یخیل الیه من سحرھم انھا تسعی فھذا غیر جایز لان ذلك الوقت وقت اظھار المعجزة والادلة وازالة الشبھة فلوصار بحیث لایمیز الموجود عن الخیال الفاسد لم یتمکن من اظھار المعجزة فحینئذ یفسد المقصود فاذن المراد شاھد امیاً سے لولا علمه بانه لاحقیقة لذالك الشئ لظن فیھا انھا تسعی ۔ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۵

تو اُسکو خیال کرتے کہ وہ چلتی ہیں " پس یہ قول ہیں اگلے عالموں کے اور گو تفسیر کیسی ہی ہو مگر اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ سحرہ فرعون کے سحر کا اثر حضرت موسٰے پر نہیں ہوا اور نہ انھوں نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو چلتا جانا اور نہ اس سبب سے اُن کو کچھ ڈر ہوا ؛

ہمارا بھی یہی قول و یہی مذہب ہے مگر سمجھ میں اور بیان میں کسی قدر فرق ہے خود جملہ سحروا اعین الناس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسٰے اس سے مستثنیٰ تھے اس لیئے کہ اس مقام پر حضرت موسٰے ایک شخص بہ مقابل سحرہ فرعون کے تھے اور اس لیئے ہر بات میں جو اُن سے متعلق ہو قابل ذکر خاص کے تھی مگر جب اُن کا ذکر نہیں کیا تو عام طرح پر کہنے میں وہ شامل نہیں ہوسکتے مثلاً کلوا و للوا دو پہلوان لڑ رہے ہوں اور کوئی دیکھنے والا کہے کہ کلوا نے ایسا داؤں کیا کہ سب ہنس پڑے۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قایل نے جو لفظ سب کہا ہے اُس میں کلوا کو بھی داخل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ سب دیکھنے والوں کا شامل کرنا مقصود تھا اسیطرح خدا کے اس کلام میں کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا حضرت موسٰی داخل نہیں ہوسکتے ۔

دوسری جگہ جو خدا نے فرمایا کہ یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعے اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ کیا ہے کہ "نمودار شد پیش موسےؑ بسبب سحر ایشاں" "یخیل" کے لفظ کا ترجمہ "نمودار شد" صریح غلط ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "خیال بندھا تھا طرف اُس کے جادو اُن کے سے" یہ پرانی اُردو ایسی ہے جس کا مطلب بخوبی سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ "اُس کے خیال میں آئے ہیں اُن کے جادو سے" کچھ شبہ نہیں کہ یہ ترجمہ بھی پہلے اُردو ترجمہ کا بھائی ہے اور ان تینوں ترجموں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موسےؑ پر سحرہ فرعون کے جادو کا اثر ہوا تھا ✦

مگر قرآن مجید کا مطلب صاف ہے کہ اگرچہ حضرت موسےؑ کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں چلتی ہوئی نہیں معلوم ہوئیں مگر اُنھوں نے خیال کیا کہ اُن کے سحر کے سبب سے لوگوں کو چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ✦

اسی خیال پر وہ ڈر گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مَیں بھی تو یہی کروں گا کہ اپنی لاٹھی کو اژدھا دکھلاؤں گا پس مجھ میں اور اُن میں فرق کیا ہوگا لوگ بول اُٹھیں گے کہ دونوں برابر جھوٹے مگر اللہ نے القا کیا کہ تو بڑھ کر رہیگا تیری لاٹھی سب کو نگلنے لگیگی پس اسی تقویت پر موسیٰؑ نے جوں ہی اپنا لٹھ ڈالا وہ اژدھا سحرہ فرعون کے سانپوں سپولیوں کو نگلتا ہوا دکھلائی دیا اور موسیٰؑ کی جیت ہوگئی جادوگر قدموں پر گرے فرعون بول اُٹھا کہ یہ بڑا جادوگر ہے پس یہ تمام واقعہ ہے حضرت موسیٰؑ و سحرہ فرعون کا اور اس واقعہ کو اُن اقسام ثلثہ سحر سے جن سے ہمنے انکار کیا ہے اور جادو کو برحق نہیں مانا کچھ تعلق نہیں ہے ✦

دوسرا قصہ قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کے سحر کا ہے۔ سورہ بقر میں خدا تعالیٰ یہودیوں کی بداعتقادیاں اور خرابیاں بیان کرتے کرتے فرماتا ہے کہ جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر آیا سچ بتاتا ہوا اُس چیز کو یعنی توراۃ کو جو اُن کے پاس ہے تو جن کو وہ کتاب ملی ہے اُنھی کے ایک گروہ نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو شیطان یعنی

ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علیٰ ملک سلیمان وما کفر سلیمان ولٰکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین

ببابل هاروت وماروت ومايعلمان من احد حتى يقولا انما نحن فتنة فلا تكفر فيتعلمون منهما مايفرقون به بين المرء وزوجه وماهم بضارين به من احد الا باذن الله ويتعلمون مايضرهم ولاينفعهم ولقد علموا لمن اشتراه ماله فى الآخرة من خلاق ولبئس ماشروا به انفسهم لو كانوا يعلمون - سورہ بقر آیت ۹۵ و ۹۶ +

کافر لوگ حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں پڑھتے تھے سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر شیطانوں یعنی کافروں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھلاتے اور اُس گروہ نے اس چیز کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ دو فرشتوں پر جن کا نام ہاروت و ماروت ہے اُتاری گئی ہے حالانکہ وہ دونوں نہیں سکھاتے کسی کو یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ہم تو فتنہ ہیں پس مت کافر ہو پھر سیکھتے اُن دونوں سے وہ چیز جس سے جدائی ڈالیں جورو خصم میں حالانکہ وہ کسی کو اپنے جادو سے کچھ نقصان پہونچانے والے نہیں مگر خدا کے حکم سے اور وہ لوگ سیکھتے وہ چیز جو اُن کو ضرر پہونچاتی نہ اُن کو نفع دیتی اور بیشک یہ بات اُنھوں نے جان لی ہے کہ جو کوئی اُسکو خریدے اُس کو آخرت میں کچھ فائدہ نہیں اور بیشک برا ہے جو اُنھوں نے اپنی جانوں کے بدلے بیچا اگر وہ جانتے ہوتے ؛

ظاہرا ان آیتوں میں کچھ مشکلات نہیں ہیں اور ہمنے ترجمہ میں بھی ان آیتوں کے مطلب کو کسیقدر صاف کر دیا ہے مگر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں عجیب عجیب لغو اور بے سروپا قصے بیان کیئے ہیں جو سب کے سب محض بے اصل ہیں - ہم اُن لغو اور مہمل قصوں کا تو ذکر نہیں کرتے مگر چند اقوال جو قابل لحاظ ہیں نقل کرتے ہیں +

مفسرین کو اس مقام پر یہ مشکلیں پیش آئی ہیں کہ ہاروت و ماروت تو دو فرشتے تھے پھر اگر وہ سحر سکھلاتے تھے تو کافر تھے مگر فرشتے کافر نہیں ہو سکتے - دوسرے یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ یہودیوں نے توریت کو پس پشت ڈال کر اُس چیز کی پیروی کی جو ہاروت و ماروت پر اُتاری گئی تھی اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا تعالے فرشتوں پر سحر کی تعلیم جو کفر و باطل ہے نازل کرے +

ان مشکلوں کے دُور کرنے کو بعض عالموں نے لکھا ہے کہ وہ فرشتے نہ تھے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حسن ملکین لام کے زیر سے پڑھتے تھے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور ضحاک سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر ہی سے

قرأ الحسن ملكين بكسر اللام وهو مروى ايضا عن الضحاك وابن عباس ثم اختلفوا

فقال الحسن کانا علجین اقلفین ببابل یعلمان الناس السحر وقیل کانا رجلین صالحین من الملوک ۔ تفسیر کبیر جلد اصفحہ ۴۵۴ سورہ بقر ٭

پڑھتا روایت کیا گیا ہے پھر اُن میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے حسن کا قول ہے کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے بغیر ختنہ کیئے ہوئے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے ٭

دوسری مشکل کے حل کرنے کو بعض عالموں نے اس آیت میں معطوف الیہ کو اَول بدل کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وما انزل کا عطف ہے

ان موضعہ جر عطفا علی ملک سلیمان و تقدیرہ ما تتلو الشیاطین افتراء علی ملک سلیمان وعلی ما انزل علی الملکین وھو اختیار ابی مسلم رحمۃ اللہ علیہ وانکر فی الملکین ان یکون السحر نازلا علیھما ۔ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۴۵۳ ۔ سورہ بقر ٭

ملک سلیمان پر اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پڑھتے تھے شیطان تہمت کر کر ملک سلیمان پر اور اُس پر جو اُتارا گیا تھا دو فرشتوں پر اس بات کو ابومسلم نے اختیار کیا ہے اور اس بات سے کہ دو فرشتوں پر جادو نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ٭

ثم انہ رحمۃ اللہ سلک فی تفسیر الایۃ نحوا آخر یخالف قول اکثر المفسرین فقال کما ان الشیاطین نسبوا السحر الی ملک سلیمان مع ان ملک سلیمان کان مبراء عنہ فکذلک نسبوا ما انزل علی الملکین الی السحر مع ان المنزل علیھما کان مبراء عن السحر وذلک لان المنزل علیھما کان ھو الشرع والدین والدعاء الی الخیر وانما کانا یعلمان الناس ذلک مع قولھما انما نحن فتنۃ فلا تکفر توکیدا لبعثھم علی القبول والتمسک وکانت طایفۃ تتمسک وکانت طایفۃ

پھر خدا بخشے ابومسلم نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری راہ اختیار کی ہے جو اکثر مفسرین کے قول کے برخلاف ہے اور یہ کہا ہے کہ جس طرح شیاطین نے سلیمان کی بادشاہت کی طرف جادو کو منسوب کیا تھا حالانکہ سلیمان کی بادشاہت جادو سے پاک تھی اسی طرح اُنہوں نے اُن دونوں فرشتوں پر جو نازل ہوا تھا اُسکو بھی جادو کی طرف نسبت کیا تھا حالانکہ جو کچھ اُن فرشتوں پر اُترا تھا جادو ہونے سے پاک تھا اس لیئے کہ جو کچھ اُن پر اُترا تھا وہ شرع اور

تتمسك واخری تخالف وتعدل عن ذلك ویتعلمون منهما ای من الکفر والفتنة مقدار مایفرقون به بین المرء وزوجہ فهذا تقریر مذهب ابی مسلم۔ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۰۴ سورہ بقر ؀

دین اور نیک کاموں کی ہدایت کرتا تھا اور اُن کا یہ کہکر کہ ہم فتنے ہیں تم کافر مت بنو لوگوں کو سکھانا قبول کرنے اور ماننے پر مبعوث ہونے کی دلیل ہے۔ ایک گروہ تھا کہ اُسکو مانتا تھا اور دوسرا گروہ جو مخالفت کرتا تھا اور اس بات سے ٹل جاتا تھا اور سیکھتا تھا اُن میں سے یعنی کفر و فتنہ میں سے اس قدر جس سے جُدائی ڈال دے خصم جورو میں یہ بیان ہے مذہب ابی مسلم کا ؀

بعض عالموں نے اَور ہی معنی کہے وہ بولے کہ لفظ ما دونوں جگہ نافیہ ہے اور وما انزل علی الملکین کا عطف ماکفر سلیمان پر

ان یکون ما بمعنی الجحد ویکون معطوفا علی قوله تعالی وما کفر سلیمان کانه قال لم یکفر سلیمان ولم ینزل علی الملکین سحر لان السحرة کانت تضیف السحر الی سلیمان وتزعم انه مما انزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت فرد الله علیهم فی القولین وقوله مایعلمان من احد جحد نفیا اے لا یعلمان احدا بل ینهیان عنه اشد النهی واما قوله تعالی حتی یقولا انما نحن فتنة اے ابتلاء وامتحان فلا تکفر وهو کقولك ما امرت فلانا بکذا حتی قلت له ان فعلت کذا فلك کذا اے ما امرتہ به بل حذرتہ عنه۔ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۴۰۳ ؀

ہے گویا خدا نے یہ کہا ہے کہ نہیں کافر ہوا سلیمانؑ اور نہیں اُتارا فرشتوں پر جادو کیونکہ ساحر جادو کو حضرت سلیمانؑ کی طرف لگاتے تھے و گمان کرتے تھے کہ جادو وہ چیز ہے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتارا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِن دونوں باتوں کو مردود کردیا اور یہ جو آیت میں ہے کہ مایعلمان من احد یہاں بھی ما بمعنی نفی کے ہے یعنے وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو بلکہ اُس کے سیکھنے سے منع کرتے تھے نہایت درجہ کا منع کرنا اور یہ جو خدا نے کہا کہ حتی یقولا انما نحن فتنة اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم بلا اور امتحان ہیں پھر کافر مت بنو یہ ایسی بات ہے جیسی کہ تم کہو کہ مَیں نے نہیں حکم دیا اُس شخص کو ایسا کرنے کا یہاں تک کہ میں نے اُسکو کہا کہ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا یہ حال ہوگا پس اس کا یہی

مطلب ہے کہ مَیں نے اُسکو حکم نہیں دیا بلکہ منع کیا اور ڈرایا ﴿

یہ ہیں تقریریں پچھلے عالموں کی اِن آیتوں کی تفسیر میں اور ان تقریروں میں جو کچھ کچا پن یا پکا پن ہے وہ سوچنے والے اور غور کرنیوالے شخص پر ظاہر ہے ہمارا مقصد ان کے نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ اگلے عالموں میں بھی ہاروت ماروت کے فرشتہ ہونے سے اور اِس بات سے کہ خدا کی طرف اُن پر جادو کا علم نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ﴿

ہماری سمجھ میں اِس آیت کے معنی ایسے صاف اور آسان اور روشن ہیں کہ چٹیل میدان اور خشک پہاڑ کی گھاٹیوں میں اُونٹ لیجانے والوں کو بھی جن کے سمجھانے کو قرآن اُترا تھا کچھ شبہ نہیں رہتا ہاروت و ماروت قرآن مجید میں غیر منصرف آئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ عجمی ہیں دو شخصوں کے نام ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک نہایت صالح تھے اور اُن کی نیکی یا اعمال کے سبب اُس زمانہ کے لوگ بطور مدح اُن کو فرشتہ کہتے تھے جس طرح کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھکر کہا تھا کہ ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم اُس زمانہ کے لوگ اسی طرح اُن کے معتقد ہوں گے جیسے مسلمان حضرت شیخ غوث محمد گوالیری کے اعمال کے معتقد ہیں۔ بہرحال خدا نے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ اُنھوں نے توریت کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا اور اُس چیز کی پیروی کی جس کو سلیمان کے وقت میں کافر پڑھا کرتے تھے اور وہ یہی اعمال سحر وغیرہ تھے اور اُنہوں نے اُس چیز کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم باطل میں سمجھتے تھے کہ بابل میں ہاروت و ماروت پر جو اُن کے زعم میں مثل فرشتوں کے تھے اُتاری گئی ہے حالانکہ یہ کام اور یہ زعم اُن کا غلط تھا پس اِس جگہ پر قرآن مجید میں جو لفظ ملکین اور ما انزل کا آیا ہے وہ حکایتاً اُن لوگوں کے خیال کے مطابق آیا ہے جو اُسکو ایسا سمجھکر اُسکی پیروی کرتے تھے نہ حقیقتاً اور اِس لیئے یہ سمجھنا کہ درحقیقت وہ فرشتے تھے اور درحقیقت کوئی چیز خدا نے اُن پر نازل کی تھی صریح غلطی ہے ﴿

اب کہ ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اِس آیت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت [illegible] لوگوں کو عموماً سحر یا جو رو خصم میں مفارقت دلوا دینے کا عمل سحر لوگوں کو سکھلاتے تھے اور یہ بات ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ کیمیاگر کیمیا کے بہت سے نسخے بتاتے ہیں مگر یہ کہ وہ سحر برحق تھا یا موثر فی الحقیقت تھا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے اور اُسکی تین دلیلیں اِنہی آیتوں میں موجود ہیں ﴿

اوّل یہ کہ وہ خود ہاروت و ماروت سیکھنے والوں سے کہتے تھے کہ یہ نہایت خراب کام ہے تم مت سیکھو یہ بات کچھ تعجب کی نہیں اِس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کوئی برا کام جانتے ہیں مگر جب کوئی ان سے سیکھنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں کہ خراب کام ہے کیوں سیکھتے ہو مگر جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہے تو سکھا دیتے ہیں پس یہ کلام ہاروت و ماروت ایک عام مجراءِ طبعی کے موافق تھا جس سے بے حقیقت ہونا سحر کا مترشح ہوتا ہے ✦

دوسرے یہ کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہونچانیوالے نہ تھے اور یہ کہنا نص صریح اس بات پر ہے کہ سحر کچھ اثر نہیں تھا اور یہی معنی سحر کے باطل ہونے کے ہیں آگے جو خدا نے فرمایا کہ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ اس کے یہ معنی سمجھنا کہ اُن کا سحر خدا کے حکم پر اثر کرتا تھا محض غلطی و ناسمجھی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لیئے عمل یا جادو پڑھتا ہے اور وہ کام اُس کی خواہش کے مطابق ہو جاتا ہے اور شبہ پڑتا ہے کہ عمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہے اِس شبہ مٹانے کو خدا نے فرمایا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی ایسی حالت میں جو کام ہو جاتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہو جاتا ہے۔ کچھ جادو یا عمل کے سبب سے نہیں ہوتا ✦

تیسرے یہ کہ آخر میں انہی آیتوں کے خدا نے فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتے ہیں وہ اُن کو کچھ نفع نہیں دیتے پس اِس سے زیادہ اَور کیا ثبوت ہوگا کہ جادو میں کچھ اثر نہیں ہے اور یہی امر جادو کا باطل ہونا ہے پس کچھ شبہ نہیں کہ قرآن کی رُو سے جادو باطل ہے ✦

# تفسیر القرآن

## سورۃ الجن مکیۃ وھی ثمان وعشرون اٰیۃ ورکوعان

---

## سورہ جن

مکے میں اُتری اِس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔ اس سورۃ میں لفظ جن آیا ہے اور اسی لفظ کے سبب اِس کا نام سورہ جن ہوا ہے۔ ہمارے قدیم عالموں اور مفسروں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق اس سورۃ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اسکو بھی ایک عجیب و غریب قصہ

بنایا ہے اُن کے خیال میں آیا کہ اِس مقام پر لفظ جن سے وہ مخلوق مراد ہے جسکو عوام الناس جن خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے بنی ہوئی مخلوق ہے جو دکھلائی نہیں دیتی مگر طرح بطرح شکلوں میں بن جانے اور انسانوں کے سروں پر آنے اور اُن کو تکلیف دینے یا اُن کا کام خدمت کرنے کی قدرت رکھتی ہے - یہ خیال صحیح ہو یا غلط مگر اس سورت میں لفظ جن سے وہ جن جو لوگوں کے خیال میں ہے ہرگز مراد نہیں ہے - لفظ جن لفظ اجتنان سے مشتق ہے جس کے معنی چھپے ہوتے کے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ میں جو چیز پوشیدہ ہو اُس پر جن کا اطلاق کرسکتے ہیں یہاں تک کہ پیٹ کے بچے کو بھی جنین اسی لیئے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے - مکہ کے کافروں کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے ... طرح چند آدمیوں نے جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے چھپ کر جناب رسول خدا صلعم کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُن کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور بسبب اس کے کہ اُنھوں نے پوشیدہ ہو کر سُنا تھا اُن پر نفر من الجن کا اطلاق ہوا - ہمارے مفسروں نے اُن کو سچ مچ کا جن بنا دیا خدا تعالے نے ان لوگوں کا چھپ کر قرآن سُننا اور ایمان لانا اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے جاکر کہا آنحضرت صلعم کو وحی سے بتلا دیا +

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۞

(۱) کہدے اے محمد کہ مجھ کو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چند چھپے ہوئے شخصوں نے مجھ کو قرآن پڑھتے سُنا پھر اُنھوں نے کہا کہ ہمنے ایک عجب قرآن سُنا +

(۲) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۞ +

(۲) جو اچھی بات بتلاتا ہے ہم تو پر اس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرینگے +

جن لوگوں نے چھپ کر قرآن سُنا۔ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے۔ ہمارے ہاں کے قدیم عالم بھی اِس بات کے قائل ہیں کہ بے شک وہ چاروں مذہب والے تھے مگر اِس قدر طرّہ بڑھا دیا ہے کہ وہ سب جن تھے کیونکہ اُن کے نزدیک جنوں میں یہودی مذہب کے اور عیسائی مذہب کے اور آتش پرست اور بت پرست سب طرح کے جن ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ حسن نے ذکر کیا کہ اُن میں یعنی جنوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست جن تھے ہم اسیقدر کہتے ہیں کہ حضرت وہ جن نہ تھے آدمی تھے۔ اُن لوگوں میں جو لوگ عیسائی تھے اور حضرت عیسےٰ کو ابن اللہ جانتے تھے اُنہوں نے کہا۔

| |
|---|
| وذکر الحسن ان فیھم یہود او نصاری و مجوسا و مشرکین ۔ تفسیر کبیر صفحہ ۳۱۷ جلد ۶ |

| | |
|---|---|
| (۳) وَّاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا ؕ | (۳) اور ہمارا پروردگار بہت بڑا ہے نہ اُس نے کوئی جورو کی ہے نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے ؕ |
| (۴) وَّاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ؕ | (۴) اور بے شک یہ بات تھی کہ ہمارے بے وقوف (یعنی اُن کے پیشوا) خدا پر جھوٹ بولتے تھے ؕ |
| (۵) وَّاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ | (۵) اور بے شبہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جنات کبھی خدا پر جھوٹ بات نہ کہیں گے ؕ |

جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یقین کرتے تھے کہ جنات بھی مثل انسان کے مخلوق ہے اسلیے اُنھوں نے اِس مقام پر انسان اور جنات دونوں کا نام لیا پس یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اِس مقام پر خدا تعالیٰ نے جن کی کچھ حقیقت بتائی ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں کے قول کا بیان ہے جنہوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اُن لوگوں میں جو لوگ کفار عرب تھے اُنہوں نے کہا۔

| | |
|---|---|
| (۶) وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن | (۶) اور یہ بات ٹھیک ہے کہ ایسے لوگ تھے جو پناہ مانگتے تھے مرد جناتوں سے پھر اُن کی |

فزادوھم رھقاً ٭ | ڈھٹائی زیادہ ہو گئی تھی ٭

عرب کے کافروں کے جو لوگ پیشوا تھے اُن کی عادت تھی کہ جب سفر میں یا شکار میں کسی میدان میں جاکر اُترتے تو لوگوں کے دکھانے کو وہاں کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے اور اِس سبب سے اُن کے پیرو کافروں میں ان کی توقیر اور ان کا ادب اور قدر بڑھ جاتا تھا اور خود اُن کے پیشواؤں کے دلوں میں تکبر و غرور زیادہ سما جاتا تھا اسی بات کا ذکر اِس آیت میں ہے اور اُن لوگوں میں جو لوگ یہودی تھے اور یقین کرتے تھے کہ بعد حضرت موسٰے کے کوئی پیغمبر صاحب شریعت نہ ہوگا۔ اُنہوں نے کہا۔

(۷) وَاِنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ٭ | (۷) اور بے شک لوگوں نے سمجھا تھا جیسا کہ تم سمجھے ہو کہ کسی پیغمبر کو خدا نہیں بھیجے گا ٭

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے چھپ کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تھا جو لوگ نجومی آتش پرست تھے اور ستاروں کی گردش سے سعادت و نحوست اور غیب کی باتیں سمجھتے تھے اُن لوگوں نے کہا۔

(۸) وانا لمسنا السماء فوجدنٰها ملئت حرساً شديداً وشهباً ٭ | (۸) اور بلاشبہ ہمنے ڈھونڈ ڈالا آسمانوں کو پھر ہمنے اُسکو سخت چوکیداروں اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا ٭

(۹) وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهاباً رصداً ٭ | (۹) اور بے شک ہم آسمانوں کے بیٹھنے کی جگہ میں سُننے کے لیئے بیٹھتے تھے پھر اب جو کوئی سُنتا ہے تو اپنے لیئے ایک بھڑکتا ہوا آگ کا شعلہ تاک میں لگا پاتا ہے ٭

(۱۰) وانا لا ندري اشر اريد بمن في الارض ام اراد بهم ربهم رشداً ٭ | (۱۰) اور ہم نہیں جانتے کہ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیئے جو زمین پر ہیں یا اُن کے پروردگار نے اُن کے لیئے بھلائی کا ارادہ کیا ہے ٭

(۱۱) وانا منا الصلحون ومنا | (۱۱) اور بے شُبہ ہم میں سے نیک بھی ہیں

| | |
|---|---|
| دُونَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا + | اور ہم میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر ہیں + |
| (۱۲) وانا ظننا ان لن نعجز الله فی الارض ولن نعجزہ ھربا + | (۱۲) اور بیشک ہمنے جان لیا کہ ہرگز ہم خدا کو نہیں ہرا سکتے زمین میں اور نہ اُسکو ہرا سکتے ہیں بھاگ کر + |
| (۱۳) وانا لما سمعنا الھدیٰ اٰمنا بہ فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقاً + | (۱۳) اور بیشک جب ہمنے ہدایت کی بات سُنی اُس پر ایمان لائے پھر جو کوئی اپنے خدا پر ایمان لاوے تو اُسکو کسی قسم کے نقصان اور زیادتی کا ڈر نہیں + |
| (۱۴) وانا منا المسلمون و منا القاسطون فمن اسلم فاولئک تحروا رشداً + | (۱۴) اور بے شبہ ہم میں فرماں بردار بھی ہیں اور نافرمان بھی ہیں پھر جو کوئی فرماں بردار ہوئے تو اُنھوں نے بھلائی کا قصد کیا + |
| (۱۵) واما القاسطون فکانوا لجھنم حطباً + | (۱۵) اور جو نافرمان ہوئے تو وہ دوزخ کے کندے ہوئے + |

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اُن لوگوں کے اقوال کا بیان تھا جنہوں نے چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اسی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے کیونکہ اُن کی باتوں میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نہ کوئی جورو کی ہے اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تہمت لگائی تھی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ پس [illegible] جنہوں نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے +

دوسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قرآن سنکر غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بُت پرست کافر تھے +

تیسری بات اُنھوں نے یہ کہی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا۔ یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسٰے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سُن کر اِس عقیدہ کو غلط جانا اور اِس بات پر یقین کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے ۔

چوتھی بات اُن لوگوں نے یہ کہی کہ ہم جو بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سُنتے تھے اب سُننے والوں پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں۔ اِس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس بات کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن لوگوں نے قرآن مجید سُن کر اِس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اِس پر ایمان لائے کہ نجومی جھوٹے ہیں اور غیب کی بات کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہرا سکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنے آتش پرست ۔

اب اِس مقام پر ایک اور بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے قدیم عالموں نے اِن پچھلی آیتوں کو بھی بطور ایک عجیب قصہ کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے جن اور شیطان آسمان دنیا تک جاتے تھے اور چھپکے سے کان لگا کر ملاء اعلےٰ میں جو باتیں فرشتے کرتے تھے چوری سے سُن لیتے تھے اور اِس چوری سے وہ جان جاتے تھے کہ دنیا میں کیا ہونیوالا ہے اور کاہنوں اور جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کو جو اُن کی پوجا کرتے تھے غیب کی خبر دیتے تھے۔ جب آں حضرت صلعم مبعوث ہوئے تو شیطانوں اور جنوں کا اوپر جانا اور چوری سے ملاء اعلےٰ کی باتیں سُننا بند ہو گیا اور آسمان میں بہ نسبت سابق کے چوکی پہرہ زیادہ بڑھ گیا ہے۔ جگہ جگہ چوکیدار بیٹھ گئے اور آگ کے شعلے بھی بڑھا دیئے یہاں تک کہ کوئی جگہ خالی نہیں رہی اب جو شیطان یا جن آسمان پر باتیں سُننے جانا چاہتا ہے اُس پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے اور رات کو جو ہم تارے ٹوٹتے دیکھتے ہیں یہ وُہی شعلہ ہائے آتشین ہیں جو شیطانوں اور جنوں کو مارے جاتے ہیں ۔

مگر یہ سب باتیں غلط اور لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ مذہب اسلام اور خدائے پاک کا کلام اِن دُور از کار قصّوں سے پاک ہے اِس مقام پر اُن نجومیوں کا قول جو قرآن سُن کر ایمان لائے تھے

نہایت خوبی اور فصاحت و بلاغت سے استعارے میں بیان کیا گیا ہے نجومی کہتے ہیں کہ ہمنے آسمان کو بہت ڈھونڈا یعنی اُس کے ستاروں کی گردش اور اُن کی سعادت و نحوست پر غور و فکر کی مگر اُسکو چوکیداروں اور آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا یعنے کوئی راہ ایسی نہیں پائی جس سے درحقیقت غیب کی بات دریافت کرسکیں اور جو کچھ بھلائی یا بُرائی انسان کے لیئے ہونے والی ہے اُسکو ادل بدل کردیں ❖

لفظ لمس جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس کے معنی چھونے کے ہیں مگر اُس سے ڈھونڈنے کا مطلب لیا جاتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ لمس کے معنی چھونے کے ہیں اُس سے مراد لی گئی ہے ڈھونڈنا تلاش کرنا کیونکہ چھونیوالا بھی تلاش کرنیوالا اور دریافت کرنیوالا ہوتا ہے

اللمس المس فاستعیر للطلب لان الماس طالب متعرف یقال لمسه والتمسه

عربی زبان میں چھو لیا یعنی ڈھونڈ لیا بولا جاتا ہے۔ جناب مولوی عبدالقادر صاحب نے اسکا ٹٹولنا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے کیونکہ اُردو زبان میں ٹٹولنا چھو کر دریافت کرنے اور صرف کسی بات کے دریافت کرنے دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ لمس عربی محاورہ میں دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ہمنے بنظر مزید توضیح ڈھونڈنا ترجمہ اختیار کیا ہے پس جن لوگوں نے کہ لفظ لمس پر خیال کرکر یہ قصہ بنا لیا ہے کہ جن و شیطان آسمان تک جاتے تھے انھوں نے محض غلطی کی ہے ❖

اب وُہی نجومی کہتے ہیں کہ ہم بہت بیٹھ بیٹھ کر آسمانوں کی باتیں سُنا کرتے تھے یعنی اُس کے ستاروں کی گردش سے غیب کی باتیں سمجھا کرتے تھے مگر اب اس قرآن کو سُننے اور ایمان لانے کے بعد ہمکو یہ یقین ہوا ہے کہ جو کوئی نجوم سے غیب کی بات دریافت کرتا ہے تو اُس کے لیئے بجز آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلہ کے اور کچھ نہیں ہے یعنی کوئی چیز غیب کی دریافت نہیں کرسکتا اور کوئی نہیں جان سکتا کہ خدا کا کیا ارادہ ہے بھلائی کا یا بُرائی کا۔ اس بیان سے صرف اس قدر مطلب ہے کہ علم نجوم کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرنے کا درحقیقت رستہ بند ہے کسیطرح خدا کی بات دریافت نہیں ہوسکتی۔ خدا سے نہ کوئی جیت سکتا ہے نہ اُسکی مشیت سے بھاگ سکتا ہے پس اِن باتوں کو ہمنے قرآن سے سُنکر اُس پر ایمان لے آئے قرآن مجید کا صاف صاف یہ مطلب ہے جس کو لوگوں نے عوام الناس کے سامنے عجیب عجیب باتیں کہنے کے لیئے ایک

ایسا قصہ بنایا ہے جس پر کوئی ذی عقل یقین نہیں کر سکتا مگر غور کرنے سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ صرف ایک ساختہ قصہ ہے قرآن مجید کا یہ مطلب نہیں ہے۔ مفسرین کی گھڑت ہے کہ ایک لفظ کی مناسبت سے اُس کے تمام لوازمات کو اکٹھا کر کے ایک خیالی قصہ بنا لیتے ہیں ٭

اب خدا تعالےٰ نے اِس قصہ کو بیان فرما کر تمام لوگوں کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی اور آں حضرت صلعم کو لوگوں میں وعظ فرمانے کی طرف متوجہ کیا اور آں حضرت کو فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| (۱۶) وان لو استقاموا علے الطریقۃ لاسقینھم ماءً غدقاً ٭ | (۱۶) اے محمد تو لوگوں سے کہدے کہ مجھ پر تو وحی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھی راہ پر قایم رہتے تو ہم اُن کو پیٹ بھر کر پانی پلاتے ٭ |
| (۱۷) لنفتنھم فیہ ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعداً ٭ | (۱۷) تاکہ اُس میں اُن کو آزماتے اور جو منہ موڑے اپنے پروردگار کی یاد سے ڈالے گا اُسکو چڑھنے والے عذاب میں ٭ |
| (۱۸) وان المسجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً ٭ | (۱۸) اور مسجدیں اللہ کے لیئے ہیں پھر اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو ٭ |
| (۱۹) وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبداً ٭ | (۱۹) اور جب خدا کا بندہ کھڑا ہوا کہ پکارے اپنے اللہ کو تو اُس پر غول پر غول چڑھنے کو ہوئے ٭ |
| (۲۰) قل انما ادعوا ربي ولا اشرك بہ احداً ٭ | (۲۰) کہدے کہ میں تو اپنے ہی پروردگار کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ٭ |
| (۲۱) قل اني لا املك لکم ضرا ولا رشداً ٭ | (۲۱) کہدے کہ میرے اختیار میں تمہارے لیئے نہ بُرا کرنا ہے اور نہ بھلا کرنا ٭ |
| (۲۲) قل اني لن یجیرني من اللہ احد ولن اجد من | (۲۲) کہدے کہ بے شک خدا سے مجھے کوئی نہ بچاوے گا اور نہ میں اُسکے سوا کوئی |

دونه ملتحداً ۔

جگہ پناہ کی پاؤں گا ۔

(۲۳) الا بلٰغاً من الله و رسٰلته و من یعص الله و رسوله فان له نار جهنم خٰلدین فیها ابداً ۔

(۲۳) سوائے پہونچانے خدا کے حکموں اور اُس کے پیغاموں کے اور جس نے خدا کی اور اُس کے رسُول کی نافرمانی کی تو اُن کے لیئے جہنّم کی آگ ہے ہمیشہ اُس میں رہیں گے ۔

(۲۴) حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصراً و اقل عدداً ۔

(۲۴) یہاں تک کہ جب دیکھینگے کہ وُہی ہوا جو اُن سے کہا گیا تھا تب جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں بھی کچھ نہیں ۔

(۲۵) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امداً ۔

(۲۵) کہدے کہ میں نہیں جانتا کہ جو وعدے تم سے کیے گئے ہیں کیا وہ قریب ہونیوالے ہیں یا میرا پروردگار اُن کو کر دے گا دُور دراز ۔

(۲۶) علم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً ۔

(۲۶) وہ غیب کی بات جانتا ہے پھر اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں جتلاتا ۔

(۲۷) الا من ارتضی من رسول فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصداً ۔

(۲۷) سوائے اُس کے جس کو پیغمبر کرنا پسند کرتا ہے پھر وُہی رکھتا ہے اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے نگہبانی ۔

(۲۸) لیعلم ان قد ابلغوا رسٰلت ربهم و احاط بما لدیهم و احصی کل شیء عدداً ۔

(۲۸) تاکہ جان لے کہ بیشک اُنہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہونچا دیئے اور گھیر لیا ہے اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے اور گن لیا ہے ہر چیز کو ایک ایک کر کے ۔

## سورۃ الفیل مکیۃ وھی خمس آیات

# سورہ فیل

مکّہ میں اتری اس میں پانچ آیتیں ہیں۔ اِس سورۃ میں لفظ فیل آیا ہے اور اِس سبب سے اس کا نام "سورہ فیل" ہوا ہے یعنی وہ سورۃ جس میں ہاتی کا نام ہے یا ہاتی والوں کا قصہ ہے +

ابرھۃ الاشرم یمن کا بادشاہ جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اُس نے کعبہ کے ڈھانے کے ارادہ سے مکّہ پر چڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اور اُس کے لشکر کو برباد کردیا وہی قصہ اللہ تعالےٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے +

مفسرین کی عادت ہے کہ اصل بات کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کردیتے ہیں۔ اسی طرح اس اصلی واقعہ کو بھی کہانی کی صورت پر بنالیا ہے اور اپنی تفسیروں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب ابرھہ کا لشکر ہاتیوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے پرند جانوروں کو حکم دیا کہ مسور یا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لیکر جاؤ اور ابرھہ کے لشکر پر چھوڑدو۔ اُن پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر پڑی پار نکل گئی سارا لشکر برباد ہوگیا اور اِس قصہ کے لیئے کچھ بے اصل روایتیں بھی گھڑلی ہیں اور لفظی مناسبت سے تمام اُس کے لوازمات از خود خیال کرلیئے ہیں۔ قرآن مجید میں اس طرح پر یہ قصہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ابرھہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہوگیا۔ اُس آفت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت سے اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت وبائی چیچک کی بیماری تھی جو ابرھہ کے لشکر میں دفعتاً زمانہ محاصرہ میں پھیلی اور بہت سے آدمی اور جانور چیچک سے مرگئے اور سارا لشکر تباہ ہوگیا۔ ملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے۔ اسی واقعہ کا ذکر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ

(۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے

سجیل ای مما کتب لہم انہم یعذبون بہا قال اللہ تعالیٰ ما ادراک ما سجین کتاب مرقوم والسجیل بمعنی السجین قال الازہری ہذا احسن مما مر فیہا عندی یعنی من سجیل کے معنی ہیں سجل کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیئے لکھا تھا کہ عذاب دیئے جاویں گے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اے محمد کہ کیا ہے سجین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وہی معنی ہیں جو سجین کے ہیں اور ازہری کا قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گذرے پس اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیئے ہم نے سجیل کا ترجمہ "جو اُن کے لیئے لکھے ہوئے تھے" کیا ہے ◆

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا کیڑے کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ والاحتمال الثانی علی ہذا الوجہ ان یکون التشبیہ

ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور وبال اکبر میں لکھا ہے بدشگونی پر بھی اُن کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے اُڑنے سے شگن و بدشگن لیا کرتے تھے اس لیئے جب کسی پر آفت آتی تھی تو کہتے تھے کہ جری ان الطایر بکذا[1] یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پر اُڑی ہے پس اس سبب سے طائر کا لفظ وبال اور شامت پر اطلاق ہونے لگا ◆

لغات قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ طایرکم معکم یہ لکھی ہے کہ ای شومکم من عند انفسکم یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا وبال تمہاری ہی سے ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طایرکم کے معنی مصائبکم کے لکھے ہیں یعنی تمہاری مصیبتیں مراد ہیں ◆

معنوں میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ منہ قولہم [illegible] اس سورۃ میں طیر کے لفظ سے وبال اور مصیبت مراد [illegible] لا طیر [illegible] پرند جانور کے بھی ہیں اور جن لوگوں نے [illegible] ہے جو ابرہہ کے لشکر پر پڑی مار جو [illegible]

[1] لغات القرآن ◆

چھوڑ دیں اور اس کلیسا کا حج کیا کریں مکہ والوں نے نہ مانا تب ابرھہ نے ۵۷۰ء میں مکہ پر اِس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کردے اور ابرھہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لیئے ہاتی بھی تھے اِس سبب سے وہ لوگ اصحاب الفیل کہلانے لگے اور وہ برس جس میں یہ چڑھائی ہوئی عام الفیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ اُنھوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا اُن میں ایک سخت وبا چیچک کی پھیلی اور ابرھہ اور اُس کا تمام لشکر اِس وبا سے ہلاک اور برباد ہوگیا اور محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور چونکہ ایسے وقت میں اِس وبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اُسی کا ذکر خدا تعالیٰ نے اِس سورۃ میں فرمایا ہے ✦

## تحقیق القصّہ

اب سمجھو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرھۃ الاشرم نے کیا تو درحقیقت اُس کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی رہا ہے اور یہ کہ ... یوں نہیں ہے اس پر ... نے بھی اُسی واقعہ کا ... مراد مصیبت ڈالنا ہے اُردو محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے۔ عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رومی بحجارۃ الارض ای بداھیۃ یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا ✦

وفی حدیث الاحنف قال علی حین ذدب معلویہ عمراً للحکومۃ القد رمیت بحجر الارض ای بداھیۃ عظیمۃ تثبت ثبوت الحجر فی الارض نہایہ ابن اثیر و مجمع بحار الانوار۔

یعنی نہایہ ابن اثیر اور مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے عمرو بن العاص کو عامل کرنے کے لیئے بلایا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اُس پر زمین کے پتھر مارے گئے یعنی اٹل مصیبت پڑی جیسیکہ پتھر زمین سے اٹل ہوتا ہے ✦

لفظ سجیل۔ جبکہ مفسرین نے لفظ حجارہ سے اُس کے لغوی معنی پتھر کے لیئے تو لفظ سجیل کے بھی اُنھوں نے پتھر کے معنی لیئے یعنی مٹی کے پتھر اور اِس لیئے شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ کھنگر کردیا ہے یعنی وہ ... جو ... میں گل جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملکر ... ہوکر بہت سخت ہوجاتی ہیں ✦

مگر سجیل یعنی سجل بھی آیا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ من سجیل ای من

سجیل ای مما کتب لہم انہم یعذبون بہا قال اللہ تعالیٰ ما ادراك ما سجین کتاب مرقوم والسجیل بمعنی السجین قال الازہری ھذا احسن مما مر فیہا عندی یعنی من سجیل کے معنی ہیں سجل کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیئے لکھا تھا کہ عذاب دیئے جاویں گے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اے محمد کہ کیا ہے سجین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وُہی معنی ہیں جو سجین کے ہیں اور ازہری کا قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گذرے پس اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیئے ہم نے سجیل کا ترجمہ "جو اُن کے لیئے لکھے ہوئے تھے" کیا ہے ؎

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا کیڑے کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ والاحتمال الثانی علی ھذا الوجہ ان یکون التشبیہ [illegible] واقعا بورق الزرع اذا وقع فیہ الاکال وھو ان یاکلہ الدود یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ تشبیہ ہے کھیتی کے پتوں سے جس میں کیڑا لگ گیا ہو اور اُس کو کیڑوں نے کھا لیا ہو اور اسی سبب سے میں نے کعصف مأکول کا ترجمہ کیا ہے "جیسی کیڑ کھائی کھیتی" ؎

قاموس اور صراح میں لکھا ہے کعصف مأکول اے کزرع قد اکل حبہ وبقی تبنہ ؎

یعنی قاموس و صراح میں لکھا ہے کہ عصف ماکول کے معنی ایسی کھیتی کے ہیں جس کے دانے کھا لیئے ہوں اور ڈنٹھل باقی رہ گئے ہوں ؎

## بیان القصّہ

عرب کی مُلکی روایتوں میں یہ قصہ تواتر کو پہونچ گیا ہے اور جس زمانہ میں یہ واقع ہوا اُس زمانہ سے عرب میں ایک نئے سنہ کا شمار کیا جاتا ہے جس کو عام الفیل کہتے ہیں اور اس واقعہ کے بعد اسی سال میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ ابرہہ الاشرم ابی مسکوم عیسائی مذہب اور یمن کا حاکم تھا اُس نے جرجنتیوس اسقف کی تحریک سے جس کو اسکندریہ کے بطریق نے بھیجا تھا صنعاء یمن میں ایک کلیسا بنوایا اور چاہا کہ اہل عرب مکہ کا حج

چھوڑدیں اور اس کلیسا کا حج کیا کریں مکہ والوں نے نہ مانا تب ابرہہ نے ۵۷۰ء میں مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کر دے اور ابرہہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لیئے ہاتی بھی تھے اس سبب سے وہ لوگ اصحاب الفیل کہلانے لگے اور وہ برس جس میں یہ چڑھائی ہوئی عام الفیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ انھوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا اُن میں ایک سخت وبا چیچک کی پھیلی اور ابرہہ اور اُس کا تمام لشکر اس وبا سے ہلاک اور برباد ہوگیا اور محاصرہ چھوڑکر بھاگ گیا اور چونکہ ایسے وقت میں اس وبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اُسی کا ذکر خدا تعالی نے اس سورۃ میں فرمایا ہے ✦

## تحقیق القصّہ

اب ہمکو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرہۃ الاشرم نے کیا تو درحقیقت اُس کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی رہا ہے اور یہ بھی بیان کرنا ہے کہ اس سورۃ میں خدا تعالے نے بھی اُسی امر کا ذکر کیا ہے نہ اَور کسی قصہ کا۔ پس اب ہم اوّل امر کو مفصلۂ ذیل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں ✦

اوّل۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے واصیب ابرهة في جسده و خرجوا به معهم يسقط انملة انملة كلما سقطت منه انملة اتبعها منه مدة تمت قيحا و دما حتى قدموا به صنعاء وهو مثل يعني ابرہہ کے بدن میں بیماری ہوگئی اُسکی انگلیاں گرنے لگیں اُن میں سے پیپ اور خون بہتا تھا یہاں تک کہ جب صنعا میں آیا تو لنجا تھا اس کیفیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چیچک کی بیماری میں ابرہہ بھی مبتلا ہوا تھا ✦

دوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے۔ قال ابن اسحاق وحدثني عبد الله بن ابي بكر عن عمرة بنت عبد الرحمن بن اسعد بن زرارة عن عايشة قالت رايت قايد الفيل وسايسه بمكة اعميين مقعدين يستطعمان یعنی حضرت عایشہؓ سے روایت ہے کہ انہیں نے کہا دیکھا ابرہہ کے فیلبان اور چرکٹے کو مکہ میں کہ وہ اندھے ہوگئے تھے پس روایت میں بھی جو کیفیت مندرج ہے اُس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ چیچک کی بیماری سے وہ اندھے ہوگئے تھے ✦

سوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے قال ابن اسحاق وحدثني يعقوب بن عتبة انه

حدث ان اول ما رویت الحصبته والجدري بارض العرب ذالك العام یعني سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یعقوب ابن عینیہ نے یہ بات کہی کہ ملک عرب میں اسی برس پہلے پہل چیچک کی بیماری نمودار ہوئی ॰

**چہارم** - واقدی میں لکھا ہے فکان ذالك اول ما کان الجدري والحصبہ یعنی یہی وقت تھا کہ پہلے پہل چیچک کی بیماری ہوئی ॰

**پنجم** ثعلبي نے کتاب العرائس کے باب قصۂ اصحاب الفیل میں لکھا ہے ؛ وولی ابرھۃ ومن معہ ھاربا فجعل ابرھۃ یسقط عضواً عضواً حتی مات ॰ ॰ ॰ وھو اول وقت رئی الجدری والحصبۃ یعنی بھاگ گیا ابرھہ اور جو لوگ کہ اُس کے ساتھ تھے اور ابرھہ کے اعضا گل گل کر گرتے تھے یہاں تک کہ مرگیا ॰ ॰ ॰ اور یہ پہلا وقت ہے جو چیچک کی بیماری نمودار ہوئی ॰

**ششم** تفسیر صافی میں ہے فجعلت ترمیہم بہا حتی جدرت اجسامہم فقتلہم بہا وما کان قبل ذالك رئي شيء من الجدري یعني پتھر مارتے تھے یہاں تک کہ اُن کے بدنوں میں چیچک نکل آئی اُسی نے اُن کو مار ڈالا اور اس سے پہلے چیچک کی بیماری نمودار نہیں ہوئی تھی ॰

**ھفتم** تفسیر مجمع البیان میں ہے فما التقی احد منہم الا اخذتہ الحکۃ وکان لا یحك الانسان منہم جلدہ الا تساقط لحمہ یعنی اُن میں سے جسکو پتھر لگا اُس کے بدن میں کھجلی پیدا ہوئی اور اُن میں سے جو شخص کھجلاتا تھا اُس کا گوشت گر پڑتا تھا - یہ حالت خاص چیچک کی بیماری کی ہے ॰

**ھشتم** کشاف میں ہے عن عکرمہ من اصابہ جدرۃ وھو اول جدري ظہر یعني عکرمہ کا قول ہے کہ وہ پتھر جس کو لگا اُسکو چیچک نکل آئی اور وہی زمانہ تھا جسمیں پہلے پہل چیچک نکلی ॰

**نہم** - تفسیر کبیر میں لکھا ہے روي عکرمۃ عن ابن عباس قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منہم الا نفط جلدہ واثار بہ الجدري وھو قول سعید ابن جبیر یعني تفسیر کبیر میں لکھا کہ عکرمہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل پر پتھر ڈالے تو جس شخص پر پتھر پڑا اُسکی جلد پر پھپھولا اُٹھا اور چیچک کا

زرد ہوگیا اور یہ قول سعید ابن جبیر کا ہے *

دہم - گبن کی تاریخ رومیہ (باب ۵۰) کے حاشیہ پر ولیم اسمتھ نے اور ترجمہ انگریزی قرآن کے سورۃ الفیل کے حاشیہ پر راڈول نے رلیسک کی کتاب معالجات عرب اور ہرگیل و لسان کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ عرب میں اول مرتبہ چیچک کا مرض ابرہہ کی چڑھائی کے وقت نمودار ہوا تھا *

یہ روایتیں بالکل یقین دلاتی ہیں کہ ابرہہ کے لشکر پر جو آفت پڑی وہ بلاشک چیچک کی وبا تھی *

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اسی واقع کے ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے *

اوّل - بڑی عمدہ تشبیہ جو قرآن مجید میں ابرہہ کے لشکر کی عصف ماکول سے دی گئی ہے وہ بالکل مرض چیچک کی پوری تشبیہ ہے کیونکہ چیچک کی بیماری میں بھی انسان کا بدن کیڑے کے کھائی ہوئی چیز کے بالکل مشابہ ہوجاتا ہے *

دوم - حجر کا لفظ بھی اس مرض کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیئے کہ حجر و حصبہ کے ایک معنی ہیں اور حصبہ چیچک کے مرض کو کہتے ہیں *

سوم - سجیل سے بھی اگر وہی مراد لیجاوے جو مفسرین نے لی ہے یعنی دوزخ کی آگ میں پکی ہوئی کنکریاں تو وہ بھی چیچک کے دانوں کے نہایت مناسب ہے *

چہارم - ابابیل کا لفظ بھی اس مرض کی حالت سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اس لیئے کہ ابابیل ایسی کثرت کو کہتے ہیں جو گروہ گروہ میں پے در پے ہو - مرض چیچک کا بھی یہی حال ہوتا تھا - ایک غول آج اس مرض میں مبتلا ہوا دوسرا غول کل اور علے ہذالقیاس *

پس قرآن مجید میں جس آفت کا ابرہہ پر نازل ہونا مذکور ہوا ہے اگرچہ اُس کا نام نہیں لیا گیا مگر اُس کے الفاظ اور اُس کی تشبیہیں مرض چیچک سے ایسی مناسب ہیں کہ اُس سے صاف مرض چیچک کی وبا کا ابرہہ کے لشکر میں واقع ہونا پایا جاتا ہے *

## جواب اعتراض ملاحدہ

اب اس مقام پر کوئی ملحد یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ وقوع میں آیا تو اس سے کعبہ کی

کچھ بزرگی اور کرامات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا اور ایسے واقعے دنیا میں بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ **ہیروڈوٹس** کی تاریخ سے جو چار سو برس پیشتر حضرت مسیح کے تھا ثابت ہوتا ہے کہ ڈلفی کے مندر پر جو یونان میں تھا ایک دفعہ ایرانیوں نے پانچ سو برس قبل مسیح کے چڑھائی کی جب اُس کے قریب پہونچے تو آسمان پر سے بجلی گری اور مندر کے بعض مکانات گرے اور ایرانی اُس میں دب کر مر گئے اور باقی خوف سے بھاگ گئے اور پھر تین سو برس پیشتر گال والوں نے اُس پر چڑھائی کی اور اسی طرح ایک عجیب واقعہ سے جسکا ذکر پاسانیاس نے لکھا ہے گال والے پسپا ہو گئے پس اس واقعہ کے ہونے سے کعبہ کی کیا کرامات ثابت ہوتی ہے ۔

مگر ایسا اعتراض کرنا اعتراض کرنے والوں کی غلطی ہے کعبہ کی بزرگی کسی کرامت کے ظاہر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اُس کی بزرگی صرف اس وجہ سے ہے کہ خاص خدا کا نام پکارنے کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے بنایا گیا تھا ۔

اس سورت میں بھی خدا تعالےٰ نے یہ واقعہ کچھ کعبہ کی کرامات ثابت کرنے کو نہیں بیان کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک شان بیان کی ہے ۔ تمام قدرتیں خدا تعالےٰ کے قوانین قدرت کے طور پر ظہور میں آتی ہیں انسان کا پیدا کرنا درختوں کا پیدا کرنا ۔ پھول پھل کا پیدا کرنا سب قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اُن سب میں اظہار قدرت اور شان خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے اسیطرح اس واقعہ میں بھی جو قوانین قدرت کے مطابق واقع ہوا خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت پائی جاتی ہے جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے انسان کی نصیحت کو اس سورہ میں فرمایا ہے ہاں البتہ اس بیان سے کعبہ معظمہ کی یہ عزت ثابت ہوتی ہے کہ جس واقعہ سے کعبہ محفوظ رہا خدا نے بطور اظہار اپنی شان وقدرت کے اُس کا ذکر کیا مگر ڈلفی کے مندر کا کبھی نام بھی نہیں لیا ۔

## کافر

## اگلے زمانہ میں بھی گذرے ہیں

ان دنوں میں جناب مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر رئیس کاکوری علاقہ لکھنؤ کے

کتب خانہ سے ایک تفسیر مسمی بہ "کشف الاسرار" ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ اُس کتاب کا اور اُس کے مصنف کا حال ہم پھر کبھی لکھینگے اسوقت اُس نے جو تفسیر اُن آیتوں کی لکھی ہے جن کی تفسیر میں ہمارے زمانہ کے احباب ہمکو کافر بتاتے ہیں بعینہ اس مقام پر لکھتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ اگلے زمانہ کے مفسر بھی کافر تھے ۔

اس تفسیر کے مصنف کا ہم ابھی نام نہیں بتاتے جب خوب اُس کی تکفیر کے فتوے ہولینگے تب نام بتاوینگے ۔

## سورۃ النساء

اس مفسر نے حضرت عیسیٰ کی نسبت تین باتیں قریب قریب اُسی کے بیان کی ہیں جو ہم کہتے ہیں ۔

**اوّل** یہ کہ خدا نے کسی دوسرے شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کے مشابہ نہیں بدل دی تھی بلکہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ رؤسا یہود نے ایک شخص غیر کو دیدہ و دانستہ کہ یہ حضرت عیسیٰ نہیں ہے مار ڈالا اور صلیب پر لٹکادیا اور عوام سے یہ کہکر دکھادیا کہ وہ عیسیٰ ہے جسکو ہمنے مار ڈالا ہے ۔

**دوسرے** یہ کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں چلے گئے اور جب ان دونوں باتوں کو ملایا جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مثل اور انبیاء کے اسی دنیا میں اپنی موت سے مرے ۔

**تیسرے** یہ کہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ معراج بالجسد نہیں ہوئی تھی بلکہ بالروح خواب میں ہوئی تھی ۔

فما قولکم یا ایہا المکفرین المسلمین فی حق مثل ہذہ المفسرین المومنین ۔

## عبارت تفسیر مذکور یہ ہے:۔

اور اُن کا یہ کہنا کہ ہمنے عیسیٰ مریم کے بیٹے خدا کے رسول کو مارا یعنی اُن کا یہ کہنا اور ایسا اُن کا دعویٰ کرنا اُن میں مشہور تھا حالانکہ نہ اُنہوں

| عربی | اردو |
|---|---|
| "وقولہم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ" ای المشہور بہذہ الدعوی عندہم | نے حضرت عیسیٰ کو مارا نہ اُنھوں نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا مگر لوگوں کے لیئے |

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم"
افهم هذه العبارة واعرف الفرق بينها
وبين قوله لو قال ولكن شبه الله لهم او
اشتبه عليهم فانه لو قال شبه الله تعالى
على كرامتهم او نشبه لهم بعيسى واحدا
ليرضيهم بقتل واحد وان لم يكن عيسى
ولقد كان تعالى قادرا على اكرام عيسى
عليه السلام وان ينجيه منهم بغير
ذلك ولو قال اشتبه دل على انهم اشتبه
عليهم كلهم مثلا ومتى اشتبه الشئ فيجوز
ان يكون هو المشار اليه في نفس الامر
وقد اشتبه كما يجوز ان يكون غيره
وقد اشتبه ايضا وقد نسب الضمير
الى عيسى اعنى اشار اليه فلزم ان لا يقول
شيئا من ذلك فقوله شبه بهذه العبارة
وما بعدها يدل على ما نقله الجبائى انه
لما رفع عيسى عليه السلام خاف رؤساء
اليهود من اتباع اليهود لعيسى وميلهم
الى من مال معه منهم فعمدوا الى رجل
فقتلوه وصلبوه على مكان عال بعد
قتله ولم يمكنوا احدا من الدنو منه
فتغيرت وتنكرت صورته وقالوا قتلنا
عيسى وموهوا على بقية قومهم فاختلفوا
"وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه"
وذلك انه من حيث رفعه ما لهم به من

اُن کی صورت بنا دی تھی پس اس عبارت کو سمجھنا
چاہیئے اور جس طرح خدا نے کہا ہے اُس میں اور
اِس طرح کے کہنے میں کہ اللہ نے اُن کے لیئے
عیسیٰ کی سی صورت بنا دی یا مشابہ کر دیا اللہ
نے اُن کے لیئے فرق کرنا چاہیئے کیونکہ اگر یوں
کہتے کہ اللہ نے اُن کے لیئے عیسیٰ کی سی
صورت بنا دی تو اِس سے تو یہودیوں کی بھلگی
ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خاطر
سے ایک شخص کی حضرت عیسیٰ کی سی صورت
بنا دی تا کہ یہودیوں کو اُس ایک کے مار ڈالنے
سے رضامند کر دے گو کہ وہ عیسیٰ نہو حالانکہ
اللہ تعالیٰ حضرت عیسے علیہ السلام کی بزرگی قایم
رکھنے پر قادر تھا اور حضرت عیسےٰ کو اس طرح پر
صورت بدل دینے کے سوا اَور طرح پر بھی بچا
سکتا تھا اور اگر یوں کہا جاتا کہ اللہ تعالےٰ نے
مشابہ کر دیا تو ثابت ہوتا کہ کُل یہودیوں کے
لیئے مشابہ کر دیا تھا اور جو چیز کہ اس طرح مشابہ
ہو جاوے تو یہ کہنا کہ وہ چیز نفس الامر میں وہی
ہے جائز ہوگا کیونکہ مشابہ ہو گئی ہے جس طرح
کہ جائز ہے کہ وہ اَور ہو اور مشابہ ہو گئی ہو اَور
اِس کلام میں عیسیٰ ہی کی طرف نسبت ہے یعنی
اُنہیں کی طرف اشارہ ہے تو لازم آیا کہ اِن دونوں
طرح نہ کہتا کہ عیسیٰ کی سی صورت بنا دی تھی یا
مشابہ کر دیا تھا اللہ نے اُن کے لیئے پس خدا تعالیٰ کا
اس طرح کہنا کہ لوگوں کے لیئے صورت بنا دی

علم الا اتباع الظن وما قتلوه" ثم قال
"يقينا" فهم عن يقين منهم اعني من
ادعى قتله يتيقن انهم ما قتلوه وهم
الذين شبهوا لبقية الناس منهم وبقية
الناس هم الذين شبه لهم رجل بعيسى
ممن قد كان يشبهه فجاءت العبارة
منبئة بصورة الواقعة ولو شبه الله لهم
انسانا بعيسى فقتلوه لم يكن قولهم انا
قتلنا المسيح بعجيبة ولا كذبا اذ لو اتي انسان
امراة تشبه زوجته بحيث لا يشك فيها
لم يكن زانيا وقوله تعالى ما قتلوه وما
صلبوه دل على انهم قتلوا انسانا اولا ثم
صلبوه بعد القتل وهذا القصد منهم و
لهذا لم يقل اشتبه فانه لم يشتبه
عليهم بل الرؤساء شبهوا وغيرهم شبه
لهم ولم يقل ايضا شبهه الله كما تقدم و
اما الذين اختلفوا فيه فهم غير الرؤساء
لانهم كلهم كانوا يهودا غير ان بعضهم
خالف بعضا في الايمان به فاخبر الله
عن بقية اليهود والنصاري بقوله وان
الذين اختلفوا فيه اي في الايمان به لفي
شك منه فعاد قوله وما قتلوه
راجعا الى الرؤساء والمتيقنين بانهم لم
يقتلوه بل شبهوا وقوله ان الذين اختلفوا
فيه راجع الى اليهود والنصارى معا و

اور جو اس کے بعد ہے دلالت کرتا ہے اسی پر
جو جبائی نے نقل کیا ہے کہ جب عیسیٰ اٹھائے
گئے تو سرداران یہود نے اس خوف سے کہ
یہود عیسیٰ کے پیرو نہ ہو جاویں اور ان کی طرف
نہ جھک جاویں جو عیسیٰ کی طرف مائل ہیں یہ
قصد کیا کہ ایک آدمی کو مار کر اونچے پہ صلیب
پر لٹکا دیا اور کسی کو اس کے پاس نہ آنے دیا
جب کہ بگڑ گیا اور صورت بدل گئی تو اپنی باقی
قوم سے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اور دھوکہ
دیا اپنی باقی قوم کو پس ان میں آپس میں جھگڑا
ہوا اور جو اس میں جھگڑ رہے ہیں وے تو
البتہ شک میں ہیں اور اس لیئے شک میں ہیں کہ
جن سے عیسیٰ اٹھائے گئے ان کو کچھ علم
نہیں ہے مگر ظن کی پیروی کرتے ہیں اور عیسیٰ
کو نہیں مارا ہے پھر کہا یقینا یعنی ان کو تو
یقین ہے یعنی جو قتل کا دعویٰ کرتے ہیں
وے بے شک جانتے ہیں کہ انہوں نے
نہیں مارا اور انہوں ہی نے اپنے باقی آدمیوں
کو شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ باقی آدمی وے
ہی ہیں جن کے لیئے مشابہ کیا گیا ایک آدمی
جو حضرت عیسیٰ کے مشابہ تھا پس یہ عبارت
صورت واقع کی خبر دیتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ
ایک آدمی کو ان کے لیئے عیسیٰ کی سی صورت
بنا دیتا اور وے اسکو مار ڈالتے تو ان کا یہ
قول کہ ہم نے مسیح کو مار ڈالا کچھ تعجب کی بات

لهذا المرتقل اختلفوا في قتله وقوله ما لهم به من علم عايد الى اليهود والنصارى اي غير الرؤساء ومن ههنا تدل على استغراق الجنس وقوله الا اتباع الظن اي ان اتباعهم لما فعله الرؤساء وادعواه اتباع ظن ولما ذكر الظن من المتبعين اتبعه بذكر اليقين من القايلين للمشبه مع نفي القتل عن عيسى فقال وما قتلوه اي وذلك الاخبار منا بقولنا ما قتلوه هو عن يقين منهم ولا يفهم انهم قتلوه شكا بل رفعه الله عليه وكان الله عزيزاً حكيما

نہ ہوتی اور نہ جھوٹ ہوتا اس لیئے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت سے جماع کرے جو اسکی زوجہ کے مشابہ ہو اس طرح پر کہ اس میں کچھ شک نہ ہو تو یہ زانی نہیں ہوگا اور یہ قول اللہ تعالےٰ کا کہ نہ اُسکو مارا اور نہ صلیب پر لٹکایا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنھوں نے ایک آدمی کو پہلے مارا پھر بعد قتل کے صلیب پر لٹکایا اور یہ اپنے ارادہ سے کیا اسی لیئے نہیں فرمایا کہ اُن پر مشابہ ہوگیا تھا کہ اُن پر تو نہیں مشابہ ہوا تھا بلکہ رؤساء نے صورت بنادی تھی اور غیر رئیسوں کے لیئے صورت بنادی تھی اور اس لیئے نہیں کہا کہ اللہ تعالےٰ نے صورت بنادی تھی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور جن میں اختلاف ہوا وُے رئیسوں کے سوا اور یہود ہیں کہ وُے تو سب یہود ہی تھے ہاں مگر اُن میں کچھ آدمیوں نے دوسروں کی مخالفت کی عیسیٰ پر ایمان لانے میں پس اللہ تعالیٰ نے باقی یہود اور نصاریٰ سے خبر دی اپنے اس قول میں کو جنھوں نے اُس میں اختلاف کیا (یعنی اُس پر ایمان لانے میں اختلاف کیا نہ یہ کہ اُس کے قتل میں اختلاف کیا) وُے البتہ شک میں ہیں پس یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ نہیں مارا راجع ہے رؤساء کی طرف جن کو یقین تھا کہ اُنھوں نے نہیں قتل کیا بلکہ صورت بنادی اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا کہ جنھوں نے اُس میں اختلاف کیا راجع ہے طرف یہود اور نصاریٰ دونوں گنے اور اسی لیئے نہیں فرمایا کہ اختلاف کیا اُنھوں نے اُس کے قتل میں اور یہ قول اللہ تعالےٰ کا کہ اُن کو کچھ خبر نہیں ہے رئیسوں کے سوا باقی یہود اور نصاریٰ کی طرف راجع ہے اور من کا لفظ یہاں سب کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول خدا تعالےٰ کا کہ وُے ظن کی پیروی کرتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے روساء نے کیا اور دعویٰ کیا اور یہ ظن کی پیروی ہے اور جب کہ پیروی کرنے والوں کی طرف سے ظن بولا تو اُس کے بعد یقین کا ذکر کیا اُن کی جانب سے جنھوں نے شبہ میں ڈالا باوصف قتل

ہونے عیسٰے کے پس فرمایا کہ نہیں مارا ہے اُسکو اور ہماری یہ خبر دینی کہ اُسکو نہیں مارا ہے یہ اُنکے یقین کی خبر ہے اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اُنھوں نے شک سے مارا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنی طرف اُٹھالیا ہے اور ہے اللہ عزت والا دانا ۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسٰی کو اللہ نے اُٹھایا اپنی طرف ایسا ہے جیسے یہ قول کہ ہمنے اُٹھایا اُسکو بڑے مرتبہ پہ اور جیسے ابراہیم کا یہ قول نقل کیا کہ مَیں جاتا ہوں اپنے پروردگار کے پاس اور ایسا ہی ہے یہ قول کہ اُٹھاوےگا اللہ تعالیٰ اُن کو جو ایمان لائے تم میں سے اور جن کو علم ملا بڑے درجوں پر اور خود اللہ تعالےٰ کا یہ قول کہ اللہ نے اسکو اُٹھایا اپنی طرف یہ فایدہ دیتا ہے کہ یہ بدن کا اُٹھانا نہیں ہے اِس لیئے کہ اللہ تعالےٰ کسی جگہ اور مقام میں نہیں ہے جیسا کہ شہیدوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ خدا کے پاس ہیں رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اور اُن کے بدن تو مٹی میں مردہ پڑے ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور موسٰے اور اِن کے سوا اَور نبیوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں دیکھا اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُن میں سے کوئی مع بدن کے نہیں اُٹھایا گیا اور ہمکو یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی عقلوں پر ایسا بوجھ ڈالیں جس کو اُٹھا نسکیں اس لیئے کہ یہ عقول پابند ہیں اسباب کی اور ان کی ادراک کی ایک حد ہے اور معراج میں اِس سے

واما قوله تعالی بل رفعه الله الیه فهو كقوله تعالی ورفعناه مكاناً علیاً وكقوله عن ابراهیم انی ذاهب الی ربی ومثله یرفع الله الذین آمنوا منكم والذین اوتوا العلم درجات ونفس قوله تعالی بل رفعه الله الیه یعطی ان هذا الرفع لیس بجسد كان الله تعالی لیس فی مكان وحیز بل كما قیل فی الشهداء عند ربهم یرزقون فرحین واجسامهم فی التراب جیف وقد روی ان ابراهیم وموسٰی وغیرهما واهم النبی صلی الله علیه وسلم لیلة المعراج ولا شك انه ما منهم احد رفع بالجسد ونحن فلا یجوز لنا ان نحمل علی عقولنا ما لیس فی وسعها لانها مبعدة متناهیة واما الاسراء فلا شرف اذا كان بجسد النبی صلی الله علیه وسلم بعد ان قد رای ما راه وصدق الله تعالی بقوله ما كذب الفواد ما رای ولا نقص اذا كان الاسراء بالروح دون الجسد وكان نوما ولاخلاف فی ان ابراهیم و

وآدم موسیٰ لم یکونوا فی السماء باجسادها وکذالک وام وھذا انما نقوله لانه الاقرب فی الاذھان مع انا لا ننکر ان الله تعالیٰ یفعل ما یشاء من رفع جبل فی الھوی ویجری الماء فی السحاب وغیرہ فکیف لا یرفع جسد نبی له ولکن شرف الرسول ثابت بما لا یدفعه الخصم وکذالک الاعتراف بقدرۃ الباری تعالیٰ فلا نزاع اذا حصل المراد وکذالک الکلام فی عیسیٰ علیه السلام والله اعلم بالانبیاء ویجب ان تعلم ان الله تعالیٰ انما اذن للرؤساء ومکنھم بما فعلوہ من انھم قتلوا انسانا وشبھوہ لبنی اسرائیل وادعوا انه عیسیٰ جمیع ذلک بحکمه الھیة من الله سبحانه ذلک ان هذا الامر بعینه رحمة فی حق من امن بعیسیٰ وفتنته فی حق من کفر به ؛

کچھ زیادہ خوبی نہیں بڑھ جاتی اگر وہ مع جسد کے مانی جاوے کہ حضرت نے دیکھا جو کچھ دیکھا اور خدا تعالیٰ نے اُس کی اپنے اس قول سے تصدیق کی کہ جھوٹ نہ جانا دل نے جو کچھ دیکھا تھا اور کچھ نقصان نہیں ہے اس میں کہ معراج روح کو بغیر بدن کے سوتے ہوئے ہوئی ہو اور اس میں تو کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ابراہیم اور آدم اور موسیٰ تو آسمان پر مع بدن کے نہ تھے اور ایسے ہی اُن کو دیکھا اور یہ ہم اس لیئے کہتے ہیں کہ یہی ذہن کے قریب ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے جو چاہے کہ ایک پہاڑ کو ہوا میں اُٹھادے اور ابر میں ایک دریا بہادے اور اس کے سوا اَور جو کچھ چاہے پس کس طرح نہیں اُٹھا سکتا اپنے ایک نبی کا بدن لیکن نبی کی بزرگی ایسی ماننی چاہیئے جس کا دشمن انکار نہ کرسکے اور ایسے ہی خدا کی قدرت کا اقرار۔ پس جھگڑا نہ چاہیئے جب مطلب حاصل ہوجاوے اور ایسے ہی کلام ہے عیسٰی کے اُٹھا لینے میں اور خدا تعالےٰ اپنے نبیوں کے حال کو خوب جانتا ہے اور ضرور تجھ کو یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہودیوں کے سرداروں کو یہ کرنے دیا اور اُن کو اُس پر قدرت دی جو اُنہوں نے کیا کہ ایک آدمی کو مارا اور اُس کو اَور سب بنی اسرائیل پر مشتبہ کیا اور دعویٰ کیا یہ عیسٰی ہی ہے۔ یہ سب کام حکمت الٰہی سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب کام عیسٰی کے پیروؤں کے لیئے باعث رحمت کا ہوا اور اِسی سے اُن یہودیوں میں جنہوں نے عیسٰی کو نہ مانا تھا فتنہ پھیلا ؎

# اخبار نور افشاں

مطبوعہ ۱۳۔ اگست ۱۸۷۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جب کسی مشرک کو مذہب اسلام کی دعوت کی جاتی ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ مذہب اسلام کے قبول کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ تو اُس سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تو جنت میں داخل ہوگا اور اِس وعدہ کو سُن کر وہ مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن دوسرے مشرک اُسے اِس طرح بہکاتے ہیں کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی اُن میں سے ایک ہی ہے اور بہتّر فی النار ہیں اور فرقہ ناجیہ کا بتحقیق معلوم ہونا نہایت دشوار ہے اور جس فرقہ میں تو جائیگا بہتّر فرقے اُس کے فی النار ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ بات سُن کے وہ شخص متحیّر ہو کے مسلمان ہونے سے باز رہتا ہے اور اشاعت و ترقیٔ اسلام میں نقصان ہوتا ہے اور ایسا اتفاق اکثر ہوا ہے کہ جب بعض بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت کی گئی اور وہ مذہب اسلام کی طرف متوجہ ہوئے تو مخالفوں نے اُن کو مضامین مذکورہ سُنا کے روک دیا یہاں تک کہ وہ مغالطہ میں آکے دوسری طرف متوجہ ہو گئے بلکہ اکثر عوام کو خواہ شیعہ ہوں اور خواہ سُنّی ہوں جب عیسائی یہ مغالطہ دیتے ہیں تو وہ بھی متحیّر ہو کے اسلام سے منحرف ہوتے اور مذہب عیسائی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے مذہب اسلام میں یوماً فیوماً تنزّل ہوتا ہے ترقی کا تو کیا ذکر ہے اُس کا قیام دشوار معلوم ہوتا ہے پس اِس وقت میں مشرکین و عوام اسلام کو کتنے مسائل بتا کے یہ وعدہ کیا جائے کہ اگر تم اِن پر قایم رہو گے تو ہر فرقہ اسلامیہ کے نزدیک ضرور نجات پاؤ گے کیونکہ جب تک ایسا وعدہ نہ کیا جائے گا تب تک مشرکین اسلام کو قبول کریں گے اور نہ عوام اپنے مذہب پر قایم رہیں گے اور اسلام کی ترقی رکی رہے گی بلکہ یوماً فیوماً کمی ہوگی۔ بینوا فتوجروا +

راقم

سید عبد اللہ الہ آبادی

# جواب از طرف ڈیٹر تہذیب الاخلاق

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے۔ یہ تو ایک موضوع روایت ہے جسکو اُس زمانہ کے لوگوں نے جبکہ مسلمانوں میں باہم مسائل فروعی میں اختلاف پڑا اپنی تائید کے لیئے بنا لی ہے اُس روایت کا موضوع ہونا روایتاً و درایتاً محققین کے نزدیک ثابت ہے سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے :-

من قال لا اله الا الله فدخل الجنة

محمد رسول الله اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے پس اسلام اسیقدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر یقین نجات کے لیئے کافی ہے +

عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم مفاتیح الجنة شہادة ان لا اله الا الله رواه احمد +

## مراسلات

میرے ہادی رہنمائے حقیقت مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب - ایک عرصہ سے جناب کی ہمدردی محبت آمیز دیکھکر دل سے ہزار ہزار بار یہی صدا اُٹھتی ہے مرحبا سید مرحبا جب آپکی بوڑھی عمر پر خیال آتا ہے اور آپ کی جوان کوششوں پر دھیان جاتا ہے - آپکی سچی محبت پر دل جمتا ہے - دل سے بے قصد یہ آواز آتی ہے - بجز آپ کے اس زمانہ میں کوئی اس لائق نہیں ہے جس کو ہادی حقیقت اور مخزن اسرار کا خطاب دیا جاوے - افسوس آپ کے نعرہ جاں سوز کی اُسوقت لوگوں کے کان میں آواز پہونچی جبکہ بہت نوجوان لوگ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھے (یہ واقعہ صرف موجودہ اسلام کی تاریکی سے ہوا) جو مسلمان طالب علم اپنے مذہب سے برگشتہ تھے آپکی پاک طبیعت نے اُن کے دل پر ایسا اثر اسلام کا کیا جو سنبھلکر پھولے نہیں سماتے - یعنی دنیا میں اُن کے لیئے وہ بندوبست کیا جس سے وہ مالامال اور شاداب ہیں - اور آخرت کے وہ نکتہ بتائے جو بے سبب دل پر اپنا نقش کر کے اُن کے چال چلن میں ایسا اثر کرتے ہیں جو بالکل ہادی اور رحمدل ہو جاتے ہیں اور خدا تو اس پیر مغاں کی

عمر ہزار برس کر۔ اب کچھ فرصت دیکھکر جناب سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جس پر مدت سے لوگوں کا مباحثہ ہو رہا ہے۔ یہ مباحثہ آپ تک پہونچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی تحقیق پر آپ کے دم بھرنے والوں کا دل تسلی ہو جاوے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کٹھ ملا کہتے ہیں کہ "ترکوں کی ہم لوگوں کو وضع اختیار کرنی نہیں چاہیئے کیونکہ وہ لوگ لامذہب ہیں وجہ لامذہب ہونے کی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی ڈاڑھیوں کو منڈاتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اسکو تہذیب میں بڑا دخل سمجھتے ہیں۔ اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان اور خدیو مصر وغیرہ بھی اس کے مرتکب ہیں"۔ اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ فعل دنیاوی باتوں سے تعلق رکھتا ہے یا دینی سے؟ اگر دینی سے ہے تو کیا کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے بعض اکابر کا جو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے تو اُن کی حجت قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ اگر یہ تحقیق تہذیب الاخلاق میں درج فرماویں تو اکثر ہمارا لوگ واقف ہو جاویں گے۔ زیادہ والسلام

از مقام روپڑ

مورخہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۷۶ء

## جواب از طرف سید احمد

اِس عنایت نامہ میں جو خیالات ظاہر کیئے ہیں اُس میں کئی غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ ڈاڑھی رکھنے یا منڈانے کو تہذیب میں کچھ دخل نہیں ہے بال جو انسان کے سر پر اور موُنھ پر خدا نے پیدا کیئے ہیں اگر انسان اُن کو ایک پریشانی اور ابتری کی حالت میں رہنے دے جیسے کہ بعض میلے کچیلے بے تمیز جنگلی جانوروں کے ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ پورا وحشیانہ پن ہے اور اگر اُن کو درستی اور خوبی سے رکھے تو وہ تہذیب و شایستگی کی علامت ہے اسی لیئے تمام مہذب قومیں بقدر اپنی تہذیب اور موافق اپنے خیالات کے بال بناتی ہیں و موافق اپنے مذاق تہذیب و خیالات کے اُن کو آراستہ کرتی ہیں مگر یہ خیال کہ ڈاڑھی منڈانا تہذیب میں داخل ہے ایک محض غلط خیال ہے۔

دوسرے ترکوں کی پیروی کو اس وجہ سے منع کرنا کہ وہ ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور اُس کو داخل تہذیب سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں ایک دوسری غلطی ہے کیونکہ اس دلیل کا نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اُس امر میں اُن کی پیروی نہ چاہیئے جو خلاف شرع ہو نہ یہ کہ دلیل

تو ہو خاص اور نتیجہ نکالا جاوے عام - ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد تسلیم کرنے اس امر کے کہ وہ کام خلاف شرع ہے اور پھر اس کی پیروی کی جاوے بلکہ جہاں تک بحث ہے وہ اس میں ہے کہ درحقیقت وہ کام خلاف شرع ہے یا نہیں - ترک شراب بھی پیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے اگر یہ امر سچ ہو تو جیسے ہمکو اُن کے اس کام کی پیروی کرنا برا ہے ویسے ہی صرف اس کام ناجائز کے سبب اُن کے اور عمدہ و مہذبانہ و مباح کاموں کی پیروی چھوڑنا بھی ویسا ہی بُرا ہے +

تیسری غلطی خیالات کی اس عنایت نامہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ کسی مہذب قوم کی پیروی کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے تمام کاموں کی بالحاظ اس بات کے اور غور کے کہ وہ فی نفسہ اچھے ہیں یا بُرے پیروی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو محض ایک غلط اور نہایت مضر خیال ہے ہمیشہ جس بات کو اختیار کیا جاوے اُس کی بھلائی اور بُرائی پر غور کرنی واجب ہے - جو عمدہ بات کسی قوم کی ہو اُسکو لینا اور بُری کو چھوڑنا واجب ہے ورنہ ایک گڑھے میں سے نکلنا اور دوسرے میں گرنا ہے +

آپ کو معلوم ہے کہ ہمکو مسند افتا کی گدی پر بیٹھنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو امر ہمکو مقصود ہیں اوّل یہ کہ مذہب اسلام پر جو جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں اور اُس کو مانع تہذیب و شایستگی و مخالف انسانیت و تمدن و حسن معاشرت قرار دیا گیا ہے اُن غلط الزاموں کی غلطی ٹھیٹ مذہب اسلام کی رُو سے ظاہر کردیں - دوسرے جو امر کہ خلاف تہذیب مسلمانوں میں مروج ہیں اُن کو دُور کریں پس ڈاڑھی جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا بشرطیکہ وحشیانہ پن سے نہ رکھی جاوے تہذیب کے برخلاف نہیں ہے چنانچہ ہزاروں - لاکھوں - کروڑوں اشخاص جو نہایت مہذب قوم کے ہیں ڈاڑھی رکھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بھی خوبصورت گورے رنگ کے چہروں پر بشرطیکہ گورا رنگ ہو کالی ڈاڑھی نہایت خوبصورت اور بھلی معلوم ہوتی ہے (ہاں جب سفید ہوجاوے تو مُنڈا لینے کے قابل ہوجاتی ہے بشرطیکہ مونھ کی جھریاں اور گالوں کے گڑھے اور مونھ کا پوپلا پن صورت کو بدنما نہ کردے) اس کے سوا مونھ کی رونق اور شجاعت و بہادری و رُعب اُس سے پایا جاتا ہے پس اُس کا رکھنا یا منڈانا ہماری بحث سے خارج ہے اور ہم اُس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قطعاً اُن مسایل سے جن کو مانع تہذیب نہیں سمجھتے بحث نہیں کرتے اگر ڈاڑھی منڈانی ناجایز ہو تو اُس سے ہمارا کچھ ہرج نہیں اگر جایز ہو تو ہمارا کچھ ہرج نہیں لیکن اگر ڈاڑھی کو ایک ٹٹی بنایا جاوے جس کی اوجھل شکار کھیلا جاوے تو اِس سے تو منڈانا ہی بہتر ہے +

اگر ڈاڑھی منڈانی ناجایز ہے تو بیچارے ترکوں پر کیا الزام ہے - ہندوستان کے بڑے بڑے مقدس مولوی صاحب جبہ و عمامہ بھی ڈاڑھی منڈاتے ہیں - اتنا فرق ہے کہ ترک تو ڈاڑھی منڈا کر فرشتوں کی سی صورت ہوجاتے ہیں اور یہ حضرت مقدسین ہیجڑے بن جاتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا اطلاق جیسا کل ڈاڑھی پر ہے ویسا ہی جزو ڈاڑھی پر ہے اگر ڈاڑھی کا منڈانا ناجائز ہے تو اُس کے جزو کا بھی ناجائز ہے - اگر کوئی شخص ایک طرف کی ڈاڑھی منڈا دے اور ایک طرف کی رہنے دے یا بیچ میں سے منڈا دے اور دونوں طرف کل بچے رہنے دے تو وہ بھی ایسی ہی ناجائز ہوگی جیسیکہ کل ڈاڑھی کا منڈانا - آپ حضرات مقدسین کو دیکھتے ہوں گے کہ ہر جمعہ کی صبح کو اشراق کی نماز کے بعد نائی حاضر ہوتا ہے اور اصلاح مبارک بنا تا ہے - اصلاح میں کیا ہوتا ہے کہ گالوں پر سے ڈاڑھی مونڈی جاتی ہے اور ایک قوسی خط میں قریب مدور کے کیجاتی ہے ہونٹ اور ٹھوڑی کے بیچ میں ایک بچکانی بنائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے مونڈی جاتی ہے - پھر حلقوم مبارک سے لیکر ٹھوڑی اور جبڑے کے قریب تک مونڈی جاتی ہے بعض مقدسوں کو اپنے پھولے پھولے مجرب گالوں کے کھولنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ریش مبارک صرف بطور ایک جھالو کے رہ جاتی ہے پس کیا یہ ڈاڑھی منڈانا نہیں ہے جو بیچارے ترکوں فرشتہ صورتوں پر طعن کیا جاتا ہے ◆

# قصص و احادیث تفاسیر

ہم اکثر اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ تفاسیر کے قصے اور تفسیروں کی حدیثیں لایق اعتماد کے نہیں ہیں اور اسی سبب سے ہم اُن کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں اور اُن پر جب تک کہ درایتاً اُنکی صحت نہ معلوم ہو اعتماد نہیں کرتے ◆

اِن دنوں میں ہمارے زمانہ کے مقدسین و متبحرین میں جھگڑا ہوا تھا ایک گروہ کا باستدلال اثر ابن عباس یہ اعتقاد تھا کہ زمینیں اوپر تلے سات ہیں اور ہر ایک پر ایسا ہی آسمان - چاند - سورج - ستارے ہیں اور ہر ایک زمین میں ایک ایک باوا آدم اور ایک ایک نبی آخرالزمان ہے پس صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی خاتم الانبیاء نہیں ہیں بلکہ چھ اور بھی ہیں - دوسرے گروہ مقدسین نے اُن کو کافر بتایا اور فتوی کفر دیئے گئے اُن کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی گئی آخر ہیاں تک

نوبت پہونچی کہ مکہ معظمہ کے علماء سے اُس میں فتویٰ پوچھا گیا اور وہ فتوے بطور ایک رسالہ کے مصر میں چھاپا گیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے ہمکو اُس بحث اور فتوے سے تو غرض نہیں مگر اُس میں دو مقدمے ہیں جن میں وہی مضامین نسبت قصص تفسیروں کے اور اُن کی حدیثوں کے لکھے ہیں جو ہم اُن کی نسبت لکھتے ہیں پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن دونوں مقدموں کو مع ترجمہ کے اس مقام پر لکھدیں تاکہ لوگ جانیں کہ ہمارے سوا اور بہت سے اکابر مکہ معظمہ بھی اُن قصص و حدیثوں کو لغو و نامعتبر سمجھتے ہیں ؛

# وھذہ ھی المقدمات

## المقدمۃ الثامنۃ

فی المغازی والملاحم والتفسیر توجد الروایات الکثیرۃ ونقل بعض المفسرین اکثر القصص والروایات عن الاسرائیلیات قال الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ فی اخر الباب الاول من کتاب الفضائل قال احمد بن حنبل ثلث کتاب لیس لہا اصل المغازی والملاحم والتفسیر قال الخطیب ھذا محمول علی کتب مخصوصۃ فی ھذہ المعانی الثلثۃ غیر معتمد علیہا لعدم عدالت ناقلیہا وزیادۃ القصص فیہا اما کتب التفسیر فمن اشہرہا الکتابان للکلبی ومقاتل بن سلیمان قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہا الی آخرہ کذب لا یحل النظر فیہ وقد حمل ھذا علی الاکثر (انتہی) ثم قال اقول لا شک ان کثیرا من کلام الصوفیۃ

## مقدمہ آٹھواں

مغازی اور ملاحم اور تفسیر میں بہت روایات پائی جاتی ہیں اور اکثر مفسرین نے بہت زیادہ قصے اور روایتیں یہودیوں سے نقل کی ہیں شوکانی نے فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ کی کتاب الفضائل کے باب اوّل کے آخر میں کہا ہے کہ کہا ہے امام احمد بن حنبل نے تین کتابیں ہیں جن کی کچھ اصل نہیں ہے مغازی اور ملاحم اور تفسیر خطیب نے یہ کہا ہے کہ اس سے چند خاص کتابیں مراد ہیں اس فن کی جن پر اعتماد نہیں ہے کہ اُن کے راوی عدل نہیں ہیں اور اُن میں قصے بڑھا دیئے ہیں اور تفسیر کی کتابوں سے بہت مشہور دو کتابیں کلبی کی اور مقاتل بن سلیمان کی ہیں کہا ہے احمد نے کہ تفسیر کلبی کے حق میں یہ کہا ہے کہ

على الكتاب العزيز هو بالتحريف اشبه منه بالتفسير بل غالب ذلك من جنس تفاسير الباطنة وتحريفاتهم ومن جملة التفاسير تفسير ابن عباس فانه مروي عن طريق الكذابين كالكلبي والسدي ومقاتل ذكر معنى ذلك السيوطي وقد سبقه الى معناه ابن تيمية ومن كان من المفسرين تنفق عليه الاحاديث الموضوعة كالثعلبي والواحدي والزمخشري فلا يحل الوثوق بما يرويه عن السلف من التفسير فانه اذا لم يفهم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفهم الكذب على غيره قال المحدث الدهلوي ولي الله رحمة الله في الفوز الكبير في اصول التفسير و دريجا باید دانست کہ قصص انبیائے سابقین در حدیث کم مذکور شده اند این قصص طویلہ عریضہ کہ مفسرین تصریح روایت آں میکنند ہمہ منقول از علماء اہل کتاب است الا ما شاء اللہ و در صحیح بخاری آمده مرفوعاً (لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم) انتهى كلامه بلفظه

ثم قال آنچہ محمد بن اسحاق و واقدی و کلبی دریں باب افراط کرده اند و در زیر ہر آیتے قصہ آورده اند نزدیک محدثین اکثر آں غیر صحیح است و در اسناد آں نظر است ٭

اول سے آخر تک جھوٹ ہے اُسکو دیکھنا بھی حلال نہیں ہے اور اُس کے یہ معنی کیئے گئے ہیں کہ اُن میں سے اکثر جھوٹ ہیں اور پھر کہا ہے کہ کہتا ہوں میں کہ کچھ شک نہیں ہے کہ صوفیہ نے جو تاویلات کلام اللہ میں کی ہیں وہ بھی بمنزلہ تحریف کے ہیں نہ تفسیر کے بلکہ اکثر وہ تفسیر ایسی ہیں جیسے فرقہ باطنیہ کی تفسیر اور تحریفات ہیں اور تفسیروں میں سے ایک تفسیر عبد اللہ بن عباس کی ہے کہ وہ منقول ہے جھوٹے راویوں کے ذریعہ سے جیسے کلبی اور سدی اور مقاتل سیوطی نے اس کے یہ معنی کہے ہیں اور اُس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہے تھے کہ مفسرین سے جو ایسا ہے کہ احادیث موضوعہ کو ذکر کرتا ہے جیسے ثعلبی اور واحدی اور زمخشری (جس کی تفسیر کشاف بہت مشہور ہے) وہ جو تفسیر سلف سے روایت کرے اس پر بھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ جب وہ رسول ہی کی طرف جھوٹی روایت کو نہیں سمجھتا تو اَوروں کی طرف کس طرح جھوٹ کو سمجھے گا۔ محدث دہلوی یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فوز کبیر میں جو اصول تفسیر میں کہا ہے کہ یہ جاننا چاہیئے کہ پچھلے نبیوں کے قصے حدیث میں بہت کم مذکور ہوئے ہیں یہ بڑے لمبے چوڑے قصے کہ مفسرین اُن کے لکھنے کی تکلیف اُٹھاتے ہیں یہ سب اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحیح بخاری میں بھی

یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب پس ان قصوں کی بھی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب ٭

اور پھر کہا ہے کہ محمد ابن اسحاق اور واقدی نے اس باب میں بہت زیادتی کی ہے اور ہر آیت کی ذیل میں قصہ بیان کیا ہے۔ محدثوں کے نزدیک اکثر وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی اسناد میں تامل ہے ٭

## المقدمة العاشرة

قال التفتازاني في شرح العقاید النسفیه ذیل شرح قول المصنف والاولی ان لا نقتصر علی عدد فی الایمان بالانبیاء (الخ) ان خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرایط المذکورة فی اصول الفقه لا یفید الا الظن ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادات خصوصاً اذا اشتمل علی اختلاف الروایات وکان بموجبه مما یفضی الی مخالفة ظاهر الکتاب وهو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیه السلام ویحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبی من غیر الانبیاء او غیر النبی من الانبیاء (انتهی کلامه بلفظه) وقال الخیالی فی حاشیة قوله علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرایط مثل العقل والضبط والعدالة والاسلام وعدم الطعن انتهی کلامه بلفظه٭

## دسواں مقدمہ

علامہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں مصنف کے اس قول کی ذیل میں کہ بہتر یہ ہے کہ نبیوں پر ایمان لانے میں کسی عدد خاص پر اکتفا نہ کرے کہ اس معاملہ میں جو حدیث آئی ہے وہ خبر احاد ہے اور وہ حدیث جسکا راوی حضرت سے ایک ہی ہو اگر اس میں وہ ساری شرایط بھی پائی جاویں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو اس سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور در باب اعتقاد کے ظن کا کچھ اعتبار نہیں اور خاص کر جبکہ اس میں اختلاف روایات کا ہو اور اس کے مطلب سے مخالفت ظاہر قرآن کی لازم آتی ہو اور وہ یہ ہے کہ بعض نبیوں کا ذکر حضرت سے نہیں کیا گیا اور نیز اس روایت میں احتمال مخالفت واقع کا بھی ہے کہ کوئی نبی غیر نبیوں میں نہ داخل ہو جاوے یا غیر نبی نبیوں میں شمار ہو جاوے ٭

اور خیالی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ وہ شرایط جو حدیث میں معتبر ہیں یہ ہیں عقل اور

حافظہ کا درست ہونا اور عادل ہونا اور اسلام اور اُس میں کسی نے طعن کیا ہو۔

## خاتمہ پر اِن لوگوں کی مُہریں ہیں

عبدالرحمن بن عبداللہ سراج الحنفی مفتی بمکۃ المکرمۃ۔

رحمت اللہ یہ ہندوستان کے معروف و مشہور مولوی رحمت اللہ صاحب ہیں۔

احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ بمکۃ المحمیہ۔

محمد بن عبداللہ بن حمید مفتی الحنابلہ بمکۃ المشرفہ۔

حسین بن ابراہیم مفتی المالکیہ بلید اللہ المحمیہ۔

ابراہیم بن محمد سعید۔

السید محمد الکتبی الحنفی الخطیب والامام والمدرس بالمسجد الحرام۔

محمد الحسینی الطندتائی الحنفی بالازہر۔

عبد القادر الدنیشانی الحنفی بالازہر۔

محمد سالم العباسی العابدی الشافعی بالازہر۔

محمد مطاع الشجیعی الشافعی الحسنی بالازہر۔

السید محمد الطیب الشافعی بالازہر۔

علی بن قاسم بن العباس الیمنی احد مجاورین الازہر۔

محمد صادق مدراسی الحنفی القادری۔

## خطبہ میں بادشاہ کا نام

چند روز ہوئے کہ ہمنے پاینیر میں نسبت خطبہ جمعہ کے ایک تحریر دیکھی تھی جس میں بعض خطبوں کا ترجمہ بھی تھا جو کا خطبہ ہو یا عیدین کا مسلمانوں کے مذہب کے بموجب اُس میں صرف خدا کی تعریف اور مسلمانوں کو نیکی اختیار کرنے کی نصیحت ہونی چاہیئے۔ خطبہ کی کوئی عبارت مذہباً معین نہیں ہے بلکہ خطیب خود اپنے علم و استعداد و لیاقت کے موافق خطبہ پڑھتا ہے یا اَور لوگوں نے جو خطبے کہے ہیں اور جو چھپے ہوئے یا قلمی لوگوں کے پاس ہوتے ہیں اُن میں سے

کوئی خطبہ پڑھ دیتا ہے۔ خطبہ کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے عیسائیوں میں سرمن مگر پاینیر میں اس بات کی کافی بحث نہیں کی گئی تھی کہ آیا خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کی رو سے جائز ہے یا نہیں اور اسی بحث کو ہم اپنے اس آرٹکل میں لکھنا چاہتے ہیں ؛

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کہ صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور اُس کے سبب سے باہمی نزاع قایم ہو گئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب و شتم کا رواج ہو چلا تھا۔ اُس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین کا نام لیئے جانے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ سب واجب التعظیم اور قابل ادب ہیں اور فقہا نے اسکو مندوب یعنی اچھا قرار دیا اُس کے بعد بخوبی تحقیق نہیں ہوتا کہ کس خلیفہ سے جو حقیقت میں بادشاہ تھے اُن کا نام خطبہ میں لینا شروع ہوا تاریخ الخلفاء سیوطی سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸ ہجری مطابق ۸۱۳ء کے محمد امین کی خلافت میں اُس کا نام مع اُس کے لقب کے جس میں فخریہ الفاظ تھے خطبہ میں لیا گیا اور امیر المومنین کا لقب تحریرات میں لکھا گیا چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ علی بن محمد نوفلی نے اور اُس کے سوا اَور لوگوں نے کہا ہے کہ سفاح اور منصور اور مہدی اور ہادی اور رشید کے لیئے ممبروں پر اور اُس کی تعریف کر کے دُعا نہیں کی گئی اور نہ ان کے فرمانوں میں کچھ فخریہ لفظ لکھے گئے مگر جبکہ امین خلیفہ ہوا تو اُس کے لیئے ممبر پر امیر کہہ کر دعا کی گئی اور اُس کی طرف سے فرمانوں میں لکھا گیا عبداللہ محمد الامین امیر المومنین اور عسکری نے بھی اوایل میں لکھا ہے کہ سب سے اول امین کے لیئے ممبروں پر اُس کا لقب لیکر دُعا کی گئی ؛

> وقال علي بن محمد النوفلي وغيره لم يدع للسفاح ولا للمنصور ولا للمهدي ولا للهادي ولا للرشيد علي المنابر بأوصافهم ولا كتب في كتبهم حتى ولي الامين فدعي له بالامير علي المنابر وكتب عنه من عبدالله محمد الامين امير المومنين وكذا قال العسكري في الاوايل اول من دعي له بلقبه على المنابر الامين ؛

مگر اب ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ فقہا کی جن کی رائے و اجتہاد پر مذہب اسلام کا مدار رہ گیا ہے

کیا رائے ہے۔ دُر مختار میں جو نہایت معتبر فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ہے لکھا ہے کہ خطبہ
میں بادشاہ کے لیئے دُعا کرنا کوئی مذہبی ثواب کا کام نہیں ہے صرف قہستانی نے لکھا ہے کہ
بادشاہ کا نام لینا کچھ مضایقہ نہیں۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ بادشاہ کا نام لینا ثواب نہیں
ہے اس لیئے کہ یہ امر محدث یعنی بدعت ہے۔ خطبہ میں صرف نصیحت ہونی چاہیئے ٭

چنانچہ دُر مختار اور اُس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ثواب ہے ذکر کرنا خلفائے اربع راشدین
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں
چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا اور ثواب
نہیں ہے بادشاہ وقت کے لیئے دُعا کرنا (رواج
ہو کہ اسی دُعا کے ساتھ بادشاہ کا نام بھی لیا جاتا
ہے) مگر قہستانی نے اُسکو جایز لکھا ہے یہ مضمون
تو دُر مختار میں ہے اور در مختار کے حاشیہ میں
جس کا نام رد المحتار ہے یہ لکھا ہے کہ قہستانی
کی یہ عبارت ہے کہ خلفائے اربع اور عمین مکرمین
کے نام کے بعد بادشاہ وقت کے لیئے دُعا
کیجاوے کہ وہ عدل اور بھلائی کرے مگر اُسکی
ایسی تعریف کرنے سے پرہیز کیا جاوے جسکو
عالموں نے کفر و گمراہی کہا ہے چنانچہ یہ مطلب
ترغیب میں اور اَور کتابوں میں لکھا ہے دُر مختار
کے مصنف نے جو لفظ جایز قہستانی کی طرف منسوب
کیا ہے اور ثواب ہونے کو منسوب نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ ثواب فعال میں ایک حکم شرعی
ہے جس کے لیئے کسی دلیل شرعی کا ہونا ضرور ہے (اور بادشاہ کے نام لینے اور اُس کے لیئے دُعا
کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں) اور بحر الرائق میں مذکور ہے کہ بہتر نہیں ہے بادشاہ کا نام لینا اور
اُس کے لیئے دُعا کرنا کیونکہ عطا ابن یسار تابعی سے روایت ہے کہ جب اُن سے اُس کی نسبت
پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ نئی بات نکالی ہوئی ہے خطبہ میں تو صرف نصیحت ہوا کرتی تھی ٭
اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لیئے دُعا کرنا کوئی

> ومندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين
> لا الدعاء للسلطان وجوزه القهستاني كذا في
> الدر المختار۔ قوله وجوزه القهستاني الخ عبارته
> ويدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان
> متجنبا في مدحه عما قالوا انه كفر وخسران كما
> في الترغيب وغيره الخ واشار الشارح بقوله و
> جوزه الى حمل قوله ثم يدعو الخ على الجواز لا الندب
> لانه حكم شرعي لابد له من دليل وقد قال
> في البحر انه لا يستحب لما روي عن عطاء
> حين سئل عن ذالك فقال انه محدث
> وانما كانت الخطبة تذكيرا كذا في
> رد المحتار حاشيه الدر المختار ٭

مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مذہب کی رُو سے بدعت و محدث ہے ولله در من قال کل محدث (ای فی الدین) بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ ◆

جس طرح کہ خلفائے بغداد اپنے فخر و شیخی کے لیئے خطبوں میں اپنا نام لواتے تھے اسی طرح ہندوستان کے بادشاہ بھی اپنا نام خطبوں میں لواتے تھے مگر مذہب کے بالکل برخلاف تھا ہمنے بھی اکبر شاہ و بہادر شاہ کا نام باوجودیکہ کچھ بھی بادشاہت اُن کی باقی نہیں رہی تھی۔ دلی کی مسجدوں کے خطبوں میں اور بیرونجات کی بھی بہت سی مسجدوں میں لیا جاتا سُنا ہے مگر ہندوستان کی بہت سی مسجدیں ایسی بھی تھیں کہ شاہ عالم کے بعد اُن میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا اسلیئے کہ اکبر شاہ و بہادر شاہ کو خطبہ میں بادشاہ کے نام سے ملقب کرنا وہ جھوٹ سمجھتے تھے اور خطبہ میں اسکا استعمال کرنا جھوٹ کا استعمال کرنا جانتے تھے ◆

شاہ عالم کے بعد جن مسجدوں میں اکبر شاہ و بہادر شاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا وہ دو قسم کی ہوگئی تھیں جو لوگ کہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان بادشاہ کا نام لینا چاہیئے گو وہ کہیں کا بادشاہ ہو اُنھوں نے تو سلطان روم کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور شاید بمبئی کلکتہ اور ایسے ہی دُور دراز کے شہروں میں اُس کا رواج ہوا مگر اکثر مسجدوں میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ اَور باقی مسجدوں میں مسلمانوں کے حق میں صرف یہ دُعا ہوتی تھی کہ "اللھم اید المسلمین بالسلطان العادل (بعض جگہ سُلطان کے لفظ کے بدلے امام کا لفظ کہا جاتا ہے) والخیر والطاعۃ واتباع سنن سید الموجودات یعنی اے خدا مسلمانوں کی مدد کر بادشاہ عادل کی حکومت سے اور اُن کی مدد کر بھلائی کرنے سے اور خدا کی فرماں برداری اور رسول کی پیروی کرنے سے جو تمام موجودات کے سردار ہیں" یہی دُعا ہندوستان کی اکثر مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے۔ پس جو بادشاہ ہمپر عدل و انصاف سے حکومت کرے ہمارے مذہبی فرائض میں دست اندازی نہ کرے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے۔ ہمارے حقوق ہمکو عطا کرے وہ بھی اُس دُعا میں داخل ہے۔ یہ دُعا در حقیقت کسی بادشاہ کے لیئے نہیں ہے بلکہ عام مُسلمانوں کی بھلائی کے لیئے ہے پس یہ خیال کہ کسی بادشاہ کا خطبہ میں نام لینا کسی مذہبی مسئلہ پر مبنی ہے اور مُسلمانوں کو اُس بادشاہ کے مذہب کی رُو سے کوئی مذہبی اطاعت واجب ہے صحیح نہیں ہے ◆

# شیخ الاسلام

شیخ الاسلام کا عہدہ سلطنت ٹرکی میں درحقیقت ایک بہت بڑا معزز عہدہ ہے شیخ الاسلام بحیثیت اپنے عہدہ کے اُس کونسل خاص کا ممبر بھی ہے جس کا پریسیڈنٹ وزیر اعظم ٹرکی ہوتا ہے اور جس کو مجلس باب العالی کہتے ہیں ✤

یہ عہدہ ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو بہت بڑا عالم اور حنفی مذہب ہو اور مسایل فقہ حنفی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اُسکو کوئی ایسا حق یا اختیار نہیں ہے کہ کوئی جدید حکم مثل حکم شرع کے جاری کر سکے یا اُن حکموں میں سے جو شرع میں ہیں کوئی حکم منسوخ یا ترمیم کر سکے بلکہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آویں اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ حنفی کا حکم کیا ہے یا جن احکام کا اجرا منظور ہو اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ کے مطابق ہیں یا نہیں اگرچہ اُس کو پہلے تو بہت زیادہ اختیار تھا مگر اب بھی کسی قدر اختیار رکھتا ہے کہ جن احکام کو خلاف شرع سمجھے اُن کے عدم اجرا میں بحث و کوشش کرے ✤

اِن اسباب سے شیخ الاسلام کو گویا تمام امور کلی و جزوی سلطنت میں ایک گونہ مداخلت ہوتی ہے مثلاً جب وزیروں نے سلطان عبد العزیز یا سلطان مراد کا معزول کرنا مناسب سمجھا تو اُس میں شیخ الاسلام کا اتفاق ضرور تھا اور اُس سے ایک فتوے لیا گیا کہ سلطان عبد العزیز یا سلطان مراد لایق بادشاہت نہیں رہا اُس کا عزل کرنا احکام شریعت کے موافق درست ہے۔ جب دوسرا بادشاہ اُس کی جگہ قایم کیا گیا تو شیخ الاسلام سے اُس کا استحقاق بادشاہت تسلیم کرانا ہوا ✤

چونکہ مسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقاید مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات ملکی سب کا تقلیداً بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیئے (جو نا واجب تقلید اصلی باعث اُن تمام خرابیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں) اس سبب سے ہر ایک امر متعلق انتظام سلطنت میں شیخ الاسلام کو مداخلت ہے۔ زمین پر مالگذاری مقرر کرنے۔ ٹیکس یا جزیہ لگانے۔ تجارتی احکام جاری کرنے۔ ملکی قانون جاری کرنے۔ عدالتوں کے تقرر کرنے۔ عدالتوں کی کارروائی کے ضوابط مقرر کرنے۔ انفصال حقوق کے اصول میں۔ جنگی معاملات میں۔ غیر سلطنتوں سے صلح کا

کرنے میں۔ فوج کے آراستہ کرنے میں۔ یہاں تک کہ فوج کی وردی وہتیار اور قواعد کے طریقہ میں بھی اُسکو مداخلت ہوتی تھی +

مسلمانوں کا گو وہ کسی مُلک کے ہوں یہ خیال نہیں ہے کہ شیخ الاسلام کی روح میں کوئی ایسی بات ہے جس کا حُکم ماننا ضرور ہے جیسیکہ رومن کیتھلک عیسائیوں کا پوپ کی نسبت خیال ہے بلکہ وہ اُس کے حکم کو اِس خیال سے واجب التعمیل سمجھتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور جو وہ حکم دیتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہ فقہ و شریعت کے مطابق ہے جس کی پیروی مسلمان مذہباً ضرور سمجھتے ہیں +

اگلے زمانہ میں جبکہ ترکوں میں جہالت اور نا تہذیبی زیادہ تھی اُس وقت تک شیخ الاسلام کو ان تمام باتوں میں پوپ کی مانند بہت بڑا کامل اختیار تھا مگر رفتہ رفتہ بہت سی باتوں میں کم ہوتا گیا اور سلطان محمود کے وقت سے اُس کے اختیاروں میں بہت کمی ہو گئی اب تو شیخ الاسلام صرف شیر کی کھال رہ گئے ہیں جو باتیں بطور فتویٰ شریعت لوگوں میں مشہور کرنی ہوتی ہیں جیسے حال میں اشتہار جہاد یا اعلام نامہ عدم زیادتی نسبت عیسائیان مشتہر کیا گیا ہے وہ شیخ الاسلام کی معرفت ہوتا ہے عدالتوں میں ابھی اُسکو مداخلت ہے گو پہلے کی نسبت کسیقدر کم ہو +

ایک زمانہ وہ تھا کہ شیخ الاسلام کا تبدیل کرنا ترکوں کے لیئے کچھ آسان کام نہ تھا وہ جھٹ سلطان کے کافر یا عیسائی ہو جانے کا فتویٰ دیدیتا تھا اور لوگوں میں بغاوت پھیلانی شروع کرتا تھا مگر دیکھو اب کسقدر زمانہ بدل گیا ہے کہ ہم دوشنبہ کی تاربرقی سے پاتے ہیں کہ شیخ الاسلام مثل ایک نوکر کے موقوف کر دیا گیا اور دوسرا شیخ الاسلام اُسکی جگہ مقرر ہو گیا۔ ہمارے یورپین ہمعصر مُسلمانی مذہب کے اصولوں سے بخوبی واقفیت نہیں رکھتے اِس لیئے وہ شیخ الاسلام کی نسبت معلوم نہیں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ پایونیر لکھتا ہے کہ تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہمنے اشتہار جہاد کی نسبت مباحثہ کیا تھا یہ اشتہار اُس شیخ الاسلام نے مشتہر کیا تھا جو اب اُس معزز عُہدے سے موقوف ہو گیا ہے اور ہمنے بھروسہ کر کے اس امر کا یقین کر لیا تھا کہ برٹش انڈیا کے مُسلمانوں کے دلوں پر اُس فتویٰ جہاد سے کچھ اثر نہو گا گو اُن لوگوں کی ہمدردی ترکوں کے واسطے کیسی ہی کیوں نہ ہو علےٰ ہذا القیاس شیخ الاسلام کی برطرفی ایک ایسی بات ہے جس کا اثر قسطنطنیہ پر ہو مگر قیصر ہند کی مسلمان رعایا پر شمہ بھر بھی اُس کا کچھ اثر نہ ہو گا" +

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ الاسلام مُسلمانی مذہب کے مطابق کوئی چیز نہیں ہے کوئی

شخص خواہ نخواہ اُس کا حکم ماننے پر مجبور نہیں ہے جو شخص کہ اُس کا حکم نہ مانے اُسکے ایمان میں اُس کے مذہب میں کسی قسم کا نقصان نہیں آ سکتا نہ کوئی گناہ اُس پر ہوتا ہے۔ یہ عُہدہ کوئی مذہبی عہدہ نہیں ہے جیسے کہ پوپ کا عُہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ شیخ الاسلام کے احکام پر غور کرے اگر اُس کے نزدیک وہ حکم غلط ہو اُس کو رد کر دے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کا حکم اُن پر واجب التعمیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ٹرکی کے مُسلمانوں کی حالت سے از روئے احکام مذہب اسلام کے بالکل مختلف ہے ہندوستان کے مُسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں اور اُس کے امن میں رہتے ہیں۔ برخلاف اسکے ٹرکی کے مُسلمان ایسے نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیئے احکام مذہبی مختلف ہیں شیخ الاسلام کا کوئی حکم ہندوستان کے مُسلمانوں سے مذہباً متعلق نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے مُسلمانوں کا مذہباً یہ فرض ہے کہ اپنے بادشاہ کی جس کی وہ رعیت ہیں اور جس کی امن میں مذہبی آزادی سے وہ بسر کرتے ہیں ہمیشہ اُس کے تابع رہیں گو وہ ترکوں کے ساتھ کیسی ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور گو ٹرکی میں اور خود قسطنطنیہ میں کُچھ ہی ہوا کرے۔ فرض کرو کہ اگر خود انگلش گورنمنٹ بجائے روس کے ہوتی اور ترکوں کا مُلک بظلم چھین لینا چاہتی اور گو اس بات سے کیسا ہی رنج و غم اور غصہ اور آزردگی ہندوستان کے مُسلمانوں کو ہوتی اُس پر بھی مذہب کی رُو سے ہندوستان کے مُسلمانوں کو ہندوستان میں جہاں اُن کو امن اور مذہبی آزادی ہے بجز انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت کے اور کچھ چارہ نہیں پس ہم اپنے یوروپین دوستوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ٹرکی میں کچھ ہی انقلاب ہوا کریں اور کچھ ہی احکام جاری ہوا کریں اُن کا اثر ہندوستان میں مذہب کی رو سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو امور خلاف مراد ٹرکی ہوتے ہیں اُن سے ہندوستان کے مسلمانوں کو از حد رنج و غم و غصہ ہوتا ہے۔ مخالفان ٹرکی سے از حد ناراض ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات کہ مسلمان سلطان کو ایک مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور اس لیئے اُسکی ہمدردی کرتے ہیں ایک لغو و مہمل بات ہے بلکہ یہ ہمدردی ایک قدرتی طبعی بات ہے اور تعلیم سے اور اخبارات سے اور سفر کی آسانی سے جو اس زمانہ میں حاصل ہے اور جس کے سبب سے سلطنت ٹرکی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی ہے اُس ہمدردی کو بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے ✦

# مِلک یمین

اِن دنوں میں تمام دُنیا کے مُسلمانوں میں روم وروس کی لڑائی کا چرچا ہے۔ لڑائیاں تو آپس میں
بادشاہوں کے ہوا ہی کرتی ہیں اور چرچا بھی لڑائیوں کا ہوا ہی کرتا ہے مگر جو رنج وغم مسلمانوں
کا ہے وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کے اُن ظلموں کا ہے جو اُنھوں نے مُسلمانوں پر کیئے
ہیں۔ سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار ڈالا اور نہایت بے رحمیوں سے مارا۔ بڈھوں
اور بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جن عورتوں کی گود میں شیرخوارہ بچے تھے اُن کو بھی قتل کیا اور
اُن شیرخوارہ بچوں کو زندہ انہی لاشوں میں ڈال دیا کر رو رو کر۔ چلا چلا کر اور جانوروں کے نچوں سے
زخمی ہوکر سِسک سِسک کر مر گئے۔ یہ واقعات اگرچہ بیحد غم دلانے والے ہیں مگر چنداں
رنج میں ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ اِن سب کا آخری نتیجہ موت تھی۔ پس مرنے سے کیا
ڈرنا وہ کسی نہ کسی طرح آگئی تکلیف اُٹھاکر جان گئی یا آسانی سے جان نکل گئی مگر سب سے زیادہ
رنج اور غصہ اور غیرت اور کاہش طبع جو مُسلمانوں کو ہے وہ روسیوں کی اور بلگیریا والوں کی
اُس نالائق حرکت سے ہے جو اُنھوں نے کنواری لڑکیوں۔ بیاہی عورتوں۔ بانجھی بیواؤں سے
بطور مِلک یمین کے کیا مقام پیرا سے جو تار برقی آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ "ہر ایک سمت سے
لوگ بھاگ بھاگ کر اُن مقاموں کو آتے ہیں جہاں پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور مرد اور عورت
بلکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے قتل کی ایسی خبریں اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کو سُن کر کلیجا پھٹ جاتا
ہے روسی سپاہی مسلمانوں کی جورؤں اور کنواری لڑکیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو خراب کرتے
ہیں اس طرح پر سینکڑوں عورتیں خراب کی گئیں" پس یہ واقعہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو رنج
دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اِس پچھلی حرکت کو نہایت وحشیانہ و نالائق حرکت خیال کرتے ہیں
اُس وحشی انسان پر غور کرنا چاہیئے جس نے ایسی عورت کو پکڑ لیا ہو جس کا بیٹا میدان میں مقتول
پڑا ہے اور جس کا خصم زخمی تڑپ رہا ہے اور وہ رو رہی ہے اور چلا رہی ہے اور یہ اُسکو چھپا کر
اُس کے ساتھ درخت کے نیچے یا اپنے تمبو کے تلے وہ وحشیانہ حرکت کرتا ہے جسکو بیان کرتے
ہوئے شرم آتی ہے۔ کافر سے کافر کیوں نہو ہمکو یقین ہے کہ وہ روسیوں اور بلگیریا والوں کی
اِس حرکت پر اُن کو لعنت و نفرین کرتا ہوگا۔ کیسے سے کیسا ہی متعصب مُسلمان ہو وہ بھی اِن کتوں
کو اپنے بارے میں وحشیانہ حرکت سمجھتا ہوگا۔ ہم نے سُنا ہے کہ کافروں نے بھی اس امر کو ناپسند کیا ہے

اور چند عیسائی سلطنتوں نے ان ظلموں کی بابت روسیوں سے کیفیت طلب کی ہے مگر ہمکو بڑا خوف ہے کہ کہیں نور الآفاق کے پچھلے پرچے جن میں ہمارے شفیق مولوی محمد علی صاحب نے ہمارے رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامتہ والغلام کا جواب لکھا ہے اور کہیں ہمارے مخدوم ومکرم مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالے جن میں اُنھوں نے ایسی حرکات کو مذہب اسلام میں جایز قرار دیا ہے روسیوں کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں اور وہ اُن کو اپنی برأت کی دلیل میں پیش نہ کریں اور جواب دیں کہ یہ باتیں کچھ وحشیانہ پن کی نہیں ہیں جن لوگوں کے ساتھ ہمنے کیا ہے وہ اپنے مذہب کی رُو سے اور اپنے خدا کے حکم کے بموجب دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی حرکتیں کرنی جایز سمجھتے ہیں اور نعوذ باللہ اپنے بزرگوں کی نسبت ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔ پھر ہم ان افعال میں کیوں مجرم ہیں ہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ ہمپر ہے مگر تصرف علی ملک الیمین کی نسبت جواب پوچھنا بیجا ہے۔ ہمکو نہایت رنج وافسوس ہے مسلمانوں کی ایسی جاہلانہ باتوں پر جو اسلام کو ایسی بد باتوں سے داغدار کرتے ہیں اور جو باتیں اسلام میں نہیں ہیں صرف اپنی ہوائے نفسانی سے اُس میں داخل کرتے ہیں جس ہندوستان کے مسلمان کو ہمارے مسلہ حریت اساری میں شبہ ہو اُسکو جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالوں کو پڑھنا ضرور نہیں ہے وہ سید عالمگیریا میں چلا جاوے اور جو زیادتیاں عورتوں اور کنواری لڑکیوں پر ہوتی ہیں اُن کو دیکھے اور فیصلہ کرے کہ ایسی حرکتوں کا کسی مذہب میں بھی ہونا جائز ہوسکتا ہے افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جو ایسی باتیں مذہب اسلام میں جائز بتاتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس ہے مسلمانوں کی اس حالت پر کہ ایسوں کو تو مقدس مسلمان تصور کرتے ہیں اور جو کوئی مذہب اسلام کو ان نجس باتوں سے پاک بتاوے اور ثابت کرے کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے اور نہ مذہب اسلام میں جائز ہے بلکہ مذہب اسلام اس عیب سے پاک ہے اُس کو کافر و ملحد و کرشان و نیچریہ بناتے ہیں وسیعلمون من هو اشد ظلما وکفراً ٭

# مہدی آخر الزمان

اُن غلط قصوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزمان کے

پیدا ہونے کا ہے - اس قصہ کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں بھی مذکور ہیں مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں جب کہ ایک محقق کیا باعتبار واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبار اُن کے راویوں کے اُن پر غور کرتا ہے تو اُن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی - چنانچہ ہم اُن حدیثوں کو اوّل تو تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور اُن کا وضعی ہونا دکھلاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقہ پر اُن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلاویں گے جس سے ثابت ہو جاویگا کہ مہدی آخرالزمان کی بشارت کوئی اصلی بشارت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ کے لوگوں کی صرف ایک حکمت عملی اور خلافت ہاتھ آجانے کی تدبیروں میں سے ایک تدبیر تھی اور اُن سے کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود نہیں تھی ❊

جب کہ خلفائے اربع کی خلافت ختم ہو گئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلع خلافت کیا اور مستقل خلافت خاندان بنی اُمیہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے پھر خلافت حاصل کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا - اُسی حالت میں واقع کربلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل بنی اُمیہ کی طرف سے متنفر اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا ❊

مگر جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمد یعنی آں حضرت صلعم کا کنبہ سمجھتے تھے - بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلنے کا مگر ہم چلا لینگے چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اُس وقت بنی فاطمہ کے دل میں بھی اُس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا ترجمہ تاریخ طبری میں مندرج ہے کہ انگاہ یعنی (بزمانہ تحریک خراسان برخلافت بنی عباس) طمع افتاد بنی ہاشم را اندر خلافت و فضل ابن عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بیتے چند گفت و عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما داد و اورا تحریص کرد بر طلب ولایت و ابوالحسن گفت کہ با عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب و علی بن عبداللہ بن العباس ہمی رفتیم داؤد بن علی فراز نزدیک عبداللہ بن حسن شد و گفت اگر تو فرمودی پسران خویش را محمد و ابراہیم تا اندر آمدندے فردا و حرب کردندے نیک بودے کہ دولت بنی اُمیہ اندر شوریدہ بینی کہ خبر آمد کہ خراسان چنین

بھی آید و تباہ شدہ است و عبداللہ بن الحسن گفت ہنوز آں ہنگام نیست کہ مارا باید آمدن عبداللہ بن علی گفت یا ابا محمد شمارا بر بنی اُمیہ ظفر نباشد ظفر مارا بود و منم کہ ایشاں را بکشم و کار را بایشاں بستانم و ماذالک علی اللہ بعزیز پس عبداللہ بن الحسن خاموش شد و چیزے نگفت (ورق ۴۹۰ صفحہ ۲)

العباس
عبداللہ
علی
محمد
ابراہیم — عبداللہ السفاح — منصور

علی
الحسین — الحسن

الحسین
زین العابدین علی
زید شہید صلب بکناسہ فی عہد ہشام بن عبدالملک

الحسن
حسن
عبداللہ
محمد المعروف بالنفس الزکیہ لقب بالمہدی
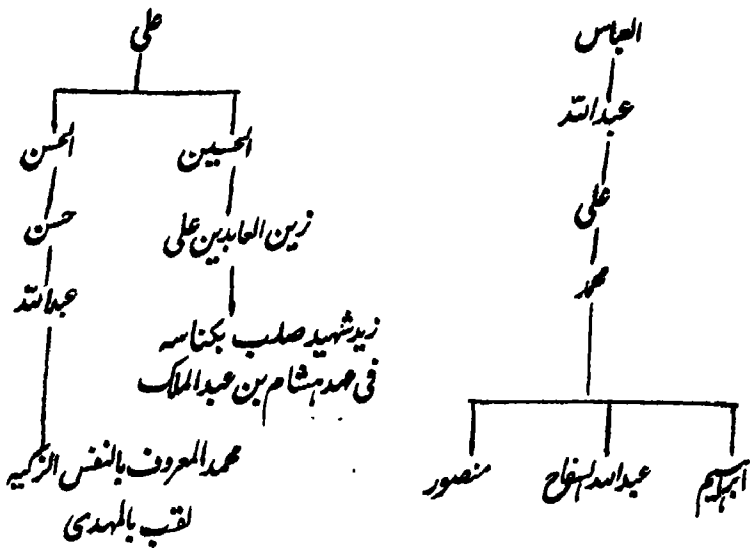
غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی اُمیہ میں جبکہ اُن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہو گیا تھا اور اُن کے ظلم و تعدی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں اور ترغیبیں خلافت حاصل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفشار میں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے ایک گروہ تو خلفائے بنی اُمیہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو عبداللہ بن زبیر کی خلافت پر مائل تھا جنہوں نے مکہ معظمہ میں دعویٰ خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیریں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی اُمیہ والے گروہ کو تو بجز اسکے کہ وہ اُن کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں سے لڑیں اور اُن کو قتل و برباد کریں اور کوئی کام نہ تھا مگر تین فریق جو باقی رہے اُن کی تدبیریں البتہ غور کے قابل ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کارروائی کا موقع نہیں ملا مگر بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں۔ سب سے بڑی بہم

یہ تھی کہ اُن کی طرف سے لوگ دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو بنی امیہ سے برخلاف اور اُن کی خلافت پر مایل کرتے تھے اور سب سے بڑا ذریعہ لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا اُن وضعی حدیثوں کا پھیلانا اور لوگوں کو سنانا تھا جن سے اُن لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار اُن حدیثوں کو بناتے تھے بطور پیشین گوئی کے تقویت ملتی تھی - وہ ان پیشین گوئیوں میں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہئے اُنھوں نے لفظ مہدی کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنیوالا پیدا ہوگا جس کی اطاعت سب کو چاہئیے اور ان حدیثوں میں اُس مہدی کی ایسی نشانیاں بتاتے تھے جو اُن لوگوں پر صادق آتی تھیں جو وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے چنانچہ یہ امر اُن واقعات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے ٭

عبداللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا جبکہ سنہ ۶۰ ہجری میں مطابق سنہ ۶۸۰ ع کے یزید تخت پر بیٹھا اور واقعہ کربلا بھی ہو چکا تو اہل حجاز اُس کی بدکاریوں سے نہایت ناراض تھے - عبداللہ بن زبیر نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے لوگ اُن کی طرف مایل تھے پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن و بصرہ کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی یزید نے اُن سب ملکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر فوج بھیجی - وہ مکہ میں محصور ہوگئے اور لڑائی ہوئی مگر یزید کے مرجانے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی ٭

یزید کے بعد معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا - مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور سنہ ۶۴ ہجری مطابق سنہ ۶۸۴ عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا اُس نے اپنے وزیر حجاج کو مع فوج کثیر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ پر روانہ کیا عبداللہ پکڑے گئے اور سنہ ۷۳ ہجری مطابق سنہ ۶۹۲ ع کے اُن کو سُولی دیکر مار ڈالا ٭

یہ فوج کشی جو دوسری مرتبہ ہوئی نہایت سخت تھی اور اِس غرض سے کہ لوگ عبداللہ بن زبیر کی مدد کریں اُن لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لیئے حدیثیں بنالیں اُنہی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو ابوداؤد نے ام سلمہ سے روایت کی ہے جس میں

۱ - (قتادہ) عن ام سلمۃ عن النبی صلعم

قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من اهل المدينة هاربا الى مكة فياتيه ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث من الشام فيخسف بهم بالبيداء بين مكة والمدينة فاذا راي الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه ثم ينشاء رجل من قريش اخواله كلب فيبعث اليهم بعثا فيظهرون عليهم ذلك بعث كلب والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب فيقسم المال ويعمل في الناس لسنة نبيهم صلعم ويلقي الاسلام بجرانه الى الارض فيلبث سبع سنين (تسع سنين) ثم يتوفى ويصلي عليه المسلمون ۔

ابو داؤد صفحہ ۲۳۳

قتادہ بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ام سلمہ نے آنحضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ ایک خلیفہ کے مرنے پر اختلاف واقع ہوگا پھر ایک شخص مدینہ میں سے بھاگ کر مکہ میں آوے گا پھر اُس کے پاس مکہ کے لوگ آویں گے اور اُسکو خلیفہ بنانے کے لیئے نکالینگے اور وہ خلیفہ ہونیکو ناپسند کریگا پھر لوگ اُس سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ میں بیعت کرینگے پھر شام سے اُسپر لشکر چڑھ کر آویگا پھر وہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان کے میدان میں دھنس جاویگا جب لوگ یہ بات دیکھینگے تو شام کے ابدال یعنی بزرگ لوگ اور عراق کے لشکر اس کے پاس چلے آوینگے اور اُس سے بیعت کرینگے پھر ایک شخص قریش میں سے جس کی قوم بنی کلب رشتہ میں ماموں ناد ہوگی اُٹھے گا اور ایک لشکر اُن پر بھیجے گا اور وہ اُن پر فتح پاویں گے اور یہ لشکر قوم کلب کا ہوگا۔ افسوس ہے اُس شخص پر جو کلب کی لوٹ میں موجود نہ ہو پھر وہ شخص مال کو تقسیم کرے گا اور لوگوں میں اُن کے پیغمبر کے طریقہ پر عمل کریگا اور اسلام کو زمین پر پھیلا دے گا پھر سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر مرجاویگا اور مسلمان اُس کی نماز پڑھینگے ۔

یہ شروع شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بننے کا ہے اور ابھی تک مہدی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے مگر محدثین نے مہدی ہی سے اس حدیث کا بھی تعلق سمجھا ہے اور اسی لیئے ابوداؤد نے باب المہدی میں اس حدیث کو لکھا ہے ۔ مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے لیئے بنائی گئی تھی مدینہ سے مکہ میں آنا اور بین الرکن و المقام بیعت کا ہونا اور پہلی دفعہ جو شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اُس کے دھنس جانے سے کنایہ کرنا اور عراق سے لشکر کا

آنا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں ہیں کہ ہیر پھیر کر سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبداللہ بن زبیر ہی اُسکی مصداق ہیں ؞

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت مغصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی کی تھی وہ مدت تک جاری رہی مگر افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوئے ؞

سب سے پہلے کوشش وہ تھی جو یزید کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت امام حسین ؑ نے مسلم ابن عقیل کو وہاں بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے ماریہ میں فرات کے کنارہ سنہ ۶۱ ہجری مطابق سنہ ۶۸۰ء کس مع بہتر رفقا کے شہید ہو گئے ؞

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعویٰ زائل نہیں ہوا جبکہ سنہ ۱۲۲ ہجری مطابق سنہ ۷۴۰ء کے ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زید ابن علی بن حسین علیہم السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اور جا بجا اُن کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفہ میں دعویٰ خلافت کیا مگر جب ہشام کی فوج آئی تو صرف پانسو آدمیوں نے ساتھ دیا شکست ہوئی اور حضرت زید شہید ہوئے یعنی کناسہ میں سُولی دیدی گئی ؞

جو لوگ کہ بنی فاطمہ کے گرویدہ تھے اور زید شہید کی خلافت چاہتے تھے اُنھوں نے اس لیئے کہ لوگ بنی فاطمہ کی طرف رجوع کریں اور زید شہید کی خلافت کے حامی ہوں وضعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں اب ایسا مضمون اُن حدیثوں میں بیان ہونے لگا جس سے پایا جاوے کہ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی ہوئی ہے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ابو داؤد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس میں کا ایک راوی فطر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے آں حضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا سب چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی باقی رہ جاوے تو بھی ضرور خدا تعالےٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے بھری ہوگی" ؞

۲ (فطر) عن علي عن النبي صلعم لو لم يبق من الدنيا الا يوما لبعث الله رجلا من اهل بيتي يملؤها عدلا كما ملئت جورا ؞

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۲)

اسی طرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک سے نقل کی ہے کہ ابو سعید نے کہا کہ آں حضرت صلعم نے ذکر کیا ا...

۳ - عن ابي سعيد قال ذكر رسول الله صلعم بلاء يصيب هذه الامة حتى لا يجد الرجل ملجاء اليه من الظلم فيبعث الله رجلا من عترتي واهل بيتي فيملاء به الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا يرضي عنه ساكن السماء وسا[كن] الارض لا تدع السماء من قطرها شـ[يئا الا] صبته مدرارا ولا تدع الارض شيئا الا اخرجته حتى يتمنى [الاحياء] الاموات يعيش في ذلك سبع سنين او ثمان سنين او تسع سنين (رواه حاكم) مشكوٰة ۴۶۲

پر ایک بلا پڑے گی یہاں [تک] ظلم سے بچنے کو [پناہ نہ پائے گا] پھر اللہ تعالیٰ ایک شخص [میری عترت او]ر میری اہل بیت سے [پیدا کرے گا] اور اس کے سبب سے زمین کو انصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ ظلم وجور سے بھر گئی ہوگی اس سے آسمان [کے] رہنے والے اور زمین کے رہنے والے راضی ہوں گے اور آسمان اپنی بوندوں میں سے ذرا بھی نہیں چھوڑے گا جو نہ برسائی ہو اور زمین نباتات میں سے کچھ نہ چھوڑے گی جو نہ اُگائی ہو یہاں تک کہ زندے مردوں کو یاد کریں گے اور ایسی حالت میں وہ سات یا آٹھ یا نو برس زندہ رہیگا"

کچھ عجیب ہے کہ اسی زمانہ میں اُس شخص کے لیئے جس کی نسبت گھم گھم میں پیشین گوئی ہوتی تھی مہدی لقب وضع ہوا کیونکہ مہدی کا لقب انھی حدیثوں کے ساتھ شامل ہے [جن میں] بنی فاطمہ اور اہل بیت میں سے خلیفہ ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں مہدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں ہیں چنانچہ ابوداؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویان میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث مذکور ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسولخدا صلعم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری آل میں سے اور فاطمہ رض کی اولاد میں سے مہدی ہوگا"

[۴] - (علی بن نفیل) عن ام سلمة قال [س]معت رسول الله صلعم يقول المهدي من عترتي من ولد فاطمة

(ابوداؤد - صفحہ ۲۳۲)

حجاز میں خروج کیا تھا اور اسی لیئے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا +

ترمذی میں بھی اسی قسم کی مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں اور اُن سب میں عاصم بھی ایک راوی ہے اور وہ حدیثیں یہ ہیں عبد اللہ نے کہا

| | |
|---|---|
| ۸ - (عاصم) عن عبد الله قال قال رسول الله صلعم لا يذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (ترمذي صفحہ ۳۷) | کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا نہیں جانے کی جب تک کہ میری اہلبیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک ہو جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا + |
| ۹ - (عاصم) عن عبد الله عن النبي صلعم قال يلي رجل من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي (ترمذی صفحہ ۳۷) | پھر انہی عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا + |
| ۱۰ - (عاصم) عن ابی هريرة قال لو لم يبق من الدنيا الا يوما لطول الله ذلك اليوم حتى يلي الخ (ترمذي صفحہ ۳۷) | اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر دنیا سے بجز ایک دن کے باقی نہ رہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس دن کو بڑھا دیگا تاکہ والی ہو ایک شخص میری اہلبیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا + |

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں جس کے راویوں میں یاسین العجلی بھی راوی ہے یہ آیا ہے کہ حضرت

| | |
|---|---|
| ۱۱ (یاسین عجلي) عن علي قال قال رسول الله صلعم المهدي منا اهل البيت يصلح الله في ليلة (ابن ماجه صفحہ ۲۹۴) | علیؓ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المہدی ہم میں سے ہماری اہل بیت میں سے ہے ایک رات میں اللہ تعالے اُس کے سب کام درست کردیگا + |
| ۱۲ - (علي بن نفيل) عن سعيد بن مسيب قال كنا عند ام سلمة فتذاكرنا المهدي فقالت سمعت رسول الله صلعم يقول المهدي من ولد فاطمة (ابن ماجه صفحہ ۲۹۴) | ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسولخدا صلعم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مہدی اولاد فاطمہ سے ہوگا + |

۱۴۳ - (عکرمة بن عمار علی بن زیاد) عن انس ابن مالك قال سمعت رسول الله صلعم یقول نحن ولد عبد المطلب سادة اهل الجنة انا وحمزة وعلي وجعفر والحسن والحسين والمهدي (ابن ماجه صفحہ ۲۹۷)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اولاد عبد المطلب سردار اہل جنّت ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدی"۔

غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبد المطلب سے چھوڑ دیا ہے تاکہ بنی عباس کے دعویٰ خلافت کو تقویت نہ پہونچے۔ حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعی تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اُس کے مفید کام کرتا تھا۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخر کار وہ خلیفہ ہوگئے۔ بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اپنے تئیں بلقب امام ملقب کیا مگر وہ مروان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے۔ اس واقعہ سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا اس لیئے کہ ابو مسلم خراسانی نے جو نہایت دانشمند اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس سے خفیہ بیعت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لیئے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر مائل کرے ابو مسلم پاس وہاں خوب جمعیت جمع ہوگئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوگئے۔ ابو مسلم نے "نقیب آل محمد" اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستّر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کرنے کے لیئے روانہ کیئے اور کل دوستداران آل عباس کے لیئے سیاہ لباس تجویز کیا اور اُن کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے۔

اُس زمانہ میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا حدیثوں کا پیش کرنا تھا اس لیئے بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ یا مہدی ہونے کی پیشین گوئی بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی اور مسلمانوں کو اُن کی مدد کرنا اُن حدیثوں کی رُو سے فرض ثابت ہوتا تھا چنانچہ اسی قسم کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں مندرج ہے اور وہ

| | |
|---|---|
| ۱۴۔ عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلعم اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوها فان فیہا خلیفۃ اللہ المہدی رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳) | یہ ہے کہ "ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس وقت تم دیکھو سیاہ جھنڈے ملک خراسان کی طرف سے آتے ہوئے تو اُن کی اطاعت کرو بیشک اُنہی میں خلیفۃ اللہ مہدی ہوگا" اس حدیث کے مضمون سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابو مسلم نے جو اپنے لشکر کے جھنڈے سے |

سیاہ قرار دئیے تھے اس لیئے ہوا خواہان بنی عباس نے یہ حدیث وضع کر کر لوگوں میں پھیلائی تھی۔ تاکہ لوگ اُن کے مطیع ہو جاویں ؛

اس سے بھی زیادہ وضعی ایک اَور حدیث ہے جو ابو داؤد میں مذکور ہے۔ انہی ہنگاموں اور تدبیروں کے زمانوں میں جو نسبت خلافت کے ہو رہی تھیں ایک شخص الحرث قوم ازد میں تھا اور وہ بھی خراسان میں بنی اُمیہ کے گروہ میں تھا مگر اُس نے خلیفہ بنی اُمیہ کی طاعت کو چھوڑ دیا اور ہوا خواہان بنی عباس میں شامل ہو گیا چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ کہ

| | |
|---|---|
| کان الحرث عظیم الازد بخراسان فخلع سنۃ ستۃ عشر ولبس السواد ودعا الی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ والبیعۃ الرضا علی ما کان علیہ دعاۃ بنی عباس ہناک (ابن خلدون جلد ۳۔ صفحہ ۹۲) | "حرث ایک شخص قوم ازد کا خراسان میں تھا اُس نے سنہ ۱۱۶ھ میں خلیفہ بنی اُمیہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور سیاہ لباس پہن لیا اور لوگوں کو خدا کی کتاب و پیغمبر کی سُنت پر چلنے اور اُس طریقہ کو پسند کرنے پر جس پر کہ بنی عباس کے ہوا خواہ بیعت لے رہے تھے مشغول ہوا" اس حرث کے لیئے بھی ایک |

حدیث بنائی گئی اور لوگوں میں پھیلائی گئی جو ابو داؤد میں مندرج ہے اور جس میں ہارون و عمرو بن ابی قیس و ہلال ابن عمرو بھی راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ "حضرت علی نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہر فرات کے

| | |
|---|---|
| ۱۵۔ (ہارون عمرو بن ابی قیس ہلال ابن عمرو) عن علی قال قال رسول اللہ صلعم یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ الحارث | اُس طرف سے ایک شخص خروج کرے گا جسکو حارث حراث کہینگے اُس کی سرداری میں ایک شخص ہوگا جس کو منصور کہینگے بسا دیگا اور جگہ |

حراث علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور یوطن او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلعم وجب علی کل مومن نصرہ

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

دیگا آل محمد کو جس طرح کہ جگہ دی قریش نے رسول خدا صلعم کو واجب ہے ہر مسلمان پر اُس کی مدد؛ یہ منصور وُہی ہیں بنی عباس میں سے جو خلیفہ ہوئے - پس ان تمام اوقات کے مطابق کرنے سے کس شخص کو شبہ باقی رہتا ہے کہ یہ سب حدیثیں وقت کی مناسبت سے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیئے بنالی گئی تھیں ؛

اسی قسم کی کئی حدیثیں ابن ماجہ میں ہیں اُنہی میں سے وہ حدیث ہے جس میں یزید ابن ابی زیاد بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے - کہ

۱۶ (یزید ابن ابی زیاد) عن عبداللہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلعم اذ اقبل فتیہ من بنی ہاشم فلما راھم النبی صلعم اعز ورقت عیناہ وتغیر لونہ قال فقلت ما نزال نری فی وجھک شیئا نکرھہ فقال انا اھل بیت اختار اللہ لنا الآخرۃ علی الدنیا وان اھل بیتی سیلقون بعدی بلاء وتشدیدا وتطریدا حتی یاتی قوم من قبل المشرق معھم رایات سود فیسألون الخیر فلا یعطونہ فیقاتلون فینصرون فیعطون ما سالوا فلا یقبلونہ حتی یدفعوھا الی رجل من اھل بیتی فیملاھا قسطا کما ملؤھا جورا من ادرک ذلک منکم فلیاتھم ولو حبوا علی الثلج -

(ابن ماجہ صفحہ ۳۰۷)

"عبداللہ نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول خدا صلعم کے پاس تھے کہ دفعتہً بنی ہاشم کے چند گبرو آگئے جب اُن کو رسول خدا صلعم نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ کا رنگ متغیر ہوگیا - عبداللہ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے جو آپ کے چہرہ مبارک سے ایسی بات پائی جاتی ہے جو ہمکو ناخوش کرتی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے ہم اہل بیت کے لیئے دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے اور قریب ہے کہ میری اہل بیت میرے بعد بلائیں اور تشددمیں اور ڈانواں ڈول ہوجانے میں پڑیگی یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک قوم آوے گی جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہونگے پھر وہ ایک نیک بات کا سوال کریگی پھر اُن کو وہ نہیں ملیگا پھر وہ لڑینگے اور فتح پاویں گے اور جو مانگتے تھے وہ ملجاویگا پھر وہ

اُسکو قبول نہ کرینگے یہاں تک کہ اُسکو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دیدیں گے اُس وقت کہ ایک شخص میری اہل بیت میں سے کو دیدیا جاویگا پھر وہ بھر دیگا دنیا کو انصاف سے جسطرح کہ وہ بھرگئی ہوگی ظلم سے جو شخص تم میں سے اُسکو پاوے تو اُن کا ساتھ دے گو کہ برف پر گھسٹ کے ہو"۔

ابو مسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کیا تھا مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے جب بہت لوگ جمع ہوگئے اور لشکر بہم پہونچ گیا اور خراسان میں بخوبی ضبط ہوگیا اُس وقت اُس نے عبداللہ ابوالعباس کا نام ظاہر کردیا اور اُسکو خلیفہ مشہور کردیا۔ پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی تاکہ عبداللہ کی خلافت کا اثر اور استحکام لوگوں کے دلوں پر جم جاوے۔

ابن ماجہ میں ایک اَور حدیث بھی ہے جس میں عبدالرزاق ابی قلابہ بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ " ثوبان نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ تمھارے خزانہ پر تین شخص مارے جاوینگے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر اُن میں کسیکو نہ ملیگا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور تمکو ایسا قتل کرینگے کہ کسی قوم نے نہ کیا ہوگا اُس کے بعد اَور کچھ فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا پھر یہ فرمایا کہ جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے بیعت کرو گو کہ برف پر گھسٹ کر جانے سے ہو کیونکہ وہ ہوگا خلیفۃ اللہ المہدی"۔

> ۱۷ (عبدالرزاق ابی قلابہ) عن ثوبان رض قال قال رسول اللہ صلعم تقتل عن کنزکم ثلاثۃ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ثم ذکر شیئا لا احفظہ فقال اذا رایتموہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی - (ابن ماجہ صفحہ ۷۴۹)

جب کہ بنی اُمیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی اور بنی عباس کا ستارۂ اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں اس قدر خونریزیاں ہوئی تھیں کہ درحقیقت کسی قوم میں نہوئی تھیں بنی اُمیہ اور اُن کے طرفدار سب قتل ہوئے محمد بن علی کے سامنے ایک حمام میں ستر گروہ بنی اُمیہ کے قتل ہوئے تھے اور پھر اُن کی لاشوں پر بچھونا بچھا کر کھانا کھایا گیا تھا عبداللہ ابوالعباس کا نام سفاح بسبب بے انتہا خونریزی کے پڑ گیا تھا اس خونریزی پر خاک

ڈالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس خون ریزی کی پیشین گوئی ہو چکی تھی اور ضرور ہونیوالی تھی ؛

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث زیدی نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے لوگ خروج کریں گے اور مہدی کے لیئے سلطنت و حکومت قایم کریں گے ؛

۱۸ - (ابن لھیعۃ) عن عبداللہ ابن الحارث بن زیدي قال قال رسول اللہ صلعم یخرج ناس من المشرق فیوطون للمھدي یعني سلطانہ (ابن ماجہ صفحہ ۷۵)

بنی عباس کی کوششوں کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ ابوالعباس سفاح سگڑ پوتے حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہو گئے اُن کے مرنے کے بعد ابو جعفر منصور دوانقی اُن کا بھائی سنہ ۱۳۶ ہجری مطابق ۷۵۴ء کے خلیفہ ہوا اسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ حضرت امام حسن کے پروتے نے دعویٰ خلافت کیا تھا جو انجام کار قتل ہوئے - اس کے مرنے کے بعد ابو عبداللہ محمد بن منصور سنہ ۱۵۸ ہجری مطابق ۷۷۵ء عیسوی کے خلیفہ ہوئے اور اُنھوں نے المہدی اپنا لقب قرار دیدیا تاکہ لوگ جان لیں کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں تھیں وہ آچکا اب کوئی نہیں آنے والا - مقصود اس سے یہ تھا کہ آیندہ کا فساد اور دعویٰ مہدیت بند ہو ؛

ان تمام حالات کو پڑھ کر ضرور ہمارے اس آرٹکل کے پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال جاویگا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اُس وقت اُن کے مطابق یہ حدیثیں اپنے اپنے اغراض کے لیئے بنالی گئیں برعکس اس کے یہ کیوں نہیں قرار دیا جاتا کہ یہ سب حدیثیں صحیح ہیں اور جو پیشین گوئیاں اُن میں تھیں اُنہی کے مطابق یہ سب واقعات پیش آئے ؛

مگر اس کا سبب ذرا سے غور کرنے میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے - دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ سے متعلق ہیں - ایک بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے - ایک قسم کی حدیثوں میں المہدی کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا اور اُس کی اطاعت و نصرت پر حکم ہے - اور ایک قسم کی حدیثوں میں بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اُسکی مدد و اعانت کرنے کا حکم ہے - اگر درحقیقت کوئی المہدی ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ یہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے - پس

صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی المہدی کی نہ تھی بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لیئے حدیثیں بنالی تھیں +

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور اُن میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتماد کے ہوتی مگر وہ کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں۔ ان حالات سے جو ہمنے بیان کیئے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات ۱۳۰ھ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور اُن حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اُس زمانہ کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اُس زمانہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

| نام | سنہ پیدائش | سنہ وفات |
|---|---|---|
| محمد اسمٰعیل بُخاری | ۱۹۴ | ۲۵۶ |
| مُسلم | ۲۰۴ | ۲۶۱ |
| ابو عیسے محمد ترمذی | ۲۰۹ | ۲۷۹ |
| ابو داؤد | ۲۰۲ | ۲۷۵ |
| ابو عبدالرحمٰن احمد نسائی | ۲۱۵ | ۳۰۳ |
| ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ | ۲۰۹ | ۲۹۳ |

اس رائے کی زیادہ تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک ۹۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات اُن کے سامنے گذرے مگر اُن کی کتاب موطا میں کوئی حدیث المہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بُخاری و مسلم میں ہے +

ایک بڑا دھوکا لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سُنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں مندرج ہے تو بلا غور اُس کو مان لینا چاہتے ہیں حالانکہ مصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک اُن سے ہو سکا ہے اُنہوں نے روایت کی تنقیح میں بڑی کوشش کی ہے یعنی حتی المقدور جن راویوں کو معتبر سمجھا اور اُنہوں نے جو حدیث نقل کی اُسکو کتاب میں مندرج کیا مگر اُن حدیثوں کی تنقیح بلحاظ اُن کے واقعات مندرجہ اور اُن کے مضامین کے جو درایت سے تعلق رکھتے ہیں پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ کے پڑھنے والے اُسکی تنقیح کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے +

یہ حدیثیں جو ہمنے بیان کیں اگرچہ اُنہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کہلاتی ہیں لیکن اُن کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لیئے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصول مسلمہ میں سے ہے قابل رد کرنے کے ہیں پس اب ہم بموجب اصول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں - ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث ہے نہایت خوبی سے ایک جگہ جمع کردی ہے اور ہم اسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں ؛

ہمارے آرٹکل کے پڑھنے والے دیکھیں گے کہ ہمنے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دو ہلالی خط کے بیچ میں لکھ دیا ہے اُس سے مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وُہی شخص نامعتبر ہے اور اُسی کے راوی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لایق قبول کے نہیں ہی پس اب ہم ہر ایک کی نسبت جو جرح ہے وہ لکھ دیتے ہیں ؛

۱ - (قتادہ) وقتادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لا یقبل من حدیثہ الا ما صرح فیہ بالسماع -

(ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

ابو داؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے یعنی بیچ کے راویوں کے نام چھوڑ دیتا ہے اور اُس نے اُس حدیث کو عن عن کر کر بیان کیا ہے اور مدلس کی بیان کی ہوئی حدیث بغیر اس کے کہ وہ اُس کا سُننا صاف نہ بیان کرے قبول نہیں ہوسکتی ؛

۲ - (فطر) قال العجلی حسن الحدیث و فیہ تشیع قلیل وقال ابن معین ثقة شیعی وقال احمد بن عبد اللہ بن یونس کنا نمر علی فطر وھو مطروح لا نکتب منہ وقال مرة کنت امر بہ وادعہ مثل الکلب وقال الدار قطنی لا یحتج بہ وقال ابوبکر بن عیاش ما ترکت الروایۃ عنہ

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں اچھی ہیں اور اُس میں کچھ شیعہ پن ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے اور احمد بن عبد اللہ بن یونس نے کہا ہے کہ ہم فطر کے سامنے کو چلے جاتے تھے اور اُسکو چھوڑ دیتے تھے اُس سے کچھ نہیں لکھتے تھے یعنی ہم اُسکو لایق اخذ روایت کے نہیں جانتے تھے اور مرہ نے کہا ہے کہ میں اُسکو مثل

| | |
|---|---|
| الا اسرء مذهبه وقال الجرجانی نا ایغ غیر ثقة (صفحہ ۲۶۲) | کتے کے چھوڑ کر چلا جاتا ہوں اُس سے روایت نہیں کرتا ہوں اور دارقطنی نے یہ کہا ہے کہ اسکی روایت سے استدلال نہ کرنا چاہیئے اور |

ابوبکر بن عیاش نے کہا ہے کہیں نے فطر کی روایت تو اُس کی خرابی مذہب کے سبب سے چھوڑ دی ہے اور جوجانی نے کہا ہے کہ وہ کج رائے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہے +

| | |
|---|---|
| ۳- (حاکم) قال البلقینی قد جمع الحافظ الذهبي زهاء مائة حديث موضوع من احاديث المستدرك وشنع عليه غاية التشنيع في بعض المواضع وقال الحافظ ابن حجر انما وقع للحاكم التساهل لانه سود الكتاب لينقحه فاعجلة المنية او بغير ذالك فتری الحرم (صفحہ ۱۱) | حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے بقدر سو حدیث موضوع کے جمع کی ہیں. جو حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہیں اور اُسپر بہت تشنیع کی ہے اور بُرا کہا ہے اکثر جگہ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم سے مستدرک میں تساہل اس لیئے ہوا کہ اُس نے لکھی تھی کہ پھر اُسی میں سے صحیح کا انتخاب کرے گا کہ اس سے پہلے مرگیا + |

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ جس میں احادیث صحیح اور حسن اور ضعیف اور متہم بالوضع بھی ہیں شمار کیا ہے۔ **قوله**۔ طبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعہ از علماء متقدمین بر زمان بخاری و مسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند والتزام صحت ننمودہ وکتب آنہا در شہرت وقبول در مرتبہ طبقہ اولے و ثانیہ نرسیدہ ہرچند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث ووثوق وعدالت وضبط واحادیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود ورجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت وبعضے مستور وبعضے مجہول واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ ودریں کتب ہم تفاصیل وتفاوت ہست بعضہا اقوی من البعض۔ اسامی آں کتب این است مسند شافعی سنن ابن ماجہ مسند دارمی مسند ابی یعلی موصلی مصنف عبدالرزاق مصنف ابی بکر شیبہ مسند عبد بن حمید مسند ابی داؤد طیالسی سنن دارقطنی صحیح بن حبان مستدرک حاکم کتب بیہقی کتب طحاوی تصانیف طبرانی +

| | |
|---|---|
| (۴ و ۱۲) علی بن نفیل قد ضعفہ ابو جعفر العقیلی وقال لا یتابع علی بن نفیل علیہ ولا یعرف الا بہ (صفحہ ۲۶۲) | علی بن نفیل کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اُس کا اور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اُسکی کہیں نہیں مروی ہوئی ۔ |
| (۵ نمبر) عمران القطان اختلف فی الاحتجاج بہ انما اخرج لہ البخاری استشہادا ولا اصلا وکان یحیی القطان لا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقوی وقال مرۃ لیس بشئ وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزریع کان حروریا وکان یری السیف علی اہل القبلۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳) | عمران قطان میں اختلاف ہے کہ اُس کی روایت حجت ہوسکتی ہے یا نہیں بخاری نے اس کی روایت تو دوسری روایت کی تائید اور تقویت کے لیئے ذکر کی ہے اس کی اصل روایت نہیں بیان کی ہے اور یحیی قطان تو اس کی حدیث نہیں لیتے تھے اور یحیی بن معین نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ شاید اُس کی حدیثیں اچھی ہوں اور |

یزید بن الزریع نے کہا ہے کہ اُس کا عقیدہ خوارج کا سا تھا اور اہل قبلہ پر تلوار پکڑنا اور اُن سے لڑنے کا قائل تھا اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ۔

| | |
|---|---|
| (۶) ہارون عمرو بن ابی قیس ابو اسحاق شیعی ہارون سکت ابی داوود علیہ وقال فی موضع فی ہارون ہو من ولد الشیعۃ وقال السلیمانی فیہ نظر (صفحہ ۲۶۲) | ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو اسحاق شیعی کا یہ حال ہے کہ ہارون کے حال سے ایک جگہ تو ابو داوود نے سکوت کیا اور دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور سلیمانی نے کہا کہ اُس میں نظر ہے ۔ |
| عمرو بن ابی قیس قال ابو داوود فی عمرو بن قیس لا باس بہ فی حدیثہ خطاء وقال الذہبی صدوق لہ اوہام (صفحہ ۲۶۲) | عمرو بن ابی قیس کے حق میں داوود نے یہ کہا ہے کہ اُس کا ڈر نہیں ہے اُس کی حدیث میں خطا ہوتی ہے ۔ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے مگر اُس کو کچھ اوہام اور شبہات |

ہو گئے ہیں +

| | |
|---|---|
| ابو اسحاق الشیعی وان خرج عنہ الشیخان فی الصحیحین فقد ثبت انہ اختلط آخر عمرہ وروایتہ عن علی منقطعۃ (صفحہ ۲۶۲) | ابو اسحاق شیعی کی روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ آخر میں بھک گئے تھے اور حضرت علی عنہ سے اُن کی روایت متصل نہیں ہے + |
| (۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) عاصم قال العجلی کان یختلف علیہ فی زر وابی وائل یشیر بذلک الی ضعف روایتہما عنہ وقال محمد بن سعد کان ثقۃ الا انہ کثیر الخطاء ؛ | عجلی نے کہا ہے کہ عاصم نے جو روایتیں زر اور ابی وائل سے کی ہیں اُن میں اختلاف ہے اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ اچھا ہے مگر اُس کی حدیث میں اکثر خطا ہوتی ہے + |
| فی حدیثہ وقال یعقوب بن سفیان فی حدیثہ اضطراب وقال عبدالرحمن بن ابی حاتم قلت لابی ان ابازرعۃ یقول عاصم ثقۃ قال لیس محلہ ھذا وقد تکلم فیہ ابن علیۃ فقال کل من اسمہ عاصم سیّئ الحفظ وقال ابو حاتم محلہ عندی محل الصدق صالح الحدیث ولم یکن بذلک الحافظ واختلف فیہ قول النسائی وقال ابن حراش فی حدیثہ نکرۃ وقال ابو جعفر العقیلی لم یکن فیہ الا سوء الحفظ وقال الدارقطنی فی حفظہ شئ وقال یحیی القطان ما وجدت رجلا اسمہ عاصم وجدتہ ردی الحفظ وقال ایضا سمعت شعبۃ یقول حدثنا عاصم ابن ابی النجود و | اور یعقوب ابن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے اور عبدالرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو زرعہ یہ کہتا ہے کہ عاصم ثقہ ہے کہا اُس کا یہ درجہ نہیں ہے اور ابن علیۃ نے اُس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے جتنوں کا نام عاصم ہے اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اُس کا درجہ یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور لایق حدیث کے ہے مگر کچھ بہت یاد رکھنے والے نہیں ہیں اور نسائی کے قول اُس کے حق میں مختلف ہیں اور ابن حراش نے کہا ہے کہ اُسکی حدیث میں امر قابل انکار بھی ہوتا ہے اور |

فی الناس ما فیہا وقال الذہبی ثبت فی القرأۃ وھو فی الحدیث دون الثبت صدوق فہم وھو حسن الحدیث وان احتج احد بان الشیخین خرجا لہ فنقول اخرجا مقرونا بغیرہ لا اصلا لہ (صفحہ ۲۶۱)

ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے اُس میں سوائے نقصِ حافظہ کے اَور کچھ عیب نہ تھا اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اُسکی یاد میں کچھ نقص تھے اور یحیی قطان نے کہا ہے کہ میں نے کسی عاصم کی یاد اچھی نہیں پائی اور کہا ہے کہ مَیں نے سُنا ہے شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے حدیث کہی عاصم بن ابی النجود نے اور آدمیوں میں مشہور ہے جو اُس کا حال ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ قرات میں تو وہ بہت اچھا ہے اور حدیث میں اس سے کم ہے سچا ہے اور اچھی حدیث والا ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بخاری اور مسلم نے تو اُس سے روایت کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی اُنھوں نے روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی ✦

(۱۱) یاسین عجلی قال البخاری فیہ نظر وھذہ اللفظۃ من اصطلاحہم قویۃ بالتضعیف جدا واورد لہ ابن عدی فی کامل وذھبی فی المیزان ھذا الحدیث علی وجہ الاستنکار لہ وقال ھو معروف بہ (صفحہ ۲۶۶)

یاسین عجلی کے حق میں بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں نظر ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ لفظ بہت زیادہ ضعیف کہنا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لئیے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے معاملہ میں ✦

(۱۲) عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد۔ عکرمہ بن عمار قد ضعفہ بعض وثقہ آخرون وقال ابو حاتم الرازی ھو مدلس فلا یقبل منہ الا ان یصرح بالسماع (صفحہ ۲۶۷)

عکرمہ بن عمار اور علی بن زیاد عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے یعنی راوی چھوڑ دیتا ہے اُسکی وہ حدیث ماننی چاہیئے جس کو بتصریح یہ کہے کہ میں نے سُنا ہے ✦

علی بن زیاد۔ قال الذہبی فی المیزان

علی بن زیاد کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ

| عربی | اردو |
|---|---|
| لا ندری من ہو وقد تکلم فیہ الثوری ۔ | ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور ثوری نے بھی اس میں کلام کیا ہے ۔ |
| قالوا اراہ یفتی فی مسائل ویخطی فیہا و قال ابن حبان کان ممن فحش خطاؤہ فلا نحتج بہ۔ (صفحہ ۲۶۷) | کہا ہے کہ ثوری نے اُسکو دیکھا کہ بہت مسئلوں میں حکم دیتا تھا اور اُن میں خطا کرتا تھا اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ بہت [illegible]رف کرتا تھا اور دیتا تھا تو اُسکی کی حدیث سے حج[illegible] نہیں لا سکتے ۔ |
| (۱۵) ھلال بن عمرو مجہول (صفحہ ۲۶۲) | ہلال بن عمرو مجہول ہے اُس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا کہ کیسا ہے ۔ |
| (۱۶) یزید بن ابی زیاد۔ قال فیہ شعبۃ کان رفاعا یرفع الاحادیث التی لا تعرف مرفوعۃ وقال محمد ابن الفضل کان من کبار ائمۃ الشیعۃ وقال احمد بن حنبل لم یکن بالحافظ وقال مرۃ حدیثہ لیس بذلک و قال یحیی بن معین ضعیف قال ابو زرعہ لان یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال ابو حاتم لیس بالقوی وقال الجرجانی سمعتہم یضعفون حدیثہ وقال ابن عدی ہو من شیعۃ اہل الکوفہ ومع ضعفہ یکتب حدیثہ رواہ مسلم لکن مقرونا بغیرہ وبالجملۃ فالاکثرون علی ضعفہ وقد صرح الائمۃ بضعف ہذا الحدیث قال ابو قدامۃ سمعت ابا سلمۃ یقول فی حدیث یزید عن ابراہیم لو حلف عندی خمسین یمینا قسامۃ ما صدقتہ (صفحہ ۲۶۵) | شعبہ نے یزید بن ابی زیاد کے حق میں کہا ہے کہ وہ تو یونہیں اُن حد[illegible]ضرت رسول اللہ صلعم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا ہے وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا نہ تھا اور مرہ نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث ایسے درجہ کی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے اُسکو ضعیف کہا ہے اور ابو زرعہ نے یہ کہا ہے کہ وہ اس لایق ہے کہ اُس کی حدیث لکھی جاوے اور اُس کی حدیث سے حجت نہ لانی چاہیئے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اور جرجانی نے کہا ہے کہ میں نے سُنا ہے علماء کو کہ اُس کی حدیث کی تض[illegible] کرتے تھے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو [illegible] شیعوں میں سے ہے اور باوجود ضعف |

اُس کی حدیث لکھ لیجاوے مسلم نے اُس سے روایت کی ہے لیکن دوسرے سے ملی ہوئی ا ُ
اکثر اُسکو ضعیف کہتے ہیں اور سب ائمہ نے بتصریح اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ابو قدامہ
نے کہا ہے کہ میں نے ابو سلمہ سے سُنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو اُس نے ابراہیم سے
روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے سامنے پچاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھاکر بھی کہے
تو میں اُسکو سچا نہ مانوں +

(۱۷) عبد الرزاق وابی قلابہ۔ عبد الرزاق بن همام کان مشهورا بالتشیع وعمی فی اٰخر وقته وقال ابن عدی حدیث باحادیث فی الفضائل لم یوافقه علیها احد ونسبوه الی التشیع (صفحہ ۲۶۷)

عبد الرزاق بن ہمام تو شیعہ ہونے میں مشہور تھا اور آخر عمر میں اندھا بھی ہوگیا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس نے فضائل میں ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو کسی نے نہیں کی اور اُسکو تو سب نے تشیع کی طرف نسبت کیا ہے +

ابو قلابه نیز ذکره الذهبی وغیره انه مدلس وفیه السفیان وهو مشهور بالتدلیس وعنعنا ولم یصرحا بالسماع فلا تقبل (۲۶۷)

ابو قلابہ کے حق میں ذہبی اور اَوروں نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدلس ہے اور اس حدیث کے راویوں میں سفیان سے بھی جو تدلیس میں مشہور ہے اور ان دونوں نے یہ حدیث عن عن کرکے روایت کی ہے اور صاف اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جاسکتی +

(۱۸) ابن لهیعه۔ قال الطبرانی تفرد به ابن لهیعه وقد تقدم لنا فی حدیث علی الذی خرجه الطبرانی فی معجمه الاوسط ان ابن لهیعه ضعیف (صفحہ ۲۶۸) +

ابن لہیعہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف اُسی سے مروی ہے اور ہم پہلے حضرت علی کی حدیث میں جو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی ہے کہہ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے +

وعبد الله بن لهیعة ضعیف معروف الحال وفیه عمرو بن جابر الحضرمی وهو اضعف منه وقال احمد بن حنبل روی عن جابر مناکیر

عبد اللہ ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے کا حال تو مشہور ہے اور اس حدیث میں عمرو بن جابر بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور وہ

وبلغني انه كان يكذب وقال النسائي ليس بثقة قال كان ابن لهيعة شيخا احمق ضعيف العقل وكان يقول علي في السحاب وكان يجلس معنا فيبصر سحابة فيقول هذا علي قد مر في السحاب (صفحہ ۲۶۶)

اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت منکر حدیثیں جابر سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسائی نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احمق آدمی تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ علی مرتضی ابر میں ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا جب ابر کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ علی تھے جو ابر میں گئے ۔

جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نامعتبر قرار دیتا ہے اور دوسرا اُسکو معتبر سمجھتا ہے مگر اصول حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح تعدیل پر مرجح ہوتی ہے ۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو معتبر سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اُسکو نامعتبر قرار دیا ہے اُس نے اُس میں نقص پایا ہے اور اِس لیئے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے پس جو لوگ اُن راویوں کو معتبر قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں ہو سکتی اور اِس لیئے اُن کی بیان کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہو سکتی ۔

ان راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہو گو ہمارے نزدیک صرف شیعہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہیں کوئی حدیث جو کسی فریق کے طرفدار نے اُس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتماد نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے ہماری دانست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ وبنی عباس کی نسبت مشہور کی تھیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں ۔

معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ میں بھی جب کہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں پھیل رہی تھیں ایسے ہی لوگ تھے جو مہدی کے منکر تھے کیونکہ اُس وقت ایک حدیث بنائی گئی کہ جو شخص مہدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اُس وقت میں منکرین مہدی موجود نہ ہوتے تو اُس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث

عن جابر قال قال رسول الله صلعم من کذب بالمهدي فقد کفر و من کذب بالدجال فقد کذب ⁂
(فوائد الاخبار لابي بکر العسکاف)

یہ ہے - فوائد الاخبار مصنفہ ابی بکر العسکاف میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مہدی کے ہونے کو وہ کافر ہوگیا اور جو جھٹلاوے دجال کے ہونے کو وہ جھوٹا ہوگیا ⁂

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ یہی بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا

وحسبك هذا غلوا والله اعلم بصحة طريقه الى مالك ابن انس علي ان ابي بكر العسكاف عندهم متهم وضاع (صفحه ۲۶۱)

ہی اس حدیث کی صحت کے طریقہ کو مالک ابن انس تک جانتا ہوگا - علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ ابوبکر العسکاف اہل حدیث کے نزدیک متہم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے ⁂

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو اپنے تئیں مستحق خلافت سمجھتے تھے مگر اس میں بعض استاد اَور گود پڑے اور انہوں نے ایک لفظ حدیث میں بدل کر امتی کا لفظ داخل کردیا تاکہ مہدی کا پیدا ہونا صرف

۱۹ - (زيد العمي) عن ابي سعيد الخدري قال سئلنا عن النبي صلعم فقال ان في امتي المهدي يخرج يعيش خمسا او سبعا او تسعا فيجئ اليه الرجل فيقول يا مهدي اعطني اعطني قال فيحثي له في ثوبه ما استطاع ان يحمله ⁂
(ترمذي صفحه ۳۷۱)
(ومثل هذا في ابن ماجه صفحه ۳۰۹)

بنی فاطمہ یا بنی عباس پر موقوف نہ رہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ "ابوسعید خدری نے کہا کہ ہمنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت نے فرمایا کہ میری امت میں مہدی ہوگا وہ خروج کرے گا اور پانچ برس یا سات برس یا نو برس جیتا رہیگا پھر اس کے پاس ایک شخص آویگا اور کہے گا اسے مہدی مجھے دو مجھے دو حضرت نے فرمایا کہ پھر مہدی اسکو دونوں لپیں بھر کر اسکے کپڑے میں ڈالیگا جس قدر وہ اٹھا سکے" ⁂

یہ حدیث تو ترمذی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اُسمیں بھی اُمتی کا لفظ ہے مگر ان دونوں حدیثوں میں زید العمی ایک راوی ہے جو نامعتبر ہے اور اسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے - ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابوحاتم نے اسکے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لیجاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحیٰی بن معین نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ کُچھ چیز نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ اُنکی حدیث اور وہ تو ضعیف ہے اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے واہی حدیثیں کہتا ہے اور ابوحاتم نے بھی یہی کہا ہے وہ تو ایسا نہیں ہے اور شعبہ نے اُس سے حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ؛

زید العمي - قال فيه ابو حاتم ضعيف يكتب حديثه ولا يحتج به وقال يحيي بن معين في رواية اخرى لا شي وقال مرة يكتب حديثه وهو ضعيف وقال ابو زرعة ليس بقوي واهي الحديث وقال ابو حاتم ليس بذلك قد حدث عنه شعبة وقال النسائي ضعيف (صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴)

اِس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے بہت سے لوگوں نے بلالحاظ اِس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ میں یا بنی عباس صرف اُمتی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ اُن کے معتقد ہوگئے یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدیہ قایم ہوگیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گذر گیا شیخ مبارک ابوالفضل کا باپ بھی مہدویہ فرقہ میں سے تھا ؛

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدیت کا دعویٰ کیا اُن کے آنے سے دُنیا میں وہ تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے اُنہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اُترنے کے زمانہ سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اب عام مُسلمانوں کا اعتقاد ہے مگر ہمارے اس آرٹکل سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسیکہ دجال اور مسیح کے آنے کی ؛

شیعوں نے اس سے بڑھکر کام کیا وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے جبکہ وہ

دو ڈھائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اُٹھا لے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا ہے گو سینکڑوں برس گذر گئے مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جب دنیا اخیر ہونے کو ہوگی تو وہ نکلینگے اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور اخیر زمانہ کے امام اور مہدی ہونگے ٭

امام کے معنی پیشوا کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اوّل یہ لقب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اختیار کیا تھا کیونکہ اُس وقت اُن کو ملک پر کچھ حکومت نہ تھی اور اسلیئے خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے پس بامید آئندہ امام کا لقب اختیار کیا تھا جب ہی سے پیشوایان دین کو یہ لقب ملنے لگا۔
چنانچہ دوازدہ امام کا (جن میں سے بارھویں شیعوں
کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو
غائب ہوگئے ہیں) اسی
وجہ سے امام
لقب ہوا
ہے
٭

# حصّہ سُوم

## مضامین متفرّق

### ذکر ٹرکی یعنی روم کی مجلسوں کا

مسٹر ولیم ہوورڈ رسل صاحب کے روزنامچہ میں سے کچھ تھوڑا سا حال پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت انگلستان اور پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے مُلاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں ؛

یہ دونوں شاہی خاندان انگلستان کے نگین تاج سنہ ۱۸۶۸ء میں دارالسلطنت قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئی روز تک سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کے ہاں مہمان رہے اُنہی مہمانیوں کے جلسوں میں سے دو جلسوں کا حال لکھتے ہیں ؛

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز اور اُن کے ساتھ کے اُمراء کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت کی ڈالما بخشی محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامی محل ہے جلسۂ دعوت کے لیئے

تجویز ہوا قریب سات بجے کے پرنس اور پرنسس آف ویلز اُس محل میں تشریف لائے علی پاشا وزیر اعظم سلطان روم نے استقبال کیا اور ملاقات کے بڑے کمرے میں لیگیا جہاں اَور وزرائے سلطنت روم بھی حاضر تھے چند لمحہ گذرے تھے کہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم بھی وہاں تشریف لائے اور پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر کھانا کھانے کے کمرے میں لے گئے اور اُن کے پیچھے اَور تمام مہمان درجہ بدرجہ اُس کمرہ میں آئے۔ میز جس پر کھانا تناول فرمایا مستطیل تھی اور ایک سرا اُس کا گول تھا اُس گول سرے کی طرف بیچ میں سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنسس آف ویلز رونق افروز ہوئے ؛

پرنسس آف ویلز کے بعد علی پاشا وزیر اعظم سلطنت روم اور اُن کے بعد مسس الیٹ اور اُن کے بعد جنرل اگناٹیف اور مسٹر الیٹ اور اُن کے بعد دیگر وزرائے سلطنت روم کرسیوں پر میز کے اُس ممبر بیٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد میدم اگناٹیف اور اُن کے بعد بم بوری اور اُن کے بعد مسس گرے اور اُن کے بعد اَور وزراء اور اُمرائے سلطنت روم میز کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ؛

سلطان کے سامنے سوائے وزیر اعظم کے اَور کوئی وزیر بیٹھتا نہیں تھا یہ پہلا جلسہ ہے جس میں سلطان نے اپنے اَور وزیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھلایا ؛

میز پر مسلمان اور عیسائی سب چوبیس آدمی تھے اور میز عمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجی ہوئی تھی اور ڈالما بخشی محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپنی عمدگی اور آراستگی میں اور نہایت عمدہ بلوری جھاڑ و فانوس میں مشہور ہے ؛

سلطانی کھانے کا طرز نہایت عجیب تھا اور فرنچ اور ترکش یعنی رومی دونوں قسم کے کھانے تھے کھانا کھانے میں سلطان نے پہلے پرنسس آف ویلز سے باتیں کیں اور علی پاشا (جو انگریزی خوب جانتا ہے) اُن دونوں میں مترجم ہوا ؛

اُس کے بعد سلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور عرفی بھی جو سلطان کی کرسی کے پیچھے کھڑا تھا اُن میں مترجم ہوا وہ اسی واسطے سلطان کی کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ جب سلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وہ ترجمان ہوں ؛

سلطان کا ایک خاص باجا نہایت نفیس پاس کے کمرے میں بج رہا تھا سب نے نہایت خوشی اور خوبی سے کھانا کھایا اور جب میز پر سے اُٹھے تو سلطان پرنسس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈالکر زنانخانہ میں لیگیا اور اَور لیڈیاں بھی اندر گئیں والدہ سلطانہ یعنی سلطان بیگم نے

اُٹھکر استقبال کیا اور پرنسس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور بیدم مہرن اُن میں ترجمان تھیں اور پرنس آف ویلز اور اَوْر اُمرا و رؤسا چوٹ پینے کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی زنانہ خانہ سے باہر آئے اور ملاقاتی چھوٹے کمرہ میں پرنس آف ویلز کے ساتھ بیٹھکر باتیں کرنے لگے۔ جب پرنسس آف ویلز اور اَوْر لیڈیاں بیگیات سے ملاقات اور بات چیت کر فارغ ہوئیں اور باہر تشریف لائیں اُس وقت سب مہمان سلطان سے رخصت ہوئے اور جلسہ ختم ہوا*

دُوسرا جلسہ برٹش امباسڈر کے ہاں یعنی سفیر سلطنت انگلستان کے ہاں ہوا جو روم میں رہتا ہے سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز کے لیئے برٹش امباسٹی میں یعنی اُس مکان میں جہاں سفیر انگلستان رہتے ہیں بہت عالی شان شاہانہ بال دینا چاہا اور بنظر اظہار اپنے نہایت خوشی اور خاطر اور تواضع ایسے عالی شان عزیز مہمانوں کے سلطان نے برٹش امباسڈر کے ہاں اُس بال میں تشریف لانا منظور کیا تمام بادشاہتوں کے امباسڈر اور وزراء اُس بال میں حاضر تھے اور چھ سو چٹھیاں بلاوے کی اُمرا و رؤسا اور افسران فوجی اور مُلکی کو تقسیم ہوئی تھیں تمام لوگ وقت پر آحاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص نہایت عُمدہ اور نفیس پوشاک پہنے ہوئے تھا نُو بجے کے بعد پرنس اور پرنسس آف ویلز وہاں رونق افروز ہوئے۔ برٹش امباسڈر اور مس الیٹ نے استقبال کیا۔ امباسٹی کے پھاٹک میں سمندری فوجی لوگ کھڑے تھے اُنھوں نے سُرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے خوشی اور تعظیم دونوں کا اظہار کیا وہ بڑا کمرہ جس میں بال تھا نہایت عمدہ آراستہ تھا اور گارڈ آف آنر کا پہرا موجود تھا اور اندر و باہر کمرے کے انواع انواع اقسام کے پھُول و گلدستے سجے ہوئے تھے *

تھوڑی دیر بعد سلطان عبدالعزیز خاں بھی تشریف لائے اور بہت سے وزراء و ارکین سلطنت اُن کے ساتھ تھے پرنس آف ویلز اور برٹش امباسڈر نے استقبال کیا اور سمندری فوج نے سرخ اور نیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشی کا اظہار کیا پرنسس آف ویلز اور مس الیٹ پہلی سیڑھی پر استقبال کو کھڑی تھیں سب مہمان اور میزبان بخوشی و خورمی اُس بڑے ہال میں جہاں بال تھا داخل ہوئے اور سلطان نے اپنی کُرسی پر تشریف رکھی اور اُس کی بغل میں اِدھر اُدھر پرنس اور پرنسس آف ویلز اپنی اپنی کُرسیوں پر تشریف فرما ہوئے معمولی بال شروع ہوا آدھی رات کے بعد سلطان ہال سے رخصت ہوئے مگر وہاں وہ جلسہ صبح تک رہا *

سلطان کا لنڈن میں آنا اور ملکہ معظمہ سے ملنا اور ولیعہد سلطنت انگلستان کا اور ولیعہد بیگم کا وہاں جانا ایک نہایت عمدہ تاریخی واقعات سے ہے اور تمام دنیا کی آنکھوں میں اُس محبت اور دوستی کا جو روم اور انگلستان یا یوں کہو کہ ایک مسلمان اور عیسائی سلطنت میں ہے بڑا ثبوت ہے ✦

جب سلطان لنڈن میں تشریف لائے تھے اور انڈیا آفس میں اُن کی دعوت ہوئی تھی تو اُس بڑے ہال میں بطور یادگاری محبت اور دوستی عیسائی اور مسلمان سلطنت کے نقش کرسنت اور کراس کا ملا کر کھودا گیا ہے ✦

کرسنت کہتے ہیں پہلی تاریخ کے چاند کو اور یہ ہلال کی صورت چاند کا نشان مسلمانی سلطنت کا ہے اور کراس کہتے ہیں صلیب کو جو عیسائی مذہب میں مقدس نشان ہے انڈیا آفس کے ہال میں ہلال اور اُس کے بیچ میں صلیب کا نقش کھودا ہے جو عیسائی اور مسلمانی سلطنت کی دوستی اور محبت پر دلالت کرتا ہے ✦

ہمکو اُمید ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی اِن حالات اور واقعات سے عُمدہ نصیحت پکڑیں گے اور اپنے حالات پر غور کر کر تہذیب اخلاق اور حسن معاشرت کی ترقی میں کوشش کریں گے ✦

# مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہے کہ مُسلمانی ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب و شایستگی میں بہت ترقی کی ہے اسلیئے ہم اُس کا کچھ حال جو ہماری آنکھ کا دیکھا ہے لکھتے ہیں ✦

مصر کی تہذیب و شائستگی کا حال بیان کرنے کے لیئے وہاں کے باشندوں کو چار فرقوں میں تقسیم کرنا چاہیئے ✦

اوّل ۔ یورپین یعنی فرنچ اور اٹالین اور گریک اور کچھ انگریز جو بطور رعایا یا تجار وہاں بسے ہوئے ہیں ✦

دوم ۔ مسلمان اُمرا اور رؤسا و عہدہ دار جو اُس مُلک میں رہتے ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے مُسلمان باشندے مصر کے ✦

سوم ۔ عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنہوں نے قدیم یا حال کے زمانہ میں عیسائی

اختیار کیا ہے اور جو اکثر قبطی نسل کے ہیں ✦

چہارم ۔ متوسط درجہ اور ادنیٰ درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے ✦

یورپ کی قومیں جو مصر میں ہیں اگرچہ وہ بہ نسبت اُن یورپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رہتی ہیں تہذیب و شائستگی میں گھٹتی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی نہایت مہذب اور شائستہ اور تربیت یافتہ ہیں اُن کے مکان نہایت صاف اور بخوبی بقدر اپنے اپنے مقدور کے آراستہ پھولوں اور پھولدار درختوں اور بیلوں کو جا بجا مکان پر چڑھانے سے پیراستہ ہیں ہر ایک یورپین کا مکان اسی طرح پر بقدر اپنے مقدور کے آراستہ ہے اِلّا بہت مفلس یورپین جو قدیم شہر کے اندر عام لوگوں سے ملے ہوئے رہتے ہیں اور جن میں سے ایک شخص گریک کے گھر میں مَیں گیا تھا مثل عام مصریوں کے گھروں کے خراب ہیں ✦

یورپین کی عورتیں بھی نہایت خوبی اور صفائی سے رہتی ہیں نفیس نفیس لباس پہنے ہوئے پھرتی ہیں بات چیت نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرتی ہیں اور یورپین مرد عموماً صاف اور درست معمولی لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے رہتے ہیں اِلّا یورپ کی ٹوپی سَو میں دو چار پہنتے ہونگے ورنہ سب کے سب ترکی لال ٹوپی پھندنے دار پہنتے ہیں اُن کا لباس اور بدن اور کھانا اور کھانے کے برتن پاک صاف اُجلے اور درست رہتے ہیں۔ یورپین زن و مرد اپنی یورپ کی زبان بھی بولتے ہیں اور عربی بھی خوب بولتے ہیں جو بالفعل تمام مصریوں کی زبان ہے۔ بات چیت ان لوگوں کی نہایت شائستہ اور مہذب اور لہجہ گفتگو مثل مہذب آدمیوں کے لہجہ کے ہے ✦

مُسلمان اُمراء و رؤسا و عہدہ داران نے بالکل اپنا قدیم طریقہ اور قدیم لباس اور پورا طرز زندگی چھوڑ دیا ہے سب کے سب کوٹ پتلون پہنتے ہیں اور لال پھندنے دار ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں مثل یورپین کے اپنے مکانات کو صاف اور پھولوں اور پھولدار درختوں سے آراستہ رکھتے ہیں میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اکثر فرنچ اور عربی اور ترکی تینوں زبانیں جانتے ہیں اُن کی نسبت مجھ کو کہنا چاہیئے کہ اگر بالکل یورپین کی مانند مہذب نہیں ہو گئے ہیں تو ابھی پوری پوری نقل تو ضرور کی ہے ✦

عیسائی مصری بھی تہذیب و شائستگی میں کم نہیں ۔ اُنھوں نے اپنے ہم مذہب یورپین بھائیوں کا سا برتاؤ اور طریقہ اختیار کیا ہے مَیں دو ایک عیسائی مصریوں سے ملا اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں

آراستہ پایا وہ سب قبطی نسل کے تھے اور اُن میں سے ایک شخص باوجودیکہ بجز عربی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا مگر بہات اور عادت اور بات چیت میں مثل یوروپین جنٹلمین کے مہذب تھا۔ مصری عیسائی لڑکیوں کے پڑھانے کے لیئے مشنریوں نے اسکول بھی بنائے ہیں اور اُن لڑکیوں کو عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور انجیل اور اَور دعاؤں کی کتابیں عربی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں ٭

متوسط درجہ اور ادنےٰ درجہ کے مُسلمان مصری جو بہت کثرت سے ہیں نہایت خراب اور ابتر حالت میں ہیں میلے اور نہایت میلے اور لباس نہایت خراب اکثر نیلا کرتا جس کا گریبان کھلا ہوا ہے پہنے ہوتے ہیں اور ٹانگوں میں کوئی چیز نہیں بالکل ننگی اور کپڑا ایسا میلا کہ شاید پہننے کے بعد کبھی دھونے کی نوبت نہیں آتی ہوگی۔ پاس بٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ بدن و کپڑوں میں سے بُری بُو آتی ہے ٭

متوسط درجہ کی عورتوں کی حالت نسبت مردوں کے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر ادنیٰ درجہ کی عورت و مرد کی نہایت خراب حالت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ یہی لوگ سب سے زیادہ کثرت سے ہیں اس لیئے مصر باعتبار خلقت کے آنکھ میں نہایت بُرا اور خراب معلوم ہوتا ہے اگر مصر کے بازاروں میں جاؤ اور عام طور پر وہاں کی خلقت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہندوستان میں محرم کے دنوں میں بھلنیر کی طرف کے لوگ عورت و مرد نیلے کرتے پہنے ہوئے اور تباہ حالت میں چلے آتے ہیں تمام یوروپین کیا مرد اور کیا عورت اُن لوگوں میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اندھیری رات میں تارے یا کوڑے میں موتی ٭

اس درجہ کے لوگوں کا لہجہ گفتگو ایسا ناشایستہ اور خراب ہے کہ اُن کی نامہذب آواز کی دل پر چوٹ لگتی ہے بہت بلند اور حلق میں نکلنے والی اور نہایت درشت آواز سے جس میں گردن کی رگیں تن جاتی ہیں باتیں کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جانور آپس میں لڑتے ہیں اور باوجودیکہ وہاں مسلمان گورنمنٹ ہے تب بھی اس فرقہ کے لوگ یوروپین کے سامنے بہ سبب اپنے ناشایستہ اور نامہذب ہونے کے نہایت ذلیل ہیں اور جانوروں سے بدتر اُن کا حال ہے سلطنت اسلام ہے اور اسلام صرف ان مسلمانوں کے ناشایستہ اور ناتربیت یافتہ ہونے سے غیر قوموں کی آنکھ میں ذلیل ہے ٭

پہلے پہل جب مَیں نے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھا تو مَیں نے خیال کیا کہ بسبب

عربی زبان ہونے کے جس میں حروف حلقی زیادہ ہیں اُن کا لہجہ ایسا خراب ہے مگر میں نے جب قبطی عیسائیوں کو دیکھا جو تربیت یافتہ تھے اُن کا لہجہ نہایت سُبک اور آواز نرم اور آہستہ بات کرنا سب عُمدہ تھا اُن کے مونھ سے لفظ پیارے معلوم ہوتے تھے اور عورتوں کے مونھ سے تو وہ عربی لفظ نہیں نکلتے تھے بلکہ پھول جھڑتے تھے ؛

مجھ پر میری عمر میں ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں نے خیال کیا کہ شاید جینی مذہب حق ہے جبکہ میں نے تمام چیزوں کو آفت میں اور جینیوں کے مندر کو امن میں دیکھا اور مصر کی سیر میں مجھ پر ایک زمانہ ایسا گذرا کہ تھوڑی دیر کے لیئے مَیں نے خیال کیا کہ شاید عیسائی مذہب حق ہے کیونکہ ہر مقام پر جو خوبی اور عزت اور برکت خدا نے عیسائیوں کو دی ہے وہ اَور کسی کو نہیں دی پس کیا شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے نامہذب اور ناشایستہ ہونے سے اسلام کو داغ لگائیں اور اُسکو حمیت اسلامی کے برخلاف نہ سمجھیں ؛

معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتوں میں باہر نکلنے کا عام رواج ہے غریب عورتیں پیادہ پھرتی ہیں اور ذی مقدور خاندان کی عورتیں بروم اور فٹن اور چرٹ پر سوار ہو کر پھرتی ہیں مگر باہر پھرنے کا ایک خاص قسم کا لباس ہے کہ اس میں بجز آنکھوں کے اَور کچھ نہیں معلوم ہوتا آنکھوں کے نیچے ناک پر سیاہ رنگ کا لنبا ہاتی کی سونڈ کی طرح ایک کپڑا لٹکاتی ہیں جس سے نہایت ہیبت ناک صورت ہو جاتی ہے اُن کی ہیئت مجموعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ممی قبر میں سے نکل کر پھرتی ہے ؛

امیر عورتوں کے باہر نکلنے کا لباس اُن سے کسی قدر بہتر ہے خدیو مصر کی بیگیات جو حرم کہلاتی ہیں ایک دفعہ سواری میں مجھ کو ملیں نہایت عمدہ بروم میں کھلے میدان سوار تھیں چار گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گورے کوچوان انگریزی وردی پہنے ہوئے پشتیر گھوڑوں کو ہانکتے تھے ایک یورپین فوجی افسر گھوڑے پر سوار آگے آگے تھا اور چار سوار مصری فوجی پیچھے تھے اور ایک حبشی خواجہ سرا گھوڑے پر سوار ساتھ تھا ؛

یہ بات خیال کرنی کہ مصری گورنمنٹ نے اپنے ملک کو مہذب اور شایستہ کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیئے اس ملک کے حالات سے نہایت واقفیت ہونی چاہیئے تاہم باوجودیکہ عام لوگ ایسی خراب اور ذلیل و ناشایستہ حالت میں ہیں اس پر بھی تہذیب و شایستگی کی بہت ترقی معلوم ہوتی ہے۔ شہر جو کہ

نہایت میلا اور خراب اور بد وضع مردوں کے رکھنے کی بدبو دار تہ خانوں کی مانند تھا نہایت عمدہ ہوتا جاتا ہے۔ شہر کے غربی جانب بلاق تک ایسا عمدہ شہر آراستہ ہوا ہے کہ دیکھنے سے تعلق ہے نہایت نفیس سڑکیں اور جا بجا حوض و فوارہ اور چوکوں میں خوبصورت خوبصورت پھولوں کے باغیچہ طیار ہو گئے ہیں تمام دوکانیں اور بالکل مکانات اور ہوٹلیں انگریزی طور پر تیار ہیں مصر کا شہر غربی جانب کا بلاق تک ہرگز افریقہ کا شہر نہیں معلوم ہوتا بلکہ یورپ کا عمدہ نفیس شہر معلوم ہوتا ہے صرف دو نقص عظیم پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ خوبی جس قدر ہوئی گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی۔ رعایا ایسی مہذب نہیں ہے کہ وہ خود یہ سب کام کرے۔ دوسرے یہ کہ شہر کی اس نفیس طرف جس قدر آبادی ہے وہ اکثر یورپین کی ہے اور وُہی رہتے ہیں اور عیش و آرام کرتے ہیں اور فرحت اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان اب تک اکثر اسی تو شیئ خانہ میں بند رہتے ہیں اور ذلت اور نکبت سے نہیں نکلے ؛

مصر میں آپس کی گورنمنٹ کی کوشش سے تہذیب و شائستگی پھیلنے کا ایک اور بڑا نشان یہ ہے کہ تعلیم کے قواعد کسی قدر رائج ہوتے جاتے ہیں مصر کے مدرسہ کو جو خدیو کا مدرسہ کہلاتا ہے میں نے دیکھا نہایت عمدہ ہے اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ لڑکوں کو تہذیب و شائستگی بھی سکھائی جاتی ہے تمام لڑکے نوعمر نہایت عمدہ اور خوبصورت وردی پہنے ہوئے تھے۔ انگریزی بوٹ اور کوٹ پتلون اور سرخ تمکی ٹوپی پھندنے دار پہنے ہوئے اور میز و کرسی پر اپنی اپنی جماعتوں میں بیٹھے ہوئے نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے ہر ایک علم پڑھنے والوں کی وردی کی رنگت میں یا کسی خاص وضع کے تمغے کا فرق تھا تمام علوم و فنون عربی زبان میں جو اُن کے ملک کی زبان ہے پڑھائے جاتے ہیں علاوہ اس کے انگریزی اور فرنچ اور جرمن زبان سکھلائی جاتی ہے اور انجام کار لایق لڑکوں کو تکمیل علم کے لیئے جرمن و فرانس اور لنڈن میں بھیجا جاتا ہے ؛

ہر قسم کا ہنر مصریوں میں ترقی پر ہے تمام کام ریل کے چلانے کا مصری خود آپ کرتے ہیں دھوئیں کی کل سے کام لیتے ہیں دھوئیں کا پمپ اور دھوئیں کا ہل گنوار دہقانوں کو چلاتے میں نے دیکھا کاغذ بنانے کی کل جو دھوئیں سے چلتی ہے مصری چلاتے ہیں اور کاغذ بناتے ہیں۔ دھوئیں کی کل سے مصری چھاپے خانے کا کام کرتے ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے سبب مصریوں کو ہندوستان کے مسلمانوں سے باوجودیکہ ہندوستان کے مسلمان اُن سے بہت زیادہ خوشحال ہیں فوقیت دیتے ہیں ؛

میوزیم مصر کا یعنی عجایب خانہ ایسا عمدہ ہے کہ مصر کی پرانی چیزوں کے لیئے اپنا نظیر نہیں رکھتا پورانی لاشیں جو ممی کہلاتی ہیں اور پورانی صنایع مصر کی نہایت خوبصورتی اور عمدگی سے آراستہ ہیں اور بہت فائیدہ بخش عبرت انگیز اور حیرت خیز ہیں ؛

ولیم ہورڈ رسل صاحب نے جو ایک مشہور نامی گرامی قابل شخص ہیں اپنے روزنامچہ میں مصر کی گورنمنٹ کی نسبت ایک رائے لکھی ہے جو کہ نہایت دلچسپ ہے ہم اُس کو اِس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے ۔

" اِس بات کی نسبت رائے دینی کہ مصر ترقی کی حالت میں ہے یا تنزل کی اُس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اُس مُلک کے حالات کا ایک خاص علم ہو ۔ نامی لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھ ملاقات کرنے میں اسمٰعیل پاشا کو یورپ کی شایستہ اور مہذب قوموں سے کچھ سیکھنا نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی حیثیت کے لیئے کسوٹی نہ ہو اور نہ میں اُس کے کسوٹی ہونے پر استدلال کرتا ہوں مگر اِس سے یہ مقصود ہے کہ انگلستان کے لوگ بے تمیزی سے اُسکی نکتہ چینی نہ کریں بلکہ اُس قوم کی جسکی عزت اُس کے بادشاہ کی ذات میں ہے شکر گزاری کریں ؛

میں تمام ہندوستان میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی اجنبی شخص گو کہ وہ فہیم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہو صرف رعایا اور دہقانی اور قصباتی بازاریوں سے ظاہری صورت دیکھکر انتظام انگریزی کی نسبت اتہام لگائے اور اپنی رائے قائم کرے تو کیسی مشکل کی بات ہے کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسی صوبہ کے چیف کمشنر یا کوئی کلکٹر یا جج بلکہ اور ادنیٰ عہدہ دار کو مع اُس کے ملازمین اور چپراسیان اردلی اور جلوس سواری کے رعایا کی حیثیت سے مقابلہ کرو اور غور کرو کہ محل کے رہنے والوں کی کیا کیفیت دکھائی دیتی ہے ۔ خیال کرو کہ ہمنے ہندوستان کے لوگوں سے ڈوننگ اسٹریٹ میں سلطان کے بال کا ایک گونہ مفت خرچ دلایا ہے غور کرو کہ اِس عملداری میں جو دُنیا میں نہایت عُمدہ ہے (یعنی انگریزی عملداری میں) کیا کیا ہوتا ہے تب مسلمان حکمران (یعنی خدیو مصر) پر پتھر پھینکو جو فی الحقیقت اپنی رعایا کو اُسی حال میں رکھنا چاہتا ہے جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اِس کے اُس نے اپنے مُلک کو ضروری باتوں میں کامیابی بخشی ہے اور ترقی دی ہے اُس نے سڑکیں اور پانی کے جھرنے بنوائے دار السلطنت یعنی شہر قاہرہ کو آراستہ کیا ہُنر اور محنت کو بڑھایا اور جہاں تک اُس سے ہو سکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا جو مُسلمانوں کو عیسائیوں سے جُدا کرتی ہے ؛

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا ہر آدمی کو جو اُس کے ملک میں رہتے ہیں اُن کے گھر سے اور اچھے پیشہ سے چھوڑا کر چند سال کے لئیے سرکاری خدمت پر مجبور کرے تو اُس حالت میں اسکے اطوار کی نسبت کیا کچھ نہ کہا جاویگا +

فرض کرو کہ اگر اسمٰعیل پاشا کروڑوں اپنی رعایا سے کہے کہ تمکو محصول دینا پڑے گا اور جو میں حکم دوں گا وُہی کرنا ہوگا لیکن تمکو کوئی جلیل عہدہ سلطنت میں نصیب نہ ہوگا اور فوجی اور جہازی اور سِوِل کے کاموں میں بجز ادنی کاموں کے اَور کوئی کام تمکو نہ ملیگا تو ہم لوگ کس قدر اُسکو لعنت ملامت کرینگے" +

مسٹر رسل کی یہ رائے درحقیقت نہایت عُمدہ اور منصفانہ ہے اور جس عالی رُتبہ اور فیاض طبیعت کے وہ ہیں اُسی رُتبہ کی یہ رائے ہے مگر نامہذب گورنمنٹ اور نامہذب قوم کو اُسکو پڑھکر پھولنا اور خوش ہونا نہیں چاہیئے مہذب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئی نقص ہوتا ہے تو ہزاروں بھلائیاں بھی ہوتی ہیں جیسے کہ اُن گورنمنٹوں میں جن کی طرف مسٹر رسل صاحب نے اشارہ کیا ہے مگر نامہذب اور ناتربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہ ہوتا ہے کہ اُس میں بُرائی ہی بُرائی دکھائی دیتی ہے اور بھلائی ایسی قلیل ہوتی ہے جو خیال میں نہیں آتی اگر یہ بات سچ ہے جیسا کہ مسٹر رسل نے خیال کیا ہے کہ مسلمان حاکم یعنی خدیو مصر اپنی رعایا کو اُسی حالت میں رکھنا چاہتا ہے جس حالت میں اُن کے باپ دادا تھے تو حقیقت میں وہ حاکم کافر اور ظالم فرعون سے کچھ اَور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہے اور جو بھلائی کہ اُس سے کی ہو اُس بھلائی سے زیادہ نہیں ہے جو فراعنہ مصر رعایا کو ظلم سے بیگار میں پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھی روٹی کھانے کو دیکر اُس کے ساتھ بڑی نیکی کرتے تھے ۔ جو گورنمنٹ کہ اپنی رعایا کی ترقی کی دل سے خواہاں نہیں وہ حقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ رعایا کی دشمن ہے +

مہذب قوم اور نامہذب قوم میں بھی یہی فرق ہوتا ہے ۔ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مہذب قوم میں کوئی نقص یا عیب یا بُرائی نہ ہو مگر البتہ یہ ہوتا ہے کہ اُن بُرائیوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بھلائیاں بھی ہوتی ہیں مگر نامہذب قوم میں بجز بُرائیوں کے اَور کچھ نہیں دکھائی دیتا ۔ نامہذب قومیں گناہ کو ایسے بُرے طور سے استعمال کرتی ہیں جس سے اُس گناہ کی بدیاں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو خراب کرنیوالی ہو جاتی ہیں مہذب قومیں اگرچہ وُہی یا اُسی قسم کا گناہ کرتی ہیں مگر وہ اس طرح پر وقوع میں آتا ہے کہ اُسکی بدی عام ہونے نہیں پاتی قوم کی قوم کو غارت و تباہ نہیں کرتی ۔ سچ ہے ۔

شرط سلیقہ ہے ہر ایک کام میں ✦ عیب بھی کرنے کو ہُنر چاہیئے

نامہذب قوم نیکی بھی ایسی بُری طرح کرتی ہے کہ یا تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی یا غیر مفید اور بے محل ہو جاتی ہے مہذب قوم جو نیکی کرتی ہے وہ ایسے سلیقہ اور خوبی سے کرتی ہے کہ وہ نیکی زیادہ عمدہ اور بہت مفید اور برمحل ہوتی ہے ✦

نامہذب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ہیں یا کہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ بدی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُسکو اتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان کاٹتی ہیں ✦

اِس زمانہ میں ہمارے بھائی ہند مُسلمان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی مہذب قوم کا ذکر اُن کے سامنے کرو تو اُس قوم کی بُرائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اے صاحب یہ کوں کہتا ہے کہ مہذب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہ تو دیکھو کہ اُن میں اُن عیبوں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا تکیں جبکہ ہم میں عیب ہی عیب بھرے ہیں مثل مشہور ہے کہ "چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں نو سو بہتر چھید" ✦

# نظامیہ سلسلہ تعلیم

ہم مختصر طور پر اُس سلسلہ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مُسلمانوں میں رایج ہے اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہے مقصود ہمارا اِس کے بیان سے صرف اتنا ہے کہ لوگ اِس بات پر غور کریں کہ بلحاظ حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہ سلسلہ اور طریقہ درحقیقت کافی اور مفید ہے یا واقعی اس میں کچھ تغیر و تبدیل کی ضرورت ہے ✦

ہم اس آرٹیکل میں اس پر کچھ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف اُن علوم اور اُنکی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل درس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُس پر بحث کرنے پر آمادہ ہوں اُنکو کسیقدر امداد ملے ✦

**عِلم صرف** ۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں میزان منشعب پنج گنج ۔ زبدہ ۔ صرف میر ۔ فصول اکبری ۔ شافیہ نقود الصرف ۔ دستور المبتدی ✦

**عِلم نحو** ۔ اِس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں ۔ مائۃ عامل ۔ شرح مائۃ عامل ۔ نحو میر ۔

ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ ضوء شرح ملا ۔

**علم معانی و بیان و بدیع** ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھتے ہیں مختصر معانی تمام۔ مطول تا بحث ما انا قلت ۔ ملا زادہ مختصر ۔

**علم ادب** ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ مقامات حریری چند مقالہ ۔ دیوان متنبی چند صفحہ ۔ سبعہ معلقہ ۔ حماسۃ العرب ۔ نفحۃ الیمن ۔ العجب العجاب ۔

**علم منطق** ۔ اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں ۔ ایساغوجی ۔ قال اقول ۔ میر ایساغوجی ۔ شرح تہذیب ملا یزدی ۔ بدیع المیزان ۔ قطبی ۔ میر قطبی ۔ تصورات ۔ شرح سلم ملا حسن ۔ تصدیقات شرح سلم ملا حمد اللہ ۔ تصورات ۔ شرح سلم قاضی مبارک میر زاہد رسالہ غلام یحییٰ ۔ حاشیہ بحر العلوم بر میر زاہد رسالہ ملا جلال ۔ میر زاہد ملا جلال ۔

**علم طبعی و الٰہی** ۔ اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ میبذی تمام ۔ صدرا تا فلکیات شمس بازغہ تمام ۔

**علم حساب** ۔ اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں ۔ خلاصۃ الحساب ۔

**علم ہندسہ** ۔ اس میں تحریر اقلیدس کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہے اور بعض طلبہ چار مقالے اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں ۔

**علم ہیئت** ۔ اس میں یہ کتابیں داخل ہیں ۔ تشریح الافلاک با منہیات (اور بعضے تصریح شرح تشریح الافلاک بجائے تشریح الافلاک با منہیات کے پڑھتے ہیں) توشجیہ ۔ سبعہ شداد ۔ شرح چغمینی ۔

**علم کلام** ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ شرح عقاید نسفی ۔ خیالی ۔ شرح مواقف میر زاہد امور عامہ ۔ شرح عقاید جلالی ۔ عقیدہ حافظ ۔ حاشیہ فاضل قلاغی بر شرح عقاید جلالی ۔

**علم فقہ** ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں ۔ عبادات شرح وقایہ ۔ معاملات ہدایہ ۔ کنز الدقایق تمام ۔ مختصر وقایہ و قدوری ۔

**علم اصول** ۔ اس میں یہ کتابیں داخل درس ہیں ۔ شاشی ۔ نور الانوار ۔ توضیح ۔ تلویح ۔ مسلم الثبوت ۔ دایر الاصول ۔ حسامی ۔

**علم تفسیر** ۔ اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں ۔ جلالین ۔ بیضاوی ۔ چند جزو کشاف ۔ مدارک ۔

علم فرائض - اسمیں صرف ایک کتاب پڑھتے ہیں - فرائض شریفی ٭

علم مناظرہ - اسمیں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں - رشیدیہ ٭

علم وضع آلات - اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں - رسالہ اسطرلاب مسمی بست باب محقق طوسی ٭

اصول علم حدیث - اس میں ایک کتاب نخبۃ الفکر پڑھتے ہیں اور بعضے اُس کی شرح بھی پڑھتے ہیں ٭

علم حدیث - اس میں مفصلۂ ذیل کتابیں ہیں - مشکوٰۃ المصابیح - موطا - صحاح ستہ مگر ان کو صرف تیمناً و تبرکاً تھوڑا تھوڑا پڑھکر سند لے لیتے ہیں اور بعضے سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں - صحاح ستہ یہ ہیں - صحیح بخاری صحیح مسلم - جامع ترمذی صحیح نسائی - سنن ابی داؤد - سنن ابن ماجہ ٭

علم لغت میں - قاموس ٭

علم طب میں - قانونچہ - موجز - کلیات نفیسی - معالجات سدیدی - شرح اسباب - حمیات شیخ ٭

سُنی اور شیعہ کی تعلیم میں کچھ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہے کہ مذہبی کتابیں جو فہرست مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سُنیوں کی ہیں شیعہ مذہبی کتابوں مندرجہ بالا کی جگہ اَور کتابیں پڑھتے ہیں اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت و شرح عقاید نسفی و میرزاہد امور عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی و کشاف میں سے بھی کچھ کچھ پڑھتے ہیں اور خاص کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے بتفصیل ذیل اُن کے درس میں ہیں ٭

علم فقہ میں - حدیقۃ المتقین - جامع عباسی - مختصر نافع شرح صغیر شرح لمعہ دمشقی شرایع الاسلام جواہر الکلام فی شرح شرایع الاسلام ٭

علم اصول فقہ میں - معالم الاصول - اساس الاصول - زبدۃ الاصول - قوانین ٭

علم کلام میں - تجرید - شرح تجرید علامہ حلی - کشف الحق - شرح کشف الحق قاضی نور اللہ - شرح باب حادی عشر ٭

علم حدیث میں - اصول کافی - من لا یحضرہ الفقیہ - تہذیب استبصار ٭

تفسیر میں - مجمع البیان ٭

یہ سلسلہ جو ہمنے بیان کیا سلسلہ تعلیم ہے۔ اس سے فراغ کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علماء کے استعمال میں رہتی ہیں اور جن کے پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہ ہیں۔ کتب فارابی۔ فصوص الحکم۔ جمع بین الرائین۔ رسالہ تحقیق عقل۔ کتب شیخ الرئیس شفا۔ اشارات۔ عیون الحکمت۔ کتب شیخ مقتول۔ حکمۃ الاشراق۔ تلویحات۔ ہیاکل النور۔ شرح ابن کمونہ بر ہیاکل اور شرح علامہ شیرازی بر ہیاکل۔ کتب میر باقر۔ افق المبین۔ ایماضات۔ قبسات۔ تقدیسات وغیرہ۔ کتب محقق طوسی۔ تحریر مجسطی۔ تذکرہ وغیرہ اور علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی کتابیں ہیں جو بلحاظ شوق اور وقت پڑھنے میں آتی ہیں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کر کر اس بات کی تنقیح فرما دیں کہ آیا یہ سلسلہ کافی ہے یا تبدیل کی اس میں ضرورت ہے +

# امیر الامراء جناب سید خیر الدین صاحب بہادر
# وزیر مملکت ٹونس

چند روز سے ہماری خواہش اپنے ہمقوموں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب و شایستگی میں ترقی کریں اور تعصب کو جس کا منشاء جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھی باتوں کو گو وہ کسی قوم کی ہوں اور جو شریعت اسلامیہ میں بھی مباح ہوں اختیار کریں تاکہ مہذب قوموں کی نگاہ میں ذلیل و خوار نہوں۔ ہمکو اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں اُن کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ ہم اس دعوے کی سند پر جناب امیر الامراء سید خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ اس مقام پر مندرج کرتے ہیں +

ٹونس کنارہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی آف ٹونس کہلاتا ہے۔ اُسکے وزیر سید خیر الدین صاحب نے نہایت عمدہ اور فصیح عربی زبان میں ایک کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اُس کا نام "اقوم المسالک فی احوال الممالک" رکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں چھپی ہے اور اُس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اُس کتاب کے مصنف نے اُس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اُس کتاب کی تالیف کا بیان کیا ہے جو

آگے لکھا جاتا ہے اور جس سے اُس مدبر اور عالم کی رائے واضح ہوتی ہے *

وهو هذا :-

## خطبہ کتاب اقوم المسالک

اما بعد فيقول جامع هذه الورقات ارشده الله تعالى الى اقوم الطرقات اني بعد ان تأملت تاملا طويلا في اسباب تقدم الامم وتاخرها جيلا فجيلا مستندا في ذلك لما امكن تصفحه من التواريخ الاسلامية والافرنجية مع ما حرره المؤلفون من الفريقين فيما كانت عليه وآلت اليه الامة الاسلامية وما سيؤل اليه امرها في المستقبل بمقتضي شواهد التي قضت التجربة بان تقبل التجأت الي الجزم بما لا اظن عاقلا من رجال الاسلام ينا قضه او ينهض له دليل يعارضه من انا اذا اعتبرنا تسابق الامم في ميادين التمدن وتحزب عزائمهم على فعل ما هو اعود نفعا واعون لا يتهيأ لنا ان نميز ما يليق بنا على قاعدة محكمة البنا الا بمعرفة احوال من ليس من حزبنا لا سيما من حق بنا وحل بقربنا ثم اذا اعتبرنا ما حدث في هذه الازمان من الوسائط التي قربت تواصل الابدان والاذهان ثم نتوقف ان نتصور الدنيا بصورة بلدة متحدة تسكنها امم متعددة حاجة بعضهم لبعض متاكدة وكل منهم وان كان في مساعيه الخصوصية غريم نفسه فهو بالنظر الى ما ينجر بها من الفوائد العمومية مطلوب لسائر بني جنسه فمن لاحظ هذين الاعتبارين اللذين لا تبقي المشاهدة في صحتهما ادنى رين وكان بمقتضى ديانته من الدارين ان الشريعة الاسلامية كافلة بمصالح الدارين ضرورة ان التنظيم الدنيوي اساس متين لاستقامة نظام الدين يسوءه ان يرى بعض علماء الاسلام المؤكول لامانتهم مراعاة احوال الوقت في تنزيل الاحكام معرضين عن استكشاف الحوادث الداخلية واذهانهم عن معرفة الخارجية خلية ولا يخفى ان ذلك من اعظم العوائق عن معرفة ما يجب اعتباره على الوجه اللائق فيحسن من اساة الامة الجهل بامراضها او صرف الهمة الى اقتناء جواهر العلوم مجردة عن اعراضها كما انه يسوءنا الجهل بذلك من بعض رجال السياسة والتجاهل من بعضهم رغبة في اطلاق الرياسة

فلذلك هجس ببالي ما استذكيت لاجله ذبالي من اني لو جمعت بعض ما استنتجته
منذ سنين باعمال الفكر والروية مع ما شاهدته اثناء اسفاري للبلدان الا
وربادية التي ارسلني اليها بعض ودلها الفخام الطود الرفيع الاسمي والكهف المنيع الاحمى
جناب ولي النعم وزكي الاخلاق والشيم من لم تزل عزائمه كاسمه صادقة
والسنة الانام بالثناء عليه ناطقة لم يخل سعيي من فايدة خصوصا اذا صادف
افئدة على حماية بيضية الاسلام متعاضدة واهم تلك الفوايد عندي التي في
هذا التاليف مناط قصدي تذكير العلماء الاعلام بما يعينهم على معرفة ما يجب
اعتباره من حوادث الايام وايقاظ الغافلين من رجال السياسة وسائر الخواص
والعوام ببيان ما ينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية وذكر
ما تاكد معرفته من احوال الامم الافرنجية خصوصا من لهم بنا مزيد اختلاط وشديد علقة وارتباط مع
ما اولعوا به من صرف الهمم الى استيعاب احوال سائر الامم واستشعر ذلك بطي مسافات الكرة الذي الحق شامها بالاكم
فجمعت ما تيسر بعون الله مستحدثاتهم المتعلقة بسياستي الاقتصاد والتنظيم
مع الاشارة الى ما كانو عليه في العهد القديم وبيان الوسائل التي ترقوا بها في
سياسة العباد الى غاية القصوى من عمران البلاد كما اشرت الى ما كانت عليه
امة الاسلام المشهود لها حتى من مورخي اوربا الاعيان بسابقية التقدم في
مضماري العرفان والعمران وقت نفوذ الشريعة في احوالها ونسج سائر التصرفات
بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالك الاوربادية الى ما هي عليه
من المنعة والسلطنة الدنيوية ان نتخير منها ما يكون بحالنا لايقا ولنصوص
شريعتنا مساعدا وموافقا عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله
من ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذالك مما تتشوق اليه نفس الناظر في
هذا الموضوع المحتوي من الملاحظات النقلية والعقلية على ما نشره بطي فصوله
يضوع وسميته اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك مرتبا له على مقدمة و
كتابين يشتمل كل منهما على ابواب وبهداية الله نستوضح مناهج الرشد والصواب
والجري في هذا المجال وان كان فوق طاقتي لكن اغضاء الفضلاء مامول في جنب
فاقتي وصدق النية كافل انشاء الله تعالى ببلوغ الامنية +

# المقدمة

لما كان السبب الحامل على الشئ متقدما عليه طبعا ناسب ان نقدمه وضعا ولم
نكتف بالايماء في الخطبة الى ما دعانا لجمع هذا التاليف بل راينا من المهم ان
نعود الى ايضاحه ههنا ونبنى عليه ما اردنا ايراده في المقدمة فنقول ان الباعث
الاصلى على ذلك امران آيلان الى مقصد واحد احدهما اغراء ذوي الغيرة والحزم
من رجال السياسة والعلم بالتماس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال
الامة الاسلامية وتنمية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان و
تمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة وترويج سائر الصناعات ونفى اسباب البطالة
واساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الامن المتولد منه الامل المتولد منه
اتقان العمل المشاهد فى الممالك الاوربياوية بالعيان وليس بعده بيان ثانيهما تحذير
ذوى الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم فى الاعراض عما يحمد من سيرة الغير
الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلم من السير
والتراتيب ينبغي ان يهجروه وتاليفهم في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون
الانكار على من يستحسن شيا منها وهذا على اطلاقه خطا محض فان الامر اذا كان صادرا
من غيرنا وكان صوابا موافقا للادلة لاسيما اذا كنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لانكاره
واهماله بل الواجب الحرص على استرجاعه واستعماله وكل متمسك بديانته وان كان
يرى غيره ضالا في ديانته فذلك لا يمنعه من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من
اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تفعله الامة الافرنجية فانهم ما زالوا يقتدون
بغيرهم في كل ما يرونه حسنا من اعماله حتى بلغوا في استقامة نظام
دنياهم الى ما هو مشاهد وشان الناقد البصير تمييز الحق
بمسبار النظر فى الشئ المعروض عليه قولا كان او فعلا فان
وجده صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل الحق او من
غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة
ضالة المومن ياخذها حيث وجدها ٭

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم
بان عادة الفرس ان يطوقوا مدنهم بخندق حين يحاصرهم العدو اتقاء من هجومه
عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برايه وحفر خندقاً للمدينة في غزوة
الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين وقال سيدنا علي كرم الله وجهه لا تنظر الى
من قال وانظر الى ما قال واذا ساغ للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل
ملتهم وترجمته من لغة اليونان لما راوه من الالات النافعة حتى قال الغزالي رحمه الله
من لا معرفة له بالمنطق لا يوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي
نرى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد وجلب الفوائد وفي سنن
المهتدين للعلامة الشيخ المراق المالكي ما نصه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا
هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوه على وفق الندب او الايجاب والاباحة
فانا لا نتركه لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه عن التشبه بمن يفعل ما
اذن الله فيه وفي حاشية الدر المختار للعلامة الشيخ محمد بن عابدين الحنفي
ما نصه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تضر على انا اذا تاملنا في حالة
هؤلاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجدهم يمتنعون من مجاراتهم فيما
ينفع من التنظيمات ونتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم وذلك انا نراهم يتنافسون
في الملابس واثاث المساكن ونحوها من الضروريات وكذا الاسلحة وسائر اللوازم
الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولا يخفى ما يلحق الامة بذلك من الشين
والخلل في العمران وفي السياسة اما الشين فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات
الدال على تاخر الامة في المعارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع صناع البلد باصطناع
نتائجها الذي هو اصل مهم من اصول المكاسب ومصداق ذلك ما نشاهده من
ان صاحب الغنم منا ومستولد الحرير وزارع القطن مثلا يقتحم تعب ذلك سنة
كاملة ويبيع ما ينتجه عمله للافرنجي بثمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه
في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به وبالجملة فليس لنا الان من نتائج ارضنا
الا قيمة موادها المجردة دون التطويرات العلمية التي هي منشاء توفر الرغبات منا و
من غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فانه

وجدناهما متقاربين خف الضرر واما اذا زادت قيمة الداخل على قيمة الخارج فحينئذ يتوقع الخراب لامحالة ۔

## ترجمہ خطبہ کا

حمد و نعت کے بعد کہتا ہے مؤلف اس کتاب کا اللہ اُس کو سیدھی راہ بتادے کہ جب میں نے دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں اور انگریزوں کی تواریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان لوگوں کے اُن حالات کی جو اُن پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھے اور جو فی زماننا طاری ہیں اور جو آیندہ عمر کی مُدت سے اُن پر طاری ہونیوالے ہیں انگریز اور مسلمان مورخوں نے لکھی ہے اُسکو بھی میں نے دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہوگیا (اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مسلمان مخالف نہوگا اور نہ اُس کی مخالفت کے واسطے وجہ نکلیگی) کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی خوبی کا خیال کریں اور اُس کی ہمت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پاویں تو اس صورت میں ہمکو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح پر سمجھنے اور جانچنے کے لیئے بجز اس کے اَور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے اور اُسکی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب وجوار میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم اُن جدید ہنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو فی زماننا علم و عمل کے موافق ہونے سے پیدا ہوگئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کرکے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا بمنزلہ ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس قسم کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملی جلی ہیں اور ایک دوسری پر موقوف ہے اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس کا محتاج ہے مگر بلحاظ اُن فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کرے گا جو ہمارے تجربہ کی رُو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہی اپنی دیانت کی رو سے جانتا ہوگا کہ شریعت اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہے اُس شخص کو یہ بات نہایت بُری معلوم ہوگی کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں خواص اور دقایق شرعیہ کے

کھولنے اور مصالح دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلوتہی کرتا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا
پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے ذہن
اُن سے خالی رہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام النّاس کو
بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو اُن کے لیئے ضرور
ہیں۔ بھلا انصاف کرو کیا یہ بات کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بات
کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی اصلیت تو دریافت کرلے اور اُس کے لوازم اور عوارض
سے جاہل رہے اور جیسی یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے کہ
جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ
چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ترقی کے سامان
بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسّر نہیں آسکتے تو میرے دل میں
یہ خیال آیا کہ اگر مَیں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کرکے لکھوں جو مَیں نے برسوں کی فکر
اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو مَیں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہے جس پر
مجھ کو میرے ایسے آقائے نامدار نے مامور کیا تھا جو نہایت مفخم اور معظم اور بلند رُتبہ پاکیزہ اخلاق
پسندیدہ خصلت ہے اور جس کے ارادے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور
جس کی تعریف میں تمام دنیا رطب اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رایگاں نہ جاویگی خصوصاً
اُس حالت میں جبکہ بہت سے لوگ یکدل ہوکر شریعت غرائے اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہونگے
اور سب سے بڑا کام اِس کتاب کے تالیف کرنے سے مینے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ مَیں
اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علماء کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے اُن
لوگوں کو ایسی باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جن کی حسب مقتضائے زمانہ اور مصلحت وقت
ہمکو نہایت بڑی ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زماننا انسان کے جملہ معاملات
ظاہری و باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علی العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں
وہ سب بیدار ہوجاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے
جن کے ساتھ ہمکو زیادہ خصوصیت اور ربط وضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور اُن کے
حالات کے ساتھ انگریزی قوم کی اُن عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنھوں نے تمام
دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کرلیئے ہیں اور اس کام کو اُنھوں نے اپنی سیر و سیاحت

اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اوپر آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں اُن سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیر ملکیہ سے متعلق نظم ونسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں۔ جہاں تک کہ خدا نے مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں مَیں نے اُن باتوں پر بھی ایما کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور اُن طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاست مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے وہ ترقی ملک کی حد پر پہونچ گئی ہیں اور اسی طرح مَیں نے اس کتاب میں اُمت اسلامیہ کے اُن قدیمی حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکام شرعیہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور جملہ معاملات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم ونسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو مَیں نے اس غرض سے بیان کیا ہے کہ مسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسب حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کریں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کریں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس ذریعہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آجکل ہلوگوں میں پھیل رہی ہے اور علاوہ ان باتوں کے اَور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اس کتاب میں ایسی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت شوق سے دیکھے گا اور اس کتاب کا نام اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك رکھا ہے (یعنی نہایت سیدھی راہ ملکتوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس کتاب کو مَیں نے ایک مقدمہ اور دو حصّوں پر منقسم کیا ہے اور اُس کے ہر ایک حصّہ میں متعدد باب ہیں اور اللہ کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے کہ وہ سیدھے راستے مجھ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سرانجام میری بساط سے بڑھکر تھا اس لیئے مجھ کو علماء اور فضلاء سے اس بات کی اُمید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماوینگے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ہے اُس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے ؛

## ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اصلی سبب اُس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اُس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا

زیبا معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ میں اِس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار
صرف اُسیقدر کافی سمجھوں جس قدر کہ میں نے خطبہ میں ایماءً بیان کردیا بلکہ میں اُس کی تصریح اِس
موقع پر بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اِس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اُسکی بنار
یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کہتا ہوں میں کہ اِس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب
مذکورہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی اگرچہ اُن دونوں وجہوں کا
مآل واحد ہی ہے ایک تو ان میں سے غیرت دلاکر برانگیختہ کرنا غیرت دار عقلمند عالم صاحب ثروت
اہل سیاست مسلمانوں کا اِس بات پر کہ وہ ذرا ہوشیار ہو کر اُن وسیلوں کو دریافت کریں جن کے
سبب سے مسلمانوں کی یہ حالت آیندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم وفضل اور
طریق تمدن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت اور عزت کے سامان مہیا ہوں
مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور ان سب کاموں کے
اسباب اُن کے لیئے پیدا ہوجاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ
سب رفع ہوجاویں اور ایسی بہبودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظام ملکی اور طرق سیاست کی
اصلاح ہے کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور
آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ ممالک یورپ میں آنکھوں سے
مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کرسکتے اور دوسری بات جو اِس تالیف کا باعث ہے
اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو بھی صرف اِس خیال سے
نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہراً اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اِس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ
وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اِسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ وہ
باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدبیر ملکیہ سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب
والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی بُرا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب
کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھی بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہوجاتے ہیں
حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لیئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل
بھی اُسکو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُسکو ہم سے ہی
اوٹھا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُسکو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ
کام کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کے قلمرو آمد میں تھا تو ہمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں

نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیئے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کیا کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام مصلحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہمکو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُسکے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اُس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بڑے پرکھیئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُسکے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اُسکو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اُسکو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اُسکو بہتر سمجھے گو اُس کا موجد دین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اس لیئے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لیئے بمنزلہ ایک گمشدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لیلے ؁

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خود خندق کھودی تاکہ اور مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھو قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقیہ کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اُس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا اُس کا علم کچا ہے تو ہمکو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اس زمانہ میں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کار آمد دیکھیں اُن کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہمکو مکائد اعدا سے محفوظ رہنے اور منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو اُن کو اختیار نہ کریں کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ

موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں
چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عملدرآمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے
ہمکو غیر قوم کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ
قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابدین الحنفی نے تو
یہاں تک بتصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں
ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی
بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی
کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں کچھ اُن کو انکار نہیں
ہے کیونکہ وہ لوگ انگریزی بُنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں
رکھتے ہیں اور انگریزی تیار اور آور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو
انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ اِن باتوں سے اُن کے مُلکی
انتظام اور مُلکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر
ہے اور گویا اس سبب سے ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے
سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی
مُلکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے مُلک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا
سکتے حالانکہ ترقی مُلک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اِسکی ہمارے اِس
مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائیدہ حاصل
نہیں کرتے مثلاً جو لوگ رُوئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر
اُسپر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی رُوئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت
پر انگریزی قوم کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ
میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بُن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنھوں
نے اُن کو روئی وغیرہ دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمکو اپنے مُلک کی
صرف اصلی پیداوار کی قیمت مِل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہُنرمندی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ
نہیں اُٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے مُلک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی
ہے اور اِس بات کا اندازہ کریں کہ آنیوالی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو

یہاں تک گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہمکو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا مُلک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا*

# حکایت

## ایک نادان خدا پرست اور دانا دنیا دار کی

کیا عجیب بات ہے اَن ہوئی اور اَن سُنی۔ دو شخص پچھلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں آواز آئی کہ مَیں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور ننگے پائوں ہو کر آگے بڑھے۔ قدموں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھ کو مُلکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تُو تو ہمارے پاس ہی نکلا۔ اَب ہم پر مہربانی کر۔

شعلہ میں سے آواز آئی کہ تمھاری دُعا قبول ہوئی۔ کل صبح کو نُور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک اِس پہاڑ پر اور دوسرا اِس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آ حاضر ہو جو تمہاری تمنّا ہوگی وہی جاوے گی۔

سارا دن اور ساری رات دونوں کو بیقراری میں گُذرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آ پہونچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوئے اتنے میں جھاڑی چمکنے لگی اور خدا کی آواز آئی۔ دونوں لبیّک لبیّک کہہ کر چلا اُٹھے۔ جھاڑی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خدا پرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبّت اور چند روزہ دنیا کی مزخرفات سے نفرت دے۔ دنیا دار نے کہا کہ مُجھ کو نیک کاموں کے لیئے دُنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کاہے کی دیر تھی۔ جو اُنھوں نے کہا وہی ہو گیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دُوسرا دُنیا کی جاہ و حشمت سے مالا مال۔

خدا پرست خدا کی محبت میں چُور تھا اور اپنے دوست دنیا دار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دُنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُسکو خدا کی عبادت اور زہد و تقوٰے کے سوا اور کچھ کام نہ تھا مگر دُنیا کی طرف سے نہایت عاجز اور ذلیل۔ کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُس کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر مقدور نہ تھا کہ اُس دولت کو حاصل کرے۔ حج کرنے کا

شوق دل میں اُٹھتا تھا الا بے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا اپنی قوم کو خدا پرست ہونیکی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا ؛

اِن بیچارہ کا یہ حال کہ نان شبینہ کو محتاج۔ کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں۔ روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے۔ چار ناچار شہر چھوڑنا پڑا۔ لوگوں سے کنارہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا۔ جنگل میں جا بسیرا کیا۔ وحوش و طیور سے جا صحبت کو گرم کیا۔ دنیا اور دُنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا اور خدا کی محبّت سے اُلفت کی ؛

فاقے پر فاقے ہوتے تھے مگر یہ شیر خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین دن کے فاقے گذرنے لگے تو مردار کھانے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے۔ لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گانوں گنوئیں میں جاتے ہیئت مبارک دیکھکر گانوں کے کتّے پیچھے پڑتے یہ بیچارے خدا پرست کتّوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازہ تک پہونچتے کسی نے دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جا دیکھا جب قوت لایموت جھولی میں آیا پھر اُس سے زیادہ سوال کرنا حرام سمجھا کسی کنوئیں کے کنارہ پر بیٹھے سوکھے بھیک کے ٹکڑے چبائے کسی چلتے کنوئیں پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلّو پی لیئے خدا کے نور کے شعلے سینہ میں بھڑکتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو ؛

رفتہ رفتہ اُن کی بزرگی کا شہرہ پھیلا۔ دُور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا۔ لوگ جمع ہونےلگے منّتیں ماننے لگے۔ ہر ایک نے اپنے مطلب کی دُعا منگوانی چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی۔ کسی نے دولت چاہی۔ کسی نے روزگار کی تمنا کی۔ کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی۔ اِن کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی۔ لاٹھی لے سامنے ہوئے۔ لوگوں کو سمجھانےلگے دنیا چند روزہ ہے اُسکے لیئے کیوں ولولہ کرتے ہو۔ ولولہ کے لایق تو دین کی باتیں ہیں۔ دُنیا کو چھوڑ دو اور دین کی باتیں کر پڑو ؛

عقلمند اور نیک بخت آدمی اُن کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔ مگر اُن کی نصیحتوں سے متعجب ہوتے تھے کہ اگر سچ مچ دینداری یہی ہے تو دنیا کا کیا حال ہوگا اور دنیا کا کیونکر کام چلیگا پیغمبر کا بھی زمانہ گذرا صحابیوں کا بھی زمانہ گذرا کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا۔ مگر دنیا کو دین کے لیئے برتا۔ وہ احکام شرعی کو بجالاتے تھے۔ کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے۔ دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دُنیادار تھے۔ مولوی روم نے بھی یہی کہا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

طوطے کی طرح اللہ اللہ جپنا اور یاہو کبوتر کی مانند غوٹرغوں غوٹرغوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے بلکہ اُس نے جو چیزیں ہمکو مرحمت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے عقل ہمکو خدا نے اس لیئے دی ہے کہ اُس کی صنایع و بدایع پر غور کریں۔ اُسکی عجایب قدرت کو دیکھیں اور اُس کے وجود ازلی و ابدی بے ضد و ند پر یقین کریں آنکھ ناک حس و حرکت اس لیئے بخشی ہے کہ ہماری عقل کے مصاحب اور مددگار ہوں نطق ہمکو اس لیئے دیا ہے کہ ہم آوروں کو اپنے خیالات کا فائدہ پہونچاویں مال و متاع اس لیئے ہمارے لیئے مہیا کیا ہے کہ ہم خود بھی اُس سے فایدہ اُٹھاویں اور اَوروں کو بھی فایدہ پہونچاویں یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی ذاتی غرض کے سوا اَور کچھہ مدنظر ہی نہیں ۔

گر آں گلیم خویش بروں می برد زموج
من سعی میکنم کہ بر آرم غریق را

بعضے دس پانچ سَو پچاس آدمی جو اُنہی سے بیوقوف تھے خداپرست صاحب کے گرد ہوئے دنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ چھاڑ دھونی رما مسلمان جوگی جی کے ساتھ ہو لیئے اور دُنیا کے عیش و آرام اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کر خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے ۔

اَب خیال کرو ان بزرگواروں سے اِسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی صورت کیسی دکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیرمرد بزرگ پر کڑھایا ہوا میلا بدن ٹوٹے دانت ہڈی پر چمڑا چڑھا ہوا گنٹیاں مٹھی ہوئیں پیٹ پیٹھہ سے ملا ہوا کمر کبھڑی ٹانگیں ٹھٹھری۔ ہاتھہ پاٹوں کانپتے ہوتے لڑکھڑا لڑکھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپکپا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا پھٹی گدڑی پڑی ہوئی ادھر سے ران کھلی اُدھر سے چوتڑ کھلا جدھر گئے اُودھر ہزاروں مکھیاں چمٹ گئیں۔ اُودھر کتے بھوں بھوں کر کر پیچھے پڑ گئے جس قوم کے سامنے سے نکلے اُس نے نفرت کی ہر طرف سے دُور دُور پرے پرے کی آواز سُنی اور ذلت کے لیئے مسلمان دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے۔ سُبحان اللہ ان نادان خداپرست نے خوب اسلام کی صورت دکھائی اور نہایت اُس کی عزت بنائی ۔

اَب دنیادار صاحب کا حال سُنیئے۔ جب وہ گھر آئے۔ دوست۔ آشنا۔ بھائی بند جمع ہوئے

لعنت ملامت کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی ۔ دنیا کا کتا ۔ ایمان اسلام سے بے بہرہ ۔ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اُسی کا طالب دین کے بدلے دنیا لیکر آیا ہے ۔

یہ بیچارہ چُپ اُن جاہلوں سے کیا کہے ۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ نیتیں تو نیک کاموں کے لیئے دنیا لی ہے ۔ اگر دنیا کو نیک کاموں کے لیئے برتا جاوے تو وہ تو ہزار ہا زہد و تقویٰ اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جپنے سے بہتر ہے ۔

خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اگر ہم " واللہ لا ازید و لا انقص " کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعی بہشتی ہیں ۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حاصل نہیں ہوتی ۔ ہمکو دینداری کے لیئے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیئے ۔ محرمات شرعیہ سے بچنا اور مباحات شرعیہ کے مزے اوڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا ہی سب سے بڑی نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ہے ۔

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی خفگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے ۔ ہرچند سوچتا تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا ۔ لوگوں سے پوچھتا تھا پر تشفی نہ پاتا تھا ۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی " وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ " یہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا کہ پالیا پالیا بے شک دنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب مسکین محتاج ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ہے ۔

اب تو اس کا دل بہت سیر ہوا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بیشک مَیں نے اُس نادان خدا پرست سے اچھا کام کیا ہے مَیں نے تو نیک کاموں کے لیئے دنیا کو اختیار کیا ہے ۔ اب تو مَیں دُنیا ہی سے دین کو لے لوں گا اور ایسے ایسے لنگڑے ۔ لُولے ۔ بُوڑھے ٹھیڑے نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی کو ڑی پر خرید کر پھینک دوں گا ۔ پر اَے خدا جیسے تو نے میری دُعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں دنیا کو برتنے دے ۔

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس دنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں ۔ سب سے پہلے یہ خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دو ۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہیئے مگر اس سے قومی ذلت تو نہیں جاتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے ۔

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھکر قرآن بہت سے پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلہ کھنچواؤ۔ ختم خواجگان کرواؤ۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر ہنسا کہ اس سے کیا فایدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے کے پیٹ میں کب آتا ہے ❖

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ہیں مرمت کے لیئے روپیہ اکٹھا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ہیں مسجد کس کے لیئے بناؤں اور چراغ کس کے لیئے جلاؤں ❖

پھر سوچا کہ مکہ شریف روپیہ بھیجدو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ ملینگے روپیہ بھیجکر حاجیوں کے لیئے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماؤ۔ پھر ہنسنے لگا کہ کیا بیوقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے دیکھنا چاہیئے کہ جو ضرورت مکہ میں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ہے وہ اُس سے زیادہ ہے۔ رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کر دینی بری نہ سہی مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو مکہ میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے ❖

ایک صاحب اُٹھے کہ اجی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کر دو اور مکہ حج کو بھیجدو۔ اُس نے کہا کہ ہاں اپنی تو بڑی نیکنامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے جس پر جو بات فرض نہیں کی میں اُس پر فرض کرنیوالا ہوں ❖

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اُٹھے کہ میاں عربی کا مدرسہ قایم کرو۔ قال اللہ و قال الرسول کا ذکر سنو۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ پڑھاؤ۔ ہمارے ہاں کی معقول۔ منطق۔ حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے اُسکو پھیلاؤ۔ مگر یہ شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون پہنے گا۔ پرانی حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اُس سے قومی ترقی اور قومی عزت کی کیا توقع ہے ❖

غرضکہ سب کی باتیں اُس نے سنیں اور کہا کہ یہ سب مکر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی صورتیں جلوہ افروز ہو کر دھوکے میں ڈالنا ہے ان سب کو چھوڑ دو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسا کرکے قومی عزت اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو برتو ❖

اُس نے سمجھا کہ بھلا سب سے بڑا سبب قومی ذلت کا آپسمیں ہمدردی کا نہ ہونا ہے میری قوم

خود غرضی کی بیماری میں مبتلا ہے - اپنے فایدے کے لیئے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور اچھا
کپڑا پہننے اور چین سے سونے اور ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت
کا منتہا سمجھتے ہیں - قوم کی بھلائی اور رفاہ عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے اُس نے اس بیماری
کو کھونا چاہا اور فرض پنجگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت اور اوراد مندوبہ اور اعمال مشائخ کے بدلے
اپنی قوت لسانی اور مراقبہ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر
جاوے جلوت میں پند و نصایح تقریر بیان سے اسی بات کا چرچا اگرچہ بہت سی نا اُمیدیاں اُسکو
پیش آ گئیں الّا اپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور یہ سمجھا کہ اِس کام میں جتنا میرا وقت صرف
ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف
نہیں ہوتا ؛

اُس نے بقدر اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور حقایق و معارف قرآن و حدیث پر غور کیا اُس نے
دیکھا کہ علمائے سابق نے اپنے زمانہ کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو زمانہ حال میں
یقینی غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثل احکام شارع
سمجھ رکھا ہے اور اِس سبب سے اسلام کو یہ مضرت پہونچی ہے کہ جو لوگ زمانہ حال کے علوم سے واقف
ہوتے ہیں وہ مذہب اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہب اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علماء کے
اقوال میں غلطی ہے چند روز تک تو اُس نے اُن علماء کا بڑا ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علماء کے اقوال کا غلط
ہونا مذہب اسلام میں کچھ نقص نہیں لاتا اگر بالفرض ابو بکر و عمر نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو بھی مذہب
اسلام پر کچھ داغ نہیں لگتا پھر اور بیچارے مولوی ملا کس شمار قطار میں ہیں - تب اُس نے علماء
وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے
آپ اِن غلطیوں کے رفع کرنے پر مستعد ہو جیئے - یہ بیچارہ خود جاہل حرف دو چار لفظ سے آشنا تھا
خود کیا کر سکتا تھا - مگر جب کوئی متوجہ نہیں ہوا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھکو دی ہے
اُسکو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلانا خاص میری عبادت ہے - اُس نے
ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا ڈر نہ کیا اور اسلام کی محبت کو ابو حنیفہ و شافعی - مالک و حنبل کی
محبت سے زیادہ سمجھا اور نیک نیتی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا اور اُس کے عوض اپنے
ہم مذہبوں سے جو سنا اُسکو بخندہ پیشانی گوارا کیا ؛

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو عقل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانچو - سچا سچا ہی ہے

اُس نے مذہب کو حقایق موجودات سے موازنہ کیا اور دنیا کو یہ دکھلانا چاہا کہ خدا کا قول یعنی مذہب اور خدا کا فعل یعنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبدأ ایک ہی ہے +

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندی رسومات اور اوہام مذہبی کے جو حقیقت میں مذہب سے متعلق نہ تھے چھوڑانے پر کوشش کی تاکہ لغو خیالات سے لوگوں کے دل پاک ہوں اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جس میں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جس میں ہوں اُن سے پرہیز کرو جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کیئے ہیں بلا تعصب سیکھو جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی۔ یونانی ہو یا لاطنی۔ سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُن کو عجائبات قدرت الٰہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو +

صنائع و بدائع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی تجارت کے اصول پر غیر قوموں نے عمدہ طور پر قائم کیئے ہیں اُن کی اپنی قوم میں مروج ہونے کی خواہش کی اور اِن تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی مسکنت اور اُس کے باعث سے جو ذلت ہے وہ رفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعار اسلامی کو بجا لا سکے جس سے اسلام کو رونق ہو +

اُس نے خیال کیا کہ طریقہ تمدن و معاشرت اگر خراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کے ادنےٰ ذلیل درجہ سے اعلےٰ درجہ پر تبدیل ہونے کی کوشش کی تاکہ اسلام پر سے یہ جھوٹا دھبہ کہ خرابی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہے مٹ جاوے +

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال چلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے اُس نے اُن کی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اُجلاپن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلےٰ اور عمدہ درجہ پر پہونچانا چاہا جس کے سبب سے اَور قوموں کی نظر حقارت جو اِسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پتلا بن کر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیروؤں کی خصلت اور افعال سے دکھلائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی

صورت ہے دنیا کو نظر آوے ٭

فرض کرو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہوگئیں تو ان کی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی۔ ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیادار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانئے ٭

# عام تعلیم پرشیا میں

پرشیا واقع جرمنی کی عام تعلیم کی بابت ۱۸۶۱ء میں ایک رپورٹ چھپی تھی اُس کا خلاصہ ہم اس لیئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس درجہ تک تعلیم کی ترقی ہے ٭

۱۸۶۱ء میں پرشیا میں پچیس ہزار ایک سو چھپن سرکاری ابتدائی سکول تھے اور آٹھ سو تیرہ خانگی۔ جن کی کل میزان پچیس ہزار نو سو اُنہتر ہوئی ٭

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھ تہتر ہزار چار سو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بیالیس جس کی میزان اُٹھائیس لاکھ ایک ہزار سات سو پچپن ہوتی ٭

پرشیا کے مُلک کی آبادی ایک کروڑ چوراسی لاکھ اکیانوے ہزار دو سو بتیس آدمیوں کی ہے اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک سکول ہوتا ہے اور اوسط لڑکوں کا فی اسکول ایک سو دس کے قریب پڑتا ہے ٭

اِن اسکولوں کے سوا چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لیئے مکتب تھے جن میں بتیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے ٭

اعلیٰ تعلیم کے مدرسے اس سے علاوہ ہیں مگر ۱۸۶۱ء میں کُل طالب علم جو تمام مدرسوں اور اسکولوں اور مکتبوں میں پڑھتے تھے اُن کی تعداد بتیس لاکھ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی۔ اور کُل مدرس چھتیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھ مرد اور تین ہزار دو سو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسط اور اعلےٰ مدرسوں میں نو ہزار نو سو تیرہ مدرس تھے ٭

اُسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۱ء میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے حساب
کا تخمینہ کیا گیا کہ کس قدر آدمی بن پڑھے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی بن پڑھے تھے مگر یہ
زمانہ اب گیا۔ اس عرصہ میں اب اور زیادہ ترقی تعلیم کی ہوگئی ہے۔ جب میں ولایت میں تھا
تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت ملاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا
وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اب پرشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی بن پڑھا بمشکل نکلیگا ✦

اب ہندوستان کے مسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش
کیئے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا بمشکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمکو اپنی قومی
ترقی اور تربیت و شایستگی کے لیئے کیا کچھ کرنا ہے ✦

جو حال کہ ہمنے اوپر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اُس سے
یہ نہ سمجھا جاوے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہے۔ نہیں تمام
اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچ رعایا دیتی ہے مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون
ہے اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسے قایم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی خانگی۔ ورنہ
حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں ✦

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہے نہایت ہی عمدہ ہے مگر وہ قانون ہندوستان سے
جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگلنڈ اور ویلز میں
بھی اُس کے مطابق عملدرآمد ہونا نہایت دشوار ہے چہ جائیکہ ہندوستان اور اس لیئے ہماری
یہ رائے ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ
نہ ہوگی اور خود آپ اپنی قوم کی تعلیم کا بندوبست نہ کرے گی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا
غیر ممکن ہے ✦

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغو خیالات اور بیہودہ تعصبات میں مبتلا ہیں اور
اپنی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیم و تربیت کی کچھ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہے اور کمال رنج
ہوتا ہے اُس وقت ہمارا قلم نہیں رکتا اور زبان حال سے میر کا یہ شعر پڑھتا ہے۔

ضبط کروں میں کب تک آہ
چل رے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہے جو کہتا ہے اور لکھتا ہے جو لکھتا ہے ✦

# غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہ ہو وہ غیر مفید ہے۔ ایک عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اگر حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اوّل مفلس اور محتاج اور پھر نالایق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بدمعاش ہو جاتے ہیں *

پچھلی حالت تو اب تک مسلمانوں کی نہیں پہونچی مگر اسی طرح زمانہ چلا گیا تو بہت جلد یہ نوبت بھی آجاوے گی مگر اور سب باتیں تو فضل الٰہی سے ٹھیک ٹھیک پوری ہو گئی ہیں اب یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ یہ حالت مسلمانوں کی درحقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں مفلسی کا اصلی سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لیئے کہ اُن سے نہ لوگوں کو کچھ فایدہ ہوتا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں *

بالفعل جو علوم کہ مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر مفید ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی مفلسی اور محتاجی کا ہے چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اِس مقام پر کرتے ہیں *

**علمِ دین** ۔ اہل مذہب کے لیئے علم دین کبھی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اِس لیئے کہ خود اُس کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے ہاں اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اُسوقت بحث کی جا سکتی جبکہ اُس کے فائدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل رایج ہے وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیئے بھی مفید نہیں یونانی فلسفہ کا تو زمانہ جس کے مقابلہ کے لیئے علم کلام نکلا تھا گیا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں وارد کیئے جاتے ہیں اُن کا جواب تو درکنار شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اِس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے *

**علمِ لسان** ۔ اِس علم سے سات علم متعلق ہیں ۔ لغت ۔ صرف ۔ نحو ۔ معانی ۔ بیان ۔ بدیع ۔ انشاء ۔ یہ سب علوم اکثر بزبان عربی اور کبھی بزبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائے جاتے ہیں مگر یہ سب علوم فی نفسہٖ کچھ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان

کے لیئے آلہ ہیں پس اگر علم لسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہے تو محض بیفایدہ ہے عربی زبان اس زمانہ میں بجز علم دین کی شق اوّل کے اور کسی قسم کے مفید علوم حاصل کرنے کے لیئے ذریعہ نہیں ہے اور اس لیئے سوائے ایک حالت کے اَور تمام حالتوں میں وہ علوم محض غیر مفید ہیں؛

**علم منطق** - یہ بلاشبہ مفید ہے مگر فی نفسہ کچھہ مفید نہیں بلکہ جب اور علوم مفیدہ کے شامل استعمال کیا جاتا ہے جب مفید ہوتا ہے مگر مسلمانوں میں دو وجہ سے یہ علم بھی غیر مفید ہوگیا سبب اوّل اس لیئے کہ کسی علم مفید کی تعلیم ہی نہیں رہی جس کے ساتھہ استعمال میں آنے سے اس علم کو مفید قرار دیا جاوے دوسرے اس لیئے کہ اس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکار آمد ہیں مسلمانوں نے اسکو اسقدر غیر مفید طول دیا ہے کہ ایک عمر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گذر جاتی ہے اور نہ کسی کا تصور ہوتا ہے نہ کسی کی تصدیق اور اس لیئے اسکو خود غیر مفید کردیا ہے؛

**علم طبعی الٰہی** - ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اس علم کا اس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصے - نہ لیپنے کا نہ پوتنے کا؛

**علم حساب - علم ہندسہ** - یہ دونوں علم بلاشبہ نہایت مفید ہیں مگر مسلمانوں میں ان کی تعلیم جس قدر مروّج ہے وہ کچھہ بھی مفید نہیں - بڑے سے بڑے عالم وحید العصر اور فرید الدہر جناب مولوی صاحب و قبلہ کو لے لو - تحصیلی مکتبوں کا ہوشیار لڑکا ان دونوں علموں کو اُن سے بہتر و مفید تر جانتا ہوگا - پس جس مقدار سے کہ یہ علوم مسلمانوں میں مروّج ہیں اور عمل تقسیم تک خلاصۃ الحساب پڑھہ لینے اور تحریر اقلیدس کا مقالہ اوّل ختم کر لینے پر فضیلت کی پگڑی بندھ جاتی ہے محض غیر مفید ہیں؛

**علم ہیئت** - ایک اصول اور ایک مسئلہ اس علم کا جو عربی زبان میں ہے صحیح نہیں - من اوّلہ الیٰ آخرہ غلط اور خلاف واقع ہے - پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہے وہ کبھی مفید نہیں ہوسکتی پس شرح چغمینی اور مجسطی پڑھنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہوسکتا ہے ہاں البتہ جہل مرکب ترقی پاتی جاتی ہے؛

**علم آلات** - ہم کیوں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس لیئے کہ مسلمانوں میں مروج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہیئے کہ یہ علم مسلمانوں میں ہے بھی یا نہیں جب بہت تلاش کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالموں کے کتب خانے میں چند ورق کا رسالہ جر ثقیل اور دو یا تین صفحہ کا رسالہ عمل کرہ اور

بیس باب کا رسالہ اسطرلاب پاتے ہیں اور جب اَور زیادہ تلاش کرتے ہیں اور مُلکوں مُلکوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک بڑی نام آور کتاب "آلات رصد برجندی" پاتے ہیں مگر پھر پوچھنا پڑتا ہے کہ اسکو کوئی جانتا ہے تو اُس گھسیارہ کے منشی کی طرح جو دیکھتا ہے وہ روتا ہے بہرحال اگر اُن کو کوئی جاننے والا دیکھے بھی تو زمانہ حال کے آلات کے مقابل میں محض لغو اور بیہودہ اور غیر مفید خیال کرے ؂

**علم طب**۔ اس علم کا پردہ مَوت وحیات نے ڈھانک رکھا ہے۔ یعنی جتنے معالج ہیں اُن کے علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر جب زمانہ حال کی طب اور اُس کے کمال اور اُس کی تحقیقات کا مقابلہ کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں رائج ہے اگر اسمیں ترقی نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فایدہ مندی نہیں ہے ؂

اَبْ مُسلمانوں کے علوم کی تُرکی تمام ہوگئی اور بخوبی ظاہر ہوگیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروج نہیں ہے اور یہی باعث اُن کی ذلت و مسکنت کا ہے پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑیں اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مُسلمانوں کا ایسا قایم کریں جو اُن کے دین و دنیا دونوں کے لیئے مفید ہو ؂

## تُرک

اسلام کا نتیجہ نیک چلن ہوتا ہے اگر ہم دیکھیں کہ کسی ملک کے مُسلمانوں میں نیک چلنی نہیں ہے تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ اسلام صرف اُن کے موُنھ ہی موُنھ میں ہے حلق کے نیچے ذرا بھی نہیں اُترا گو اُنھوں نے اپنے تئیں کیسا ہی جبہ اور عمامہ سے مقدس بنایا ہو اور نمازیں پڑھ پڑھ کر اور تسبیحیں ہلا ہلا کر قدوس جتایا ہو ؂

اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اُسی طرح تمدن اور حُسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیرووں کے برتاؤ میں ایسا ملا جُلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہوسکتیں اور بطور فطرتی عادتوں کے دکھائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھکر اصلی طبیعت ہوجاتی ہیں ؂

اخلاقی اور روحانی نتیجہ اُس کا خدا ہی کو ماننا اور اُسی پر بھروسا رکھنا اور ہر حال میں اُسکی مرضی پر شاکر رہنا اور تمام مصیبتوں پر نیک دلی سے صبر کرنا ہوتا ہے اور تمدنی نتیجہ اُس کا اپنے ہمجنسوں سے

محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہے۔ رحمدلی اور صدق مقال یعنی ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا ٹائیٹل یعنی لقب ہے۔ دغا و فریب سے بچنا اس کی ڈگری یعنی اُس کا منصب ہے۔ اب دیکھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کتنے ہیں جن کا ایسا برتاؤ ہے ؂

افسوس کہ ہمنے اپنی بدچلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہے۔ شہادت زُور گویا مفلس مسلمانوں کا پیشہ ہوگیا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جس وقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج کو گو وہ مسلمان ہی کیوں نہو اس بات پر غور کرنی پڑتی ہے کہ آیا اُس کی شہادت سچ ہے یا نہیں مگر جس وقت مسلمان گواہ آیا اور اُس نے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُس کے جھوٹے ہونے کا ہوگیا جب تک کہ کسی اَور قرینہ سے اُسکے سچے ہونے کا گمان نہو۔ مسلمان سودا بیچنے والے بہ نسبت اَور قوموں کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہینگے اور ہمیشہ اِس بات پر قصد رہیگا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لیجاوے ؂

جب کہ ہم کسی قوم کے سوداگروں اور خوردہ فروشوں میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیاء کی ایک قیمت خاص معین ہے وہی کہتے ہیں اور وُہی لیتے ہیں تو ہمکو مسلمانوں کی خراب عادت یعنی جھوٹ قیمت کہنے اور پھر چکاتے چکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پر بیچنے سے کیوں نہ رنج ہو اور ہم کیونکر نہ اِس بات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہے ؂

اگر تمام دُنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی مشکل پیش آتی اس لیئے کہ خود اسلام کی نسبت بہت کچھ شُبہ پڑتا مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ اَور ملک کے مسلمانوں کا حال دیکھکر یقین آتا ہے کہ اسلام بلاشبہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہے ؂

مسٹر جان رسل ہوبل صاحب نے ٹرکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہے اُس میں اُنھوں نے جو کچھ حال ترکوں کا لکھا ہے اُس کا انتخاب اس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُسکو دیکھکر عبرت اور غیرت پکڑیں ؂

وہ لکھتے ہیں کہ جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہے اُس نے ماں اور لڑکوں کی محبت کا ضرور ذکر کیا ہے۔ ماں کی شفقت اور لڑکوں کا ادب یہ دونوں باتیں طرفین کی طرف سے نہایت مستحکم اور لازوال ہوتی ہیں اسی کے ذریعہ سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو فرنگستان میں نہیں ہے۔ عورت کو خانہ داری میں بالکل اختیار رہتا ہے۔ ہم لوگوں میں (یعنی اہل فرنگ میں)

اگر عورت تمام عمر اُس کے حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اُسکو حاصل نہیں ہو سکتا +

وہ کہتے ہیں کہ "کثرت ازدواج ترکوں میں اسقدر زیادہ اور ایسی عام بات نہیں ہے جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں" +

اُن کا قول ہے کہ "اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحمدل ہے - قرآن میں صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے مرد ہو یا عورت بہشت میں جاویگا" +

وہ لکھتے ہیں کہ "مس پارڈہ جو ۱۸۳۶ء میں ٹرکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارسائی کی تصدیق کرتی ہیں +

مسٹر سی ہوایٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر صرف کرتی ہیں جیسیکہ اَور دارالریاست کی عورتیں - فرق یہ ہے کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہے - لڑکے اپنے والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہے - عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہے - ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا بُرا دستور جاری نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قاعدہ کی بات ہے بلکہ ایسی حالت مستثنیٰ ہے - رذیل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذ و نادر ایسے لوگ ملینگے جنھوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو - نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہ دستور مستثنیٰ ہے +

مسٹر جان کارنی صاحب کیمبرج والے یہ فرماتے ہیں کہ "ترکوں کی عجیب ایمانداری کا کچھ ذکر کرنا عین انصاف ہے - جب کہ میں گلیٹیا میں وارد ہوا تو میرا اسباب ایک مزدور نے اُٹھا لیا اور ہم آگے بڑھے - جب ہم ایسی جگہ پہونچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غایب ہو گیا اور ہم لوگ ایک قہوہ خانہ میں گئے - میں نے یہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا اسباب لیکر بھاگ گیا مگر سیوڈن کا رہنے والا کپتان جہاز کا جو پہلے بھی اس بندر میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں - تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی راہ سے پھرا چلا آتا ہے اور گھبرایا ہوا چاروں طرف دیکھتا آتا ہے - بازاروں میں اکثر دوکاندار اپنی دوکان اور اسباب کو کھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ اندیشہ نہیں ہوتا - دین اسلام کسی کی شاذ و نادر تہذیب میں ضعف کی کوشش کرتا ہے - ٹرکی اپنی روم کی سلطنت کے مختلف حصوں میں میں نے سفر کیا

اور اثنائے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں اور امیروں کے مکانوں میں رہا مگر کبھی ایک خوہرہ کا بھی میرا نقصان نہیں ہوا ؛

یونانیوں نے جبکہ تریپولٹزا مقام کی ترکی عورتوں پر ظلم کیا۔ امیروں کی عورتوں کو رذیل قوم کی عورتوں میں ملا دیا۔ اُن کے مرد رشتہ دار ذبح کر ڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابل تعریف کے ہے۔ خدا کی شکایات یا بیفایدہ افسوس کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ یہی کہتی تھیں کہ خدا کی یہی مرضی ہے اور سب تکلیفوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں۔ ترک مرد بھی رنج و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں مگر ترک عورتیں تو گویا رنج و محنت کی برداشت کی روحیں ہیں" ؛

اس مقام پر ہمکو پہنچے ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہے بلاشبہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا کی شاکر اور رنج و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں۔ خدا کی عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہا رحمدلی۔ والدین کا ادب۔ شوہر کی محبت اور اطاعت۔ تمام رشتہ مندوں کی اُلفت اور رنج و راحت میں اُن کے ساتھ شرکت۔ اولاد کی پرورش خانہ داری کا انتظام جس دلی نیکی اور خالص ایمانداری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہے۔ نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ او خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمکو یہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں۔ اُن کی زبان پر یہ ایک مثل ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ پکاریں تو کیا کریں۔ دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہے پر بچہ ماں ہی ماں پکارتا ہے ۔ جو جو مصیبتیں کہ ہری یاد میں ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُسکو سہا حقیقت میں دنیا کی عجائبات میں سے ہے۔ ہماری رائے میں اسلام کی عزت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہے صرف مسلمان عورتوں نے رکھی ہے اور جب اُس کے ساتھ کافر مسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھ ہے خیال کیا جاوے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہونچ جاتی ہے جو حد بیان سے خارج ہے ؛

ہماری رائے یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ صرف زبان سے مسلمان گننے اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور بیچ کے گریبان کا کرتا اور گول عمامہ پہننے اور صرف نماز پڑھکر

دل خوش کر لینے اور صرف دن بھر کا فاقہ کر کر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شربتوں سے افطار کرنے ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اس کے ساتھ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے ہیں اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت میں اُن کا ظہور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں کچھ اثر کیا ہے ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

# خدیو مصر کی محلسرا

جبکہ ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہمکو نہایت مشکل پیش آتی ہے اس لیے کہ تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی ہند واقف نہیں ہیں اور یہ بھی بڑے شکر کا مقام ہے کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ہم لوگ کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ وہ اور بھی کس قدر زیادہ حقارت اور ذلت کی نظر سے ہمکو دیکھتے ؎

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ فضول خرچ ہیں ہم کچھ روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے اخراجات سے کچھ کم نہیں ہیں اگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا متمول ہندو کے اخراجات کا تخمینہ کریں تو بلاشبہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلیگا مگر افسوس اسپر آتا ہے کہ باوجود اِن سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک میلے کچیلے جانور کی بہت لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدرتی صفائی اور لطافت ہے اور ایشیا کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلاظت ہے یہ بھی ایک رائے ہے کہ ایشیا کی قوموں کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کر دیتی ہیں ؎

مگر یہ رائیں کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتیں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ انسان کے مہذب ہونے کے لیئے آب و ہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہے مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہے جو وہاں کے باشندوں علی الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقی کرنے کا مانع ہو۔ مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جس نے ہندوستان میں اُسکو بہ نسبت اَور ملکوں کے بھی زیادہ گھیر لیا ہے پاک صاف ہو تو وہ انسان کے مہذب ہونے کا خود ذریعہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ مانع یا مزاحم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہے ہماری تربیت ایسے ناقص طریق پر ہوتی ہے جس کے سبب سے ہماری طبیعتوں میں صفائی اور نفاست نہیں رہتی ؛

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہ چھوٹا تھا تو اُس کے باپ اسمٰعیل پاشا خدیو مصر نے یہ تدبیر سوچی کہ اُس کی پرورش یوروپین عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اُسکو بچپن ہی سے صفائی اور مہذب قوموں کی مانند زندگی بسر کرنے کی عادت پڑے۔ حقیقت میں یہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندی کی تھی چنانچہ اُس نے لنڈن سے ایک عورت کو جس کا نام املین لاٹ تھا اِس کام کے لیئے نوکر رکھکر بلایا اور وہ چند روز ابراہیم پاشا پر نوکر رہی جبکہ وہ اپنے ملک میں واپس گئی تو اُس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "حرم لیف" رکھا ہے یعنی محلسرائے کی رہنے والی بیگمات کی زندگی بسر کرنے کا حال۔ ہم اُس کتاب سے بالفعل مفصلۂ ذیل مضمون منتخب کر کر لکھتے ہیں اور آئندہ اَور بھی لکھینگے اور اُمید کرتے ہیں کہ اِن حالات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھ حال جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا ؛

وہ لکھتی ہے کہ "جب میں محلسرائے میں داخل ہوئی تو مجھ کو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اُس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جسے دیکھکر مجھے کمال نفرت ہوئی وہ کمرہ خود بھی نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھ بھی سامان اُس میں نہ تھا۔ ہمارے ملک (یعنی لنڈن) کی اشراف بی بیوں کے ہاں جو عورتیں مزدوری کرنے کو آتی ہیں وہ بھی ایسے کمرہ میں دو رات بھی بسر نہ کریں گی۔ اُس کمرہ میں نہ بیٹھنے کے لیئے کوئی کرسی تھی اور نہ لکھنے کے لیئے کوئی میز تھی اور نہ کپڑا پہننے کے لیئے کوئی علیحدہ جگہ تھی" ؛

مذکورہ بالا تحریر سے یہ بات معلوم ہوگی کہ مہذب قوم کے لوگ کم درجہ کے بھی اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروری سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہ ہونے سے

کیسا تعجب کرتے ہیں ۔

وہ لکھتی ہے کہ "اُس کمرہ کے پلنگ کا بچھونا ایسا خراب اور سخت مثل تخت کے تھا کہ ہمارے وطن (یعنی انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کی چھوٹی سی جھونپڑی میں بھی ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑہ کی بے عزتی ہوتی۔ مجھ کو اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور خدیو مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہی افسوس ہوتا۔ ہر دم یہی کہتی تھی کہ اگر نہ آتی تو بہتر ہوتا ۔

اُس کمرہ میں نہ تو کوئی سنگار میز تھی اور نہ اُن لوازمات ضروری میں سے کوئی چیز تھی جو عورتوں کی خوابگاہ میں ہونی چاہیئے۔ پھول سجانے کے لیئے کوئی گلدان تک نہ تھا" ۔

مذکورہ بالا فقرہ سے تفاوت خیالات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مہذب قوم کے ادنے لوگ بھی جن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں ہم کو اُن کا کبھی خیال بھی نہیں آتا ۔

وہ لکھتی ہے کہ "البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکی کے پاس شجرے منڈھی ہوئی ایک کوچ رکھی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی عجیب چیز جو اُس میں تھی وہ کپڑے رکھنے کی دراز دار الماری فرانس کی بنی ہوئی تھی اور گویا یہ خاص خاطرداری کے لیئے تھی کیونکہ روم اور مصر کی عورتیں پہننے کے کپڑے بخاریوں میں رکھتی ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتی ہیں" ۔

وہ لکھتی ہے کہ "بیگمات کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُن میں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر جا بجا سفید چربی کے داغ پڑے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ بے تمیزی سے لونڈیاں ہاتھوں میں شمعیں جلا کر لیئے ہوئے ادھر اُدھر پڑی پھرتی ہیں اور چربی کی بوندیں قالین پر ٹپکتی جاتی ہیں اور وہی بچھا رہتا ہے۔ دیواروں کے پاس شجر کپڑے سے منڈھی ہوئیں کوچیں بچھی تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا۔ چھت نقش و نگار سے آراستہ تھی۔ بیچ میں سنگ مرمر کی ایک میز جسکے پایوں پر گلٹ کا کام تھا رکھی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں پایوں پر آٹھ آٹھ بتی کے چار جھاڑ چاندی کے جن میں سُرخ رنگ کی فانوسیں چڑھی ہوئی تھیں رکھے ہوئے تھے۔ تمام مکان میں تصویر رکھی نہ تھی کچھ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سی چیزیں وہاں نہ تھیں جن کی درحقیقت مکان کی آراستگی کے لیئے ضرورت تھی۔ کافی رکھنے کی چھوٹی بقدر رکابی کے گول میزوں پر سیپ کی پچی کاری بہت خوبصورت تھی مگر جو کہ میری نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈرائینگ روم کی سجاوٹ

اور عمدگی سامان کی سجائی ہوئی تھی۔ اس لیئے یہ سب چیزیں نہایت حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ غرضکہ محلسرائے کا یہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہے اور کہیں نہیں ہے اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا کہ جیسا چاہیئے ویسا آراستہ نہیں ہوا"

مجھے افسوس ہے کہ املین لاٹ نے ہندوستان میں آکر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی محلسراؤں کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ سے جس کا حال املین لاٹ نے لکھا ہے مصر اب بہت زیادہ ترقی پر ہے اور یورپ سے زیادہ اختلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں اُسنے بہت ترقی کی ہے

## مُصلحانِ معاشرت مسلمانان

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی طرز معاشرت و طریقہ تمدن میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اُن کا کچھ مختصر حال لکھنا مسلمانوں کی واقفیت کے لیئے بہتر ہوگا

## اوّل

### سلطان محمود خاں مرحوم سلطان روم

یہ بادشاہ سنہ ۱۸۰۳ء میں تخت پر بیٹھا اور سنہ ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا

ہماری رائے میں مسلمانوں میں سب سے اول یہ سلطان ہے جس نے مسلمانوں کے اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شروع کی تعصبات مذہبی کو جو درحقیقت اخلاق محمدی کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اُسکے ملک میں تھے مرمت کرا دی جبکہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاسٹر (یہ ایک ٹرکی سکہ چاندی کا ہے) بانٹے تو گریک اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر حصہ دیا

اپنے ملک میں سکول مقرر کیئے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی عیسائی مسلمان سب کو

برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی +

سیتلا کی بیماری موقوف ہونے کے لیئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج دیا شفاخانے مقرر کیئے جن میں فرنچ ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈس گالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطانی حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی اُن کا لکچر سُننے کو حاضر ہوا کریں +

۱۸۳۰ء میں اس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کردیا اور تمام گرجی جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کردیئے کیونکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم اور آیت فاما منا بعد واما فداءً کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں ہو سکتا +

اسی بادشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر ۱۸۳۱ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام تقویم وقایع رکھا گیا تھا +

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سیکھنے کو بھی تصویر کا بنانا جایز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سرجری سکول قایم کیا جو دوسری جنوری ۱۸۳۱ء کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ کتب تشریح مع تصاویر تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں +

اس سلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مہذب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی ملاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی درست کیا جاوے بالکل ناممکن ہے +

اس نے دفعتاً اپنی سپاہ کی وردی بدل دی اور بالکل انگریزوں کی سی کردی صرف ٹوپی کا فرق تھا۔ ڈاکٹر والش صاحب لکھتے ہیں کہ ترکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی اور جس نے مجھ کو حیران کردیا وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور افسر فوج کے ولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے +

اس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر یا پائیدار خوان پر کھانا رکھکر ہاتھ سے کھانا ترک کردیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سرخ ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے پہننی شروع کی +

میز و کرسی پر مچہ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر والش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین پوشاک اور یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی اوصاف اور شایستگی عادات میں اور ترکوں کی قدیم جہالت اور ناشایستگی میں آسمان و زمین کا فرق ہے *

اس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشینوں کے لیئے چھوڑی تھی وہ یہ ہے کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیگاہیں *

یہ تھے اصلی اصول اسلام کے جنپر سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب کام علماء پایہ تخت کے فتووں سے کیئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اس سلطان کی پورے قد کی تصویریں نے وارسیل کے پیلیس میں دیکھی تھی جو پیرس دار السلطنت فرانس میں ہے اسکو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سوہاتی تھی۔ خدا اُسپر رحمت کرے کہ اُس نے مسلمانوں کو مہذب و شایستہ بنانے کے لیئے سب سے اوّل کوشش کی *

# دوم

## سلطان عبد المجید خان مرحوم سلطان روم

یہ سلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا *

اس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی۔ بالکل یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یورپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی۔ میز پر چھری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصبات کو جو مذہب اسلام کی رو سے لغو تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا *

سب سے اوّل اور عمدہ کام جو اس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اُس کے احسانمند رہینگے تمام یورپ کی اعلیٰ سلطنتوں سے اور خصوص انگریزوں سے خاص محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجملہ یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی

اور جو عہدنامہ سنہ ۱۸۴۰ء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اُس عہدنامہ میں یہ مسلمانی سلطنت بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اِس بادشاہ سے اور روسیوں سے ہوئی تھی انگریزاور فرنچ نے سلطان کی مدد کی اور اِس مسلمانی سلطنت کو بچا لیا ورنہ آج دنیا میں مسلمانی سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا۔ پس حقیقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر انگریزوں اور فرنچوں کا مگر بالتخصیص انگریزوں کا اِس قدر احسان ہے کہ جب تک مسلمانی سلطنت قایم ہے بلکہ جب تک مسلمان دُنیا میں ہیں اُس کے شکر اور مراسم احسانمندی کو ادا نہیں کر سکینگے ؂

سلطان کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لایق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا جس کا نام رشید پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالمجید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو اُن لوگوں کی فہرست میں جنہوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی سلطان محمود خاں کے بعد رشید پاشا کا نام نامی اور لقب گرامی لکھتے۔ اُس نے ترکوں کے تمام لغو اور بیہودہ تعصبات کو جن کو اُنھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا اور جو درصل مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے اور جو درحقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور مہذب ہونے کے مانع تھے بہ خوبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال ور سند سے اور نہ زید و عمرو کی تقلید سے اُن تمام تعصبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا اور سلطان عبدالمجید خاں نے اُسکو پسند کیا اور تمام علماء اور مسلمانوں میں اور تمام رعایا میں اُس کے مشتہر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو ٹرکی زبان میں "ھت شریف" کے نام سے ملقب ہے ؂

۳۔ نومبر سنہ ۱۸۴۱ء کو ایک بہت بڑے عالی شان مکان میں خود سلطان اور اُسکے تمام وزراء اور علماء اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو انباسڈر کہلاتے ہیں اور شیخ و مشایخ کبار اور ہر درجہ کے امام اور گریک اور ارمنی چرچ کے بشپ جو پیٹریارک کہلاتے ہیں اور علماء یہود جو ربی کہلاتے ہیں اور تمام اہل حل و عقد جمع ہوئے اور رشید پاشا نے وہ ہت شریف پڑھا اور سب نے آمنا و صدقنا کہا۔ یہ دن سلطان عبدالمجید خاں کی سلطنت میں ایسا مبارک دن تھا جس پر سے ہزار عید قربان ہونی چاہئیں۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی قوم کی جان تھا اور حقیقت میں رشید پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اُس پر رحمت کرے ؂

سلطان عبد المجید خاں نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی اور اُن کے لغو تعصبات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتاً توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور اُن کٹ ملاؤں نے جن کی مثال ایسی تھی کہ۔ چارپائے بر وکتابے چند۔ اُنھوں نے بہت غل مچایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اُسکو کرشان کہنے لگے۔ مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ سلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب لوگ دل سے سلطان کو چاہنے لگے۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور لال ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے گھوڑے پر سوار نماز کے لیئے بایزید کی مسجد کو جاتا تھا راستہ میں عورتوں کے غول نے بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھکر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا خوبصورت نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے۔

اس سلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کیئے۔ انگریزوں اور فرنچ سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قایم کی۔ عدالتوں کے لیئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قایم کیا ۱۸۳۸ء میں پبلک انسٹرکشن کی کونسل بنائی۔ نئی یونیورسٹی قایم کی۔ نارمل اسکول قایم کیئے اور اُس کے وقت میں اتنی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرہ اخبار فرنچ اور ترکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے۔

ماشراللی سینی صاحب ایک فرنچ مؤرخ نے اس سلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور ذہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مسلمان ہیں جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال چلن درست کرنے پر متوجہ ہیں۔

## سوم

## سلطان عبد العزیز خاں سلطان روم

یہ اس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اُسکو اور اُس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سلطان بھائی ہے سلطان عبد المجید خاں کا

سنہ ۱۸۶۲ء میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا ٭

اس سلطان نے سب سے زیادہ مسلمانوں میں تربیت و شایستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرنچ اور آسٹریا سے اور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے ٭ لباس میں اور طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلکہ روز بروز اسمیں ترقی کرتا گیا بے تعصبی اور سچی دوستی اور محبت کا جو اُس نے فرنچ اور انگریزوں سے پیدا کی ہے سنہ ۱۸۶۷ء میں بخوبی ثبوت ہوگیا جب کہ سلطان پیرس دارالسلطنت فرانس میں بطور مہمان کے آیا اور امپرر نیپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کر لنڈن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملکہ معظمہ وکٹوریا دام ظلہا سے ملاقات کر آیا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا ٭

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لنڈن میں کمائی بلکہ مسلمانوں کی قوم کو بلکہ اُن کے اخلاق مذہبی کو دی وہ صرف یاد رکھنا اُس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیر اعظم سلطنت ملکہ معظمہ وکٹوریا کا تھا مر گیا تھا مگر اُن کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن کے پاس اُن کے شوہر عالی وقار کا شکر ادا کرنے گیا اور جیتنی بڑی عزت کا یہ کام سلطان سے ہوا شاید آیندہ تمام عمر اُسکو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا ٭

اس مقام پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں سے مسٹر سٹافورڈ نارتھ کوٹ اُس زمانہ کے سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اس احسان کا ضرور ذکر کرینگے کہ جب سلطان لنڈن میں تشریف رکھتے تھے تو اُنھوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لنڈن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس کے اُس خوبصورت بڑے ہال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا تھا اور مسٹر سٹافورڈ نارتھ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا ٭

پھر اُسی دوستی اور اخلاص کا استحکام سنہ ۱۸۶۹ء میں اور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز اور پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد ملکہ معظمہ اور ولیعہد بیگم قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور باہم دوستی اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رہے ٭

اُس کے بعد امپرس آف فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہمان تشریف

بیگمیں اور اسی طرح کھانے اور پینے اور دعوتوں کے جلسے رہے ✦

پھر امپرر جوزف یعنی شہنشاہ اسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لیگئے اور جو کہ سلطان کے مُلک کی اور آسٹریا کی حد بالکل پیوستہ ہے اور جار ملاصق ہے اس لیئے سلطان نے حق ہمسایہ کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور خاص اُسی محل میں جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ آسٹریا کو اُتارا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ کھانے پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھکر کھاتے تھے صرف سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا ✦

گریک اور ارمنی چرچوں کے لیئے بشب اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا ہے جس طرح کہ اگر خود اُنہی مذہبوں کا کوئی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اُس کے ہاں تمام عُہدہ دار اعلے سے اعلے بھی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد ہے کہ سفارت کے عہدوں تک جن میں ہزاروں راز کی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ کیسی عُمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف سے دربار حضور ملکہ معظمہ میں جو سب سے بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اُس عالی شان دربار سے ہے موسس پاشا جو گریک ہے انباسڈر یعنی سفیر مقرر ہے ✦

ترکوں کی تربیت اور شایستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ اُن کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و واسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فراک کوٹ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں اور تمام اُمرا اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے زمین پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ میز پر چھری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں اُن کے مکان کی آراستگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے ✦

علی پاشا وزیر سلطنت نہایت عُمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لنڈن میں اُس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عُمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاؤں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بانات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صفائی اور نفاست اور آراستگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب یہ لوگ اپنی ہمسایہ قوم مثل فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو بھلے معلوم ہوتے ہیں اور اُمید ہے کہ روز بروز اور زیادہ مہذب ہوتے جاوینگے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہم یہی چاہتے

ہیں کہ اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چھوڑیں اور تربیت اور شایستگی میں قدم بڑھائیں ✤

# ترقی علوم

مُسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلے سے ہوئی ہے۔ سب سے اوّل بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی خلافت میں ہوئی کہ اُنھوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اوّل سے آخر تک یکجا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھدیں چنانچہ اُنھوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے ✤

دُوسری فعہ مُسلمانوں کے علوم کو اُس وقت ترقی ہوئی جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اوّل اوّل لوگ اسکو بُرا جانتے تھے (اور شاید اُن کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اُس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہوگئے ✤

اِس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اوّل کس نے اِس کام کو شروع کیا بعضے کہتے ہیں کہ سب سے اوّل امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج بصری نے جنہوں نے سنہ۱۵۰ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ابونصر سعید ابن عروبہ نے جنہوں نے سنہ۱۵۶ ہجری میں انتقال کیا کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو سنہ۱۶۰ہجری میں مرگئے سب سے اوّل کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کی تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن وہب کی تصنیفات مصر میں اور معمر اور عبدالرزاق کی تصنیفات یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسط اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شایع ہوئیں ✤

تیسری فعہ مُسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرق بدع و اہوا کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اور زیادہ ترقی ہوگئی جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیئے گئے۔ سب سے اوّل اِس علم میں حارث محاسبی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبل کا ہمعصر تھا۔ اوّل اوّل عُلما اور اتقیا اِس علم کو ننقعد ہوا

سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ ایکی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہونچگئی ٭

چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رائج ہوئے۔ اوّل اوّل ان علوم کے پڑھنے والوں پر بھی کفر و ارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم مدار فضیلت وکمال قرار پائے ٭

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ مسلمان عالموں نے معقول و منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا ٭

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا۔ اُن کی کتاب احیاء العلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں امام غزالی کی نسبت بھی کفر کے فتوے ہوئے اور اُن کی کتاب کے جلا دینے کے اشتہار کیے گئے مگر آخر کو حجۃ الاسلام اُن کا لقب ہوا اور اُن کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا ٭

اُس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اُس زمانہ کے درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی ٭

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہمنے بیان کی گذر گئے اور اب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو ٭

اوّل۔ جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہو گئی ہے اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قایم ہوگئے ہیں ٭

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کی تطبیق میں کوشش کیجاوے تاکہ جو نتایج ہمکو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں ٭

اِس کام کے کرنے میں بلاشبہ بہت سے نادان بُرا کہینگے اور زبان طعن دراز کرینگے مگر ہمکو اسپر کچھ خیال کرنا نہیں چاہیے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا اُن کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو

سب لوگ اُسی کی قدر کرینگے ✤

# علوم جدیدہ

ہماری تحریروں میں اکثر لفظ "علوم جدیدہ" آتا ہے۔ غالباً اُس کی مراد میں لوگوں کو شبہ رہتا ہوگا اس لیئے اُس کی تفسیر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے ✤

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم کے علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اَب حال میں ایجاد ہوئے ہیں۔ مثلاً جیالوجی اور ایلکٹریسٹی وغیرہ دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر متروک ہوگئے اور اَب نئے اصول قایم ہوئے جنکو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اَور کچھ باقی نہیں رہا۔ مثلاً علم ہیئت اور کمسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور اُن کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب اُن کو کمال وسعت ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ علم جر ثقیل مستعمل ہے اور علم حساب جبر مقابلہ علم ہندسہ وغیرہ۔ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماری مراد اِن تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کُل کو مجموعاً و منفرداً تصور فرماویں ✤

# مقاصد تہذیب الاخلاق

ہمارے اِس پرچہ کی عُمر سوا برس کی ہوئی اور تریسٹھ مضمون اس میں چھپے اَب ہمکو سوچنا چاہیئے کہ ہمکو اس سے قومی تہذیب اور قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے ✤

انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ آیندہ کی خبر اُسکو نہیں ہو سکتی مگر گزشتہ زمانہ کے تجربہ سے آیندہ زمانہ کی اُمیدوں کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہمکو اس پرچہ کی بابت آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لیئے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہیئے ✤

جب ہم کچھ اوپر پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لنڈن میں بھی

وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی تھی پس اوّل ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کو اُن سے مقابلہ کرینگے اور پھر آیندہ کی حالت ہندوستان کا اُسپر قیاس کرکر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشین گوئی کرینگے ❊

جب کہ یورپ میں باہمی ملکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہوگیا تھا اور خاص لنڈن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادت اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اُس میں سے بُرائیوں کے نکال لنے اور عُمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی مُلک میں خیال نہ تھا ہاں البتہ فرنچ لوگوں نے اسپر کُچھ خیال کیا تھا اور سولھویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرنچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے۔ اُس کے بعد لابروے صاحب نے جو ایک فرنچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا رہے مگر خدا نے یہ کام لنڈن کے پیغمبروں اور سولزیشن کے دیوتاؤں سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن کی قسمت میں لکھا تھا ❊

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے سنہ ۱۷۰۹ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیٹلر تھا اس کے اصلی ایڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اڈیسن صاحب بھی کبھی کبھی مدد دیتے تھے۔ یہ پرچہ ہفتہ میں تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارھویں اپریل سنہ ۱۷۰۹ء کو نکلا تھا ❊

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی غرض اِس پرچہ کے نکالنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسے بے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹا دیں اور بناوٹی پوشاک کو اُتاریں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں ❊

اِس پرچہ کے صرف دو سَو اکہتر (۲۷۱) نمبر چھپے چنانچہ اخیر پرچہ اسکا دوسری جنوری سنہ ۱۷۱۱ء کو چھپا اور پھر بند ہوگیا ❊

اس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن صاحب نے ملکر ایک اَور پرچہ نکالا اور اُس کا نام

"اسپکٹیٹر" رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور وہی دونوں صاحب اخیر تک اُس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۷۱۱ء کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے۔

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ہی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں اُن سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خویش و اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اُس میں بیان ہوتے تھے اس بات کا کہ انسان اپنی اُس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بھال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب غریب مذاق سے بھرا ہوتا تھا۔

یہ پرچہ اس لیئے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھا دی اور لوگوں کی گفتگو کو جو بُرے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا۔

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے ۱۷۱۳ء میں اس کا چھپنا موقوف ہو گیا۔

اُس کے بعد سر ریچرڈ اسٹیل نے مسٹر اڈیسن صاحب کی مدد سے ایک اَور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچہتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد اٹھارھویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر ان میں سے رامبلر اور ادونچرر اور ایڈلر اور ورلڈ اور ھرہر اور لونجر نے کچھ شہرت پائی اور ان کے سوا اور کسی کو کچھ فروغ نہ ہوا۔

ان پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ پہونچا اور ہر ایک کے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت اور بد اخلاقی اور ناشایستگی نفرت کے قابل تھی وہ ضعدار لوگ کیا مرد و کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود فروشی و بادہ فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا

کام سمجھتے تھے۔ علم جو اب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاذ و نادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعویٰ تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا۔ اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں قسموں پر قسمیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضعداری گنی جاتی تھی۔ قماربازی اور شرابخواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی۔ چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف اور اعلےٰ درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہو گئی تھی۔ بیلوں اور ریچھوں کو کتوں سے پھڑوانا۔ لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھکر خوش ہونا گویا ہر ایک امیر کے شوق کی بات تھی ۔

ان تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے وہ اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کامیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی ۔

اسپکٹیٹر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ " میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالونگا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤں گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پاویں اور تاوقتیکہ لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اِس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں سنبھل نہ جاویں ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رہوں گا کیونکہ جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عیب جڑ پکڑ جاتے ہیں جن کے ریشے بہت ہی مشکل سے دور ہوتے ہیں سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چاء و قہوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلایا اور ہر ایک دل میں بسایا" ۔

اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمدہ تحریریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی شایستگی ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ہوا تھا ۔

ڈاکٹر ڈریک صاحب کا قول ہے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے ہوا ہے جب کہ ٹیٹلر چھپنا شروع ہوا اور اسپکٹیٹر اور گارڈین نے اِس شوق کو اَور زیادہ بھڑکا دیا۔ اِن پرچوں کی تاثیر صرف لمحہ دو لمحہ کے لیئے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ہر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے

پھیل گئی تھی - ان پرچوں سے علم کو جو فائدہ ہوا وہ ہمیشہ یاد رہیگا - اِن پرچوں نے اوّل اوّل نہایت خوش اسلوبی سے گذشتہ و حال کے زمانہ کے عمدہ اور لایق مصنفوں کو بتلایا اور اُن کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا - مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پاریڈیزات لاسٹ کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انہی پرچوں کی بدولت فروغ ہوا - ان پرچوں کے مذاق تحریر اور خیالات کے رنگ ڈھنگ نے بُری تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور جھوٹی عبارت آرائی اور لغو انشا پردازی کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگار کی مانند بھتی اور رنڈیوں کے سے طعنے ہنسنے یا لونڈوں کی سی گالم گلوچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا - اچھی و بُری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نکتہ چینی اور اَور تحقیقات کا شوق پیدا کیا - ذہانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا - ان باتوں سے ان پرچوں کے پڑھنے والے لئیق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حظ اُٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ اُن کی قدر کرنے لگے ؞

اڈیسن صاحب کی تحریروں سے بالتخصیص طرز عبارت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسپ ہوگئی اور درحقیقت اڈیسن صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشا میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا - باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اِس پر بھی اڈیسن صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اَور کچھ نہیں کہہ سکتے ؞

علاوہ اِن باتوں کے اسپکٹیٹر کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور اُن خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُن کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اِس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور اُن کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہوگئی - لغو اور بے سر مضمون اشعار میں سے خارج ہوگئے اور اُن کی جگہ پُر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی - ہر ایک کو لئیق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور اُن کی قدر کرنے اور اُن سے مزا اُٹھانے کی لیاقت پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم اور محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی - اسپکٹیٹر کے پڑھنے والوں کو علم انشا کی وہ خوبی جو اڈیسن کے ذہن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اُس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشا میں نامور ہی کے خواہاں

ہوتے تھے لیاقت حاصل ہوگئی ؁

ان پرچوں سے صرف علم ادب اور علم انشا ہی میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقربا۔ دوست آشنا۔ یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلےٰ درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شایستگی کو ایسی عمدہ صیقل ہوئی جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں۔ ملکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہوگئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنہوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کرکر لوگوں کے دلوں کے بُرے اور خراب جوش کو پاک و صاف کر دیا ؁

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم حق کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک بھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کیئے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دار و مدار ہونا اُن کا نتیجہ ہے ؁

علم ادب و انشا کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہموزن اور قریب التلفظ کلموں کے تک ملانے اور دُور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے رقعوں میں بھی یہ سب بُرائیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو۔ خطوط رسمیہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً رواج پڑ گیا ہے۔ پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور ہم کو جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کر دیا ہے ؁

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی

مضمون تو بجز عاشقانہ کے اَور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بدجذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں +

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے۔ ملٹن کی پاریڈیزلاسٹ کچھ چیز نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کرتا جاتا ہے شیکسپیر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے +

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے۔ اُس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سدھاوٹ و صفائی و بے تکلفی سے جاہل اَن پڑھ بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہونچائے تھے اُس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسایل فلسفیہ اور دلایل منطقیہ لائی گئیں کہ اُس پر اُس صفائی اور سدھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا۔ بمجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی +

علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پر پڑ گیا ہے جو نفاق سے بھی بدتر ہے اخلاق صرف مونھ پر میٹھی میٹھی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے۔ آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دلسوزی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب اُن کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں صرف مکاری اور ظاہرداری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغابازی کا نام ہوشیاری +

گفتگو پر خیال کرو تو عجب ہی تکلف دکھائی دیتا ہے اگرچہ اکثر لفظ تو نہیں ہوتے مگر ہزاروں اکثر مضمون زبان سے نکلتے ہیں۔ نہایت مہذب اور معقول و ثقہ و نیک و دیندار آدمی بھی اپنی گفتگو میں تہذیب و شایستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہدینا۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کر دینا یہ تو ادنی ادنی روزمرہ کی بات ہے۔ ایک نہایت نیک آدمی اپنے

بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تپاک اور خوش اخلاقی اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ ہا تھا کہ تمھارے باپ تو جھوٹوں کے بادشاہ ہیں وہ تو دن رات سینکڑوں غپیں ہانک دیتے ہیں۔ اُن کی بات پر کیا اعتبار ہے۔ پس افسوس ہے ہمکو خود اپنے پر کہ ہمارے ایسے دوست ہیں ❊

اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ہیں اور اُردو کے علم ادب میں مشہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور مَیں نے خوب خیال کر کر گنا کہ اُن کے موہنہ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھ اپنی نسبت تھیں اور کچھ اُس کتاب اور اُسکے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ اِدھر اُدھر بیٹھنے والوں اور سُننے والوں کی نسبت ❊

امیروں کا حال دیکھو تو اُن کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اوڑانے اور اَور اسیطرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اَور کچھ کام ودھندا نہیں ❊

نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُسکو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بدمزہ ہوجاتی ہے اور جب بدی پر اُترتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں ❊

غرضکہ جو کچھ اُس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلاشبہ ایک ٹیٹلر اور اسپکٹیٹر کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ پرچہ اُنہی کے قایمقام مسلمانوں کے لیئے ہندوستان میں جاری ہوا۔ مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ہے ❊

اسٹیل اور اڈیسن کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ اُن کی تحریر اور اُن کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب و شایستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے۔ مذہبی مسایل کی چھیڑ چھاڑ اُن میں کچھ نہیں تھی۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں تمام رسمیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کیئے ایک قدم بھی تہذیب و شایستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے۔ جس بات کو کہو کہ چھوڑ دو فوراً جواب ملیگا کہ مذہباً ثواب ہے۔ اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اسی وقت کوئی بولے گا کہ مذہباً منع ہے۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیب و شایستگی اور حسن معاشرت سکھانے میں جابجا مذہبی بحث کرنی پڑتی ہے ❊

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذہب بحث میں آجاتے ہیں اور اس لیئے لاچار کبھی ہمکو فقہ سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فقہ سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے۔ پس ہندوستان میں صرف اسٹیل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس لوتھر کی بھی بہت بڑی حاجت ہے ✤

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانہ کے لوگ اُن کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جاتا ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے مشتہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سننے سے اپنی محنت و مشقت۔ فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے مشتہر ہونے کے بعد بجز لعنت و ملامت سننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔ اسٹیل و اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سنتے۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں اُن سے بُرائی پاتے ہیں۔ جن کے حق میں بھلا کہتے ہیں اُن سے بُرا سنتے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہمکو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہمکو یہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اُس کا جھکانا ہے ✤

لوگ ہمارے اِن خیالات کو جنون اور مالیخولیا بتلاتے ہیں مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اسی قلیل زمانہ میں ہمنے کیا کچھ کیا ہے اس لیئے ہم آیندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں گو اُن کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بیشک آنیوالے ہیں ✤

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھ کرینگے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہمسے ہوسکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں واللہ در من قال السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ✤

# طریقۂ تعلیم مسلمانان

کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے جو ایک سلیکٹ کمیٹی اس لیئے مقرر کی تھی کہ وہ کمیٹی بعد غور و فکر و مباحثہ باہمی کے ایک رپورٹ لکھے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے کونسا عمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان اور کون کون سے علوم اور کس طرح پر اُن کو پڑھلئے جاویں چنانچہ اس مطلب پر کمیٹی مذکورہ نے رپورٹ لکھی ہے۔ اُس میں اُنیس ممبر تھے اور سب کی رائے اُس طریقۂ تعلیم پر متفق ہوئی۔ اول سید احمد خاں سکرٹری نے ایک تمہیدی تقریر کی اور پھر طریقہ تعلیم بیان کیا اور پھر ممبروں نے اُس پر رائے دی چنانچہ اُس سب کو ہم اس مقام پر مندرج کرتے ہیں ؛

## گفتگو تمہیدی

سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہملوگ صرف وُہی بات لکھیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو اور جو اس وقت انجام بھی ہوسکے بلکہ یہ مقصد ہے کہ حالات اور حیثیات موجودہ سے قطع نظر کر کے ہمکو وہ تجویز کرنی چاہیئے جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلیٰ درجہ پر مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تاکہ ہمکو معلوم ہو جاوے کہ ہمکو درحقیقت کیا کرنا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں ؛

سید احمد خاں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل اِن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہمکو پوری اور کامل کرنی چاہیئے اور اُس تجویز پر عمل اُسقدر جتنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں فرض کرو کہ ہمکو ایک بہت عالی شان مکان بنانا ہے جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کرینگے تو اُس تمام مکان کا پورا کامل نقشہ تجویز کرینگے اور جب اُس کی تعمیر شروع کریں گے تو اُسیقدر کرنے کی تعمیر شروع کریں گے جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہمکو مقدور ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ مکان عالی شان مطابق نقشہ مجوزہ کے طیار ہو جاویگا اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کردینگے تو ہمنے اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہوگا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لیئے پھر کسقدر عمارت کا بھی ڈھانا پڑے گا جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی۔ میرا مقصد اس تقریر اور تمثیل سے

یہ ہے کہ اس وقت طریقہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جاوے اور اس بات کا خیال نہ ہو کہ آیا اس وقت ہم اسکو کر بھی سکتے ہیں یا نہیں *

سید احمد خاں نے کہا کہ اس وقت دو ایک باتیں اَور عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لیئے نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں پس اسوقت ہمکو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیئے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو *

سید احمد خاں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہوکر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فائدہ پہونچانے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُسکو گورنمنٹ کے عُہدوں کے حاصل کرنے کا کچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کارخانجات کے اپنی معاش پیدا کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقجات کی درستی اور اپنے روزمرہ کی زندگی کے امورات کو بخوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ علوم و فنون کو حاصل کرنا اور اُن میں واقفیت کامل حاصل کرنا پسند کرتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو اِن تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بلحاظ اپنی معاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جن کے لیئے کسیقدر عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ باایںہمہ ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقاید مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے فرایض مذہبی سے بھی غافل نہ ہوجاوے۔ پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہمکو ایسی تجویز کرنی چاہیئے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں *

سید احمد خاں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحب ان مقاصد پر غور فرماویں گے جنہیں سے امور عظمہ کو میں نے ابھی بیان کیا تو آپ یقین کریں گے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ

وہ خود ان مقاصد کے حاصل کرنے پر مستعد نہ ہو حاصل نہیں ہوسکتے پس ہمکو اپنے تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہیئے بلکہ یقین کرنا چاہیئے کہ اُن تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور مانند ممتنع بالذات کے ہے۔ پس اِس وقت ہمکو دو قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنیٰ سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کرسکیں اور جن میں ہمکو گورنمنٹ سے اُسکی تعمیل کرانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ ہمکو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپ اُس کا انجام کرنا مدنظر ہو ✦

دوسری تجویز ہمکو اس بات کی کرنی چاہیئے کہ جب تک کہ ہم اُس اوّل تجویز کو انجام دیں یا اُسکے انجام دینے کے لائق ہوں اُس وقت تک اُن اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیئے مقرر کیئے ہیں کیونکر فائدہ اُٹھاویں اور ہمارے متعدد مقصدوں سے جون جونسا مقصد تعلیم معینہ گورنمنٹ سے حاصل ہوسکتا ہے اُسکو ہم کیونکر حاصل کریں ✦

سید احمد خاں نے کہا کہ ایک بات میں اَور کہنی چاہتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بُری معلوم ہوگی اگرچہ افسوس ہے کہ میں اپنے شریکوں کو رنجیدہ کرتا ہوں مگر چونکہ میری رائے میں وہ بات بالکل سچ ہے اس لیئے میں اُس کے کہنے پر مجبور رہوں اور وہ بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے تو اُن کی سعی ہمیشہ اسی بات پر مقصور ہوتی ہے کہ وُہی پورانا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وُہی ناقص سلسلہ نظامیہ درس کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اِس زمانہ میں اُسی پورانے طریقہ پر مسلمانوں نے کئی مدرسے تعلیم کے لیئے جونپور علیگڈھ۔ کانپور۔ سہارنپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لاہور میں جاری کیئے ہیں مگر میں نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض بیفایدہ اور محض لغو ہیں۔ اُن سے کچھ بھی قومی فایدہ ہونے کی توقع نہیں ہے ✦

زمانہ اور زمانہ کی طبیعت اور علوم اور علوم کے نتایج سب تبدیل ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاں کی قدیم کتابیں اور اُن کا طرز بیان اور اُن کے الفاظ مستعملہ ہمکو آزادی اور راستی اور صفائی اور سادہ پن اور بے تکلفی اور بات کی اصلیت تک پہونچنا نہیں تعلیم نہیں کرتے بلکہ برخلاف اُسکے دھوکہ میں ڈالنا اور پیچیدہ بات کہنا اور ہر بات کو لون مرچ لگا دینا اور ہر امر کی نسبت غلط اور خلاف واقع الفاظ شامل کردینا اور جھوٹی تعریف کرنا اور زندگی کو غلامی کی حالت میں رکھنا اور تکبر اور غرور کو خود پسندی کا نتیجہ بنانا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنا۔ ہمدردی کا نہ رکھنا۔ مبالغہ آمیز باتوں کا عادی کرنا

گذشتہ زمانہ کی تاریخ کو بالکل ناتحقیقی میں ڈالنا اور واقعات واقعی کو مثل قصہ و کہانیوں کے بنا دینا سکھاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حال کے زمانہ اور حال کے زمانہ کی طبیعت کے مناسب نہیں ہیں اور اِس لیئے بجائے اِس کے کہ مسلمانوں کو اُن سے کچھ فایدہ ہو مضرت حاصل ہونیکی توقع ہے اول تو یہی کِس قدر بڑی مضرت ہے کہ اُن کی عمر بیفایدہ چیزمیں ضایع کی جاتی ہے۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ میرے معزز شریک ممبر میری اِس گفتگو سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ بروقت تجویز طریقہ تعلیم کے اُن باتوں پر بھی لحاظ رکھیں خواہ اُسکو پسند کریں خواہ ناپسند کریں ❖

لارڈ میکالی صاحب نے جبکہ وہ ہندوستان کی عام تعلیم کی بورڈ کے میر مجلس تھے اور اُس زمانے میں گورنمنٹ کالجوں میں ایشیائی طریقہ تعلیم جاری تھا گورنمنٹ کالجوں کی نسبت ایک رپورٹ لکھی تھی اُس کا منتخب مَیں اِس مقام پر بیان کرتا ہوں۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بندوبست موجودہ کو (یعنی ایشیائی تعلیم مروجہ اِس وقت کو) غیر متبدل رکھنے پر ہو تو میری عرض یہ ہے کہ میرا میر مجلسی سے استعفا منظور ہو۔ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ مَیں اُس میں کچھ کام نہیں آسکتا مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شے کو مجھ کو اپنی تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھکو خوب یقین ہے کہ وہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ موجودہ بندوبست سچ کی جلدی ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونیوالی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ ہمکو تعلیم عام کے بورڈ کے معزز نام کا بالفعل کچھ حق نہیں ہے ہم ایک بورڈ یعنی مجلس ہیں واسطے اُڑانے سرکاری روپیہ کے اور واسطے چھاپنے ایسی کتابوں کے جو کم قیمت ہیں۔ اُس کاغذ سے جسپر وہ چھاپی جاتی ہیں جب کہ وہ کورا تھا اور واسطے جھوٹی دلیری دینے نامعقول تواریخ اور نامعقول آلہیات اور بیہودہ طبابت اور بیہودہ علم مذہبی کے اور واسطے تیار کرنے ایک فرقہ ایسے طالب علموں کے جو اپنی طالب علمی کو اپنے اوپر ایک بوجھ اور عیب پاتے ہیں" ❖

لارڈ میکالی صاحب کے الفاظ جو نسبت مذہب کے ہیں اُن کو چھوڑ دو باقی مطلب پر غور کرو کہ بالکل سچ ہے پس اَب ہمکو اپنا سلسلہ تعلیم ایسا قایم کرنا چاہیئے کہ جو تمام عیبوں سے پاک ہو اور جس سے درحقیقت مسلمانوں کے دین و دنیا کی بہتری اور ترقی متصور ہو ❖

ایک اَور بات بھی قابل اطلاع کے ہے کہ مَیں اکثر مصنفین رسالوں کی بھی رائے دیکھتا ہوں اور ممبروں کی بھی رغبت پاتا ہوں اور اَور لوگوں کی رائے کا بھی رجحان اِس طرف دیکھتا ہوں کہ

انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی اور اُن علوم کی بھی جو عربی میں ہیں تعلیم دی جاوے مگر یہ رائے اس سبب سے قایم ہوئی ہے کہ اُن لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ انگریزی اور عربی کی تحصیل میں کس قدر محنت اور کس قدر وقت درکار ہوتا ہے اگر اس بات کو جاری کیا جاویگا اور کوئی حد و تمیز اس کے لیئے مقرر نہ ہوگی تو دونوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہونے کا۔ لڑکے نہ اِدھر کے رہینگے نہ اُدھر کے۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ تمام جذبات انسانی کو جن میں سے پُرانی رسم کی پابندی سب سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان کو ٹھیک بات تک پہونچنے نہیں دیتی ذرا دل کو ٹھنڈا کر کر تجویز کیا جائے کہ درحقیقت کون بات دین و دنیا کے لیئے مفید ہے جو ہمکو کرنی چاہیئے ؞

## بیان طریقہ تعلیم

ممبران شریک نے اس تقریر کو باکراہ سُنا اور اس میں سے اس بات پر متفق الآرائے ہوئے کہ بلاشبہ تعلیم مُسلمانوں کا طریقہ دو قسم کا تجویز کرنا چاہیئے۔ ایک وہ جو خود مسلمان اُس کو قایم کریں جس سے اُن کے تمام مقاصد دینی و دنیوی انجام پاویں۔ دوسرے وہ جن سے مسلمان اُن اصُول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لیئے مقرر کیئے ہیں فایدہ اُٹھاویں۔ پس امور مذکورہ حسب تفصیل ذیل پیش ہو

اوّل قواعد تعلیم مُسلمانان جن کا قایم کرنا اور جاری کرنا خود مُسلمانوں کو لازم ہے ؞

سید احمد خاں نے کہا کہ مَیں نے اِن امُور کے سوچنے اور سمجھنے اور غور کرنے میں شاید بہ نسبت اَور ممبروں کے زیادہ وقت صرف کیا ہے اور زیادہ فکر کی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ جو طریقہ تعلیم مَیں نے خیال کیا ہے اُسکو مَیں بہ ترتیب بیان کر دوں۔ پھر ممبروں کو اُس کے منظور کرنے یا تبدیل کرنے کا بہ خوبی موقع ہوگا ؞

## ذکر علوم

مُسلمانوں کی تعلیم دو قسم پر منقسم ہونی چاہیئے۔ ایک تعلیم عام اور دوسری خاص ؞

تعلیم عام مُسلمانوں کی علوم مفصلہ ذیل میں ہونی چاہیئے ؞

## اوّل دینیات

فقہ - اصول فقہ - حدیث - اصول حدیث - تفسیر - علم سیر - علم عقاید *

## دوم علم ادب

زبان دانی اور انشاء پردازی اُردو - فارسی - عربی - انگریزی - ولیٹن - علم تاریخ - علم جغرافیہ - علم اخلاق - مینٹل سائینس یعنی علم قوائے انسانی - علم منطق - علم فلسفہ - علم سیاست مدن یعنی اصول گورنمنٹ - علم انتظام مدن یعنی پولیٹکل اکونمی *

## سوم علم ریاضی

علم حساب - علم جبر و مقابلہ - علم ہندسہ فروعات اعلےٰ علم ریاضی کی *

## چہارم علم طبیعات

علم سکون - علم حرکت - علم آب - علم ہوا - علم مناظر - علم برق - علم ہئیت - علم آواز - علم حرارت - نیچرل فلاسفی *

تعلیم خاص مسلمانوں کی ان علوم میں ہونی لازم ہے جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے - انجنیری - اینیمل فزیالوجی یعنی علم حیوانات - اینا ٹومی یعنی علم تشریح - ذوالوجی حسب اینیمل فزیالوجی - باٹنی یعنی علم نباتات - جیالوجی یعنی علم طبقات الارض - منرالوجی یعنی علم جمادات کمسٹری یعنی علم کیمیا *

یہ وہ علم ہیں جن میں مسلمانوں کی تعلیم ہونا چاہیئے - اُن کی تفریق اور اُن کی مقدار کی تعین ہر ایک درجہ تعلیم کے لیئے جُدا جُدا ہوگی اور جس کا اندازہ ہر ایک درجہ کی تعلیم کے لیئے کیا جاویگا

## طریقہ تعلیم و تربیت

امرا اور اہل مقدور اور ذی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کے لیئے نہایت ضرور ہے کہ اُن کی عمر دس برس تک نہ پہونچنے پاوے کہ وہ اپنے گھر سے جُدا رکھے جاویں اور اُنکی خاص طور پر

اور خاص نگرانی میں تعلیم ہو اور اس لیئے ضرور ہے کہ کسی شہر کے قریب جس کی آب و ہوا عمدہ ہو
اور شہر بھی چھوٹا ہو ایک پُرفضا میدان تجویز کرکے مکانات تعمیر کیئے جاویں اور پھول باغ
لگایا جاوے ؛

اُسی عمارت کے شامل ایک مسجد بنائی جاوے جس میں مؤذن و امام مقرر ہو اور ایک کتب خانہ
بنایا جاوے اور ایک بڑا کمرہ کھانا کھانے کے لیئے اور ایک بڑا کمرہ ایسے کھیلوں کے کھیلنے
کے لیئے جو مکان کے اندر کھیلے جاتے ہیں اور باقی مختصر و مناسب کمرہ اس طرح پر کہ ہر ایک
لڑکے کو ایک مناسب کمرہ بیٹھنے اور پڑھنے کو ملے ؛

کسی لڑکے کے ساتھ کوئی خاص خدمتگار نہ رہے بلکہ تمام خدمتگار اُنھیں مکانات کے
متعلق نوکر ہوں اور ہر ایک خدمتگار کو کمرے تقسیم کیئے جاویں ۔ پس اُن کمروں کے رہنے والے
لڑکوں کی خدمت اور کمروں کا جھاڑنا اور آراستہ کرنا اور پلنگوں اور بچھونوں کا درست کرنا سب
وُہی لوگ کیا کریں گے ؛

اِن تمام لڑکوں کو ضرور ہوگا کہ مسجد میں ہر رو[illegible]یں جماعت سے پڑھیں اور صبح کی
نماز کے بعد کسی قدر قرآن مجید بموجب اُس قا[illegible]رھ لیا کریں جو تجویز کیا جاوے اور
ہر ایک کو ایک قسم کا یکساں لباس پہنایا جاوے اور سب ملکر ایک جگہ وقت معین پر کھانا
کھاویں ۔ اُن کے اوقات پڑھنے اور کھیلنے کے اور جسمانی ورزش کے سب مقرر کیئے جاویں اور
ہر ایک لڑکے کو ہر ایک وقت پر جو کام مقرر ہے اُس کا کرنا واجب و لازم ہو ؛

اس مکان پر ایک نہایت لایق اور معتمد شخص بطور اتالیق یا گورنر کے مقرر ہو تاکہ وہ تمام نگرانی
اور سب طرح کا بندوبست کرتا رہے اور لڑکوں کی صحت و تندرستی کا نگران رہے اور اس بات
کی خبرداری اور نگرانی کرے کہ تمام لڑکے اوقات معینہ میں وُہی کام کرتے ہیں جو اُس وقت کے
لیئے معین ہے یا نہیں ؛

لڑکوں کو اپنے گھر جانے اور ماں باپ اور عزیز اقارب سے ملنے یا اُن کو لڑکوں سے ملنے
اور اُن کا آرام و آسایش کا حال دیکھنے کو آنے کے لیئے قواعد مقرر ہوں اور ہمیشہ اُن قواعد کی
پابندی رہے ؛

اتفاقیہ بیماری یا اتفاقیہ ضرورت کے واسطے ایک طبیب ملازم رہے اور اس مقام کے سول سرجن
سے بھی بندوبست کرلیا جاوے تاکہ اتفاقیہ اور دفعتاً کی بیماری کی حالت میں طبیب یا ڈاکٹر کا

علاج جیسا کہ اُن لڑکوں کے مربیوں نے اجازت دی ہو ہو سکے ۔ یہ بندوبست صرف اتفاقیہ اور ناگہانی بیماری کے لیئے ہے ورنہ بحالت بیماری زاید اُس کے مربی اُس کے گھر لیجاوینگے اور خود جس طرح چاہینگے معالجہ کریں گے ۔

یہ مکان عالی شان اُمرا اور اہل دَوَل کے چندہ سے تعمیر ہونا چاہیئے اور اخراجات ماہواری کا اوسط لگا کر جو لڑکا اُس میں داخل ہو اور سکونت اختیار کرے اُس کے مربیوں سے وہ خرچ لیا جاوے ۔

خوب یاد رہے کہ جب تک ہمارے لڑکے گھروں سے علیحدہ ہو کر اِس طرح پر تربیت نہ پاوینگے ہمیشہ خراب اور نالایق اور جاہل اور کمینہ عادتوں کے عادی رہینگے ۔

## مدرسۃ العلوم

اُسی شہر میں جہاں یہ مکان تعمیر ہو ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کیا جاوے اور اُس کا نام انگریزی زبان میں "دی محمدن اینگلو اورینٹل کالج" اور عربی زبان میں "مدرسۃ العلوم" رکھا جاوے ۔ اس مدرسہ میں وہ لڑکے امرا اور ذی مقدور لوگوں کے جو اُن مکانات میں رہتے ہیں اور نیز اَور مسلمانوں کے جو اُن میں نہیں رہتے عموماً تعلیم پاویں گے ۔

یہ مدرسہ درحقیقت تین مدرسوں پر مشتمل ہوگا ۔ اوّل انگریزی ۔ دوئم اُردو ۔ سوئم عربی فارسی ۔ جو مدرسہ انگریزی کا ہوگا اُس میں بالکل انگریزی پڑھائی جاویگی اور تمام علوم و فنون اور جو کچھ کہ اُس میں تعلیم ہوگا وہ سب انگریزی میں ہوگا ۔ اِلّا ہر طالب علم کو سکنڈ لینگوج بھی پڑھنی ہوگی ۔ لیٹن و اُردو یا لیٹن و فارسی ۔ یا لیٹن و عربی ۔ اور اسکو بشمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتابیں فقہ و حدیث و عقاید کی اُردو زبان میں پڑھ لینی ہونگی ۔

اِس مدرسہ کے تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اَب زمانہ ایسا آتا جاتا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے اعلےٰ عہدوں کے پانے کی تمنا رکھتے ہیں اور دنیا میں نہایت اعلےٰ درجہ کی عزت جو رعایائے گورنمنٹ حاصل کر سکتی ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ وہ اعلےٰ درجہ کا کمال انگریزی زبان میں حاصل نہ کریں گے اُس وقت تک یہ بات مسلمانوں کو نصیب نہیں ہونے کی اور ایسا کمال انگریزی میں بغیر اِس کے کہ اُسی کو خوب حاصل کریں حاصل ہونا غیر ممکن ہے ۔ پس جو لوگ کہ اِس قسم کے

عہدوں اور عزتوں کے خواہاں ہیں اُن کے لیئے یہ تجویز کی گئی ہے ۔

علاوہ اس کے ضرور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اس قسم کی ہو کہ وہ نہایت اعلےٰ درجہ کا کمال انگریزی میں حاصل کرے کیونکہ اُس جماعت سے مُلک کو اور مُلک کے لوگوں کو اور ترقی تعلیم کو بہت فایدہ ہوگا اور وہ ذریعہ اور منبع شیوع علوم کے بن جاویں گے ۔ اُنکی بدولت تمام علوم انگریزی زبان سے اُردو زبان میں آجاویں گے اور اُن کی ذات سے مُلک کو منفعت عظیم پہونچے گی ۔

اُردو مدرسہ ۔ اس میں تمام علوم وفنون بزبان اُردو پڑھائے جاوینگے اور جو کچھ تعلیم اس میں ہوگی وہ سب اُردو میں ہوگی ۔ البتہ ہر طالب علم کو تین زبانوں میں سے کوئی زبان بطور سکنڈ لینگوج کے اختیار کرنی ہوگی ۔ انگریزی ۔ فارسی ۔ عربی ۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جو لڑکا دس بارہ برس کی عمر میں اس مدرسہ میں داخل ہوگا وہ ضرور اٹھارہ برس کی عمر تک تمام سینسز یعنی علوم کو اُردو زبان میں اس قدر تحصیل کریگا جس قدر کہ درجہ بی اے کے لیئے مقرر ہیں اور سکنڈ لینگوج میں اُس کو اس قدر لٹریچر آجاویگی جیسے کہ انٹرنس کلاس تک کے پڑھنے والوں کو آتی ہے ۔

پس اس عمر کے اور اس قدر تحصیل کے بعد طالب علم اُس سکنڈ لینگوج میں سے اُس زبان کی لٹریچر کو جو اُس نے اختیار کی ہے تکمیل کرنی شروع کرے اور تین برس اُسکو اُس کی تکمیل کے لیئے بہت کافی ہوں گے ۔ پس اگر اُس نے ان تین برس میں انگریزی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُسکو تین برس کی اَور مہلت اس لیئے بخوبی ملیگی کہ وہ عدالت کے قوانین سیکھے اور مختلف عہدوں کے لیئے جو امتحان مقرر ہیں اُن میں امتحان دے اور نوکری گورنمنٹ کی تلاش کرے اور اُسکو حاصل کرے یا اَور کسی کاروبار میں جس میں وہ چاہے مشغول ہو ۔

اور اگر اُس نے ان تین برس میں فارسی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے یقینی گورنمنٹ کی نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے کیونکہ وہ تو بغیر انگریزی پڑھے حاصل نہ ہوگی پس اُسکو مہلت ہے کہ جہاں تک چاہے فارسی میں کمال بہم پہونچائے اور شاعر و منشی و ادیب ہو کر دنیا میں اپنا نام یادگار چھوڑ جاوے ۔

اور اگر اُس نے ان تین برس میں عربی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے بوجہ مذکورہ بالا سرکاری نوکری سے تو قطع نظر کرلی ہے پس اُس کو بھی عربی زبان میں اور نیز اُن علوم میں جو عربی زبان میں

ہیں اور نیز علوم دین مثل فقہ و حدیث و تفسیر و کلام وغیرہ میں جہاں تک کہ وہ چاہے ترقی کرنے اور کمال بہم پہونچانے کا موقع حاصل ہے ✦

یہ مدرسہ جو اس قسم کا تجویز کیا گیا ہے جس میں اوّل تمام علوم اُردو زبان میں پڑھائے جاوینگے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی مدرسوں میں کافی لیاقت لڑکوں کو نہیں آتی ایک مشکل اُن کو غیر زبان کا سیکھنا اور دوسری مشکل غیر زبان میں علوم کا سیکھنا ہوتا ہے پس اس تدبیر سے ہمنے اُن کی ایک مشکل کو موقوف کردیا ہے تاکہ وہ بسبب اپنی زبان کے علوم و فنون سے نہایت جلد بخوبی واقف ہو جاویں اور بعد اُس کے دوسری زبان کے لٹریچر میں محنت کر کر جہاں تک اُن سے ہو سکے ترقی کرلیں ✦

اس تدبیر سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بہت کم طالب علم علوم و فنون سے گو کہ وہ اُردو ہی زبان میں کیوں نہوں ناواقف رہینگے اور بہ نسبت حال کے لٹریچر پر محنت کرنے کی زیادہ مہلت ملیگی اور اُن کو اُس زبان کی لٹریچر بہ نسبت حال کے بہت زیادہ آجاویگی ✦

اس بات پر اکثر بحث ہوتی ہے کہ سرکاری کالجوں کی تعلیم سے لیاقت کامل نہیں ہوتی اور کیوں وہ تعلیم انگلستان کے کالجوں کی تعلیم کے برابر نہیں ہے پس میری رائے میں اس کا سبب یہی ہے کہ انگلستان میں تعلیم اُنھیں لوگوں کی زبان میں ہوتی ہے اور تمام علوم و فنون انھیں کی زبان میں ہیں اور ہر وقت اور ہر محل پر اُن کو اپنے علم کی ترقی کا موقع ہوتا ہے برخلاف ہندوستان کے کہ اُن کی تعلیم اُن کی مادری زبان میں نہیں ہے اور اُن کو دوسری زبان پر قادر ہونے میں نہایت مشکل پیش آتی ہے اور اُس پر قادر ہونے تک تمام وقت تحصیل علوم و فنون کا گذر جاتا ہے پس اس تبدیل سے جو اس مدرسہ کے تقرر میں کی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ رُکاوٹ نہ رہیگی ✦

جو طالب علم کہ بذریعہ عربی زبان کے علوم تحصیل کرنے پر متوجہ تھے اُن میں بھی یہ نقصان ہوتا تھا کہ وہ ان علوم و فنون سے جو نہایت ضروری ہیں ناواقف محض رہتے تھے اور اس تبدیل سے جو طریقہ تعلیم میں کی گئی ہے اُمید یہ ہے کہ وہ بھی ناواقف نہ رہینگے اور عربی زبان میں بھی کمال حاصل کرنے کا اُن کو موقع حاصل رہیگا ✦

عربی فارسی مدرسہ - اس میں ابتداءً کسی علم کی تعلیم نہیں ہوویگی بلکہ جو انگریزی اور اُردو پڑھنے والوں نے ان زبانوں میں سے جسکو بطور سکنڈ لینگویج کے اختیار کیا ہوگا اور اُردو میں علوم و فنون پڑھ لینے کے بعد عربی یا فارسی زبان کے لٹریچر و علوم میں کمال حاصل کرنے کا

ارادہ کیا ہوگا تو اُن کی پڑھائی فارسی عربی میں اعلےٰ درجہ تک کی اس مدرسہ میں ہوگی +

تینوں مدرسہ ملکر درحقیقت ایک مدرسہ ہوگا اور چونکہ ہر قسم کے یعنی انگریزی کے اور اُردو فارسی و عربی کے اس میں موجود ہوں گے تو سلسلہ تعلیم ہر ایک مدرسہ کا جو قایم کیا گیا ہے وہ اُستادوں کی تقسیم اوقات سے بخوبی تکمیل پاتا رہیگا +

## مدارس

یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونگے اور ہر شہر و قصبہ و ضلع میں جہاں ان کا قایم ہونا ممکن و مناسب ہو قایم ہونے چاہئیں گے - ان میں تعلیم صرف اُن قواعد کے مطابق ہوگی جو اُردو مدرسہ کے لیئے ہیں اور اُسی طرح اس مدرسہ کے طالب علموں کو ایک سکنڈ لینگوج مقرر انگریزی یا فارسی یا عربی اختیار کرنی ہوگی +

اس مدرسہ میں اور پہلے مدرسہ اُردو میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ اس مدرسہ میں ایک حد معین تک علوم پڑھائے جاویں گے اور جب اُس حد تک طالب علم پہونچ جاویں گے تو اِس مدرسہ سے خارج ہو جاویں گے اور اُن کو اختیار ہوگا کہ اُس سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم اگر چاہیں تو مدرستہ العلوم میں داخل ہوں - یہ مدرسے اس مراد سے ہوں گے کہ مدرستہ العلوم کے لیئے لڑکے تیار کریں - انکی مثال بعینہٖ ایسی ہوگی جیسے گورنمنٹ ضلع اسکول کالجوں کی بھرتی کے لیئے طالب علم طیار کرتے ہیں +

## مکتب

ہر گانوں اور قصبہ میں جہاں جہاں ہوسکے مکتب قایم ہونے چاہئیں - ان میں قرآن شریف بھی پڑھایا جاوے اور اُردو زبان میں کچھ کتابیں اور حساب وغیرہ سکھایا جاوے اور اُردو میں لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاوے اور اس مکتب میں بھی کسی قدر فارسی اور کسی قدر انگریزی سکنڈ لینگوج ہو - فارسی تو صرف اس قدر ہو جس سے اُردو کو مدد پہونچے اور انگریزی نہایت قلیل صرف اتنی کہ حرف پہچان لے - چھاپے کے حرفوں میں لکھا ہوا نام پڑھ سکے اور انگریزی ہندسے جو کلوں اور اوزاروں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو پہچان سکے تاکہ اگر کسی کل سے کام لینا ہو تو کام لے سکے +

اِس مکتب میں قرآن مجید نئے قاعدہ سے پڑھایا جاوے جس میں کل قرآن شریف چھ مہینے میں بخوبی ختم ہوجاتا ہے۔ بعض لوگوں نے قرآن مجید کے کل لفظ بحذف الفاظ مکرر جدا چھانٹ لیئے ہیں اور اُن کو بہ ترتیب دو حرفی و سہ حرفی مرتب کرلیا ہے اور الف بے کے بعد صرف اُن لفظوں کے پڑھادینے سے کل قرآن مجید ناظرہ پڑھنا بخوبی آجاتا ہے ✦

اِس مکتب میں نماز پڑھنا بھی بتایا جاویگا اور چھوٹی چھوٹی اُردو کتابیں مسئلوں کی بھی جیسے کہ راہ نجات۔ حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ میں لڑکوں کو پڑھائی جاوینگی ✦

## حفاظی مکتب

جو لڑکے مسلمانوں کے قرآن مجید حفظ کرنا چاہیں یا اشخاص نابینا جو قرآن مجید حفظ کرنے کی زیادہ رغبت رکھتے ہیں اُن کے لیئے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقاموں پر مکتب مقرر ہوں جن میں وہ لوگ قرآن مجید حفظ کیا کریں مگر اِس مکتب کو بالکل علیحدہ رکھنا چاہیئے اور کسی مدرسہ یا مکتب کے شامل کرنا نہیں چاہیئے ✦

## عُمر تعلیم

اگرچہ ابتداءً جب مدرسے مقرر ہونگے اُن میں عمر کا چنداں لحاظ نہ ہوگا بلکہ منتظمان کی رائے پر اور لڑکوں کی حالت پر اُن کا داخلہ منحصر ہوگا مگر جبکہ انتظام بخوبی ہوجاوے اُس وقت ہر ایک قسم کے مدرسہ کے لیئے عمر کی تعین ضرور ہوگی۔ پس لڑکوں کی تعلیم میں اُن کی عمر کا حسب تفصیل ذیل لحاظ رکھنا چاہیئے کا جس کے لیئے پانچ درجہ قرار دیئے جاتے ہیں ✦

اوّل چھ برس سے دس برس تک۔ اس میں چاہیئے کہ لڑکا قرآن مجید پڑھ لے اور کچھ اُردو کتابیں بھی اور مسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جیسی راہ نجات اور حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں پڑھ لے اور کچھ کچا پکا لکھنا بھی سیکھ لے اور اُس کو اس قدر استعداد ہوجاوے کہ اُردو عبارت بآسانی پڑھ لکھ سکے اور انگریزی حرفوں اور ہندسوں کو پہچاننا اور نام پڑھ لینا سیکھ لے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس کا مکتبوں میں ہونا چاہیئے ✦

دوم گیارہ برس سے تیرہ برس تک۔ اِس عمر میں اس قدر پڑھ لینا چاہیئے جو روزمرہ کے کاموں اور امورات متعلقہ زندگی اور معاش کے کام میں آتا ہیں۔ سیدھے سادھے مسائل مذہبی

و عقاید مذہبی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مدارس مجوزہ میں تجویز کی گئی ہے۔
اہل پیشہ اور غریب آدمی بھی جو اپنے لڑکوں کو اپنے پیشہ میں مصروف کرتے ہیں اِس قدر عمر تک لڑکوں کو تعلیم میں رکھنے سے کچھ اپنا ہرج نہیں سمجھتے اور اگر اہل پیشہ کے لڑکے اِس قدر درجہ تک کی تعلیم پا جاویں اور ہمارے مُلک میں عموماً اِس قدر درجہ تک علم پھیل جاوے تو ہندوستان ہندوستان نہیں رہنے کا بلکہ قطعہ جنت ہو جاوے اور ٹھیک ٹھیک ہندوستان جنت نشان کا لقب اُسپر صادق آویگا۔

سوم۔ چودہ برس سے اٹھارہ برس تک۔ اِس عمر میں جملہ علوم و فنون سے جو دین و دنیا میں بکار آمد ہیں واقفیت کلی حاصل ہونی چاہیئے۔

چہارم۔ اُنیس برس سے اکیس برس تک۔ اِس عمر میں خاص علوم اور خاص زبان جس میں طالب علم کمال حاصل کرنا چاہے حاصل کرنے ہوں گے۔

پنجم۔ بائیس برس سے پچیس برس تک۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں طالب علم بعد فراغ تعلیم اُن چیزوں کو پڑھنے اور امتحان دینے میں مشغول رہیگا جن کے ذریعہ سے سرکاری نوکریاں ہاتھ آتی ہیں اور اسی قسم کے حصول معاش کے ذریعوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہوگا۔
یہ پچھلی تینوں قسم کی تعلیمیں وہ ہیں جو مدرستہ العلوم سے علاقہ رکھتی ہیں۔

## سلسلہ تعلیم

انگریزی مدرسہ کے لیئے ہمکو سلسلۂ تعلیم کے معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیمبرج اور اکسفورڈ کی دو یونیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لیئے موجود ہیں۔ پس ہمیشہ ہمکو اُن کی ہی تقلید اور پیروی سے سلسلہ کتب درسیہ کا معین کرنا اور اُسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا۔

اُردو مدرسہ کے لیئے البتہ ہمکو کتابیں تلاش کرنی اور اُن کا سلسلہ تعلیم قایم کرنا پڑے گا مگر یہ بات کچھ مشکل نہیں ہے۔ سلسلہ کتب درسیہ علوم و فنون بعینہ وہی قایم رہے جو انگریزی میں ہو اُنھیں کتابوں کا جو انگریزی میں علوم و فنون کی پڑھائی جاویں اُردو میں ترجمہ ہو اور اُردو میں پڑھائی جاویں۔ پس ان دونوں مدرسوں میں پڑھائی تو ایک شے ہوگی صرف یہ فرق ہوگا کہ جو کتاب انگریزی مدرسہ میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے وہ اِس مدرسہ میں اُردو میں پڑھائی جاوے گی۔

عربی وفارسی مدرسہ کے لیئے بھی کتابوں کے تعین کرنے میں چنداں دقت نہ ہوگی فارسی زبان کے علم انشا کی کتابیں نہایت آسانی سے بہت عمدہ اور سادہ منتخب ہوسکتی ہیں جو سلسلہ مناسب سے درس میں داخل ہوں۔ عربی زبان میں جو سلسلہ تعلیم جاری ہے بلاشبہ اُس میں تبدیل عظیم کرنی پڑے گی۔ سلسلہ نظامیہ جو بالفعل جاری ہے محض لغو ہے اور حال کے زمانہ کے مطابق نہیں بلاشبہ اُسکو ترک کرنا اور سلسلہ جدید قایم کرنا پڑے گا ✦

طالب علموں کو لغو مباحث میں ڈالنا اور الفاظ کی بحث پر اُن کی عمر کو ضایع کرنا محض بیفایدہ ہے بعوض اُس کے یہ بات چاہیئے کہ سیدھے سادے اور صاف مسایل صرف و نحو اُن کو پڑھائے جاویں بغیر کسی بحث کے تاکہ وہ بخوبی بموجب قواعد صرف و نحو عربی کی عبارت پڑھ سکیں ✦

چند رسالہ منطق خاص کے جو بہت صاف اور سیدھے ہوں اُن کو پڑھانے چاہئیں اور علم معانی بیان کے سیدھے مسئلہ سکھانے چاہئیں اور عربی بولنے اور عربی لکھنے کی مشق کرانی چاہیئے پس اِس قدر تعلیم متعلق علم ادب کو کافی سمجھنا چاہیئے ✦

اس تعلیم کے لیئے بھی کتابوں کی چنداں مشکل نہیں پڑنے کی کتب موجودہ میں سے ایسی صاف صاف کتابیں بآسانی منتخب ہوسکتی ہیں اور بعض کتابوں پر ایک عالم نظر ثانی کر کر اور اُن میں سے فضول مباحث کو حذف کر کر کتابوں کو مناسب حال کر دے سکتا ہے ✦

باقی رہی تعلیم کتب مذہبی کی بالفعل ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ کتب مذہبی میں سے ابتداء سے آخر تک کسی کتاب کے پڑھنے کا رواج نہیں ہے بلکہ مقامات معینہ ہر ایک کتاب کے پڑھکر باقی کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ میری دانست میں اس طریقہ کو تبدیل کرنا چاہیئے ایک آدھ متن جو عمدہ اور مفید ہو وہ بتمامہ پڑھایا جاوے اور باقی کتابوں میں سے اُن مقامات کا جو اِس زمانہ میں مفید اور بکار آمد ہیں انتخاب کر کر ایک چھوٹی سی کتاب بنائی جاوے۔ مثلاً ھدایہ اُس میں سے عمدہ اور مفید مقامات کا انتخاب کر کر تلخیص الہدایہ اُس کا نام رکھا جاوے جو چند جزو پر ہو اور وہ بتمامہ پڑھا دیا جاوے۔ اسی طرح کتب صحاح ستہ حدیث میں سے احادیث عمدہ و مستند و مفید و ضروری کا انتخاب کر کر تلخیص البخاری و تلخیص المسلم و علٰے ہذا القیاس چھوٹی چھوٹی کتابیں بنالیجاویں اور وہ بتمامہ پڑھائی جاویں۔ تفسیر میں جلالین شاید نہایت عمدہ ہے اور انتخاب کی بھی ضرورت نہیں رکھتی مگر وہ نہایت آسان ہے اور اُس سے زیادہ قابلیت کے لیئے دوسری تفسیر ہونی چاہیئے پس وہ تفسیر بیضاوی ہے اُس کی بھی تلخیص کیجاوے اس طرح پر کہ جہاں تک

کہ اُس میں مباحث عربیت سے متعلق ہیں وہ انتخاب کر لیئے جاویں اور باقی امور چھوڑ دیئے جاویں
غرض کہ اسی طرح کتابوں کے انتخاب اور تلخیص سے ایک سلسلہ کتب درسیہ عربیہ کا قایم کر لیا
جاوے پس یہ وہ طریقے ہیں جن سے میری دانست میں تعلیم مسلمانوں کی اس طریق پر جو دین و
دنیا کے لیئے مفید ہو جاری ہو سکتی ہے اور نکبت اور جہل جو مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے
اُس کا علاج ہو سکتا ہے مگر ہر شخص یہ بات بخوبی اور بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا کسطرح
گورنمنٹ اختیار کر سکتی ہے اور نہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں جاری ہو سکتا ہے خود مسلمان
البتہ بخوبی جاری کر سکتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے اجرا کا مقدور بھی رکھتے ہیں صرف
ہمت اور محنت اور توجہ درکار ہے ۔

دوم وہ طریقہ جس سے گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم زیادہ تر مسلمانوں کے مناسب حال
ہو جاوے اور اُس سے مسلمان فائدہ اُٹھاویں ۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کو ایسا تصور کریں کہ صرف انگریزی زبان
کی تعلیم کا اس قسم کا مدرسہ ہے جیسا کہ اُن کے لیئے اوپر تجویز ہوا ہے اور تمام علوم و فنون اُس میں
بزبان انگریزی تعلیم دیئے جاتے ہیں اور اُردو ۔ فارسی ۔ عربی صرف بطور سکنڈ لینگوج کے ہے اور
صرف ان مدرسوں کو زیادہ تر مناسب اور مفید کرنے کے لیئے مفصلہ ذیل باتوں پر توجہ کریں ۔

اوّل ۔ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ جس قدر انگریزی کی تعلیم اَب دی جاتی ہے اُس میں
ترقی کی جاوے اور ہر ایک درجہ کی تعلیم بالکل یونیورسٹی کیمبرج اور اکسفورڈ کی برابر کر دیجاوے ۔

دوم ۔ یورپ کے طالب علموں کو لٹریچر میں قدرتی دستگاہ ہوتی ہے کہ وہ اُن کی مادری
زبان ہے اس لیئے اُن کو تھوڑی تحصیل میں آسکتی ہے مگر ہندوستان کے لیئے کالجوں میں
لٹریچر کی پڑھائی زیادہ تر کیجاوے تاکہ لیاقت تحریر و تقریر بخوبی آجاوے ۔

سوم ۔ ہر کالج میں بہ تحت انتظام پرنسپل کے ایک کلب مقرر ہو جس کا پریزیڈنٹ پرنسپل
ہو اور ہر ہفتہ اُس میں اعلےٰ کلاسوں کے طالب علم اسپیچیں مضامین معین میں کیا کریں اور
اگر چھوٹے کلاسوں میں اُسکو وسعت دی جاوے اور ہر کلاس کے ماسٹر کے اہتمام میں اُسکے
طالب علم ہر ہفتہ اسکی مشق کیا کریں تو ترقی لٹریچر کے لیئے نہایت مفید ہوگا ۔

چہارم ۔ مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ بشمول ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ایک کمیٹی
مقرر کریں جو اُن کتابوں کو منتخب کرے گی خواہ خود تالیف کرے یا تالیف کریگی جو سکنڈ لینگوج

کی تعلیم کے لئیے درکار ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اردو و فارسی و عربی کی تعلیم کی کتابوں میں جو بطور سکنڈ لینگویج کے پڑھائی جاتی ہیں کچھ درستی کی جاوے اور کتابیں عمدہ و مفید بصلاح کمیٹی اُس میں داخل کی جاویں تو مسلمان طالب علموں کو رغبت بھی ہوگی اور بہ نسبت حال کے اُن زبانوں کی تعلیم کی بھی ترقی ہوجاوے گی اور جب عربی فارسی کی تعلیم ایک عمدہ قاعدہ پر ہوگی تو مسلمان طالب علموں کو کسی وقت پر اُسکو اعلےٰ درجہ تک ترقی دینے کا موقع حاصل رہیگا ؀

**پنجم** ۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمان بمنظوری گورنمنٹ ایک کمیٹی مقرر کریں جو اِس بات کی تحقیقات کیا کرے گی کہ کِس قدر مسلمان لڑکے شہر یا قصبہ میں ہیں اور وہ کہاں کہاں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں اور کیا کرتے ہیں اِس تحقیقات کی کتابیں اور فہرستیں مرتب ہوں اور ہمیشہ سال ہی پر اُن کی جانچ پرتال ہوا کرے اور جو لڑکے پڑھتے نہیں ہیں اُن کا سبب بھی دریافت کر کر اُس کتاب میں مندرج کیا کریں ؀

اس کمیٹی میں بجز مسلمانوں کے اَور کوئی شخص اور نہ کوئی یوروپین حاکم شریک ہو مگر اسکی اطلاع و کیفیت ڈایرکٹر پبلک انسٹرکشن پاس جایا کرے اور خرچ اِس کمیٹی کا میونسپل فنڈ سے دیا جاوے ؀

**ششم** ۔ ہر کالج اور اسکول کے لئیے کمیٹی ہو جس میں مسلمان بھی شریک ہوں اور اُن کو کچھ وقعت اور اختیار بھی دیا جاوے اور اُس کا بائی لاز خود انھیں سے بنوایا جاوے اور گورنمنٹ بعد صلاح و ترمیم اُسکو منظور کرے تاکہ گورنمنٹ کالج و اسکول مسلمانوں کے لئیے بطور ایک نبی کے متصور ہوں نہ بطور ایک خوفناک چیز کے جیسیکہ اَب تک رہے ہیں ؀

تحصیلی و حلقہ بندی مکتبوں کو بھی اپنے مفید کرنے کے لئیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن کے اہتمام اور نگرانی میں زیادہ تر مداخلت کریں اور سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ اپنی طرف سے اور باہمی چندہ سے ایسے ایسے چھوٹے مکتب خود قایم کریں اور گورنمنٹ سے اُس میں نصف روپیہ ملنے کی درخواست کریں ؀

غرض کہ جیسا کہ اَب تک گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے مسلمان علیحدہ علیحدہ رہے ہیں برخلاف اُس کے جہاں تک ممکن ہو اُس میں اعانت و مدد کریں اور سررشتہ تعلیم کو ایک اپنی ضروریات سے سمجھیں تاکہ وہ اُس سے فائیدہ اُٹھاسکیں اور جو نقصان اُس میں ہوں اُس کے رفع کرنے پر

قادر ہوں ✦
یہ تمام باتیں جو اوپر بیان ہوئیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کالجوں و اسکولوں سے فایدہ اٹھانے کے لیئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ آئندہ کچھ گورنمنٹ سے درخواست کرنی یا توقع رکھنی محض بیہودہ بات ہے بلکہ اس میں سے بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ گورنمنٹ بمشکل اسکو قبول کریگی ✦

## رائے ممبران

اس تجویز کی نسبت کل ممبران سلیکٹ کمیٹی سے صلاح اور مشورہ کیا گیا جو ممبر کہ بنارس میں موجود تھے اُنھوں نے بالمشافہ اپنی رائیں ظاہر کیں، اور جو لوگ کہ بنارس میں موجود نہ تھے اُن کے پاس یہ تجویز بھیجی گئی اور اُنھوں نے بذریعہ تحریر کے اپنی رائیں ظاہر کیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ✦

سید احمد خاں ۔ مولوی محمد عارف صاحب ۔ مولوی سید عبد اللہ صاحب ۔ محمد یار خاں صاحب ۔ مولوی سید زین العابدین صاحب ۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب ۔ مولوی اشرف حسین خاں صاحب ۔ مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور منشی محمد اکرام حسین صاحب نے بلا کسی اختلاف کے مذکورہ بالا تجویز کو پسند اور منظور کیا اور تمام مراتب مذکورہ بالا سے اتفاق رائے ظاہر کیا ✦

مولوی سید امداد علی صاحب اور مولوی قطب الدین حسن صاحب اور مولوی حمید الدین صاحب اور منشی محمد سبحان صاحب نے بھی بالکلیہ اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ان چاروں ممبروں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ تلخیص کتب بذریعہ علماء کامل اور متدین کے عمل میں آوے ✦

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی جملہ مراتب مندرجہ بالا سے دلی اتفاق کیا اور یہ لکھا کہ سلسلہ تعلیم میں جو کمی بیشی کی خواہش کی ہے نہایت عمدہ اور مناسب ہے لیکن چونکہ اس رپورٹ میں اُن کتابوں کے انتخاب کا پورا ذکر نہیں ہے جو اس طریقہ میں پڑھائی جاوینگی اس لیئے میں اس باب میں ابھی کچھ رائے نہیں دیتا جب اس کا موقع آویگا تب میں بالتفصیل رائے دوں گا ✦

مولوی عبد الرحمٰن صاحب اور مولوی حفیظ الدین احمد صاحب اور میر بادشاہ صاحب نے بھی تجویز مذکورہ بالا سے اتفاق کیا مگر کتب فقہ و اصول فقہ اور کتب حدیث کی تلخیص کرنے سے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ وہ بدستور سابق تعلیم میں رہیں ✦

مولوی سید فرید الدین احمد صاحب نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ میں اپنے لائق فائق مسیح عصر حکیم امام

روشن ضمیر عالی دماغ سید احمد خان صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق
نہیں کر سکتا۔ اُس سخت مرض مہلک اور مزمن مرض جہالت کا کہ جو آجکل جسم اسلامی کو لاحق ہو گیا
ہے اور جس نے اُن کے سارے دین و دنیا کے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے
جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی
توقع وہم بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُس عمدہ علاج کے اجزائے نافع کو بہم پہونچا کر استعمال کریں مَیں
اِس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ مجوزہ نہایت بے نظیر ولاجواب ہے اگر
اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض مہلک کی بیخ و بنیاد کو توڑ ڈالتا اور جسم
اسلامی کو اعلےٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہونچا دیتا اور یقین ہے کہ آیندہ نسلوں میں کوئی وقت
ضرور ایسا آویگا کہ اہل اسلام بخوشی اُس نسخہ کو استعمال کرینگے اور خدا کرے کہ جلد وقت آوے۔ میرے
خیال میں اُس حکیم حاذق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور ہمت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرماکر
مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی تو رُک جاتی اور کسی قدر آثار صحت
کے نمایاں ہوتے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً بلحاظ حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل میں لاتے کہ
یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے اگر حکیم ممدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرماکر کوئی ایسی
تدابیر تجویز فرماویں کہ جس کا خارج میں موجود ہونا گو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے
اور جب میری رائے یہ قایم ہوئی کہ فی الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر ہونگی
تو اُن تدابیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول و بیفایدہ ہے تاہم اِسقدر کہنا مَیں ضروری
جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے امور معاد کے لحاظ سے اُن کی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم میں زبان عربی کو
دوم درجہ قرار دینا نامناسب ہے نہیں بلکہ مضر ہے جب ہم ایک ایسا خیالی منصوبہ قرار دیں کہ جو
عمدہ حالت ترقی تعلیم مسلمانوں کی ہو تو اُس میں حیف ہے کہ زبان عربی درجہ دوم میں قرار پاوے
اور چند ممبروں نے جو دربابِ تلخیص کتب دینیہ اہل اسلام کے رائے دی ہے اور سید احمد خاں صاحب
سے اختلاف کیا ہے مَیں اُس میں سید احمد خاں سے بالکل متفق ہوں مَیں خیال کرتا ہوں کہ
وقتاً فوقتاً علمائے اہل اسلام اس کے درپے رہے ہیں اور بنظر مصالح وقت اور حالت موجودہ
اہل زمان بہ تبدیل عبارت یا اختصار و تلخیص مقامات کتب تالیف کرتے آئے ہیں اور مجھکو اُمید
ہے کہ ہمارے یہاں کے لایق آدمی ہمیشہ اسی عمدہ رائے پر چلتے رہینگے۔ بخاری کی تلخیص کے
یہ معنی نہیں ہیں کہ اُس کے بعض اجزا کو ہم اپنی سمجھ کے موافق قایم رکھیں اور بعض کو نکال دیں

بلکہ تلخیص کے یہ معنی ہیں کہ اُس کے جو مقامات کہ مفید اور مناسب وقت ہیں اُس کو نکال کر کے درس میں داخل کریں اور اس میں کوئی قباحت اور نقصان نہیں ہے اور مَیں اس میں بھی کوئی قباحت اور نقصان نہیں سمجھتا کہ جو غلطی یا خطا کسی کتاب میں واقع ہے اُسکی گرفت کیجائے اور بلا اندیشہ وہ غلطی ظاہر کردی جاوے۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اوّل طبقہ صحابہ سے لیکر آج تک ہمارے یہاں کے علماء یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ صحابہ۔ تابعین۔ مجتہدین۔ فقہاء۔ محدثین۔ مشائخ کرام سب کی غلطی و خطاؤں کو بہت صراحت سے علماء نے لکھا ہے اور اِس بات کو بھی بہت احتیاط سے ملحوظ رکھا کہ اگر کسی پر بیجا اعتراض یا ناجایز غلطیاں لگائی گئی ہیں تو اُسکو بدلایل معقول رد کیا اور یہ بھی اِسی مقام پر مَیں لکھنا نہایت مناسب جانتا ہوں کہ ہمارے سچے مذہب کا عُمدہ اصول یہ ہے کہ کوئی عالم اور کوئی مجتہد اور کوئی صلحا سے بلکہ کوئی انسان سوائے انبیاء علیہم السلام کے ایسے درجے میں نہیں ہیں کہ جن کے کلام میں خطا اور خلل واقع نہ ہوا ہو اگر آج ہم کسی بڑے سے بڑے عالم کے کلام کی غلطی ظاہر کریں اور اُس کو عُمدہ دلایل سے سچی نیت سے بغرض ہوا خواہی اسلام ثابت کردیں تو کچھ ہمپر اعتراض نہیں ہے ؎

منشی محمد اکبر حسین صاحب نے یہ رائے لکھی کہ مجھ کو جناب سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کی اعلیٰ اور عمدہ اور حکیمانہ تجویز سے بدل اتفاق کلی ہے۔ ہرچند مولوی فریدالدین صاحب کا خیال اُس کی تصویر خیالی ہونے کی نسبت مسلمانان ہند کی عادت و عقاید و حالات موجودہ پر نظر کرنے سے کسی وجہ تک صادق آتا ہے اور اِس تدبیر بے نظیر کی تکمیل اجرا کی تمام مراحل اُمید و بیم میں معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم اُس تشریح اور توضیح پر نظر کرتے ہیں جو جناب سید احمد خاں صاحب ممدوح نے تجویز اور عمل اِن دونوں چیزوں کے امتیاز کے باب میں فرمائی ہے تو ہم بے تامل متفق الرائے ہو کر خدائے عزوجل سے اپنے عمدہ ارادوں کے پورا ہونے کی دُعا مانگتے ہیں۔ السعی منی والاتمام من اللہ ؎

جو رائے ممبروں کی اوپر بیان ہوئی اُس سے ظاہر ہے کہ جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اُس سے تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے پس اَب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں اور بموجب ہدایت ممبران سلیکٹ کمیٹی کے تمام ممبران کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے سامنے اِس اُمید سے پیش کرتا ہوں کہ ممبران کمیٹی ممدوح درباب تعجیل اِن شاء اللہ اجرا اس طریقہ تعلیم کے بتدابیر مناسب سعی اور کوشش فرمانی شروع کریں ؎

# اختتام سال ۱۲۸۹ھ ہجری
# و
# شروع سال ۱۲۹۰ھ ہجری

شکر خدا کا کہ نواسی سنہ نوّے ہو گیا - ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے سوا دو برس ہوئے - ہمکو خیال کرنا چاہیئے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب میں کیا کچھ ہوا اور ہمارے اس پرچہ نے کیا کیا اور لوگوں نے اسکو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہا ؎

## حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے -

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

پرانے دل بعضے تو ہمکو بُرا کہتے کہتے ٹھنڈے ہو گئے اور بعضے مہربان اب اَور نئے دل جوش پر ہیں اور ہمکو بُرا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہمکو وہی جوشِ محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شائستگی کی دن رات فکر ہے اُن کے غصہ سے ہمکو رنج نہیں - اُن کی سخت کلامی کا ہمکو غم نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے - جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں ہم جب ہی سے جانتے ہیں جب کہ وہ نکرتے تھے -

من عہد تو سخت سست میدانستم
بشکستن آں درست میدانستم
ہر دشمنی اے دوست کہ با من کردی
آخر کردی نخست میدانستم



ہمکو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات سے بالکل تسلی ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عام بُرائی کا دُور کرنا

چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی میں کوشش کی تو اُن کو دنیا کے ہاتھ سے اور بالتخصیص اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا۔ کوئی سُولی دیا گیا۔ کوئی آرہ سے چیرا گیا۔ کوئی جلاوطن کیا گیا۔ پس ہمکو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیئے تھا اُس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا۔

ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا۔ بہت کیا تو یہ کیا کہ دوچار خط گمنام سب و دشنام کے لکھ بھیجے۔ ہمنے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور اُن کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہو رہا دو پتھر اور ایک کاٹ کی کَل اُن کے ہاتھ میں ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ سچ باتیں چھاپ کر یا چھپوا کر ٹھنڈا کیا۔ ہم تو اسپر بھی راضی ہیں مگر اُس دن کا ہمکو افسوس ہے جبکہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور سمجھینگے جو سمجھینگے۔

ہمکو ملحد اور زندیق اور لامذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم ورواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر آخرالزماں محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کیے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کرنیوالے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراھیمؑ اپنے باپ آذر کے بتوں کے توڑنیوالے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمد رسول اللہ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دُنیا میں قایم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہمکو ملحد و زندیق و لامذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں کیونکہ ہم اُن کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ ہمکو کرستان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم عیسائی ہو گئے اور ایک گرجا میں جاکر بپتسما یعنی اصطباغ لیا۔ ہمکو اپنی قوم کے حال پہ نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی۔ قومی ہمدردی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدا نے ہماری قوم کے دل سے کیسی مٹا دی ہے کہ اُس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں۔ اِن باتوں سے ہمکو لحاظ

اپنی ذات کے کچھ بھی رنج نہیں ہوتا مگر جو رنج اور غم اور افسوس ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس ہماری قوم پر خدا کی کیسی خفگی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٭

کانپور سے ہمکو مختلف صورتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اُس میں یہ مضمون بطور نصیحت لکھا ہوا ہے ٭

"بعض اہالیان ہند نے واسطے دھوکا دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس ملکی اور وضع قومی چھوڑ کر برخلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہموطنوں اور ہمقوموں اور ہم پیشوں کے جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کُرسی پر بیٹھکر چھُری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیئت جو نصرانیوں کی ہے بنانا اس مراد سے اختیار کیا ہے کہ ہمکو حکام وقت جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے اپنا مخلص اور مطیع اور پَیرو جانیں اور اُن کے محکومین ہمکو حکام کا ہمسر مانند صاحب لوگوں کے سمجھیں سو نتیجہ اُن کی خبث طینت کا کہ مکر و دغا ہے یوں ظاہر ہے کہ اکثر حکام سوا فریبی دغاباز سمجھنے کے اُن کو کچھ اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں اگرچہ بعض حکام ظاہر میں پادری منش اُن کی دلشکنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال انکا یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعہ سے اہل اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آسکتا ہے اور اُن کے دلوں میں ہمارے مذہب کی طرف کچھ رغبت پیدا ہوسکتی ہے حالانکہ اس خیال کا وقوع میں آنا ہرگز ممکن نہیں ہے اس لیئے کہ ان صاحبوں کی بے اعتباری نے اہل اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح رسوخ نہیں پایا ہے کہ کوئی بات ان کی نکالی ہوئی یا کہی ہوئی یا لکھی ہوئی وہ قبول کرسکتے ہوں بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کیسی ہی سچی رائے کو بھی اُن کے ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا ہے۔ بہرحال یہ اہالیان ہند کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پاسکتے ہیں بلکہ اپنی بدنیتی سے خسر الدنیا والآخرۃ ہوسکتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون" ٭

اگرچہ اس تحریر کی وجہ لوگ اور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا کہ اُنھوں نے ہمکو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شمار کیا شکر ادا کرتے ہیں اور رکھتے ہیں کہ۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

مگر جب ہم تھوڑی دُور اَور اُس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں۔

"مفتی سعداللہ صاحب کا فتوئے تکفیر میں جناب سیّد احمد خاں صاحب کے جو ترجمۂ تاریخ پر مرتب ہوا ہے راقم کے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ سید احمد خاں صاحب کے حواریین اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں"۔

پہلے تو ہم گھبرائے کہ یہ مفتی سعداللہ صاحب کون ہیں وُہی ہیں جن کو ہمنے دلّی میں دیکھا ہے اور یہ وُہی مفتی سعداللہ صاحب ہیں جنھوں نے لکھنؤ میں ایک نیکبخت مسلمان آلِ رسُول ابن علی اولادِ نبی کے کفر اور قتل کا فتوی دیکر عشرہ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا تھا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہوگیا اور سمجھے کہ آل رسُول کے قتل و کفر پر فتوی دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے۔

مگر جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکّہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ہوا اُن کے لائے ہوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں۔ ~

یہ ہیں کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

سُبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے وللہ درّ من قال۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس
توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے
حسود را چکنم کو ز خود برنج ددست

اب ہمارے محبوب مہدی علی اور ہمارے عزیز مشتاق حسین کا حال سُنو۔ یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں۔ اُسکی پیاری پیاری باتیں۔ اُس کی سچی ایمانداری۔ اُس کی فصیح تقریر اُس قابل ہیں کہ اگر ہماری قوم کے دل کی آنکھیں اندھی نہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے۔

منشی مشتاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دینداری بے ریا عبادت سچی خدا پرستی۔ غایت تشدد سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو درحقیقت بے مثل ہے اس لایق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدا کی خفگی نہ ہوتی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے۔

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک آبائی رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے حواری جس سے اشارہ عیسائی کا رکھا ہے اور دوسرے کو ملحد کا خطاب دیا ہے کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُن کو بعوض سچائی اور دینداری کے یہ خطاب اُنھی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں۔

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

با ایں ہمہ ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مداح و ثنا خواں ہیں اور دل سے اُن کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیّت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی جبلت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجرائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارے اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے۔ ہم دونوں اسلام کے خیر خواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں صرف ہم میں اور ہمارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ جو کچھ ہمنے سمجھا اور سوچا اور دیکھا ہے وہ اُنھوں نے سوچا سمجھا دیکھا نہیں۔ جب اُن کے دل کو بھی خدا وہ باتیں سوجھا دیگا جو ہمکو سوجھائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جاوینگے۔ زید ابن ثابت۔ ابوبکر صدیق اور عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن ثابت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوجھائیں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو سوجھائیں تھیں لیکن جب سوجھائیں تو اُنھوں نے بھی تسلیم کیا کہ واللہ خیر پس ہم اپنے مخالفین کے لیئے یہی دُعا خدا سے مانگتے ہیں کہ اللھم اشرح صدورھم للذی شرحت لہ صدری۔ آمین۔

## ذکر پرچہ تہذیب الاخلاق

گذشتہ سال میں بسبب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چھاپے گیٔے اسپر بھی بہت سے وہ مضامین بھی جن کے لیئے یہ پرچہ موضوع ہے مندرج ہوئے۔

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ بُرائی اور اُن کی آیندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہوسکی اُن کو دکھائی - مذہبی نقایص جو اُنھوں نے یہود و نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیے ہیں - بدرسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں - اخلاق کی بُرائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے آ گئی ہیں اُن کی کتب مروجہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ کتابیں بے سُود ہو گئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے ॰

علم ادب اور علم انشا سے بھی ہمنے غفلت نہیں کی کیونکہ ہمنے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرز جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے اِس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علم انشا کی بُرائی کا بتلانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے - اور اگر ہمارا خیال غلط نہو تو ہمنے اپنی قوم میں اُس کا کچھ اثر بھی پایا ہے ॰

ہمنے نامی یورپ کے عالموں اڈیسن اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھا ہے جہاں کہ ہمنے اپنے نام کے ساتھ اے - ڈی اور اے - ایس - ٹی کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اردو زبان میں اُن خیالات کے ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اسپر متوجہ ہو تو کس قدر اَور زیادہ خوبی اور صفائی اور سادگی اُس میں پیدا کرسکتی ہے ॰

یہ تو ہمنے سنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام تخریب الاخلاق اور تخریب الآفاق رکھا ہے جس طرح کہ ایک پُرانی قوم نے قولوا حطة نغفر لکم خطایاکم و سنزید المحسنین کی جگہ حنطة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بطور ریویو کے اسپر نہیں دیکھی جس میں بطور ایک عادل حاکم کے اُسکی بھلائی بُرائی پر مفصل رائے دی ہو ॰

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اور سادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی عمدہ سمجھتے ہیں - ہمارے ایک انگریز دوست نے ہمکو لکھا کہ تہذیب الاخلاق نے یہ ثابت کردیا کہ اُردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات عمدگی اور سادگی سے ادا ہوسکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اَب تک سمجھا جاتا تھا ॰

ہمکو اِس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اِس پرچہ کے مشتاق رہتے ہیں اور اِس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ

اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور رد وقدح پر متوجہ ہیں بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے رد کرنے کا پیشہ اختیار کیا ہے اور بعض جگہ ہمارے مضامین پر بنظر تردید بحث کرنے کو مجلسیں مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ ہیں کہ اپنی پرانی ہی کملی کو ہر مجلس کے لایق ثابت کریں۔ کانپور و گورکھپور و مرادآباد سے اُن مضامین کی تردید میں رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لیئے نہایت مبارک آثار ہیں کیونکہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث میں نہ آتیں تو ہمکو اپنی تحریروں کے مؤثر ہونے کا کچھ بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد ڈھے جاتی ہے۔ وُہی مسائل انجام کو ہر دلعزیز ہوتے ہیں جو بعد مباحثہ قایم رہتے ہیں۔ سونا اگر آگ میں نہ تایا جاوے تو کبھی گُل رخوں کے گلے کا ہار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ "سچ میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ یہی ہے کہ مباحثہ کا اُسے خوف نہیں"۔

ہمکو اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچہ کا ایک مضمون ہمارے مُلک کے نامی عربی اخبار النفع العظیم لاهل هذا الاقلیم مطبوعہ ۱۴ ذیقعدہ میں بزبان عربی ترجمہ ہوکر چھپا ہے۔ اور مسٹر اڈیسن کا ایک مضمون اُمید پر جو ہمنے اپنی زبان اور اپنی طرز پر چھپایا تھا وہ دوسری طرح پر بطور ترجمہ پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے اور اس سے ہمکو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھانی چاہتے ہیں وہ اُسکو پسند بھی کرتے ہیں۔

در دلش تسلیم و بر لب حرف انکار وصال
گوش گوید بشنود چوں دل ز اندازش خوش است

## اثر تہذیب الاخلاق کا دلوں پر

اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے۔ ہماری قوم کے دل جو مُردہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تحریک تو ضرور آگئی ہے۔ ہر ایک دل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی فکر میں ہے۔ کوئی ہماری تکفیر کی دُھن میں ہے۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراہتا ہے۔ کوئی اُن

سر اٹھنے والوں کو لعنت و ملامت کرتا ہے۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت لوگوں کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم خراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے۔ اگر درحقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ ہماری مراد حاصل ہو گئی ۔

ہمارے ایک دوست نے ہمسے نقل کی کہ ضلع سہارنپور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر نادان دوست ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرسٹان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر ہوگی تو اُسی کرسٹان سے ہوگی۔ یہ نقل سُنکر مَیں نہایت خوش ہوا اور مَیں نے کہا کہ اگر درحقیقت مجھ سے ایسا ہو تو اِس کرسٹانی کے خطاب پر ہزار مُسلمانی نثار ہے ۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدُعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے۔ اُس نے نہایت دلی جوش سے کہا کہ آں قرمساق ہمہ خوش میگوید۔ صائب کہتا ہے کہ جیسی عزت مجھکو قرمساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلیٰ سے اعلیٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں۔ اسیطرح خدا کرے کہ یہ لفظ کرسٹان کا میرے لیئے عزت قومی کا باعث ہو ۔

## اس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مُسلمانوں کی تعلیم پر اثر نمایاں کیا ہے اب جس مسلمانی مدرسہ میں جاتے ہیں اور جن طالب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سُنتے ہیں کہ جو طریقہ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلاشبہ تبدیل کے لایق ہے۔ بہت سی کتابیں ایسی درس میں داخل ہیں جن سے عمر ضایع ہوتی ہے بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے۔ جو شخص کہ فارغ التحصیل ہو گیا ہو اگر اُس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا ۔

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدیدہ چُپکے سے اُن کے ہاتھ آجاویں مگر شرماتے ہیں اور علانیہ اُن کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور قدوسیت کی کسادبازی سمجھتے ہیں ۔

جابجا مسلمانوں کے مدرسے قایم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کے قایم کرنے کا چرچا ہے مولوی محمد سخاوت علی صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں ایک مسلمانی مدرسہ قایم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ "اگرچہ پہلے بھی ہمکو اپنی قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا - اب پرچہ تہذیب الاخلاق نے یہاں تک چوکنا اور آگاہ کیا جس کے سبب اس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قایم ہوگیا - خدا اس پرچہ تہذیب الاخلاق کو ہمارے لیئے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں ❊

یہ بھی اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انبہٹہ کو اور ہمارے ضلع کے کُل مدارس - دیوبند - سہارنپور - گنگوہ کو بڑی تسلی ہے کہ یہ سب مدرسے اُس مدرسۃ العلوم مسلمانان سے جس کے قایم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستفیض ہوں گے گویا علیگڈھ ہمارے مدرسوں کے طلبار کا قصر اُمید ہے - اگر درحقیقت ہم اپنی ترقی کریں گے تو وہ قصر ہمارے ہی لیئے ہے پس کس قدر ہمکو اُس کے بانیوں کا شکرگذار ہونا چاہیئے" - سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحریروں کے اثر سے قایم ہوا وہ مدرسہ ایمانیہ لکھنؤ ہے جس میں بشمول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سُنّی دونوں کے دل کو جگا دیا ہے ❊

اگرچہ ہم اپنی رائے میں اِن مدرسوں سے ان فوائد کے حاصل ہونیکی توقع نہیں رکھتے جنکی ہم خواہش رکھتے ہیں - اس لیئے ہمکو اُن کے قایم ہونے سے چنداں خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اِس طرف توجہ تو ہوئی وہ کچھ کرنے تو لگے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اُس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی الحقیقت سیدھی اور صاف ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہونچنا ممکن ہے تاہم ہاں تو شروع ہوئی ❊

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور اُن کا قایم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم اُن کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقش بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں جسکو ہم خود غرضی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بسبب اُن مقدس مولویوں کے جو اُن مدرسوں میں مصروف ہیں اور اُن کی قدوسیت کا خیال لوگوں کے دلوں میں جما ہوا ہے اور نیز اِس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی پڑھانے میں روپیہ

رفٹی ناچ بھجن دینے میں بڑا ثواب ہوگا اُن مدرسوں میں روپیہ دیتے ہیں اور مدد کرتے ہیں
یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اسی سبب
سے ہم اُس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس دن خوش ہوں گے جبکہ
ہماری قوم نہ خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لیئے بلکہ صرف اپنی قوم کے لیئے کوشش
کرےگی اور کہیگی کہ نہیں اپنے ہاتھ - اپنے پاؤں - اپنی جان - اپنی محنت - اپنے روپیہ کے بدلے
نہ خدا کو خریدنا چاہتا ہوں نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو - جبکہ اس طرح بلا خیال اپنے ذاتی نفع دینی و
دنیوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ ہوں گے اُس وقت البتہ ہمکو خوشی ہوگی - لیکن یہ بھی
غنیمت ہے جو ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ آیندہ اَور بھی اچھا ہو ؛

## اثر مذہبی خیالات پر

اِس پرچہ میں ہمکو عقاید و مسایل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر جو کہ مسلمانوں
نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور تمدن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اِس لیئے بہ مجبوری اُن
مسائل مذہبی سے بحث آجاتی ہے جو ہمارے مقصود سے علاقہ رکھتے ہیں ؛

مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے - ہم اہل سنت وجماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے
دو فرقے القاب وہابی و بدعتی سے ملقب ہیں - پہلے حضرت بلاشبہ عقاید میں نہایت درست
اور قریب حق کے ہیں الا ظاہری افعال اور سختی اور سنگدلی اور قساوت قلبی اور تعصب پر اسقدر سرگرم
ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک وہی حال ہے جو علماء یہود کا
تھا جو دنیات ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت اگرچہ اندرونی نیکیوں
کی جانب کسیقدر متوجہ ہیں الا رسوم آبائی کے اس قدر پابند ہیں اور بدعات محدثہ کے اسقدر پیرو
ہیں کہ رومن کیتھلک کے قدم بقدم ہوگئے ہیں بلکہ اُن کو بھی مات کر دیا ہے پس یہ دونوں باتیں
ہمارے مقصود کی مانع ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی
برخلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اس لیئے مسلمانوں میں
جہاں تک کہ یہودیت اور رومن کیتھلکیت آگئی ہے اُسکو مٹانا اور دُور کرنا چاہتے ہیں اور یقین
کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کیئے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں ؛

رسومات کو اور خصوصاً مذہبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ ہمکو کچھ توقع ہے

کہ ہم اس میں کچھ کر سکتے ہیں مگر تاہم لوگوں کو اُس سے متنبہ کرتے جاتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ کوئی دل نرم بھی ہوا ہو یا آیندہ ہو ❊

ہم کو ہمارے شفیق نیچرل اسٹ یا دہریہ کہتے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو مذہب نیچر کے برخلاف ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اُسی کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹھیٹ مذہب اسلام جبکہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ہو بالکل نیچر کے مطابق ہے اسی لیے کہ وہ سچا ہے اور اس لیئے وہ سچا ہے۔ اگر یہی وجہ ہمارے دہریہ ہونے کی ہو تو ہم پکے دہریہ سہی۔ بلاشبہ ہمارا یہ دلی عقیدہ ہے کہ نیچر خدا کا فعل ہے اور مذہب اُس کا قول اور سچے خدا کا قول و فعل کبھی مخالف نہیں ہو سکتا اس لیئے ضرور ہے کہ مذہب اور نیچر متحد ہو اور بلاشبہ یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان بسبب ذی عقل ہونے کے احکام مذہبی کا مکلف ہوا ہے پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ہوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ہوگا ہاں یہ بات ممکن ہے کہ وہ احکام ہماری تمہاری عقل سے خارج ہوں الا عقل انسانی سے خارج نہیں ہو سکتے اور زمانہ جوں جوں انسان کی عقل و علوم کو ترقی دیتا جاویگا ووں ووں اُن کی خوبی زیادہ منکشف ہوتی جائیگی مگر یا اُسیوقت ہوگا جبکہ تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھلی ہوگی ورنہ کولہو کے بیل کی طرح بجز دن رات پھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ہوگا ❊

کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جسکو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات محدثات سے اور غلط خیال اجماع سے اور خطار اجتہادات سے اور ڈھکوسلہ قیاسات سے اور شکنجہ اصول فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں گو سارا زمانہ مجھ کو دہریہ کیوں نہ سمجھے ❊

نمیگریم درین گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من
نمیدانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستیں از من کنار از من

# ذکر مدرسۃ العلوم مسلمانان

اِس سے زیادہ عجیب بات کونسی ہوگی کہ ہمنے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لیئے مدرستہ العلوم کی بنا ڈالی ہے اُس میں بھی ہمارے چند ہموطنوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ "میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے (یعنی مجھ گنہگار کے) ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا" اگر درحقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو وائے بر مسلمانی و وائے بر مسلماناں۔ نیک طینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے اُسکو پسند کرتے ہیں بلکہ در و دیوار سے نصیحت لیتے ہیں۔ کما قال

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

ہمارے مکرم معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیۃ الکرسی کا اُس سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) پس اے میرے بھائیو میں ملحد۔ مرتد۔ زندیق۔ کافر۔ کرسٹان۔ شیطان سہی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے فائدہ کی بات کہوں۔ دل سوزی سے تمہاری ہمدردی کروں میری وہ بات تم کیوں نہ مانو حضرت ابوہریرہ نے تو نعوذ باللہ منہا شیطان سے بھی نیک کام سیکھنے میں عار نہیں کی۔ سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص اِن باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین الانس میں سے ہوگا تو نیچرلسٹ کافر کرسٹان۔

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

کیا اس سے زیادہ بدقسمتی اور بد اقبالی۔ کم نصیبی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے جو ایسے عمدہ کام یعنی مدرستہ العلوم کے قایم ہونے میں مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اُن کی مخالفت میری ذات کے سبب سے ہے تو کیسی نادانی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہونیوالا ہے ہمیشہ کے لیئے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ اگر انتظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے مختلف الرائے

ہیں تو اپنی رائے کی خوبی اور عمدگی ثابت کرکر بغلبہ رائے ممبران کمیٹی میری رائے کو معدوم کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کام کے انجام کے لائق ہیں تو مجھ کو اُس سے علیحدہ کرکر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ہیں اور میں بخوشی و منت و احسانمندی اِس بوجھ سے سبکدوش ہو سکتا ہوں بشرطیکہ اور کوئی اُسکو انجام دے پھر مخالفت معنی چہ۔ حقیقت میں یہ نشان بد اقبالی اور ہماری قوم سے خدا کی ناراضی کا ہے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لیئے کچھ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں اور نہ اُسکی سمجھ رکھتے ہیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ہے تو اُس میں وسوسے ڈالتے ہیں ٭

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ہم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنت ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہم سر جھکا کر سُنتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ذاتی معاملات میں تو سب کچھ روا ہے تو پھر ہم ایسے مہمل اور بے مغز گندم نما و جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے ٭

اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مخالف قومی ہمدردی اور قومی عزت کے جوش میں سرگرم ہیں اور مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قایم ہونے میں عرق ریزی کر رہے ہیں مگر مدرسہ میں لال ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنانے سے ناراض ہیں ہم خود شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ہیں مگر اُن کی کوشش اور ہمدردی قومی اسکی مقتضی ہے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہ بند باندھنے اور نعلین پہننے کا مدرسہ میں حکم دیا جاوے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی کا ان میں نشان نہیں۔ قومی عزت کا اُن کو خیال ہی نہیں بجز مخالفت مجسم کے (نہ کسی کینہ و عداوت سے بلکہ بمقتضائے طبیعت کے) اور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مُسلمانوں کی بد اقبالی اور اُن کا ادبار چہچہا رہا ہے ٭

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمکو استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاء اللہ العزیز اس کام کو پورا کرینگے ٭

اے ناخدا ترس مسلمانو۔ تم اتنی ہی سی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سعی سے ہمارا یہ قومی دار العلوم قایم ہو جاوے تو بمجرد اُس کے قایم ہونے کے بلا انتظار اُس کے فواید عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سولیزڈ قوموں اور سولیزڈ ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزت قایم ہوگی اور ہماری قوم کو اس کام کے انجام پر کیسا کچھ فخر ہوگا ورنہ وہی انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے کا قول صادق آویگا کہ سُور کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں

بناسکتا۔ او خدا تو ہماری مدد کر۔ آمین ✦

اے بھائیو۔ ابھی پچھلے پرچہ میں طریقہ انتظام وسلسلہ تعلیم مسلمانان مشتہر ہوا ہے تم اُس پر بخوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلٰے درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا اُن ٹٹپونجیوں عربی مدرسوں سے جو جابجا قایم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے مانگ کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فایدہ اور ہماری قومی عزت ہونیوالی ہے۔ حاشا وکلا۔ میری غرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی ہجو کرنا نہیں جن کو نیک آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قایم کیا ہے اور نہ میری یہ خواہش ہے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اور کرتے ہو اُس سے بہت کچھ زیادہ تمکو کرنا ہے خدا ہم سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اُسکو انجام دے۔ آمین ✦

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مسلمان تھے اور جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا) اس مدرستہ العلوم سے کافی مخالفت کی ہے گو اُس کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر اُنھوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیئے ایک تریٹر ہونے میں بلاشبہ بلند نامی حاصل کی ہے۔ بایں ہمہ ہمارے مُلک کے بہت سے نامی اخباروں نے ہمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیرخواہی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ہمدردی بھی کی ہے پس ہم اُن اخباروں کا اور اُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ہمکو پنجابی اخبار لاہور اور کلکتہ اُردو گائیڈ اور پٹیالہ اخبار اور علیگڈھ سین ٹیفک سوسئیٹی اخبار اور اودھ اخبار کا نام لینا چاہیئے دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ✦

درحقیقت ہم اودھ اخبار کے اُس آرٹیکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قدر نے نہایت نیکی اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار مطبوعہ ۱۲۔ جنوری ۱۸۷۵ء میں چھاپا ہے بہت کچھ ممنون ہیں ✦

ہم اپنے ملک کے اسٹیٹ پیپر پایونیر الآباد کی مہربانیوں کو کبھی بھول نہیں سکتے جس نے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے مدرستہ العلوم کے حالات مشتہر کرنے سے ہماری بڑی مدد کی ہے ✦

## ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ کہ پچھلے برسوں میں کمیٹی مسلمانان نے کوشش کی اُس کا بڑا نتیجہ خاص مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ مدراس و بنگال و بمبئی نے نسبت ترقی تعلیم مسلمانان خاص خاص احکام جاری کیئے ہیں جس کے لیئے تمام مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیئے چنانچہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی مہربانی سے تمام کاغذ جو اُس سے متعلق ہیں ہمکو مرحمت فرمائے ہیں چنانچہ ہم آیندہ کسی پرچہ میں وہ سب حال چھاپینگے۔ علاوہ اسکے جو عام نتیجہ کمیٹی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کرلیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونی ورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی اہل ہند کو اَور زیادہ تعلیم دینی چاہیئے چنانچہ اس کے لیئے خاص کمیٹی بیٹھی ہے جو اُس کا تصفیہ کریگی پس ہمارے ہموطن بھائی ہندو بھی ہماری کمیٹی کے ممنون احسان ہیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا فایدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم فنون کی کتابوں کا جن کی فہرست ہمنے مشتہر کی تھی دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکمدیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا مُلک آیندہ نسلوں تک اِن کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھیگا ✦

# مہذّب قوموں کی پیروی

چھوٹا بچا اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے اور کم سمجھ والا اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہے اور ناواقف اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار جانتا ہے اسی طرح نامہذّب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ مگر بعضی دفعہ یہ پیروی ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بجائے اس کے کہ اُس پیروی سے فایدہ اُٹھاویں اُلٹا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نامہذّب ہوتے ہیں اُس سے اَور زیادہ ناشایستہ ہوجاتے ہیں ✦

نامہذّب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو اُن لوگوں کو بہت عُمدہ پاتا ہے اور ہر بات میں اُن کو کامل سمجھتا ہے۔ ہر جگہ اُن کی تعریف سنتا ہے مگر اُن میں جو خراب عادتیں ہیں اُن کو بھی دیکھتا ہے۔ مثلاً شراب پینا جوا کھیلنا وغیرہ پس یہ شخص ان باتوں کو بھی اُن کے کمالوں ہی میں تصور کرلیتا ہے۔ اُن میں جو خوبیاں اور کمالات درحقیقت ہیں اُنکو تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جو بُری باتیں اُن میں ہیں اُن کو

بہت جلد سیکھ لیتا ہے ٭

ایسا کرنا درحقیقت اس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا ہے۔ وہ لوگ بسبب کسی دوسرے کمال و لیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری عُمدہ خصلتوں کے جو اُنھوں نے حاصل کی ہیں مہذب و شایستہ کہلاتے ہیں نہ بسبب اُن باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے۔ بلاشبہ مہذب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی خوبیوں اور کمالوں کے سبب چھپ جاتی ہیں اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ بُرائیاں کچھ ہنر نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گو کہ ایک مہذب قوم ہی میں کیوں نہو ٭

ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہمکو کرنی نہیں چاہیئے۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے موںھ پر ایک مسّہ ہو تو ہمکو خوبصورت بننے کے لیئے ویسا ہی مسّہ اپنے موںھ پر نہ بنانا چاہیئے کیونکہ وہ مسّہ اُسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اُس کی خوبصورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہمکو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اُسکے موںھ پر نہ ہوتا تو کتنا اَور خوبصورت ہو جاتا ٭

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہموطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابل ادب سمجھی جاتی ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں نہ اُن کی اُن باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں ٭

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عُمدہ خصلتوں اور عادتوں میں پیروی کی تو ہمکو بہت خوشی ہوتی ہے اور جب یہ سُنتے ہیں کہ اُس نے اُن کی بُرائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکا متوالا ہو گیا اور جُوا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہمکو نہایت افسوس ہوتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھے گی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھے گی ٭

# مسایل متفقہ

باوجود اتحاد قلبی کے پیارے مہدی کو ہمسے متعدد مسایل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہمارے پرچہ تہذیب الاخلاق کے ناظرین کو اُن کی تحریروں سے ظاہر ہوا ہوگا مگر مفصلۂ ذیل وہ مسایل ہیں جن میں ہمارے مخدوم مولوی مہدی علی صاحب کو بھی ہمسے اتفاق ہے۔ شیطان کا مونھ کالا انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اور مسایل میں بھی بعد تحقیق وتدقیق وہ متفق ہونگے ✦

(۱) لا تحریف فی الکتب المقدسۃ الا معنویا ✦

(۲) لیس الاسترقاق فی الاسلام ✦

(۳) لا وجود للسموات جسمانیا ✦

(۴) ما کان الطوفان عاما ✦

(۵) الاجماع لیس بحجۃ ✦

(۶) التقلید لیس بواجب ✦

(۷) کل الناس مجتہدون لانفسہم فیما لم ینصص فی الکتاب والسنۃ ✦

(۸) کل ما نزل من القرآن فہو ما بین الدفتین ✦

(۹) ما نسخت تلاوۃ آیۃ من آیات القرآن ✦

(۱۰) لیس النسخ فی القرآن ✦

(۱۱) لیس خلافۃ النبوۃ بعد النبی صلعم ✦

## اختتام سال ۱۲۹۰ سنہ ہجری

## و

## شروع سال ۱۲۹۱ سنہ ہجری

از بندہ خضوع و التجامی زیبد
بخشایش بندہ از خدامی زیبد

گر من کنم آنکہ آں مرا نازیبا است
تو کن ہمہ آنکہ آں ترا می زیبد

الحمد للہ کہ سنہ نوے سے پورا ہوا اور سنہ اکیانوے شروع ہو گیا۔ ہمارے اِس پرچہ کو جاری ہوئے سوا تین برس ہو گئے ❖

پچھلا سال بھی خندہ گل و نالہ بلبل سے خالی نہیں گیا۔ ہمارے آہ و نالے نے بدستور غلغلہ رکھا اور ہمارے ناصحان شفیق کا بھی شور و ضعف کم نہ ہوا ❖

حسن شہرت عشق رسوائی تقاضا میکند
جرم معشوق و گناہ عاشق بیچارہ نیست

ناصحان شفیق نے ہمکو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ۔ آخر کار ہمکو کافر و ملحد ٹھہرا ہی دیا۔ دُور و نزدیک کے مولوی صاحبوں سے کفر کے فتووں پر مُہریں چھپوا ہی منگوائیں اور ہمارے کفر پر ہمارے ناصح شفیق جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب نے ایک سالہ چھاپ ہی دیا اور امداد الآفاق اُس کا نام رکھا۔ بھلا اَور کچھ ہوا یا نہ ہوا۔ بچارے غریب چھاپے والے کو تو فائدہ ہو گیا ❖

اسی سال میں ہماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خاں بہادر نے (جو اُمید ہے کہ اَب تک حاجی بھی ہو گئے ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ سے اُن کو بھی حاجی لکھا کرینگے) دو رسالے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا نام شہاب ثاقب ہے اور دوسرے کا نام تائید الاسلام ❖

اخباروں میں نور الانوار تو اپنا نور عالم میں برساتا ہی تھا مگر اُس سے ایک اَور پرچہ اُن کے گھر کا اوجالا مسمی بہ نور الآفاق لدفع ظلمۃ اھل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور ہمارے اِس پرچہ تہذیب الاخلاق کے جواب میں نکلا ہے اُس کے مضامین ظاہراً تو جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بہادر کے طبعزاد معلوم ہوتے ہیں مگر بعضے لوگ اُن مضامین کو لے پالک بتاتے ہیں۔ بہرحال ہمکو اِس سے کیا کہ وہ میاں نذیر کے ہیں یا میاں بشیر کے کسی کے ہوں مگر دلچسپ ہیں۔ خُدا اُسکی بھی عمر دراز کرے ❖

ہمنے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں کارروائی مدرستہ العلوم مسلمانان کی اکثر چھپتی رہی الا مضامین دلنشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رہا۔ ہمارے غمزدہ و دل شکستہ دوست مولوی سید مہدی علی کا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر جو اِس سال

کے پرچوں میں چھپا درحقیقت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس کی قدر جانتے ہیں - ہمارے ہمعصر اڈیٹر اودھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدردانی کی ہے جسکا وہ مستحق ہے - ہمکو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اِس ناچیز پرچہ کے ذریعہ سے مشتہر ہوا ہو جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور پچھلی حالت بتاکر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آیندہ کی بہتری کی توقع سے دل و جان کو تقویت دیتا ہے ✦

بڑی بہار کی اِس سال میں ہمارے پرچہ کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اس میں مضمون لکھنے شروع کیئے ہیں - ایک آدھ مضمون اُن کا پچھلے سال میں چھپا ہے اور آیندہ اور بہت سے عمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے ✦

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسایل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں - وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اُصول کیا ہیں اور کن اصولوں پر ہماری تحریریں مبنی ہیں اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اُصول کو لکھدیں تاکہ لوگ اُن اصول کی صحت و سقم پر غور کریں اگر وہ اُصول صحیح ہیں تو اُمید ہے کہ جو تحریریں اُن پر متفرع ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی - باایں ہمہ یہ قول نہایت صحیح ہے -

کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اور وہ اصول یہ ہیں :-

**اوّل** - خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے ✦

**دوم** - اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقع نہیں ہوسکتا ✦

**سوم** - قرآن مجید بلاشبہ کلام الٰہی ہے - کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع ✦

**چہارم** - قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہمکو بظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے - اِس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے ✦

**پنجم** - جس قدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین

موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے - اِس لیئے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہگئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو ۔

نہ ملنا کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہوسکیگا ۔

**ششم** - کوئی انسان سوائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل بلا سند صحیح قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو سا اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوت ہے ۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمت و پیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی جو دینیات سے متعلق ہیں درجہ و رتبہ کا تفاوت ہے ۔

**ھفتم** - دینیات میں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دُنیاوی امور میں مجاز ۔

اِس مقام پر سُنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے ۔

**ھشتم** - احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بنا امر ظنی پر ہے سب ظنی ہیں ۔

**نہم** - انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہوسکتا پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہوں ۔

مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اُس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں ۔

**دھم** - افعال ماموربہا فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کردے ۔

اِس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو ۔

**یازدھم** - تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجاکھے کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا ۔

دوازدهم - وہ قویٰ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیے ہیں اُن میں وہ قویٰ بھی ہیں جو
انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب
سے روکتی ہے ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے - مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے
کہ فلاں انسان کن کن قویٰ کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا - اُس کے علم کے برخلاف ہرگز نہوگا
مگر اِس سے انسان اُن قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے
اُس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا ۔

سیزدهم - دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں ۔

چہاردهم - احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں - ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ بالکل
فطرت کے مطابق ہیں - دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت اور
عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے ۔

پانزدهم - تمام افعال و اقوال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت
وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے ۔

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت کے معنی سمجھے ہیں کہ
دل میں کچھ اور کہنا یا کرنا کچھ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت سچا نتھا مگر بندۂ وقت بنکر
اُسکو کہدیا یا کرلیا ۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ گانہ ایسے ہیں کہ جن سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف
نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کرینگے اور یہ
بھی سمجھینگے کہ ہماری تحریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے
متفق ہوجاویں ۔

## تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اس پرچہ کا تہذیب قومی ہے - مسائل مذہبی کی بحث بہ مجبوری آجاتی
ہے - اس سال میں بھی جہاں تک ہو سکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاقہ رکھتے ہیں اس
پرچہ میں لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضمونوں نے کسی کے دل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہمکو
بہ نسبت اسکے کہ ہمارے مضمونوں نے کسی دل کو نرم کیا ہے اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم

اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے کیونکہ بندہ کا کام صرف سعی کرنا ہے اور اُسکو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ ایک مشہور مقولہ ہے پس شکر ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں ❖

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے جہل مرکب میں گرفتار ہے کہ اُسکو اپنا بھلا یا برا مطلق نہیں سوجھتا - جو بات قومی بھلائی کی کہو اُسکو اُلٹا سمجھتے ہیں - قومی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر پلٹ گئی ہے ادبار چھا رہا ہے بھلائی کی بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے مگر توقع نہیں توڑتے خدا کی رحمت سے نااُمید نہیں ہوتے لاتقنطوا من رحمتہ اللہ پر بھروسا کر کے کوشش کیئے جاتے ہیں ❖

ابھی دو تین ہفتوں میں پایونیر نے ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک مضمون قریب قریب اس مضمون کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہو سکتی ہیں جبکہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں یعنی

۱ - عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدر کی جاتی ہے ❖

۲ - آپس کے میل جول میں آزادی اور ہمسری ہو ❖

۳ - خیال سب کے آزاد ہوں ❖

۴ - اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو زمانہ کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے صدا نکلے ❖

اِن باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے پس ترقی ہو تو کیونکر ہو مگر خدا سے اُمید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آویگا جو لوگ ان باتوں کو سمجھینگے اور اپنی قوم کو قوم بنا دینگے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کرینگے ❖

## مدرستہ العلوم

ان سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنیوالا ہماری دانست میں مدرستہ العلوم ہوگا جس کے قایم کرنے پر نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے ❖

ہمکو اس بات کے کہنے سے نہایت خوشی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرستہ العلوم مسلمانان کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرستہ العلوم کی بلاشبہ نہایت

ضرورت ہے پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذاتی افعال و اقوال کے سبب مدرستہ العلوم سے نفرت تھی وہ بھی برسر انصاف آتے جاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرستہ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ کسی دن ہماری قسمت ایسی بھی یاور ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب بھی ہماری شامت اعمال سے قطع نظر فرما کر مدرستہ العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں۔ آمین +

ہماری ان کوششوں نے ہمارے ہموطن بھائی اہل ہنود کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودیکہ سرکاری مدارس اُن کی تعلیم کے لیئے نامناسب نہیں ہیں اسپر بھی اُن کو اپنی پاک زبان اور مقدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اُٹھا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرستہ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جابجا نہایت سرگرمی اور بڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے ہم سُنتے ہیں کہ جس قدر چندہ ہمنے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے اُنھوں نے اُس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کر لیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہموطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہمکو شُبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہم سے دُور اندیش زیادہ ہیں۔ ہم سے دولتمند زیادہ ہیں۔ ہماری مانند پُر فساد نہیں ہیں مثل ہمارے حسد و بغض و تعصب نہیں رکھتے اتفاق قومی اُن میں ہے۔ ہندوستان میں اُن کی قوم کے بڑے سردار و والیان مُلک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اوّل تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پرواہ تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں۔ اور ہمارے مربی و سرپرست دنیا سے تشریف لیگئے ہیں۔ وہ باسر ہیں اور ہم بے سر۔ پس اُن کی کامیابی میں کچھ شُبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہمکو اپنی کامیابی میں شُبہ ہے ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا اُن کے دل کو سیدھا رکھے اور پُر فساد خیالات کو اُن کے دماغ سے نکالے اور قومی ہمدردی اُن کے دل میں ڈالے تو ہمکو بھی اپنی کامیابی میں کچھ شُبہ نہیں ہے +

اے برادران دینی۔ اب یہ وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی تکرار و فساد میں پڑیں تُو تُو مَیں مَیں کر کر کسیکو کافر اور کسی کو ملحد بنا دیں اور کم و بیش جو کوشش ہم سے ہو سکتی ہے اُس کو بھی آپسکے اختلاف سے بیکار کر دیں پس اُمید ہے کہ ہماری قوم میری اس صدا کو توجہ سے سُنیگی اور مدرستہ العلوم کی امداد میں دل و جان سے سعی و کوشش کریگی۔ واللہ المستعان +

# مسلمانانِ یارقند

مسٹر رابرٹ شا صاحب یارقند اور اُس کے گرد نواح کے ملکوں کا حال دریافت کرنیکو ۱۸۶۸ء میں اُس طرف گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو ۱۸۷۱ء میں لنڈن میں چھپی ہے ۔ ہم اُس کتاب سے اُس نواح کے مسلمانوں کا حال انتخاب کر کر ذیل میں لکھتے ہیں اور اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنبہ کرنا ہے ۔ ایک یہ کہ ہماری قوم جو ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ اُس نے کس قدر عادتیں ہندؤں کی سیکھلی ہیں اور کھانے اور پینے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل نہ شرع میں ہے اور نہ اَور ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں میں ہے اختیار کی ہے ۔ دوسرے اس بات پر افسوس دلانا ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا اَور ملکوں کے رہنے والے کیسے بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دُنیا میں گذرے ہیں کس قدر بیخبر اور واہیات رُٹل اور بیہودہ کہانیوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے اُن کی نادانی ۔ بے علمی بخوبی ثابت ہوتی ہے ❖

## انتخاب سفرنامہ رابرٹ شا صاحب

صاحب موصوف نے کانگڑہ سے اپنا سفر شروع کیا اور جب وہ شہر لہیہ میں پہونچے جو لداخ سے آگے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اُنھوں نے اس طرح پر لکھا ہے ❖

وہ لکھتے ہیں کہ جب میں لہیہ میں پہونچا تو میں نے تبت کے باشندوں کے چال چلن اور رسم رواج کو خوب تحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب کہ میں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جاتا رہا اور اُس کے عوض میں ایک دوسری بات کا شوق دل میں اُٹھا کیونکہ جو لوگ اُس ملک میں تھے یعنی تبتی اُن سے بالکل مختلف قسم کے لوگ تمکی بازار میں چلتے پھرتے یا خاموش قطاروں میں بیٹھے ہوئے نظر آئے ۔ اُن کے سروں پر بڑے بڑے سفید عمامے تھے یعنی ڈاڑھی اور مونچھ نیچی تک لٹکا سامنے سے کھلا ہوا نیچے صدری پہنے تھے اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بُوٹ تھے ۔ ان سب باتوں سے اُن کا ایک رُعب معلوم ہوتا تھا اور اُن کا برتاؤ نہایت شستہ تھا جس سے لوگوں کے دل میں اُن کا ادب پیدا ہو

اُن میں ہندوستانیوں کی سی خوشامد نہ تھی اور نہ تبتیوں کی سی نقالی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا بندروں کے بیچ میں آدمی ہیں۔ جب میں اُن سے مِلا تو اُن کا مزاج بالکل خوفناک نہ پایا جیسا کہ اُن کے ہموطنوں کا سُنتا تھا۔ وہ لوگ ہمارے خیمہ میں آکر بیٹھتے اور بذریعہ مترجم کے دوستانہ بات چیت کرتے تھے اور نہایت مزے سے ہماری چاء پُھونک پُھونک کر جرعہ جرعہ کر کے پیتے تھے برخلاف ہمارے ہندوستان کے ڈرپوک مسلمانوں کے جو اِس قدر ہندو ہو گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کی ذات جاتی رہتی ہے۔ ہمارے مہمان دراصل بہت اچھے لوگ تھے۔ ہنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جواب بھی مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ آزادی کے ساتھ گفتگو کرتے مگر کبھی حدِ مناسب سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اِن باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھی عزّت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے ہیں اُس کی بھی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب رخصت ہوتے تو مؤدب طور پر سلام کر کے رخصت ہوتے۔ رنگ میں اہلِ یورپ سے کُچھ کم نہیں ہیں۔ لال ہونٹ اور گلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے جب ہم پہلے پہل وہاں پہونچے تھے تو ایک شخص عُمدہ پوشاک اور اونچی اڑی کا جُوتہ پہنے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اُس کی ڈاڑھی اور مُونچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف تھا۔ اُس نے مجھ کو اس طرح سے دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ مَیں نے اُس کو انگریز سمجھ کر اُس سے بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں وہ مُڑ کر میرے مُسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ یارقند کا رہنے والا ایک حاجی تھا۔ جب ہم روکشین میں پہونچے تو وہاں کے مُسلمانوں سے قرآن و مذہب کی نسبت بہت سی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مُسلمانوں کی بہ نسبت کچھ ہی کم سمجھتے ہیں کیونکہ عیسائی اہلِ کتاب ہیں اور اُن کے لیئے توریت موسیٰؑ اور زبور داؤدؑ اور انجیل عیسیٰؑ بھیجی گئی ہے اور اُن کے خاص پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام درجہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ہیں ہندوؤں اور اَور بُت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذر بیگ یارقند کا ایلچی ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ چاء پی اور رخصت ہوئے ❖

جب مسٹر شا صاحب چنگ چیمون میں پہونچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گرد نواح کے مُلک میں جس قدر چانول ایک بکرے پر لد سکتے ہیں اُن کی قیمت میں آٹھ تولہ سونا یعنی بارہ پونڈ کے برابر ملتا ہے جس کے ایک سَو بیس روپیہ چہرہ شاہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے مقام شہید اللہ پر پہونچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شا صاحب کے آنے کی خبر سُن کر

شاہ یارقند نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں متعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر
شا صاحب سے نہایت دوستانہ طور پر ملے۔ اُن کے ساتھ چار پی کھانا کھایا۔ شا صاحب نے
بھی ایک روز اُن کی دعوت کی۔ اُن لوگوں نے شا صاحب کے آنے کی خبر یارقند کو بھیجی اور
جب تک یارقند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصہ میں
اکثر آدمی یارقند سے شا صاحب کی مدارات کے لیئے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطرداری
کے ساتھ اُن کو وہاں رکھا۔ آخرکار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ
میں اہلکار شا صاحب کے استقبال کے واسطے آتے تھے۔ جب یارقند کے قریب پہونچے تو ایک
اہلکار جس کو مہماندار کہتے ہیں پیشوائی کو آیا اور تعظیم و تواضع کے ساتھ ملا۔ مہماندار نے اپنے
ہمراہیوں کو سواری پر سے اُتار کر شا صاحب کے ملازموں کو جو پیادہ تھے سوار کرایا اور نہایت
تپاک سے شا صاحب کی مزاج کی خیر و عافیت پوچھی اور مصافحہ کیا اور اُن کے گھوڑے کے برابر
اپنا گھوڑا کر کے ساتھ ساتھ آگے کو چلا۔ ایک سوار سب سے آگے گھوڑا دوڑاتا اور بندوق چھوڑتا
جاتا تھا۔ یہ گویا شا صاحب کی تعظیم کے لیئے سلامی کی شلک ہوتی جاتی تھی۔ کچھ تھوڑے سے آگے
بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شا صاحب کے استقبال کے لیئے ٹھہری ہوئی تھی اُن سے
مِلکر اور اُن کے ساتھ چار پانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی وزیر یارقند کا بھائی آکر ملا اور شا
صاحب سے راستے کی خیر و عافیت پوچھی۔ مقام شہید اللہ میں جہاں کو بہت دنوں تک ٹھہرنا پڑا تھا
اُسکی معذرت کی۔ آخرکار اُسی روز سہ پہر کو شا صاحب یوزباشی کے خیمہ میں اُس سے ملنے کو گئے اُس نے
بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بٹھایا۔ چار منگوائی۔ دسترخوان بچھوایا۔ جب شا صاحب اُس سے
رخصت ہوکر اپنے خیمہ میں آئے تو تھوڑی ہی دیر بعد یوزباشی اُن سے ملنے کو آیا۔ اُنھوں نے
زرد رنگ کی ریشمین کشمیری پگڑی یوزباشی کی نذر کی۔

اثناء راہ میں ایک روز وزیر نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اُس میں مہمان یعنی شا
صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لیئے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہو اسی طرح
ہر روز قاصد آتے جاتے رہے جو ہر مرتبہ چغہ اور نیا خلعت پہن کر آتے تھے۔ شا صاحب اپنی ایسی
عزت اور توقیر دیکھکر نہایت خوش ہوئے۔ حقیقت یہ تھی کہ والی ملک اپنے مہمان کے قریب پہنچنے
کی خبر سُن سُن کر اس قدر خوش ہوتا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا۔ صاحب کسی قدر
اور یارقند کے قریب پہونچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سیاہ پوشاک پہنے

ایک مُشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ یوزباشی نے شاصاحب سے کہا کہ یہ بیگ یعنی حاکم سنجر آپ کے
استقبال کے واسطے آیا ہے۔ جب نزدیک پہونچے تو یوزباشی نے شاصاحب اور بیگ سے
مُلاقات کرائی۔ دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی۔
بیگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی بی بی نے وفات پائی تھی۔ اُن کے ماتم میں وہ سیاہ پوش
تھے۔

یارقند کے قریب سڑکوں اور پُرانے پُلوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھوٹی
ندیوں پر نئے پُل بنائے گئے تھے۔ شاصاحب لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر اپنے قدر و منزلت
کی ہرگز اُمید نہ تھی۔ یارقند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا تھا کہ جب کوئی معزز مسافر
آتا ہے تو اس کی آمد میں کیا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ منشی نے معمولی تیاریاں سڑکوں کی مرمت وغیرہ جو
یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اِس پر اُنھوں نے ایسی تیاریاں کیں کہ پُلوں کے پُرانے شہتیر
بھی بدلوا دیئے تاکہ شاصاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو اُن کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدمہ
سے وہ پورانے شہتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شاصاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب طیاریاں
جو اُن کے لیئے ہوئیں اور اِس قدر اُن کی قدر و منزلت جو ہوتی تھی اُس کا اُن پر بار گذرتا تھا۔ وہ
کہتے ہیں کہ ہر بستی میں اُس ضلع کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کارغلک تین
میل کے فاصلہ پر رہا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطر داری سے ملا۔ چند درختوں
کے سایہ میں فرش بچھوا کر دستر خوان بچھایا گیا اور اُس پر شوربا اور پُلاؤ اور بڑی بڑی روٹیاں اور
میوے چُنے گئے۔ سب نے ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز
پڑھی۔ اُسی جگہ ایک بُخارا کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے ہندوستان۔ عرب اور روم تک
کا سفر کیا تھا۔ اُس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹہ تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چا پیتا
جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شاصاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلا کے ریگستان میں پہونچے تو یوزباشی نے وہاں کی
ایک روایت اس طرح پر بیان کی کہ یہاں کافر آباد تھے۔ ایک بزرگ مسمی شاہ جلال الدین صاحب نے
اُن کے روبرو اسلام کا وعظ کیا۔ اُنھوں نے اِس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ اُن کے مکان
سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دُعا پڑھی۔ اُن کے سب مکان سونے کے ہوگئے
مگر وہ سب کافر اپنے اقرار سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ یہیں مل گیا۔ اب ہم کیوں

مسلمان ہوں وہ بزرگ یہ سن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت اُبلا اور کافروں کے تمام مکان وغیرہ
اُس میں غرق ہو گئے۔ یہاں کے خزانوں کی بہت جستجو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس
ریگستان میں پھرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میں ایلچی ہوتا تو اس سے کچھ زیادہ میری خاطرداری نہ ہوتی بلکہ میں اُن
لوگوں کا دوست اور ہم وطن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دن
یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شاہ صاحب اگر آپ فرنگی نہ ہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور یکجا
رہتے۔ یارقند سے تین میل ورے دوسرا یوزباشی نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تیس
سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اُترے اور مشرقی ملکوں
کی رسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور
خیر و عافیت مزاج کی پوچھی۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے
دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے۔ جب شہر کے اندر پہونچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش
بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو اُتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان
آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا کھانے کے بعد شاغوال یعنی وزیر کا
بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطرداری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ
کے مہمان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور تواضع کیوں نہ کریں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے واپس جانے
پر تھوڑی دیر بعد میں شاغوال یعنی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب اُس کے مکان پر پہونچا اور وزیر سے
آنکھیں چار ہوئیں۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ وزیر وہاں سے اُٹھ کر دروازہ تک آیا اور مجھ سے ملا
اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لیگیا اور آتش خانہ کے قریب اپنے مقابلہ میں مسند پر بٹھایا۔ نہایت خاطر کی۔
اور بہت سی باتیں پوچھیں میرے آنے کی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے
باہم جو محبت اور دوستی ہے اُسکو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔
آپ نے جو اس قدر دور و دراز سفر اختیار کیا اور ہمارے بادشاہ سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف
گوارا کی یہ ایک عمدہ ثبوت اُس دوستی کا ہے۔ دوستی سے ہر ایک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے
ملک ویران ہو جاتے ہیں۔ میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو اُمید ہے
کہ میرا یہاں آنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ برتاؤ اور آمد و رفت کا باعث ہوگا کیونکہ انگریز لوگ
کاشغروں کی نسبت نیک خیال ہے اور جیسا اس تمام خاطرداری اور مہمان نوازی کا حال جو میری نسبت

ترکستان میں ہوتی ہے ہماری ملکہ سُنینگی تو نہایت خوش ہونگی - اسی گفتگو میں دسترخوان بچھا اور چار میرے روبرو پیش کیگئی - اُس کے بعد مَیں نے اُٹھنا چاہا مگر شاغوال نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھکر پھر مجھے بٹھالیا اور اُن کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین چُغہ میرے شانوں پر ڈال دیا تب مَیں رخصت ہوا - شاغوال بھی میرے ساتھ اُٹھا اور مجھکو دروازہ تک پہونچا گیا *

میرے یارقند میں پہونچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کُرسی طیار کرالی گئی تھی - کئی دن کے بعد مَیں پھر شاغوال کی مُلاقات کے لیئے گیا اور وہ اُسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا - ایک ریشمین چُغہ عنایت کیا - اُس کے بعد پھر کئی مرتبہ چُغہ اور ٹوپیاں وغیرہ مجھکو بھیجیں *

یارقند میں کافروں کے لیئے حُکم ہے کہ پگڑی نہ باندھیں اور کمر میں ایک سیاہ ڈوری باندھے رہا کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مُسلمانی پوشاک پہننے کی اجازت تھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے حال پر نہایت بڑی مہربانی ہونے کے سبب سے تھی *

ایک روز میرا منشی شاغوال کا ایک خط لیکر آیا جس میں اِس بات کی شکایت تھی کہ تمھارے نوکروں نے روپیہ کے لیئے کچھ جنس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہیں گے کہ ایک مہمان انگریز کی مہمانداری کی نسبت مناسب توجہ نہیں ہوئی تب مَیں نے اپنے منشی کو اُن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا مَیں نے نوکروں کے لیئے خریدا تھا - اس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پہونچ جاوے تو مجھ پر حد سے زیادہ عتاب ہو *

ایک روز رمضان کے دنوں میں مَیں وزیر کی مُلاقات کو گیا اُس روز وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے میرے لیئے چار طیار کی ایک دن یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ خریدیئے مَیں نے کہا کہ تھوڑی سی چیزوں کے مانگنے میں مجھکو شرم آتی ہے - یوزباشی نے کہا کہ جو چیز آپ کو درکار ہو خواہ وہ ہزار طلائی ہو خواہ ایک پھول کی اُس کے مانگنے میں ہرگز شرم نہ کیجیئے - شاغوال کو مَیں نے ایک مُلاقات میں ایک بندوق رائفل اور ایک ریوالور اور ایک ریشمین پگڑی اور کچھ کپڑا اور ایک سَو بیس پونڈ چار نذر دی جس کو اُنھوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا - جب ہمارا بڑا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم دیا مگر شاغوال کے ہاں سے پیغام آیا کہ آپ بازار سے کچھ نہ خریدیں سب چیزیں مہیا ہو جاوینگی - بڑے دن کو شاغوال نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اور ۲ عدد ریشمین چُغہ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی - وزیر نے میری تفریح کے لیئے

گانے بجانے والے بھی متعین کیئے تھے ۔

ایک روز میں نے اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اور یوزباشی اور مہماندار اور چار پنجاباشی شریک ہوئے ۔ اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑا نمک کے ساتھ کھا کر روزہ کھولا پھر کھانا کھایا ۔ کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا ۔ یوزباشی کو اس بات کی بڑی تشویش تھی کہ کون سی چیز کھائیں اور کون سی نہ کھائیں کیونکہ کمبخت کشمیری اور ہندوستانیوں نے جو شاہ یارقند کے ملازم تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ سوائے سُور کے گوشت کے یہ اَور کچھ نہیں کھاتے ہیں کسی مُسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیئے اس لیئے یوزباشی نے میرے اَور مہمانوں سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھیو ۔ جس چیز کو وہ نہ لے اُس کو ہاتھ نہ لگائیو ۔ مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد کو خبر ہوئی ۔ پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ رذیل انگریز کبھی کبھی سُور کا گوشت کھاتے ہیں شا صاحب کو مَیں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اِس بات سے سب خوش ہوگئے ۔

شاہ یارقند کاشغر میں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھیجی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی اجازت نہ ملی مَیں یارقند میں رہا ۔ جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کرایا کہ بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں درکار ہوں تو ہم پہونچا دی جاویں ۔ میں نے کہلا بھیجا کہ سب آپ کی نوازش ہے مَیں بادشاہ کے حضور میں وُہی چیزیں نذر گذراننا چاہتا ہوں جو خاص میری اور میرے مُلک کی ہیں اس پر بھی وزیر نے یوزباشی کی معرفت کچھ روپیہ اور چند خلعت میرے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے اہلکاروں کو دینے کے لیئے لیتے جائیے ۔ اتفاق سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوایا تھا مگر وزیر صاحب نے بجائے شیشے کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیج دی تھی ۔ اَب جو مَیں کاشغر کو جانے لگا تو وہ گھڑی مَیں نے اُن کے پاس واپس بھیجی ۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دکھاؤ گے تو مَیں سخت ناراض ہوں گا جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کر نہیں آیا کرتی اگر شا صاحب اسکو اپنے لایق نہ سمجھیں تو اَور کسی کو دیدیں ۔ آخر کار یارقند سے کاشغر کی طرف روانہ ہونے کا سامان درست ہوگیا اور صبح کے وقت نہایت عُمدہ خوبصورت گھوڑا دادخواہ یعنی وزیر کے اصطبل سے میری سواری کے لیئے آیا اور میرے سب نوکروں اور اسباب کیواسطے بھی گھوڑے ملے اور وہاں سے روانہ ہوئے ۔ محمد اسحاق جان برادر دادخواہ شہر کے دروازہ تک مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ آیا کاشغر میں

پہونچنے کے بعد مَیں نے اُن سب چیزوں کی درستی کی جو بادشاہ کی نذر کے لیئے مَیں لیگیا تھا اور
اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب ۸ بجے صبح کے بہت سے اہلکار مجھے بُلانے آئے اور مَیں اُن کے ساتھ
بادشاہ کی ملازمت کے لیئے چلا۔ میرے ہمراہ دو یوزباشی اور محرم باشی وغیرہ تھے اور تیس یا چالیس
آدمی نذر کی چیزیں لیئے ہوئے تھے۔ مَیں جس مکان میں فروکش تھا اُس کے دروازہ سے بادشاہی
محل کے دروازہ تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے
مختلف رنگوں کی پوشاک کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے دروازہ کے
اندر پہونچکر کئی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں میں سے گذرا ہر ایک ڈیوڑھی پر عُمدہ عُمدہ کپڑے پہنے ہوئے
پہرہ کے سپاہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اُس عمارت کے جزو ہیں اُنکے
سوا اَور لوگ قطار کی قطار ریشمین لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلےٰ درجہ کے تھے
اُن کی پوشاک اَوروں سے زیادہ عُمدہ تھی۔ پہلے پہل مَیں نے کالمک قوم کے سپاہی دیکھے جنکے
پاس تیر و کمان و ترکش تھا۔ اندر کے صحن میں چند چیدہ مصاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک
یوزباشی کے جو کل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا مَیں ایک دالان میں سے گُذر کر ایک
دروازہ میں گیا پھر ایک کوٹھری میں سے ہوکر دربار کے کمرہ میں پہونچا۔ اس کمرہ میں دریچہ کے قریب
ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ مَیں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب مَیں اکیلا آگے بڑھا اور
جب قریب پہونچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اُٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لیئے
بڑھائے۔ مَیں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور اُن کی اجازت سے اُن کے روبرو
بیٹھ گیا۔ پھر حسب قاعدہ مزاج پُرسی کے لیئے اُٹھا مگر بادشاہ نے اُٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا
اور زیادہ تر اپنے قریب کرلیا۔ پھر میری مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ اُمید ہے کہ سفر بآرام ہوا ہوگا اسکے
جواب میں مَیں نے عذر کیا کہ مَیں فارسی زبان بخوبی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنسکر فرمایا کہ بخوبی
سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی رہی۔ مَیں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرماویں اور بادشاہ
منتظر تھے کہ یہ کچھ کہے۔ آخرکار بادشاہ نے انگریزوں کی طرح موسم کی گفتگو شروع کی۔ مَیں نے اُس کا
مناسب جواب دیا اور یہ کہا کہ میرے ہموطنوں کو اس بات کے سُننے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے
کہ ہمارے دوست سلطان روم اور اُن کی رعایا کے بھائیوں نے اہل چین کو نکال کر جن کے ساتھ
ہماری تین لڑائیاں ہوچکی ہیں ترکستان میں ایک نئی سلطنت قایم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے
یہ کہا کہ مجھے لاٹ صاحب نے نہیں بھیجا ہے اور نہ کوئی خط دیا ہے بلکہ مَیں صرف آپ کے نام کی شہرت

سُنکر اپنی خوشی سے آیا ہوں - بادشاہ میری باتیں سُن کر سر ہلاتے جاتے تھے - پھر فرمانے لگے کہ جب
میں نے یہ خبر سُنی کہ شاہ صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بڑی خوشی
ہوئی - لاٹ صاحب تو بہت بڑے شخص ہیں میں اُن کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز ہوں میں نے
جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بڑے ہیں مگر ہماری ملکہ جو ان کی آقا ہیں اُن سے بھی بہت بڑی ہیں -
اِسپر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ اِن دونوں قوموں کے باہم
دوستی اور محبت مستحکم ہوجاوے گی اور دوستوں کے درمیان بڑائی چھٹائی کی کچھ بحث نہیں ہوتی
پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بندوقیں بطور نمونہ حضور کی نذر کیواسطے
لایا ہوں اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں - بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم تو دوست ہیں ہمارے
تمہارے بیچ میں نذر نذرانہ کی کیا ضرورت تھی - تمہارا خیریت سے پہونچنا ہی بڑی خوشی کی بات ہے
اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو جوڑ کر ٹیڑھی کر کے اظہار دوستی
کیا اور میرے رخصت ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے سب مقاموں کو دیکھو
اس جگہ کو اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو - اب تیسرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات اور
بات چیت ہوگی - پھر خدمتگار کو اشارہ کیا اُس نے ایک ساٹن کا چُغہ میرے شانہ پر ڈالا اس کے
بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا +

پچیسویں جنوری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے ملاقات ہوئی - یہیں کاشغر میں محرم بھی ہوا -
یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر یعنی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کیے یعنی اُن کی
دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور اُنھوں نے ملک چین پر اِس غرض سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام
کی طرف پھیریں فوج کشی کی - راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اِس جگہ ایک ایک
پتھر رکھدے - سو وہاں ایک بڑا ڈھیر پتھروں کا ہوگیا - جب چین میں پہونچے تو شاہ چین نے اُنکی
اطاعت قبول کی اور بغیر مقابلہ خراج گذار ہوگیا - سکندر کے سپاہیوں نے اُس ملک کی عورتوں سے
شادی کی اور حضرت سکندر نے اس مہم کے مطلب کو پورا کر کے اللہ اکبر کہا اور وہاں سے کوچ کیا -
جب پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع کرایا تھا تب حکم دیا کہ
ہر شخص ایک ایک پتھر اُٹھا لیے - سب نے ایک ایک پتھر اُٹھا لیا لیکن ہزارہا پتھر وہاں پر باقی رہ گئے
اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم ہوئی جو چین میں اپنی چینی بیبیوں کے
ساتھ رہ گئے - اُن لوگوں سے دو قومیں پیدا ہوئیں ایک ٹینگانی جو مسلمان ہیں (ٹینگانی تُرکی لفظ

ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کا ملک جو اُتنے ہی چین کے راستے کے قریب ملکوں میں
بستی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ حقیقت میں یہ داستان تاتار کے قبیلوں میں سے کسی کی ہے
لیکن عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ شمالی تاتار میں ایک میدان ہے جو سنتاش
کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اسکی نسبت
یہی یا اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹینگانیوں کی روایت سے بھی بیان مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے
وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے کچھ سپاہی اُس مُلک میں رہ گئے اور ہم اُنھیں کی اولاد ہیں لیکن
تیمور لنگ کبھی اُس مُلک میں نہیں گیا) جب مشرقی ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ
چار ہزار اَسّی برس اَب سے پیشتر اِس مُلک کے باشندے کافر یعنی بُت پرست تھے۔ حضرت سلطان
نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اُس نے سب کو مسلمان کیا۔ میرے منشی نے اُن لوگوں سے پوچھا
کہ اُسکو کس نے مسلمان کیا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ خود مسلمان ہوا۔ منشی نے کہا نہیں نہیں
کوئی اُستاد اُس کا ہوگا۔ میں نے منشی سے کہا چُپ رہو۔ یہ لوگ جس طرح پر کہتے ہیں کہنے دو۔ جب
تم نے ان لوگوں سے یہ سُنا کہ تین ہزار برس تمھارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت
کرتے تھے تو اِن سے تاریخی واقعات کی صحت کی کیا اُمید ہے۔ اِسپر یوزباشی اور اُس کے محرم
نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی۔ اور پھر بیان کیا کہ حضرت سلطان
کا فر بادشاہ تھا اُسکو عبد النصر سامانی بغداد کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے۔ جب
سلطان بچہ تھا اُس وقت میں اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا۔ اس پر اُس کا
ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن جب اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو اُس نے کہا کہ ابھی قتل
مت کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بُتکدہ میں لیجاؤ۔ اگر وہ ہمارے طریقہ پرستش کو قبول کرے
تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو۔ آخر لڑکے یعنی سلطان کو بُت کے سامنے لے گئے وہ اُس کی
پرستش میں شریک ہوا اس لیئے اُسکو قتل نہیں کیا گیا۔ لیکن جب مسلمان اُستاد کی تعلیم اُس کو خُفیہ
ہوئی تو وہ اپنے دل میں بہت متردد ہوا اور جب اُس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اُسکو
حُکم دیا تو وہ اَور بھی زیادہ تر متردد ہوا۔ اُس نے اپنے اُستاد سے مشورہ کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے
باپ کی اطاعت کرو مگر دل میں یہ سمجھو کہ مسجد بنوا رہے ہیں۔ جبکہ تمہارا مقصد نیک ہوگا تو صرف
بتخانہ کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک اَور بھی بڑی مشکل پیش آئی
یعنی اُس کے باپ نے اُسی مندر میں ایک بُت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حُکم دیا

اُس درویش نے مثل مشیر کے پھر اُس نوجوان مسلمان کو سمجھا دیا کہ کاغذ کے دو پرچوں پر اللہ کا نام لکھکر اپنے ہاتھوں کی گھائیوں میں رکھو جب بُت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھکر سجدہ کروگے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بُت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور اِن تدبیروں سے اُسکا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ آیا اسی عرصہ میں چالیس لڑکے امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کر لیئے اور اُن کے ساتھ تیر اندازی اور فنون سپہگری کی مشق کی جب یہ سب سیکھے سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہوگئے تو وہ دفعتاً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُسکو حکم دیا کہ مسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُسکے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اُس کا مونہہ آسمان کی طرف کیئے ہوئے پکڑے رہے اِسپر بھی وہ انکار کرتا رہا۔ پھر اُسکو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین پھٹنے لگی اور وہ رفتہ رفتہ دھنسنے لگا تب بھی اُسکے بیٹے نے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں غایب ہوگیا اور اُس کا بیٹا یعنی سلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقام ارتاش میں یہ جگہ اب بھی تنگ کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارتاش کاشغر سے بیس میل شمال کیطرف واقع ہے اِس ملک کا وُہی پیشتر دار الخلافت تھا۔

پہلی فروری کو یوز باشی اور محرم باشی نے دوپہر کے وقت میرے ساتھ پلاؤ کھایا اُس کے بعد میرے ملازم مسمی کبیر نے نماز نہ پڑھی اِس لیئے لوگوں نے اُسکو ملامت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص کسیوقت کی نماز قضا نکرے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اسکا کچھ ہرج نہیں ہوتا کبیر نے نماز قضا کرنے پر عدم فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مسئلہ پر کہ نماز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے منشی کے پاس گئے۔ منشی نے محرم باشی کے دعوے کے برخلاف تصفیہ کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالے کے تمام گناہ مثل شراب خواری قماربازی وغیرہ اُس شخص کے معاف ہونگے جو برابر بلاناغہ نماز پڑھتا رہیگا اور مکہ شریف کے حج کو جاویگا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری۔ زبردستی۔ بیرحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہونگے جب تک گنہگار حتی الوسع اُس کا معاوضہ دیکر مظلوم سے معافی نہ حاصل کرلے پس صرف نماز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہوسکتے۔ اُسی دن منشی نے متعجب ہوکر مجھ سے کہا کہ ترک لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جُلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دنیا کے اَور سب لوگوں کی مانند ہیں منشی ہنسا اور مجھ سے پوچھا کہ اِس کا کیا مطلب ہے

مَیں نے جواب دیا کہ تم ہندوستان کے لوگ اپنے مُلک کے پہاڑوں کے اندر بند رہتے ہو اور
باقی دنیا کے انسانوں کی نسبت تمھارے خیالات بالکل مختلف ہو رہے ہیں صرف تمھی لوگ خواہ
ہندو خواہ مُسلمان اَور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے میں تعصب رکھتے ہو۔ سوائے ہندوستان کے
اَور کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی اور ہندوستان میں جب انگریز تم سے یہ بات کہتے ہیں تو تم اعتبار
نہیں کرتے۔ مگر دیکھلو ہندوستان سے نکلکر پہلے ہی قدم پر ایک سخت مسلمانی مُلک میں خود تمھیں
کو ایسے تعصبات کے نہونے پر تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال تمام دنیا کا ہے منشی نے اِس بات کو قبول کیا
اور کہا کہ مَیں بھی ہندوستان میں جاکر اپنی رائے تبدیل کروں گا ؛

کاشغر میں پانچویں اپریل کو بادشاہ سے دوسری مُلاقات ہوئی جس کا مَیں مدت سے منتظر تھا
یعنی سہ پہر کے وقت سرکار نے آکر کہا کہ یا تو کوئی بڑا سردار تم سے باتیں کرنے کے لیئے آویگا یا تم ہی
بادشاہ کی ملاقات کے لیئے بلائے جاؤ گے مَیں نے جواب دیا کہ جو کچھ اتالیق غازی کا حکم ہو اُسپر
مَیں راضی ہوں۔ بعد چند منٹ کے پھر سرکار نے آکر کہا کہ طیار اور آمادہ رہو شام کو بُلائے جاؤ گے
اُس کے جانے کے بعد دو بندوقیں مَیں نے صاف اور درست کیں آٹھ بجے شام کو میری طلبی ہوئی
چنانچہ مجھ کو لوگ محل کے سامنے سے بڑے پھاٹک میں لے گئے وہاں توپیں رکھی ہوئی تھیں پھاٹک
کھول کر ہم لوگ چوک میں پہونچے جہاں چین کی لالٹینیں روشن تھیں اُس کے مقابلہ میں دیوان خانہ
تھا جس میں نہایت عُمدہ روشنی ہو رہی تھی۔ میرا رہنما مجھ کو دیوان خانہ کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر چلا گیا
مَیں اکیلا کمرہ سے اندر گیا۔ اتالیق غازی ایک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھکر ہاتھ بڑھایا اور یہ کہکر
کہ آرام سے بیٹھو اپنے روبرو بٹھایا۔ بعد مزاج پُرسی کے ایک ہندوستانی جمعدار ترجمان بنایا گیا تمام
گُفتگو لفظ بلفظ تو مَیں نہیں بیان کرسکتا کیونکہ گھنٹہ بھر سے زیادہ مَیں بیٹھا رہا اور گفتگو ہوتی
رہی تھی۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے :۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اِس مُلک میں آپ کے آنے سے مَیں
اپنی بڑی عزت سمجھتا ہوں ورنہ مَیں انگریزوں کے مقابلہ میں طاقت اور مرتبہ میں بہت کم ہوں۔ مَیں نے
جواب دیا کہ آپ کے اور انگریزوں کے باہم ایسی ہی دوستی ہو جانے کی مجھے اُمید ہے جیسی کہ سُلطان
روم اور انگریزوں کے درمیان میں ہے اور دوستوں کے درمیان میں کمی بیشی کا کوئی خیال نہیں کیا
کرتا۔ بادشاہ نے کہا خدا ایسا ہی کرے اور مجھ کو بھائی کہکر فرمایا کہ میری رعایا سب تمہاری غلام
ہے جب قرب و جوار کی قومیں تمہارے یہاں آنے کا حال سُنینگی تو میری اَور بھی عزت بڑھ جاویگی
مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ نہ مجھ کو ملکہ نے بھیجا ہے نہ لاٹ صاحب نے مَیں آپ کی نامورِی سُنکر

خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اسیقدر فائدہ ہو سکتا ہے کہ مَیں اپنے مُلک اور اپنے بادشاہ کا
حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے اَور بھی تعظیمی کلمے کہے اور فرمایا کہ
مَیں نے اِس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو اُن کی طاقت اور سچائی کا حال سنتا رہا
ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سوائے بھلائی کے کوئی مضرّات ظہور میں نہ آویگی مَیں
تمکو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ جو کچھ تم صلاح دو۔ وہ مَیں کروں۔ میرا ارادہ تمہارے مُلک میں ایلچی بھیجنے
کا ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ آپ کا ارادہ نہایت عمدہ ہے اور ایلچی بھیجنا
بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ مَیں ایلچی بھیجوں گا اور اُس کے ہاتھ ایک خط اِس درخواست
سے بھیجوں گا کہ وہ اُسکو ملکہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے
بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیئے۔ مَیں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ
مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمائیے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجیئے۔ تب
بادشاہ نے فرمایا کہ میرا ایلچی بے شک تمہارے ساتھ جاوے گا اب مَیں یہاں پر تمکو تین دن
اَور ٹھہراؤں گا پھر یارقند کو چلنا پڑے گا اور ایلچی کو مَیں یا تو یارقند میں یا یانگ حصار میں تمہارے
سپرد کروں گا۔ مَیں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اُس سے پوچھی جاویں گی وہ سب
مَیں اُسکو بتا دوں گا اور پھر وہ ایلچی اُن سب امور کی نسبت حضور کی اجازت حاصل کر لیگا ورنہ جب
وہ ہمارے حاکموں کے روبرو جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اُس کو دقت پیش آوے۔ بادشاہ
نے فرمایا کہ ہاں سب باتیں اُسکو بتا دیجیو اور کل شام کو اور پھر یانگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی
اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر اُن کی شعاع پڑتی ہے اُسکو گرمی پہونچتی ہے مَیں
سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ اُن کی کچھ شعاعیں مجھ پر بھی پڑیں مَیں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں
چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا مُلک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو
اُمید ہے کہ تم اپنے مُلک میں میری اعانت کروگے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو
اُس کے لیئے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اب کہو واپس جا کر میرا کیا حال بیان
کروگے۔ مَیں نے کہا مَیں کہوں گا کہ جو کچھ آپکی شہرت ہندوستان تک پہونچی ہے وہ اصل حقیقت
سے نصف ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ ہنسے اور مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی
ترکستان میں تجارت کے لیئے بھیجا کرو ملکہ اپنا ایلچی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے
آدمی آیا جایا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال بھر میں ایک آدمی بھیجوگے مَیں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی

اجازت ہے تو ضرور بھیجوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوداگری کی چیزیں بھیجنا اور ہمارے نام خط لکھنا اور جو کچھ تمہیں درکار ہو ہمسے طلب کرنا۔ تمہارے بخیریت پہونچنے کا خط ہمارے واسطے ایک نعمت ہوگا۔ مَیں نے جواب دیا کہ بے شک اِس ذریعہ سے آپ کی خیر و عافیت کا حال مجھے معلوم ہوتا رہیگا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی مَیں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صد ہا برس قایم رہے۔ الحاصل اسی قسم کی گفتگو کے بعد مَیں نے چا پی اور مجھ کو خلعت مرحمت ہوا جس کے بعد کچھ تھوڑی سی دیر بیٹھکر مَیں رخصت ہوا۔ ایک شہزادہ مجھ کو صدر دروازہ تک پہونچا گیا سب لوگوں نے مجھ کو مُبارکبادودی ٭

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ سونے کے زیور کاغذ میں لپیٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لیئے ہیں۔ وہ سب مالیت تخمیناً چھ سو نوے پونڈ یعنی چھ ہزار نوسَو روپیہ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص پھر آیا اور پینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ منشی کے لیئے لایا۔ اور پھر ایک زردوزی سُرخ ساٹن کا چُغہ اور ایک اونچی مخمل کی ٹوپی میرے لیئے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں کے لیئے آئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک گھوڑا نہایت عمدہ اسباب سے سجا ہوا آیا اور اُس کی باگ میرے ہاتھ میں دی گئی اور دُعائیں پڑھی گئیں۔ شام کو مَیں پھر بادشاہ کی ملازمت کے لیئے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ بمقابلہ ملکہ کے جو ہفت اقلیم کی حکمران ہیں میری کچھ حقیقت نہیں۔ اِس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ آیا خصوصاً میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب مَیں تمہارا مونھ دیکھتا ہوں میرے دل میں ایک نیک شگون کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش ہے مَیں اِس کا مستحق نہیں ہوں اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملکہ پر بھی ایسی ہی مہربانی فرماتے ہیں۔ یہ سُنکر بادشاہ نے سمجھا کہ جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں اُن کی نسبت گویا مَیں نے یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملکہ کیواسطے ہیں چنانچہ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص تمہارے لیئے ہیں تمہاری ملکہ کے لیئے مناسب تحفے مَیں مہیا کروں گا مَیں تمہارے مُلک کے دستوروں سے ناواقف ہوں مگر تم ہمارے دوست ہو ہمکو بتاؤ گے کہ ملکہ کے لیئے کیا کیا چیزیں بھیجنی مناسب ہوں گی۔ ملکہ کا مرتبہ بہت اعلےٰ ہے مَیں بے حقیقت ہوں مَیں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا تم میرے مُلک کے حال سے واقف ہو یہاں اُونی کپڑا اور اسی قسم کی اَور چیزوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا پس تمکو چاہیئے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ مَیں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لیئے

دوستی اور اتحاد ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں
لیکن اگر میری مصلحت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر میں تمھیں پر
چھوڑتا ہوں جب یانگ حصار میں ملاقات ہوگی تب اس کا انتظام کرینگے۔ یہاں کام کی کثرت ہے
روس اور قوقان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یانگ حصار
میں سب کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کروں گا۔ جو کچھ تم صلاح بتلاؤ گے وہ کروں گا خواہ خط لکھیں گے
یا ایلچی بھیجیں گے یا اور جو کچھ تم کہو گے سو کرینگے۔ میں نے کہا کہ ایلچی بھیجنے کی رائے بہت عمدہ ہے
اس کی تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اُس کے لیئے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے
انگلیوں پر شمار کر کے فرمایا کہ کل چہارشنبہ ہے پرسوں پنجشنبہ اور اترسوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو
یہاں چھوڑ کر یانگ حصار کو روانہ ہوں گا دو دن تم یہاں اور رہو میرا مُلک اور میری سب رعایا
تمہاری ہے اور جمعہ کے روز یانگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُنس ہے
کیونکہ اس مُلک میں میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ جمعہ کی نماز وہیں جا کر ادا
کروں۔ اُس کے بعد سب بندوبست ہوگا اور میں دو یا تین عقلمند رئیس بھی تمہارے ساتھ کر دونگا
وہ لوگ تمکو ہاتھوں ہاتھ آرام سے میرے مُلک میں سے لیجاویں گے اور تمہارے مُلک میں تمہارے
ہمراہ جاوینگے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت محجوب اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر
اِس مُلک میں ایک انگریز آیا تھا اُسکو ولی خاں ڈاکو نے مار ڈالا۔ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ خوب
جانتے ہیں کہ آپ کا اُس میں ایما نہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا
جرمنی تھا مگر پھر بھی ہم لوگوں کو اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا
مہمان تھا اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ اُنگلیاں اُٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے
میرا اختیار اِس مُلک پر ہے اِس سے پیشتر میں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بادشاہ باستحقاق
موروثی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیمور
اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے
ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک اور انگریز یارقند میں آیا تھا تم
اُسکو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو تبت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی
تھی کہ مجھ کو اپنے ساتھ لیچلو مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے ہی لیئے حضور سے بمشکل دستخط
لیا تھی۔ بادشاہ نے کہا خیر لیکن جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اُس سے خوش ہوں اس کے بعد میں

رخصت ہوا نیچے اوپر تین بھاری بھاری چُغہ جو بادشاہ نے عطا فرمائے تھے پہنے ہوئے تھا اِس لیئے
گرمی کے مارے مَیں گھبرا گیا تھا ۔

مَیں نے چاہا کہ اُس سرکار کو جو بادشاہ کے حضور میں سے میرے لیئے نقد و جنس لایا تھا کچھ
دوں مگر اُس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر مَیں مہمان سے ذرا سی بھی کوئی چیز لے لوں تو بادشاہ میری
گردن ماریگا - اپریل کی بارھویں تاریخ صبح کو بادشاہ سے رخصت ہونے کو گیا - ملازمان شاہی
مجھ کو قلعہ میں لے گئے جس کے اندر جا کر ایک صحن کی حد پر بادشاہ کو بیٹھے پایا حسب معمول مَیں روبرو
بٹھایا گیا اور ترجمان طلب ہوا - باہم مزاج پُرسی کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا پورا پورا لکھنا ممکن
نہیں مختصر یہ ہے کہ بادشاہ نے فرمایا ایک معزز سید کو مَیں بطور ایلچی تمھارے ساتھ روانہ کرنا چاہتا
ہوں جب اپریٰ کاٹ میوہ کی فصل آوے تب تم روانہ ہو کیونکہ اُسی وقت راہ کُھلی رہتی ہے
اور یارقند اور شہید اللہ و کشمیر اور تبت سے اپنی خبر بھیجو پھر فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر کے نام بھی کوئی
خط لکھوں یا نہیں اِس میں تمھاری کیا صلاح ہے - یہ کہکر میرے مونھ کی طرف دیکھنے لگے مَیں نے
چاہا کہ اِس کا کچھ جواب نہ دوں لیکن جب بادشاہ نے مکرر پوچھا تو مَیں نے کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں
کو باجگذار رئیسوں سے خط کتابت کرنا مناسب نہیں - بادشاہ نے کہا میں یہی جاننا چاہتا تھا
مَیں تمھارے ساتھ ایک شخص ایسا بھیجوں گا جو بالکل تمھارے حکم کے تابع رہے اُسکو تم کشمیر سے
جب جی چاہے واپس کر دیجیو - پھر پوچھا کہ کشمیر میں کوئی ایسا تاجر مقرر کر دوں جو وہاں کے حالات
لکھتا رہے مَیں نے کہا بیشک رکھنا چاہیئے اور اُمید ہے کہ آپ لاہور میں اپنا ایک وکیل رکھنے کا
بہت جلد اہتمام فرماوینگے - یہ سب باتیں میں نے بہت رُک رُک کر کہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ایسے
امور میں صلاح دینا میرا کام نہیں ہے آپ اپنی تجویز سے کام کیجیئے مگر بادشاہ سب باتوں میں دوستی
کا حوالہ کر کے کہتے تھے کہ تم ہندوستان کے حال سے واقف ہو اور جبکہ تم سا دوست ایسی باتوں میں
بھی صلاح نہ دے جن سے وہ واقف ہے تو اُس سے اَور کیا ہونا ہے - پھر ملکہ کی عظمت اور بزرگی کا
تذکرہ ہوا اور بادشاہ نے کہا ملکہ مثل آفتاب کے ہیں جس کی کرنوں سے ہر چیز کو گرمی پہونچتی ہے
ایسے بڑے بادشاہ کی دوستی کے لائق تو مَیں نہیں ہوں مگر یہ اُمید رکھتا ہوں کہ مجھ کو بھی اُن کی شعاعوں
کی دھوپ کھانے کی اجازت ملے اور یہ بات مَیں اس لیئے چاہتا ہوں کہ میرے چاروں طرف
دشمن ہیں - اِس کے بعد پھر میری دوستی کا ذکر ہوا اُس پر مَیں نے عرض کیا کہ میرا دل آپ کے
دل کے ساتھ وابستہ ہے - آپ نے جو کچھ الطاف اور نوازش میرے حال پر فرمائی ہے اُس کا حال

میں اپنے مُلک کے لوگوں سے کہوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کسی قزاشی کو یا کسی اَور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیجیو اور اپنی خیر و عافیت کا حال لکھتے رہیو میں بھی اپنا حال تمکو لکھوں گا اور اِسملک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمھارا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اِس گفتگو میں بہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس ہنس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جملہ پر جھک کر یہ کہتے۔ شا صاحب سمجھے آخر کار چار کے بعد مجھکو خلعت مرحمت ہوا اَور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ اور پھر ہاتھ اُٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لیئے دُعا پڑھی اور چہرہ پر سے ڈاڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اَللّٰہُ اَکبر +

یارقند کو واپس آتے ہوئے پندرھویں اپریل کو ہم ایک گانوں میں ناشتہ کے لیئے اُترے وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی میں یوزباشی اور پنجا باشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چہارو نام میرا ملازم میرے لیئے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجا باشی سے ہنسکر کہا کہ دیکھو یہ ایک ہندو ہے ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ پنجا باشی کی طبیعت ذرا آزادکم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چہارو کی طرف دیکھکر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چہارو نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال سے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں میں مُسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اُچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے مونھ سے کہا کہ میں مُسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اِس بات کے گواہ ہیں۔ میں چُپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ ہاں میں نے بھی سُنا لیکن خیر اَب اِس بات کو جانے دیجیئے آئیے کھانا کھائیے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ متعجب ہو کر بیٹھ گئے مگر وہی تذکرہ کرتے رہے میں نے دو ایک باتیں ہنسی کی کہکر اُس بات کو ٹالا لیکن دیر تک میں بھی تشویش رہا کیونکہ وسط ایشیا کے متعصب مسلمانوں کی سختی کے حال سے میں واقف تھا یہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایکمرتبہ یہ کہدے کہ میں مسلمان ہوں یا صرف یا اَللّٰہ کہے تو ہم اُسکو پھر بُت پرستی نہیں کرنے دیتے یا وہ اسلام اختیار کرے یا موت۔ یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چہارو خوب بچا کہ اِس موقع پر میرے اور پنجا باشی کے سوا اَور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اِس بات کو دبائے دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے +

شام کے وقت مجھ سے اور پنجا باشی دادا خان سے ایک پُرانی عمارت کا تذکرہ ہوا۔ یہ عمارت

کاشغر اور توقان کی راہ پر مقام اراون میں جو اُس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے واقع ہے اور اُس میں سے ایک پہاڑ میں کو نورانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درہ کی راہ ہے جس کا دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے - یہ سیڑھیاں اور عمارت چہل ستون کہلاتی ہے یہاں کے لوگ اِس عمارت کی نسبت بجز اِس بات کے کہ یہ عمارت قدیم ہے اَور کوئی روایت نہیں کہتے +

شہر یارقند کی کُل آبادی میرے اندازہ سے پچہتر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے - اُس کی آبادی پانچہزار سے کم نہ ہوگی پس کُل آبادی شہر اور قلعہ کی اَسّی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر انتظام تعلیم بہت اچھا ہے - جہاں مسجد ہے وہاں اُس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے - زیادہ عمر کے طالب علموں کے لیئے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عُمر کے طالب علموں کے لیئے پچاس یا ساٹھ مدرسہ ایسے ہیں جن میں بحساب اوسط سَو طالب علم تعلیم پاسکتے ہیں اور اُن مدرسوں کے لیئے زمین عطا ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی فیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اسیقدر ہوتی ہے کہ کچھ لکھنا پڑھنا آجاوے اور قرآن شریف پڑھ سکیں بعض اوقات قرآن شریف بامعنی بھی پڑھایا جاتا ہے - اِسی تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو مُلا کہتے ہیں - اہلِ چین کے زمانہ کی نسبت اَب مدرسوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے - بالفعل اتالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یارقند میں تعمیر اور قایم کیئے ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی سایہ دار بنائے ہیں - اندجان والوں اور اتالیق غازی کے عہد سے اسلام کا ویسے ہی سختی اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا محتسب گلی کوچوں میں پھرتا ہے اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر بُرقہ کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے - جہاں کہیں وہ گذرتا ہے ہر شخص راستہ چھوڑ کر اِس خوف سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطا نہ نکل آوے - مَیں نے سُنا ہے کہ اتالیق غازی سوائے ایسے شخص کے جو مُلک میں فساد برپا کرے لڑائی کے قیدیوں کو کبھی قتل نہیں کرتا - چوروں کی عام سزا پھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن ماری جاتی ہے +

گیارھویں مئی کو دادخواہ نے میرے لیئے یوزباشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ مَیں نے سُنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں - اگر آپ خریدینگے تو میری میزبانی میں بٹہ لگ جاوے گا یہ وُہی عُمدہ گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی - پھر یوزباشی نے مجھ سے پوچھا کہ دادخواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اَور بھی گھوڑے کی ضرورت ہے - مَیں نے کہا کہ میری تو زبان

بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں داد خواہ اپنے پاس سے عنایت کردیتے ہیں۔ بہت سی چیزیں شال خچر اور ریشم وغیرہ کے تئیں خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں تو داد خواہ ناراض ہوجاویں گے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کردینگے۔ پس شرم کے سبب سے مَیں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چُپ ہوں ❖

بارھویں مئی کی صُبح کو داد خواہ کا ایک رقعہ منشی لیکر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لیئے چیزیں خرید کرتے ہیں اس سے داد خواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہیں اطلاع دیتے جو مَیں سب چیزیں مہیا کردوں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب مَیں نے منشی سے اُس رقعہ کے جواب میں لکھوایا کہ داد خواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھکو صرف وہی چیزیں نہیں عنایت کرتے جن کی مَیں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی مَیں دل میں خواہش کرتا ہوں۔ پس مَیں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش کرنا ترک کردیا ہے۔ میں اُن کے بارِ احسان سے دبا جاتا ہوں اور مجھ کو بڑی شرم آتی ہے ❖

بیسویں مئی کی صُبح کو یوزباشی داد خواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب آگیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہیئے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور مجھ سے پوچھا کہ داد خواہ آپکے دوست ہیں آپ اُن سے کیا تحفہ لیجیئے گا۔ مَیں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے مُلک میں نہیں ہیں جہاں ہیں وہاں کا دستور برتنا چاہیئے اور اگر آپ کسی تحفہ کے لیئے اپنی خواہش ظاہر نہ کرینگے تو داد خواہ ناراض ہوجاویں گے ❖

بائیسویں مئی کی صُبح کو مَیں یوزباشی کے ساتھ داد خواہ سے ملنے گیا وہاں موسم کی گرمی کا تذکرہ ہوا۔ داد خواہ نے کہا پانی نہیں برستا جو ہوا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن وہاں اکثر پانی برستا ہے اس لیئے وہاں کی گرمی برداشت ہوسکتی ہے۔ مَیں نے کہا شاید اندجان کی آب و ہوا ہمارے مُلک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ مَیں نے سُنا ہے کہ اندجان میں جاڑے کے موسم میں برف کثرت سے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے برستا ہے یہی حال ہمارے مُلک کا ہے۔ داد خواہ نے کہا ہاں یہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور مقابل میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب مَیں نے سمجھایا کہ انگلستان اندجان سے شمال کی طرف واقع ہے اور قطب کے قریب ہے بنسبت یہاں کے

انگلستان سے وہ ستارہ آسمان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے - داد خواہ نے کہا کہ مَیں یہ نہیں جانتا کہ ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم میں آپکا مُلک ہے اور وہاں دن کتنے گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا سولہ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے - ہمارے ہاں دنیا کے پانچ حصے ہیں - پس مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا مُلک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے دنوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں سے ؟ اٹھارہ یا اُنیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے - داد خواہ نے سانس اُٹھا کر کہا کہ تم تو اقلیم ہفتم کے کنارہ پر ہو - مَیں نے کہا کہ اُس سے بھی اَور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاز بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز اُفق سے نیچے نہیں اُترتا - داد خواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدہ کے موافق ایسی آب و ہوا سے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے - مَیں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ اُن کے قد ہمارے سینہ سے اُونچے نہیں ہوتے اُس پر داد خواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھٹھر گئے ہونگے مَیں نے پھر کہا کہ ہمارے مُلک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ مُلکوں کی تحقیقات کے لیئے جایا کرتے ہیں - داد خواہ نے کہا کہ عقلمند گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے ؛

شا صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے مُلک اور آب وہوا کا تذکرہ اِس بات کے ظاہر کرنے کے لیئے لکھا ہے کہ داد خواہ ذہین اور عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اِس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اُسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گو مَیں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے مُلکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اِس بات کو مَیں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ سردی میں آفتاب مطلق طلوع نہیں ہوتا تاہم داد خواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ مُلک سرد ہوگا ؛

اٹھائیسویں مئی کو یوزباشی نے آکر یہ خبر دی کہ پرسوں کی تاریخ آپ کی روانگی کی قرار پائی - ظہر کی نماز کے بعد مَیں داد خواہ سے ملنے کو گیا اور اُن سے پوچھا کہ ہندوستان سے مَیں آپ کے لیئے کیا چیز بھیجوں - اُنھوں نے جواب دیا کہ مَیں سپاہی ہوں سوائے بندوق کے اَور کس چیز کی مجھے خواہش ہے مگر مَیں تمہاری خیر و عافیت چاہتا ہوں اور پھر بندوق کے لیئے درخواست کرتا ہوں جو ایلچی میرے ساتھ روانہ ہونیوالا تھا مَیں نے اُس کا حال دریافت کرنا چاہا مگر داد خواہ نے بالکل لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے دروازہ آمد و شد کا کھولا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میرے

دل پر نقش کالحجر ہے جو بوجہ سوت کے مٹ نہیں سکتا - اس کے بعد میں سب سے رخصت ہوا ٭

# علامات قراءت

اس مقام پر لفظ قرارت سے ہماری مراد قرأت مصطلحہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اُس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی پڑھنے کے نشان ؛ انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پنکچوئیشن کہتے ہیں - انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں ؛ اُن سے فایدہ یہ ہے کہ عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے - اُن نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ کہاں ختم ہوا کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا ، کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ، کون سے علیحدہ ہیں ، عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیئے ، کس جگہ ملاکر پڑھنا چاہیئے ، تاکہ مطلب پڑھنے والے اور سُننے والے کی سمجھ میں بخوبی آ جاوے - اس کے سوا اُن نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کونسا جملہ معترضہ ہے ، اور کونسا استفہامیہ کونسا اقتباسیہ اور کونسا ندائیہ کس مقام پر مصنف نے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے ، اور کس مطلب پر مصنف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ چاہی ہے علیٰ ہٰذا القیاس - اس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قرأت نہایت عُمدہ چیز ہیں ، اور علم ادب کی ترقی کے لیئے نہایت مفید ہیں - تمام مُلکوں میں جہاں علوم و فنون ، علم ادب و انشا ، تہذیب وشایستگی کی ترقی ہے ان علامات کا استعمال ہوتا ہے - ہم مسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اس قسم کی معین نہیں کیں ؛ صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز و قابل ادب سمجھتے ہیں ، اور جس کی تلاوت میں ہمکو بڑا اہتمام ہے ، بعض ایسی علامتیں ، جو قرأت قرآن مجید سے مخصوص ہیں ، مقرر کی تھیں ٭

سنسکرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اس قسم کی مقرر نہ تھیں ، لیکن اس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی زبان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے اُنھوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے - بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہو گئی ہیں ، اور اُوڑیا اور گجراتی اور ناگری میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں ، مگر اُردو زبان کی تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے - کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اس قسم کی لگا دیتے ہیں ، یا آگرہ اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹکلوں میں نہایت خوبی اور اسلوبی سے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں ٭

کچھ کم دو برس کا عرصہ ہوا ہوگا کہ جناب منشی غلام محمد صاحب متوطن بمبئی نے اس پر بہت توجہ کی اور اُردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروج ہونا ضرور سمجھا، اور اِس باب میں ایک رسالہ موسوم بہ **نجوم العلامات**، تحریر فرمایا جو درحقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے اس رسالہ میں جناب موصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرأت قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مفردہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے اُن علامتوں کے لیئے مقرر کیئے ہیں، اور ہر ایک علامت کا بیان نہایت خوبی اور خوش بیانی اور وضاحت سے کیا ہے ؞

ہمکو جناب ممدوح کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں اُنھوں نے مقرر کی ہیں اُن سے بوجوہات مفصلہ ذیل ہمکو اختلاف ہے :۔

**اوّل** ۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہوگئی ہیں وہ اَور تحریروں میں مروج کی جاویں، اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں، اَور تحریروں پر بولی جاویں، گو شرعاً و عقلاً اس میں کچھ قباحت نہ ہو، الّا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا ہم پسند نہیں کرتے ؞

**دوم** ۔ علامتیں جو حروف مفردہ تہجی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اُردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبہ ہوجاتی ہیں، اور پڑھنے میں شُبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی منجملہ حروف عبارت ہے، اِس لیئے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں حروف نہوں ؞

**سوم** ۔ علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہئیں کہ جو پتھر اور ٹیپ دونوں قسم کے چھاپہ میں مستعمل ہوسکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ میں بنی ہوئی مروج نہوں تو بالفعل ہمکو نہایت مشکل پڑے گی۔ اور کسی طرح ہمکو نہ اُن علامتوں کا ہاتھ آنا میسر ہوگا نہ اُن کو بنا سکیں گے؛ اس لیئے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروج ہیں وُہی ہم اُردو تحریر میں بھی اختیار کریں ۔ اُن علامتوں کا ٹیپ ہر قسم کا بنا ہوا دستیاب ہوتا ہے۔ پتھر کے چھاپہ میں نہایت آسانی سے تحریر میں آسکتی ہیں، اور اُن کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے، صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے، لیکن اُسکو اُلٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہوجاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں اُن علامتوں کا رواج دیں۔ اگر اَور لوگ بھی اسکو پسند کرینگے تو اُمید ہے کہ اُردو زبان میں بھی اُس کا رواج ہوجاویگا۔ اب ہم مناسب

سمجھتے ہیں کہ جناب منشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے اُن علامتوں کا اس مقام پر کچھ بیان کریں ؛

## مُفصلۂ ذیل علامتیں ہیں جو اُردو زبان کی تحریر میں مستعمل ہو سکتی ہیں

(،) کاما یعنی علامت سکتہ - انگریزی میں اس کی یہ شکل ہے (،) مگر یہ حرف واؤ کے مشابہ تھا اس لیے اُس کو اُلٹ دیا تاکہ حرف مفرد تہجی سے مشابہت نہ رہے ؛

(؛) سمیکولن یعنی علامت سکون - انگریزی میں اسکی صورت یوں (;) ہے - اس کو بھی اُلٹ دیا ہے ؛

(:) کولن یعنی علامت وقفہ ؛

جہاں علامت سکتہ ہو اُس لفظ پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیئے ، اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اُس سے زیادہ ، اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اُس سے بھی زیادہ ؛

(.) فلسٹاپ یعنی علامت وقف کامل . یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پُورا ہو گیا ؛

(؟) نوٹ آف انٹروگیشن یعنی علامت استفہام یا علامت سوال ؛

(!) نوٹ آف اکسکلامیشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت . اگر یہی نشان برابر دو (!!) کر دیئے جاویں یا تین (!!!) کر دیئے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں ؛

(-) ھائی فن یعنی علامت ترکیب ؛

(—) ڈیش یعنی خط یا لکیر ؛

( ) پرنتھسز یعنی علامت جملہ معترضہ ؛

(" ") کوٹیشن یعنی علامت اقتباس . انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی ہے ، (" ") مگر ہم نے دونوں کو اُلٹا رہنے دیا ہے ؛

لفظوں کے اوپر لکیر کر دینا ، یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے ؛ جیسے کہ شرح میں متن کی

عبارت پر لکیر کر دی جاتی ہے ۔

——— اَنڈر لاین یعنی علامت توجہ ۔ جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی جاتی ہے وہ اس بات کا نشان ہے کہ پڑھنے والا اُسپر زیادہ توجہ کرے ۔

( * ) اسٹار یعنی نجم ۔ کسی جُملہ یا عبارت منقولہ کے بیچ میں دو یا تین نجم لگا دینا اس بات کا نشان ہے کہ اس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اس کی نقل ضروری نہ تھی چھوڑ دی گئی ہے ، اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے ۔

( * † ‡ ‖ ) ان میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے ۔

## علامت سکتہ

اس علامت سے جملہ کے ایسے حصے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو ملے ہوئے ہیں مگر پڑھنے میں اُن مقاموں پر ذرا سکتہ کر کر پڑھنا چاہیئے ۔

۱ ۔ جب کسی مفرد جملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں ، تو اُن کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ۔

**مثال** ۔ کسی چیز کیطرف مستقل اور پوری توجہ ، اعلے طبیعت کی نشانی ہے ۔

۲ ۔ جملہ مرکبہ کے اجزا مفردہ بذریعہ علامت سکتہ علیحدہ کرنے چاہئیں ، تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں ۔

**مثال** ۔ جب اچھائی نہیں رہتی ، تو لوگوں کی توجہ بھی نہیں رہتی ۔

بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سُنا ، تو اُن پر نہایت دلیری سے حملہ کیا ۔

مگر جب جملہ کے اجزا ایسے ہوں کہ خود اُنھی سے اُن میں ترکیب پائی جاتی ہو ، تو وہاں علامت سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے ۔

**مثال** ۔ خود ہمارا دل بھوبتا ہے کہ اصلی نیکی کیا ہے ۔

۳ ۔ معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو ، تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانی ضرور نہیں ۔

**مثال** ۔ زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں ۔

عقلمند آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اُس کو ضایع نہیں کرتا ۔

کامیابی اکثر ہوشیاری اور ہمت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے ۔

مگر جب معطوف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہو ،
تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ۔

مثال - عقل ، ہوش ، علم ، ہنر ، سب وقت پر کام آتے ہیں ۔
وہ تو سیدھا ، سادھا ، ایمان دار ، آدمی ہے ۔

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے ۔

مثال - وہ شخص ایماندار ہے ، مگر سست ۔
بہت بڑا عالم ہے ، مگر بے عمل ۔
پرہیزگار ہے ، مگر ظاہری باتوں میں ۔

جب متعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے ۔

مثال - زید نہایت دانا ، ہوشیار ، عالم ، فاضل ہے ۔

مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان کی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح کرتی ہو ، تو اُن میں علامت سکتہ لگانی نہیں چاہیئے ۔

مثال - بھورا سیاہی مایل کپڑا ۔
ہلکا زردی مایل سبز رنگ ۔

اگر حرف عطف موجود ہو ، مگر جملہ کے اجزا لمبے لمبے ہوں ، تو بھی اُن میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ۔

مثال - بے احتیاطی ہمارے جسم کی قوت کو ضایع کرتی ہے ، اور ہمارے دل کی جرأت کو ۔

۴ - جبکہ تین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جزو کلام میں ہوں ، اور اُس میں حرف عطف ہو خواہ نہو ، اُن لفظوں کے اخیر میں بھی ، سوائے اُس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو ، علامت سکتہ لگانی چاہیئے ، لیکن اگر وہ اخیر کا لفظ اسم ہو تو اُس کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے ۔

مثال - نظم ، موسیقی ، مصوری ، عمدہ ہنر ہیں ۔

خوم ایک دلیر، دانا، اور دُور اندیش شہزادہ تھا +

جبکہ جملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیئے +

مثال - بے بندوبستی اور بدانتظامی، مُفلسی اور محتاجی، تکلیف اور مصیبت، ویرانی و بربادی، آپس کی نااتفاقیوں کا نتیجہ ہے +

۵ - جملہ ندائیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے +

مثال - میرے پیارے، میری بات سُن +

او جانے والے، اِدھر ہوتا جا +

جاگنے والو، جاگتے رہیو +

۶ - جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو، خواہ بیچ میں، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے +

مثال - اُن کی نیکی، احسانمندی سے، مجھے یاد ہے +

اُن کی نیکی مجھے یاد ہے، نہایت احسانمندی سے +

احسانمندی سے، اُن کی نیکی مجھے یاد ہے +

۷ - جبکہ کسی جملہ میں دو اسم آویں، اور پچھلا اسم، مع اپنے متعلقات کے، اُسی شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے، تو اُن کے درمیان میں بھی علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - احمد، خیرخواہ معاندان +

مگر جب کئی لفظ ملکر ایک مرکب اسم بنے، تو اُن لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ نہ ہونی چاہیئے +

مثال - شاہجہان آباد - اکبرآباد - الہ آباد - چتورگڈھ - مشکل کشا - نبی آخرالزمان - مشکلکشا علی +

۸ - اگر اسمار موصول کے بعد بھی جملہ بیانیہ ہو، تو اُس کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - وہ، جو خم ہوکر پھر سیدھی ہو جاوے، اصل تلوار ہے +

مگر جبکہ اسمار موصولہ اسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، تو اُس وقت اُن کے پہلے علامت سکتہ

کا لگانا ضرور نہیں ٭

مثال۔ جو تلوار خم ہو کر سیدھی ہو جاوے، اصیل ہے ٭

۹۔ جب کسی جملہ کی ترکیب اُلٹ دی جاوے تو اُس کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ خدا کے نزدیک کوئی چیز مشکل نہیں ہے ٭

اس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب اُلٹ دو تو علامت سکتہ کی ضرورت ہوگی ٭

مثلاً۔ کوئی چیز مشکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک ٭

۱۰۔ جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لایق؛ اور لکھنے سے، قابل ٭

۱۱۔ کاف بیانیہ یا تردیدیہ کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ ذوالفقار خاں آوینگے، کہ نہیں ٭

نیک ہو، تاکہ خوش رہو ٭

## علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزا علیحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت اُن اجزاء کے جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں آپس میں کم مناسبت رکھتے ہیں ٭

۱۔ جبکہ پہلا حصہ فقرہ کا پورا کلام ہو، مگر اُس کے بعد کا حصہ ایسا ہو کہ اُس سے کوئی نتیجہ پایا جاوے، یا پہلے حصہ کا مطلب بتا وے، تو اُن میں علامت سکون لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ ایمانداری سے اپنا کام کرو؛ کیونکہ اس سے تمہاری عاقبت سنور یگی ٭

۲۔ جب کئی چھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم اُن کے کچھ ضروری مناسبت نہ ہو، تو اُن میں بھی علامت سکون لگانی چاہیئے ٭

مثال۔ ہر چیز پُرانی ہوتی ہے؛ وقت گذر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونیوالی ہے ٭

۳۔ جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اُس کے اجزاء علامت سکون سے الگ

کرنے چاہئیں ۔

مثال ۔ حکیموں کا قول ہے کہ نیچر کے بے انتہا کام ہیں ؛ اُس کا خزانہ معمور ہے ؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے ؛ اور آیندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کریں گے ، جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ۔

## علامت وقفہ

اِس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ جو حصّے علامت سکون سے علیحدہ کیئے جاتے ہیں ، بہ نسبت اُن کے ان حصّوں میں جو علامت وقفہ سے علیحدہ ہوتے ہیں ، آور بھی کم مناسبت ہوتی ہے ، مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ اُن پر مطلب ختم ہو گیا ہو ۔

۱ ۔ جب کوئی جزو فقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو ، مگر اُس کے بعد کا جُملہ بیانیہ ہو ، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ غور کرنے کی عادت ڈالو ؛ کہ اس سے زیادہ عُمدہ کوئی تعلیم نہیں ۔

۲ ۔ جب کہ ایک فقرہ کے کئی جُملے علامت سکون سے علیحدہ کیئے جاویں ، اور اُن کا نتیجہ اخیر فقرہ یا فقروں پر منحصر ہو ، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ نیکی سے خدا خوش ہوتا ہے ؛ بُرے کاموں سے خُدا ناراض ہوتا ہے ؛ نیکیوں کو عاقبت میں جزا دیگا ؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دیگا ؛ یہ ایسے خیالات ہیں کہ دنیا کو خوف و رجا میں رکھتے ہیں ، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں ، گناہوں سے باز رکھتے ہیں ۔

## علامت وقفہ کامل

۱ ۔ جب کوئی مفرد جُملہ چھوٹا ہو ، تو اُس کے اخیر میں علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں ۔

۲ ۔ جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے ، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ۔

مثال ۔ نا اُمیدی سے ، اور آزمایش میں پڑنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے ۔

۴ - جب کسی لفظ کو اختصار کر کر لکھیں، تو اُس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے ۔

مثال - آلخ ۔ جو اختصار ہے اِلٰی آخرہ کا، ہف - جو اختصار ہے ہذا خلف کا۔ بی آے - جو اختصار ہے بیچلر آف ارٹ کا ۔ ایم - اے ۔ جو اختصار ہے ماسٹر آف ارٹ کا ۔ سی - ایس - آئی - جو اختصار ہے کمپینین آف دی آرڈر آف دی شار آف انڈیا کا ۔

## علامت استفہام یا سؤل

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو ۔

مثال - تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو ؟

آپ کا مزاج کس طرح ہے ؟

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا ؟

## علامت تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتاً جوش، یا مسرت، یا خوف، یا تعجب وغیرہ پیدا ہوتا ہو تو، اُس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے ۔

مثال - او ازلی و ابدی خدا !

او خوش کرنیوالے اور خوف دلانے والے خیال !

مَیں نے شیخ کلو سے پوچھا کہ تم کون ہو، اُس نے کہا کہ گیدڑ !!

## علامت ترکیب

جب دو لفظ مرکب کیئے جاویں تو اُن کے درمیان میں یہ علامت لگا دیتے ہیں، تا کوئی اُن کو جدا جدا نہ سمجھے ۔

مثال - کتب-خانہ ۔ شراب-خانہ ۔ فیل-خانہ ۔ منشی-خانہ ۔

## خط یا لکیر

کبھی تو اِس خط سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ میں فرق ہو جاوے، اور کچھ مطلب نہیں ہوتا؛ مگر در اصل اِس کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دفعتاً فقرہ ٹوٹ جاتا ہے، یا دفعتاً خیال پھر جاتا ہے ۔

مثال ۔ خدا نے کہا ۔ کیا؟ ۔ اے زمین نگل جا اپنا پانی؛ اور اے آسمان تھم جا برسنے سے ۔

کبھی اِس علامت کا بطور کنایہ کسی محذوف لفظ کے استعمال ہوتا ہے ۔

مثال ۔ وہ تو ـــــ سے بھی بدتر ہے؛ یعنی وہ تو شیطان سے بھی بدتر ہے ۔

مَیں جاتا تھا ـــــ مجھ سے ملا ۔

اس مقام پر کسی ایسے شخص سے کنایہ ہے، کہ جسکو پڑھنے والا جانتا ہے، یا لکھنے والے کو اُس کا نام ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے ۔

## علامت جملہ معترضہ

جب کسی فقرہ میں کوئی جملہ معترضہ آجاوے، تو اُس جملہ معترضہ کے شروع و اخیر میں یہ علامت لگانی چاہیئے، جس سے معلوم ہو کہ وہ ایک علیحدہ جملہ ہے جو مطلب کے بیچ میں آگیا ہے ۔

مثال ۔ اِس بات کو بخوبی جان لو (اور تمکو اتنا ہی جاننا کافی ہے) کہ انسان کے لیئے صرف نیکی ہی اصلی خوشی ہے ۔

## علامت اقتباس یا نقل

جبکہ تحریر میں کسی دوسرے کا قول آجاوے، یا کسی دوسرے مصنف کی بعینہٖ عبارت اپنی تحریر میں ملا دی جاوے، تو اُس کے اوّل و آخر میں یہ علامت لگا دینی چاہیئے ۔

مثال ۔ باغ کی تعریف اِس سے بہتر نہیں ہو سکتی " تو گوئی خوردہ مینا بر خاکش ریختہ وعقد ثریا بر تاکش آویختہ "

جب تک آدمی خود اپنا کام آپ نہ کرے، بخوبی کام نہیں ہوتا؛ مشہور قول ہے کہ " آپ کام مہا کام " ۔

رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ " عمل نیت پر منحصر ہیں " حدیث کے یہ لفظ ہیں
" انما الاعمال بالنیات "

## علامت توجّہ

جس لفظ یا عبارت کے نیچے لکیر کی جاتی ہے اُس کا یہ مطلب ہے کہ اُس پر زیادہ توجہ درکار ہے ۔

مثال ۔ ذوالفقار خاں کشتی پر جاتے تھے ، کتاب ہاتھ میں تھی ، نادانی سے گر پڑی ، اور ڈوب گئی ۔

## علامت نجم

اِس بات کی نشانی ہے کہ نقل کرنے میں بیچ میں سے غیر ضروری عبارت چھوڑ دی گئی ہے ۔

مثال ۔ " شبے تامل ایام گذشتہ میکردم ، و برعمر تلف کردہ تاسف میخوردم ، و سنگ لانہ دل را بالماس آب دیدہ می سفتم * * تایکے از دوستان کہ درکجاوہ غم انیس من بُود ، و درحجرہ ہم جلیس ، برسم قدیم از در درآمد "

## علامت حاشیہ

شخصے نزد فقیہے آمد و پرسید کہ آں کدام زن * مجوسی † بود ، کہ دخترش ‡ را گرگاں خوردہ بودند || ؟ فقیہہ جواب داد ، کہ بابا تو تماتر غلط گفتی ، من کدام غلط ترا صحیح کنم از پیش من برو ۔

* آں زن نہ بُود بلکہ مرد بُود ۔

† مجوسی نبود بلکہ حضرت یعقوب نبی بنی اسرائیل بُودند ۔

‡ دختر نہ بود بلکہ پسر بود ۔

|| گرگاں نخوردہ بودند بلکہ برادرانش غلط گفتہ بودند ۔

# مُسلمانوں کا افلاس

## "الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمکو محتاج اور فقیر کردینے کا تو شیطان وعدہ کرتا ہے اور بےحیائی کے کام کرنے کو حکم دیتا ہے، اور خدا اپنی بخشش کا اور نعمت دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ ٹھیک مثل اُن لوگوں کی ہے جن کا پیشہ یقولون ما لا یفعلون ہے۔ یعنی خود تو دنیا کے بندے ہیں اور کسی مرید و معتقد کی نذر تک نہیں چھوڑتے، مگر زبان سے دنیا کی بےثباتی اور دنیا کا ہیچ ہونا کہتے ہیں؛ اپنی جیب میں دنیا بھرتے ہیں اور لوگوں کو اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو کام مسلمانوں کی بھلائی و بہتری اور ترقی کا سونچا جاتا ہے، یا کیا جاتا ہے، یہ عقل کے دشمن، خدا کے دشمن، رسول کے دشمن، مسلمانوں کے دشمن، ایک نہایت مسکینی سے ٹھنڈے سانس بھر کر کہتے ہیں، ہاں دنیا چند روزہ ہے؛ دولتمند ہوئے تو کیا غریب ہوئے تو کیا؛ محل میں بھی گذر جاتی ہے درخت کے سایہ میں بھی گذر جاتی ہے؛ موٹے کپڑے سے بھی بدن ڈھک جاتا ہے مہین بھی پھٹ جاتا ہے؛ اچھا کھانے سے بھی پیٹ بھرتا ہے جو کی روٹی سے بھی بھرتا ہے؛ ایسی بات کرو جو وہاں کام آئے؛ دنیا تو گذر ہی جاتی ہے۔ ہاں جتنی دنیا ہوگی اُتنا ہی زیادہ حساب دینا پڑے گا؛ تقدیر پر شاکر رہو؛ انسان کو خدا بھوکا اُٹھاتا ہے پر بھوکا سلاتا نہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں اُس آیت کے مصداق ہیں، اور وہ ٹھیک ٹھیک وہی وعدہ کرتے ہیں جس کا اُس آیت میں ذکر ہے۔

مگر ہم تمام مسلمانوں کی دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں؛ یہ خواہش کرتے ہیں کہ احکام شریعت حقہ کے بجا لاویں، ممنوعات و محرمات سے بچیں؛ مباح کے مزے اُٹھاویں؛ نیک طریقہ اور اچھے پیشہ اور مباح وسیلوں سے دنیا کمائیں؛ اور پھر جس طرح خدا کی مرضی ہے نیک کاموں میں اُسکو صرف کریں؛ کہ یہی مرضی خدا کی اور یہی حکم شریعت مصطفےٰ کا ہے۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا ہے؛ مفلسی اُن کو گھیرتی جاتی

ہے ؛ جرایم میں وہ مبتلا ہوتے ہیں یا جیلخانے اُن سے بھرے جاتے ہیں ؛ بیدیں اُن کے چوتڑوں پر لگتی ہیں ؛ ڈگریوں میں وہ پکڑے جاتے ہیں ؛ جائدادیں اُن کی فروخت ہوتی جاتی ہیں ؛ مگر وہ بے رحم اُن کے حال پر رحم نہیں کرتے، اور اُن کو بہکانے سے باز نہیں آتے۔ وہ اپنے اس قول پر " فبعزتك لاغوينهم الی يوم الدين " جمے ہوئے اور ثابت قدم ہیں۔ حال کے ایک انگریزی اخبار انڈین پبلک اوپینین لاہور میں، مسلمانوں کا حال چھپا ہے، اُس کا ماحصل اس مقام پر لکھتے ہیں، شاید مسلمان متنبہ ہوں ✦

اخبار مذکور نے مسلمانوں کے حالات پر غور کر کر یہ اصول قایم کیا ہے " کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور مفلس ہونا چاہیئے۔ مسلمان کسانوں کا بتدریج مفلس ہونا، جسکو ہم اس ضلع میں زیادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں، قابل لحاظ و غور کے ہے۔ جو رپورٹیں اور حالات کہ اخبار میں چھپے ہیں، اُن سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے۔ اس ضلع میں سنہ ۱۸۸۰ء میں جتنی نالشیں نقدی کی مہاجنان و دوکانداران نے کیں اُن میں سے نصف نالشیں مسلمان کسانوں پر ہوئیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمے ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ منجملہ آٹھ شخصوں کے ایک شخص بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے، تو تعداد اُن کسانوں کی خیال کرنی چاہیے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسہ کے معاملات میں مبتلا ہو کر عدالت کی لڑائی میں حیران پریشان رہتے ہیں۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ لاکھ اسی ہزار پونڈ، یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائداد غیر منقولہ مسلمانوں کی سنہ ۱۸۸۰ء میں بیع و رہن ہوئی مسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لوٹ مار کے مناسب ہے ؛ تقدیر پر اندھا دھندی سے اعتبار و تکیہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے، اور اُس کے معتقدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف لیجاتا ہے جسمیں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے، اور کوئی مذہب نہیں سکھلاتا مگر وہی خیال کہ تقدیر کبھی نہیں ٹلتی تمام جرأت اور ہمت کو کھو دیتا ہے، اور ترقی و بہبودی کو پژمردہ کر ڈالتا ہے " ✦

تقدیر کے مسئلہ کی نسبت جو کچھ صاحب اخبار نے لکھا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ حالت مسلمانوں کی ایسی ہی ہے، اور خود غرض لالچی مولویوں نے درحقیقت ایسا ہی اُن کو سکھلایا ہے، الا مذہب اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے، خود قرآن میں خدا فرماتا ہے " لیس للانسان الا ماسعی " ✦

ایک دوسرے اخبار مدراس ٹائیمز نے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے، اُسکو بھی ہم لکھتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ مسلمان یورپ کے بادشاہوں کے مشابہ ہیں، جو نہ گذشتہ بات کو بھولتے ہیں اور نہ کسی بات کو جو آئندہ اُن کے لیئے مفید ہو سیکھتے ہیں، یہ لوگ ہر بات میں ساکن رہتے ہیں، حرکت کرنے کی کبھی اُن کو خواہش نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دوڑ میں پیچھے پڑ گئے، اور گو ممکن ہے کہ بڑی کوشش سے اَوروں کے برابر جاویں مگر وہ کوشش کرنے کی خواہش اُن کو معلوم نہیں ہوتی، اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بلحاظ قومیت اور مرتبہ و اختیار کے، مسلمان بالکل گم ہو جاوینگے۔ اب یہ لوگ گویا اپنے امتحان پر ہیں، اور اگر چوکے تو ممکن نہیں کہ دوسرا موقع اُن کو مل سکے۔ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ یہ لوگ سابق میں اس ملک کے فتح کرنیوالے تھے، اور اب اُن کو مفتوحوں میں اپنا شمار ہونے کا رنج ہوتا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور، اور تعلیم کا جھوٹا خیال مسلمانوں کو اپنی ترقی کے اُس میدان میں پیر رکھنے سے باز رکھتا ہے جس میدان کو اُنھیں طے کرنا ضرور ہے۔ بیشتر اس کے کہ مقابلہ اپنے ہوشیار ہمسایہ ہندوؤں کے نوکری یا اپنی روٹی پیدا کرنے کی اُمید کریں۔ جو قوم کہ تھوڑا عرصہ گذرا اُن کے تابع تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُن کے فخر کو سخت ضرر پہونچتا ہو، مگر اُن کو چاہیئے کہ اپنی حالت کو قبول کرنے کے لیئے کافی ہمت اور اُس مقابلہ میں سخت کوشش کرنے کے لیئے کافی جرأت اور اپنی ذات کی عزت کا خیال رکھنے کے لیئے پوری ہمت کریں اگر تجربہ کی نصیحتوں کو صحیح صحیح نہیں پڑھ سکتے، یا نہ پڑھینگے، تو ضرور تکلیف میں رہینگے۔ منجملہ اُن بڑے بڑے اسباب کے جن سے مسلمانوں کی خرابی ہوئی ہے، روزینہ داری اور لاخراج داری بھی، جس کے وہ بہت گرویدہ ہیں، ایک بڑا سبب ہے۔ یہ طریقہ کاہلی پیدا کرتا ہے، اور کاہلی سے افلاس ہوتا ہے، اور افلاس موجب ہے ناخوشی کا"۔

بلاشبہ ملکی ہونا اور روزینہ دار ہونا انسان کے لیئے بہت بڑی آفت ہے۔ اس زمانہ میں ملکی معافیدار و روزینہ دار سب سے زیادہ خراب و بُری حالت میں ہیں، مگر میری دانست میں ایک اَور فرقہ بھی ایسا ہی ہے، یعنی وہ لوگ جو پیر بن کر شہر بشہر اپنے مریدوں سے ٹیکس وصول کرتے پھرتے ہیں، یا منبر پر بیٹھ کر جھوٹے سچے قصے سُنا کر اور واعظ بن کر لوگوں سے روپیہ لیتے پھرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں کسی پیر فقیر کے خاندان کا بیان کر کر، کسی درگاہ کا خادم کہکر، یا مکہ معظمہ کا مطوف اور مدینہ منورہ کا زیارت کرنیوالا بتا کر روپیہ مانگتے پھرتے ہیں

جو مسلمان کسان لوگوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، درحقیقت اپنی قوم کے یعنی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ناجہذب غیرت نہایت بری چیز ہے، اس سے قوم میں مفلسی اور ناشایستگی، بےحیائی اور بے غیرتی پھیلتی ہے ٭

## سراب حیات

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

کیوں کس خیال میں ہو آج آپ کی طبیعت کچھ متفکر معلوم ہوتی ہے ٭

نہیں کوئی بات نہیں ہے یوں ہی سست ہے۔ آدمی کو کبھی کچھ خیال ہوتے ہیں کبھی کچھ اُنہی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے ٭

بھلا کہئے تو سہی کہ کن خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ہم بھی تو سنیں ٭

چند روز ہوئے کہ میں نے ایک گھنٹہ اپنے کمرہ میں لگایا ہے اُس کا لنگر ٹوٹ گیا تھا وہ بند تھا نہ چلتا تھا نہ آواز دیتا تھا۔ ایک دوست نے مہربانی سے اُسکو بنا دیا وہ چلنے لگا اور آواز دینے لگا میں دیکھتا ہوں کہ وہ دن رات چلتا ہے۔ ایک سے اپنا دورہ شروع کرتا ہے اور بارہ پر ختم کر دیتا ہے۔ اُسکی ایک اُلٹ پھیر میں دن رات ختم ہو جاتا ہے۔ جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں۔ یہی دھن کئی دن سے مجھے لگی ہوئی تھی۔ اور اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا کہ یکایک ہمارے دوست پادری رجب علی صاحب نے ایک کتاب بھیجی جس کے سرے پر لکھا تھا "سراب حیات" میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ عقدہ حل ہوگا ٭

یہ کتاب دراصل انگریزی میں ہے اور جانسن نے بڑی فصاحت و بلاغت سے لکھی ہے اُس کا ترجمہ پنڈت بشمبر ناتھ صاحب نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اُردو زبان میں کیا ہے ٭

اِس کتاب میں مصنف نے نہایت لایق اور مشہور اور عقلمند اور دولتمند اور فصیح و ظریف و شاعر فیاض و بخیل آدمیوں کا، جو ہمارے زمانہ سے تھوڑے ہی دن پہلے اسی دنیا میں موجود تھے ذکر کیا ہے اور پھر دکھایا ہے کہ کس طرح حسرت و افسوس سے اس دنیا سے گئے تا حال دولت

چھوڑ گئے۔ نہ وہ عقلمندی کام آئی اور نہ وہ متاعِ دنیا زبانِ حال سے یوں کہتے کہتے مر گئے۔

کس لیے آئے تھے کیا ہم کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمّہ دھر چلے

اس کتاب نے بعوض سلجھانے کے میرے خیالات کو اور اُلجھا دیا اور یہ سوال دل میں
پیدا ہوا کہ "وہ کس لیے آئے تھے؟" اسی سوچ میں تھا کہ میں نے اپنے کمرہ کا دروازہ کھولا ایک
خوش نما ندی اور سرسبز درخت اور شاداب کھیتی پر میری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ندی کا
پانی بہا چلا جاتا ہے۔ پچھلا آتا ہے اور اگلا چلا جاتا ہے۔ درختوں کو میں نے دیکھا کہ پرانے
جاتے ہیں اور نئے آتے ہیں۔ پکی کھیتی کاٹی جاتی ہے اور نئی بوئی جاتی ہے یہی آواگون لگ رہا
یہ کس لیے آتے تھے اور کس لیے گئے کیا یہ بھی کچھ حسرتیں لے گئے +
ہے۔ یہ کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے"
کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ وہ کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے
متحرک جانداروں سے متعلق ہوگا۔ میں نے سب کی حالت پر اپنا خیال دوڑایا۔ میں نے شیر کا
خیال کیا جو سب سے زیادہ خوبصورت۔ سب سے زیادہ شان دار۔ سب سے زیادہ شجاع۔
سب سے زیادہ غیور ہے۔ مگر سب میں موذی اور زندبار آزار مشہور ہے۔ جب اس کی
مُردہ لاش کا میں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاشہ پھول کر پیٹ پھٹا ہوا انتڑیاں
گیدڑوں کی کھائی ہوئی سنہری کھال خاک میں ملی ہوئی گوشت گلکر زمین پر پڑا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا
ہی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کو +
میں سمجھا۔ کہ یہ تو اسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا سراب حیات میں جانسن نے
ذکر کیا ہے کسی اس سے عمدہ جانور کو دیکھو +
اتنے میں کتے کا مجھے خیال آیا۔ میں سمجھا کہ سب جانوروں میں یہی خدا رسیدہ ہے۔ قناعت
محبت۔ رفاقت۔ دوستی۔ وفاداری۔ اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسر نفسی
اسی پر ختم ہے۔ سب ذکر و فکر کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی تو نجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب سگ
سامنے عاجزی اور کسر نفسی سے دُم ہلاتا اور سر جھکاتا ہے۔ مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاشہ
بے حرکت تھا نہ وہ دُم کا ہلانا تھا نہ سر کا جھکانا۔ نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت۔ چند روز
میں اسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ منہ کھلا۔ جبڑا ننگا۔ دانت اور پسلیاں کھلی ہوئیں۔ اور
ہزاروں چیونٹیاں اس میں گھسی ہوئی۔ میں نہایت متعجب ہوا اور کہا کہ میاں انجام ؟

دونوں کا ایک سا ہی ہوا ✦

مَیں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لو۔ مَیں نے کبوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب سے مقدس شمار ہوتا ہے۔ بھولی بھولی صورت۔ پیاری پیاری باتیں۔ جورو خصم میں نہایت محبت۔ دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا۔ نوحؑ کے لیئے زیتون کی مُبارک ٹہنی لانیوالا مسیحؑ کے لیئے روح القدس بن کر اترنیوالا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا۔ تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا۔ اپنے پروں کی ہوا سے بیماروں کو شفاء بخشنے والا۔ تمام ہندؤں اور بودھست لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا۔ مگر جب اُس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پرنچے ہوئے کہیں پڑے ہیں۔ چونچ کہیں اور پنجے کہیں۔ چند روز تک سینہ کا ڈھانچا پڑا ہے۔ پھر وہ بھی نہیں ✦

مَیں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کر یکایک میرے سامنے سُلطان عبدالعزیز خان کا ماجرا آموجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا۔ لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا۔ پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضول خرچ تھا۔ عورتوں پر بہت فریفتہ تھا۔ تریپن کشتیاں عورتوں کی بھری ہوئی اُسکی حرم سراء میں تھیں۔ مُلک میں روپیہ کی کمی تھی۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ باغیوں سے سلطنت میں آفت برپا تھی مگر اُس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عیاشی کے لیئے چھپا رکھا تھا۔ اپنی پیاری جورو کی خوشی کے لیئے ترکوں کی ولیعہدی کی پُرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اُس جورو سے جو بیٹا تھا اُسکو ولیعہد بناتا تھا۔ اور مُلک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اس کام کے پورا ہونیکو مُلک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بناتا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے جرموں میں اُسی کی سلطنت کے لوگوں نے اُس پرورش کی تخت سے اُتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا۔ سلطنت جانے کی حسرت نے اُس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مرا۔ میرے خیال نے جھٹ ہاتھ دوڑایا۔ پہلے تو ماتھے پر رکھا پھر نتھنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو۔ سینہ کو ٹٹولا۔ ہاتھ کو دیکھا۔ پاؤں کو دیکھا۔ چاروں طرف غور کی۔ بجز ایک لاش کے کچھ نہ پایا۔ سینہ پر کان لگایا کہ شاید وہ ہڈیاں اُچھل رہی ہوں مگر کچھ پتا نہ لگا۔ میں سمجھا کہ اب اس میں کچھ نہیں۔ چند روز میں یہ گوشت و پوست بھی نہ ہوگا صرف ہڈیوں کا ڈھانچا رہ جاویگا اور چند روز بعد وہ بھی نہ ہوگا۔ مجھے جانسن کی سراب حیات یاد آئی اور سمجھا

کہ دنیا کی حسرت میں مرا اس لیئے اس کا یہ حال ہوا +

مجھ کو اشتیاق ہوا کہ کسی بڑے خدا سیدہ دنیا کی طرف سے پژمردہ مرے ہوئے کا حال دیکھوں - پنجاب کا ایک نہایت معتبر شخص میری آنکھوں میں پھر گیا - اُس کے دیکھنے سے میں بہت خوش ہوا - خدا کے سوا اَور کچھ کلام نہ تھا - عبادت کے سوا اَور کچھ کام نہ تھا - دنیا اور اُسکا عیش محض بے حقیقت تھا - جو لو تھی وہ خدا سے وعقبیٰ سے لگی ہوئی تھی - اتفاقات سے اُنکا بھی آخری وقت آ پہونچا - اپنی اوّل منزل کی انھوں نے وصیت کی اور اپنے دوستوں کو نصیحت - نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی ارمان وحسرت کے جان دی - میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا - ماتھے پر رکھا - نتھنوں کے سامنے کیا - دل ٹٹولا - سینہ ٹٹولا - ہاتھ دیکھا - پاؤں دیکھا - کچھ نہ تھا - سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اُس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ہوگی پر کچھ نہ تھی - مَیں گھبرایا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اجی حضرت کچھ بولو تو سہی وہاں کیا تھا - سانس بھی نہ تھی - مَیں نے کہا کہ یہ تو ویسا ہی معاملہ ہوگیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا تھا - دنیا کی حسرت لیجانے اور عبادت کے شوق میں مرجانے میں تو اَب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا +

اتنے میں لوگ اُن کی تجہیز وتکفین کرنے لگے - قدیم خانقاہ میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں کے برابر قبر کھودنے لگے - مَیں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو - مجھے سمجھ تو لینے دو کہ یہ کیا ماجرا ہے - لوگوں نے کہا باولا ہوا ہے - کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال بکس جاوے گی گوشت گل پڑیگا - ہڈیوں کا ڈھانچہ نکل آویگا - کوّے اور چیلیں منڈلانے لگیں گی - ہڈیوں کے ڈھانچہ سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگینگے - یہ سُن کر تو میں ششدر رہ گیا - تمام اگلے لاشے میری آنکھوں میں پھر گئے - مَیں نے کہا کہ میاں اَور سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا - کیا یہی بات سچ ہے -

چو آہنگِ رفتن کند جان پاک

چہ بر تخت مُردن چہ بر روئے خاک

مَیں نہایت متردد و متفکر - حیران و ششدر وہاں سے اُٹھا اور دل بہلانے کے لیئے اپنے باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوانی اور ولولہ کے زمانے میں مَیں نے اُس کو از سرِ نو نہایت خوبصورت و خوش نما آراستہ کیا تھا اور وہاں اکثر دوستوں کا اور بڑے بڑے نامی اور

باکمال لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دلکش و محبت آمیز بیرنگانہ باتوں سے۔ آزردہ کی دلچسپ و دلربا فصاحت سے۔ شیفتہ کی متین و نیم خندہ زن وضع سے۔ صہبائی جانواز کے میخانۂ محبت سے دل شاد و شاد رہتا تھا۔ اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ ایک چمن میں پہونچا جس کی نئی کھدائی ہوئی تھی مٹی میں ایک ہڈی کھائی دی جس کو میں بکرے کی سری سمجھا۔ میں نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا جب وہ نکلی تو بکرے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایکدن اسیطرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر ماریگا۔ میں نے دوڑکر اُسے اُٹھالیا اور دیکھا کہ صرف ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں۔ پیشانی کی ہڈی پر خط خط میں شاید وُہی نوشتہ تقدیر ہو پر پڑھی نہیں گئی۔ آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا۔ اُنگلی ڈالو تو کچھ نہیں۔ ناک کی خوبصورتی بالکل نہ تھی ایک شکستہ تھوڑی سی اُونچی نہایت بدنما ہڈی کا نشان تھا اور اُس کا سوراخ نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دانت جن کو موتی اور اولوں کی باڑ کہتے تھے ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کہ دل کانپتا تھا ؀

میں نے اپنی بے ادبی کی جو نادانستہ ہوئی۔ معافی چاہی اور پوچھا کہ تم کون ہو کیا مذہب تھا عالم تھے۔ فقیر تھے۔ دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں۔ ہرچند پوچھا۔ کچھ جواب نہیں ملا۔ پھر میں اُسکو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی بُرائی کا ملے۔ کچھ نہ ملا۔ ایک بڈھا باغبان میری اِن سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو۔ اچھے بُروں کا۔ گیدڑ بھیڑیے کا مرے پر سب کا ایک سا حال ہو جاتا ہے۔ میں سخت متعجب ہوا۔ اور جانسن کی سراب حیات کو یاد کیا کہ پھر اُس نے کیا کہا ؟

میرے دوست نے کہا کہ تمہارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمہارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے۔ تم اس مٹی کے ڈھیر اور سڑنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے۔ جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو اُس میں تھی ہی نہیں ؀

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی۔ اُس نے کہا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیسی تھی۔ بولا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ دیکھائی دیتی تھی۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کہاں گئی۔ کہا معلوم نہیں ؀

اس جواب سوال سے میں اَور بھی متحیر ہوا کہ جس چیز کا کسی طرح پر علم نہیں اُسکی نسبت کہتا ہے کہ تھی۔ بولا کہ خدا نے کہا ہے۔ میں نے کہا سچ "ولکن لیطمئن قلبی" یہ سُنا اور سُنکر خاموش ہو رہا۔ میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی حسرت میں مرا اور وہ شخص

خدا کی عبادت میں مرے - پر سب برابر ہیں - جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی - قومی اعانت - قومی بھلائی ہے - جبکہ ہماری قوم کا دنیا میں یہ حال ہے کہ ذلت وخواری نکبت وجہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مر کر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے - اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے - اُن کا کیا رونا ہے - جیتوں کو روؤ جو مردوں سے بھی بدتر ہیں +

# خود غرضی

## اور

# قومی ہمدردی

پہلا لفظ تو بہت پرانا ہے مدت سے ہم سنتے چلے آئے ہیں مگر یہ پچھلا لفظ شاید چند روز سے پیدا ہوا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکم شوال ۱۲۹۰ نبوی کے بعد اس کی پیدایش ہوئی ہے مگر ضرور ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی اس کی جگہ کوئی اور لفظ بولا جاتا ہوگا +

پچھلے زمانہ پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں جدھر جاؤ ادھر ہزاروں کھنڈرات مسجدوں اور پلوں اور کنوؤں اور مہمان سراؤں کے پاؤ گے ہزاروں لاکھوں روپیہ لگا کر لوگوں نے قوم کے آرام کے لیئے مہمان سرائیں بنوائی تھیں - مسجدیں بنوائی تھیں - کنوئیں کھدوائے تھے - پل بنوائے تھے جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں - سنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے برج سونے کے کام سے مغرق تھے - نرے سنگمرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجدوں کے نام سے مشہور ہوئیں - چینی کی کامدار سراؤں کے دروازے مسجدوں کے گنبد طیار کرائے جو آج تک اُسی آب وتاب سے موجود ہیں - اس سے بھی زیادہ کیسی بڑی بڑی عالی شان خانقاہیں تعمیر کیں - اُن کے بنانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کیئے - دیہات معافی کے جاگیریں دیئے جن کی لاکھوں روپیہ کی آمدنی قومی ہمدردی میں صرف ہوتی تھی - ہاں مدرسہ وغیرہ بنانے کا اُس قدر خیال نہ تھا مگر پھر بھی مدرسے جاری کیئے تھے - جب تاریخ کی کتابوں کی بہت تلاش کرو تو معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کے وقت میں کوئی مدرسہ تھا اور کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا - دلی کے پرانے کھنڈرات میں تلاش کرو تو اکبر کے عہد میں ماہم انگہ کی بنائی ہوئی مسجد اور اُس کے گرد کوٹھریاں پائی جاتی ہیں جس کو لوگ - ماہم انگہ کا مدرسہ مشہور کرتے ہیں - غالباً اُس میں چند اندھے قرآن حفظ

کرتے ہوں گے۔ نہایت مشہور اور پُر رونق شاہجہان کے عہد میں بھی چند لداؤ کی کوٹھڑیاں شاید
پچیس تیس ہوں جامع مسجد کے نیچے بنی ہوئی تھیں جو دار البقا کے نام سے مشہور تھیں اور لوگ
کہتے ہیں کہ شاہجہانی مدرسہ تھا اور غالباً جس قدر ختم ادعیہ مثل ختم خواجگان و ختم بخاری اور ختم
دلایل الخیرات واسطے سلامتی شاہجہان کے ہوتے تھے وہ سب اسی میں ہوتے تھے۔ اس سے
زیادہ مدرسوں کے بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سے طالب علم متفرق مسجدوں میں رہتے
تھے تیل بتی اُن کو مطالعہ کے لیئے ملتی تھی نذر نیاز مُردوں کی فاتحہ سویم چہلم کے بیماروں کے
صدقوں کی بہت روٹیاں مسجدوں کے طالب علموں کو مل جاتی تھیں۔ اس کا نمونہ ہمارے زمانہ
تک بھی موجود تھا۔ فتحپوری اور پنجابی کٹرہ اور کشمیری کٹرہ کی مسجدوں اور شاہ عبد العزیز صاحب کے
مدرسہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں سے بہت سے طالب علم مُردوں کی روٹیاں
کھانے اور فاتحہ درود پڑھنے کو ملتے تھے۔ اَب بھی قومی ہمدردی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ دیکھو اِس
گئے گُذرے زمانہ میں بھی مُسلمانوں نے کیسی ہمّت کی ہے۔ کِس قدر روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد دہلی
کی مرمّت کی ہے۔ دلّی کی پُرانی عیدگاہ کا چبوترہ بڑھایا جاتا ہے اُس کا فرش درست کیا جاتا ہے تاکہ
قوم کو نماز پڑھنے میں نہین کی اُچان نیچان تکلیف نہ دے۔ سہارنپور میں دیکھو کتنی لاکھ روپیہ خرچ کر کر
جامع مسجد نئی بنائی ہے اور پُرانی جامع مسجد کو چھوڑ دیا ہے۔ دیوبند میں دیکھو کیسی عالیشان مسجد بنائی
جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اگلے زمانوں سے بھی زیادہ مدرسے جاری ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو پنجاب
میں کتنے مدارس اسلامیہ جاری ہوئے۔ دہلی میں اسلامی مدرسہ جاری ہوا۔ لکھنؤ میں مدرسہ ایمانیہ
قایم ہوا۔ دیوبند کے مدرسہ کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ افتخار العلماء و فخر الکملا امام اعظم عہد شیخ زمان و
صاحبین نیکو ران مدرس و مہتمم ہیں۔ پھر سہارنپور میں انبیٹھ میں مدارس اسلامی موجود ہیں۔ غرضکہ
بہت سی جگہ مدارس جاری ہیں۔ پھر قومی ہمدردی کے لفظ کو نیا لفظ کہنا صحیح نہیں ہاں شاید یہ
ترکیب لفظی نئی ہو مگر اسی مضمون کا پہلے بھی ضرور کوئی لفظ ہوگا جو ہماری یاد سے جاتا رہا ہے۔ جبکہ
ہم یہ باتیں سُنتے اور خیال کرتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک ہم لوگوں میں قومی ہمدردی
قدیم سے چلی آتی ہے اور اَب بھی بہت پائی جاتی ہے۔ مگر جب زیادہ غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہ
سب دھوکا ہی دھوکا پایا جاتا ہے (قطع نظر اِس بحث کے کہ یہ کام قوم کو مفید ہیں اور قوم کو
اُس کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ اَور چیزوں کی ضرورت ہے) جب اُن لوگوں سے
جنھوں نے یہ کام کیئے اور کر رہے ہیں دل سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ وہ یہ تمام کام اُسں

خیالی جوش میں کر رہے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کے کام میں مصروف ہیں اور ثواب کی گٹھریاں باندھ رہے ہیں۔ مرتے ہی یہ سب کام ہمکو بہشت میں لیجاویں گے اور بہشت میں بڑے بڑے درجے پاویں گے۔ تاج ہمارے سر پر ہوگا اور ایک موتی کا محل جنّت میں ملیگا۔ حوریں تصرف کو ہونگی جن کو ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہوگا۔ پھر اُن کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جتنی چاہو۔ غلمان بھی نہایت خوبصورت معلوم نہیں تصرف یا خدمت کو ملینگے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں ہونگی۔ شراب ہوگی۔ پیئیں گے اور چین کرینگے اور کہا کرینگے کہ حافظ نے کیسا غلط یہ شعر کہا تھا۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنارِ آب رُکنا باد و گلگشتِ مُصلےٰ را

ہم بھی نہایت ادب اور صدق دل سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ خُدا ہمکو بھی نصیب کرے مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ سب کام خود غرضی کے ہیں یا قومی ہمدردی کے۔ کوئی کہے میں تو نمانوں کہ یہ کام قومی ہمدردی کے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسے ہی کام ہیں جیسے کہ ایک رند مشرب دنیا میں انہی عیشوں کے حاصل کرنے کو کرتا ہے۔ اُس میں اور اُن میں اتنا فرق ہے کہ اُنھوں نے نقد کو نسیہ پر چھوڑا ہے اور دوسرے جہان میں اِن عیشوں کے حاصل کرنے کی لالچ سے یہ کام کیئے ہیں غور کرنے کی بات ہے کہ باغبانوں سے اپنے چین کے لیئے مزدوری دیکر باغ لگوانا۔ مزدوروں کو مزدوری دیکر اپنے آرام کے لیئے محل چنوانا۔ کلال کو دام دیکر اپنی عیاشی کے لیئے شراب کھچوانا۔ اور علاوہ اِس کے روپیہ خرچ کر کر سامان عیش اور لذائذ نفسانی کا جمع کرنا کیا قومی ہمدردی گنی جاوے گی۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں۔ یہ تو عین خود غرضی ہے۔ پھر وہ باتیں جو ثواب کے لالچ سے کی جاتی ہیں کیوں قومی ہمدردی گنی جاویں گی۔ اور اگر ہمسے پوچھو ثواب بھی نہیں۔ گدھے کھایا کھیت جس کا پاپ نہ پُن ٭

اسلام کا صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اُسی کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے۔ دیکھو کوئی امر ہجرت سے زیادہ نہ تھا جس کی اُس وقت بڑی ضرورت تھی۔ فتح مکہ کے بعد کچھ بھی نہ تھا جیش اسامہ کی تجہیز کے لیئے جو چار ٹکے کا اسباب ابوبکر صدیق رضہ نے حاضر کیا جسکی ضرورت تھی مگر اب اُس کی برابری کوہ احد کے برابر سونا بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سچا اصول مذہب اسلام کا ہے مگر کوئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا ٭

قوم کی حالت اور اسلام کی حرمت کیسی ہی خراب ہوتی جاوے اُس کے اسباب پر غور کرنے اور اسکے رفع کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہے - اپنے خیالات کے موافق جو اپنے ثواب اور دوسرے جہان میں اپنے چین کرنے کے کام سمجھتے ہیں وہ کرتے ہیں - پھر کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ قومی ہمدردی کے کام ہیں بلکہ ٹھیٹ خود غرضی ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی حاصل نہ ہوگی ؞

# شروع سال

## سنہ ۱۳ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۳ ہجری

عرب میں بزمانہ جاہلیت بہت سے سنہ مروج تھے - اوّلاً سنہ بنائے کعبہ رائج تھا - پھر عمر بن ربیعہ کی ریاست سے سنہ شروع ہوا - اصحاب الفیل کے واقعہ تک وہی سنہ جاری رہا - پھر عام الفیل سے نیا سنہ شمار ہونے لگا - عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنہ رائج تھے - جس قبیلہ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آتا تھا اُسی واقعہ سے نیا سنہ شمار کرنے لگتے تھے - آنحضرت صلعم کے وقت میں کسی سنہ کے مقرر کرنے کا خیال نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک امر تمدن سے متعلق تھا - کوئی مذہبی بات نہ تھی - حضرت عمرؓ کے وقت میں اسکی ضرورت پیش آئی - ابو موسیٰ اشعری حاکم یمن نے لکھا کہ فرمان مورخہ شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا کہ کون سی شعبان کا لکھا ہوا ہے - اسپر خیال ہوا کہ کوئی سنہ مقرر کرنا چاہیئے جو کہ تمام مہاجرین و انصار مدینہ منورہ کے باشندے ہو گئے تھے اور مہاجرین پر ہجرت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں گذرا تھا اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلعم کے تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھکر کوئی واقعہ نہ تھا اس لیئے عرب کی عادت کے موافق ہجرت سے سنہ کا شمار ہونے لگا - درحقیقت یہ سنہ بہ نسبت عام اُمت محمدیہ کے خاص مہاجرین اور انصار سے اور ساکنین مدینہ منورہ سے زیادہ تر تعلق رکھتا تھا - مگر جوں جوں اسلام کو اور حکومت اسلامیہ کو وسعت ہوتی گئی اور دور دور ملکوں میں پھیلتا گیا اسی سنہ کا رواج ہوتا گیا یہانتک کہ اب یہی سنہ مسلمانی سنہ تصور کیا جاتا ہے ؞

ایک زمانہ کے بعد ملکی انتظام کے لیئے یہ سنہ مناسب نہ معلوم ہوا اور جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں آئی تو کسی طرح ملکی انتظام ان مہینوں سے نہ ہو سکا - اکبر کے عہد سے پہلے بعقدر مسلمان

گذرے اُنھوں نے سنہ تو وہی قایم رکھا مگر مُلکی سنہ کو دو ہجری سنوں سے ترکیب دیکر بنایا اور نصف مہینہ ایک سنہ کے اور نصف مہینہ دوسرے سنہ کے لیکر ایک برس قایم کیا اور کاغذات مُلکی میں اس طرح پر تحریر ہونیلگا۔ مثلاً خریف ۱۲۹۱/۹۲ ہجری و ربیع ۱۲۹۲/۹۳ ہجری ٭

یہ کارروائی بھی مُلکی انتظام کے لیئے کافی نہ تھی اس لیئے کہ ہجری سنہ کے مہینہ قمری تھے اور مُلکی پیداوار شمسی مہینوں پر موقوف تھی۔ قمری سال میں دن کم تھے اور شمسی سال میں دن زیادہ تھے اور ماہ محرم جو ہجری سال کا پہلا مہینہ تھا کبھی ربیع میں آجاتا اور کبھی خریف میں اس لیئے اکبر کے عہد میں یہ کارروائی ہوئی کہ سنہ تو وُہی ہجری قایم رکھا مگر اُس کے مہینہ بجائے عربی کے جو قمری تھے ہندی قمری کردیئے جو تیسرے سال کبیسہ یعنی لوند کا مہینہ بڑھنے سے شمسی ہوجاتے تھے اور اُس کا فصلی سنہ نام رکھدیا۔ اور مُلکوں میں بھی اسی طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی اُمور میں بجنسہٖ وُہی سنہ اور وُہی مہینے قایم رہے ٭

ادنے غور سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے۔ صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہوں گے اور ذیحجہ میں حج کرنا ہوگا۔ اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذیحجہ ہے ٭

پس ہجری سنوں سے بجز اس کے کہ زمانہ کا شمار قایم کیا جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہے۔ جبکہ ثابت ہوا کہ ہماری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہمکو نہایت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اُس وقت سے جبکہ آنحضرت صلعم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا۔ اور جبریل امین نے خدا کی طرف سے کہا "اقرا باسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق اقرا وربك الاكرم الذي علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم" ٭

اگر اس خیال پر ہم زمانہ کا شمار قایم کرنا چاہیں تو اول ہمکو یہ تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ بعثت عظمیٰ کب سے شروع ہوئی اور کس مہینہ سے اُس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہمکو قرآن مجید سے اس کا صاف پتہ ملتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے "شهر رمضان الذي انزل فيها القرآن" یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناه في ليلة القدر" [ہم] نے قرآن کو نازل کیا شب قدر میں ٭ ان دونوں آیتوں سے دو باتیں معین ہوگئیں۔ ایک [ر]مضان میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس رات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدر

اُس کا نام پڑا وہ شب رمضان میں تھی۔ پس اگر تحقیق ہو جاوے کہ شب قدر کب تھی یعنی شب نزول قرآن کب تھی تو شروع سال نبوی کی بھی تحقیق ہو جاویگا *

شب قدر کی نسبت جو روایتیں کتب احادیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں۔ اوّل اِسبات میں بحث ہے کہ شب قدر ایک دفعہ ہو چکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کر آتی ہے۔ اہل سُنت وجماعت وشیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کر آتی ہے اور سُنی وشیعہ امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظایف پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر ہماری بدبختی سے ہمکو تو نہیں ملی *

قسطلانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر صرف ایک ہی برس جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ہم اتنا اَور اِس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح ودرست سمجھتے ہیں *

وحكي الفاكهاني انها خاصة بسنة واحدة وقعت في زمنه عليه السلام

(قسطلاني جلد ۳ صفحہ ۳۴۷)

خیر اِس بحث کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی توجہ کرنی چاہیئے تمام روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ تو بخوبی نکل آتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ شب اخیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ مہینہ اُنتیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اِس اختلاف سے ہمارے مقصد میں کچھ ہرج نہیں پڑتا کیونکہ جب مذہبی امور کا انجام قمری مہینہ پر ہے جو چاند دکھلائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند دکھائی دیگا وُہی شروع سال ہوگا مگر ہم شب اخیر رمضان کو شب قدر سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روز عید للمومنین کو شروع سال نبوی *

ہجرت واقع ہوئی تھی ربیع الاوّل سنہ ۱۳ نبوی میں یعنی نبوت سے بارہ برس پانچ مہینے بعد مگر تاریخ ہجری دو مہینے قبل سے شروع ہوتی ہے پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تھا یکم محرم سنہ ۱۳ نبوی کے۔ اور یکم شوال سنہ ۱۴ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری کے جس روز ہم نے تہذیب الاخلاق جاری کیا *

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا تہذیب الاخلاق سال نبوی کے حساب سے جاری رہے

اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانہ میں نسبت اجرائے پرچہ تہذیب الاخلاق کے اپنے ایک مقدس سر گھٹے مُنڈے کھلے ماتھے پر گٹہ پڑے دوست کے دست بیع ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے نہ مانا اور کہا اجی حضرت یہ بھی کوئی بات ہے جو سنہ صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع اُمت ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیئے نئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لاچار ہمارا کچھ بس نہ چلا اور اُنہوں نے تہذیب الاخلاق کی جلدوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ پہلی جلد صرف تین مہینے کی رہ گئی۔ ہم بھی وقت تنگ رہے تھے۔ اب کہ تمام امور پرچہ تہذیب الاخلاق کے ہمارے ہاتھ میں ہیں اس لیئے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے ہیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ہیں ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان سنہ ۱۳۰۱ نبوی مطابق ۱۵ رمضان سنہ ۱۲۸۸ ہجری ایک جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۸ ہجری سے لغایت ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۳۰۲ نبوی مطابق ۱۵۔ رمضان سنہ ۱۲۸۹ ہجری دوسری جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۸۹ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۰ ہجری تیسری جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۰ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۱ ہجری چوتھی جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۱ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۲ ہجری پانچویں جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۲ ہجری سے لغایت یکم رمضان سنہ ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم رمضان سنہ ۱۲۹۳ ہجری چھٹی جلد پوری ہوئی ❊

یکم شوال سنہ ۱۳۰۷ نبوی مطابق یکم شوال سنہ ۱۲۹۳ ہجری سے یہ ساتویں جلد شروع ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ بخیر و خوبی انجام پاوے اور اُس کے ذریعہ سے حقیقت دین محمدی و اسرار دین احمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے دلوں پر نقش ہوں اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ہو۔ آمین ❊

---

# سُلطان

## جدید روم بھی ہندوستان کے مقدّسوں کے نزدیک

### بحکم حدیث

## من تشبہ بقوم فھو منھم

## کافر نکلے

اب تو مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ نئے سلطان عبدالحمید خاں خلداللہ ملکہم بھی من تشبہ کی لپیٹ میں آہی گئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آن بنی ہے۔ آج عید کا دن ہے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جسکو خدا بہت ہی عیدیں نصیب کرے) وہ تو من تشبہ بقوم کی جھپیٹ میں آگیا۔ اور نعوذباللہ کافر ہوگیا ؟

مدراس کا شمس الاخبار مطبوعہ ۹ م۔ شعبان ۱۲۹۳ھ ہجری لکھتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو ۱۸۶۷ء میں اُن کے باپ (چچا) پیرس (دارالخلافہ فرانس) میں واسطے دکھلانے نمایشگاہ کے لائے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نمایش گاہ نے عبدالحمید خاں کی آنکھیں کھول دیں۔ اُن کو کمال شوق فرانس کی زبان سے پیدا ہوا اور اُنھوں نے وہ زبان سیکھی اور اُن کو یورپین قواعد اور لباس بھی نہایت پسند ہوا۔ لہذا اُس زمانہ سے اور ابتک اُن کا ویسا ہی برتاؤ ہے یعنی یورپین پوشاک پہنتے ہیں اور یورپین قاعدوں کا برتاؤ کرتے ہیں * * اور اشیاء منشی سے اُن کو کچھ شوق نہیں (جو ہمارے نزدیک ایک معزز تمغہ مسلمانوں کا ہے) * * * اُن کی بی بی بھی ایک ہی ہے جس کے ساتھ یہ ایک عمدگی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (جو ہمارے نزدیک ٹھیک سچا مسلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے)

کیا دارالاسلام کے شیخ الاسلام بھی کافر ہوگئے ہیں جو کالا بوٹ اور بٹن لگی پتلون اور انگریزی یا فرانسیسی کوٹ اور لال پھندنے دار ٹوپی پہننے والے میز کرسی پر بیٹھنے والے چھری کانٹے سے کھانیوالے کو امیر المومنین اور سلطان حرمین شریفین بنایا ہے یا اب مکہ معظمہ میں بھی کوٹ پتلون اور پھندنے دار لال ٹوپی پہننے والوں کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ خدا ہمچنیں کند، چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار !!! +

# مبارک باد عید

السّلام علیکم و علیکم السّلام ۔ حضرت مبارک باشد، دل تو لیجیے۔ معانقہ تو فرمائیے، آئیے آئیے تشریف رکھیے۔ دل ملے ہوئے ہیں۔ معانقہ کیا ہے، کیا آپ معانقہ عید کو جائز نہیں سمجھتے؟ جناب میں کوئی مولوی مُلّاں، مفتی تو ہوں نہیں کہ جائز ناجائز سے بحث کروں۔ اس جھگڑے کو جانے دیجیے۔ بیٹھئے مزے مزے کی دل خوش کُن باتیں کیجیے، نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصفیہ کر لیجیے کہ عید کا معانقہ جائز و مستحب ہے یا نہیں، حضرت میری رائے جب آپ سُنینگے تو چونکینگے اور متعجب ہونگے اور فرماوینگے کہ یہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجیے کہ جائز و ناجائز مستحب و غیر مستحب یہ سب قسمیں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معانقہ کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے جس پر جائز یا ناجائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ اگر اس پر بحث ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ آیا یہ طرز معاشرت قابل پسند اور مہذب ہے یا نہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ جب تک قوم کے خیالات نہیں بدلتے اور تعصب دور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو رسمیں اُس قوم کی ہیں گو وہ کیسی ہی نامہذب ہوں مہذب ہی معلوم ہوتے ہیں، اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس سے اُس رسم کا مہذب یا نامہذب ہونا ناپ لیا جاوے۔ اگر کوئی پیمانہ اس کے لیے ہو سکتا ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے، گو یہ مثل مشہور ہے کہ "لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے مگر خوبصورتی بھی درحقیقت کوئی شئے ہے جو فی الواقع حسن ہے۔ اُس کے تصفیہ کا پیمانہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے علم مصوری میں کمال بہم پہونچایا ہے اور انسان کے اعضا اور چہرہ کی مناسبتوں پر کامل غور کی ہے اُس کے لیے اصول اور مقادیر قایم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیے ہیں

وجس نقشہ کو خوبصورت بتادیں وہ خوبصورت ہے جسکو بدصورت بتائیں وہ بدصورت ہے گو کہ حبشی اپنے کالے چکول رنگ اور ناک کے کناروں سے موٹے ہونٹ اور پستہ کی سی چھوٹی زرد آنکھوں کو خوبصورت سمجھا کریں، اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے تمام دنیا کے علوم وفنون کے نتایج کے مجموعہ کا، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا بُرے ہونے کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے تو اُسی قوم کی معاشرت سے ہو سکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم وفنون اعلےٰ درجہ کی ترقی پر ہوں *

یہ پیمانہ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ پیمانہ مصریوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا چند روز مسلمانوں کے گھر میں رہا اب اُن لوگوں کے گھر میں ہے جو ہر قسم کے علوم وفنون میں ترقی کیئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت کے حسن وقبح کا فیصلہ فرمالیویں۔ کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً معانقہ ہی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ تو دو سانپوں کا سا گتھنا یا دو کھڑے نیولوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) مَیں پسند نہیں کرتا کیونکہ ہر ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے مگر جب ہمارے پاس بجز اُس پیمانہ کے جو مذکور ہوا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہمکو اُسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری ہے جو اُس پیمانہ کے مطابق ہے *

یہ بات کہ ہر ایک مُلک کے لیئے حسن معاشرت جُداگانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط خیال ہے۔ معاشرت بشرطیکہ اُس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرو تو ایک امر حقیقی ہے امر نسبتی نہیں ہے۔ پس وہ کسی مُلک میں مختلف نہیں ہو سکتا گو کہ اُس کے حصول کے ذریعے مختلف ہوں اسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں مُلک کی ہے ہمارے مُلک کی نہیں۔ اگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شئے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا اور ایک جگہ بُرا ہونا لازم آتا ہے۔ دیکھیئے دیکھیئے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجیئے گا پہلے اُس کے معنی خوب سمجھ لیجیئے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیئے *

بہت اچھا آپ معانقہ نہ کیجیئے مصافحہ تو کیجیئے یہ تو سُنت ہے۔ دیکھیئے پھر آپ نے دو بھاسی بات کہی۔ اگر لفظ سُنت سے آپ کی مُراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے۔ اور اس لیئے یہ سنت عادی یا رسم

ملک عرب کی ہے تو تو میں اسکو تسلیم کرتا ہوں اور اگر آپ نے اُس کو کسی مذہبی خیال سے سُنّت فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اُس کو حسن معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لیئے مَیں ہاتھ نہیں بڑھاتا آپ مہربانی سے معاف فرماویں ؎

خیر صاحب اس کو جانے دیجیئے۔ آپ تو جھاڑ ہو کر اولجھ گئے۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی ؟ مسکرائے ! اور کہا کہ حضرت مَیں تو کہیں نہیں گیا۔ دلّی میں جب تھا جب بھی کچھ التزام نہ تھا۔ کبھی عیدگاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوص اللہ مرحوم کے سبب سے قاضی واڑہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا۔ غدر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں ؎

آپ کہاں تشریف لے گئے تھے ؟ جناب مَیں تو عیدگاہ میں گیا تھا جب تک مَیں نجاتا نماز کیسے ہوتی۔ امام کو گیارہ روپیہ اور دوشالہ۔ متولّی کو سات روپیہ اور پگڑی۔ مؤذّن کو پانچ روپیہ اور دوپٹہ کون دیتا۔ مَیں تو گیارہ ہی بجے چلا گیا تھا۔ اگر مَیں شام تک نجاتا تو نماز نہ ہوتی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اِس قصبہ کا مَیں ہی رئیس گنا جاتا ہوں۔ جب مَیں امام کو پگڑی باندھ لیتا ہوں تب اَور ہمہ شمہ پگڑیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ امام کو متولّی کو مؤذّن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مِل جاتا ہے ؎

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کماتے !

بھلا صاحب۔ وہاں اَور کیا کیا ہوا۔ حضرت بڑا اژدحام خلایق کا تھا۔ تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھ کو جانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ دھوپ میں ذرا تیزی آ گئی تھی۔ عیدگاہ میں پورا فرش تو ہے نہیں۔ لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ مصلّے خریدیں۔ ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ میں بھی بلا کی تیزی تھی۔ گرد بھی اُٹھنی شروع ہو گئی تھی۔ اُس وقت میرا پہونچنا لوگوں کو غنیمت ہو گیا۔ معلوم نہیں اتنے آدمی کہاں سے اُمنڈ آئے تھے ؎

حضرت اُن میں ہندو بھی تو بہت ہوں گے۔ واہ کیا آپ کا بھی ذہن سا ہے۔ ماشاء اللہ عید کی نمازیں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہوں گے۔ اے جناب سب مسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی کثرت تھی ہاں دو چار نوجوان ہندو بھی نہایت عُمدہ گھوڑوں پر سنہری روپہلی ساز لگائے ہوئے کارچوبی غاشیے گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عُمدہ و نفیس کپڑے پہنے زمرّد و یاقوت

اور موتیوں کی مالائیں اور کنٹھے گلے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سُرخ رنگ اور طلائی تار کا چیرہ باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔ دو چار رینگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے۔ سیاہ نفیس دو اشرفی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دفلیا ٹوپی ہاتھ میں خوبصورت پتلی سی پھوندنا پڑی چھتری لیئے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھکر مُسکراتے پڑے پھرتے تھے ۔

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میلا تھا۔ آپ نے خوب سیر کی۔ ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے کا تماشا دیکھا۔ آپ کا دل بہت خوش ہوا ہوگا۔ آہ۔ ایک ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔ اور کہا کہ ہاں صاحب ثواب تو ہوا خدا تیسوں روزے اور دونوں دوگانیں اور فطرہ کے گیہوں اور آنے جانے کی ڈگیں سب قبول کرے مگر دِل تو خوش نہیں ہوا ۔

کیوں خیر باشد۔ کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھائی۔ خطبہ اچھا نہیں پڑھا۔ نہیں صاحب یہ تو کچھ بات نہیں۔ امام کمبخت تو ہمیشہ کا بدآواز ہے۔ جاہل الحمد بھی تو صحیح نہیں پڑھتا نماز پڑھاتے میں اِدھر اُدھر کن آنکھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لائے ہیں میرے خدمتگار کو تکتا جاتا ہے کہ دوشالہ بھی آگیا یا نہیں۔ خطبہ وہ نہیں پڑھتا ستولی صاحب پڑھتے ہیں۔ وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں۔ دُور تک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی اونچی کبھی نیچی۔ کبھی موٹی اور کبھی پتلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ توبہ توبہ خدا معاف کرے کبھی راگ رس خان آلاپتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز ہوتی تھی ویسا ہی سا معلوم ہوتا تھا ۔

ارے میاں توبہ کرو توبہ کرو خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز روزہ کے احکام۔ علم و اخلاق کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ جناب خدا کسوں کچھ جو سمجھ میں آتا ہو لوگ کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں پڑھنا ثواب بتاتے تھے۔ مَیں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا لوگوں نے کہا چُپ چُپ گُناہ ہوتا ہے۔ مَیں چپ ہو رہا اور متعجب ہوا کہ کہوں سچی بات اور ہووے گناہ۔ ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ۔ مگر جناب مسئلہ کی بات میں کون دم مارے جو بولے وُہی کافر ہو ۔

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا؟ ارے میاں وہاں ہزاروں مسلمان تھے مگر ایک سے ایک

بدترحالت میں ہے آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے۔ ہر ایک مسلمان اپنے مقدور بھر اچھے سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسنہاری بھی دو دو کوڑی جمع کر کر عید کے لیئے اپنے بچے کو نیا جوڑا بنا دیتی ہے لیکن اگر تم جاتے اور مسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو اُنکی تباہی کا حال جانتے۔ میاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی۔ کسی کے گلے میں بجز گزی اور ادھوتر کے اَور کچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اوجلے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے انگرکھے میں پیوند لگے ہوئے تھے اگر کسی کے گلے میں گزی کا نیا انگا تھا تو یقین جانیئے کہ پورانا پیجامہ تھا جس میں چھلنی کے سے چھید تھے۔ جوتے تو کسی کے پانوں میں ثابوت نہ تھے۔ بہتوں نے رسّی یا چیتھڑے سے باندھ لیئے تھے کیونکہ پانوں سے نکل نکل جاتے تھے۔ بھلا بڑے بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچّوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا کھلونوں کے لینے کا بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچے کا یکساں لباس نہ تھا۔ اگر سر پر چھوٹے گوٹے کی ٹوپی ہے تو پانوں میں جوتہ نہیں۔ پیجامہ نیا ہے تو انگا پرانا ہے۔ رنگ لاٹ کا پیجامہ اور دھوتر کا انگرکھا نینوں کا انگا اور گزی کا پیجامہ ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت افلاس اور مصیبت برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک غمگین۔ روتی صورت۔ بسورتی شکل۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی۔ پیادہ پا چلنے سے پسینہ میں شور بور۔ نہایت پریشان و متفکر نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چمڑا چربی بیچتے ہیں اور چند مُلانے جو وعظ کہہ کہہ کر لوگوں کا مال مارتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدور اور وکیل جو انگریزوں کے صدقے سے روٹی کماتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاں تین چار مسلمان جو گھوڑوں کے آگے دوڑتے جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو معلوم ہوا کہ لالا رچھپال کے بیٹے سیر کو آئے ہیں اُن کے سائیس ہیں۔ اُنھوں نے عید سے پہلے کہا تھا کہ مہاراج ہمارا تہوار ہے اگر تنخواہ پیشگی مل جاوے تو بڑی پرورش ہوگی۔ مہاراج نے رو کڑیئے کو کہا تھا کہ یہ مسلا تہوار تہوار پکار رہا ہے آنہ روپیہ بیاج کا کاٹ کر اس مسلے کو پیشگی تنخواہ دیدو سن بے اگر تو دوسرے ظلمی تہوار کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لوں گا۔ میں نے سنا ہے کہ دلّی کے ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہرا لیا ہے کہ گھوڑوں پر تمام مسلمان سائیس رکھے جاویں +

عیدگاہ کے باہر جو میں نکلا تو ایک غول بھیک منگوں کا نظر پڑا جو دو دو کوڑی مانگتے تھے

اور پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ بیسیوں مُسلمان سڑک پر کپڑا بچھائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ خیرات دیتے جاؤ تیسوں روزے قبول۔ ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور اُن میں بیسیوں بُرقعہ اوڑھے ہوئے چلا رہی تھیں کہ اے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ بی بی کا دانہ کھانیوالی ہیں۔ اشراف گھرانے کی ہیں۔ ہم پر مصیبت پڑی ہے۔ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ خاتونِ جنّت کا صدقہ کچھ دیتا جا۔ جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوتی +

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس کافر زندیق سید احمد کی جو علیگڈھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آ گئی۔ بھائی خدا مارے یا چھوڑے۔ وہ مُسلمان ہو یا کرسٹان۔ مگر کہتا سب سچ ہے۔ میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ میرا تو کئی دفعہ دل چاہا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مُسلمانوں کی قومی ترقی کے لیئے کر رہا ہے مدد کروں۔ مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النّبیین پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجّال ہے۔ میرے دل سے پوچھو تو ایسے نبیوں سے تو دجّال ہی بہتر ہے +

اجی یہ آٹھویں خاتم النّبیین کیسے؟ آپ نے نہیں سُنا کہ مولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النّبیین تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آنی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں +

حضرت آپ اتنے کیوں رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے اپنے مُسلمان بزرگوں کی اور واعظ مولویوں کی نصیحتیں نہیں سُنیں وہ کہتے ہیں کہ مُسلمان اسی لیئے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں۔ آپ نے سُنا ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیئے دوزخ ہے اور کافروں کے لیئے بہشت۔ پس جس قدر مُسلمان مفلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُتنی ہی خوشی کی بات ہے کہ اَب پورے مُسلمان ہوئے +

یہ سُن کر بہت خفا ہوئے اور درشتی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے؟ حضرت مولوی۔ خفا ہو کر بولے کہ جھوٹے ہیں۔ تمام دھنے جولاہوں قصابوں سے نذریں لے لیکر مال مارتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ چار چار جوروئیں کرتے ہیں۔ اُن کے لیئے گہنے پر گہنا بناتے ہیں مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ قورمہ خیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ

مسلمانوں کے لیئے دنیا دوزخ ہے - جھوٹے مکار یقولون مالا تفعلون - مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے - جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یوں ہی رہتا ہے - یہاں تو دن عید و رات شب برات رہتی ہے ٭

کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیئے خوشی کا دن نہیں ہے ؟ جناب کیوں نہیں مگر جس طرح آپ سمجھتے ہیں اُس طرح نہیں ٭

یہ اَور ہوتی ہے - ہم کس طرح سمجھتے ہیں ؟ حضرت آپ تو عید کو یہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تشریف لیگئے - خدا خدا کر کر تیسوں روزے پورے ہوئے - دن کو نہ حقہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے - سستی سے جان تنگ تھی - کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا - جمائیوں پر جمائیاں آتی تھیں - اللہ پاؤں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا - خدا خدا کر کر وہ دن کٹے لو اب عید کرو ٭

جو حضرات مقدس و خدا پرست ہیں انھوں نے ماہ مبارک کو غنیمت سمجھا تھا - دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے - شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے ملے یا نہ ملے دوگانہ پر دوگانہ پڑھکر ایک ایک کے ستر ستر گنتے تھے - ثواب کی گٹھڑیاں باندھ باندھکر رکھتے جاتے تھے جیسے کہ تجارت کے موسم میں سوداگر اپنا مال بیچکر دو گنے چوگنے کما لیتا ہے - جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو نچنت ہو لیئے اور عید منائی - سارے دن کہیں فطرہ کے گیہوں بٹ رہے ہیں کہیں اُس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے کہیں سوّیاں بٹ رہی ہیں - پیروں کو - مولویوں کو - واعظوں کو نذریں دی جاتی ہیں - یہ تو آپ کی عید ہے - ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا - اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے - اسی طرح چاند دیکھکر روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی - پس آپ کی عیدیں اور زمانہ جاہلیت کی عیدیں حضیر معاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا ٭

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے ؟ طرح کیا میاں سورج نکلا یکم شوال آئی عید ہوئی بھلا اپنا خیال تو بتلائیے کہ عید کیا ہے ؟ میاں یکم شوال کا نام عید ہے - اجی حضرت آپ نے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے ؟ ہاں آپ یہ پوچھتے ہیں - جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اُس نے خدا کے حکم کی اطاعت کی - رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں - ہاں اگر ہم کو یہ خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ

میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ تمام دنیا کے لیئے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے۔ مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اُتارا ہے۔ ایک خدا کو مانو اور اُسی پر ایمان لاؤ۔ خدا کے سوا کسی کو مت پوجو تو بلا شبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے۔ اُسکی یادگاری میں ہمکو خدا کا شکر کرنا اور اپنا نیاز بذریعہ دوگانہ نماز کے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے۔ مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہاں تک جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا۔ اب ہمکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ کا جس نے اُس پیغمبر رحمۃ للعالمین کی بات کو مانا تھا کیا حال رہا۔ اُس کی امانت کو اُنھوں نے کس طرح برتا۔ اُس کے مقاصد کو کس طرح پورا کیا۔ رحمت اور شفقت اور محبت۔ سچائی۔ نیکی۔ خدا ترسی۔ ہمدردی۔ قومی ہمدردی۔ رحم۔ کرم۔ صبر۔ تحمل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی۔ تہذیب و شایستگی میں کس طرح اُنھوں نے قدم بڑھایا۔ علوم و فنون میں جو سب سے اعلےٰ ذریعہ قدرت کاملہ صانع حقیقی پر یقین کرنے کا ہے کیا ترقی کی۔ اُنھوں نے اپنی حالت۔ اپنی عادت اپنی عبادت سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بنا کر دکھائی۔ اگر اس طرح پر گذشتہ سال کا ریویو کرنے سے قوم کی حالت اچھی معلوم ہو تو عید کا دن خوشی کا دن ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے ؛

ظاہری حالت قوم کی جو تھی وہ تو خود آپ نے ہی بتا دی۔ اگر باطنی حالت قوم کی پوچھیے تو شیطان بھی پناہ مانگیگا۔ کینہ و نخوت اپنے تقدس و بزرگی و خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا پائیے گا۔ اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھرو تو بجز مقدسین کے جُبّہ و دستار مبارک کے اور کہیں پتہ نہیں ملیگا۔ اُن سے اُتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب و افترا۔ دغا و نفاق میں بھرا پائیے گا۔ ہم بچارے دنیا کے کتوں۔ کافر۔ مرتد۔ دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ پس جبکہ یہ حالت ہے تو عید کے دن کو خوشی کیسی۔ ہر ایک کو جو خدا اور اُس کے رسول کو اور اُس کی اُمت کو دوست رکھتا ہے اپنے اپنے گھر میں بیٹھکر رونا چاہیئے۔ خوشی منانا کیسی ؛

یہ سُن کر میرے خیالی دوست آنسو بھر لائے اور کہا کہ میاں تم کہتے تو سچ ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ والسلام ؛

# ایک تدبیر

## یتیم اور لاوارث بچّوں کی پرورش کی

ہندوستان میں قحط کی بلا اکثر آتی ہے اور خصوصاً اس بلا میں اور نیز دیگر واقعات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے صغیر السن بچّے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کی پرورش کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کوئی ایسی تدبیر نہیں کرسکتی نہ ایسا خرچ اختیار کرسکتی ہے جس کے ذریعہ سے اُن کی پرورش اور نیز اُن کی تعلیم ہو اور اس لیئے گورنمنٹ ایسے یتیم لاوارث بچّوں کو اُن لوگوں کے سپرد کردیتی ہے جو اُن دونوں باتوں یعنی اُن کی پرورش اور اُن کی تعلیم ضروری کے ذمہ دار ہوں ٭

پادری صاحبان جو ہمارے مُلک میں ہر جگہ موجود ہیں اور عیسائی قومیں اپنے مذہب کی ترقی کے لیئے لاکھا روپیہ چندہ کرکر اُن کو دیتی ہیں۔ اُن کو ایسے یتیم ولاوارث بچّوں کے عیسائی بنا لینے کا خوب موقع ملتا ہے اور وہ اُن کی پرورش اور تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور لیجاتے ہیں۔ اور فی الفور اُس معصوم بچّے کو اصطباغ دیکر عیسائی بنا لیتے ہیں اور اب بسبب حادثات پے درپے کے اس امر ناواجب اور نامناسب کی ایسی کثرت ہوگئی ہے کہ قحط کے یتیم اور لاوارث عیسائی کیئے ہوئے بچّوں سے گانوں کے گانوں آباد ہوگئے ہیں ٭

اگر جوان عاقل و بالغ آدمی کسی مذہب کا عیسائی ہوجاوے یا مسلمان ہوجاوے تو کوئی الزام یا افسوس کی بات نہیں ہے مگر صغیر السن یتیم لاوارث بچّوں کو ایسی مصیبت وصغر کی حالت میں عیسائی کرلینا جس کے سبب سے وہ اپنی تمام قوم و برادری اور رشتہ مندوں سے شامل ہونے کے منقطع ہوجاتے ہیں اور تمام عمر کے لیئے اُس خوشی سے جو اپنی قوم میں شامل رہنے سے ہوتی ہے مجبوراً بلا اپنی مرضی کے محروم ہوجاتے ہیں نہایت افسوس اور نہایت نفرت کے لائق بات ہے اور رحم اور انسانیت اور نیکی اور نیک دلی سے نہایت بعید ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہرگز یتیم بچّوں پر رحم نہیں کرتے بلکہ خود غرض متصور ہوتے ہیں اور درحقیقت اُن یتیم بچّوں پر اُن کی بیکسی کی حالت میں ظلم کرتے ہیں جو بغیر اُن کی مرضی جائز کے اُن کو ہمیشہ کے لیئے اُن کی قوم سے منقطع کردیتا ہے ٭

جو شخص رحمدل ہوگا اور یتیم بچوں پر بغیر کسی نفسانی خواہش کے صرف اس وجہ سے رحم کرتا ہوگا کہ بمقتضائے انسانیت اُن پر رحم واجب ہے وہ ایسے فعل کو جیسا کہ اب ہو رہا ہے اور جس پر پادری صاحبوں کا عملدرآمد ہے اور جس کا ظہور ایک نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ مدراس کے قحط میں پادری صاحبوں کی جانب سے ہوا ہے جو اخباروں میں مندرج ہے نہایت بیرحمی تصور کرتا ہوگا اور جو لوگ ہر ایک کام کو بہ نظر ثواب عقبیٰ کیا کرتے ہیں وہ بھی اِس بات کو نہایت ناپسند کرتے ہونگے کیونکہ کوئی مُسلمان یا ہندو اِس بات سے خوش نہ ہوگا کہ یتیم لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ایسی بیرحمی سے عیسائی بنائے جاویں۔ پس مَیں نہایت عجز و انکسار اور دلی جوش حب وطنی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے رام جی کے واسطے اپنی قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں پر رحم کرو اور اُن کی پرورش کے لیئے اُن تدبیروں میں میرے ساتھ شریک ہو جو مدّت ہائے دراز سے میں نے سوچی ہیں اور جن کے پورا کرنے کی میری کمال آرزو ہے اور وہ تدبیریں حسب مندرجہ ذیل ہیں ؛

۱ - ضلع علیگڈھ میں جس کی آب وہوا نہایت عُمدہ ہے کسی مقام پر جو شہر سے فاصلہ پر ہو اور کسی قصبہ یا گانوں کے قریب ہو زمین لیجاوے اور وہاں مکانات مناسب یتیم بچوں کے رکھنے اور پرورش پانے کے لیئے بنائے جاویں ؛

۲ - ہندو اور مُسلمان دونوں اِس کام میں شریک ہوں اور ہر قوم کے یتیم و لاوارث بچوں کے پرورش پانے کے لیئے وہ مکان متصور ہو ؛

۳ - یتیم بچے جو اس میں پرورش پاویں وہ ایسی تدبیر سے پرورش پاویں کہ کسی بچے کی ذات میں اور کسی بچے کے مذہب میں جو اُس کے ماں باپ کا ہو ذرا فرق نہ آنے پاوے مسلمان بچوں کی پرورش کے لیئے مُسلمان مرد عورتیں مقرر ہوں اور ہندو مذہب کے بچوں کی پرورش کے لیئے بلحاظ اُن کی ذات و مذہب کے برہمن وغیرہ مقرر ہوں ؛

۴ - اُسی مقام پر جہاں وہ بچے پرورش پاویں ایک مکتب ہو جس میں اردو ہندی کی ضروری تعلیم لڑکوں کو دی جاوے اور اُسی مقام پر کچھ کام سکھلانے کا مثل دری بافی۔ قالین بافی یا نجاری لوہاری وغیرہ پیشوں کا کارخانہ ہو اور وہ لڑکے اُس کارخانہ میں کوئی پیشہ سیکھ لیں اور جب وہ جوان ایک حد معین تک پہونچ جاویں اور خود اپنے لیئے آپ کمانے کے لائق ہو جاویں جب وہاں سے خارج کیئے جاویں ؛

۵ - اسی طرح اور اسی قاعدہ پر یتیم لڑکیوں کی بھی پرورش و تعلیم و تربیت ایک جدا مکان میں جو اسی جگہ ہو کیجاوے - لڑکیاں جب جوان ہو جاویں تو وہ دفعتاً خارج نہ کردی جاویں بلکہ اُن کے نکاح بیاہ شادی کی کوئی تدبیر کردی جاوے تاکہ نیکی اور نیک بختی سے وہ اپنی زندگی بسر کریں *

۶ - اِس کام کے لیئے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوں اور اسی کمیٹی کے ذریعہ سے اُن سب چیزوں کا انتظام اور عملدرآمد کیا جاوے *

۷ - تمام لوگ ہندو و مسلمان اِس کام کے لیئے چندہ دیں اور جو ذی مقدور ہیں وہ کچھ مہینہ مقرر کردیں - جو زمیندار و تعلقدار ہیں وہ غلّہ سے - لکڑی سے - برتنوں سے ہمیشہ اِس یتیم خانہ کی مدد کیا کریں اور یہ یتیم خانہ ایسا مستحکم اور مستقل ہو جاوے جس کے قیام پر بخوبی بھروسا ہو اور ہم گورنمنٹ کو بتلا سکیں اور کہہ سکیں کہ اس کے قیام کی تدبیریں ایسی مستحکم ہو گئی ہیں جن کے قایم رہنے اور بخوبی چلنے میں کچھ شُبہ نہیں ہے *

۸ - اگر یہ تدبیر جیسا کہ مَیں نے کہا کامل ہو جاوے تو اُس وقت گورنمنٹ کے سامنے نہایت ادب اور عاجزی سے درخواست پیش کیجاویگی کہ ہماری کمیٹی یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش کو موافق اُن کی ذات و مذہب کے موجود ہے آیندہ سے جو یتیم و لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ہوں وہ اس کمیٹی کے سپرد کیئے جاویں اور پادری صاحبوں کو اُن کی سپردگی جو صرف بغرض اُنکے عیسائی بنالینے کے لیتے ہیں نہ حقیقتاً یتیموں پر رحم کرنیکو بند ہو جاوے *

۹ - مَیں نہایت اعتماد اور نہایت بھروسہ اور اپنے یقین کامل سے جو مجھکو گورنمنٹ کے عدل و انصاف پر ہے اور اس یقین کامل سے کہ گورنمنٹ کی مرضی کسی قسم کی مداخلت مذہبی کی نہیں ہے اور اس امر کے یقین سے کہ بہ مجبوری یتیم بچے پادریوں کے سپرد ہوتے ہیں گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ وہ یتیم بچے عیسائی بنائے جاویں مَیں یقین رکھتا ہوں کہ فی الفور گورنمنٹ اِس درخواست کو منظور کریگی اور پادریوں کو یتیم بچوں کا سپرد ہونا قطعاً بند کردیگی بشرطیکہ ہم درستی سے اُن کی پرورش کا سامان مہیا کرلیں *

۱۰ - مَیں دوبارہ اپنے ہموطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ درخواست کے منظور ہونے میں کچھ شُبہ نہیں ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس امر کی پیروی میں جہاں تک ذاتی پیروی درکار ہے مَیں کروں گا - مَیں یہاں تک اقرار کرتا ہوں کہ اِس درخواست کو ملکہ معظمہ انگلستان و قیصرِ ہندوستان کے

پایۂ تخت پر رکھنے کی ضرورت ہو تو میں خود لنڈن جاکر حضور ممدوح کے پایۂ تخت پر رکھوں گا مگر کبھی خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ ایسی ضرورت پڑیگی ✦

۱۱- پس میں اس کمیٹی کا قایم ہونا چاہتا ہوں اور ضلع علیگڈھ کے تمام ہندو مسلمان رئیسوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس تجویز کو پسند کرتے ہوں وہ علیگڈھ میں بتاریخ بیسویں مئی ۱۸۷۰ء وقت سات بجے صبح کے سین ٹیفک سوسئیٹی ہال میں تشریف لاویں اور اس تجویز کو کامل و جاری کرنے کے مقصد سے جو جو قواعد و تجویزیں اور ابتدائی تدبیریں کرنی مناسب ہوں اُن کو تجویز کریں اور کمیٹی قرار دیدیں اور اُس کے ممبر مقرر ہوجاویں تاکہ آیندہ کارروائی شروع ہو- اور جو صاحب شہر ہائے دور دراز کے رہنے والے ہیں وہ اپنی تحریریں اس باب میں تاریخ مذکورہ سے پہلے راقم آثم پاس بھیجدیں تاکہ وہ سب تحریریں اُس مجلس میں پڑھی جاویں ✦

## نور الآفاق

ہمکو نہایت رنج و افسوس ہے کہ ہمارا ناصح مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عُمدہ ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اُس سے سرکوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی اخلاق اُس سے وسعت پاتے تھے دنیا سے جاتا رہا یعنی نور الآفاق جو بجواب مضامین تہذیب الاخلاق کانپور میں چھپتا تھا اُس کے مہتمم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۹- رجب ۱۲۹۴ ہجری مطابق ۱۴- جولائی ۱۸۷۷ء کے مشتہر کردیا کہ آیندہ سے نور الآفاق کا چھپنا موقوف ہوا- وجہ موقوفی یہ لکھی ہے کہ نور الآفاق کے جواب دینے پر کوئی متوجہ نہیں ہوا اور یہ کہ " دربار دہلی میں سی- ایس- آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید امداد العلی خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مرادآباد سے بصدق دل یہ اقرار فرمایا کہ اب ہم کبھی کوئی مباحثہ مذہبی تہذیب الاخلاق میں نہ چھاپینگے- جب بفضل اللہ تعالےٰ سید صاحب موصوف کو یہ خیال آیا اور اُن کا دل جانب حق مَیلان پایا پس اب ہم بھی اس اخبار نور الآفاق کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا یہی تھا کہ حق ظاہر ہوجاوے اور حق تعالےٰ اہل اسلام کو اغوائی فرقہ نیچریہ سے بچاوے " خیر سبب موقوفی کچھ ہی ہو مگر ہمکو اپنے ناصح مشفق کے نہ رہنے کا افسوس ہے ✦

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی- ایس- آئی ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو اُن کے

مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے یکرنگ دوست ظاہر و باطن۔ حاضر و غایب یکساں جیسیکہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی ہیں ویسے بہت کم دُنیا میں ہیں گو اُنھوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسایل کو یا ہمارے اجتہاد کو یا ہمارے خیالات کو ناپسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہمپر آیا ہو مگر کبھی ہمارے خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو۔ اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں حاضر و غائب بجز اُن کے ادب و تعظیم کے اَور کوئی کام نہیں کیا ہمنے ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہا اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلیخاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی ہمپر اِس لیئے غصہ ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب اسلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصہ ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہمکو اُس سے خوشی ہونی چاہیئے اور اُن کا احسان ماننا چاہیئے نہ رنجیدہ ہونا لیکن اُسی کے ساتھ ہمکو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی دانست میں وہ نہیں کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے *

ہمکو نہایت آرزو ہے کہ تمام مسلمان قومی بھلائی کے کاموں میں ہر قسم کے تفرقہ کو اُٹھا ڈالیں اور قومی کام میں مدد کریں کیونکہ جب تک قوم قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت نظر نہیں آنے کی ہمنے اپنی دانست میں مدرستہ العلوم قومی بھلائی کے لیئے قایم کیا ہے اور اگر ہماری قوم اُسپر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری تکمیل کردیگی تو ضرور فواید عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہونگے پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلےٰ و ادنےٰ درجہ کے لوگ اُس میں مدد کریں *

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلےٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرستہ العلوم میں اُن کے شریک نہونے سے ہمکو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں مدرستہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دربار دہلی میں بھی ہمنے اُن سے التجا کی اُنھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے۔ **اوّل** یہ کہ تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند کرو یا اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ **دُوسرے** یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو برخلاف عُلمائے متقدمین ہیں توبہ کرو۔ پچھلی بات تو میرے اختیار سے باہر تھی کیونکہ جس بات پر میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقین زایل نہو کیونکر اُس کو دل سے کھو سکتا ہوں پس جبتک

دل پر یقین نہ ہو زبانی توبہ کے لفظ بے سود ہیں ہاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے اگر آپ
مدرسۃ العلوم کی تائید میں دل سے شریک ہوں تو میں آج ہی تہذیب الاخلاق کو بند کر دوں گا
کیونکہ میری رائے میں جناب مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی۔ آیس۔ آئی کا دل سے
مدرسۃ العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے تہذیب الاخلاق کے قوم کے لیئے بہت زیادہ مفید
ہے پس ہم اسی اپنے اقرار کو تحریراً موکد کرتے ہیں اور خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمارے پُرانے
دوست مولوی سید امداد العلی خاں بہادر کا دل خدا مدرسۃ العلوم کی طرف مہربان کر دے وہ ہمارے
ساتھ شریک ہوں اور مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لیئے چندہ جمع کریں جس طرح کرٹر کی کے چندہ
میں اُنھوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کماویں ہم آج تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند
کر دیں گے وما ابرء نفسي ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي ہمکو کچھ نفسانیت
نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں قوم کی بھلائی کے لیئے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں شاید اُس میں
غلطی ہو مگر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو
میسر ہوتی ہے تو ہمکو اُس کے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہو کہ وہ ہاتھ
نہ آوے اور یہ بھی جاتی رہے اور وہی چوبے کی نقل ہو جاوے کہ چھبی ہونے گئے تھے دوبے
رہ گئے ⁂

# اختتام سال ۱۲۹۱ ہجری
# و
# شروع سال ۱۲۹۲ ہجری

سوا چار برس بخیریت گذر گئے۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے
ہونے تھے ہو لیئے۔ اب دُم باقی رہ گئی ہے۔ چاندکی بڑھیا کی کہانی ہے کہ ہاتھی نکل گیا پر دُم باقی
ہے۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد آمد کی
خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا۔ کیا ایسے قلیل زمانہ میں اُس کے
ہونے کی ہمکو توقع تھی۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا ہمکو ایسا جلد ان ناچیز پرچوں سے اپنی قوم کے جگانے اور
اُٹھانے کی جو مدت دراز سے غفلت کے تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی بے خبر سو رہی تھی توقع

تھی - استغفراللہ ۰

وہ عید کا مبارک دن - یعنی یکم شوال ۱۳۰۱ نبوی اور ۱۲۸۵ ہجری جبکہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا - اُمید ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی بھولا نجاوے گا - ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبالی تھی وہ یہی تھی کہ کچھ نہ تھے - اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں - اس غفلت کے دارو نے بیہوشی نے اُن کے کانوں کو بہرا کردیا تھا - ان کی آنکھوں کو پتھرا دیا تھا - دل پتھر ہو گئے تھے - دماغ قابو میں نہیں رہا تھا - ہاتھ پاؤں سُست ہو گئے تھے - زندہ تھے پر مُردوں سے بدتر تھے - اُٹھتے بیٹھتے - چلتے - پھرتے تھے - پر کچھ نہ کرتے تھے - اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی - کچھ لوگ بخوبی ہوشیار ہو گئے - وہ سمجھے کہ ہماری کیا حالت ہے - اور ہم پر کیا مصیبت ہے - لبوں پر جان ہے - پھر اگر جان نہیں تو جہان نہیں - کچھ لوگ ہوشیار ہوئے - پر ابھی آنکھیں ملتے ہیں ۰

بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رہنے سے آنکھوں میں چیپڑ جما ہوا ہے - کچھ کُھلتی ہیں مگر روشنی سے چوندھیا جاتی ہیں - کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں - کچھ حرکت تو اُن میں آئی ہے مگر ابھی انگڑائی لیکر اور کروٹ بدل کر پھر غافل ہو جاتے ہیں - جُپ پھر جھنجوڑو تو ہاں - اچھا کہہ کر دوسری کروٹ لیتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں - کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ابھی بدستور غافل پڑے سوتے ہیں - اور کچھ ایسے ہیں کہ ہوشیار ہوئے ہیں مگر بدمزاجی اور تند خوئی سے ضد میں آکر کمل تانے پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں ہم نہیں اُٹھنے کے - تمہارا کیا چارہ ہے ہم یوں ہی پڑے رہیں گے - بعضے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے رہو مت اُٹھو - سید احمد کون ہے جو جگاتا پھرتا ہے - ہم اِسی بات کو سُن کر خوش ہوتے ہیں - اور دُور ہی سے کھڑے کہتے ہیں کہ وہ اُٹھے - وہ کلبلائے - خدا نے چاہا تو اب سمجھدار بھی ہو جاوینگے یہی رُست وخیز ہماری قوم کے اقبال کی نشانی ہے - پتھر پسیجا تو سہی - اب کسی نہ کسی طرف سے نکلیگا - لوہا پگلا تو سہی - اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہیگا - بند پانی سے بجز سڑ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا - پانی کو بہنا چاہیئے - پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنالے گا - اس وقت ہماری ساری قوم میں اس بات کا غلغلہ ہے کہ ہماری حالت اچھی نہیں - قوم کے لیئے کچھ کرنا چاہیئے - کیا یہ صدا اُن لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں ڈال دیتی ہے ؟ سولزیشن جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ہر گلی کوچہ میں نہیں ہے - کیا نیچر کا قافیہ نیچر کہتے ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے (معاف کیجیئے اُن ضدی سونیوالوں کا ذکر نہیں ہے) کیا

قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے - کیا چار دانگ
ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب - تہذیب - سولزیشن سولزیشن - قومی ہمدردی قومی ہمدردی
پیٹریاٹزم پیٹریاٹزم کا غلغلہ نہیں ہے - کوئی اخبار اٹھاؤ اُس میں - اُن میں سے کسی نہ کسی پر
کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو - جس گلی کوچہ میں جاؤ سید احمد کے تہذیب الاخلاق کا جھگڑا
سُن لو - مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ - مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ - بُرا کہو خواہ بھلا کہو - مگر ہم
دُعا گوؤں کو مت بھولو -

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

یہ ولولہ اور غلغلہ اور ہر ایک بات کا چرچا در اصل ہماری قوم کی بھلائی کی نشانی ہے - اس پر ہمکو
ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ کسی کی کیا رائے ہے اور کسی کی کیا - کیونکہ جو بات ٹھیک نہیں ہے
وہ آج نہیں کل - کل نہیں پرسوں سب کو معلوم ہو جاوے گی - اور سب اُسی پر یقین کرینگے - اور
اُسی پر متفق ہوں گے - ضرور ایک دن آویگا جو قوم کہے گی کہ ہاں سید بھی کوئی دیوانہ تھا - پر بات
ٹھکانے کی کہتا تھا - اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہو اور درحقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو - تو
ہمارے اس ننھے پرچہ نے اپنا کام پورا کر لیا اور اُس کی مراد پوری ہو گئی - وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِکَ +

مگر ہمارے بعض محب وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کبھی غلطی
میں پڑ جاتے ہیں - جب کبھی ان کو کسی سولیزڈ یعنی مہذب و تربیت یافتہ شایستہ قوم میں سے کسی
کی کوئی وحشیانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اُسکو بہت طمطراق سے بیان کرتے اور لکھتے ہیں - اور کہتے
ہیں کہ جب اُس قوم میں بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں بُرا کہا جاتا ہے - مگر اُن کو
سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھُلی کو ٹٹولیں تو اُس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹ نہیں
چھُپتا - ہمکو اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیئے - دوسرے کی آنکھ میں پھُلی ہو یا نہ ہو - بایں ہمہ
وہ لوگ اس باب میں ذرا انصافانہ بھی نظر نہیں کرتے - قوم کی محبت انصاف کو چھپا دیتی ہے -
جس قوم کے کسی شخص کی وحشیانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اُس وقت اس بات کو بھول جاتے
ہیں کہ اُس قوم میں خوبیاں کتنی ہیں - ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں
نہیں - اصلی محبت اور سچی خیر خواہی قوم کی یہی ہے کہ اُس کے نقصانوں کو دیکھے اور اُن کے
مٹانے کی فکر کرے - جو لوگ نہایت ہمدردی اور قومی محبت سے اپنی قوم کے عیبوں اور

نقصانوں سے مطلع کرتے ہیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر بنسبت اُن کے جو قوم کی طرفداری کرتے ہیں اور اُس کے عیبوں کو چھپاتے ہیں بہت زیادہ جلتا ہے اور حقیقت میں وہی لوگ محبِ وطن و محبِ قوم ہیں۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

## ترقی علم انشاء

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانہ میں مقفّٰی عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اُٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لُطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی۔ اور ہمارے ہموطنوں نے اُسکو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیل آگئی ہے اور اُس کی طرف لوگ متوجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پہلا ناپسند طریقہ ادائے مضمون کا بالکل چھوٹتا جاتا ہے۔ بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے لغتوں سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں۔ بہت کم اخبار ایسے ہوں گے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ و سلیس عبارت میں کسی نہ کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔ صرف ایک بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کہ اُن پر ہو چکی ہیں اور جو امور اُن کی نسبت تحقیق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ بعضی دفعہ ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اور جن اُمور کا تصفیہ ہو چکا ہے اُنہی کو پھر چھیڑتے جاتے ہیں۔ یہ نقص اُسی وقت رفع ہوگا جبکہ انواع اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاویں گی۔ اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس

ہوگی۔ سینٹیفک سوسئیٹی علیگڈھ نے اِس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قوم کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور اسی سبب سے اُس کا کام اُدھورا پڑا ہے ۔

نئی اُردو نے درحقیقت ہماری مُلکی زبان میں جان ڈالدی ہے۔ میر درد و ظفر نے اُردو اشعار میں جو کچھ سحر بیانی کی ہو گی ہو۔ میر مومن دہلوی نے کوئی کہانی شُستہ بول چال میں کسی ہو کبھی ہو۔ جو اُس سے زیادہ فصیح و دلچسپ و بامحاورہ ہوگی جو ایک پوپلی بڑھیا بچّوں کے سلاتے وقت اُن کو کہانی سُناتی ہے۔ مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی۔ یہ اِسی زمانہ میں پیدا ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے۔ اگر ہماری قوم اس پر متوجہ رہیگی اور ایشیائی خیالات کو نہ ملاتے گی۔ جو اب حد سے زیادہ اجیرن ہو گئے ہیں تو چند روز میں ہماری مُلکی تحریریں بھی میکالی واڈیسن کی سی ہو جاوینگی ۔

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانہ میں اُردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی تحریروں میں ملاتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں۔ اور جب کوئی زبان محدود ہو جاتی ہے مُردہ کہلاتی ہے۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا اہل زبان کا کام ہے مگر اُن کا ملا لینا آسان کام نہیں۔ اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عمدگی سے ملا لیتے ہیں جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر پر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچی کاری ہے۔ بے شک وہ دوسرا پتھر ہے۔ مگر ایسا وصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے جڑا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ اُسی میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے سے نہیں ہو سکتی اور نہ سب اہل زبان سے۔ بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو ۔

یہ بات بھی غور کرنی چاہیئے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لفظوں کے لے لینے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ ایک مؤرخ کسی مُلک کی تاریخ لکھتا ہے اُس کو ضرور ہوتا ہے کہ اُس مُلک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے متعلق ہیں اور مُلکوں کی تقسیم اور مناصب اُسی مُلک کی زبان میں قائم رکھے کیونکہ اگر اُن کے لیئے اپنی زبان کے الفاظ اور اصطلاح بدل دے تو وہ تاریخ نہایت نکمّی اور غیر مفید ہو جاوے گی۔ ٹونس میں جو تاریخیں غیر مُلکوں کی عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں تصنیف ہوئی ہیں۔ اُن کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ معرب و غیر معرب اُن میں شامل ہیں۔ عربی اخبار الجوائب کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے۔ قرآن مجید کو پڑھو اور دیکھو اُس میں کس قدر الفاظ دوسری زبانوں کے داخل ہیں۔ اگر عربی زبان کے علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ جدیدہ شامل

ہوئے بند ہو جاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی و سنسکرت و ژند کے مُردہ زبان ہو جاتی +

علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعضے دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جس زبان سے اُس علم کو لیا ہے اُسی زبان کے بعض الفاظ اور مصطلحات بدستور قایم رکھے۔ دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں۔ اگر کسی کو لیشر غس نہ ہو تو ضرور اسکو تسلیم کریگا۔ عربی زبان سے کمسٹری انگریزی میں گئی۔ آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی زبان کی کمسٹری میں شامل ہیں +

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کمسٹری بولا۔ اور کیمیا کا لفظ جس سے خود انگریزوں نے لفظ کمسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں کیمیا کے لفظ کے ساتھ چاندی سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے۔ اَب وہ شخص جو اپنی قوم کی ہمدردی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کمسٹری اور کسی جگہ کیمیا کا لفظ بول جاتا ہے تاکہ کمسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیمیا کا لفظ کمسٹری اور کیمیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے +

لٹریچر یعنی علم ادب اہل زبان کے لیئے نہایت وسیع جولان گاہ ہے۔ اُس میں وہ اپنی طبیعت کا زور دکھلاتا ہے۔ اُسی کے ذریعہ سے وہ اپنے دل کی بات دُوسرے کے دل میں ڈالتا ہے اپنی شستہ تقریر اور مناسب مناسب الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ اُنہی لفظوں سے کبھی ہنسا دیتا ہے اور کبھی رولا دیتا ہے۔ پرانے دقیانوسی خیالوں کو مٹاتا ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے واحد کے صیغے بولتا ہے۔ کبھی حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کہدیتا ہے۔ کبھی ترکیب جُملہ کی دوسری زبان کی ترکیب پر گھڑ دیتا ہے۔ اور اس سب میں ایک لطف اور ایک قسم کا مزا رکھتا جاتا ہے۔ اگر وہی چال وہ چلے جو اہل زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل زبان جو کہے سو صحیح ہے۔ اور غیر اہل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے۔ نہیں درحقیقت اُس کا کہنا صحیح اور اس کا بولنا غلط ہوتا ہے اور اہل زبان ہی اُس میں تمیز کرسکتا ہے +

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لیئے ہوتا ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں داخل کرنا مقصود ہوتا ہے کبھی سامعین کو مطلب کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لیئے بولا جاتا ہے کبھی اُس مطلب کی عظمت جتانے کو کہا جاتا

ہے جو عظمت اُس مرادف لفظ سے جو اُس زبان میں مستعمل ہے دل میں نہیں بیٹھتی۔ مثلاً بعض اہل زبان
اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اہل زبان ہی جان سکتے ہیں جنٹلمین کا لفظ
بولتے ہیں۔ اگر وہ اُس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اُس لفظ یا مطلب کی عظمت خاک
میں مل جاتی ہے۔ اس لیئے کہ ہماری زبان اور عام استعمال میں لفظ شریف کا ذلیل ہو گیا ہے۔ اُس سے
بجز اس خیال کے کہ اُس کی حسب و نسب میں کچھ نقصان نہیں ہے شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان ہے اور
کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا مگر اُس لفظ کے بولنے والا اُس خیال سے زیادہ تر وسیع اور اعلےٰ خیال
دل میں بٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اس لفظ سے ایسا شخص بتانا چاہتا ہے جو رذیل آدمیوں کی نسبت
خاندان میں۔ تعلیم میں۔ حیثیت میں۔ اطوار میں افضل ہو۔ اُس کی تعلیم و تربیت۔ اُس کا چال چلن
اچھا ہو۔ نیک اور خوش اخلاق ہو۔ وہ ہر بات میں جو اُس سے متعلق ہو حلیم ہو۔ چال چلن میں۔
حوصلہ و مزاج میں۔ خواہش و ارادہ میں سلیم ہو۔ ایسا ہونا تعلیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور بڑے
لوگوں اور نیک صحبت میں بیٹھنا اُسکو پورا کرتا ہے۔ اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں مگر
جو کہ اُس کا استعمال ایک خاص بات پر ہو گیا ہے تو یہ پورا پورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا
پس ایک محب قوم اہل زبان اُن خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لیئے اپنی زبان کو وسعت دیتا ہے۔
اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ہے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ہو یہی
حال اس قسم کے اَور لفظوں کا ہے۔ اگر ہم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ہمارا یہ آرٹیکل لغت یا اصطلاحات
کی ایک کتاب ہو جاوے۔ اسی نمونہ سے ہمارے ہموطن خیال کر سکینگے کہ ہماری قوم کو اپنی زبان
کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ہے۔ اور ان لغو خیالات کو چھوڑینگے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مرتا ہے۔
انگریزی ہی لفظ بولتا ہے۔ اپنی واقفکاری انگریزوں کی جتاتا ہے۔ کیونکہ کسی جنٹلمین کو ایسے ذلیل
خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیبا نہیں +

## اُردو نظم

ہم نے جو نیچر کی بہت ہائے پکار کی تو اب اُس کا قافیہ کچھ تو نہیں رہا۔ بلکہ شاعروں نے اُس کی
طرف توجہ کی۔ ہماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔ شاعروں نے
اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی
مثنویوں میں صرف کی تھی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُن مضامین کو چھونا نہیں چاہیئے تھا۔ نہیں وہ بھی نہایت

عمدہ مضامین ہیں - اور جودت طبع اور تلاش مضمون کے لیئے نہایت مفید ہیں - مگر نقصان یہ تھا کہ ہماری زبان میں صرف یہی تھی - دوسرے دوسری قسم کے مضامین - جو درحقیقت وہی اصلی مضامین ہیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں نہ تھے - نظم کے اوزان بھی وہی معمولی تھے - ردیف و قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی - رجز اور بے قافیہ شعر گوئی کا رواج ہی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا - ان باتوں کے نہ ہونے سے حقیقت میں ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی - مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانہ نے اسکو بھی رفارم کیا - اور اہل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ہوئے - اُردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں ۱۸۷۴ء کا وہ دن جب لاہور میں نیچرل پوئیٹری کا مشاعرہ قایم ہوا ہمیشہ یاد رہیگا ؛

ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور مسٹر ہالرایڈ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرہ کے قایم ہونے پر بڑی توجہ کی ہے - جس کی شکرگزاری ہماری قوم پر واجب ہے - ہماری قوم کے لایق و فایق لوگوں نے بھی اس پر بخوبی توجہ کی ہے - مولوی محمد حسین آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اس مشاعرہ کے بقا اور قیام میں سب سے زیادہ ہمت مصروف کی ہے - اُنکی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت الفاظ اور طرز ادا سے ہملوگ فایدہ اُٹھاتے ہیں - اُن کی مثنوی خواب امن جو آفتاب پنجاب میں چھپی ہمارے دلوں کو خواب غفلت سے جگاتی ہے - مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈائرکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ہمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ہے - اُن کی مثنوی حب الوطن اور مثنوی مناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ہیں درحقیقت ہمارے زمانہ کے علم ادب میں ایک کارنامہ ہیں - اُن کی سادگی الفاظ صفائی بیان عمدگی خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے - وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوشگوار ہیں - بیان میں - زبان میں - آمد میں - الفاظ کی ترکیب میں - سادگی و صفائی ہے - یہی عمدہ ہیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ہیں - ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی نیچر کے میدان میں پہونچنے کے لیئے آگے قدم اُٹھانا ہے - اور اپنے اشعار کو نیچرل پوئیٹری کے ہمسر کرنے میں بہت کچھ کرنا ہے - مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے اتنا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خیالات میں کچھ تبدیل ہوئی ہے - اور اُس کا بھی تصور ہو سکتا ہے کہ اگر ہماری قوم اس عمدہ مضمون نیچر کی طرف متوجہ رہے اور ملٹن اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالیہ اور مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر میں جو تفرقہ ہے اُسکو دل میں بٹھالے تو ان بزرگوں کے سبب ہماری قوم

کی لٹریچر کیسی عمدہ ہو جاوے گی اور ضرور وہ دن آویگا کہ ہم بھی اپنی قوم کے کسی نہ کسی پر ایسا ہی فخر کریں گے جیسے کہ یورپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیئر پر ناز کرتے ہیں۔ مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ اُن میں دھوکا پڑ جاتا ہے۔ مگر درحقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے۔ پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی۔ اسی پچھلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں اثر کرتی ہے۔ ابھی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر ہمکو اُمید ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہونچ جاویگا ❖

## ہماری حالت

ہمارا حال تو اُس بڑھیا کا سا ہوگیا ہے جس کو بازار کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے۔ ہمارے کاموں کی بہ نسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن اب بھی وہ بہت ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی کیسی خیر خواہی کرتے ہیں۔ آفتاب اسلام کو جس کی شعاعیں گرد و غبار کے سبب دھوندلی ہوگئی ہیں اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہونچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں۔ اصلی سرچشمۂ حیات جاودانی کو جو بہت سے نالے ندیوں کے ملجانے سے گدلا اور میلا ہوگیا ہے کس طرح پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزا صرف لوگوں کی زبان پر رہ گیا ہے اور حلق سے نیچے نہیں اترتا اُس کا اثر دل تک پہونچایا جاوے۔ ہماری آرزو ہے کہ اسلام جسکو ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ سمجھتے ہیں اُس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں۔ اُن کے اخلاق میں۔ اُن کے چال چلن میں۔ اُن کے معاملات میں۔ اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے۔ اسلام کو صرف زبان ہی سے نیک نیک نہ کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اُس نیکی کا نمونہ کر دکھایا جاوے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی حاجی کہلانے کے لیئے حاجی بنے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ حج کا جو اثر دل میں ہونا چاہیئے اُس کو حاصل کرے۔ اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں ہوسکتی۔ اُن کے لیئے تو یہی کہنا بس ہے۔ کہ رحمت براخلاقِ حجاج باد ❖

نماز سے اگر صرف ماتھے پر گٹا ڈال لینا مقصود ہے تو وہ تو پوری رُوسیاہی ہے۔ نماز سے نیاز پیدا کرنا چاہیئے۔ دل پر اُس کا اثر بٹھانا چاہیئے۔ اگر طہارت کو صرف ہاتھ پاؤں دھونے پر منحصر سمجھا

تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی۔ ظاہری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ہے۔ پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوئی تو یہ ظاہری طہارت نجاست سے بدتر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل ہوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح ڈھلیوں کی جگالی اور بلی کی سی طہارت اور بگلے کے سے ذیب سے کچھ فائدہ نہیں۔ واللہ متم نورہٖ ولو کرہ المنکرون ۔

## مدرسۃ العلوم اسلامی

مدرسۃ العلوم کے کاروبار کی ترقی اور اُسکی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اس سال میں بھی کافی کوشش ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ہوئے۔ مدرسۃ العلوم کا چندہ اس سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے پہونچ گیا۔ کمیٹی اُس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہے۔ اُس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرسہ ہے جاری کر دینا بالکل تجویز ہو گیا ہے جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے۔ اور یہ سب حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ اور جو جدید اُمیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذکر ابھی مناسب نہیں ہے وہ بھی نہایت تسلی بخش ہیں۔ اور سب سے زیادہ ہمکو ہمارے خدا کی رحمت تسلی دینے والی ہے جسکی رحمت سے ہمکو دعویٰ ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار ہوگا۔ آمین ۔

ہمنے اپنے ہموطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی التجا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا۔ غایت التجا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی خرابی کا ہمارے ہاتھ میں رہنے سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ اُس کے جواب میں ہمارے قدیم مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس امر کو اس بات سے جو پیشتر کی تھی کچھ تعلق نہ تھا مگر بااین ہمہ میں اُسکو قبول بھی کر لیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محب قلبی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کروں گا۔ بقول شخصے کہ "گوری کا جوبن چٹکیوں میں ہی جائے" میرا تو یونہی تکا بوٹی ہو لیگا۔ میرے افعال و اقوال سے اور مدرسۃ العلوم سے کیا تعلق ہے۔ مدرسۃ العلوم میں تعلیم مذہبی بلاشبہ اہل سنت و جماعت کو موافق مذہب حنفی کے۔ اور شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسلہ کے ہونی چاہیئے۔ اس باب میں جہاں تک کوئی شخص طمانیت چاہے اور

پختگی کرے سب بجا ہے۔ مگر کسی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ؛

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قومی اور حب ایمانی دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا شیعہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علاحدہ ہے جس سے اہل سنت وجماعت کو کچھ تعلق نہیں پس یہ کہنا کیسا بیجا تعصب ہے کہ ہرگاہ اُس مدرسہ میں شیعہ بھی ہوں گے اس لیئے ہم شریک نہیں ہوتے۔ خدا کرے کہ وہ یہ خیال فرما کر ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں مکہ معظمہ کو سدھاریں مگر افسوس ہے کہ میں سنتا ہوں کہ حج وطواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ؛

افسوس ہے کہ شیعہ وسُنّی میں اِس زمانہ میں بہ نسبت اُس زمانہ کے جبکہ امام محمد اسمٰعیل بخاری شیعوں سے روایت کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ مگر حالت زمانہ کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سُنّیوں کو چھوڑیں اور سُنّی اپنے تعصب سے شیعوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہوجاویں گے۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں۔ دولت میں کم ہیں۔ عہدوں میں کم ہیں۔ اگر پھر اُن میں بھی شیعہ وسُنّی وخارجی وناصبی ورہابی وبدعتی کا تفرقہ پڑے تو بجز برباد اور غارت ہونے کے آخر کیا نتیجہ ہے۔ ارے کمبخت متعصبو! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کافر کہا کرنا۔ مگر جو بات سب کے فائیدے کی ہے اُس میں کیوں ایک دل ہو کر شریک نہیں ہوتے۔ عالمگیر نے ایک عامل کی بددیانتی کا ذکر نظیراً کسی دوسرے عامل سے کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک ہاتھ میں پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہیں۔ عالمگیر نے کہا سبلے مگر بوقت خوردن ہمہ برابر می شوند۔ پس اے بزرگو اُس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جس میں سب کا فائیدہ مشترک ہے ؛

جناب مولوی محمد علی صاحب مرادآبادی کی خدمت میں بھی التجا کی۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ ردالشقاق فی جواز الاسترقاق لکھنے کا کچھ مضایقہ نہیں۔ قومی بھلائی وقومی ہمدردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضایقہ ہے ؛

جناب سید الحاج مولنا حاجی علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشت ازبام ہے اُن کی وہماری تو وہی مثل ہوگئی ہے۔

من تُرا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یعنی وہ ہمکو بدعہد کہتے ہیں ہم اُن کو بدعہد کہتے ہیں - بہرحال کسی نے بدعہدی کی ہو - وہ بات جس سے کمنڈت پڑگئی اِس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب ممدوح کے کیوں نہ سپرد کیئے گئے - دیگر بزرگان دین کو کیوں شریک کیا - وما ھذا الا اشقاق مبین +

مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا طے ہوگیا - یعنی ساتویں جنوری ۱۸۷۵ء کو علیگڈھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے - اور اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا کل انتظام اُن سات بزرگوں کے اختیار میں دیدیا جاوے جن کے نام نامی حاشیہ پر ثبت ہیں - اور وہی اِس بات کے مجاز ہیں کہ اَور جس کو چاہیں اپنے ساتھ شریک کرکر کمیٹی مذہبی تعلیم مذہب اہل سنت وجماعت مقرر کرلیں - اور جس طرح چاہیں تعلیم مذہبی کا انتظام کریں - اِن ساتوں بزرگوں نے اِس کام کو منظور کیا اور ظاہرا اَب کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رہا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی - اِس تجویز کو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ نے بلا عذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بنام اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ہمارے اس آرٹیکل کے اخیر میں بعینہ مندرج ہے جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ نسبت تعلیم مذہبی کے بانیان مدرسۃ العلوم کی کیسی نیک نیتی ہے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امر مشہور کیا تھا کہ مدرسۃ العلوم میں تعلیم مذہبی میں خرابی ڈالی جاویگی وہ محض جھوٹ اور افترا تھا - اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ہندوستان میں جو سوالات استفتا علماء کے سامنے پیش ہوئے تھے وہ کیسے اتہامات سے بھرے ہوئے تھے -

محمد عنایت اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور +
محمد عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور +
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس داناپور +
مولوی محمد اسمعیل صاحب رئیس علیگڈھ +
سید فضل حق صاحب رئیس علیگڈھ +
محمد اسمعیل خاں صاحب رئیس دتاولی +
مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب رئیس دہلوی +

اب ہماری دُعا خدا سے یہ ہے کہ سب کے دل میں قومی ہمدردی کا درد پیدا ہو اور سب متفق ہوکر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی متصور ہے - ومن اللہ التوفیق +

## شکریہ اعانت اخبارات

شکر خدا کا کہ ہمارے اِس قومی کام کی مدد ہمارے مُلکی اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرنا

ہمپر واجب ہے - لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں - نور الآفاق -
نور الانوار جو کانپور میں چھپتے ہیں - اور آگرہ اخبار جو آگرہ میں چھپتا ہے - نور الآفاق کو ہمنے مدت سے
نہیں دیکھا اور نور الانوار کو تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں - آگرہ اخبار البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا
ہے - اُس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے - وہ ہمارے افعال و اقوال کا مخالف اور ہمارے شامت
اعمال کا ناصح شفیق ہے - ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرستہ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ
ہمکو خیال ہوتا ہے کہ شاید مدرستہ العلوم کو وہ بھی اچھا جانتا ہے اور اُس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا
ہے - جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا - ہاں جو عظیم الشان تدبیر سوچی
گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اُس کے انجام میں آگرہ اخبار کو شبہ ہے اور اسلیئے
وہ کبھی اُسکی ہنسی اوڑا دیتا ہے - اور خیالی مدرسہ یا شیخ چلّی کا سا منصوبہ کہتا ہے - مگر آگرہ اخبار کا ایسا
کہنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - کیونکہ جو بد اقبالی مسلمانوں کی ہے اور خدا کی جو نامہربانی اُن پر ہے اور جسقدر
نفاق آپسمیں ہے اور قومی ہمدردی کا جو اُن میں مطلق نشان نہیں ہے - اگر اُن سب پر نظر کیجاوے - تو
ہماری اس تدبیر کی اگر ہنسی نہ اوڑائی جاوے تو اور کیا کیا جاوے - ہم مسلمانوں کی بدبختی کی یہی ایک نشانی
کیا کم ہے کہ آگرہ اخبار جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی و منشی ہیں خود اپنی
قوم کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں
اوڑاوے - اور مثل اُن دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو من حیث انہ تیری ماں
ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نکرے کہ یہ ہنسی کس کی اوڑائی جاتی ہے - اگر یہ کام درحقیقت قومی بھلائی کا تھا اور
بے صرف کثیر وہ انجام نہیں پا سکتا تھا - تو اُسپر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اُس کی امداد میں کوشش کیجاتی -
اگر اُس کے انتظام اور اُسکی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لیئے نہایت مبارک دن وہ سمجھتے
کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کمیٹی میں آتا اور وہ کمیٹی میں اس لیئے شریک
ہونا چاہتے کہ جو جو خرابیاں اُس کے انتظام اور اُسکی کارروائی میں ہوں اُن کو دور کریں اور اصلاح فرمادیں
ورنہ بولی ٹھٹھولی کسکو نہیں آتی - جس کے مونہہ میں زبان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے - مگر ہم خدا کا
شکر کرتے ہیں کہ اب ہم اُن کو بھی مدرستہ العلوم کی نسبت مہربان پاتے ہیں - اور بالتخصیص اُن کے اُس
آرٹیکل کا جو اُنھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰ - جنوری ۱۸۷۲ء میں ارقام فرمایا ہے دل و جان سے شکر ادا
کرتے ہیں - اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ ہمارے ہیں اُن کو ہمارے سر بدو -
کالائے بد بریش خاوند - مگر جو بات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اُس میں شریک ہو - اور جو قباحتیں

اُس میں ہوں اُن کی اصلاح کرو +

پنجابی اخبار لاہور۔ کوہ نور۔ سائنٹیفک سوسائٹی علیگڈھ۔ اُردو گائیڈ کلکتہ کا تو ہمارا بال بال احسانمند ہے کہ اُنھوں نے ابتدا سے ہمارے ہر قومی کام کی جسقدر تائید کی ہے اُس کا شکریہ ہم کسی طرح ادا نہیں کرسکتے

اُس اجڑے شہر کے اخباروں کا بھی جس کا نام لیتے دل بھر آتا ہے ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں میو میموریل گزٹ نے ہمدردی قومی کے سوائے حُبّ وطنی بھی برتنی شروع کی ہے۔ جو آرٹیکل کہ اُنھوں نے مدرستہ العلوم کی نسبت اپنے یکم اکتوبر ۱۸۷۲ء کے اخبار میں لکھا ہے ہم اُس کے نہایت شکرگزار ہیں +

ناصر الاخبار دہلی کی عنایتوں کو اور بالتخصیص اُس عنایت کو جو خاص مکالمہ کے ایک آرٹیکل لکھنے میں کی ہے ہم بھول نہیں سکتے۔ ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس لیئے ناراض ہیں کہ مدرستہ العلوم دلی میں کیوں نہ مقرر ہوا۔ بھائی کہاں ہے وہ دلی اور کہاں ہیں وہ دلی والے۔ جو نقش کہ مٹ گیا اُس کا اب کیا نام لینا ہے۔ مرثیہ پڑھا کرو اور دلی اور دلی والوں کو رویا کرو +

اودھ اخبار اور اُس کے مالک اور شفیق اڈیٹر صاحب تو دل و جان سے مدرستہ العلوم کے حامی ہیں اُن کے شکریہ میں یہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکر ادا نہیں کرسکتے +

مرقع تہذیب لکھنؤ نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کاروبار میں کی ہے وہ درحقیقت ایک قدر عنایت ہے اور یہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ہی میں چند کلمتہ الخیر لکھنے پر بس کی ہو۔ بلکہ اُس جلسہ کے بعض بزرگوں نے قلم و قدم و درم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ جو مضمون کہ ۱۲ جولائی ۱۸۷۲ء کو ضمیمہ اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لیئے کمیٹی خزینتہ البضاعت حد سے زیادہ ممنون ہے +

ہم اپنے دکھنی دوستوں یعنی میسور اخبار کے اُس آرٹیکل کے لیئے جو چھٹی ۶ اگست ۱۸۷۲ء کے پرچہ میں چھپا۔ اور قاسم الاخبار کے اُس آرٹیکل کی بابت جو سترھویں ۱۷ اگست کے پرچہ میں چھپا دل سے شکرگزار ہیں۔ مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مسلمان شریک ہوکر مدد نہ کریں اور ایک خزانہ آب حیات کا نہ جمع کرلیں جس کی نہریں بہ کر تمام ملک کو سیراب کریں۔ اُس وقت تک قومی بھلائی اور قومی ترقی ناممکن ہے۔ اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے اپنے لیئے جُدا جُدا گڑھا کھو دلیں اور گو اُس میں پانی کا کچھ رساؤ ہی ہونے لگے۔ مگر یقین جانیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ہو جاویگا۔ جب تک کہ ہم ایک سرچشمہ نہ بنالیں جس کی سوتوں میں کبھی کمی نہو۔ اُس وقت تک قوم کی سرسبزی جو بمنزلہ ایک نہایت وسیع باغ کے ہے غیر ممکن ہے +

شمس الاخبار مدراس کا شکر کیئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں کلمتہ الخیر کے بغیر

نہیں رہتا۔ اس ہماری مختصر شکرگزاریوں سے اسقدر ثابت ہوسکتا ہے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ہمارے اس قومی بھلائی کے کام میں ممد و معاون ہیں اور بالاتفاق تمام ہندوستان کو اس بات کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اُن کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاہیئے۔ اور اس بات کو بھی سب نے۔ دوست اور دشمن نے۔ یار و اغیار نے۔ مخالف و موافق نے تسلیم کیا ہے کہ اس کام کے لیئے مدرسۃ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہم مسلمانوں کی بدبختی سے چند باتوں کی ہم میں کمی ہے اس لیئے اب تک یہ کام پورا نہیں ہوا۔ قومی کام میں ہماری قوم کو توجہ کم ہے۔ روپیہ فضول کاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ہیں۔ الا قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ ایک کام کا ولولہ اُٹھتا ہے وہ قایم نہیں رہتا اور اُس کے پورا کرنیکا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے۔ محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُسپر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے۔ مگر ہمکو خدا سے اُمید ہے کہ آیندہ کو بہ نسبت گذشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ تر توجہ کریگی +

اس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ ہمنے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے ملک کے بے نظیر اخبار **النفع العظیم لاهل هذا الاقليم** کو بھول گیا۔ وہ اخبار ہمارے ہندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سرتاج ہے۔ اسکی زبان سے ہمارا دل و جان زندہ ہوتا ہے۔ اُس کے شیریں الفاظ اور موزونی کلام سے ہمکو ہماری پچھلی باتیں سب یاد آتی ہیں۔ اُس نے جو کچھ ہمدردی اس قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے اخیر اس لیئے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لیئے شگون نیک ہو۔ جو آرٹیکل یکم دسمبر کے پرچہ میں چھپا ایسا درد آمیز و محبت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ہوتا ہے۔ ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اُس آرٹیکل کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچہ بھی اُس لعل درخشاں کی روشنی سے منور ہو +

## وهو هذا

## الكلام في حالة المسلمين الهنديين وايقاظهم عن نعاس الغفلة في هذا الحين

لما نرى الاسلام ضعيفا واهله في حضيض المذلة وضيعا كان او شريفا فاخذنا الاسف الشديد واللهف المزيد وكذلك يحارضنا الغبطة اذ نشوف الهنود (اي عبدة الاصنام) عارجين على المعارج العظيمة من حيث الثروة والرخاء مع ما كان ذلك لهم لابيد ترقيهم وسعيهم في

اخذ العلوم وتحصیل الفنون فلنا لا نجد فی المدارس من اطفال المسلمین الا عددا یسیرا بخلاف الهنود فان اطفالهم بالرغبة والکثرة یتعلمون العلوم الحکمیة والفنون الریاضیة بلغة انگلیزیة فیکیدنا احوال جمیع المسلمین لا سیما حالة الهندیین فانهم مصرون علی اخذ الرذائل وترک الفضائل لا یجاملون بانفسهم واولادهم فکیف بالاغیار ولا یعبرون بشیٔ من الحوادث الکائنة فی هذه الاعصار لا یعلمون اطفالهم الا البطالة ولا یرغبون اولادهم الا الی السفاهة او الجهالة فتعودوا علی ترک الاشغال والحرف الجیدة واستعمال الملاهی والملاهب وانهماک فی المعاصی والمعائب ونبذ الرغائب وادخار العیوب ولا عوار والمثالب لا یرون الی عبدة الاصنام کیف یبالغون فی الاحترام وتحصیل الحرف والصنائع بتعلمهم لسان الحکام حتی انهم یصعدون علی المشارف العالیة العظیمة دوما ویصلون الی المراتب الفخیمة من العز والتمکین والثروت یوما فیوما ـ واهل الاسلام مالهم وقع عند الحکام ولا عزة بین الانام وهذا العصور عصور ترقی العلوم ودهور اشاعة العمل علی المعلوم واهل الاسلام فی هذه الایام ایضا راقدون فی رقدة الغفلة والبطالة اوما یشهد هؤلاء النائمون فی نعاس الجهالة ان امة انگلیزة کیف یالغوا فی اختراع الآلات العجیبة والادوات الغریبة المساعدة علی التمدن والعمران فی هذه الاوان فاشرقت ممالکتهم باشراق شوارق العلم والکمال وبرعت امتهم فی ایجاد العجایب وابداع الغرائب بانهماکهم فی تلک الاعمال فسبقوا الامم السالفة فی العلم والعمل وفازوا فوزاً عالیاً فی الفطانة والفضل وقد کانت امة انگلیزة فی العصور الخالیة والدهور الماضیة هائمة فی فیافی السفاهة والهمج والهوان و غائصین فی البحار الجهالة والامتهان حتی اخذوا من العلوم ما اخذوا وعملوا علی ما علموا الی ان برعوا واخترعوا اشیاء کثیرة باذهان صافیة وعقول وافیة فیالهم من عقول واذهان استولوا بهما علی البلاد الفسیحة اعنی هندوستان وقد مضت مدت من الازمان علی ان امة انگلیزة استولت علی البلاد الهندیة وبالغت فی اشاعة العلوم والفنون فی هذه البلاد فقلدهم عبدة الاصنام واخذوا فی تحصیل العلوم حتی انتزلوا الی المناصب الجلیلة ولکن مسلمی الهند لا یلتفتون الی تعلم العلوم یخرجوا من ظلمات الذل والجهل الی نور العقل والعلم والفضل فلو رغبوا الی تحصیل العلوم والفضائل لفازوا الی المشارف العظیمة والمناصب الجلیلة الفخیمة وحصل لهم العز

والاعتبار والتمكين ومن وقعهم لبيان على الناس وقع الاسلام فالمسلمون الهنديون قد استهنوا الاسلام بامتهانهم وصغروا الايمان بهوانهم وانا نتيقن على انهم ان مالوا الى تحصيل العلوم والفنون في هذا الحين فيظهر فضلهم في قلائل الايام على العالمين اذ اذهانهم اصفى وقلوبهم اذكى من اذهان الهنود وقلوبهم فلابد لهم ان يقلدوا امة انكليزية في اخذ العلوم واستعمال الصنائع وامة انگليزية اما تريد تعليم رعيتها قاطبة لاخصوصية فيه للهنود ولكن نحن لا نجد الى ذلك سبيلا اذ المسلمون لا يجمعون على امر يكون فيه صلاحهم واصلاحهم ولا يرغبون الى شئ يوجد فيه فلاحهم ونجاحهم ولا يتفكرون في انه قد حان زمان انتكاسهم وطلاحهم وقربت ايام ذلهم وهوانهم وكسر طماحهم ـ قد استحوذ عليهم الحمق والطيش فضاق عليهم العيش ودار المهر دليلهم وسد سبيلهم حتى انهم من يريد لهم خيرا يزعمونه معاندا وذلك الخير لا نفعهم شرا وضيرا ـ واعظم الشواهد على ذلك احوال الجناب نجم الهند السيد احمد خان بهادر الذي بالغ في حماية الاسلام والمسلمين واراد ان يوصلهم الى المناصب الجليلة والمراتب الجهيلة بتعليم العلوم الدينية والفنون الدنيوية على طرق مستحسنة فاستجم المسلمين على ان يحشدوا اهارقا وافرا من المصاريف لمدرسة اسلامية لذلك فتشاخسوا في هذا الامر تشاخسا كثيرا منهم من قام لتكفيره ومنهم من سعي في قطع تدبيره مدابرالله من غير تدبر حتى وقع الشغب العظيم في المسلمين وبعض مخالفيه اشتهروا في الجرنالات مطاعن المومي اليه الى ان تاخر كثيرا من الناس من نصرة المدرسة الموصوفة بل اصروا في تضييق بانيها وهدم مبانيها ولم ينظروا الى عوايدها ولم يفهموا فوايدها واقامة تلك المدرسة في هذا الزمان من الواجبات اذ الدهر العسوف قد استصعب على المسلمين فذل رقابهم اجمعين

ليس البلية في ايامنا عجبا + بل السلامة فيها اعجب العجب
ليس الجمال باثواب يزينها + ان الجمال جمال العلم والادب
ليس اليتيم الذي قد مات والده + ان اليتيم يتيم العقل والحسب
ايها المفاخره جهلا بالنسب + انما الناس لام واب
هل تريهم خلقوا من فضة + ام حديد ام نحاس ام ذهب
هل تريهم خلقوا من فضلهم + هل سوى عظم ولحم وعصب

انما الفخر لعقل ثابت ٭ وحیاء وعفاف ادب

وانا لا نشك في ان اقامة المدرسة الاسلامية الموصوفة انفع للمسلمين من شغبهم
هذا اذ لا طائل تحت شغبهم وكدهم الى تكفير الباني وتفسيقه ابدا الا انهم يغرون بأقوالهم
الباطلة الفاسدة وارائهم الكاسدة عن النفع العظيم والربح الجسيم الذي يحصل لاطفالهم
بتعلم العلوم الجديدة في المدرسة الموصوفة فيا ايها المسلمون ادركوا زمانكم هذا
واجتهدوا في التعليم اطفالكم واحشدوا المصاريف لاقامة المدرسة الاسلامية رافته
على اولادكم لكي يبلغوا بعد تعلم العلوم والفنون الى المشارف العالية والمناصب
الجزيلة والا فستندمون بعد تلائل الازمان حيث لا ينفعكم الندم ٭

العلم زين فكن للعلم مكتسبا ٭ وكن له طالبا ما كنت مقتبسا
واركن اليه وثق بالله واغن به ٭ وكن حليما رزين العقل محترسا
لا تاسا من فاما كنت منهمكا ٭ فالعلم يوما واما كنت منغمسا
وكن فتى ناسكا محض التقى ورعا ٭ للدين مقتبسا للعلم مفترسا
فمن تخلق بالاداب ظل بها ٭ رئيس قوم اذا ما فارق الروسا
واعلم هديت بان العلم خير صفا ٭ اضحى لطالبه من فضله سلسا

واما الذين يكفرون الباني فلا بد له ان لا يبالیهم اذا اسفهاء لا محالة اعداء للكملاء
وهذه عادة جارية من قديم الزمان تراب على راس الزمان فانه زمان عقوق
لا زمان حقوق فكل رفيق فيه غير موافق وكل صديق فيه غير صديق ٭

## نقل خط

جو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ سے اُن سات بزرگوں کے نام جاری ہوا جنہوں نے
اہتمام تعلیم مذہب اہل سُنّت وجماعت کا اپنے ذمّہ لیا ہے ٭

مخدوم ومکرم معظم ومحتشم مطاع بندہ سلامت ۔

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ روئداد اجلاس کمیٹی خزینۃ البضاعۃ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۸۷۳ء
بذریعہ نیاز نامہ ہذا خدمت عالی میں بھیجتا ہوں ۔ اُس سے ظاہر ہوگا کہ جو تجویزیں ۷۔ جنوری ۱۸۷۳ء کو
بمقام علیگڈھ آپ نے بشمول دیگر مسلمانان کی تھیں وہ سب حسب ضابطہ روئداد میں مندرج ہوگئیں

اور جن لوگوں کو آپ نے کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت کا ممبر ہونا تجویز فرمایا تھا
اُن کے نام نامی حسب ضابطہ رؤیداد میں مندرج ہو گئے۔ منجملہ اُن صاحبوں کے سات بزرگوں نے اپنی
منظوری ممبر ہونے کی ظاہر کر دی تھی۔ مگر نواب محمد محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری اور حاجی
محمد فیض احمد خاں صاحب رئیس دتاولی اور محمد ارشاد علیخاں صاحب اور مولوی محمد لطف اللہ صاحب اور
مولوی عبد القیوم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وہاں موجود نہیں تھے۔ اُن بزرگوں نے جنہوں نے
ممبر ہونا منظور کر لیا تھا یہ بات فرمائی تھی کہ ہم بطور خود تحریراً خواہ تقریراً اُن لوگوں سے منظوری حاصل
کر لینگے۔ پس اُمید ہے کہ آپ بزرگان مذکورہ بالا سے نسبت منظوری ممبری کے طے فرمالیں اور اُن میں
سے جو صاحب ممبر ہونا منظور کریں اور جو نامنظور کریں اُن کے اسمار مبارک سے مطلع فرماویں۔ تاکہ
بنظر اطلاع دیگر ممبران مندرج رؤداد کیئے جاویں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ بموجب تجویز مذکورہ بالا کے
یہ امر بھی طے ہو گیا ہے کہ اُن سات بزرگوں کو جنہوں نے ممبر ہونا منظور کر لیا ہے اس بات کا بالکلیہ
اختیار ہے کہ جس جس کو چاہیں کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت کا ممبر مقرر کریں۔ پس
آپ ساتوں صاحب باہم صلاح اور مشورہ کر کر جس جس کو کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت میں
داخل کرنا چاہیں داخل فرماویں۔ کسی کو اس میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ اور اپنی کمیٹی کی کارروائی کے
لیئے بھی جو قواعد کہ مناسب ہوں تجویز فرماویں۔ صرف اتنی بات چاہیئے کہ جو قواعد آپ تجویز کریں اُسکی
ایک نقل اور اپنے اجلاس کی رؤداد ہمیشہ دفتر کمیٹی خزینۃ البضاعۃ میں ارسال فرماتے رہیں تاکہ بنظر
اطلاع ممبران کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کے وہ کاغذات بھی چھپتے رہیں ✤

دوسرا امر قابل عرض یہ ہے کہ علیگڈھ میں جو یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ممبران کمیٹی مدبران تعلیم مذہب
اہل سُنت و جماعت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی کمیٹی کے کسی ممبر کو جس وقت چاہیں کثرت رائے
سے موقوف کر سکیں اسکی نسبت یہ التماس ہے کہ آپ اپنی کمیٹی جمع کر کے اس امر پر اور اُسکے نیک و بد
پر بخوبی غور فرمالیں اور جو تجویز قطعی اور اخیر نسبت امر مذکورہ کے ٹھہرے اُس سے مطلع فرمائیے۔ تاکہ
اُس کی تعمیل کے لیئے حسب ضابطہ کارروائی کیجاوے ✤

تیسری غرض یہ ہے کہ تمام معاملہ تعلیم مذہب اہل سُنت و جماعت کا اُن ساتوں بزرگوں کے جنہوں نے
ممبر ہونا قبول کر لیا ہے اور اُن کے جن کو کہ آیندہ وقتاً فوقتاً آپ اپنا شریک کرینگے سپرد ہے۔ اور
اُنھیں کو اُسکی نسبت اختیار کامل حاصل ہے۔ وُہی لوگ مدرسان تعلیم مذہبی تجویز کرینگے اور وُہی لوگ
سلسلہ کتب مذہبی مقرر کریں گے۔ پس اُمید ہے کہ آپ سب صاحب متوجہ ہوں اور جو امور کہ آپ نے

اپنے ذمہ اختیار کیئے ہیں اُن کا انتظام اور انصرام فرما دیں +

چوتھی غرض یہ ہے کہ سلسلہ کُتب درسی مذہبی کا جو آپ مُقرّر فرماویں اُس کے چار درجے حسب تفصیل ذیل ہونے چاہئیں۔ اوّل سلسلہ عام ضروری درسی کتابوں کا۔ یہ سلسلہ صیغہ مدارس سے متعلق ہوگا جس کا ذکر طریقہ تعلیم کی دفعہ ۸ میں مندرج ہے۔ اس درجہ میں جو لڑکے تعلیم پاویں گے اُن کی مدت تعلیم جملہ علوم کے لیئے پانچ برس مُقرّر ہے۔ اس درجہ میں ہر طالب علم کو مذہبی کتابوں کا پڑھنا ضرور ہوگا۔ اس درجہ کے طالب علموں کی استعداد اس درجہ تک پہونچے گی کہ وہ عربی اور فارسی عبارت بمعہ قواعد صرف و نحو بخوبی پڑھ سکتے ہوں گے اور عربی و فارسی عبارت کے معنی اور مطلب بخوبی سمجھ سکتے ہونگے پس اس صیغہ کے لیئے ایسے درجہ کی کتابیں عربی زبان کی تجویز کی جاویں جو رفتہ رفتہ اُس قدر استعداد کے طالب علموں کے مناسب ہوں۔ اور یہ بھی تجویز کیا جائے کہ صرف اور نحو کے کس درجہ تک پہونچ جانے کے بعد عربی سلسلہ مذہبی کتابوں کا پڑھنا شروع کرایا جاویگا +

علاوہ اس کے اسی درجہ کی لیاقت کے موافق ایک دوسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا فارسی زبان کا منتخب ہونا چاہیئے تاکہ جو لوگ عربی زبان کی تعلیم اختیار نہ کریں گے اور فارسی زبان میں تعلیم ہونا چاہیں گے اُن کو وہ سلسلہ مذہبی تعلیم کا پڑھنا پڑیگا +

اس کے سوا اسی قسم کا ایک تیسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا اُردو زبان میں مرتب ہونا چاہیئے تاکہ جن لوگوں نے یورپ کی زبانیں اختیار کی ہونگی اُن کو اس اُردو سلسلہ کے ذریعہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنی ضرور ہوگی +

دوم سلسلہ اُس سلسلہ سے اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے ادنےٰ درجہ سے علاقہ رکھیگا جس کا ذکر دفعہ ۱۰ طریقہ تعلیم میں ہے اور اس درجہ میں بشمول دیگر علوم کے چار برس تک تعلیم ہوگی +

اس درجہ میں دینیات کی ایسی کتابیں عربی کی منتخب ہونی چاہئیں جو ایک مستعد طالب علم کے پڑھنے کے لائق ہوں اور جو عموماً اعلےٰ درجہ کے طالب علموں کے درس تدریس میں داخل ہوں گے اس درجہ کے لیئے فارسی زبان کی کتابوں کا بھی کوئی سلسلہ منتخب ہو تو نہایت مناسب ہوگا بلکہ اس درجہ کے لائق اُردو زبان میں بھی کوئی سلسلہ پیدا کیا جاوے تو مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ہوگا۔ اور اگر آپ کی کمیٹی توجہ فرمائے گی تو بذریعہ تصنیف اور ترجمہ کُتب بزبان اُردو ایسا سلسلہ مرتب ہو جانا کچھ مشکل نہ ہوگا +

تیسرا سلسلہ اس سلسلہ سے بھی اعلےٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیئے کیونکہ
یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے اعلےٰ درجہ کی تعلیم سے علاقہ رکھتا ہے جس کا ذکر دفعہ ۱۱ طریقہ تعلیم
میں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسی مشکل اور دقیق کتابیں داخل ہونی چاہئیں جو ایک پورے اور کامل
فاضل ہونے کے لیئے درکار ہیں اور اگر اس درجہ کے لیئے بھی فارسی اور اُردو زبانوں کا سلسلہ بھی
مرتب کیا جائے تو نہایت عمدہ بات ہوگی ۔

چہارم۔ یہ تینوں سلسلے اس لحاظ سے مرتب ہوں گے کہ طالب علموں کو اور علوم کے پڑھنے کا
بھی جس کے ساتھ یہ سلسلہ مذہبی پڑھایا جائے گا موقع رہے۔ لیکن بعض طالب علم ایسے ہونگے
جن کی خواہش یہ ہوگی کہ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ اور کامل درجہ کی تعلیم پاویں پس اُن کے لیئے
ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں
کسی قدر زیادہ اور بہ نسبت کتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں کیونکہ
جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پاویں پس اُن کے لیئے ایک عمدہ سلسلہ خاص
صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیئے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسیقدر زیادہ اور بہ نسبت
کتب سلسلہ ہائے مذکورہ بالا زیادہ مشکل اور زیادہ دقیق ہوں۔ کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی
میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم چاہینگے اُن کو پوری کامل درجہ کی اور دقیق تعلیم ہونی چاہیئے ۔

یہ تمام سلسلے جن کا اوپر مذکور ہوا مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق حنفی مذہب کے منتخب
ہونے چاہئیں کیونکہ تمام اہل ہند سُنی حنفی مذہب ہیں اور مدرسۃ العلوم میں حنفی مذہب کی تعلیم ہوگی
تعلیم دینیات میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث۔
اصول تفسیر۔ علم عقائد۔ علم کلام۔ پس انہیں علوم کی کتابیں سلسلہ تعلیم علوم مذہبی میں جس طرح کہ
مناسب ہوں داخل کیجاویں۔ یہ سب تفصیل میں نے اس لیئے التماس کی ہے کہ جو درجات
تعلیم مدرسۃ العلوم میں مقرر ہوئے ہیں اُن سے آپ کو بلا تکلف اطلاع رہے۔ اور اُسی مناسبت
سے سلسلہ کتب درسیہ مذہبی کا قرار دینے میں آسانی ہو ۔

اس امر کی اطلاع کرنی بھی مجھ کو ضرور ہے کہ آپ بہت جلد اور سب سے اول جن لوگوں کو
اپنے ساتھ شامل کرنا منظور ہو اُن کو شامل کرکے اپنی پوری کمیٹی کر لیجیئے اور سب سے اول اور
نہایت جلد وہ کتابیں جن کا ذکر سب سے پہلے سلسلے میں ہوا ہے منتخب اور تجویز فرمائیے۔ اور
اُن کی فہرست سے کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کو مطلع فرمائیے تاکہ یہ کمیٹی اُن کے بہم پہونچانے میں

سعی و کوشش کرنے ۔ کیونکہ جب تک یہ سلسلہ مرتب نہ ہو جاوے گا اور سب کتابیں بہم نہ پہونچائی جاوینگی تعلیم شروع نہ ہو سکیگی ۔ والسلام ✦

## آخری پرچہ

# تہذیب الاخلاق

سوتوں کو جھنجوڑتے ہیں تاکہ جاگ اُٹھیں ۔ اگر اُٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہو گیا ۔ اور اگر نیند میں اُٹھانے سے کچھ بڑبڑائے اور کچھ جھنجلائے ۔ اِدھر ہاتھ جھٹک دیا اُدھر پیر جھٹک دیا اور جھنجلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوتی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اُٹھیں گے ۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہمکو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیئے اور تہذیب الاخلاق کو بند کر کر دور سے نیند کے اُن خمار آلودوں کا جواب صرف جھنجلاہٹ سے اینڈے پڑے ہیں اُٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیئے ۔ بچے اُٹھاتے وقت کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہمکو اُٹھائے جاؤ گے تو ہم اَور پڑے رہیں گے تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اُٹھ کھڑے ہونگے بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لوں گا ۔ لو بھائیو ۔ اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اُٹھو اُٹھو ۔ پی لو پی لو ۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جتلانا چاہتا ہوں ✦

ایک دن تھا کہ ہم بھی اُسی رنگ میں مست ۔ تھے ۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے ۔ کہ کسی کے بھی اُٹھائے نہ اُٹھتے تھے ۔ اب ہماری یہ مثل ہے ۔

لو آج میر مسجد جامع کے ہیں امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے۔ اور کیسی کیسی کالی گھٹا ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فرہاد سے بڑھ کر تھے جب زاہد خشک تھے تو نہایت ہی اکھڑ تھے۔ جب صوفی تھے تو رومی سے برتر تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار۔ تمکو کس نے جگایا؟ دل اور زمانہ نے دل کی کیفیت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی۔ پر سوتا تھا۔ زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگایا دفعۃً دیکھا کہ دنیا الٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواری سب اجڑ گئی۔ قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کافر بھی نہ پائے۔ اس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اور ہی خیال ہوا۔ پر غلط ہوا۔ اور مجھ کو جو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابتر ہونا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل آخر دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو نہ پگھلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کیجیے۔ جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں۔ جتنی امیدیں کرتا تھا سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے۔ کرو جو کچھ کر سکو ہو یا نہ ہو اسی بات پر دل ٹھہرا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا او۔ اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے۔ مگر قوم کی طرف کا بدلہ اسی وقت سے معلوم تھا جو اب ظاہر ہے۔ کافر۔ مرتد۔ ملحد۔ زندیق۔ اسلام کا دشمن۔ مسلمانوں کا ہاجی۔ قوم کا عیب جو۔ دین دنیا سے آزاد۔ کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سنا دینا۔ اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ "دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا"۔ مگر شکر ہے کہ ان کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا۔ اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی آیا کہ اے خدا ان پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

انہی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصود قوم کو اس کی دینی اور دنیاوی ابتر حالت کا جتلانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مردوں کو اٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا۔ یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی۔ مگر حرکت آجانے سے پھر خوشگوار

سے بچا نے کی توقع ہوتی تھی - پس کیا ہمنے جو کچھ کرنا تھا - اور پایا ہمنے جو کچھ کہ پانا تھا - مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہمنے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ وہی کرے جو اُس کو کرنا ہے -

از بندہ خضوع و التجا می زیبد
بخشایشِ بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آنکہ آں مرا نازیباست
تو کن ہمہ آنکہ آں ترا می زیبد

سات برس تک ہمنے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی مذہبی بیجا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا - دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا - اُردو زبان کا علم ادب جو بد خیالات اور موٹے و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا ہمنے اصلاح چاہی - یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمنے اس میں کچھ کیا - مگر ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی - قومی ہمدردی قومی عزت - سلف انریعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہمنے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو ان لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا - ہمنے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب و شایستگی کا غلغلہ سُنا - قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا - اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا - یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہمنے بھر پایا - اَب بہت لوگ ہیں جو اِن باتوں کو پکارتے ہیں گو اس وقت ٹیڑھی میڑھی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی آ جانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ چورس ہو رہیگا - اس لیئے مناسب ہے کہ اَب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی آپ چورس ہونے دیں ۰

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دُور از کار نہ خیال کریں گے بلکہ اُس پر التفات کریں گے جو ہمارے ناصح نور الآفاق نے اپنے اخیر پرچہ میں

لکھا تھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہونگے جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا - خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے "ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا" اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے - مگر ہم اُن سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رُخصت کرتے ہیں اور وہ دن بھی اَب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رُخصت ہوں گے ◆

ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا - اور جب اُن کو معلوم ہوگیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کرلیا ہے تو اُنھوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکرگزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں درج کرتے ہیں - والسّلام ◆